فروغِ حمد و نعت کا کتابی سلسلہ

دبستانِ نعت

مدیر
ڈاکٹر سراج احمد قادری

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

فروغ حمد و نعت کا کتابی سلسلہ

دبستانِ نعت

شمارہ نمبر ۲
جنوری ۔ دسمبر ۲۰۱۷ء

NAAT RESEARCH CENTER-INDIA
Mohalla Banjaria West,
Khalilabad -272175
Distt. Sant Kabir Nagar, UP
INDIA

Mob: +91-9415875761
8423867205
+ 1-347-561-2447

E-mail:
Drsiraj123@gmail.com
Anees11435@gmail.com

ہدیہ Rs.500/-

یارب تو کریمی و رسولِ تو کریم
صلی اللہ علیہ وسلم
صد شکر کہ ہستیم میانِ دو کریم

عاشقِ رسول ﷺ

حسّان الہند

علامہ سید غلام علی آزاد بلگرامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کے نام

حضرت شمس الدین محمد حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ

یَا صَاحِبَ الْجَمَالِ وَ یَا سَیِّدَ الْبَشَر
مِنْ وَّجْهِکَ الْمُنِیْرِ لَقَدْ نُوِّرَ الْقَمَر
لَا یُمْکِنُ الثَّنَاءُ کَمَا کَانَ حَقُّهٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اے پیکرِ حُسن اور اے سرتاجِ انسانیت ! یقیناً (چودھویں کا) چاند آپ ہی کے نُور افشاں چہرے سے درخشاں (ہُوا) ہے (پُوری انسانیت بھی ایک زبان ہو کر) آپ کے اوصاف و کمالات بیان کر پائے ؟ یہ ممکن ہی نہیں ! اس (بے پناہ) داستان کو یُوں مُختصر کرتا ہوں کہ خدا کے بعد آپ ہی کی ذات بزرگ و برتر ہے

نور و نکہت

افکارِ روشن

گوشۂ حسّان الہند

تعارف وتبصرہ

زاویۂ نگاہ

گل ہائے عقیدت

ستائش نامے

سید صبیحؔ رحمانی، محمد ابرار حنیف مغل، سعید رحمانی، ڈاکٹر آفاق فاخری، پروفیسر ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر شائر اللہ خان، ڈاکٹر حبیب راحت حُبابؔ، ڈاکٹر عزیز احسن، تنوؔیر پھول، غفران اشرفی، ڈاکٹر رضوان انصاری، متیؔن عمادی، ڈاکٹر وحید انجم، مدہوؔش بلگرامی، نثار اختر انصاری، اسلم مرزا، اظہؔر عنایتی، شارق عدیل، کرشن کمار طوؔر، ڈاکٹر صابر سنبھلیؔ، انور سلیم، قاضی محمد رفیق فائزؔ، فتح پوری، محمد نظام الدین نوری، مرزا ساجد حُسینؔ امروہوی، الحاج سید مفیض الدین قادری، مشتاق احمد نوری، ظفر اقبال ظفؔر فتح پوری، مولانا عبد العلیم اشرف، پروفیسر فیروز احمد، ڈاکٹر ایس۔ یم عقیل، پروفیسر توقیر احمد خاں، ڈاکٹر سید منیر محی الدین قادری، پروفیسر سید ابوالحسنات حقؔی، ڈاکٹر آفاق عالم صدیقی، پروفیسر شریف حسین قاسمی، پروفیسر علی احمد فاطمی، شمس بدایونی، محمد علی صدیقی (علیگ) شیدؔا بستوی، پروفیسر ڈاکٹر محمد سعد اللہ، ڈاکٹر جعفر جری۔

بِسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ

مجلّہ ’’دبستانِ نعت‘‘ کا دوسرا شمارہ قارئین کرام کے پیشِ نظر ہے پہلے شمارے کے حوالے سے قارئین کرام نے ادب نوازی کے جس جذبۂ بیکراں کے تحت ہماری پذیرائی کی اس کے لیے ہم صمیم قلب سے ان کے شکرگزار ہیں۔ اکثریت نے صرف مجلّے کے ظاہری محاسن پر نگاہ ڈالکر ستائش کی ہے مگر بعض قارئین نے اس پر عمیق ناقدانہ نظر ڈال کر ہماری لغزشوں اور کوتاہیوں کی طرف بھی توجہ مبذول کراتے ہوئے مفید مشوروں سے نوازا ہے۔ ایسی صورت میں جنہوں نے صرف مجلّے کے ظاہری محاسن کو استحسان کی نظر سے دیکھ کر پذیرائی کی ان کے شکریے کے ساتھ ہم اپنے ان قارئین کرام کے زیادہ ممنون و مشکور ہیں جنہوں نے مجلّے پر انتقادی نگاہ ڈال کر اس کی خامیوں کا آئینہ دکھاتے ہوئے اپنے مفید مشوروں سے نوازا۔ ممکن نہیں کہ ان کی یہ ناقدانہ ستائش ہمارے مقاصد کے حصول کے لئے خضر راہ کا کام کر جائے۔

درحقیقت ’’دبستانِ نعت‘‘ کے جاری کرنے کا مقصد صرف ادب کے مطلع سے ایک ادبی جریدے کا اجرا ہی نہیں بلکہ ایوان ادب میں ایک تحریک اس فکری شعور کے ساتھ پیدا کرنا ہے کہ۔

کی محمد سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

علامہ اقبالؔ

کیوں!

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپشِ آمادہ اسی نام سے ہے

علامہ اقبالؔ

ہم مجلّہ ’’دبستانِ نعت‘‘ اور نعت ریسرچ سینٹر۔ انڈیا۔ کے پلیٹ فارم سے پوری دنیا میں بود و باش

اختیار کرنے والے محبان رسول ﷺ کی قدر کرتے ہیں۔ ان کو پلکوں پہ بٹھانا وجہ صد افتخار سمجھتے ہیں۔ ہماری یہی خواہش ہے کہ نعت نبی اکرم ﷺ کا اُجالا اکناف عالم میں اس طرح پھیلے کہ ہر گھر اور ہر روح اسم محمد ﷺ کے نور سے روشن و منور ہو جائے۔ ؎

دہر میں اسم محمد سے اُجالا کر دے

''دبستانِ نعت'' کے اجرا کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد صاحبانِ علم و بصیرت کے مابین نعت کو بحیثیت صنفِ سخن متعارف کرانا اور اس کے ادب پاروں کا نقد و نظر کی کسوٹی پر پرکھ کر ادب میں اس کے جائز مقام و مرتبے کا تعین ہے۔ نیز اسی کے ساتھ ان عوارض و عوامل کی بھی تلاش و جستجو ہے کہ جن کی بنا پر آج تک نعت کو صنف سخن کا درجہ نہیں مل سکا۔ غور و خوض اور مطالعہ و مشاہدہ سے یہ بات منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی کہ علم و ادب سے وابستہ ایک طبقہ نعت گوئی، نعت نگاری یا نعت خوانی کو صرف اور صرف کارِ ثواب یا مذہبی شاعری ہی کی نگاہ سے دیکھتا اور اسی حیثیت سے اسے تسلیم بھی کرتا ہے اس سے آگے بڑھ کر نعت کو پڑھنے سمجھنے اور بحیثیت صنف سخن تسلیم کرنے کی کوشش ہی نہیں کرتا، جب کہ نعت کے صنف ادب ہونے پر چشم کشا شواہد موجود ہیں جن پر سنجیدگی سے غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر لوگ صالح فکر اور چشم بصیرت سے نعت کو بحیثیت فکر و فن اور صنف ادب کے مطالعہ کریں تو حقیقت ان پر بھی اظہر من الشّمس ہو جائے گی۔ مگر نہ جانے کیوں نعتِ رسول مقبول ﷺ کے تئیں ان کی فکر منجمد ہو کر رہ گئی ہے۔

میں نعت کو دیگر اصناف کے تقابل و تناظر میں دیکھنے کا قطعی قائل نہیں کہ مثنوی اور مرثیہ اگر ادب کی صنف ہیں تو نعت کیوں نہیں؟ میرا موقف یہ ہے کہ مثنوی اور مرثیہ بھی ادب کی صنف رہیں مگر نعت کو بھی صنفِ ادب کا درجہ ملنا چاہئے اس لیے کہ نعت کی لفظیات و شعریات ان تمام اوصافِ حمیدہ سے متصف ہیں جن سے دیگر اصناف ادب متصف ہیں۔

چنانچہ ڈاکٹر خالد ندیم اسسٹنٹ پروفیسر، ڈپارٹمنٹ آف اردو، جامعہ سرگودھا، پاکستان اپنے ایک تحقیقی و تنقیدی مضمون ''اصناف ادب پر اردو مطبوعات کا جائزہ'' میں اصناف ادب پر شائع ہونے والی کتب کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے اصناف ادب پر بڑی ہی عالمانہ بحث فرمائی ہے اور اپنے مضمون کے آخر میں ماحصل کے طور پر تحریر فرماتے ہیں۔

درج بالا بحث سے اندازہ ہوتا ہے کہ اصنافِ ادب پر مطبوعات میں بتدریج بہتری آئی ہے اور اصناف شعر و نثر کے حوالے سے ابہامات بھی دور ہوئے ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس سلسلے

میں مزید کام کی گنجائش ہے اور ضرورت بھی۔ اصناف کے بارے میں کوئی مصنف واضح نہیں۔ بعض کے ہاں احتیاط اس حد تک ہے کہ اردو ادب میں جڑ پکڑ چکی اصناف سے بھی صرفِ نظر کیا گیا ہے اور بعض کی جدت پسند طبیعت ہر اس صنف کو اردو اصناف میں شامل کرنے پر مائل ہے، جس کا کہیں سے نام بھی سُنا ہو اور چاہے اس کے لیے کوئی مثال بھی موجود نہ ہو۔ یہ طرزِ عمل طلبہ و طالبات اور قارئین ادب کے لیے پریشان کن ہے۔ اصنافِ سخن میں موضوع اور ہیئت کے اعتبار سے مباحث ابھی تک منطقی نتیجے پر نہیں پہنچے۔ اصنافِ سخن کی درجہ بندی میں بعض مغالطے موجود ہیں، جن کی وجہ سے بعض اصناف کی موضوعاتی یا ہیئتی شناخت کا تعین نہیں ہو سکا، اسی طرح اصنافِ نثر میں بھی صنف اور پیرایہ اظہار میں بعض مسائل موجود ہیں۔ یہ بھی ہے کہ بعض شعبہ ہائے ادب کو صنف کی حیثیت سے متعارف کرانے کا شوق ابھی تک باقی ہے۔ ان تمام مسائل سے نبرد آزما ہونے کے لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ اصناف شعر و ادب کے بارے میں سنجیدہ کوششوں کا آغاز کیا جائے اور ابتدا سے اب تک کسی بھی صنف میں ہونے والی تبدیلیوں کے پیشِ نظر اس کی انفرادیت کو تلاش کر کے اس کو شناخت دی جائے۔ اس کے لیے اصناف ادب پر اب تک کی جملہ مطبوعات کے مندرجات کو بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیے، ساتھ ساتھ انفرادی طور پر لکھے گئے مضامین و مقالات و کتب سے بھی استفادہ ضروری ہے۔'' فکر و تحقیق شمارہ جولائی تا ستمبر ۲۰۱۶ء قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی صفحہ ۱۱۲/۱۱۳۔

پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی سابق ڈین فیکلٹی آف آرٹس و صدر شعبہ اردو ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر یونیورسٹی، مظفر پور، بہار، ایسے ہی لوگوں کے احساس و فکر کو بیدار کرنے کی سعی محکم کرتے ہوئے مجلّہ ''دبستانِ نعت'' کے پہلے شمارے پر تبصرے کے تحت تحریر فرماتے ہیں:-

> ''مسئلہ زیرِ بحث کا ایک افسوس ناک پہلو یہ بھی ہے کہ مرثیہ جس میں ممدوح کائنات اور محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسۂ محترم حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اعوان و انصار کی المناک شہادت کا بیان ہوتا ہے۔ اس کی ہیئت اور اجزائے ترکیبی طے کیے جائیں۔ مگر نعت جس میں خود امام عالی مقام کے جدّ کریم حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ستائش ہوتی ہے۔ اس کے اجزائے فن اور عناصر ترکیبی کی تشکیل سے تغافل اور تجاہل برتا جائے۔ اور یہ امر محتاج وضاحت نہیں کہ حضرت امام حسین کی زندگی کی تمام بہاریں نانا جان سے انتساب کی بدولت ہی ہیں۔''

نعت کو خالص مذہبی یا موضوعاتی شاعری کہہ دینے سے یا یہ کہ اس کی کوئی ہیئت متعین نہیں

اس لیے اس کو صنفِ ادب قرار نہیں دیا جا سکتا اب ان کی یہ دلیل کمزور اور غیر معقول نظر آتی ہے اس لیے کہ دانشوروں کے مطابق اصنافِ شعری شروع سے ہی ہیئتی اور موضوعاتی اقسام میں منقسم رہی ہیں۔ جہاں تک نعت کے مذہبی ہونے کا امر ہے تو اس کے متعلق عصر حاضر کے ایک عظیم دانشور اور محقق پروفیسر شریف حسین قاسمی، سابق پروفیسر دہلی یونیورسٹی، دہلی کا قول ہے کہ ''پورا مشرقی نظامِ زندگی ہی مذہبی شاعری ہے۔'' چنانچہ راقم کے نام اپنے مکتوب محررہ مورخہ ۲۰ رمئی ۲۰۱۷ء میں رقم طراز ہیں:-

''میں فارسی کا طالبِ علم ہوں، آپ کو ضرور معلوم ہوگا کہ میرے اندازے کے مطابق شاید فارسی میں دوسری زبانوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ نعتیں کہی گئی ہیں۔ فارسی بنیادی طور پر مذہبی شاعری ہے۔ اس حقیقت کا اطلاق صرف فارسی شاعری ہی پر نہیں ہوتا بلکہ پورا مشرقی نظامِ زندگی ہی مذہبی شاعری ہے۔ دنیا کے اس حصے میں مذہبی شاعری نے ذہنوں کو زیادہ متاثر کیا ہے۔ فارسی کے ایسے شعرأ کی تعداد بہت کم ہے جنہوں نے مذہبی شاعری کو اپنی توجہ کا مرکز نہ بنایا ہو۔ حمد، نعت اور منقبت وغیرہ کا شمار ظاہر ہے مذہبی شاعری کے زمرے میں کیا جاتا ہے، یہ صحیح اور منطقی بھی ہے، مشکل ہی سے کوئی ایسا فارسی شاعر یا ادیب رہا ہوگا جس نے اپنا دیوان یا نثری کارنامہ حمد سے شروع نہ کیا ہو، پھر نعت نہ کہی ہو اور بعض شعرأ نے منقبت لکھنا بھی ضروری سمجھا ہے۔ حمد و نعت و منقبت میں قصائد و غزلیات و فنی مثنویات نظم کی ہیں۔ چند شعرأ ایسے بھی ہیں جنہوں نے صرف مذہبی شاعری کو ہی اپنے فن کا محور قرار دیا ہے اور ان کے کلام پر مذہبی اور دینی عناصر نسبتاً زیادہ حاوی ہیں۔''

محترم پروفیسر قاسمی صاحب اور پروفیسر فاروق احمد صدیقی صاحب کا نقطۂ نظر اس بات کا بلیغ اشارہ ہے کہ نعت کی ہمہ جہتی اور اس کی آفاقیت یوں ہی نہیں بلکہ حقیقت بر مبنی ہے اور ان کا نقطہ نظر ناقدین ادب کو دعوت فکر و عمل کے ساتھ مستقبل میں نعت کو بحیثیت صنف ادب تسلیم کئے جانے کا مژدہ جاں فزا بھی ہے۔

مجھے نعت کے ارتقائی فروغ کے حوالے سے اپنے قارئین کرام کو یہ خبر دیتے ہوئے دلی خوشی کا احساس ہو رہا ہے کہ ابھی تک ہم اس بات سے نابلد تھے کہ نعت رسول مقبول ﷺ ہندوستان کی کسی یونیورسٹی میں شامل نصاب بھی ہے مگر مجلّہ ''دبستانِ نعت'' کی ترسیل و ابلاغ کے دوران یہ بات معلوم ہوئی کہ دین دیال اُپادھیائے (گورکھ پور یونیورسٹی۔ گورکھ پور) کے ایم۔اے

(اردو) میں نعت بطور نصاب شامل ہے۔نصاب (Syllabus) کے فرسٹ Semester کو یونیورسٹی کی ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کر مجلّہ کے آخر میں شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔ وہاں کے صدر شعبہ اُردو محترم ڈاکٹر رضی الرحمٰن صاحب نے یہ خوشخبری دیتے ہوئے یقین دلایا ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ میں کسی موقعے پر اس کی تفصیلات پیش کرونگا کہ کتنی جد جہد کے بعد اس کو شاملِ نصاب کرایا جا سکا۔ہم نعت ریسرچ سینٹر۔انڈیا کی جانب سے ان کی اس عظیم کاوش کی پذیرائی کرتے ہوئے انہیں دلی مبارک باد پیش کرتے ہیں اوران سے عرض گزار ہیں کہ وہ دیگر یونیورسٹیز کے صدر شعبہ اردو و ذمہ داران کو بھی اس جانب متوجہ کرائیں جس سے کہ دوسری یونیورسٹیز میں بھی نعت شامل نصاب ہو سکے۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ کارکردگی نعت کے روشن مستقبل کی علامت ہے۔

ہم ہندوستان کے تعلیمی کمیشن (یونیورسٹی گرانٹ کمیشن) کے ذمہ دار عہدے داران سے عرض گزار ہیں کہ وہ نعت کے موضوع کو ہندوستان کی یونیورسٹیز میں شامل نصاب کئے جانے کے احکامات نافذ کرے۔ نیز یونیورسٹیز کے اساتذہ سے گزارش ہے کہ وہ نعت کے موضوعات پر زیادہ سے زیادہ تحقیقی مقالات قلم بند کرائیں اور سال میں کم از کم ''نعت'' کے موضوع پر ایک سیمینار کا بھی انعقاد کرائیں جس میں دانشوران قوم وملت نعت کے موضوع پر کھُل کر اپنے نقطۂ نظر کا اظہار کر سکیں۔اس طرح کے سیمینار اور کانفرنسوں کا انعقاد ''نعت'' کے لئے نیک شگون ثابت ہو سکتے ہیں۔ ہمارا ادارہ بطور معاون ان کے شانہ بشانہ ہے۔

''دبستانِ نعت'' کا یہ شمارہ بھی پہلے شمارے کی طرح درج ذیل موضوعات پر مشتمل ہے۔ ''تحمید وتقدیس'' جس کے تحت تین حمد پاک شامل کی گئی ہیں۔ تحقیقی وتنقیدی مقالات ومضامین کو ''تابشِ فکر ونظر'' اور دیگر نعتیہ مقالات و مضامین کو''افکار روشن'' کا عنوان دیا گیا ہے۔ اس شمارے میں ''زاویۂ نگاہ'' کے عنوان سے ایک نیا گوشہ شامل کیا گیا ہے جو''دبستان نعت'' کے پہلے شمارے کے حوالے سے ناقدین ادب کے تبصروں پر مشتمل ہے۔اس گوشے کا مقصد اختلاف رائے کی گنجائش کا پیغام دینا ہے۔مگر اس طرح کے اختلافات جو خود ساختہ اصولوں پر مبنی ہوں ان کی اس میں قطعی گنجائش نہیں۔ ہم ذہنی، فکری، نظریاتی علمی اور ادبی اختلاف کو بصیرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس کی افہام وتفہیم، شعور وفکر کی بالیدگی کے ساتھ محبت رسول ﷺ دائرے میں کرنے کے قائل ہیں۔ یقیناً فکری اور ادبی اختلافات ادب اور فن کو تابانی عطا کرتے ہیں۔مگر خود

ساختہ اصولوں پر مبنی اختلافات عموماً نزع کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ جس سے ادب میدان مبارزت بن کر رہ جاتا ہے۔ ادب کا میدان مبارزت بن جانا ارتکاز فکر کے منجمد ہونے کے مترادف ہے۔ اس شمارے کا بھی انتساب ماسابق کی طرح عظیم نعت گو اور عاشقِ رسول ''حسّان الہند حضرت علامہ سید غلام علی آزاد بلگرامی'' رحمۃ اللہ علیہ سے کیا گیا ہے۔ نعت گو شعرأ کی نعتیہ گل افشانیوں کو شمارۂ اوّل کی طرح ''گلہائے عقیدت'' کے تحت ہی نذر قارئین کیا جا رہا ہے۔ اس بار اس شمارے میں نعتیہ دواوین اور مجموعہ کلام پر تبصرے کے حوالے سے ''کائنات نعت'' کے عنوان سے ایک گوشے کا اضافہ کیا گیا ہے۔ مجلّے کا آخری موضوع ''ستائش نامے'' کے عنوان سے ہے۔ جس میں قارئین مجلّہ کے افکار و خیالات کی جلوہ ریزیاں خطوط کی شکل میں ہیں۔

''دبستانِ نعت'' کا یہ شمارہ کافی تاخیر سے قارئین کرام تک پہنچ رہا ہے جس کے لئے ہم ان سے معذرت خواہ ہیں۔ تاخیر کی وجہ یہ رہی کہ اس مجلّے کو ہم جس معیار کا پیش کرنا چاہ رہے تھے اس طرح کے مضامین کم وقت میں دستیاب ہو پانا ممکن نہیں۔ جبکہ مضامین کے حصول کے لئے محترم جناب فیروز احمد سیفی صاحب (نیویارک) اور یہ ناچیز مسلسل جد وجُہد کرتے رہے۔ دوسری وجہ یہ رہی کہ پہلے شمارے کی اشاعت کے بعد بہت سے احباب نے یہ مشورہ دیا کہ اس جریدے کو ''ششماہی'' کے بجائے ''کتابی سلسلہ'' کر دیا جائے جس سے مقالات و مضامین بھی وقت سے مل جائیں گے اور کام بھی معتبر ہوگا اُسی کے پیشِ نظر ہم نے اس شمارے کو ''ششماہی'' کے بجائے ''کتابی سلسلہ'' کر دیا ہے۔

جیسا کہ آپ سبھی کے علم میں ہے کہ مجلّہ ''دبستانِ نعت'' کے ساتھ نعتیہ ادب کے فروغ و ارتقاٗ کے لئے محترم فیروز احمد سیفی صاحب (نیویارک) ایک عرصہ دراز سے بہت ہی فکر مند اور حساس رہے ہیں اس کے لئے انہوں نے پیہم کتنی سعی کی ہے یہ پوری داستان انہیں کے منھ سے زیب دیتی ہے۔ ایک مدت سے ان کی دلی خواہش تھی کہ نعت جیسی عظیم اور متبرک صنف ادب پر ہندوستان سے بھی معیاری کام ہونا چاہئے اُسی جذبے کے پیشِ نظر ۲۰۱۶ء میں محترم فیروز احمد سیفی صاحب (نیویارک) نے ''نعت ریسرچ انسٹی ٹیوٹ'' قائم کیا جس کے وہ ''فاؤنڈر/ ڈائریکٹر'' ہیں۔ ''دبستانِ نعت ششماہی'' کا پہلا شمارہ اسی ادارے کے زیرِ اہتمام اشاعت پذیر ہوا تھا مگر اب جب کہ مجلّے کو لوگوں کی خواہش کے احترام میں ''کتابی سلسلہ'' قرار دیا جا چکا ہے تو ادارے کے نام میں بھی قدرے ترمیم کرتے ہوئے اس کو ''نعت ریسرچ سینٹر۔ انڈیا'' قرار دیا جا چکا ہے۔

فروغ نعت کے حوالے سے مستقبل میں انشاءاللہ تعالیٰ مستحکم طور پر کام کرنے کا ارادہ ہے۔ ''نعت ریسرچ سینٹر۔انڈیا'' کے زیر اہتمام نعتیہ کلیات ودواوین ،نعتیہ ادب پر یونیورسٹیز میں قلم بند کئے گئے تحقیقی وتنقیدی مقالات کی نشر واشاعت، یونیورسٹیز میں نعتیہ ادب پر تحقیقی مقالات قلم بند کرنے والے ریسرچ اسکالرز کو گائیڈ لائن کے ساتھ لٹریچر کی فراہمی، مجلسِ مذکرہ اور سیمینار و کانفرنس کا انعقاد وغیرہ اس کے عزائم ہیں۔

''دبستانِ نعت'' کی ترتیب وتدوین میں بہت ہی احتیاط سے کام لیا جاتا ہےاور کوشش یہی ہوتی ہے کہ مقالہ نگار کے مقالے کی افادیت کی مناسبت سے ان کے مقالے کو اسی گوشے اور مقام پر شاملِ اشاعت کیا جائےجس کا وہ متحمل ہے مگر انسانی سرشت کے مدّ نظر اگر کسی مقالے کو اس کے شایانِ شان مقام نہ مل سکا ہوتو ہم مقالہ نگار سے معذرت کے ساتھ ہی عرض گزار ہیں کہ وہ ہماری توجہ اس جانب ضرور مبذول کرائیں جس سے کہ مستقبل میں ہم اور محتاط ومستعد ہوکر ترتیب تدوین کا کام انجام دے سکیں۔

انتہائی حزم واحتیاط کے باوجود گذشتہ شمارے کے اداریئے میں ایک ایسا غیر مشروع لفظ ''موضوع روایات'':

> ''میلادِ اکبر میں اگر چہ کچھ موضوع روایتیں بھی شامل ہیں،مگر فضائل ومناقب میں موضوع روایات موثر نہیں۔حدیث کے کلیے کے مطابق فضائل ومناقب میں موضوع روایات کا بھی اعتبار ہے''صفحہ ۱۵

تحریر ہو گیا تھا۔جس کی پشیمانی آج بھی میری روح پر سائے کی طرح چھائی رہتی ہے۔ درحقیقت میں لکھنا چاہ رہا تھا کہ ''فضائل ومناقب میں حدیثِ ضعیف کا بھی اعتبار ہے'' مگر حدیث ضعیف کے بجائے ''موضوع روایات'' تحریر ہو گیا جس کا احساس مجھے تا دم زیست رہے گا۔میں اب تک سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اس طرح کا لفظ مجھ سے کیسے اور کیوں کر سرزد ہوا جبکہ میں خود ہی'' موضوع روایت'' کے خلاف اپنے مقالات ومضامین میں لکھتا رہا ہوں۔اپنی اس کوتاہی کے لئے میں اللہ اور اس کے حبیب مکرم ﷺ کی بارگاہ عالی جاہ میں توبہ واستغفار کرتا ہوں اور عظیم عاشقِ رسول ﷺ مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ کے درج ذیل شعر کو وسیلۂ بخشش بناتا ہوں۔ ؎

سرکار ہم کمینوں کے اطوار پر نہ جائیں
آقا حضور اپنے کرم پر نظر کریں

اداریئے کے اختتامیہ سے قبل ان نعت گوشعرأ کرام کی ارواح طیبات کے حضور خراج تحسین پیش کرنا ضروری ہے جنہوں نے اپنی پوری زندگی نعت گوئی کے لئے وقف کررکھی تھی اور حیات مستعار کی آخری سانس تک وہ آقا و مولا روحی فداجنابِ احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی مدح وثنا میں رطب اللّسان رہے اگران کی ارواحِ طیبات کوخراج تحسین نہ پیش کیا جائے تو روح خودکو ملامت کرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

مرزاافسرحسین بیگ افسرامروہوی

افسرامروہوی کاتعلق علم وادب کے گہوارہ امروہہ سے ہے۔انہوں نے نعتیہ ادب کی خدمت کے لئے اپنے آپ کووقف کررکھا تھا۔ان کی پوری زندگی مدحت مصطفیٰ ﷺ میں گزری۔ انہوں نے ۲۱؍جمادی الاوّل ۱۴۳۷ء ۳۱؍مارچ ۲۰۱۶ء کوداعی اجل کو لبیک کہا۔ان کے فکروفن اورنعت گوئی پرایک وقیع مقالہ ڈاکٹرشجاع الدین فاروقی صاحب کا شامل اشاعت کیا جارہاہے۔

ظہیرغازی پوری

ظہیرغازی پوری کا پورانام ظہیرعالم انصاری تھا۔ان کی ولادت ۸؍جون ۱۹۳۸ء کوغازی پور (یو۔پی) میں ہوئی ۲؍نومبر ۲۰۱۶ءکو ۱۱؍بجے شب میں طویل علالت کے بعدصوبۂ جھارکھنڈ کے مشہور شہرہزاری باغ میں ان کا انتقال ہوا۔وہ شاداب افکاروخیالات کے مالک تھے۔نیزتخلیقی وتنقیدی بصیرتوں کے بھی جامع تھے۔وہ ایک باوقارنعت گوشاعربھی تھےقدرت نے انہیں تحقیقی وتنقیدی ذہن عطا کیا تھامجلّہ ’’نعت رنگ‘‘ کراچی میں ایک زمانے تک بڑی دلچسپی کے ساتھ اپنے فکروفن کا جوہر دکھاتے رہے۔’’نعت رنگ‘‘ کی تحقیقی وتنقیدی بحثوں میں بھی دل جمعی کے ساتھ حصہ لیتے رہے ہیں۔وہ نعت کوجدیدرنگ وآہنگ اورافکاروخیالات کی روشنی میں دیکھنےاور پرکھنے کےحامی تھے۔

بیکلؔ اتساہی

بیکلؔ اتساہی صاحب کا پورانام محمد شفیع خاں تھا۔وہ اُترپردیش کے مشہورشہربلرام پورمیں یکم جون ۱۹۲۸ءکو پیدا ہوئے۔ان کا انتقال ۳؍دسبر ۲۰۱۶ءکوڈاکٹر رام منوہر لوہیا اسپتال دہلی میں ہوا۔۱۹۵۲ءمیں ہندوستان کے پہلے وزیراعظم پنڈت جواہرلال نہرونے ان کی شاعری کی پذیرائی کرتے ہوئے انہیں اُتساہی شاعرکہا۔بعدمیں بیکلؔ صاحب نے اس سے متاثرہو کرخودکوبیکلؔ اتساہی لکھنا شروع کردیا۔۱۹۷۶ءمیں انہیں پدم شری کے خطاب سے نوازا

گیا۔ ۱۹۸۶ء میں وہ راجیہ سبھا کے ممبر بنے۔ تقریباً ۲۲ رشعری مجموعہائے کلام کا گراں قدر سرمایہ اردو ادب کو دیا۔ جن کا موضوع صرف اور صرف نعت رسول مقبول ﷺ ہے۔ ان کی عظیم شخصیت کو خراج پیش کرتے ہوئے انجم عظیم آبادی صاحب نے کہا تھا۔

نعت ہو یا گیت یا نظم و غزل ان کے کہنے کا الگ انداز تھا

چار نسلوں نے سُنا، جن کا کلام آپ ! بیکل ہو گئے ہم سے جدا

بیکل صاحب نے اپنی فکر وفن کا عنوان نعت رسول مقبول ﷺ بنا رکھا تھا۔ انہوں نے جس طرح ذاتِ رسول اکرم ﷺ کو اپنی نعتوں اور گیتوں کے ذریعے عوام کے دلوں میں بٹھایا وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ جنہوں نے بیکل صاحب کو ایک بار بھی سنا ہوگا وہ آج بھی عشق رسول کی کسک اور تڑپ اسی تابندگی کے ساتھ محسوس کر رہے ہوں گے۔ انہوں نے نعت گوئی کے حوالے سے اردو ادب کو جو فکر وفن کا خزانہ عطا کیا ہے آج تک اردو کا کوئی بھی شاعر و ادیب نہیں دے سکا۔ ان کی شاعری کا محور مقامی بولیاں اور لب لہجے کا انوٹھا پن تھا۔ علامہ قمر بستوی کے الفاظ میں۔

''بیکل صاحب نے اپنی ایک پہچان بنائی وہ تھی مقامی زبان کو اردو شاعری میں جگہ دینا جس میں وہ کامیاب رہے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہندستان میں اسّی فیصد طبقہ گاؤں میں رہتا ہے۔ محنت ومزدوری کرتا ہے۔ کھیتی باڑی کرتا ہے۔ اس کا اپنا تشخص ہے، اس کی اپنی زبان اور تہذیب ہے۔ ہماری اردو بیس فیصد طبقے کی ترجمانی کرتی ہے اور اسّی فیصد کو نظر انداز کر دیتی ہے۔ ایک مجلس میں فرمایا کہ:-

''میں غالب اور اقبال کو زمینی شاعر نہیں مانتا۔ ان کی شاعری آسمانی شاعری ہے۔ آپ عربی وفارسی کی بوجھل تراکیب، گراں قدر الفاظ اپنی شاعری میں اگر استعمال کریں گے تو وہ اسّی فیصد جو آپ کو سننے آیا ہے، وہ کیا لے کر جائیگا؟ اس کو اسی زبان میں سُنائیے تاکہ وہ سمجھ سکے''۔ ماہنامہ کنز الایمان، دہلی شمارہ فروری ۲۰۱۷ء صفحہ ۲۹

ہم نے بیکل اتساہی صاحب کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے گوشہ ''تحمید و تمجید'' کے تحت ان کی ایک حمد پاک شامل کی ہے۔

ریاض حسین چودھری

ریاض حسین چودھری ۸ رنومبر ۱۹۴۱ء کو سیال کوٹ (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ ۶ راگست ۲۰۱۷ء کو اس دار فانی سے دارِ جاودانی کی طرف کوچ کیا۔ ان کا پہلا نعتیہ مجموعہ ''زر معتبر'' ۱۹۹۵ء

میں طبع ہوکر منظر عام پر آیا تھا۔اس کے بعد سے وہ اس ۲۳ رسالہ وقفے میں صرف اور صرف رسول اکرم ﷺ کی ہی مدح وثنا میں سرگرم رہے۔اب تک اُن کے ۱۲ رنعتیہ مجموعے منظر عام پر آ کر مقبول عوام وخواص ہو چکے ہیں۔ ریاض حسینؔ چودھری صاحب نے نعت کو قدیم روایت سے نکال کر جدید رنگ وآہنگ ، لفظ ومعانی اور فکر سے ہمکنار کیا۔ان کی طبیعت میں بلا کی جدت تھی نعت میں نئے نئے گوشوں کی تلاش میں وہ ہمہ وقت محو فکر ونظر رہتے تھے۔ وہ اپنے نعتیہ مجموعے ’’غزل کاسہ بکف‘‘ میں فرماتے ہیں۔

’’غزل سے نعت کا تخلیقی سفر رنگوں، روشنیوں اور خوشبوؤں کا سفر ہے، کائناتی سچائیوں اور جمالیاتی توانائیوں کی معراج ہے۔‘‘

نیز اسی مجموعہ کلام میں آگے چل کر فرماتے ہیں۔

’’نعت محض اوزان وبحور کے حوالے سے اپنی پہچان نہیں رکھتی بلکہ اندر کی روشنی کے بھرپور ابلاغ کا نام ہے۔‘‘

درحقیقت محترم ریاضؔ حسین چودھری عصر حاضر میں اس عاشقِ رسول کا نام تھا جس کا سراپا عشق مصطفیٰ ﷺ کی خوشبوؤں میں بسا ہوا تھا۔نعت رسول مقبول ﷺ کے تیئں اُن کا ایمان و ایقان تو دیکھئے وہ فرماتے ہیں۔ ؎

محشر کے دن بھی نعت حوالہ بنی ریاضؔ
محشر کے دن بھی حرفِ سخن محترم ہوا

سبحان اللہ! محشر کا قیام ابھی ہوا نہیں مگر محبت رسول میں ان کے ایمان کی صدائے صد آفریں تو دیکھئے کہ نعت بنی ﷺ میرا حوالہ بنی اور یہ نعت کا ہی اعجاز ہے کہ میرا حرف سخن محترم رہا۔

اللہ کریم جلّ مجدہ کی بارگاہ عالی جاہ میں دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ ان عاشقان رسول ﷺ کو جو آقا ومولیٰ روحی فدا جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے اسم پاک کے اُجالے سے پوری کائنات کو منور کرنے میں زندگی کی آخری سانس تک مصروف رہے ان کی قبروں میں ’’اسم محمد ﷺ سے اُجلا کردے‘‘۔آمین

’’دبستانِ نعت‘‘ کی اس مجلس مسعود میں شامل سبھی تخلیق کاروں کا ہم تہ دل سے امتنان وتشکر ادا کرتے ہیں جنہوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر اپنی گراں قدر تخلیقات سے ہماری ہمت افزائی کی جس سے مجلّے کا وقار سربلند ہوا۔نعت نبی ﷺ کے مختلف گوشوں اور موضوعات پر قلم اٹھا کر جہاں

انہوں نے ایک بڑا علمی وادبی کارنامہ انجام دیا ہے وہیں انہوں نے اپنے لئے توشۂ آخرت بھی تیار کیا ہے۔ہم اپنے تمامی لکھنے والوں سے نہایت ہی ادب واحترام کے ساتھ ملتمس ہیں کہ تخلیقات کی ارسالگی کے وقت اس کے مطبوعہ یا غیر مطبوعہ ہونے کی وضاحت ضرور فرمائیں جس سے کہ حقیقتِ حال ہم پر واضح رہے۔کچھ مقالات ومضامین اور نعتیہ کلام کو ہم نے آئندہ شماروں کے لئے اٹھا رکھا ہے۔جنہیں قریب کے شماروں میں ان شاء اللہ شامل اشاعت کیا جائے گا۔

''دبستانِ نعت'' کا یہ شمارہ جو خوشبوئے مندینہ ﷺ سے معطر ہے آپ کی فکر ونظر کے حوالے کرتے ہوئے حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر ساتھ اجازت چاہتا ہوں۔ ؎

زباں در دہن تا بود جائے گیر
ثنائے محمد ﷺ بود دل پذیر

سگِ بارگاہِ رسول اکرم ﷺ
سراج احمد قادری

تحمید و تقدیس

نیرنگیوں سے یار کی حیراں نہ ہو جیو
ہر رنگ میں اسی کو نمو دار دیکھنا

شاہ نیاؔز بریلوی

حمد باری تعالیٰ جل جلالہ

میرے بیٹے کر یقیں سب سے بڑا اللہ ہے
وہ ہر اک نیکی بدی سے ہر طرح آگاہ ہے

وہ زمانے میں غرور و تمکنت کو توڑ دے
ایک پل میں چاہے تو ٹوٹے دلوں کو جوڑ دے

جو اکڑ کر چلتے ہیں ان کو جھکا دیتا ہے وہ
ناز جن کو دھن پہ ہے وہ دھن مٹا دیتا ہے وہ

قادرِ مطلق ہے وہ ، سب پر اسی کا راج ہے
بادشاہوں کا اسی کے ہاتھ تخت و تاج ہے

وہ ہمالہ کو کرے گہرا سمندر آن میں
پھول کی وادی اگا دے گرم ریگستان میں

ہے وہی سب کچھ وہی خالق وہی منّان ہے
دوزخی کو جنتی کر دے بڑا رحمان ہے

جو چھٹے پھرتے ہیں ان کو قید میں دیتا ہے ڈال
جو اسیری میں پڑے ہیں ان کو لیتا ہے نکال

اس کے ہاتھوں میں ہر اک انسان کی تقدیر ہے
وہ ہے منصف یہ جہاں فریاد کی زنجیر ہے

وہ زمیں کے ذرے ذرے کو کرتا ہے پل میں مہر و ماہ
راج کرواتا ہے منگتے کو بنا کر بادشاہ

عظمت و اعزاز سب کچھ اس سے ہی منسوب ہے
بعد اس کے سب کا مالک اس کا ہی محبوب ہے

بعد رب العالمیں ہے رحمت للعالمیں
جس کی رحمت سے ہے یہ فرشِ زمیں عرشِ بریں

جب کرم فرماتے ہیں جس پر رسولِ کائناتﷺ
تب بفضلِ ربی بن جاتی ہے اس کی بگڑی بات

مانگ لے حسنین کا صدقہ رسول اللہﷺ سے
تجھ کو سب مل جائیگا بیکلؔ اسی درگاہ سے

بیکلؔ اتساہی (یوپی)

حمدِ ربّ جلیل جل جلالہ

سلسلۂ ہزار میرا رب
مرا پرور دگار میرا رب

زندگی کا حصار میرا رب
ہے خوشی کا دیار میرا رب

باعثِ تیرگی ہیں ہم سارے
روشنی کا نکھار میرا رب

اس کی شانِ کریمی حد سے پرے
موجب اعتبار میرا رب

وار دیں اس پہ سارے حرف ثنا
بے نشاں بے شمار میرارب

میری آنکھوں میں آنسو کیوں آئیں
جب کہ ہے غم گسار میرا رب

ہے وہ موجود سطحِ آب پہ طورؔ
حسن موج ہزار میرا رب

کرشن کمار طورؔ (ہماچل پردیش)

حمد باری تعالیٰ جل جلالہ

ہر اک وجود خدایا ترا ہی ہے شیدا ہے
عبادتوں کی وجہ تو تجھی کو سجدہ روا

حسین کتنی ہے مولا تری یہ کائنات
صدف کے موتی کی رعنائی میں ہے عکس ترا

ترے جمال سے ہر گُل میں پنہاں جذبِ طور
سما دی ریگ کے ذرّے میں وسعتِ صحرا

ہے ذرّ ے ذرّے سے افشاں کمالِ یکتائی
ہر اک حباب میں لِپٹا ہے بے کراں دریا

تِرے نشان ہیں ہر سو مگر تو خود بے نشاں
ہوائیں، لہریں، بہاریں ترا ہیں دیتیں پتہ

تو حرفِ کُن سے کرے خلق عالمِ شش جہات
ہر اک وجود میں روح پھونک دی کِرن چمکا

یہ نجم و مہر و قمر کہکشاں سیارے سب
مدارِ ہو میں رواں ہیں تِرے ہی گِرد خدا

ترے اشاروں پہ کوہساروں سے رواں دھارے
تو دھوپ میں کرے چھاؤں دے شب کو سَحر دُھلا

جسے تو چاہے دے عزت تو ہی ذلیل کرے
تو دوستوں کو کرے سُرخرو تو رکھوالا

قریب شہ رگ سے مولا سُنے تو دِل کی آواز
کرے تو مشکل کشائی کہ تو ہے غوثِ اعلیٰ

تو ابراہیم کا تھا آسرا تو ہی حوصلہ
کرے تو آگ کو گلنار سلامتی والا

ہو شکمِ مچھلی باغیچہ جدھر رہے یونس
کرے تو اونٹنی پتھر سے صالح کی پیدا

لبِ داود سے راگوں کا لحن حمد کرے
شجر، پرند، ہوائیں ہوں مست سُن کے ثنا

عصائے موسیٰ میں طاقت جو چیرے سیل رواں
کلیمی میں ہے نہاں تو ، نہیں کوئی دوسرا

زبانِ عیسیٰ سے نکلے جو **قُم بِاذنِ اللّٰہ**
ترا ہی اذن ہو صادر جو کر دے مردہ کھڑا

یدِ حبیب ﷺ سے کنکر اُڑیں اُڑائے تو
ہُوا بے بصر وہ جو بھی ترے نبی ﷺ سے اُڑا

توانّمآ اَمرہٗ اِذااَرادَ شَیۡءً
ترے کمال سے ہر شئے فروزاں سَحر افزا

ترے جمال سے روشن ہیں نجم و مہر و قمر
ترا قرآن ہے مردہ دِلوں کو دیتا ضیاء

ترا حبیبِ مکرم ﷺ ترا ہے عکسِ کرم
سہارا ہم کو ہے کملی کا جو لے عاصی چُھپا

محیط تیرا وراءً ہے نہ لفظوں میں یہ ڈھلے
تولَم یَزل میرے مولا تو ہے وَرَیٰ الوَرأ

ترے حبیب ﷺ کے صدقے دُعائے آؔدر ہے
نواز ہم کو اِذن سے ہمیں لے اپنا بنا

ڈاکٹر آصف آدر (گلاسگو)

تابشِ فکر و نظر

ملحوظ نعت میں رہے حدِ ادب عزیزؔ
کہ دیں نہ اہلِ ذوق کہ حد سے نکل گیا

یوسف علی خاں عزیزؔ ٹونکوی (راجستھان)

پروفیسر ڈاکٹر واحد نظیر (نئی دہلی)

فنِ نعت گوئی

نعت بہ معنی تعریف، مصدر ہے اور اس کی جمع نعوت ہے۔ اصطلاح میں ایسی تعریف کو نعت کہتے ہیں جو ذاتِ رسول ﷺ سے منسوب ہو۔ یہ نحو کی ایک اصطلاح بھی ہے جو صفت کے مترادف ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نعت کہنے والے کو ''ناعت (نعت سے اسم فاعل) کہا ہے۔ لفظ نعت کو پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارکہ سے ادا ہونے کا شرف حاصل ہے۔ مشکوٰۃ المصابیح باب ''اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم وصفاتہ'' میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی کا لڑکا خدمتِ رسول ﷺ میں حاضر ہوا کرتا تھا، بیمار ہوا تو رسولِ اکرم ﷺ اس کے گھر عیادت کو تشریف لے گئے۔ لڑکے کا باپ سرہانے بیٹھ کر توراۃ پڑھ رہا تھا، پیارے رسول ﷺ نے اسے مخاطب کر کے فرمایا:

''....یَا یَهُوْدِیُ اُنْشِدُكَ بِاللّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ التَّوْرٰةَ عَلٰی مُوسیٰ هَلْ تَجِدُ فِیْ التَّورٰةِ نَعْتِیْ وَصِفَتِیْ وَ مَخْرَجِیْ....''

ترجمہ: اے یہودی! میں تجھ کو اس خدا کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں، جس نے حضرت موسیٰ پر توراۃ نازل فرمائی کہ کیا تو توراۃ میں میری نعت، میری صفت اور میرے مخرج کا تذکرہ پاتا ہے؟

یہودی نے تو نفی میں جواب دیا لیکن اس کے لڑکے نے خدا کی قسم کھا کر کہا میں توراۃ میں آپ کی نعت، آپ کی صفت اور آپ کے مخرج کا تذکرہ پاتا ہوں۔

اس حدیث پاک سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے اپنے محبوب کی جو تعریفیں کیں انھیں خود رسول نے نعت سے موسوم فرمایا ہے، وہیں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ کار مستحسن ہے، جس کے آغاز کو خدا کی ذات سے نسبت حاصل ہے۔ اردو کے معروف شاعر مرزا غالبؔ نے اسی نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے عجزِ بیان کا اعتراف اس طرح کیا ہے:

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشیتم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد ﷺ است

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس ذاتِ مبارکہ کی تعریف خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمائی ہو، اس کی تعریف ایک عام انسان کس طرح کر سکتا ہے اور اگر کرے بھی تو اس کی کیا وقعت ہے؟ اس سوال کی روشنی میں یہاں میں دو نکات کی طرف اشارہ کرنا چاہوں گا۔ پہلا نکتہ یہ کہ اپنے محبوب کی تعریف خدا نے کی ہے اور انسان اللہ کا خلیفہ ہے، اس لیے نیابت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان بھی رسول ﷺ کی تعریف کرے۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو اپنا نائب بنا کر دراصل اسے اپنے محبوب کی مدحت کے قابل بنا دیا۔ چوں کہ مدحتِ رسول ﷺ، اصل یعنی خدا کی ذات سے ہو چکی ہے اس لیے نائب اس میں کوئی جدت یا اضافہ تو نہیں کر سکتا بلکہ وہ محبوبِ خدا کی مدحت سرائی کر کے صرف اپنے اصل کی نیابت کا فریضہ انجام دینے کی سعادت ہی حاصل کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی تاریخ ان لوگوں کے دعوؤں سے تو شرمسار ضرور ہوتی رہی ہے جنھوں نے کبھی خدا ہونے کا دعویٰ کیا اور کبھی نبوت پانے کے دعویدار ہوئے لیکن ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ تاریخ کے کسی دور میں کسی نے مدحتِ رسول ﷺ کا پورا پورا حق ادا کرنے کا دعویٰ کیا ہو۔ مولانا نعیم صدیقی کی مشہور تصنیف ''محسنِ انسانیت'' پر تقریظ لکھتے ہوئے مولانا ماہر القادری رقم طراز ہیں:

''کس کی مجال ہے جو خلاصۂ کائنات، فخرِ موجودات علیہ الصلوٰۃ والتحیات کی مدحت سرائی اور سیرت نگاری کا حق ادا کر سکے۔ یہ غلط دعویٰ نہ کسی کی زبان سے نکل کر فضا میں پھیلا اور نہ کسی قلم نے اسے صفحۂ قرطاس پر ثبت کیا۔ اس بارگاہِ اقدس میں جس نے بھی لب کشائی کی تو اس کا مقصد حصولِ سعادت کے سوا اور کچھ نہ تھا۔''

حصولِ سعادت کا یہی وہ پاکیزہ جذبہ ہے جس سے سرشار ہو کر عہدِ نبوی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت کعب بن زہیر، حضرت کعب بن مالک، حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت حسان بن ثابت اور حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جیسے کبائر صحابہ کرام نے اپنی زبان، قلم اور کاغذ کو مرہونِ نعت کیا۔ یہاں تک کہ ابو طالب اور میمون بن قیس اعشیٰ جیسے معاصرینِ رسول ﷺ نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت میں خلوص سے کام لیا۔

رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ ظاہری کے زمانے میں ایک بڑی تعداد ایسے شعرا کی بھی ملتی ہے

جو ایمانی دولت سے مملو تو نہیں تھے لیکن ان کے مدحیہ اشعار سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اوصافِ رسول سے کس قدر متاثر تھے۔ عظمتِ رسول ﷺ کے بالواسطہ اعتراف کا یہی وہ پہلو ہے جو ہر زمانے میں معجزہ بن کر روشن ہوتا رہا۔ ہر عہد، ہر ملک اور ہر مذہب میں پیارے مصطفیٰ ﷺ کے مدحت سرا پیدا ہوتے رہے اور صبحِ قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے۔ تفصیلات سے قطعِ نظر صرف ایک مثال کے ساتھ اس نکتے کو یہیں چھوڑتا ہوں کہ جرمن شاعر گوئٹے کی شہرہ آفاق نظم ''نغماتِ محمدی ﷺ'' کا آزاد ترجمہ علامہ اقبال نے ''جوئے آب کے'' نام سے ''پیامِ مشرق'' میں شامل کیا۔

ظاہر ہے کہ یہ تمام باتیں نعت کی وسعت و مقبولیت کا ایک خام اشاریہ تو مرتب کرتی ہیں لیکن ان سے موضوعِ نعت کی وسعت پر روشنی نہیں پڑتی۔ بلا شبہ نعت کا موضوع اتنا وسیع ہے کہ اس کا تصور بھی محال ہے۔ مثال کے طور پر یہ اسلامی کلنڈر کا چودہ سو چھتیسواں سال ہے۔ آپ نے چودہ سو چھتیس (۱۴۳۶) لکھا تو یہ اعداد کا ایک مجموعہ ہے لیکن جیسے ہی آپ نے اس پر ہجری کی ''ھ'' لگائی یہ اعداد کا مجموعہ نعت کے دائرے میں داخل ہو گیا۔ چوں کہ یہ ''ھ'' صرف ایک حرف نہیں بلکہ ہجرتِ رسول کے تاریخی واقعے کی علامت ہے۔ اسی طرح خدا خالق ہے یہ ایک حمدیہ جملہ ہے لیکن جب آپ نے خدا کی خلاقی پر غور و فکر شروع کیا تو گویا موضوعِ نعت کے دروازے پر دستک دے دی۔ اس لیے کہ غور و فکر کے اگلے مرحلے میں ہی یہ حقیقت آپ کے سامنے کھڑی ہو گی کہ اللہ کے خالق ہونے کا اعلان اس وقت تک نہ ہوا جب تک اس نے نورِ محمدی ﷺ کی تخلیق نہیں فرمائی۔ موضوع کے حوالے سے یہ صرف اشارے ہیں ورنہ حق تو یہ ہے کہ یہ نکتہ فقط خالق و مخلوق تک ہی محدود نہیں بلکہ ساجد و مسجود، عبد و معبود اور اسمائے الٰہی کے تعلق سے بس پھیلتا ہی چلا جاتا ہے۔

نعت کے موضوع کی یہی وسعت اور حمدیہ موضوع سے قربت نعت گو شعراء کے لیے آسانیاں بھی فراہم کرتی ہے اور انھیں کڑی دشواریوں سے بھی رو برو کرتی ہے۔ آسانیاں اس طرح کہ موضوع کی گونا گونی شاعر کو احساس بے مائیگی کا شکار نہیں ہونے دیتی اور دشواریاں اس طرح کہ حمدیہ موضوع سے اس کی قربت شاعر کو سراپا محتاط رہنے پر قانع رکھتی ہے۔ یہ وہ نازک مرحلہ ہے جہاں زبان و بیان کے شہسواروں کی رفتار تھم جاتی ہے۔ یہ مرحلہ ایسے پل صراط کے مانند ہے کہ ذرا سا غلو قاب قوسین او ادنیٰ کی حدوں کو توڑ کر الوہیت کے دائرے میں ڈال سکتا ہے اور ذرا سی تنقیص دنیا و آخرت کے تباہ و برباد ہونے کی وجہ بن سکتی ہے۔ آیتِ قرآنی

لاترفعوااصواتکم فوق صوت النبی کا شانِ نزول ہمارے پیشِ نظر ہے۔

اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ نعت گوئی کے مرحلے اگر اس قدر دشوار گزار ہیں تو ایسے شعرا جن کے سینے میں عشقِ مصطفیٰ ﷺ ٹھاٹھیں مار رہا ہو، کیا کریں؟ کیا اپنے جذبات اور قلبی واردات کو شعری پیکر میں ڈھالنے سے باز آجائیں؟ مدحتِ رسول ﷺ اور ذکرِ رسول ﷺ کو نظم کا پیکر نہ دیں اور اسے حوالۂ قرطاس کرنے سے اپنے قلم روک لیں؟ انھی پریشان کن سوالوں کا حل حضرت شرف الدین ابوعبداللہ محمد بن زید المعرف بہ امام بوصیری کے اس شعر میں پوشیدہ ہے۔ وہ کہتے ہیں:

دَعْ مَا ادَّعتُہٗ النَّصَاریٰ فِیْ نَبِیّھِمْ

وَحْکُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْ حاً فِیْہِ وَاحْتَکِمْ

ترجمہ: صرف وہ بات چھوڑ دو، جس کا دعویٰ نصرانیوں نے اپنے نبی کے بارے میں کیا ہے اس کے بعد جو تمھارا جی چاہے، حضور ﷺ کی مدح میں کہو اور جو حکم چاہو لگاتے جاؤ۔

معلوم یہ ہوا کہ نعت گوئی کے لیے بیانِ مضمون کا ایک بڑا ادب، اسرائیلی روایات سے احتراز ہے، اُس طورِ تفحص سے احتراز جس کا سفر تثلیث کی وادی تک پہنچا دیتا ہے۔ امام بوصیری کے اس شعر میں نعت کے موضوع کی تعیین بڑی خوبصورتی سے کی گئی ہے۔ یہ درست ہے کہ مدحتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ممکنات اور اس کی حدیں انسان کی فکری دسترس سے باہر ہیں لیکن یہ ایک تاریخی سچائی ہے کہ عہدِ نبوی سے تا حال ہر موزوں طبع عاشقِ رسول ﷺ نے کچھ نہ کچھ نعتیہ اشعار ضرور کہے ہیں۔ ان اشعار کے موضوع کی دو قسمیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ ایک قسم تو وہ ہے جس میں شاعر نے اپنے داخلی جذبات و کیفیات کو بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں پیش کیا ہے اور دوسری قسم وہ ہے جس میں مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور اس کے متعلقات منظوم ہوئے ہیں۔ موضوع کی یہ تقسیم وسیع تناظر میں پیش کی گئی ہے، ورنہ ایمان کی بات یہ ہے کہ نعت میں پیش کیے گئے موضوعات کو عنوان دیا جائے تو دفتر کے دفتر وجود میں آجائیں۔

داخلی جذبات کے تعلق سے آرزو، استغاثہ، اظہارِ عشق و محبت یا قلبی واردات، مدینے سے جغرافیائی دوری کے احساسات جیسے موضوعات شامل ہیں۔ جب کہ حیاتِ رسول ﷺ اور سیرت وشمائل کے حوالے سے حالاتِ ماقبلِ ولادت، بشارتِ ولادت، ولادتِ باسعادت، رضاعت، یتیمی، نبوت، رسالت، خطابت، فصاحت، بلاغت، اخلاق، اوصاف، خصائل، معراج، ہجرت، غزوات، معاہدے، شرافت، نجابت، سخاوت، شفقت، عدل، صداقت، امانت، للّٰہیت، انکساری،

مزاج، حسن و جمال، گفتار، رفتار، تبسم، وضع، رخسار، گیسو، قد، ملبوسات، اسلوبِ کلام، ماکولات، مشروبات، شجاعت، عزم واستقلال، شعرفہمی، نقدوتبصرہ، معجزات، دعوت نامے، خاندانی شرف، انبیا میں فضیلت، اہل وعیال وغیرہ، اسی طرح متعلقات میں گنبدِ خضریٰ، سنہری جالیاں، حریری پردے، سنگِ درِاقدس، مدینہ منورہ کا جغرافیہ، اس کی تاریخ، بہارِ مدینہ وغیرہ نعت کے موضوعی عناصر ہیں۔

مقصدیت کے اعتبار سے نعت کا یک گونہ رشتہ صنفِ قصیدہ سے قائم ہوتا ہے۔ چوں کہ نعت میں رسولِ آخرالزماں ﷺ کی تعریف مقصود ہوتی ہے اور قصیدے میں بادشاہ یا دیگر شخصیتوں کی تعریف۔ لیکن فنی تقاضے دونوں کے مختلف ہیں۔ قصیدے کا مزاج یہ ہے کہ غلواور مبالغہ آرائی بسااوقات دروغ گوئی کی سرحدوں کو بھی چھونے لگتی ہے پھر بھی اسے شاعر کے فنی کمال سے تعبیر کیا جاتا ہے جب کہ فنِ نعت گوئی اس کا متقاضی ہوتا ہے کہ حقیقت کے بیان میں یک سرِ موفرق واقع نہ ہونے پائے۔ علاوہ ازیں طمطراق، طنطنہ، شکوہِ لفظی اور زورِ بیان قصیدے کے فن کو حرارت بخشتے ہیں اور نعت میں یہی خصوصیات فنی نقص میں شمار ہوجاتی ہیں چوں کہ نعت میں زورِ بیان نہیں سنجیدگی اور متانت درکار ہوتی ہے۔ ''عرفی مشتاب ایں رہِ نعت ست نہ صحرا'' میں ''مشتاب'' کہہ کر عرفی نے اسی سنجیدگی اور متانت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ گویا قصیدہ اور نعت مقصدیت کے اعتبار سے مشترک ہونے کے باوجود لفظیات اور لہجے کی سطح پر بالکل مختلف ہیں۔

عرفی کے ایک مشہور نعتیہ قصیدے کا شعر ہے:

ہشدار کہ نتواں بہ یک آہنگ سرودن
نعتِ شہِ کونین و مدیحِ کے وجم را

گویا لفظیات اور لہجے کے انتخابی مراحل میں نعت گو شعرا کو یہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ سلطانِ انبیا اور دنیوی سلاطین کی مدحت میں بیّن فرق ہے۔ وہ الفاظ واصطلاحات جو کسی فرد کے لیے مخصوص ہوں نعتیہ اشعار کا پیرایۂ اظہار نہیں بن سکتے۔ یہی حکم لہجے اور پیش کش پر بھی صادر ہوتا ہے۔ فلمی گیتوں کے طرز پر نعتِ نبی کا پڑھنا اور لکھنا اسی لیے درست نہیں۔ بیان واظہار کا یہ محتاط رویہ جہاں نعتِ رسول ﷺ کو عمومیت سے پاک رکھنے میں معاون ہوتا ہے وہیں ذکرِ الوہیت کے خصوصی دائرے میں داخل ہونے سے بھی بچاتا ہے۔ میں یہ عرض کر چکا ہوں کہ جادۂ نعت کے مسافر درحقیقت نیا بتاً اللہ کی ہی حمدوثنا کے سفر میں ہوتے ہیں ان کا فکری اور فنی امتیاز اسی صورت میں باقی رہ سکتا ہے جب کہ ان کی شعری کاوشوں میں توحید ورسالت کا فرق نمایاں طور پر موجود

ہو۔ خالق ومخلوق کے امتیاز کا شعور کسی بھی مرحلے پر کم نہ ہونے پائے اور ہر ہر لمحہ عقیدت کے ساتھ عقیدہ کا ہوش باقی رہے۔

عقیدت اور عقیدہ دراصل یہی وہ دو چیزیں ہیں جن کے اظہار میں سلامت روی سے گزر جانا نعت کہنے کے فن سے حتی المقدور عہدہ برآ ہونے میں کامیابی پانے کے مترادف ہے۔ اگر عقیدتوں کا بیان ہو تو فنی لحاظ سے نعت کے شاعر کی کامیابی یہ ہے کہ اس کا بیان واظہار قاری پر بھی عقیدت والتجا کی وہی کیفیت طاری کردے جس سے شاعر دوچار ہوا ہے اور پڑھنے والوں کے دلوں میں بھی وہی آرزوئیں مچلنے لگیں جن آرزوؤں اور تمناؤں نے شاعر کو ماہیِ بے آب بنا رکھا ہے۔ اگر نعتیہ شاعری میں عقیدوں کا بیان ہو تو فنی لحاظ سے شاعر کی کامیابی یہ ہے کہ اس کا بیان لفظی تلمیحات کا مرہونِ منت ہوئے بغیر فکری طور پر قاری یا سامع کو نہ صرف اس عقیدے کی تہہ تک پہنچادے بلکہ اس کے افہام میں معاون اور استحکام میں اضافہ کا سبب بن جائے، جس عقیدے سے وابستگی نے اسے متعلقہ شعر کہنے کا ذہن بخشا ہے۔ اگر عقیدتوں کے بیان میں شاعر کے لیے یہ بات کسی آفت سے کم نہیں کہ ہوشیاری کا دامن اس کے ہاتھوں سے چھوٹنے لگا ہو تو یقیناً عقیدوں کے بیان میں بھی یہ بات ایک بڑی افتاد کے مصداق ہی قرار پائے گی کہ اس کی صحت کسی بھی جہت سے مجروح ہوگئی ہو۔ خود شاعر کی نوکِ قلم سے اس کے اپنے عقیدے پر نشتر لگ گیا ہو اور اسے خبر بھی نہ ہوئی ہو۔ یا اعتقادیہ کے بیان میں ایک قسم کی رمزیت آ گئی ہو۔ ایسی رمزیت جو مذہب کو یا تو فرقۂ باطنیہ میں تبدیل کردیتی ہے یا پھر طرح طرح کی تاویل و توجیہہ کے دروازے کھول دیتی ہے۔ ''وہی جو مستویِ عرش ہے خدا ہو کر'' جیسے اشعار سے جو علمی قضیے وجود میں آئے ان سے نعتیہ ادب کا مطالعہ رکھنے والے بہ خوبی واقف ہیں۔ دوسری جانب عظمتِ رسول ﷺ کی تخفیف کرنے والے شعرا کی تعداد بھی کم نہیں اعتقادیہ کے بیان میں مبالغہ اور تخفیف دونوں ہی ایمان کے لیے خطرناک ہیں۔

حالؔی کی نعت ''وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا'' ہم میں سے کس کو یاد نہیں۔ لیکن اسی شاعر کا جب یہ شعر سامنے آتا ہے کہ:

بنانا نہ تربت کو میری صنم تم
کہ بے چارگی میں برابر ہیں ہم تم

تو پھر صاف پتا چل جاتا ہے ک اعتقادیہ کی شکوحیدگی نے کیا گل کھلائے ہیں اور شاعر نے

کس طرح یہ عقیدہ نظم کر دیا ہے کہ رسول پاک ﷺ نبیِ مختار نہیں، نبی مجبور ہیں۔ یہاں نعتیہ شاعری میں عقیدوں کے بیان کی مختلف کیفیات کو سامنے لانا یا ان مثالوں کی طرف جانا مقصود نہیں، جن میں عقیدۂ اوتاریہ اور نعوذ باللہ ''نبی مجبور'' جیسے عقیدے کی پیش کش ہوئی ہے۔ بلکہ یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ عقیدوں کی پیش کش میں حزم واحتیاط نہ ہو تو نعتیہ شاعری ایمان کے لیے خطرہ بن جاتی ہے۔ عقیدوں کی پیش کش میں فنی مرتبے کا ایک اوسط حال تو یہ ہے کہ لفظی تلمیح برجستہ آئی ہو اور اس سے بھی بلند درجہ یہ ہے کہ معنوی تلمیح سے صحیح عقیدے کی طرف قابلِ فہم نشاندہی ہوگئی ہو۔ ایسی نشاندہی جس میں روحِ قرآنی جھلک رہی ہو۔ اگر شاعر پیارے مصطفیٰ ﷺ کا سراپا بیان کر رہا ہو تو شانِ تخیل بے لگام نہ ہو بلکہ شمائل نبوی کے مضامین اس کے موید ہوں۔ مزید ایک بات برسرِ تذکرہ عرض کرنا چاہوں گا کہ آج کی نعتیہ شاعری میں عصری حسیت کو بھی مختلف نہجوں سے برتا جا رہا ہے۔ عالمی منظر نامے پر اہلِ اسلام کی جو کربناک تصویریں ابھر رہی ہیں انھیں دیکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ اظہار غیر فطری بھی نہیں۔ اپنا حال سنانے کے لیے محبانِ رسول ﷺ کے سامنے خدا اور رسول ﷺ کی بارگہ سے بہتر اور کوئی جگہ نہیں ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ احتیاط ضروری ہے کہ عصری حسیت کو بیان کرتے ہوئے آدابِ نعت کا دامن ہاتھوں سے چھوٹنے نہ پائے کیونکہ حالِ زمانہ کو پیش کرتے ہوئے غلو کا سہارا لینا گویا نبی ﷺ کے دربار میں غلو کے ساتھ باتیں کرنا ہے۔

نعت کے فن پر باتیں کرتے ہوئے مختلف ہیئتوں کے استعمال کا معاملہ بھی سامنے آتا ہے۔ نہ صرف سرحد پار بلکہ خود ہمارے ملک میں بعض شعرا نے گیت اور دوہے کی شکل میں نعتِ نبی ﷺ لکھا ہے اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی زبان میں یا کسی ادب کے قواعد وضوابط اور آئین واصول کی رعایتوں کے ساتھ نعت گوئی پر کوئی قید اور کوئی قدغن نہیں۔ نبی ﷺ کی امت میں صرف مرد ہی نہیں عورتیں بھی شامل ہیں اور اپنے نبی ﷺ سے عقیدت ومحبت کا اظہار وہ کرتی ہیں اور کر بھی سکتی ہیں۔ اس سلسلے میں اصل چیز بس یہ ہے کہ قریب المفہوم الفاظ و اصطلاحات کے استعمال کا خصوصی دائرہ قائم رہنا چاہیے۔ اس بات کو قدرے وضاحت کے ساتھ ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ کسی زبان، کسی ادب اور کسی شعری ہیئت کے نام پر جہاں معنیاتی لحاظ سے الفاظ کے استعمال میں اس کی سرگذشت، تداولی کیفیت اور تمدنی ثقافت پر نظر رکھنا ضروری ہے وہیں یہ بھی لازم ہے کہ ایسی قریب المفہوم اصطلاحوں کے استعمال میں ترادف کے لحاظ سے

کوئی سمجھوتہ نہ ہو جن کا تعلق اعتقادات سے ہے یا جو اعمالیات میں بہمہ وجود ممتاز و شناختہ ہیں۔ کیوں کہ اس احتیاط کے بغیر نعت کے فن کو بھٹکتی گیتوں کی فضا کے غلبے سے بچانا ناممکن ہے۔

موضوعِ نعت پر اس مختصر گفتگو کے بعد یہ حقیقت روشن ہے کہ نعت گوئی خالص مقصدی شاعری سے عبارت ہے۔ اہلِ نظر جانتے ہیں کہ کوئی بھی شعری تخلیق دو ہی نظریے کے تحت وجود پذیر ہوتی ہے۔ ایک شاعری برائے شاعری اور دوسرا شاعری برائے زندگی۔ شاعری برائے شاعری خالص تفریحی اور شعری جمالیات کا آئینہ ہوتی ہے۔ جب کہ شاعری برائے زندگی مقصدیت کی حامل ہوتی ہے۔ ظاہر ہے پہلے نظریے کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ گر چہ شعری حسن کاری کے مظاہرے کا موقع اس میں زیادہ ہے۔

اب نعت گو شعرا کے سامنے صرف شاعری برائے زندگی یعنی مقصدی تخلیق کا ہی میدان بچ جاتا ہے۔ ایک ایسا میدان جہاں شعریت یا شعری استعداد کے جوہر دکھا پانا آسان نہیں۔ گویا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شعریت اور شریعت دونوں کے تقاضوں کو بحسن وخوبی نباہ پانا ایک بڑا فن کار ہونے کا ثبوت ہے۔ مثلاً چودھویں کے چاند کو دیکھ کر ایک شاعر کا تخیل چہرۂ مصطفیٰ ﷺ کی تابانیوں تک رسائی حاصل کرتا ہے اور اسی چاند کو دیکھ کر ایک شاعر کی فکری پرواز انگشتِ مصطفیٰ ﷺ کی عظمتوں کے آسمان میں گم ہو جاتی ہے۔ اس طرح نعت گوئی کی سعات تو دونوں کو حاصل ہوئی لیکن غور و فکر سے یہ نتیجہ برآمد ہوگا کہ دونوں کی فکری سطح، ادراک وعرفان، احتیاط کے رویّے یہاں تک کہ عشق ومحبت کے تقاضے میں بھی بہت فرق ہے۔

چاند اور چہرۂ مصطفیٰ ﷺ کا تصور جمالِ رسول ﷺ کا اظہار ہے، جب کہ چاند اور انگشت کا تصور کمالِ مصطفیٰ ﷺ کا آئینہ دار۔ ایک کا تعلق تشبیہہ سے ہے اور دوسرے کا تلمیح سے۔ ایک نے عکس کو دیکھا اور نقش تک پہنچنے کی کوشش کی اور دوسرے نے واقعہ کو دیکھا اور اثر تک یا صاحبِ واقعہ تک رسائی کی کوشش کی۔ رسول اور صحابہ کے جھرمٹ کو ہم چاند تاروں سے تشبیہ تو دے سکتے ہیں لیکن تشبیہ کا مفہوم یہ نہیں ہوگا کہ آقا کا چہرہ واقعتاً چاند جیسا ہے یا چاند واقعتاً آقا کے چہرے جیسا ہے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات لاثانی ہے اور لاثانی کی مثال نہیں ہوتی۔

یہ نکات واشارات اپنی جگہ لیکن یہ حقیقت ہے کہ فکری وفنی حزم واحتیاط اور خلوص کے ساتھ نعت لکھنا، پڑھنا اور سننا عینِ عبادت ہے۔ نیز اعتقاد کی صداقت اور موضوع کی حقانیت اس کی بنیادی شرط ہے۔ لہٰذا حقائق کو منظوم کرتے ہوئے حددرجہ احتیاط لازمی ہے جب کہ عقیدتوں کے

بیان میں خود سپردگی، سرشاری اور خلوص ضروری ہے۔ چوں کہ نعت صرف شعری ذوق کی تسکین کا سبب نہیں ہوتی بلکہ یہ اسلام اور بانیِ اسلام کی تاریخ، حیاتِ مومن کا لائحہ، شاعر کے ایمان وایقان کا مظہر اور قران واحادیث کی تفہیم کا آئینہ بھی ہوتی ہے۔ اس طرح نعتیہ شاعری کے تخلیقی عمل میں ذراسی بے احتیاطی ایمان کو کس طرح نقصان پہنچا سکتی ہے، اس کا اندازہ لگانا دشوار نہیں۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ زمین وآسمان کی کسی بھی حقیقت پہ پہلا حجاب حمد کا ہے کہ ہر شے کی تخلیق خدا نے فرمائی ہے اور دوسرا حجاب نعت کا ہے کیوں کہ ہر شے کی تخلیق کا باعث ذاتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔**لولا ك لماخلقت الافلاك**اسی حجاب کی تصدیق ہے۔

○○○

پروفیسر ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین (نئی دہلی)

احمد رضا کے نعتیہ کلام کی شعری جمالیات

اردو شاعری کی تنقید میں کئی اصطلاحیں ایسی ہیں جن کی خود تعریف و تعبیر حتمی طور پر نہیں ہوسکی ہے۔انہی اصطلاحوں میں جمالیات کی اصطلاح ہے۔اس کی الگ الگ تعبیریں پیش کی گئی ہیں اور جتنی تعبیریں ہیں اسی قدر انتشار بھی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جمالیاتی اقدار تہذیب و تمدن کے اقدار سے ماخوذ ہوتے ہیں۔حسن کو جمالیات کا مظہر مانا جاتا ہے لیکن حُسن کے معیارات طے کرنے میں انتشار ہے۔کیونکہ حسن کا معیار علاقے ، خطے ،تہذیب وتمدن کے لحاظ سے تبدیل ہوتے ہیں۔عموماً حسن کو عشق کی ابتدا مانا جاتا ہے۔اور عشق کو ہی کائنات کا حاصل تصور کیا جاتا ہے۔لیکن عشق کے معیارات بھی مختلف ہوتے ہیں۔لیکن حُسن و عشق کو جمالیات کی بنیاد مانتے ہیں۔اسی لیے جمالیات کی تعبیر مفکروں نے اپنے اپنے انداز سے کی ہیں۔

وکی پیڈیا کے مطابق ''جمالیات فلسفے کی ایک صنف ہے جو فن کے حسن اور فن تنقید کی قدروں اور معیاروں سے بحث کرتی ہے۔جمالیات کی اصطلاح پہلی بار باؤم گارٹن نے 1750 میں استعمال کی اور اس سے مراد علم حیسات لی ،جس کا بنیادی مقصد حسن کی تلاش قرار دیا۔ کانٹ نے ماورائی جمالیات کی ترکیب استعمال کی جس سے حیساتی تجربے کے بنیادی اصول لیے۔ اس اصطلاح کے جدید معنی ہیگل نے 1820ء میں متعین کیے۔ پرانے زمانے میں جمالیات سے مراد وہ علم تھا جو حسن یا جمال اور رفعت کی ہیئت سے متعلق مجرد تصورات پر بحث کرتا تھا۔مگر جدید فلسفہ کے نزدیک جمالیات وہ سائنس ہے جو تخلیقی تجربہ، تجربۂ حسن اور نقد و نظر کی قدروں اور معیاروں سے بحث کرتی ہے اور نوعیت اور عمل کے اعتبار سے منطق اور نفسیات سے مختلف ہے۔''ادب میں ان اقدار کو بنیاد بنا کر ادبی شہ پاروں پر نقد و تبصرہ کیا جاسکتا ہے یا نہیں یہ بھی ایک بڑا سوال رہا ہے اور یہاں بھی اختلافات کی گنجائش موجود ہے۔اس حوالے سے نصیر احمد

ناصر نے لکھا ہے کہ:

''ادب کو جمالیاتی بنیادوں پر پرکھنا مناسب ہے یا فلسفیانہ اور اخلاقی قدروں پر، اس بات کا تعلق فلسفہ فن سے ہے، جس کی بحث ادب میں بہت قدیم ہے۔ محض فلسفیانہ اور اخلاقی نہیں بلکہ اس بحث کے افادی، علمی، ادراکی، فکری، معاشی، معاشرتی، عمرانیاتی، سائنسی اور کئی دیگر پہلو بھی ہیں۔ جمالیاتی معروض کا تعلق صرف جسمانی یا مرئی مظاہر سے نہیں، غیر مرئی اور داخلی محسوسات اور اظہارات سے بھی ہوتا ہے۔ جمالیاتی تصور آفاقی ہے اور اسے علمی طور پر بھی پرکھا جا سکتا ہے۔ فلسفے اور اخلاق کی اعلیٰ اقدار جمالیاتی سیاق وسباق ہی میں ادب پارے کا روپ دھار سکتی ہیں۔ اس لحاظ سے ادب کو جمالیاتی بنیادوں پر پرکھنا زیادہ مناسب ہے۔'' (نصیر احمد ناصر۔۔۔ اداریہ تسطیر جولائی" 2010 ادبی جمالیات، مواد، اثرات اور دائرہ کار" سے مقتبس)

بات درست بھی یہی ہے کہ ادب کے قاری ادب کو اپنے ذوقِ مزاج اور تہذیبی تناظر میں دیکھتے ہیں۔ شاعری جو جذبۂ دل کی ترجمان ہے، اس کو بھی دیکھنے، کہنے اور سننے کا اپنا اپنا جمالیاتی ذوق ہوتا ہے۔ کیونکہ عشق جو جمالیات کا مظہر ہے اس کے رنگ بھی ہزار ہیں اور جلوے بھی بے شمار ہیں۔ یہ عشق فرزانگی بھی سیکھاتا ہے اور دیوانگی بھی۔ لیکن ایک عشق ایسا بھی ہے جو حدِ ادب کو ملحوظ رکھنے کا درس دیتا ہے۔ جی ہاں یہ بات ذرا عقل وفہم سے دور ہے کہ عشق اور ادب ایک ساتھ ممکن نہیں۔ کیونکہ عشق دیوانگی سیکھاتا ہے تو عقل سنجیدگی کا درس دیتا ہے۔ اسی لیے عشق وعقل ہمیشہ برسرِ پیکار رہتے ہیں۔ کبھی عقل حاوی ہوتی ہے تو کبھی عشق کا پلڑا بھاری ہوتا ہے۔ اقبال جیسے شاعر نے بھی عشق کو عقل پر ترجیح دی ہے اور یہ کہا کہ:

تازہ میرے ضمیر پر معرکۂ کہن ہوا
عشقِ تمام مصطفیٰ، عقلِ تمام بولہب

زمانہ عقل کو سمجھا ہوا ہے مشعلِ راہ
کسے خبر کہ جنوں بھی ہے صاحبِ ادراک

اقبال یہ کہتے ہیں کہ عقل تو گومگو کی کیفیت میں میں رہتی ہے اور سود وزیاں کا حساب لگاتی ہے اسی لیے عقل ہمیشہ پیچھے رہتی ہے اور عشق اپنے ایک ہی جست سے کائنات کی کئی پہنائیاں طے کرلیتا ہے۔ تاریخ نے عشق کے بدولت ہی ایسے کارنامے درج کیے ہیں جو عقل سے ممکن نہیں

تھا۔ اگر عشق نہ ہوتا تو حضرت ابراہیم خلیل کے مرتبے تک نہ پہنچتے۔ یہ عشق ہی تو تھا کہ جس نے آتش کو گلزار بنایا:

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لب ِبام ابھی

عشق کی جلوہ طرازیوں سے انسانی تمدن کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ زندگی کے جس چاک کو عقل نہیں سی سکتی اس کو عشق اپنی طاقت سے بے سوزن اور بغیر تارِ رفو سی سکتا ہے:

وہ پُرانے چاک جن کو عقل سی سکتی نہیں
عشق سیتا ہے انہیں بے سوزن و تارِ رفو

اس مقابلے عقل سود وزیان کے پیمانے کو سامنے رکھتا ہے۔ اسی لیے عقل طرح طرح کے حربے اپناتا ہے، عقل کی عیاری اور عشق کی سادگی اور اخلاص کو اقبال نے اس طرح ظاہر کیا ہے:

عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے
عشق بے چارہ نہ مُلا ہے نہ زاہد نہ حکیم

لیکن اسلامی زندگی کے شعار کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ دونوں کو معتدل انداز میں رکھا جائے اسی لیے اقبال نے یہ بھی کہا ہے کہ:

بہتر ہے دل کے پاس رہے پاسبان عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑیئے

کیونکہ عقل سے شرع محمدی کی تکمیل ہوگی اور دل سے عشق محمد ﷺ کی محفل سجائی جائے گی کیونکہ:

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بُت کدۂ تصورات

لیکن بات اگر یہاں آ کر ٹھہرتی ہے تو ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اس دنیا کا حاصل بھی عشق رسول ﷺ ہی ہے۔ بغیر عشقِ رسول ﷺ کے کچھ نہیں مل سکتا، نہ تو دنیا میں امن ممکن ہے اور نہ آخرت کا حصول ممکن۔ لیکن یہ عشق یعنی عشق رسول ﷺ ایسا عشق ہے جس میں دیوانگی نہیں فرازانگی کی ضروت ہے کیونکہ یہ عشق دنیا کے عشق سے نرالا ہے۔ اسی لیے تو شاعر نے کہا ہے کہ:

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آئید جنید و بایزید اینجا

عشق کا تقاضہ تو یہ ہے کہ دیوانہ وار خود کو نچھاور کر دیں لیکن امام احمد رضا اس عشق کے ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہتے ہیں :

پیش نظر وہ نورِ بہار سجدے کو دل ہے بیقرار

روکئے سر کو روکئے ہاں یہی امتحان ہے

یہاں شاعری میں عشق کی جس جمالیات کا ذکر ہے وہ دنیا کی شاعری میں اور کہیں نظر نہیں آئے گا۔ کیونکہ عشق کا یہ ادب درِ رسول ﷺ کے علاوہ اور کہیں مل ہی نہیں سکتا۔ یہ عشق حاصل کلُ ہے۔

روکئے سر کو روکئے ہاں یہی امتحان ہے

کہہ کر احمد رضا عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی تڑپ کو بھی برقرار رکھنے کی ترغیب دیتے ہیں اور عشق مصطفیٰ ﷺ کے آداب کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں۔ لیکن عشق مصطفیٰ ﷺ کا معاملہ یہ ہے کہ بغیر عشق الٰہی کے حاصل نہیں کر سکتے۔ اور یہاں اجازت ہے کہ عشق کی دیوانگی کو بے محار چھوڑ سکتے ہیں:

با خدا دیوانہ باش و با محمد ﷺ ہوشیار

عشق حقیقی اللہ کا ایک نایاب تحفہ ہے یہ عشق دولت وثروت سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ یادِ الٰہی اور عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تپش میں اپنے آپ کو جلانے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اور جب یہ دولت لازوال حاصل ہوتی ہے تب وہ مدحت رسول ﷺ کرنے کا حقدار ہوتا ہے اور ایسے عشاق کی مدحت پھر صرف شاعری نہیں رہتی اور نہ ساحری بنتی ہے، بلکہ حیاتِ جاودانی کا درس دیتی ہے اور زندگی میں ایسی تازگی کا رس گھولتی ہے جو دائمی ہوتا ہے۔ لیکن جب ہم نعتیہ شاعری میں جمالیاتی عناصر کی تلاش کرتے ہیں تو سب سے پہلے ہمارے ذہن میں ادب کے وہی بندھے ٹکے معیار نظر آتے جو عشق مجازی کے معیار ہیں۔ نعتیہ شاعری میں اس معیار کی تلاش بے سود ہے کیونکہ یہاں تو وہ معیار نظر آئیں گے جس میں پاکیزگی اور تقدس کے عناصر ملیں گے۔ اسی لیے شاعری کی تنقید کرنے والوں کی نظر عموماً ان عناصر کی تلاش کرتے ہیں جو عشق مجازی کی خصوصیات ہیں۔ لہٰذا وہ نعتیہ شاعری کو فنی جمالیات سے خالی تصور کرتے ہیں۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ نعتیہ شاعری میں فنی اعتبار سے جدت و ندرت دیکھنے کو نہیں ملتی کیونکہ یہاں بے شمار پابندیاں ہیں اور موضوعات بھی طے ہیں۔ یہاں حد ادب کو ملحوظ رکھنا ہوتا اور نعتیہ شاعری میں مبالغہ اور تخیل کی کارفرمائی کی گنجائش بھی نہیں۔ نعت گو شاعر کے ذہن میں ہمہ وقت یہ بات رہتی

ہے کہ شان رسول ﷺ میں کوئی گستاخی نہ ہو جائے۔ نعتیہ شاعری میں ذرا سی لغزش شاعر کو گمر ہی اور ضلالت کی طرف لے جا سکتی ہے۔ اسی لیے شاعر محض اپنے عقیدے کا اظہار کرتا ہے۔ لہٰذا اس طرح کی شاعری میں اسلوب و بیان کی جولانیوں کے بجائے سیدھا سادہ بیان اور اسلوب دیکھنے کو ملتا۔ فن کی نیرنگیاں اور زبان و بیان کی لطافتیں نعتیہ شاعری میں عموماً مفقود ہیں۔ جو لوگ بھی نعت کو پسند کرتے ہیں وہ محض عقیدت کی بنیاد پر۔ لیکن یہ تمام باتیں یکسر غلط ثابت ہو جاتی ہیں جب ہم نعتیہ کلام کا بغائر مطالعہ کرتے ہیں۔ صرف احمد رضا کی شاعری کو دیکھیں تو یہ تمام مفروضات غلط ثابت ہو جاتے ہیں۔ مثال میں یہاں چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

طوبیٰ میں جو سب سے اونچی، نازک شاخ
مانگوں نعت نبی لکھنے کو، روح القدس سے ایسی شاخ
ظاہر و باطن ، اول و آخر، زیبِ فروغ و زینِ اصول
باغِ رسالت میں ہے تو ہی گل ، غنچہ ، جڑ ، پتی شاخ

ان اشعار میں ایسی شعری جمالیات کی مثالیں موجود ہیں جن کی نظیر کہیں نہیں مل سکتی کیونکہ یہاں صرف اسلوب کی ندرت ہی نہیں ہے بلکہ حقیقت کے بیان میں وہ جدت ہے کہ عقیدت و محبت کے ساتھ نعت کی عظمت بھی عیاں ہو جاتی ہے۔ اسلوب بھی رنگین ہے اور بیان بھی جدید ہے۔ شاخ طوبیٰ کی اونچی اور نازک شاخ کہہ کر امام احمد رضا نے نعتیہ شاعری کی عظمت کے ساتھ ساتھ اس کے آداب کو جس خوبی سے بیان کیا ہے ایسا دلکش اور دلپذیر نمونۂ شاعری عشقیہ کلام میں نظر نہیں آتی۔ ان دو اشعار میں اختصار و ایجاز کے ساتھ جس طرح عظمت نعت کے ساتھ ساتھ رسول اکرم ﷺ کی اس کائنات گیتی میں آمد اور تمام رسول و انبیا میں آپ کی اولیت کو ظاہر کیا ہے وہ ان کا انوکھا اسلوب اور نادر انداز بیان ہے۔ ذرا غور فرمائیں کہ نعت رسول ﷺ لکھنے اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں۔ سعدی شیرازی جب نعت نبی ﷺ کہنے کا ارادہ کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں:

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبیست

یا کوئی یہ کہہ کر خاموش ہو گیا:

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

لیکن امام احمد رضا نے عجز بیان ظاہر نہیں کرتے بلکہ نعت نبی ﷺ لکھنے کے لیے انتہائی عظیم وسیلے کو ڈھونڈ تے ہیں اور تب یہ کہتے ہیں:

مانگوں نعت نبی لکھنے کو، روح القدس سے ایسی شاخ

اب آپ زمانہ قدیم کے اس رواج کو نظر میں رکھیں جب قلم کی جگہ سرکنڈے کے قلم کا استعمال کرتے تھے۔ اس عہد میں قلم تراشنے کے لیے شاخ طوبیٰ کی تمنا کرنا بھی اپنے آپ میں بڑی عظمت کا متحمل ہے۔

ان تمام صفات کے باوجود اگر اردو تنقید میں نعتیہ شاعری کو نظر انداز کیا گیا ہے تو یہ اردو تنقید کا المیہ ہے نعتیہ شاعری کا المیہ نہیں کیونکہ نعت وحمد تو دنیا کے ہر خطے میں گنگنائے جاتے رہیں گے۔ اور عشق رسول ﷺ کے متوالے اس سے سرور و کیف حاصل کرتے رہیں گے۔ اردو شاعری میں نعتیہ سرمائے کا وافر ذخیرہ موجود ہے۔ لیکن بہت کم ہی شاعر ہیں جن کو نعتیہ شاعری کے سبب اردو ادب میں مناسب جگہ دی گئی ہو۔ اس حوالے سے اگر کسی کا ذکر ہوتا ہے تو اکثر حفیظ جالندھری اور محسن کاکوروی کا نام آتا ہے۔ محسن کاکوروی کو ان کے مدحیہ قصیدے کی وجہ سے یاد کیا جاتا ہے جس کا مطلع یہ ہے:

سمتِ کاشی سے چلا جانب متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل
خبر اُڑتی ہوئی آئی ہے مہا بن میں ابھی
کہ چلے آئے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل
جانبِ قبلہ ہوئی ہے یورش ِابر ِسیاہ
کہیں پھر کعبے میں قبضہ نہ کریں لات وہبل

یہ وہی قصیدہ معراجیہ ہے جسے محسن کاکوروی اپنا یہ قصیدہ سنانے کے لئے امام احمد رضا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ظہر کی نماز کے بعد محسن کاکوروی نے اشعار سنانے شروع کیا۔ ابھی دو اشعار ہی پڑھ سکے تھے کہ امام احمد رضا نے کہا اب بس کیجیے عصر کی نماز کے بعد بقیہ اشعار سنے جائیں گے۔ اسی ظہر وعصر کے درمیان امام احمد رضا نے بھی ایک قصیدہ معراجیہ لکھا اور جب مجلس بیٹھی تو پہلے آپ نے اپنا قصیدہ سنایا۔ اسے سن کر محسن کاکوروی نے کہا:

''مولانا اب بس کیجیے اس کے بعد میں اپنا قصیدہ نہیں سنا سکتا''

محدث اعظم ہند حضرت مولانا سید محمد اشرفی میاں بیان فرماتے ہیں کہ لکھنو کے ادیبوں کی ایک شاندار محفل میں حضرت رضا رحم اللہ علیہ کا قصیدہ معراجیہ میں نے اپنے مخصوص انداز میں پڑھ کے سنایا تو سب جھومنے لگے۔ میں نے اعلان کیا کہ اردو ادب کے نقطہ نظر سے میں ادیبوں کا فیصلہ اس قصیدہ کی زبان کے متعلق سننا چاہتا ہوں تو سب نے کہا:

''اس کی زبان کوثر و تسنیم کی دھلی ہوئی ہے۔''

اب ذرا اس قصیدے کے بھی چند اشعار ملاحظہ کریں:

وہ سرورِ کشور رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لئے تھے
وہاں فلک پر یہاں زمیں میں رچی تھی شادی مچی تھی دھومیں
اِدھر سے انوار ہنستے آتے اُدھر سے نفحات اٹھ رہے تھے
اتار کر ان کے رخ کا صدقہ وہ نور کا بٹ رہا تھا باڑا
کہ چاند سورج مچل مچل کر جبیں کی خیرات مانگتے تھے
وہی تو اب تک چھلک رہا ہے وہی تو جو بن ٹپک رہا ہے
نہانے میں جو گرا تھا پانی کٹورے تاروں نے بھر لئے تھے
تبارک اللہ شان تیری تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوش لن ترانی کہیں تقاضے وصال کے تھے
خرد سے کہہ دو کہ سر جھکا لے گماں سے گزرے گزرنے والے
پڑے ہیں یاں خود جہت کو لالے کسے بتائے کدھر گئے تھے
سراغ این و متٰی کہاں تھا نشان کیف و الیٰ کہاں تھا
نہ کوئی راہی نہ کوئی ساتھی نہ سنگ ِمنزل نہ مرحلے تھے

ادھر سے پیہم تقاضے آنا ادھر تھا مشکل قدم بڑھانا
جلال و ہیبت کا سامنا تھا جمال و رحمت ابھارتے تھے

قصیدے کے یہ اشعار کسی بھی اردو طرح اردو کے نمائندہ قصائد سے کم نہیں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ قصیدے کی اصل روح لب و لہجے کا پُر شکوہ ہونا ہے اور مبالغہ اس کی جان ہے، تخیلات کے

سہارے شاعر اپنے کلام کو دلکش و دلفریب بناتا ہے۔امام احمد کے اس قصیدۂ معراجیہ میں صنف قصیدہ کی تمام خوبیاں اپنے خاص آب وتاب کے ساتھ موجود ہیں۔ یہاں شعری جمالیات کے وہ عناصر دیکھنے کو ملتے ہیں جن کا سِرا اگر ایک طرف اگر انتہائی عقیدت ومحبت کی طرف جاتا ہے تو دوسرا سرِا قرآن وحدیث سے ملتا ہے۔اس لیے اس قصیدے میں جن کی جوجلوہ طرازیاں اور جولانیاں موجود ہیں ان کو مئے دوآتشہ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

اردو شاعری میں پیکر تراشی کو خاص اہمیت دی جاتی ہے کیونکہ پیکر تراشی کا ملکہ ہر کوئی کو حاصل نہیں کیونکہ پیکر تراشی کا مطلب یہ ہے کہ لفظوں کے ذریعے کسی تصور یا خیال کو اس طرح پیش کرنا کہ اس کی شکل وصورت سامنے آجائے۔نعتیہ شاعری میں یہ تو نہیں کر سکتے۔البتہ مراثی میں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔نعت میں چونکہ حضور اکرم ﷺ کی مدحت ہوتی ہے۔اور اس حوالے سے پیکر تراشی کسی بھی صورت میں جائز نہیں۔لیکن امام احمد رضا کا شعری اسلوب دیکھئے کہ انھوں نے اپنے اشعار میں ان کے صفات کو اس طرح پیش کیا ہے کہ پیکر تراشی کا شائبہ ہوتا ہے۔مثال ملاحظہ فرمائیں:

سر تا بقدم ہے تن سلطان زمن پھول
لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول

ایک اور مثال دیکھیں:

خوار و بیمار و خطا وار وگنہ گار ہوں میں
رافع و نافع وشافع لقب آقا تیرا

اس شعر میں حضور کے صفات والا کمال کے ساتھ ساتھ جو انداز بیان اور اسلوب ہے اس میں لفظی تلازمے قابل دید ہیں۔ پہلے مصرعے کے مقابل دوسرے مصرعے میں ویسے ہی الفاظ کا انتخاب کیا گیا ہے جو درد کا مداوا ہے اور علاج عاصیاں ہے۔اس طرح کے اشعار وہی کہہ سکتا ہے جس کو زبان کے ساتھ ساتھ فن پر پوری مہارت حاصل ہو۔اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں امام احمد رضا کو نعتیہ شاعری میں جو رتبہ حاصل ہے اس مقام تک کوئی نہیں پہنچ سکا۔ کیونکہ انھوں نے نعتیہ شاعری کو اپنی فکر سے نئی جہات سے آشنا کرایا ہے۔آپ سب جانتے ہیں کہ مرنے کے بعد تنگ وتاریک قبر ہی سب کا ٹھکانہ ہونے والا ہے۔لیکن عشق رسول ﷺ کے دیوانے قبر میں جانے سے ڈرتے نہیں بلکہ قبر میں جانے کی حسرت رکھتے ہیں کیونکہ قبر میں نور

محمدی ﷺ کا دیدار ہونے والا ہے۔ اب اعلیٰ حضرت کا یہ شعر دیکھیں کہ انھوں نے اسی موضوع کو کس انوکھے انداز سے باندھا ہے:

لحد میں رخِ شہ کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے

اس طرح کے اشعار وہی کہہ سکتا ہے جو سچا عاشق رسول ﷺ ہو کیونکہ اسے معلوم ہے کہ جس قبر میں نور محمدی ﷺ آ جائے وہاں پھر اندھیرا کیسا؟ یا اس شعر کو دیکھیں جو عشق کے انوکھے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے:

کاش آویزۂ قندیل مدینہ ہو وہ دل
جس کی سوزش نے کیا رشک چراغاں ہم کو

جان ہے عشقِ مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ نازِ دوا اٹھائے کیوں

مورا تن من دھن سب پھونک دیا
یہ جان بھی پیارے جلا جانا

اب چند ایسے اشعار بھی ملاحظہ کریں جو امام احمد رضا کی فکری وفنی عظمت کی دلیل ہیں:

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائیں کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں

آنکھیں ٹھنڈی ہوں جگر تازے ہوں جانیں سیراب
سچّے سورج وہ دل آرا ہے اجالا تیرا
دل عبث خوف سے پتہ سا اُڑا جاتا ہے
پلہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسا تیرا

عصائے کلیم اژدہائے غضب تھا
گِروں کا سہارا عصائے محمد ﷺ

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں
جو ترے در سے یار پھرتے ہیں
در بدر یوں ہی خوار پھرتے ہیں

اُن کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیے ہیں
جس راہ چل گئے ہیں کوچے بسا دیئے ہیں

ان اشعار کے مطالعے سے بس یہی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ:

ملک سِخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس راہ چل گئے ہو سکے بیٹھا دئے ہیں

○○○

پروفیسر ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی (علی گڑھ)

سیرت ابن ہشام کے کچھ سیرتی مباحث-اشعار کی روشنی میں

سیرت پاک کی اولین کتابوں میں سیرت ابن ہشام اور سیرت ابن اسحاق کا ذکر واضح الفاظ میں موجود ہے۔ سیرت ابن اسحاق کا علاحدہ ذکر عہد حاضر میں ممکن نہیں، البتہ محققین کے نزدیک اس کا پورا مواد یا حجم سیرت ابن ہشام میں آگیا ہے۔ ابن ہشام نے جگہ جگہ ابن اسحاق کی مرتب سیرت پر اپنی رائے کا بھی اظہار کیا ہے۔ سیرت ابن ہشام بہ مکمل ہمارے سامنے موجود ہے، بعد کے سیرت نگاروں نے اسے اساسی ماخذ کا درجہ دیا۔ اس کی افادیت واہمیت کے پیش نظر دنیا کی قائدانہ زبانوں میں اس کے تراجم ہوئے۔ ابن ہشام نے اپنی اس کتاب کی ترتیب میں مختلف مراجع کو پیش نظر رکھا۔ آیات کریمہ اور احادیث سے استفادہ کیا۔ اسی طرح سیرت پاک کے بہت سے پہلوؤں کی توضیح وتشریح کے لئے اشعار عرب کو بھی اساسی مرجع قرار دیا، اور معاندین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اشعار سے استفادہ کرتے ہوئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے انوار وحقائق کو سپرد قرطاس کیا۔ بالخصوص غزوات وسرایا کی بہت سی باریکیوں کو شعراء کی زبانی بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عالی نسبی، تعمیر کعبہ، آمد رسول، جنگ بدر، دشمنان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ناپاک عزائم، شہداء اسلام اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاکیزہ احساسات کو اشعار کی روشنی میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

عربوں کی معاشرتی، ادبی، ثقافتی اور سیاسی کروٹوں کا اشعار کی روشنی میں جائزہ لیا جاسکتا ہے۔ اسی لئے اسے ''دیوان العرب'' کہا گیا ہے۔ شاعر اپنے قبیلے کا ترجمان ہوا کرتا تھا۔ قبیلے کی خصوصیات کو بیان کرنا اس کے فرائض میں شامل تھا۔ اپنے آباء واجداد کے کارناموں کا فخریہ ذکر کرنا، محاذ جنگ پر جا کر اپنے لوگوں کو اکسانا اور تحفظ ناموس میں جان کی بازی لگانے کی

بات کرناان کے مزاج کا حصہ تھا۔عربوں کے ثقافتی خطوط کا دواوین عرب میں مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔اس حقیقت کا اعتراف بھی ناگزیر ہے کہ ان اشعار میں الحاقات بھی ہیں۔ابن ہشام میں منقولہ اشعار کے باب میں بھی یہ یقین کے ساتھ کہنا مشکل ہوگا کہ اس میں الحاقات نہیں ہیں۔لیکن اس اعتراف سے فرار بھی ممکن نہیں کہ اشعار کے بغیر بہت سی سیرتی تفاصیل کی دستیابی آسان نہیں۔اس مضمون میں کوشش ہوگی کہ سیرت ابن ہشام کی پہلی جلد سے بہت سے ایسے اشعار نقل کئے جائیں جن سے عظمت سیرت پاک کا احساس جاگے نیز قارئین سیرت رسول سے خودکو پوری طرح ہم آہنگ کرسکیں۔سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کی شخصیت سے متعلق کچھ اشعار نقل کئے جائیں گے تاکہ یہ اندازہو سکے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباواجداد کن عظمتوں کے حامل تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندانی سلسلہ کن کن اوصاف عالیہ سے مربوط ہے اور رجال خاندان کو کن کن اعزاز واکرام سے نوازا جاتا تھا۔

علی رجل کریم غیروغل　　له الفضل المبین علی العبید

(اس شریف شخص پر (آنسو بہنے لگے) جو دوسروں کے نسب میں ملنے کا جھوٹا دعویدار نہ تھا۔ جسے بندگان خدا پر نمایاں فضیلت حاصل تھی)

علی الفیاض شیبة ذی المعالی　　أبیك الخیروارث كل وجود

(شیبہ پر جو بڑا فیاض اور بلند مرتبے والا تھا۔اپنے اچھے باپ پر جو ہر قسم کی سخاوت والا تھا)

صدوق فی المواطن غیرنکس　　ولاشخت المقام ولاسفیه

(اس پر جو جنگ کے میدانوں میں خوب لڑنے والا۔اپنے ہمسروں سے کسی بات میں پیچھے نہ رہنے والا، نہ کم رتبہ اور نہ دوسروں کے نسب میں مل جانے والا تھا)

طویل الباع ، أردع شیظمی　　مطاع فی عشیرته حمید

(اس پر جو بہت ہی کشادہ دست، عجیب حسن وسخاوت والا، بھاری بھرکم گھرانے کا قابل تعریف سردار تھا)

أعینی واستخرطا اواسجما　　علی رجل غیرنکس کھام

(اے میری آنکھوں! خوب جم کر رولو، اور ایسے شخص پر آنسو بہاؤ جو نہ پیچھے رہنے والا تھا اور نہ کمزور)

علی شیبة الحمد،واری الزناد　　وذی حصدق بعد ثبت المقام

(مہمان نواز، قابل ستائش شیبہ پر اور اپنے مقام پر جمے رہ کر، سخت حملہ کرنے والے پر)

وسیف لدی الحرب صمصامة　　ومردی الخاصم عند الخصام

(اس پر جو جنگ کے وقت خم نہ ہونے والی تلوار اور جھگڑے کے وقت دشمن کو ہلاک کرنے والا تھا)

وسهل الخليقة، طلق اليدين　　وفی عد ملی صميم لهام

(نرم سیرت والے، کشادہ ہاتھوں والے، وفادار، سخت پختہ ارادے والے، کثیر الخیر شخص پر)

مذکورہ اشعار کے علاوہ بیشمار اشعار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا کی ثناخوانی کی گئی ہے۔ اشعار میں مذکورہ صفات شہادت دیتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ایک معروف وممتاز گھرانے سے تھا آپ صلی اللہ علیہ کے دادا مہمان نواز، سخی، پیش پیش رہنے والے، ثابت قدم جنگجو، بااخلاق، نرم خو، وفادار اور کثیر الخیر انسان تھے۔ ایسے پاکیزہ اور مقدس ماحول میں پرورش پانے والا انسان لازماً اعلیٰ اقدار کا حامل ہوگا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق اسی اعلیٰ وارفع سلسلۂ نسب سے تھا۔ گویا خاندانی وجاہت اور رسالت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کا مثالی انسان بنا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتداء اور انتہا تمام نفائس سے مربوط تھیں۔ ایسا عظیم اور خلیق انسان اب تک دنیا میں نہ آیا ہے اور نہ آئندہ آئے گا۔ اسی پہلو کو قرآن کریم میں یوں واضح کیا گیا ہے۔

ومن الليل فتهجد به نافلة لك عسى ان يبعثك ربك مقاما محمودا (بنی اسرائیل ۱۷/۷۹)	اور اے پیغمبر! رات کا کچھ حصہ (یعنی پچھلا پہر) شب بیداری میں بسر کر یہ تیرے لئے ایک مزید عمل ہے قریب ہے کہ اللہ تجھے ایک ایسے مقام میں پہنچا دے جو نہایت پسندیدہ مقام ہو۔

مولانا آزاد نے اپنی تفسیر میں ''مقام محمود'' کی نہایت اچھی تصویر کشی کی ہے مناسب ہوگا کہ یہ طویل اقتباس نقل کر دیا جائے جو قارئین کے لئے باعث فرحت ہوگا:

''آیت ۷۹ میں مقام محمود سے مقصود ایسا درجہ ہے جس کی عام طور پر ستائش کی جائے۔ فرمایا کچھ بعید نہیں کہ تمہارا پروردگار تمہیں ایسے مقام پر پہنچا دے جو عالم گیر اور دائمی ستائش کا مقام ہو۔ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب پیغمبر اسلام کی مکی زندگی کے آخری سال گزر رہے

تھے اور مظلومیت اور بے سر و سامانی اپنے انتہائی درجوں تک پہنچ چکی تھی، حتیٰ کہ مخالف قتل کی تدبیروں میں سرگرم تھے۔ ایسی حالت میں کون امید کرسکتا تھا کہ انہیں مظلومیتوں سے فتح و کامرانی پیدا ہوسکتی ہے؟ لیکن وحی الٰہی نے صرف فتح و کامرانی ہی کی بشارت نہیں دی، کیوں کہ فتح و کامرانی کی عظمت کوئی غیر معمولی عظمت نہ تھی، بلکہ ایک ایسے مقام تک پہنچنے کی خبر دی جو نوع انسانی کے لیے عظمت و ارتفاع کی سب سے آخری بلندی ہے، یعنی "**عسٰـى ان يبعثك ربك مقاما محمودا**" حسن و کمال جہاں پہنچ کر محمودیت خلائق کی عالم گیر اور دائمی مرکزیت حاصل ہو جائے گی، کوئی ملک ہو، کوئی نسل ہو، لیکن کروڑوں دلوں میں اس کی ستائش ہوگی، ان گنت زبانوں پر اس کی مدحت طرازی ہوگی، محمود یعنی سرتاسر ممدوح ہستی بن جائے گی:

ماشئت قل فيه فأنت مصدق فالحب يقضى والمحاسن تشهد

یہ مقام انسانی عظمت کی انتہا ہے۔ اس سے زیادہ اونچی جگہ اولا آدم کو نہیں مل سکتی، اس سے بڑھ کر انسانی رفعت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ انسان کی سعی و ہمت ہر طرح کی بلندیوں تک اڑ جاسکتی ہے، لیکن یہ بات نہیں پاسکتی کہ روحوں کی ستائش اور دلوں کی مداحی کا مرکز بن جائے، سکندر (Alexander) کی ساری فتوحات خود اس کے عہد و ملک کی ستائش اسے نہ دلا سکیں اور نپولین (Napoleon) کی ساری جہاں ستانیاں اتنا بھی نہ کرسکیں کہ کورسیکا (Corsica) کے چند غدار باشندوں میں اسے محمود و ممدوح بنادیتیں جہاں وہ پیدا ہوا تھا۔ محمودیت اسی کو حاصل ہوسکتی ہے جس میں حسن و کمال ہو، کیوں کہ روحیں حسن ہی سے عشق کرسکتی ہیں اور زبانیں کمال ہی کی ستائش میں کھل سکتی ہیں، لیکن حسن و کمال کی مملکت وہ مملکت نہیں جسے شہنشاہوں اور ماتحتوں کی تلواریں مسخر کرسکیں۔

غور کرو! جس وقت سے نوع انسانی کی تاریخ معلوم ہے نوع انسانی کے دلوں کا احترام اور زبانوں کی ستائشیں کن انسانوں کے حصے میں آئی ہیں؟ شہنشاہوں اور فاتحوں کے حصے میں یا خدا کے ان رسولوں کے حصے میں جنھوں نے جسم و ملک کو نہیں، روح و دل کو فتح کیا تھا؟

یہی مقام محمود ہے جس کی خبر ہمیں ایک دوسری آیت میں دی گئی ہے اور خبر کے ساتھ امر بھی ہے: "**ان اللّٰـه وملٰـئكتـه يصلون على النبى، يٰايها الذين اٰمنوا صلوا عليه وسلموا تسليما۔**" (۵۶:۳۳)

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام کا ایک مشہد وہ معاملہ ہوگا جو قیامت کے دن پیش

آئے گا جب کہ اللہ کی حمد وثنا کا علم آپ کریں گے، اور بلاشبہ محمودیت کا مقام دنیا وآخرت دونوں کے لیے ہے۔ جو ہستی یہاں محمود خلائق ہے وہاں بھی محمود وممدوح ہوگی۔ (ترجمان القرآن، مولانا ابوالکلام آزاد، ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی، پہلی بار ۱۹۷۰ء،۴/ ۳۰۸۔۳۰۶)

اس مؤقر ومکرم انسان کا قصہ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے بھائی ورقہ بن نوفل کے سامنے بیان کیا تو انہوں نے کہا یہ صفات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کی غمازی کرتی ہیں۔ اگر میں اس وقت تک باحیات رہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لاؤں گا۔ لیکن افسوس کہ آپ کی زندگی میں یہ خوبصورت ساعت ظہور پذیر نہ ہوسکی۔ ورقہ بن نوفل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تئیں اپنے احساسات کو ان اشعار میں منظوم کیا ہے۔

ببطن المكتين على رجائي　　حديثك ان أرى منه خروجا

(اے خدیجہ! میں سمجھتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ تمہاری بات کا ظہور مکہ کے دونوں بطنوں کے درمیان ہوگا)

بما خبرتنا من قول قس　　من الرهبان اكره أن يعوجا

(تم نے راہبوں کی جن باتوں کی خبر دی ہے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ غلط ہوجائے)

بأن محمداً سيسود فينا　　ويخصم من يكون له عجيجا

(کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم میں عنقریب سردار ہوجائیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے جو شخص کسی سے بحث کرے گا وہی غالب رہے گا)

ويظهر فى البلاد ضياء نور　　يقيم به البشرية أن تموجا

(اور تمام شہروں میں اس کے نور کی روشنی پھیل جائے گی۔ جو خلق خدا کو سیدھا چلائے گی اور منتشر ہونے سے بچائے گی)

فيلقى من يحاربه خساراً　　ويلقى من يسالمه فلوجا

(اس کے بعد جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرے گا نقصان اٹھائے گا اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصالحت کرے گا منجمد رہے گا)

فياليتنى اذاما كان ذاكم　　شهدت وكنت اكثرهم ولوجا

(کاش! میں بھی اس وقت رہوں جب تمہارے سامنے ان واقعات کا ظہور ہو اور کاش میں اس میں داخل ہونے والوں میں سے زیادہ حصہ دار رہوں)

ولوجا فی الذی کرهت قریش ولو عجت بمکتها عجیجا

(اس دین میں داخل ہو جاؤں جس سے قریش کو کراہت رہے۔ اگر چہ وہ اپنے مکہ میں بہت کچھ چیخ پکار کریں)

مذکورہ اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ ورقہ بن نوفل ایک عالم اور سنجیدہ طبیعت کے انسان تھے۔ فکر آگہی ان کے مزاج کا حصہ تھی جس کا ظہور ان اشعار میں پوری طرح موجود ہے۔ وہ عیسائیت کے ایک بڑے عالم تھے جس کی وجہ سے انجیل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق موجودہ بشارت سے بخوبی واقف تھے۔ آپ کی شدید خواہش تھی کہ آپ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے شرف یاب ہوں اور زبان وقلب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعتراف کریں رسالت محمدی سے آپ کی عقیدت ومحبت کو ان الفاظ میں دیکھا جا سکتا ہے۔

وهل امر السفالة غیر کفر بمن یختار من سمك البروج

(جس نے بلندی کو برجوں کے لئے منتخب کیا ہے اس سے انکار وکفر کے سوا کیا کوئی اور ذلت بھی ہے؟)

حضرت ابوطالب اپنے بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر چاہتے تھے اور اس محبت میں پورے عرب سے دشمنی مول لینا ان کے لئے کوئی بڑی چیز نہ تھی، وہ بہرصورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ اور دفاع کے لئے تیار تھے۔ کچھ محققین اور مؤرخین کا خیال ہے کہ وہ اندرونی طور سے اسلام قبول کر چکے تھے لیکن معاشرتی خوف اور اپنے آبائی دین کے سبب زبان سے اعتراف ان کے لئے ایک مسئلہ بن چکا تھا لیکن ہم اس مسئلے میں نہ جاتے ہوئے صرف اتنا اظہار خیال ضرور کریں گے کہ حضرت ابوطالب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل وجان سے شیدائی تھے۔ وہ جو بھی کریں وہ ان کے ساتھ رہیں گے۔ گویا ان کی دعوت توحید اور دین اسلام کے احیاء سے متعلق کوششوں کا ساتھ دیں گے۔ اللہ دلوں کا حال بہتر جانتا ہے وہ اسی کے مطابق فیصلہ صادر کرے گا۔ جب عربوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک طوفان برپا ہو گیا تو آپ نے ان اعداء رسول کے سامنے پہلے اپنے خاندانی وقار کا ذکر کیا اور اس کے بعد شریعت محمدی کی وضاحت کرتے ہوئے اپنی قوم کی عداوت وشناعت کو موضوع بحث بنایا۔

ولما رأیت القوم، لا ود فیهم وقد قطعوا کل العری والرسائل

(جب میں نے قوم کو دیکھا کہ ان میں محبت نہیں رہی اور انہوں نے تمام تعلقات اور

رشتوں کو توڑ دیا)

وقد صارحونا بالعداوة و الاذ وقدطاوعوا أحد العدو المزائل

(انہوں نے ہم سے کھلی دشمنی اور ایذا رسانی شروع کی۔انہوں نے ہم سے الگ ہونے والے دشمن کی بات مانی)

صبرت لهم نفسى بسمراء سمحة وأبيض عضب من تراث المقاول

(تو میں بذات خود ایک لچکیلے نیزے اور شایان سلف کی وراثت میں ملی ہوئی ایک چمکیلی تلوار لے کران کے مقابلے میں ڈٹ گیا)

یہ ایک طویل قصیدہ ہے۔اس میں حضرت ابوطالب نے اپنی حیثیت جتلائی اور اپنے مخالفین کو ہدف تنقید بناتے ہوئے مختلف انداز میں اپنے احساسات وجذبات کی عکاسی کی ہے اور اختتام قصیدہ پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف اعلیٰ جہات وصفات کو موضوع بحث بنایا ہے۔ان اشعار میں حضرت ابوطالب کی محبت کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے کہ انھیں اپنے بھتیجے سے کس قدر قلبی اور جذباتی لگاؤ تھا۔ان کی ہر تحریک اور ہر اقدام کا سہارا بنے سرداران عرب کی مخالفتیں ان کے جوش محبت کو جدا نہ کرسکیں اس تعلق سے کچھ اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں۔

لعمرى لقد كلفت وجداً بأحمد واخوته داب المحب المواصل

(اپنی عمر کی قسم! جس طرح دائمی محبت کرنے والوں کی محبت ہوتی ہے۔میں احمد(صلی اللہ علیہ وسلم)اوران بھائیوں کے عشق میں مبتلا کیا گیا ہوں)

فلازال فى الدنيا جمالا لأهلها وزيناً لمن والاه رب المشاكل

(ایک دوسرے سے متشابہ شکلیں بنانے والے پروردگار احمد(صلی اللہ علیہ وسلم)اوران کے بھائیوں سے تعلقات رکھنے والوں کے جمال دنیوی ہمیشہ رکھے اور جن لوگوں کی اس نے سرپرستی کی ہے ان کی زینت کو دوام عطا فرمائے)

فمن مثله فى الناس أى مؤمل اذا قاسه الحكام عند التفاصل

(احمد(صلی اللہ علیہ وسلم)کا سا لوگوں میں ہے کون؟ حکام نے جب فضائل کا مقابلہ کرنے کے لئے اس(کے رتبے)کا اندازہ کیا تو اس کے لئے ان لوگوں میں جن سے امیدیں وابستہ کی جاتی ہیں۔عجیب قسم کی برتری ہوئی)

حليم، رشيد عادل، غير طائش يوالى الٰها ليس عنه بغافل

(وہ بردبار، سیدھی راہ چلنے والا، عادل، جذباتی نہیں ہے۔ اس کا تعلق ایک ایسے معبود سے ہے جو اس سے غافل نہیں)

لقد علموا أن ابننا لا مکذب لدینا ولا یعنی بقول الأباطل

(تمام لوگوں کو پتہ ہے کہ ہمارا بیٹا ہم لوگوں کے نزدیک کذب وافتراء سے پاک ہے اور لایعنی باتوں پر توجہ نہیں دی جائے گی)

حدبت بنفسی دونه وحمیته ودافعت عنه با لذرا و الکلاکل

(اس کی مدافعت میں میں نے اپنی جان خطرے میں ڈال دی۔ اپنی نسبت کی بلندی اور سینے کے بڑے حصے سے اس کی حفاظت کی)

فأیده رب العباد بنصره وأظهر دینا حقه غیر باطل

(پس رب العباد نے اسے اپنا ذاتی تعاون دیا۔ اور اپنی حقانیت سے دین برحق کو سربلندی عطا کی)

حضرت ابوطالب کے اس طویل قصیدہ سے چند اشعار یہاں پیش کئے گئے۔ اس میں تین بنیادی نکات پر توجہ صرف کی گئی ہے۔ ایک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جس شاخ سے تعلق ہے وہ اپنے کردار کے سبب ممتاز ومنفرد ہے۔ دوسرے مخالفین کے اندازِ فکر پر اظہارِ افسوس جتایا گیا ہے اور مسک الختام کے طور پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف عالیہ اور مقاتِ مقدسہ کا عقیدتاً ذکر کیا گیا ہے۔ ان اشعار کے تناظر میں حضرت ابوطالب کی عظمت کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ تمام تر موانع ومشاکل کے باوجود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی دست کش نہیں ہوئے۔

سیرت ابن ہشام میں ہجرت مدینہ کے حوالے سے خاصی معلومات موجود ہیں۔ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم غارِ ثور میں تین روز مقیم رہے اور وہیں سے ہجرت کا منصوبہ بنایا، لیکن یہ سب چیزیں راز میں رہیں یہاں تک کہ ایک جن کے ذریعہ اس حقیقت کا اظہار کیا گیا۔ یہ اظہار منظوم شکل میں تھا:

خیرالله رب الناس خیرجزاء رفیقین حلا خیمتی ام معبد

(رب الناس ان دونوں دوستوں کو اپنی جانب سے بہترین جزاء دے جو ام معبد کے خیمے میں اترے)

هما نزلا بالبر تم تروّحا فأفلح من أمسی رفیق محمد

(وہ دونوں اچھائیوں کے ساتھ نازل ہوئے۔ پھر شام ہوتے ہوتے روانہ ہو گئے۔ یہ یقینی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھی فلاح یاب ہوگا)

لیعصی بنی کعب مکان ومقعدھا للمؤمنین بمرصد

(بنی کعب کو اپنے زنان خانے اور دلوان خانے سے خوش ہونا چاہئے کہ وہ ایمان داروں کی انتظارگاہ ہیں)

مذکورہ اشعار میں رسالت محمدی کے تقدس وتبرک کو پیش کیا گیا ہے۔اس ذات اقدس سے جوکوئی وابستہ ہوجائے کامیابی اس کی تقدیر کا حصہ بن جاتی ہے۔عہد حاضر میں رفاقت کی شکل یہ ہے کہ سیرت نبوی کو اپنا معیار ومحور بنایا جائے اور ہر میدان میں میزان نبوی مقصود ومطلوب ہو۔یہی رفاقت نبوی اخروی الجھنوں سے نجات کا باعث ہوگی۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رفاقت نبوی کو اللہ نے اس قدر پسند کیا کہ اسے اپنی کتاب میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کردیا گویا یہ رفاقت ابوبکر تمام دنیاوی رفاقتوں پر بھاری ہے۔جس کا ذکر سورہ توبہ میں یوں کیا گیا ہے:

الاتنصروہ فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفرو ثانی اثنین اذھما فی الغار اذیقول لصاحبہ لاتحزن انّ اللہ معنا۔ (التوبہ ۹/۴۰)

اگرتم ان (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد نہ کروتو اللہ ہی نے ان کی مدد کی اس وقت جب کہ انھیں کافروں نے (دیس سے) نکال دیا تھا۔دومیں سے دوسرا جبکہ وہ دونوں غار میں تھے جب یہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

اس کی توضیح کچھ اس طرح ہے:-

''جہاد سے پیچھے رہنے یا اس سے جان چھڑانے والوں سے کہا جارہا ہے کہ اگرتم مدد نہیں کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کا محتاج نہیں۔اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی مدد اس وقت بھی کی جب اس نے غار میں پناہ لی تھی اور اپنے ساتھی یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا تھا ''غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے'' اس کی تفصیل حدیث میں آئی ہے۔ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''جب ہم غار میں تھے تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اگر ان مشرکین نے (جو ہمارے تعاقب میں ہیں) اپنے قدموں پر نظر ڈالی تو یقیناً ہمیں دیکھ لیں گے'' حضرت نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا یا ابوبکر!" ماظنك باثنين الله ثالثهما (صحیح بخاری تفسیر سورۃ التوبۃ)اے ابوبکر! تمہارا ان دو کے بارے میں کیا خیال ہے، جن کا تیسرا اللہ ہے'' یعنی اللہ کی مدد اور اس کی نصرت جن کے شامل حال ہے۔''

(قرآن کریم مع اردو ترجمہ وتفسیر، شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس، ۱۴۱۷ھ، ص:۵۱۲)

یہ رفاقت تمام مادی آلائشوں سے پاک وصاف ہے۔ ہم اپنی رفاقت کا جائزہ لیں کہ کیا سرور کائنات کے تئیں اس میں صداقت اور اخلاص ہے۔ رفاقت محمدی کے توسط سے ہم مناصب اور شہرت وعظمت کے خواستگار تو نہیں؟ آج اسی رفاقت کے حوالے سے سیرت اور دولت کمائی جا رہی ہے۔ گویا نعت گوئی اور نعت خوانی حصول مادیت کا ذریعہ بن چکی ہیں۔ پاکستانی خواتین اس نعت خوانی کے توسط سے اپنے حسن و جمال کا مظاہرہ کرتی ہیں یہی وجہ ہے کہ ہم اس حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے باوجود بھی ذلت وحقارت کی زد پر ہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو وہاں ایک خوشی کا ماحول تھا۔ اس بابرکت تشریف آوری سے وہاں کی فضا خوشیوں اور برکتوں میں بس گئی۔ ہر شخص اپنی قسمت پر نازاں تھا کہ دنیا کی قیمتی متاع ہمارے حصے میں آ گئی۔ ہماری ہی سرزمین سے اسلام کا بول بالا ہوگا اور ہم خدام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہلائیں گے۔ ابوقیس صرمہ نے ان جذبات کی ترجمانی اس انداز سے کی ہے۔

ثوى فى قريش بضع عشرة حجةً يذكر لو يلقى صديقاً مواتيا

(آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم دس سال سے زائد قریش میں قیام پذیر رہے کہ کاش کوئی موافق دوست مل جائے)

ويعرض فى أهل المواسم نفسه فلم يرمن يؤدى ولم ير داعيا

(اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حج کے مواقع پر خود کو (عوام الناس کے سامنے) پیش کرتے رہے، لیکن کسی نے نہ تو دست گیری کی اور نہ ہی کسی لبیک کہنے والے شخص کا مشاہدہ کیا)

فلما أتانا أظهر الله دينه فاصبح مسروراًبطيبة راضيا

(جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے یہاں تشریف فرما ہوئے تو اللہ نے اپنے دین کو غلبہ عطا کیا۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہر طیبہ سے مکمل طور سے راضی برضا ہو گئے)

وألقى صديقاًواطمانت به النوى وكان لنا عونا من الله باديا

اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا دوست پالیا جس میں آپ کی غریب الوطنی کو اطمینان حاصل ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسے معاون تھے کہ جس کی مدد بالکل ظاہر و باہر تھی۔

یقص لنا ما قال نوح لقومه وما قال موسیٰ اذا جاب المنادیا

نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے جو کچھ کہا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے بیان فرماتے ہیں اور موسیٰ نے (غیب سے) پکارنے والے کو جو جواب دیا، اس کی تفصیل فرماتے ہیں۔)

واصبح لا یخشیٰ من الناس واحداً قریباً ولا یخشیٰ من الناس نائیا

(اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت میں صبح کی کہ لوگوں میں سے کسی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ڈرتے، چاہے وہ نزدیکی ہو یا دور والا)

بذلنا له الاموال من حل مالنا وانفسنا عند الوغاو التأسیا

(ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنی جانیں اور اپنے مال کا بڑا حصہ جنگوں اور ہمدردیوں میں صرف کیا۔)

ونعلم انّ الله لاشئ غیره ونعلم انّ الله افضل هادیَا

(اور ہم جاننے لگے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی چیز ہے ہی نہیں اور جان رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی بہترین رہنما ہے۔)

نُعادِی الذی عادی من الناس کلهم جمیعا وان کان الحبیب المصافیا

(سب لوگوں میں سے جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دشمنی کا اظہار فرماتے ہیں ہم بھی اس کے دشمن ہو جاتے ہیں، اگرچہ وہ مخلص دوست ہو۔)

اقُولُ اذا ادعوك فی کل بیعة تبارکت قد اکثرت لِاَسمكَ داعیا

(جب میں ہر عبادت گاہ میں جا کر تجھ سے دعا گو ہوتا ہوں تو کہتا ہوں کہ تم نے برکتیں نازل کیں، یقیناً میں نے دعا کرتے ہوئے تیرا نام بہت لیا ہے۔)

اقول اذا جاوزت ارضا مخوفةً حنانیك لا تظهر علی الأعادیا

(جب میں کسی خطرناک سرزمین سے گزرتا ہوں تو کہتا ہوں کہ تو اپنی مہربانیوں سے مجھ پر دشمنوں کو غلبہ نہ دے۔)

سیرت ابن ہشام جلد اول سے مذکورہ بالا اشعار نقل کئے گئے۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے

مزید اشعار مل سکتے ہیں جن میں اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل مقدسہ کی توضیح کی گئی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رتبۂ بلند کا انکشاف کیا گیا۔ ان اشعار کی روشنی میں ایک معتبر زاویۂ نظریہ سامنے آیا کہ نہ صرف عرب بلکہ رہتی دنیا تک تمام خطوں میں بسنے والے اللہ کے بندوں کے لئے کوئی قائد ورہبر ہوسکتا ہے تو یہ صرف بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے جس کی ڈاکٹر حمید اللہ نے اپنی تحریروں میں نہایت وقیع استدلال فرمایا ہے۔ سرداران عرب نے ہر طرح سے اس آواز کو دبانا چاہا لیکن چونکہ اس آواز کو تائیدایزدی حاصل تھی اس لئے اس سیادت وقیادت کو دبانا یا چراغ مصطفوی کو بجھانا انسانی بساط سے باہر تھا۔ قرآن کریم نے جس کی بلیغ تصویر کشی یوں کی ہے: "**ورفعنا لك ذكرك** "اور ہم نے تمہاری خاطر تمہارا آوازہ بلند کیا۔ اس کی تفسیر صاحب تدبر قرآن نے یوں کی ہے:

یعنی کیا یہ بات نہیں ہے کہ ہم نے تمہارا آوازہ بلند کیا! ''لک'' جس طرح پہلی آیت میں اختصاص، تائید اور نصرت کے اظہار کے لئے ہے اسی طرح یہاں بھی ہے۔ یعنی تمہاری تقویت وحوصلہ فزائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمہارا ذکر دور دور تک پھیلا دیا ہے۔

اس آیت سے سورہ کا زمانۂ نزول معین ہوتا ہے کہ یہ اس دور میں اتری ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا چرچا عرب کے اطراف واکناف میں پھیلنے لگا ہے۔ یہ امر یہاں واضح رہے کہ مکہ کے سادات جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے دعوت دی، وہ تو ایک عرصہ تک دعوت اور داعی کی مخالفت پر جمے رہے لیکن حج کے موسم میں باہر کے جو لوگ آتے ان کے ذریعہ سے یہ دعوت مکہ کے اطراف خصوصیت کے ساتھ مدینہ کے انصار میں پھیل گئی۔ پھر بالتدریج نہ صرف عرب کے دور وقریب کے قبائل بلکہ اطراف کے دوسرے ملکوں میں بھی اس کا ذکر پہنچ گیا اور یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں رہا کہ یہ آواز دبنے والی نہیں ہے بلکہ جلد وہ وقت آنے والا ہے کہ بچہ بچہ کی زبان پر اس کا چرچا ہوگا اور گوشہ گوشہ اللہ اکبر کی صدا سے گونج اٹھے گا۔

(تدبر قرآن۔ مولانا امین احسن اصلاحی، تاج کمپنی، دہلی ۱۹۸۹ء ۹/۴۲۷)

ان اشعار سے یہی ترشح ہوتا ہے کہ اگر فکر میں صداقت، دیانت، اخلاص اور جذبۂ انفاق شامل ہو تو کامیابیاں تحریک اور تقدیر کا نوشتہ بن جاتی ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے جاں نثاروں کے احوال وآثار کا تجزیہ کیا جائے تو یہ مذکورہ تمام اوصاف بدرجۂ اتم ان کے اندر موجود تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مخالفتیں اور عداوتیں ان کے سامنے بے معنی ہوکر رہ گئیں۔ یہ جیش

رسول صلی اللہ علیہ وسلم گو تعداد میں کم اور آلات حرب کے لحاظ سے خالی خولی، لیکن حمایت حق اور اخلاص کی ایسی دولت اور ایسی قوت ان کے پاس تھی جو تمام قوتوں اور لشکروں پر بھاری ہوتی۔ چنانچہ پورا عرب اسی اخلاص و انفاق کے سبب زیر اسلام آ گیا اور خانہ کعبہ جو بتوں کا ٹھکانا تھا اور اس کی دیواریں مختلف تصاویر سے اٹی ہوئی تھیں نعرۂ توحید سے گونجنے لگیں۔ وحدانیت کے نام پر وجود میں آنے والا یہ خانہ کعبہ جو شرک وکفر میں ڈوبا ہوا تھا۔ اسے خالص توحید کے لئے مختص کر دیا گیا۔ یہ توحیدی اختصاص انشاء اللہ تا قیامت برقرار رہے گا اس عظیم فتح و کامرانی کے لئے سورہ الکوثر کو نازل کیا گیا اس حکم کے ساتھ کہ اب سجدے صرف رب العالمین کے کئے جائیں گے، اور قربانی محض اسی کے نام کی جائے گی، اور تمہارے دشمنوں کی پوری طرح بیخ کنی کر دی گئی ہے۔ ان تمام مباحث کی توضیح مولانا فراہی نے اپنی تفسیر الکوثر میں کر دی ہے جس کا سیرت پاک سے گہرا تعلق ہے۔ تعمیر کعبہ کے حوالے سے اس سیرت میں کافی مواد موجود ہے۔ یہاں یہ وضاحت بھی نامناسب نہ ہوگی کہ اردو زبان میں تعمیر کعبہ کے تعلق سے جو تحریریں موجود ہیں ان میں سب سے نمایاں تحریر اور تحقیق سر سید کے خطبات احمدیہ میں ہے۔

سیرت ابن ہشام کی ایک بین خصوصیت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب ونسب کے باب میں کافی اشعار موجود ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب ونسب کے تعلق سے یہود ونصاریٰ نے جو تحریفات وتکذیبات کی ہیں اس کا عملی جواب مولانا فراہی کے مکاتیب شبلی، سیرت النبی اور **فیمن ھو الذبیح** میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کی خاندانی وجاہت کے تعلق سے متعدد قصائد اس میں موجود ہیں جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتساب عالی اور علو نسبی کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ان قصائد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا کی معاشرتی خدمات، حجاج کعبہ کی نگہداشت، شجاعت اور سخاوت اور ضیافت کا بار بار ذکر کیا گیا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے خاندان کے چشم و چراغ تھے جس کی مثال دنیا پیش کرنے سے درماندہ ہے۔ اسی طرح حضرت ابوطالب نے اپنے اشعار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تقدس و ترفع کا ذکر چھیڑا ہے، نیز مختلف اوصاف پر روشنی بھی ڈالی ہے۔ دشمنان رسالت پر لعن طعن کی ہے اور ان کی دناءت وسطحیت پر اظہار افسوس کیا ہے۔ حضرت ابوطالب کی زندگی کا یہ پہلو قابل اعتناء ہے کہ انھوں نے اس طوفان عداوت میں حمایت رسالت کا ببانگ دہل اعلان کیا۔ یہ صراحت بھی ضروری ہے کہ دشمنان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شدت

وحدت کا شعراء الرسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جوابات بھی دیئے۔ جس سے یہ پتا چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کن شدائد و مصائب سے دوچار تھے یعنی سیرت ابن ہشام سے معاندین رسالت کے پلید احساسات کا ادراک بھی ناممکن نہیں ہے۔ اسی طرح جنگ بدر کے موضوع پر ایسے بیشمار قصائد ہیں جن میں معتقدین خاتم الرسل نے اسلام اور رسالت کے تئیں اپنے اخلاص کو منظوم کیا ہے۔ اسی طرح کفار و مشرکین نے اپنی حزیمت کا رونا بھی رویا ہے اور عربوں کو انتقام کے لئے اکسایا ہے ان دونوں احساسات کا مطالعہ کیا جائے تو جنگ بدر کی ایک سچی تصویر سامنے آسکتی ہے۔ ان قصائد میں جہاں بیشمار سیرتی جہات ہیں وہیں تفسیر آیات کریمہ کی بہت سی گرہیں بھی واہوتی ہیں۔ مثلاً اصحاب الاخدود، اصحاب فیل، اصحاب کہف، ذوالقرنین، اسراء و معراج، برہان قرآن، تحویل قبلہ، سورہ انفال کا نزول اور تحریف قرآنی جیسے موضوعات پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ یہاں یہ صراحت بھی نامناسب نہ ہوگی کہ مقالات سرسید میں اسراء و معراج پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ جس کا خوبصورت جائزہ پروفیسر محمد صلاح الدین عمری نے اپنے مقالہ ''واقعۂ اسراء و معراج'' میں کیا ہے (دیکھئے: خطبات احمدیہ کا مطالعہ (ترتیب از ڈاکٹر عبیداللہ فہد اور پروفیسر سید لطیف حسن شاہ کاظمی) سیرت کمیٹی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ۲۰۱۶ء/ ۱۴۳۷ھ، ص: ۸۳۔۷۴)

سیرت ابن ہشام سے ایک صحت مند نقطۂ نظر یہ منظر عام پر آتا ہے کہ سیرت رسول کا اصل معتبر و مستند مصدر قرآن کریم ہے۔ اس اساسی مصدر کے ذریعہ دیگر مصادر سیرت کو جانچا اور پرکھا جاسکتا ہے عصر حاضر میں پاکستانی محقق مرحوم خالد مسعود نے اپنی مایہ ناز تصنیف ''حیات رسول امی'' کے ذریعہ یہ فریضہ انجام دیا ہے۔ انھوں نے قرآنی میزان کے توسط سے بہت سی روایات پر سوالیہ نشان کھڑا کیا ہے۔ ابن ہشام کو شعری منحولات کا پورا اندازہ ہے۔ اکثر قصائد کو نقل کرتے ہوئے ان کی تحقیقی نوعیت کا تعین بھی پیش کیا ہے اور ان کے معیار و مصداق پر اپنا تنقیدی رویے کا اظہار کیا جس سے یہ متبادر ہے کہ سیرت سے متعلقہ اشعار کا ایک بڑا حصہ الحاقی ہے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عربی اشعار کا سیرت مقدسہ کی تقدیم میں گراں قدر رول رہا ہے۔ سیرت کے باب میں قرآن کریم ایک حتمی ماخذ ہے جو تمام شکوک وشبہات سے معری ہے۔ لیکن افسوس کہ سیرت مقدسہ کی تعمیر و تاسیس میں بیشمار ماخذ کو بغیر چھان پھٹک کے استعمال کیا گیا ہے۔ سرسید اور شبلی پہلے شخص ہیں جنھوں نے سیرت نگاری کو علمی و فکری رخ دیا۔ آج تفاسیر اور سیرت میں ضعیف روایات کا ایک ڈھیر ہے جن میں صحیح و ثقہ روایات کا انتخاب واختیار ایک دشوار عمل ہے۔ اسی طرح

نعتیہ اشعار میں ضعیف روایات کا بکثرت استعمال رہا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت "**کان خلقہ خلق القرآن**" کا ماحصل یہی ہے کہ سیرت مقدسہ کی ترتیب میں ان مآخذ ومصادر سے مدد لی جائے جو معیار ومیزان کے اعتبار سے اعلیٰ وارفع ہوں۔ اس میں کہیں سے ابہام وایہام کا شائبہ نہ ہو۔ بلکہ راقم الحروف یہ بھی کہنا چاہے گا کہ سیرت ابن ہشام کا مطالعہ بھی کھلی آنکھ اور کھلے دل سے کیا جائے تا کہ سیرت پاک کی تنقیحات میں کسی علمی فساد کا دخول نہ ہو۔ سیرت پاک کا یہ آب زلال تمام غل وغش سے دور سے دور تر ہو بلکہ قرآن کریم کی زبان میں ''ماء فرات'' ہو اور مستشرقین کی تمام کاوشیں بلکہ ہرزہ سرائیاں اس بات میں بے معنی ثابت ہوں۔ ولیم میور اور سلمان رشدی کا جواب مظاہرہ اور چیخ وپکار نہیں بلکہ علمی استدلال ہو یعنی کتاب کا جواب کتاب ہو۔

○○○

ڈاکٹر محمد اسماعیل آزادؔ فتح پوری (یو پی)

حمد و نعت پر میرے اور میرے عزیز تلامذہ کے تحقیقی مقالوں کا تعارف

راقم اپنی زیر نگرانی حمد اور نعت پر پی ایچ. ڈی کی ڈگری یافتہ ریسرچ اسکالرز اور ان کے موضوعاتِ نعت پر خامہ فرسائی سے پیشتر مناسب سمجھتا ہے کہ وہ اوّلاً بہ حیثیت ریسرچ سپروائزر اپنی بابت چند باتیں حوالۂ قرطاس کر دے۔

راقم کے والد معظم حافظ محمد جمیلؒ ایک مخیرّ اللہ والے بزرگ تھے، جو غرباء و مساکین کی امداد بہت فراخدلی اور کشادہ دستی سے کرتے تھے۔ انہوں نے راقم کی تعلیم و تربیت بڑے اشتغال و انہماک سے کی، جس کا ثمرہ یہ ہے کہ اس نے اپنا تعلیمی سفر بحسن و خوبی انجام پذیر کیا۔ اور اس نے اپنی تعلیمی زندگی کے ہر امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ اس نے ابتدائی دس سالوں کا وقفہ مذہبی و دینی علوم کی تحصیل میں کیا اور 1958ء تک عربی و فارسی کے جملہ علوم و فنون کی تکمیل کی۔ اس کے بعد اس نے عصری علوم کی تحصیل کی جانب رخ کیا۔ جولائی 1958ء میں اس کا داخلہ انگریزی کے نویں کلاس میں ہوا۔ اس نے عصری علوم کی تحصیل میں دس سال صرف کر کے ایم. اے، ایل ایل-بی تک کی ڈگریاں نمایاں کامیابی کے ساتھ حاصل کیں۔ اسے اس کی تعلیمی زندگی میں از ابتدا تا انتہا علمی و لیاقتی وظائف ملتے رہے، جس میں ملک کا مقتدر وظیفہ جے. آر. ایف. بھی شامل ہے۔

پی ایچ. ڈی ڈگری کے لئے اس کا موضوعِ تحقیق ''اردو شاعری میں نعت'' تھا۔ اس کا محوّلہ بالا یہ مقالہ زیور طبع سے آراستہ ہو چکا ہے، جو تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ جلد اوّل کا عنوان نعتیہ شاعری کا ارتقا (عربی و فارسی کے خصوصی مطالعہ کے ساتھ) ہے، جو 420 صفحات کو محیط ہے۔ اس جلد کے پہلے باب کا عنوان ''نعت: تحقیق و تنقید'' ہے، جس پر اسے دس ضمنی عنوانات میں منقسم

کر کے، سیر حاصل بحث کی گئی ہے، جو 92 صفحات کو محیط ہے۔ دوسرے باب کا عنوان ''عربی کے مشہور نعت گو شعراء'' ہے۔ جس پر بحث، اسے دو ضمنی عنوانات: ''عہد نبوی کے شعراء'' اور ''عہد نبوی کے بعد کے اہم شعراء'' میں منقسم کر کے کی گئی ہے، اس باب میں ایک سو نو (109) صفحات ہیں۔ تیسرے باب کا عنوان ''فارسی میں نعت گوئی کا ارتقا اور فارسی کے مشہور نعت گو شعراء'' ہے۔ یہ باب ایک سو اکیانوے (191) صحافت کو محتوی ہے۔ راقم کی یہ کتاب 1988ء کی مطبوعہ ہے۔

بطور جملہ معترضہ عرض ہے کہ راقم کی اب تک کی مطبوعہ کتابوں کی تعداد اڑتیس (38) ہے، جس میں کی نو وارد کتاب کا نام ''مولانا حسرت موہانی اور فتح پور'' ہے، جو اسی دسمبر 2016ء کی مطبوعہ ہے۔

آمدم برسر مطلب! راقم نے اردو کی نعتیہ شاعری پر بحث اپنی مصنفہ کتاب، ''اردو شاعری میں نعت'' کی دو جلدوں میں کی ہے، جن میں سے پہلی جلد میں ''ابتدا سے عہد محسنؔ'' تک کے اور دوسری جلد میں ''حالؔی سے حال'' تک کے شعرائے نعت مشمول ہیں۔ ان دونوں جلدوں میں صفحات کی مجموعی تعداد (427+344)۔772 ہے۔ یہ دونوں کتابیں 1992ء کی مطبوعہ ہیں۔

راقم نے نعت پر اپنی ان تین کتابوں کے علاوہ ایک چوتھی کتاب ''اردو نعت اور غیر مسلم شعرا'' نام سے تخلیق کی ہے۔ جس کا سنہ اشاعت 1987ء ہے۔ ان چاروں کتابوں کے علاوہ، اس کی مولفہ دو کتابوں میں حمد و نعت کا انتخاب پیش کیا گیا ہے۔ جن میں سے پہلی کا نام ''سوغاتِ صنم خانہ'' ہے، جو 2013ء کی مطبوعہ ہے اور 236 صفحات پر مشتمل ہے، جب کہ دوسری کتاب کا نام ''صدائے حرم'' ہے، جو 2014ء کی مطبوعہ ہے اور اس کے صفحات کی مجموعی تعداد 309 ہے۔ پہلی میں غیر مسلم شعرائے نعت کی نعتیہ کاوشوں کا انتخاب ہے، جب کہ دوسری میں اردو کے مشاہیر شعرائے حمد و نعت کے شعری اثاثہ کا انتخاب شامل ہے۔ اوّل الذکر کتاب میں 35 صفحات کا اور ثانی الذکر میں 84 صفحات کا مقدمہ ہے۔

یہاں اس بات کا ذکر کرنا مناسب نہ ہوگا کہ راقم کی شریک حیات ڈاکٹر شاہدہ پروین نے اپنا دوسرا ایم. اے اردو میں فرسٹ ڈویژن، کانپور یونیورسٹی میں فرسٹ پوزیشن کے ساتھ پاس کر کے اسی یونیورسٹی سے ''اردو کی نعتیہ شاعری کے تحقیقی و تنقیدی مطالعہ'' موضوع پر استاد محترم ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی کی نگرانی میں پی ایچ. ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

راقم کی حیات، شخصیت اور اس کے اکتسابات و کارکردگی پر دو کتابیں منظر عام پر آ چکی

ہیں۔ (1) خودنوشت سوانح حیات معنون بہ ’’بات اپنی‘‘ مطبوعہ 2011ء اور (2) ’’حقیقت و سراب‘‘ مصنف ڈاکٹر حکیم حبیب الرحمٰن کانپوری، مطبوعہ 2012ء۔ اول الذکر میں 126 صفحات اور ثانی الذکر میں 167 صفحات ہیں۔

راقم کی زیرنگرانی متعدد خواتین وحضرات نے مختلف موضوعات پر معیاری تحقیقی وتنقیدی کام کر کے پی ایچ .ڈی کی ڈگریاں حاصل کی ہیں، جن میں مذہبی و غیر مذہبی دونوں قسم کے ادبی موضوعات شامل ہیں۔ یہ بھی ایک اتفاقی امر ہے کہ راقم کی زیرنگرانی اوّلین پی ایچ .ڈی کی ڈگری غیر مذہبی موضوع پر لی گئی ہے۔ اس ریسرچ اسکالر کا نام ڈاکٹر فردوس فاطمہ ہے۔ یہ پٹی محلّہ کی رہنے والی شعبۂ تعلیم سے منسلک خاتون ہیں۔ ان کے مقالہ کا موضوعِ تحقیق ’’فکر تونسوی: حیات، شخصیت اور کارنامے‘‘ ہے۔ ان کے علاوہ بھی متعدد اشخاص نے غیر مذہبی موضوعات پر راقم کی زیرنگرانی پی ایچ .ڈی کی ڈگریاں حاصل کی ہیں، جو اس وقت کے راقم کے دائرۂ موضوع سے خارج ہیں۔ اسی طرح راقم اپنی نگرانی میں حاصل کردہ ان حضرات کی پی ایچ .ڈی کی ڈگریوں کو بھی شامل مقالہ نہیں کر رہا، جن کا موضوعِ تحقیق خالص نعت نہیں ہے۔ مثلاً محسنؔ کاکوروی پر کیا گیا تحقیقی کام یا حفیظ جالندھری کی نعتیہ شاعری پر کیا جا رہا تحقیقی وتنقیدی کام۔ راقم اس مقالہ میں صرف حمد اور خالص نعت پر کئے گئے تحقیقی وتنقیدی کام کو شامل کر رہا ہے۔

واضح ہو کہ راقم کی زیرنگرانی ایک ریسرچ اسکالر نے حمد پر اور چار خواتین نے خالص نعت پر تحقیقی وتنقیدی کام کر کے کانپور یونیورسٹی سے پی ایچ .ڈی کی ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ حمد پر پی ایچ .ڈی کی ڈگری حاصل کرنے والے محقق کا نام ڈاکٹر محمد اظہار ولد عالیجناب الحاج کبیر الدین ہے، جو محمد پور گونتی ضلع فتح پور کے رہنے والے ہیں۔ ان کو یہ ڈگری 18 دسمبر 2008ء کو ’’اردو میں حمد نگاری کی روایت‘‘ موضوع پر تفویض کی گئی تھی۔ ڈاکٹر موصوف کا یہ مقالہ چھ ابواب میں منقسم ہے۔

باب اوّل کا عنوان حمد: مفہوم و ماہیت ہے۔ اس باب میں حمد کی ماہیت وحقیقت، حمد کی لغوی و اصطلاحی معنی، دنیا کے مختلف مذاہب اور دنیا کے قدیم دانشوروں میں اللہ پاک کا تصور اور حمد نگاری، مذہبِ اسلام میں تحمید و تمجید، اسلام کے علاوہ مذاہب میں اللہ پاک کی ثنا و تقدیس پر بحث کرتے ہوئے حمد و نعت، حمد و منقبت اور حمد و ثنا کے مابین کے فروق کو واضح کیا گیا ہے۔ اسی باب میں حمد کے متعدد انواع و اقسام، حمد کے مختلف انداز و اسالیب اور حمد نگاری کی مختلف ہیئات و

اصناف سے بھی بحث کی گئی ہے۔ باب دوم میں عربی و فارسی زبانوں میں حمد نگاری کی روایت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور عربی و فارسی کی حمدیہ شاعری اور اس کے نمائندہ شعراء کے کلام کا جائزہ قدرے تفصیل کے ساتھ لیا گیا ہے، جن سے اردو شعرائے حمد خاص طور پر متاثر ہوئے ہیں۔

باب سوم کا عنوان ''اردو میں حمد نگاری کی روایت: آغاز سے 1718ء تک'' ہے۔ ڈاکٹر اظہار نے اس باب میں اردو میں حمد نگاری کی روایت پر گفتگو سے پیشتر اردو زبان کی پیدائش اور اس کی نشو و نما کے دوران ہندوستانی تہذیب و معاشرت کا اجمالی جائزہ لیا ہے۔ مسلم صوفیوں اور ہندو سنتوں نے اللہ پاک کی تحمید و تمجید میں اپنی زندگیاں بسر کر دیں۔ صوفیائے کرام اور سنت مہاتماؤں کا زیادہ زور تصفیۂ باطن پر تھا۔ وہ روحِ مذہب کو بہت اہمیت دیتے تھے اور امن و آشتی اور میل ملاپ کی افادیت سے آگاہ تھے۔ ان میں صوفیائے کرام کی وجہ سے ہندوستان میں حمد نگاری کی روایت قائم ہوئی۔ ڈاکٹر موصوف نے اسی باب میں اردو حمد پر اس وقت کی تہذیب و معاشرت کے اثرات تلاش کئے ہیں اور ان کی نشاندہی کی ہے اس دور کی حمدیہ شاعری کے افہام و تفہیم کے لئے، اس عہد کے پچاس سے زائد شعرا کا انتخاب کر کے اس عہد کی حمد نگاری کی روایت کو واضح کرنے کی قابل تحسین کوشش کی گئی ہے۔

باب چہارم کا عنوان ''اردو میں حمد نگاری کی روایت 1718ء سے 1857ء تک'' ہے۔ اس باب میں اوّلاً 1718ء کی اہمیت سے بحث کی گئی ہے۔ یہ سن اردو ادب میں بہت اہم ہے کیونکہ اسی سن میں ولؔی کا دیوان دلی آیا اور یہاں کے شعراء نے اس میں وہ نور دیکھا، جسے دیکھنے کے لیے ان کی آنکھیں ترس رہی تھیں اور اسی کے تتبع میں انہوں نے فارسی چھوڑ کر اسی رنگِ سخن کی پیروی شروع کر دی اور اس طرح اردو ادب دورِ قدیم سے دورِ جدید میں داخل ہوا۔ ڈاکٹر موصوف نے اردو کی حمدیہ شاعری کے افہام و تفہیم کی خاطر اس طویل و بسیط عہد سے چالیس سے زیادہ ممتاز مشاہیر شعرائے حمد کا انتخاب کیا ہے اور ان کے حمدیہ اثاثے سے نمونے پیش کر کے اس عہد کی حمد نگاری کی روایت کی توضیح کی ہے۔

باب پنجم کا عنوان ہے ''اردو میں حمد نگاری کی روایت 1857ء سے عصر حاضر تک'' جسے دو ذیلی عنوانات میں تقسیم کر کے 1857ء کی جنگ آزادی کے اثرات، اردو ادب پر بالعموم اور اردو کی حمدیہ شاعری پر بالخصوص تلاش کئے گئے ہیں۔ اسی باب میں پہلی جنگ آزادی کے عواقب میں رونما ہونے والے تغیرات کا تنقیدی جائزہ بھی لیا گیا ہے۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد اردو

کی حمد یہ شاعری ایک نئے دور میں داخل ہوئی۔ جدید شعرائے حمد میں حالؔی اور اقبالؔ پیش پیش ہیں۔انہوں نے حمد کو قومی وملی تقاضوں سے ہم آہنگ کیا۔ان شاعروں کی حمد نگاری کا نیا دور ماقبل کی حمد نگاری سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔ 1857ء سے آج تک کی حمد نگاری کا جائزہ لینے کے لئے پچاس سے زائد گرانقدر شعرائے حمد کا انتخاب کیا گیا ہے اور ان کی حمد یہ شاعری کا ناقدانہ جائزہ اس طرح لیا گیا ہے کہ حمد نگاری کی روایت واضح ہو کر سامنے آجائے۔

باب ششم کا عنوان ''اردو میں حمد نگاری کی ادبی وشعری قدر و قیمت'' ہے۔اس باب میں حمد نگاری کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے اردو ادب میں اس کی قدر و قیمت کا تعین کیا گیا ہے۔اس باب میں حمد نگاری کے محرکات وعوامل تلاش کئے گئے ہیں اور اس کے ان وجوہ وعلل سے بحث کی گئی، جن کے باعث حمد نگاری کی صنف اہم، مفید اور مقبول بنی۔حمد نگاری ذریعۂ نجات سمجھی جاتی ہے، اس لئے اسے عالم گیر مقبولیت ملی حمد سے صوفیائے کرام کے غیر معمولی شغف، نیز محافل سماع سے اس کی وابستگی نے اسے قبول عام کی سند عطا کروانے میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اس باب میں حمد کی مقبولیت کے اسباب بھی تلاش کئے ہیں اور مستقبل کے توقعات وامکانات سے بحث کی ہے۔

سائنس اور ٹکنالوجی میں انسان کی مثالی کامرانیوں نے اللہ پاک کی وحدانیت، اس کی قدرت وجبروت اور اس کی بہترین خلاقیت کو روز روشن کی طرح واضح کر دیا ہے۔اللہ پاک نے آج سے چودہ سوسال پیشتر قرآن کریم کے ذریعہ فرمایا تھا" **خلقنا کل شیء بقدر**" ہم نے ہر چیز کو ایک متعین اندازے سے بنایا ہے۔آج اس آیت کی مکمل وضاحت کمپیوٹر اور کلوننگ نے کر دی ہے۔

اللہ پاک نے اپنے آپ کو''رب المشارق ورب المغارب'' یعنی مغربوں اور مشرقوں کا رب بتلایا ہے۔آج نئی نئی دنیاؤں کے انکشاف نے فرمان الٰہی کی صداقت پر مہر لگا دی ہے۔ مجموعی طور پر حمد پر یہ مقالہ معیاری ہے۔اس مقالہ کی اہمیت یہ بھی ہے کہ اغلباً یہ مقالہ اردو حمد نگاری کی روایت پر پہلا تحقیقی وتنقیدی مقالہ ہے۔

راقم کی زیر نگرانی اردو نعت پر کانپور یونیورسٹی سے پی ایچ.ڈی کی ڈگری حاصل کرنے والی ڈاکٹر آنسہ نگار سلطانہ ساکنہ محلّہ خیلدار فتح پور ہیں۔ان کے تحقیقی مقالہ کا موضوع ''بیسویں صدی میں اردو کے غیر مسلم نعت گو شعراء'' ہے۔ڈاکٹر موصوفہ نے اپنے پی ایچ.ڈی کے اس مقالہ میں

غیر مسلم نعت گو شعراء کے سیاق و سباق میں اردو کی نعتیہ شاعری کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ موصوفہ کا یہ تحقیقی مقالہ چھ ابواب میں منقسم ہے۔ باب اول کا عنوان ''نعت کا تعارف'' ہے۔ ڈاکٹر موصوفہ نے اس باب میں نعت کی ماہیت، نعت کی تعریف، نعت کے مختلف موضوعات اور نعت کے تلمیحاتی ورثہ پر بحث کرتے ہوئے نعت کے آداب متعین کئے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سرزمین عرب میں ظہور پذیر ہوئی تھی اور وہیں نعتیہ شاعری پروان چڑھی، اس لئے اس باب میں اوّلاً عربی کی نعتیہ شاعری کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے اور عربی کے ممتاز شعرائے نعت کی انفرادیت سے بحث کی گئی ہے۔ چونکہ اردو کی نعتیہ شاعری، عربی کی نعتیہ شاعری کی بہ نسبت فارسی کی نعتیہ شاعری سے زیادہ متاثر ہے۔ اس لئے ڈاکٹر نگار نے فارسی کی نعتیہ شاعری اور اس کے ان نمائندہ شعراء کا اجمالی جائزہ بطور خاص لیا ہے، جن سے اردو کی نعتیہ شاعری متاثر ہوئی ہے۔

باب دوم میں غیر اسلامی ادب میں نعتیہ عناصر کی نشاندہی کی گئی۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر موصوفہ نے سب سے پہلے قدیم ترین زبان سنسکرت کی مشہور روزگار تصنیفات رگ وید اور اتھر وید میں موجود نعتیہ شہادات کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی ہے۔ اسی باب میں تورات اور انجیل سے وہ اقتباسات نقل کئے گئے ہیں۔ جن میں نعت محمد ﷺ عربی وامی مرقوم ہے۔ مہاتما گوتم بدھ کی ان پیشین گوئیوں کا تذکرہ بھی اسی باب میں کیا گیا ہے، جن میں نبی آخرالزماں ﷺ کا ذکر خیر ہے۔ اسی باب میں اردو نعت کی ابتدائی شکل کو منظر عام پر لانے کی غرض سے اردو کی نعتیہ شاعری کی ابتدا اور ارتقاء پر بھی طائرانہ نگاہ ڈالی گئی ہے۔ اسی بات میں ڈاکٹر صاحبہ نے بیسویں صدی سے پیشتر کے ان شعرائے نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیا ہے، جن کی نعتیہ کاوشوں کے اثرات بیسویں صدی کے غیر مسلم شعرائے نعت پر پڑے ہیں۔ اس باب کا عنوان ''غیر اسلامی ادب میں نعتیہ عناصر'' ہے۔

باب سوم کا عنوان ہے ''بیسویں صدی کے غیر مسلم نعت گو شعراء: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ'' اس باب میں چھیاسی ممتاز شعراء کے نعتیہ اثاثہ سے بحث کی گئی ہے۔ جن شعراء کے سوانح حیات ڈاکٹر موصوفہ کو دستیاب ہو سکے، ان کے سوانح حیات بھی موصوفہ نے قلم بند کر دیئے ہیں۔ اور ان کے کلام پر نقد و تبصرہ ان کے نعتیہ سرمائے کو مدّ نظر رکھ کر کیا گیا ہے۔ ان شعراء کے ان نعتیہ اشعار کو بطور خاص تحقیق و تنقید کے خراد پر چڑھایا گیا ہے۔ جن میں منبع نعت کے آفاقی و کائناتی انعامات و اکرامات کا تذکرہ ہے۔

ڈاکٹر صاحبہ نے اسی باب میں ہندو شعرائے نعت کے نعتیہ کلام کو پیش کر کے یہ دکھلایا ہے کہ ان کے یہاں مقامی و ماحولی رنگ کافی چوکھا اور خاصا گہرا ہے۔ یہیں موصوفہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ کم از کم ہندو شعرائے نعت کے نعتیہ سرمایہ کی روشنی میں اردو پر یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ ''اردو کا شاعر رہتا تو ہے جمنا گنگا اور نربدا گھاگھرا والے ملک میں، لیکن بات کرتا ہے دجلہ، فرات اور جیحون وسیحون کی۔ وہ کملی، چمپا، موگرا، جوہی اور بیلے کی بات نہ کر کے نسرین ونسترن اور سمن و نرگس شہلا کی قصیدہ خوانی میں لطب اللسان ہے۔ وہ رہتا ہے ہیر رانجھا، سوہنی مہیوال کے دیش میں لیکن گن گاتا ہے لیلیٰ مجنوں، شیریں فرہاد اور وامق وعذرا کے۔

باب چہارم کا عنوان ہے ''نعت کا فنّی و معنوی تجزیہ (غیر مسلم شعرائے نعت کے آئینے میں)'' اس باب میں نعت کے مختلف اشکال وہیئات پر بحث کرتے ہوئے نعت میں مقامی رنگ کی وضاحت کی گئی ہے۔ نعت کا تعلق موضوع و مفہوم سے ہے اور وہ ہیئت وساخت کے اعتبار سے جملہ مروجہ شکلوں میں کہی گئی ہے۔ اس باب میں ان نعتیہ عناصر کی توضیح کی گئی ہے، جو سرزمین ہند اور ہندو شعراء کی دین ہیں۔ ہندوستان میں عورت اپنے جذبات عشق کا اظہار گیت کے روپ میں کرتی ہے۔ گیت کی شکل میں نعت کا ظہور خالص ہندوستانی چیز ہے اسی باب نعتوں میں ہندوستان کی اوتار وادی ذہنیت کو دکھلایا گیا ہے۔

اردو نعت میں اس قبیل کے اشعار خاصی تعداد میں ہیں، جن میں الفاظ کو توڑ مروڑ کر، میم سے پردہ اٹھا کر اور عرب کے عین کو ہٹا کر، احمد کو احد اور رسول عربی کو عرب کا نہیں بلکہ رب کی شان میں جلوہ گر کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔ نعتوں میں منظر نگاری، جذبات نگاری، مرقع نگاری اور شخصیت نگاری کے بیش بہا موتی بکھرے ہوئے ہیں، ڈاکٹر موصوفہ نے اس باب میں ان موتیوں کو ایک لڑی میں پرونے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اسی باب میں مولود ناموں، معراج ناموں اور وفات ناموں میں شخصیت نگاری اور جذبات نگاری کے نمونے تلاش کیئے گئے ہیں۔

باب پنجم کا عنوان ''اردو نعت گوئی پر ہندو شعرائے نعت کے اثرات'' ہے۔ نعتِ نبی ﷺ خالص اسلامی ادب میں شمار کی جاتی ہے، لیکن یہی ادب جب ہندوستان آیا، تو اس نے اپنی ممتاز خصوصیات کی بنا پر فارسی اور عربی نعتیہ شاعری سے علاحدہ اپنا ایک منفرد رنگ جمایا، جو یقیناً ملکی اثرات کا نتیجہ ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح خوانی ہندوستان آ کر ان اصنام یا دیوتاؤں کی مدح سرائی سے کافی متاثر ہوئی، جن کے گیت بھجنوں میں گائے جاتے ہیں۔ ہندو

شعرائے نعت کے مزعومات و معتقدات کا اثر اردو نعت گوئی پر اس حد تک پڑا کہ ایک مسلم نعت گو شاعر اس طرح گرم سخن ہے۔

آپ اپنا پیام پہنچایا + آپ خود اپنا کر گیا اقرار
یار آیا تھا نامہ بر بن کر + خط کے دھوکے میں رہ گئے اغیار

باب ششم کا عنوان ہے ''غیر مسلم شعرائے نعت کی اہمیت اور اردو ادب میں ان کا مقام'' اس باب میں غیر مسلم شعرائے نعت کی شعری خصوصیات کو مدّنظر رکھ کر اردو نعت میں ان کے مقام کے تعین کی کوشش کی گئی ہے اور ان میں وہ تمام عناصر تلاش کئے گئے ہیں، جن کا عربی و فارسی کی نعتیہ شاعری میں فقدان ہے۔ مسلم شعرائے نعت کے شعری سرمایہ میں، جہاں کہیں اس قبیل کی چیز ملتی ہے، وہ غیر مسلم شعرائے نعت کے عواقب واثرات ہیں۔

پاکستان کے مرحوم فنکار نور احمد میرٹھی نے ڈاکٹر نگار سلطانہ کے مقالہ پر اپنی وقیع اور گراں بہا رائے حوالۂ قرطاس کرتے ہوئے لکھا ہے: ''آنسہ نگار سلطانہ نے غیر مسلموں کی نعتیہ شاعری کے حوالہ سے کانپور یونیورسٹی (یو. پی) بھارت سے 1994ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے۔ ان کے مقالہ بعنوان ''بیسویں صدی میں اردو کے غیر مسلم نعت گو شعراء'' کو اس اعتبار سے بھی اہمیت ہے کہ اس موضوع پر یہ پہلا تحقیقی مقالہ ہے۔''

(بہر زماں بہر زباں ﷺ از نور احمد میرٹھی، صفحہ: 74)

ڈاکٹر نگار سلطانہ نے اس مقالہ کے اختتام پر کتابیات کے تحت ان تمام مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتب و جرائد و رسائل کو جمع کیا ہے، جن کے حوالے اس مقالہ میں دیئے گئے ہیں۔

راقم کی زیر نگرانی اردو نعت پر دوسرا تحقیقی مقالہ، جس پر پی ایچ. ڈی ی ڈگری تفویض کی گئی ہے، ڈاکٹر شکیلہ خاتون زوجہ جناب سید جنید احمد صاحب ساکن پھیکن ٹولہ شہر فتح پور کا تحقیقی مقالہ معنون بہ ''اردو نعت کا صنفی و ہیئتی مطالعہ'' ہے، جو 1996ء میں کانپور یونیورسٹی میں پی ایچ. ڈی کی ڈگری کے لئے پیش کیا گیا تھا اور جس پر تحقیق کنندہ کو 1999ء میں پی ایچ. ڈی کی ڈگری تفویض کی گئی۔ موصوفہ مہاتما گاندھی پوسٹ گریجویٹ کالج فتح پور میں شعبۂ اردو کی چیئر پرسن ہیں۔ موصوفہ کا یہ مقالہ چھ ابواب اور کتابیات پر مشتمل ہے، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

اس مقالہ کے پہلے باب کا عنوان ''نعت کا تعارف'' ہے۔ اس باب میں اوّلاً لفظ نعت کی لغوی تشریح کی گئی ہے اور کتبِ سیر و مغادی اور احادیثِ رسول ﷺ کی روشنی میں مدح رسول ﷺ کے

لئے لفظ نعت کے اوّلین استعمال کا سراغ لگایا گیا ہے۔اسی باب میں نعت کے موضوع اور فن پر تفصیلی بحث کی گئی ہے اور قرآن و احادیث سے وہ اقتباسات، جو وصفی انداز کے حامل ہیں، نقل کئے گئے ہیں اور موضوعاتِ نعت کا جائزہ اُسے بیس ذیلی سرخیوں میں منقسم کر کے، لیا گیا ہے۔اسی باب میں قرآن کریم اور احادیث رسول ﷺ کی روشنی میں نعت کی دینی حیثیت متعین کرتے ہوئے اس (نعت) کی اہمیت و افادیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

دوسرے باب کا عنوان ''عربی و فارسی نعت کا اجمالی جائزہ'' ہے اردو کے نعت گو شعراء نے دوسری اصناف کی مانند اس صنف میں بھی عربی و فارسی نعتوں کے نمونے پیش نظر رکھے ہیں، اس لئے اردو نعت کو کماحقہٗ سمجھنے کے لئے بطور پس منظر عربی و فارسی کی نعتیہ شاعری کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ڈاکٹر موصوف نے اس باب میں عربی و فارسی کی نعتیہ شاعری کا اجمالی جائزہ پیش کیا ہے۔

عربی نعت گوئی والے حصہ کو دو ذیلی عنوانات میں منقسم کیا گیا ہے۔ پہلے ذیلی عنوان میں عہد نبوی اور مابعد عہد نبوی کی شعری خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے اور دوسرے ذیلی عنوان میں نو منتخب و نمائندہ شعرائے نعت کی خصوصیات شعری سے بحث کی گئی ہے اور ان کے کلام کے نمونے پیش کئے گئے ہیں۔

فارسی کی نعت گوئی والے حصہ کا جائزہ بھی، اسے دو ذیلی عنوانات میں منقسم کر کے لیا گیا ہے۔ اسی ضمن میں فارسی زبان کے چودہ صاحب اسلوب نعت نگاروں کے کلام کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے اور ان کے نعتیہ عطیات سے بحث کی گئی ہے۔اسی عنوان کے تحت دلائل و براہین کی روشنی میں یہ فیصلہ بھی کیا گیا ہے کس شاعر کو کس موضوع میں اوّلیت کا فخر حاصل ہے۔

تیسرے باب کا عنوان ہے ''اردو نعت کا اجمالی جائزہ'' اس باب کو دو حصوں میں منقسم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے کا ذیلی عنوان ہے ''دکن کی نعتیہ شاعری'' مقالہ کے اس حصہ میں ان عناصر کی نشاندہی کی گئی ہے جنہوں نے دکن مین اردو نعت کی راہ ہموار کی۔ اس باب میں اس سیاسی، تہذیبی اور لسانی پس منظر کا جائزہ لیا گیا ہے۔جس کی وجہ سے اردو زبان و ادب کی بالعموم اور اردو نعت کی بالخصوص دکن میں ترویج ہوئی۔ اسی باب میں دکن کے اٹھارہ نمائندہ نعت گو شعراء و شاعرات کے نعتیہ کلام کا جائزہ لیا گیا ہے اور اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ شمالی ہند میں نعت کا ارتقائی سفر ان ہی اساسی مناہج پر چلتا رہا، جن میں شعرائے دکن گامزن رہ چکے تھے۔اسی باب میں شعرائے دکن کے اسالیب زبان اور مخصوص موضوعات و اصناف خصوصاً مثنوی، قصیدہ، اور نظم کی

ساخت میں کہی گئی نعتوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

تیسرے باب کے دوسرے حصہ کا عنوان ہے ''شمالی ہند کی نعتیہ شاعری'' جس میں اوّلاً شمالی ہند کی نعتیہ شاعری کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں بعدہٗ سوداؔ سے عصر حاضر تک کے شعرائے نعت میں سے اٹھارہ نمائندہ شعراء کا انتخاب کر کے ان کے نعتیہ کلام کا اس طرح جائزہ لیا گیا ہے کہ شمالی ہند کی نعتیہ شاعری کے خدوخال واضح ہو جائیں۔ اس مقالہ کے چوتھے اور پانچویں ابواب اساسی حیثیت کے حامل ہیں، اسی لئے ڈاکٹر موصوفہ کے یہ ابواب نسبتاً زیادہ ضخیم ہیں اور انہوں نے ان کی ترتیب وتزئین میں خصوصی توجہ دی ہے۔

چوتھے باب کا عنوان ''شعری اصناف سخن اور اردو نعت'' ہے۔ اس باب میں ڈاکٹر موصوفہ نے اوّلاً صنف سخن کی اصطلاح کی وضاحت کی ہے تاکہ ہیئت اور صنف کے مابین کا فرق واضح ہو جائے اور دونوں اصطلاحیں ایک دوسرے میں خلط ملط نہ ہو جائیں۔ اصناف کی مروّجہ درجہ بندی کے باعث نہ تو صنف کا تصور واضح ہو پاتا ہے اور نہ ہیئت کا۔ کسی صنف کے ساتھ محض اس کی ہیئت چپک گئی ہے مثلاً مثنوی۔ کسی کے ساتھ موضوع اور صنف دونوں وابستہ ہیں مثلاً قصیدہ اور کسی کی بنیاد محض موضوع پر ہے مثلاً مرثیہ۔ مرثیے مختلف ہیئتوں میں لکھے گئے ہیں۔ مثلاً غزل، دوبیتی اور مسدس وغیرہ ہیئات میں۔ انیسؔ ودبیرؔ کے مرثیے مسدس کی شکل میں ہیں۔ غالبؔ نے عارف کا مرثیہ غزل میں لکھا ہے، حالیؔ نے مرثیۂ غالبؔ ترکیب بند میں نظم کیا ہے۔ ہیئت پرستی کا رجحان بھی معاملہ کو بگاڑنے میں کچھ کم ذمہ دار نہیں ہے۔ اقبال کا مرثیہ ''والدہ مرحومہ کی یاد میں'' مثنوی میں ترتیب دیئے جانے والے مقالوں میں مثنوی کی فہرست میں شامل ہیں۔ اس طرح موضوع کے لحاظ سے ایک ہی صنف تین ہیئتی اصناف میں موجود ہے۔ اس باب میں ڈاکٹر موصوفہ نے صنف اور ہیئت کی حد بندی اقسام شعر کے حوالے سے اس طرح کی ہے کہ اس قسم کے ابہامات واشکالات کا سدّ باب ہو جائے۔ اسی باب میں ڈاکٹر صاحبہ نے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ نعت اردو شاعری کی موضوعاتی تقسیم کے تحت آتی ہے اور اردو شاعری کی جملہ مروجہ اصناف سخن میں کہی گئی ہے۔ ہیئت یا ساخت کے اعتبار سے اس کی کوئی متعین شکل نہیں ہے۔ اس کا تعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ذات سے ہے، اس لئے ہر وہ شعری کاوش، جس کا انسلاک نبی اقدس ﷺ سے ہو، نعت کہلاتی ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ نے صنف کے حوالے سے اقسامِ شعر کی ایک نئی جامع و مانع حد بندی کرتے ہوئے اردو نعت کو مثنوی،

قصیدہ، غزل، سلام، مرثیہ، شہر آشوب، بارہ ماسہ، نظم اور گیت کی اصناف میں دیکھا ہے اور ان شقوں کے ممتاز شناوروں کے نعتیہ کلام کا جائزہ بالتفصیل اس طرح لیا ہے کہ ان اصناف میں اردو نعت کی حیثیت روز روشن کی مانند عیاں ہو جائے۔ اس باب میں اردو نعت کا مطالعہ ادب کی تمام اصناف کو چار شقوں میں محصور کر کے کیا گیا ہے۔

پانچویں باب کا عنوان ''ہیئات سخن اور اردو نعت'' ہے۔ یہ باب اس مقالہ کا اہم ترین باب ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ نے اسے پانچ ذیلی عنوانات میں تقسیم کیا ہے۔

پہلے ذیلی عنوان میں ہیئت کو حصارِ تعریف میں مقید کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اس کے دائرۂ کار کا تعین کیا گیا ہے نیز اسی عنوان کے تحت اردو شاعری کے مزاج کا تعارف کرایا گیا ہے۔

دوسرے ذیلی عنوان میں ہندوستان کی اردو نعت کا ہیئتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ اس ذیلی عنوان کو درج ذیل چھ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:-

پہلے حصہ میں ترکیب بند، دوسرے حصہ میں ترجیع بند، تیسرے میں مستزاد، چوتھے میں قطعہ، پانچویں میں مسمّط اور چھٹے میں ہندی دوہے کی روایت کا جائزہ اردو نعت کے سیاق وسباق میں لیا گیا ہے اور ان تمام ہیئتوں میں طبع آزمائی کرنے والے مشاہیر شعرائے نعت کی نعتوں سے حوالے پیش کر کے مسئلہ کی وضاحت کی گئی ہے۔

تیسرے ذیلی عنوان میں پاکستانی اردو نعت کا ہیئتی مطالعہ مجملاً پیش کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں خصوصی طور پر مندرجہ ذیل ہیئات کو محورِ بحث بنایا گیا ہے۔

ترجیع بند، ترکیب بند، نظم معرّیٰ، آزاد نظم اور نثری نظم۔

چوتھے ذیلی عنوان میں ہندوستان اور پاکستان کے علاوہ دیگر ایشیائی و مغربی شعری ہیئتوں میں لکھی جانے والی نعتوں کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ اسی ذیلی عنوان کے تحت سانٹ، ہائیکو کے تعارف کے بعد ان ہیئات میں لکھی جانے والی نعتوں کے نمونے قلمبند کئے گئے ہیں۔

پانچویں ذیلی عنوان کے تحت مختلف بولیوں میں کہی جانے والی نعتوں کا جائزہ لیا گیا ہے اس سلسلے میں ٹھمری، دادرہ، شیام کلیان اور ترانہ کے حوالے سے اردو نعت کو سمجھنے کی کاوش کی گئی ہے۔

ڈاکٹر موصوفہ نے مسلم نعت گو شعراء و شاعرات کے ساتھ ساتھ غیر مسلم شاعرات و غیر مسلم شعرائے نعت کی نمائندگی بھی پیش کی ہے۔

چھٹے باب کا عنوان ''مختلف ہیئات سخن میں نعت کی ادبی قدر و قیمت'' ہے۔ اس باب میں

سب سے پہلے فنِ شعر کی حقیقت، شعر کی ماہیت اور اس کی بابت مشرقی و مغربی ناقدینِ ادب کی وقیع آراء سپردِ قلم کی گئی ہیں اور اس کے بعد مختلف اصنافِ شعر اور شعری ہیئتوں کے حوالے سے نعت کی شعری حیثیت و اہمیت کا جائزہ لیا گیا ہے، جس سے یہ حقیقت خود بخود کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ نعت اردو شاعری کی ایک اہم موضوعی صنف سخن ہے۔

اردو نعت کے شعری محاسن کے جائزے سے یہ بات واضح ہے کہ اردو نعت میں فکر و فن کی وہ تمام خوبیاں بدرجۂ اتم موجود ہیں، جو اردو شاعری کی کسی بھی صنف کے لئے طرۂ امتیاز گردانی جا سکتی ہیں۔ فن کی عظمت کے ساتھ ساتھ موضوع کی عظمت بھی ضروری ہے۔ نعت کے موضوع میں جو عظمت، جو عقیدت، جو محبت اور جو والہانہ وارفتگی ہے، اس نے نعتیہ شاعری میں فکر و فن کی غیر معمولی عظمت پیدا کر دی ہے۔

نعتیہ شاعری، تزکیۂ نفس اور اخلاقی بلندیوں کی شاعری ہے، جس کا خاص موضوع حبِّ رسول ﷺ ہے۔ عشق و محبت، فرقت و مہجوری، والہانہ شیفتگی اور دل گداختگی وہ اندرونی جذبات ہیں، جن سے نعت کی تخلیق ہوئی ہے۔ مذہب سے وابستگی کی بنا پر نعت کی صنفی حیثیت سے انکار مناسب نہیں ہے بلکہ ناروا ہے۔ ملٹن کی ''فردوس گمشدہ'' کا موضوع مذہب ہے اور انجیل مقدس کو سمجھے بغیر فردوس گمشدہ کو سمجھنا اور اسے مناسب و ضروری داد دینا ناممکن ہے، لیکن اس کے باوجود ملٹن کی ''فردوس گمشدہ'' انگریزی ادب کا ایک حسین اور عمدہ شاہکار ہے۔ اس طرح ڈاکٹر شکیلہ خاتون اس آخری باب میں مختلف ہیئاتِ سخن میں نعت کی ادبی قدر و قیمت متعین کرنے میں کامیاب رہی ہیں۔

راقم کی زیرِ نگرانی پی ایچ. ڈی ڈگری کے لئے خالص نعت پر لکھا گیا تیسرا تحقیقی مقالہ محترمہ شمیم اختر خاتون کا تحریر کردہ ہے۔ اس مقالہ کا عنوان ہے ''اردو نعت کے موضوعات'' موصوفہ نے اپنا یہ مقالہ پایۂ تکمیل تک پہنچا کر، بہ حیثیت سپروائزر مقالہ پر راقم کی رپورٹ چسپاں کر کے، یکم دسمبر 2002ء کو کانپور یونیورسٹی میں باقاعدہ مجوزہ فیس جمع کر کے داخل کیا تھا۔ موصوفہ کو اغلباً پی ایچ. ڈی کی ڈگری تفویض کی جا چکی ہوگی، کیونکہ مقالہ کو باقاعدہ یونیورسٹی میں داخل کئے ہوئے چودہ سال کی طویل مدت گزر چکی ہے۔ موصوفہ راقم کے رابطہ میں نہیں ہیں اس لئے راقم کو اس بات کا یقینی علم نہیں ہے کہ حقیقی و واقعی صورتحال کیا ہے؟ بہرحال موصوفہ کا یہ مقالہ مفید، اہم اور وقیع ہے اور کافی دیدہ ریزی سے لکھا گیا ہے۔ موصوفہ طلاق محل کانپور کی رہنے والی ہیں اور ڈاکٹر

حکیم حبیب الرحمٰن کی شریک حیات ہیں۔

موصولہ کا یہ تحقیقی مقالہ سات ابواب میں منقسم ہے۔

اس مقالہ کے پہلے باب کا عنوان ''نعت کی تعریف'' ہے۔اس باب میں اولاً نعت کا لغوی و اصطلاحی مفہوم واضح کیا گیا ہے بعدۂ حدیث مبارکہ وفرمودہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روشنی میں لفظ نعت کی تحقیق کے بعد اس (نعت) کی جامع و مانع تعریف کی گئی ہے اور نعت کی شرعی حیثیت کے ذیل میں نعت و مذہب، نعت و معتقدات، نعت و روایت، نعت و تاریخ، نعت وسوانح حیاتی عناصر اور نعت و تلمیحات عنوانات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔اسی ضمن میں نعت کی شان نزول کی نشاندہی کے ساتھ لوازمِ نعت کا جائزہ لیا گیا ہے۔

اس مقالہ کے دوسرے باب میں عربی و فارسی میں مروّجہ موضوعات کے تحت عربی کے مشاہیر شعرائے نعت، حضرت فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ، جناب ابوطالب، گل سرسبد نعت حضرت حسان بن ثابت، حضرت کعب بن زبیر، حضرت کعب بن مالک اور میمون بن قیس اعشیٰ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔فارسی کے مشاہیر شعرائے نعت کے ضمن میں سنائی، عطار، خاقانی اور جامی وغیرہم نیز ہندوستان کے فارسی نعت گوشعراء غالب اور اقبال پر خاطر خواہ بحث کی گئی ہے۔

تیسرے باب میں اردو نعت کے ارتقاء پر روشنی ڈالی گئی ہے۔جس میں اوّلاً دکن کی نعتیہ شاعری، اس کے عناصر ترکیبی اور اس کے نمائندہ شعرائے نعت پر، ثانیاً شمالی ہند کی نعتیہ شاعری اس کی فنّی خصوصیات اور اس کے نمائندہ شعراء پر اور ثالثاً پاکستانی نعتیہ شاعری، اس کی خصوصیات اور اس کے نمائندہ شعرائے نعت پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

چوتھے باب میں اردو نعت کے منابع ومخارج اور محرکات شعری کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔

پانچویں باب میں اردو نعت کے اساسی موضوعات کی تلاش کی گئی ہے اور ان کا ناقدانہ جائزہ لیا گیا ہے۔

چھٹا باب اردو نعت کے ثانوی موضوعات کی تلاش پر منحصر ہے۔اسی باب میں کچھ اہم فیصلے بھی کیئے گئے ہیں۔

ساتویں باب میں موضوعاتِ نعت کی اہمیت وافادیت اور اردو ادب میں ان کا مقام زیر بحث ہے۔

یہ مقالہ، مجموعی طور پر، جہاں تک موضوعاتِ نعت کا تعلق، ایک اضافہ کی حیثیت رکھتا ہے، جس میں ممکن حد تک نعت کے تمام موضوعات کو حیطۂ تحریر میں لانے کی کوشش کی گئی ہے۔

راقم کی زیر نگرانی لکھنؤ کی ڈاکٹر قریشہ بانو نے جو اردو کے مشہور شاعر مرحوم الحاج محمد مسعود صدیقی المتخلص بہ راہی پرتاپ گڑھی کی دختر نیک اختر ہیں، اپنا تحقیقی سفر اختتام پذیر کیا ہے۔ ان کی تحقیق کا موضوع ''ہندوستان اور پاکستان کی اردو نعتیہ شاعری کا تقابلی مطالعہ'' ہے۔ ڈاکٹر موصوفہ نے یہ مقالہ، اسے پایۂ تکمیل تک پہنچا کر 02.06.1999 میں چھترپتی ساہو جی مہاراج یونیورسٹی میں داخل کیا تھا اور 2002ء میں وہ دکتورادب (Ph.D) کی ڈگری سے سرفراز کی گئی تھیں۔

ڈاکٹر موصوفہ اور ان کے مرحوم والد، دونوں کو، راقم نہیں جانتا تھا۔ دونوں باپ بیٹی استاذی عالی مرتبت ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی کی زیر نگرانی تحقیق کی شناوری کے لئے کوشاں تھے، لیکن مرحوم استاد نے انہیں راقم کے پاس، ان سے یہ کہہ کر بھیج دیا کہ وہی اس موضوع پر تحقیقی سفر طے کرا سکتا ہے۔ یہ بات راقم کے لئے خوش نصیبی اور خوش طالعی کی ہے۔ پروفیسر ولی الحق انصاری سابق صدر فارسی لکھنؤ یونیورسٹی نے بھی راقم کے پاس سفارشی پیغام بھیجا اور اپنی تیار کردہ سناپسس بھیج دی، جسے راقم نے اس سے بہتر سناپسس سے بدل کر واپس کر دیا، جسے ان دونوں واجب الاحترام معزز اساتذہ نے پسند کیا۔

جیسا کہ ماقبل میں لکھا جا چکا ہے نعت پر تحقیق کا یہ موضوع استاذی ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی اور پروفیسر ولی الحق کا عطا کردہ ہے۔ راقم کو مسرّت ہے کہ اس نے ان دونوں اساتذہ کی خواہش کے احترام میں ڈاکٹر موصوفہ کا یہ تحقیقی سفر بحسن و خوبی اختتام پذیر کرایا۔

ڈاکٹر قریشہ بانو کا یہ مقالہ سات ابواب میں منقسم ہے:

باب اوّل کا عنوان ''نعت کی فنی و صنفی حیثیت'' ہے۔ موصوفہ اس باب میں نعت کی ماہیت، نعت کی تعریف، نعت کے مختلف موضوعات اور نعت کے ہیئتی ورثہ پر بحث کرتے ہوئے، نعت کے آداب کا تعین کیا ہے۔ اسی باب میں نعت کے مختلف اشکال و ہیئات کی تفصیل کے ساتھ نعت کے مختلف انداز و اشکال کی تشریح کی گئی ہے اور محرّکاتِ نعت و مقامی اثرات تلاش کئے گئے ہیں۔ اسی باب میں نعت کی مقبولیت کے اسباب کی عددشماری بھی کی گئی ہے۔

باب دوم کا عنوان ''نعت گوئی کی مختصر تاریخ'' ہے۔ اس باب میں اولاً عربی نعت گوئی، اس

کی ابتدا و ارتقاء اور اس کی شان نزول پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسی باب میں عہد و مابعد عہد نبوی کے عربی کے نمائندہ شعراء کی نعتیہ شاعری کے ذکر کے بعد عرب کے اکیس نمائندہ شعراء اور ہندوستان کے چار اہم شعراء کی نعتیہ کاوشات کا جائزہ لیا گیا ہے اور ان کے منفرد نعتیہ خصائص کی تشریح کی گئی ہے۔ ڈاکٹر موصوفہ نے اسی باب میں فارسی میں نعتیہ شاعری کی ترویج پر گیارہ ایرانی شعراء اور پانچ عہد ساز ہندوستانی شعراء کے کلام کے انتخاب کے ساتھ، ان کی نعتیہ انفرادیت کا اجمالی جائزہ لیا ہے۔ اسی باب میں عربی و فارسی کی نعتیہ شاعری کی خصوصیاتِ شعری پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

باب سوم کا عنوان ''اردو میں نعت گوئی کی ابتدا و ارتقاء'' ہے۔ اس باب کو تین ذیلی سرخیوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلی ذیلی سرخی میں متقدمین شعرائے نعت کے مجموعی کلام کو مدّ نظر رکھ کر ان کی خصوصیاتِ شعری پر بحث کی گئی ہے۔ اس ضمن میں سینتالیس عہد ساز شعرائے نعت کے نعتیہ کلام کا جائزہ لیا گیا ہے۔ دوسری ذیلی سرخی میں متوسطین شعرائے نعت میں سے گیارہ قد آور شعراء کو منتخب کر کے ان کے نعتیہ سرمایہ پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ تیسری ذیلی سرخی کو دو شقوں میں منقسم کر کے پہلی ذیلی سرخی معنون بہ ''متاخرین شعرائے نعت آزادی سے قبل'' کے تحت چوبیس نمائندہ شعرائے نعت اور دوسری ذیلی سرخی ''متاخرین شعرائے نعت آزادی کے بعد'' کے ذیل میں چونتیس قد آور شعراء پر ان کے نعتیہ خصائص کی روشنی میں تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

باب چہارم کا عنوان ''ہندوستان میں تقسیم ہند کے بعد اردو نعت گوئی کی کیفیت'' ہے۔ اس باب میں اوّلاً تقسیم ملک کے عواقب کے بطور اتر پردیش اور ملک کے دوسرے شمالی صوبوں میں اردو مخالف لہر نیز اردو ادب پر بالعموم اور اردو نعت پر بالخصوص اس کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں عصر حاضر کے شعرائے نعت میں سے ایک سو ایک ہندوستانی نعت گو شعراء کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اس باب میں عصر حاضر کے شعرائے نعت کے نعتیہ سرمایہ کے جائزے کے بعد، اس دور کی نعتیہ شاعری کی خصوصیات پر بالتفصیل گفتگو کی گئی ہے۔

باب پنجم کا عنوان ''تقسیم ہند کے بعد پاکستان میں اردو نعت گوئی'' ہے، جس میں بطور تمہید تحریک آزادی، قیام پاکستان اور پاکستانی تہذیب و ثقافت پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ تمہیدی گفتگو کے بعد مجوزہ عنوان کو تین ذیلی سرخیوں میں منقسم کر کے پاکستان میں اردو نعت گوئی پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ پہلی ذیلی سرخی نگر نگر میں نعت ہے۔ جس کے تحت بلوچستان، سندھ، حیدرآباد،

لاڑکانہ اور کراچی میں نعتِ رسول ﷺ کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ دوسری ذیلی سرخی میں پاکستان کے دورِ جدید کے نعت گو شعراء کے کلام پر تحقیقی و تنقیدی نگاہ ڈالی گئی ہے۔ اس ذیلی سرخی کے تحت ایک سو ایک پاکستانی شعرائے نعت کا انتخاب عمل میں لایا گیا ہے۔ تیسری ذیلی سرخی کے ضمن میں جنرل ضیاء الحق کے دور میں فروغِ نعت کا جائزہ لیا گیا ہے۔ موصوف نے پہلی بار سرکاری تقریبات میں تلاوتِ کلام پاک کے بعد نعت کو التزاماً شامل کر دیا تھا۔ جنرل ضیاء الحق کے دور میں نعتیں بکثرت پڑھی اور لکھی جانے لگی تھیں اور ریڈیو و ٹیلی ویژن میں نعتیہ کلام کو فروغ حاصل ہوا تھا۔ جنرل ضیاء الحق نبی امی و عربی ﷺ سے بہت عقیدت رکھتے تھے۔ مرحوم، نعتیہ کلام پسند فرماتے تھے اور شعرائے نعت و معتقدینِ نعت کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ اس باب میں نعت کو فروغ دینے والے اداروں پر تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے اور مختلف اداروں سے شائع ہونے والے رسالوں پر بھی اظہار خیال کیا گیا ہے۔

باب ششم کا عنوان ''ہندوستان اور پاکستان کی نعتیہ شاعری پر ایک نظر'' ہے۔ اس باب میں تقسیم ملک کے بعد پاکستان میں رونما ہونے والے رجحانات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اسی باب میں ان ہیئتی تجربات کا جائزہ بھی لیا گیا ہے، جو نعت کے حوالے سے ہندوستان اور پاکستان میں کیے گئے ہیں۔ پاکستان کی نعت گوئی میں ہیئتی تجربات کے ضمن میں سانٹ، ہائیکو، نظم معرّیٰ، آزاد نظم اور نثری نظم کو بطور خاص مدّ نظر رکھا گیا ہے اور آخر میں ہندوستان اور پاکستان کی نعتیہ شاعری کا تقابلی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

باب ہفتم کا عنوان ہے ''ہندوستان اور پاکستان میں نعت گوئی کا مستقبل'' ہے۔ اس باب میں ہر دو ممالک کے عہد رفتہ و عہد حاضر کی نعتیہ شاعری کو مدّ نظر رکھ کر مستقبل کے توقعات پر بحث کی گئی ہے۔ درحقیقت عہدِ حاضر، عہدِ نعت ہے۔ شہاب الہ آبادی کا یہ مصرعہ مبنی بر صداقت ہے کہ۔؎

یہ عہد، عہدِ رسول کریم ہے

یہ بات پُر از واقعیت ہے کہ سائنسی ترقیات نے ان باتوں کو جو ایمان بالغیب کے زمرے میں تھیں، ایمان بالمشاہدہ کی صف میں لاکر کھڑا کر دیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی افادیت ہمہ آنی ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ خاتم الرسل والانبیاء کی تعلیمات کی افادیت آج پہلے کی بہ نسبت زیادہ ہے اور یہ افادیت مستقبل میں حال سے زیادہ محسوس ہوگی۔ اس لئے یہ

بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ اکیسویں صدی اور اس کے بعد آنے والی صدیوں میں نعت کو ماضی سے زیادہ تابناکی ملے گی۔ (ان شاء اللہ) اس لئے نعت کا مستقبل کافی درخشاں و تاباں ہے۔ڈاکٹر قریشہ بانو نے شاعراتِ نعت اور غیر مسلم شعرائے نعت کو بھی مناسب نمائندگی دی ہے۔

ڈاکٹر قریشہ بانو کا یہ فیصلہ مناسب ہے کہ پاکستان کی نعتیہ شاعری وسعت میں دریا ہے اور ہندوستان کی نعتیہ شاعری گہرائی میں کنواں ہے۔ڈاکٹر موصوفہ صفحہ 494 میں اس باب کا ماحصل اس طرح بیان کرتی ہیں:-

> ''جہاں تک نعت کی تحقیقی و تنقیدی کتابوں کا تعلق ہے، (جو پی ایچ. ڈی کے مقالوں کے علاوہ ہیں) یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ اس شعبہ میں بھی ہندوستان کو پاکستان پر تفوّق حاصل ہے۔اس شعبہ میں جتنا سرمایہ ہندوستان سے شائع ہوا ہے، وہ پاکستان سے شائع ہونے والے سرمایہ سے کہیں زیادہ ہے۔نعت پر معیاری اور مستند مضامین و کتب کے باب میں بھی ہندوستان کو پاکستان پر اوّلیت حاصل ہے۔''

آخر میں راقم اپنے اس فیصلے میں حق بجانب ہے کہ اس کی نگرانی میں حمد و نعت سے متعلق تحریر کئے گئے محوّلہ بالا پانچوں مقالے معیاری ہیں اور اطمینان بخش کہے جا سکتے ہیں۔

OOO

ڈاکٹر عزیز احسن (کراچی)

نظرؔ لکھنوی ایک گمنام، قادر الکلام نعت گو

اللہ رب العزت نے اپنے محبوب رسول ﷺ کے ذکر کو بلندی بخشی تو عالم آب و گل میں جس ذی نفس نے بھی آپ ﷺ کا محبت، خلوص اور ایمانی حرارت سے مملو تذکرہ کیا اس کو بھی دوام بخش دیا۔

نعت گوئی کا مقدس عمل بھی ایسا ہی عمل ہے کہ جس کسی نے بھی مبداء فیاض سے طبعِ موزوں پائی اور اپنی فکر کو مطہر کر کے بارگاہِ نبوی علیٰ صاحبا الصلوٰۃ والسلام میں فنِ سخن کا نذرانہ پیش کرنے کی پُر خلوص کوشش کی، شہرت و نام وری نے اس کے قدم چومے، چاہے وہ خود گمنام رہنے کی کتنی ہی تدابیر کیوں نہ اختیار کر لے۔

محمد عبدالحمید صدیقی نظرؔ لکھنوی نے ۳؍ جولائی ۱۹۲۷ء کو لکھنؤ موضع چنہٹ میں آنکھ کھولی اور ۳؍ جنوری ۱۹۹۴ء کو اسلام آباد میں راہیٔ ملکِ بقا ہوئے۔ اپنے ترکے میں چند نعتیہ بیاضیں چھوڑیں، جنھیں ان کے اکلوتے فرزند محمد احسن صدیقی نے حرزِ جاں بنالیا۔

نظرؔ لکھنوی مرحوم کو قدرت نے جس فیاضی سے سخن گوئی کی استعداد عطا کی تھی، شہرت و نام وری کی طرف سے اسی قدر بے نیازی ان کی طبیعت کا خاصہ ٹھہری۔ چناں چہ مشاعرہ بازی اور طباعتِ کلام کی طرف متوجہ ہونے کے بجائے انھوں نے عزلت گزینی کو ترجیح دی۔ نتیجتاً وہ اس دارِ فانی سے گمنام ہی رُخصت ہوئے۔ وہ خود فرماتے ہیں:

اشعار میں مرے مئے باطل کی بو نہیں
عشقِ بتانِ دہر کی بھی ہاؤ ہُو نہیں
اسپِ سخن ہے میرا بقیدِ زمامِ دیں
دادِ سخن کی مجھ کو نظرؔ آرزو نہیں

محمد احسن صدیقی خلف الرشید نظرؔ لکھنوی کا بیان ہے کہ ’’ان کے ابو، روایت پسند تھے اور

شاعری کے دبستان کے لیے ایک خاص تعصب رکھتے تھے۔ دبستانِ لکھنؤ پر کی گئی تنقید پڑھتے ضرور تھے لیکن تسلیم نہیں کرتے تھے۔ان کا خیال تھا کہ حسنِ شعری کے وہ سارے ظاہری لوازم جو لکھنؤ دبستان کی پہچان ہیں، شاعری کی مقصدیت کے ساتھ برتے جا سکتے ہیں۔‘‘

نظرؔ لکھنوی کی قائم کردہ شعری فضا پر بلا شبہ لکھنوی دبستانِ سخن کی روایت کا پرتو ہے۔انھوں نے محسنؔ کاکوروی کے تتبع میں نشاطیہ شعری مزاج کو مقصدیت سے ہم آہنگ کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔محسنؔ کاکوروی نے لکھنوی شاعری کی صنعت گری اور ٹھٹھول بازی کو نعتیہ مضامین کی اعلیٰ مقصدیت سے ہم کنار کیا تھا اور سخن گوئی کی تمام تر صلاحیتیں مدحِ سید الکونین ﷺ کے لیے وقف کر دی تھیں اور اس طرح وہ منفرد لہجے میں نعت کہنے میں کامیاب ہوئے تھے۔نظرؔ لکھنوی نے بھی مدحتِ مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے اور قادرالکلامی، ردیف وقوافی کی ندرت، فن کی تازہ کاری، لفظیاتی مرصع سازی اور فکری طہارت کے جواہر سرکارِ رسالت مآب ﷺ کی نذر کیے ہیں۔کمال یہ ہے کہ شعری بنت پر بھرپور توجہ صرف کرنے کے باوجود متنِ سخن (Poetic text) کو کہیں بھی درجۂ استناد سے کم نہیں ہونے دیا ہے۔

نظرؔ لکھنوی کا شعری عمل (Poetic work) اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ وہ قصیدہ نگاری کی طرف مائل ہوتے تو اس صنفِ سخن میں امتیازی حیثیت حاصل کر سکتے تھے۔لیکن ان کے شعری ارژنگ میں قصیدہ کا کوئی مرقع نہیں۔ یہاں تو نعتیہ غزلوں کے نقش و نگار اپنی چھب دکھلا رہے ہیں۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے قلم کو سپرد سیلِ طبع رواں کر دیا تھا۔قصیدے کی فنی ضرورت کے لیے تشبیب کی مصنوعی فضا پیدا کرنا، شاعرانہ عزّ اظاہر کرنا اور گریز کی گرانی کے مرحلوں سے گزرنا نظرؔ لکھنوی کے طبعی عجزِ ہنر کے منافی تھا۔اس لیے انھوں نے قصیدے کا کبھی قصد نہیں کیا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ روایت پسند اور قادرالکلام ہونے کے باوجود قصیدے کو نظرؔ لکھنوی نے فرسودہ صنف سخن گردانا ہو۔ یہ الگ بات کہ قصیدہ نگاری کے ہیئتی نمونے ان کی شاعری میں نہ ہونے کے باوجود ان کی نعتیہ غزلوں میں شکوہِ لفظی اور نشاطیہ لہجے کی گونج ویسی ہی ہے، جیسی قصیدے کا طُرّہ ٔامتیاز ہے۔لکھنوی دبستانِ سخن کی پاسداری ان کے لفظ لفظ سے نمایاں ہے وہ قوافی برتنے اور ردیفیں چمکانے کا ہنر جانتے ہیں۔حبِّ رسول ﷺ کے جذبۂ صادقہ نے ان کے لہجے کو ادب سے ہم کنار کیا ہے۔

ع عشق بن یہ ادب نہیں آتا (میرؔ)

اور فنی اخلاص نے ان کے کلام کو سنوارا ہے۔

نظر لکھنوی نے دسمبر ۱۹۴۷ء میں پاکستان ہجرت کی اور ملٹری اکاؤنٹس راولپنڈی میں تعینات ہوئے اور بیشتر وقت یہیں گزارا۔ علاوہ ازیں اپنی عمرِ عزیز کے آخری دس برس اسلام آباد میں بسر کیے۔ اس شہر کی فضا الحمدللہ نعتیہ شاعری کے لیے بڑی سازگار ہے کیوں کہ یہاں ''محفلِ نعت'' کے نام سے ایک بزم باقاعدگی سے ہر ماہ نعتیہ مشاعرے منعقد کراتی ہے اور الحمدللہ اس عمل کے استمرار کو بلاتعطل سولہ سال ہو گئے ہیں۔ لیکن اس بزم کے اربابِ بست و کشاد جناب عرش ہاشمی اور جناب سبطین شاہجہانی بھی نظر لکھنوی مرحوم کو دریافت نہیں کر سکے۔ علاوہ ازیں حال ہی میں علامہ قمر رعینی نے ''تذکرۂ نعت گویانِ راولپنڈی، اسلام آباد'' مرتب فرمایا ہے، یہ تذکرہ بھی نظر لکھنوی کے ذکر سے خالی ہے، راقم الحروف کو خود بڑا افسوس ہو رہا ہے کہ مرحوم سے شرفِ نیاز حاصل نہیں کر سکا حالاں کہ یہ ناچیز ۱۹۸۵ء سے ۱۹۹۲ء تک اسلام آباد ہی میں تھا اور جناب محمد احسن صدیقی خلف الرشید نظر لکھنوی سے ارادت مندی کا شرف بھی اس خاکسار کو حاصل تھا۔ بہرحال نظر لکھنوی مرحوم کے شہرت بیزاری نے انھیں متعارف نہیں ہونے دیا۔ اور اب بقول غالبؔ:

ع　شہرتِ شعرم بگیتی بعدِ من خواہد شدن

ان کے کلام کی شہرت ان شاء اللہ پوری دنیا میں ہوگی۔

الحمدللہ! اب راقم الحروف کی تحریک پر جناب محمد احسن صدیقی اپنے والدِ گرامی کا نعتیہ کلام مرتب کر رہے ہیں اور ان شاء اللہ یہ مجموعہ بہت جلد منصۂ شہود پر آ جائے گا۔ نظر لکھنوی کی نعتوں میں حضور اکرم ﷺ کا حسنِ صوری بھی منعکس ہے اور حسنِ سیرت بھی، ختمِ نبوت کے مضامین بھی ضوبار ہیں اور عظمتِ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی جھلکیوں سے بھی یہ نعتیں مملو ہیں۔ حضور ﷺ کے پیغام کا تحرک (Dynamism) اور دعوتِ عمل کا راست جذبہ بھی ان نعتوں میں لمعہ ریز ہے اور حاضری کی تمنا بھی اشعار کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے۔ اہم بات یہ کہ نعتوں میں شعری محاسن سمونے کے باوجود شاعرانہ تعلّی کے بجائے عجزِ ہنر کے مضامین زیادہ ہیں جو اس بات کی نشاندہی کر رہے ہیں کہ شاعر اپنی شعری دانش کے اظہار کو اپنے فن کے حوالے سے کوئی کارنامہ نہیں سمجھتا اور یقیناً یہی راہِ صواب ہے، اخلاص کا تقاضا بھی یہی ہے۔

○○○

سلیم شہزاد (مالیگاؤں)

حمد کی شعریات

انسانی معاشرہ، مہذب ہو کہ غیر مہذب، کسی زمانے میں مذہب کے وجود سے خالی نہیں رہا ہے اور نہ کسی مذہب کو خدا کے تصور سے عاری قرار دیا جا سکتا ہے۔ مذہب کی معاشرے پر یہ فوقیت افراد کے ذریعے مذہبی روایات و رسوم کی تکمیل میں اپنا ثبوت فراہم کرتی ہے اور خدا کے تذکرے، اس کی عبادت، اس سے استمداد اور اسے خوش کرنے کے لیے اس کی تعریف و توصیف کے بغیر مذہبی روایات و رسوم کی تکمیل نہیں ہوتی۔ خدا سے ہم رشتہ ہونے یا خدا سے ہم رشتہ کرانے والے یہ تعمیلات اس کی تحمید و تقدیس بیان کرنے کا بھی تقاضا کرتے ہیں چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا بھر کے مذاہب میں خدا کی تحمید کی روایت پائی جاتی ہے۔ مختلف مذاہب میں تحمید و تقدیس بیانی کے مختلف نام، مراحل اور ذرائع ملتے ہیں۔ ذیل کی سطور میں حمد کو اس کی مذہبی، لسانی، فنی اور صنفی جہات سے دیکھنے دکھانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

لسانی ساختیے کے طور پر ''حمد'' ایک سہ حرفی مادہ ہے جس کے معنی دوسرے ایسے ہی سہ حرفی مادے ''مدح'' کے معنی سے مماثلت رکھتے ہیں یعنی تعریف، توصیف، ثنا وغیرہ۔ پہلے لفظ کی صوتی و معنوی اصل بعض قدیم و جدید زبانوں تک پھیلی ہوئی ہے، خاص طور پر یونانی، لاطینی، انگریزی، فرانسیسی وغیرہ زبانوں تک اور ان زبانوں میں اس لفظ کا لسانی تفاعل وہی رہا اور وہی ہے جو عربی، فارسی اور اردو میں ملتا ہے یعنی خدا کی تعریف۔ یہ لفظ یونانی 'ہمنوس' (humnos) سے لاطینی 'ہِمنَس' (hymnus) بنا اور فرانسیسی کے توسط سے انگریزی میں آ کر 'ہِم' (hymn) ہو کر رہ گیا۔ عربی مادے ''حمد'' کی پہلی دو آوازیں محولہ یورپی الفاظ کی دو آوازوں کے مماثل ہیں جن کے آخری صوتیے امتداد زمانہ نے مٹا دیے۔ عربی لفظ کی آخری صوت ایک دندانی صوتیہ یعنی /د/ بن گئی جس کا مخرج یورپی صوتیوں /ن۔س/ کے مخرجوں سے قریب پایا جاتا ہے۔ یہ اشتقاقی تحقیق

تقدیسی شاعری میں حمد کو کرۂ ارض کے مشرق و مغرب میں مستعمل ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ یہ اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ خدا کی تعریف ہر زماں اور ہر مکاں کو محیط کرتی ہیں اس لیے قرآن کریم کی تمہیدی آیت الحمد للہ رب العالمین کی زمانی و مکانی آفاقیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ آیت دنیا کی تمام قدیم وجدید زبانوں کے ادب میں حمد یہ اظہار کی انتہائی تعمیم ہے۔

قدیم یونان میں حمد کی اصطلاحی تعریف کے پیش نظر کسی دیوی دیوتا یا ہیرو کی تعریف و توصیف پر مشتمل حمد یہ شاعری نئے مذاہب کے عروج کے ساتھ مختلف ملکوں کی تقدیسی شاعری بن گئی۔ یونان میں 'ہمنو س' تین معنوں میں مستعمل تھا (۱) کسی بھی قسم کا گیت (۲) دیوی دیوتا کی تعریف بیان کرنے والا گیت یا بھجن اور (۳) دیوتا کی تعریف میں کوئی خاص گیت۔ پھر ان گیتوں میں تاریخی رنیم تاریخی سورماؤں کی تعریف بھی شامل کر لی گئی۔ یونانی شاعری میں اس صنف کے قدیم ترین نمونے ساتویں صدی قبل مسیح کے رزمیہ نگار شاعر ہومیروس یا ہومر کے کلام میں نظر آتے ہیں۔ یہ کلام اس کی کلاسک نظموں ''ایلیڈ'' اور ''اوڈیسی'' کے بیان میں ''ابتدائیہ'' کے طور پر شامل ملتا ہے۔ اصل کلام میں ابتدائیہ نظموں کی شمولیت کی روایت قدیم طربیہ ڈراموں کی روایت رہی ہے جسے دنیا بھر کی بیانیہ شاعری کی روایت سمجھنا بے جا نہ ہوگا (اردو مثنویوں میں بھی حمد و نعت وغیرہ ابتدائیہ نظموں کی طرح شامل دیکھے جا سکتے ہیں) ان نظموں کو کورس اپنے مخصوص لباس میں اسٹیج پر پیش کرتا تھا۔ یہ کورس آگے چل کر کلیساؤں اور خانقاہوں کی چیز بن گیا۔ آج بھی زبور کی دعائیں پڑھنے والے کورس کے روپ میں اسے کلیسا کی اہم سرگرمیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی خانقاہیں اذکار و وظائف اور قوالی کے راگوں سے گونجتی رہتی ہیں اور مندروں میں اجتماعی بھجن کیرتن اسی کورس کی مختلف ثقافتی مذہبی شکلیں ہیں۔

رومی ثقافت میں دیوتاؤں کی تعریف و توصیف کے لیے زیر لب ادائیگی کا چلن اختیار کیا گیا تھا۔ معبدوں میں پجاریوں کے گروہ مخصوص آسن میں بیٹھ کر منہ ہی منہ میں حمد یہ کلام پڑھتے۔ روم میں یہ خاموش کلام پجاریوں کا مشاہدہ کرنے والوں میں خوف بھی پیدا کر دیتا اس لیے ان کی خاموش حمد کو لوگ جادو سے تعبیر کرنے لگے۔ انگریزی لفظ charm حمد یہ خاموش کلامی کے اسی تصور سے وجود میں آیا ہے جس کی اصل carmen ہے یعنی مخصوص مفہوم اور مقصد کے حصول کے لیے ادا کیا گیا کلام۔ ہندوستان میں اس لفظ کا مترادف ''تنتر'' ہے جس سے ''تانترک'' بنا ہے اور تانترک کے عمل سے کون واقف نہیں؟ تصوف کے باطنی سلسلوں میں خاموش کلامی کو ذکر

خفی کے مماثل سمجھنا چاہیے۔ مشرقی خطۂ زمین پر ہندوستان کئی مذاہب کی نشو ونما اور عروج وزوال کی آماجگاہ رہا ہے۔ ان میں ہندو مت کو سب سے قدیم خیال کیا جاتا ہے۔ اس مذہب کی چار کتابیں؛ رِگ وید، یجُر وید، سام وید اور اَتھر و وید حمد یہ نظموں سے خالی نہیں۔ ہر وید کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جس کا پہلا حصہ منتر کہلاتا ہے اور یہی منتر حمد کے مترادف ہے۔ منتروں کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ عبادت گزار بندوں کی آستھاؤں اور آشاؤں کو ایشور کے سمکش ارپن کرتے ہیں۔ بشریات اور اسطوریات کے ماہرین نے ویدوں کی حمد یہ شاعری کو یونانی اور ایرانی تقدیسی شاعری سے قدیم تر قرار دیا ہے۔

کثیر الارباب مذاہب میں حمد وثنا کے یہ تصورات آگے چل کر لوح وقلم سے دیواروں پر تراشے گئے نقوش تک پہنچ گئے۔ حضرت عیسیٰ سے صدیوں پہلے یونان وروم، مصر وعراق، ہند و ایران وغیرہ کے معبدوں میں دیوی دیوتاؤں کے بھجن گاتے پجاریوں کو تصویروں کے ذریعے پیش کیا جانے لگا: رومی کلیساؤں میں توریت کے واقعات، مصر کے قدیم کھنڈروں کی دیواروں پر مصری دیوتاؤں کے بھجن، ہندوستان کے قدیم مندروں کی دیواروں پر دیوتاؤں کے رزمیے اور ایرانی مصور مانی کی ''ارژنگ'' میں تصویروں، مورتیوں اور تصویری خط کے ذریعے کائنات کی تخلیق کرنے والے کی تحمید وتقدیس کو مصور کیا گیا ہے۔

یہ مختصر جائزہ حمد کے تقدیسی شاعری ہونے کے لسانی، تاریخی، ثقافتی، مذہبی وغیرہ عوامل کو سامنے لاتا ہے جو حمد کو ایک شعری صنف کے طور پر اجاگر کرنے میں معاونت کرنے والے عوامل ہیں۔

حمد کو ایک شعری صنف کے طور پر قبول کرنے میں اکثر وہ ناقدین تکلف محسوس کرتے ہیں جو ادب و مذہب کے رشتے پر یقین نہیں رکھتے اگرچہ خود ادب یعنی شعر، قصہ، ڈراما وغیرہ دنیا بھر کی زبانوں میں مذہب کے بطن سے پیدا ہوا ہے اور بے مذہب ناقدین اس تاریخی ثقافتی مظہر سے ہرگز ناواقف نہیں۔ اس کے باوجود مذہب اور ادب کا رشتہ ہر زمانے میں زیرِ بحث آتا رہا ہے۔ مابعد الطبعیات، تصوف، اخلاقیات اور فلسفہ علوم انسانی کے ایسے شعبے ہیں جو کئی زاویوں سے مذہب سے جڑے رہے اور جڑے ہوئے ہیں۔ ان علوم کے موضوعاتی دائرے ایک دوسرے کو کاٹتے ضرور ہیں اور ایک کے بغیر دوسرے کے وجود کا تصور ناممکن سا نظر آتا ہے۔ ان اسباب کی بنا پر تقدیسی شاعری میں حمد جو مذہب کے رفیع واعلاترین موضوع اللہ/خدا/رب/ایشور وغیرہ کو اپنا

موضوع بناتی ہے، دراصل عظیم شاعری کا درجہ رکھتی ہے اس لیے حمد کی صنفی حیثیت سے انکار کرنا ممکن ہی نہیں۔

اردو میں حمد کی صنف فارسی اور عربی کے توسط سے آئی۔ اصطلاحی مفہوم سے قطع نظر یہ شاعری کی ایک اور اہم صنف قصدیے سے معنوی طور پر مترادف ہے مگر قصیدہ ایک مخصوص ہیئت میں کہا جاتا ہے جب کہ حمد کہنے کے لیے کوئی ہیئت متعین نہیں۔ اس لحاظ سے ہر حمد اللہ تعالیٰ کا قصیدہ ہے مگر ہر قصیدہ حمد نہیں ہوتا۔ (البتہ ''حمد'' کے مادے میں ذراسی تصریف سے بنا ہوا لفظ ''مدح'' لفظ ''قصیدہ'' کا مترادف مانا جاتا ہے) اردو حمد دنیا کی اور زبانوں میں کہی جانے والی حمد کی طرح مذہبی شاعری ہے۔ اس کا آغاز صوفیانہ اور فلسفیانہ خیالات کے شعری اظہار کی صورت میں ہوا لیکن مذہبیت ہر دور میں حمد پر حاوی رہی۔ واضح رہے کہ صوفیانہ خیالات کبھی پوری طرح مذہبی نہیں ہوتے، ان پر فلسفیانہ رنگوں کی چھوٹ بھی ہوتی ہے اور تقدیسی شاعری میں حمد کا تقاضا ہے کہ سورۂ فاتحہ کی پہلی آیت اس کے اظہار کی اساس رہے۔ چند مثالوں میں دیکھیے کہ حمد یہ شاعری میں تصوف اور فلسفہ کس طرح مذہب سے آمیز ہو جاتے ہیں۔

دیا چاند سورج کو نور و ضیا
فلک پر ستارے کیا خوش نما

سراؔج اورنگ آبادی کا یہ شعر خالص حمد کا شعر ہے یعنی اس کے ہر لفظ پر مذہبی رقرآنی تاثر حاوی ہے جب کہ

عجب قادر پاک کی ذات ہے
کہ سب ہے نفی اور وہ اثبات ہے

شعر میں قادر پاک/ مذہب
ذات/تصوف
نفی واثبات/ فلسفہ

شعری لفظیات کا یہ تجزیہ بتاتا ہے کہ حمد کہتے ہوئے شاعر پر مختلف علمی تصورات کا غلبہ تھا۔ اور یہ اشعار

کہیں آپ معشوق ہو، گل ہوا
کہیں آپ عاشق ہو، بلبل ہوا

کہیں ہو کے لیلیٰ، ہوا جلوہ گر
کہیں آپ آیا ہے مجنوں ہوکر
کہیں روح ہوکر ، دکھایا جمال
کہیں ہوکے پتلی ، بنایا مثال

تصوف کے ہمہ اوست اور ہمہ از اوست کے ملے جلے فلسفے کو پیش کرر ہے ہیں۔ان اشعار کے فاعل میں اللہ تعالیٰ کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے مگر یہ خالص تحمیدی اشعار نہیں ہیں۔صوفی (یا ان اشعار کا خالق سراؔج) جب معرفت حق سے بہرہ مند ہوجاتا ہے تو فلسفی کی طرح خدا کے وجود پر مباحثے میں مشغول ہوجاتا ہے اور وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے حوالوں سے تصوف کے یہ مباحث بھی فلسفے کی بلندی کو چھونے لگتے ہیں۔جز وکل، شاہد ومشہود اور من وتو کی غیریت کو مٹانے کے لیے صوفیا نے عشق اللہ کے رنگ میں رنگ جانے کو احسن قرار دیا ہے اور یہ رنگ گل و بلبل، شمع و پروانہ، ذرّہ وصحرا، قطرہ ودریا وغیرہ کو مختلف صورتوں میں نہیں دیکھتا۔

محولہ بالا پہلا شعر دوبارہ پڑھیے۔

دیا چاند سورج کو نور و ضیا
فلک پر ستارے کیا خوش نما

اس شعر پر، جیسا کہ کہا گیا، مذہبی رقرآنی تاثر حاوی ہے لیکن شعریت اس میں نام کو نہیں پائی جاتی۔سراؔج کہتے ہیں کہ۔

اللہ نے چاند اور سورج کو روشنی دی
اس نے فلک پر ستاروں کو خوش نما بنایا

یہ عام بیانات ہیں اور اللہ کی ذات پر ایمان رکھنے والا ہر فرد ان کی مطلق سچائی سے واقف بھی ہے۔حمد کی شعریات کا تقاضا یہ ہے کہ شاعران بیانات کو اس طرح نہ پیش کرے جیسا کہ عام افراد انھیں جانتے، سمجھتے اور بیان کرتے ہیں۔شعری اظہار ان عمومی بیانات پر جو یقیناً قرآن سے آتے ہیں شعریت کے رنگوں کا متقاضی ہوتا ہے، تبھی یہ فن کی ذیل میں آتے ہیں اور ان کی لسانی ر اظہاری قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے۔

جگ میں آ کر اُدھر اِدھر دیکھا
تو ہی آیا نظر، جدھر دیکھا

گر معرفت کا چشم بصیرت میں نور ہے
تو جس طرف کو دیکھیے ، اس کا ظہور ہے

میر دردؔ کے ان اشعار سے ہمہ اوست یا وحدت الوجود کا صوفیانہ فلسفہ صاف ظاہر ہے جس کے ڈانڈے ''اَدَوَیت''یعنی''کن کن میں ایشور'' کے ہندو تصور سے مل جاتے ہیں۔''معرفت کا نور رچشم بصیرت'' جیسے استعارے یہاں شعریت کی حامل ترکیبیں ضرور ہیں لیکن شعر میں مرسلہ خیال خدا کے وجود کے اسلامی تصور سے متصادم ہے۔

ہمہ اوست کے بالمقابل ہمہ از اوست یا وحدت الشہود کا نظریہ بھی حمد کے اشعار میں خوب خوب نظم کیا گیا ہے۔میرؔ کہتے ہیں۔

تھا مستعار ،حسن سے اس کے جو نور تھا
خورشید میں بھی اس کا ہی ذرہ ظہور تھا

اس کے حسن سے یعنی نور مطلق سے ساری کائنات میں نور پھیلا ہوا ہے۔سورج کی آب و تاب میں بھی اسی ازلی نور کا ایک ذرہ روشن ہے۔اس مضمون میں حمد الٰہی کا واقعی تصور منظوم ہوا ہے لیکن میرؔ ہی کے شعر۔

اشجار ہوویں خامہ و آب سیہ بحار
لکھنا نہ تو بھی ہو سکے اس کی صفات کا

یہ قرآنی آیات کا محض ترجمہ نظم کر دیا گیا ہے جسے''اللہ نے چاند اور سورج کو روشنی دی'' جیسے عام بیان کے مترادف سمجھنا چاہیے۔اسی طرح۔

اے مصحفیؔ، کچھ کمی نہیں واں
جو چاہے سو مانگ، پر خدا سے

شعریت سے محروم لسانی تعمل ہے جسے حمد کا شعر سمجھا جاتا ہے۔
غالبؔ کے شعر۔

ہے پرے سرحد ادراک سے اپنا مسجود
قبلے کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں

میں ہمہ اوست یا ادویت کے فلسفے کو نظم کیا گیا ہے۔شعریت اس شعر میں ضرور ملتی ہے لیکن

تحمید کا پتا نہیں۔ غالبؔ کی طرح ادویت کو ماننے والے ''اہلِ نظر'' محسوس و مجسم ''کعبے'' کو عام خیال کے مطابق ''قبلہ'' نہیں، ''قبلہ نما'' سمجھتے ہیں یعنی (۱) قبلے کی سمت اشارہ کرنے والا اور (۲) قبلے جیسا کچھ۔ ادویت یا افلاطونی عینیت کے مطابق کائنات کے مظاہر اصل نہیں، اصل کے اعیان/سایے ہیں۔ ہم بظاہر قبلے کی سمت رخ کر کے اپنی عبادتیں نذر کرتے ہیں لیکن ہمارا رخ دراصل عینی قبلے کی سمت ہوتا ہے یعنی ہمارا مسجود سرحد ادراک سے پرے پایا جاتا ہے۔ امیر مینائی کا شعر۔

محروم اس کے خوان تجلی سے کون ہے
حصہ ہر ایک آنکھ نے پایا ہے نور کا

تحمید اور شعریت سے بھرا ہوا ہے لیکن دو مصرعوں کے بیچ ہمہ از اوست کا تصور شاعر نے جس طرح مقدر کر دیا ہے، اس کی داد دیے ہی بنتی ہے۔ ''تجلی'' اللہ کی ذات کی طرف اشاری ہے کہ ہر چشم راازاو حصۂ می رسد۔ جگرؔ اپنے شعر۔

کثرت میں بھی وحدت کا تماشا نظر آیا
جس رنگ میں دیکھا تجھے، یکتا نظر آیا

میں کثرت میں وحدت یا کثرت ہی وحدت کہہ کر ہمہ اوست کے قائل نظر آتے ہیں۔ دوسرے مصرع کے فقرے ''جس رنگ میں دیکھا تجھے'' کا مخاطب اللہ تعالیٰ ہے تو اس کے رنگ کے حوالے سے یہ فقرہ قرآنی آیت "**صبغتة الله ومِن احسنُ ومِنَ اللهِ صبغه**" سے ماخوذ ہے۔ اردو لفظ ''رنگ'' اور فقرہ ''جس رنگ میں دیکھا'' کی شعریت نے پہلے مصرع کے فلسفیانہ علو کو زیر کر لیا ہے۔ میرؔ کے محولہ شعر ''اشجار ہوویں خامہ'' میں بھی قرآنی حوالہ آیا ہے لیکن جیسا کہ کہا گیا، یہ محض ترجمے کا اردو شعری بیان ہے۔ یہاں جگرؔ نے قرآنی آیت سے استفادے کو شعریت میں حل کر دیا ہے جس سے شعر کے رس کا مزہ دوبالا ہو گیا ہے اور حمد کی شعریات اسی فنکاری کی متقاضی ہے۔

صبیحؔ رحمانی کا شعر۔

وہی تو شام کی دہلیز پر سویرے تک
چراغ ماہ جلاتا، نجوم رولتا ہے

حمدیہ شاعری کے نہ صرف ایک قرآنی خیال (اللہ نے آسمان کو چاند ستاروں سے سجایا ہے)

کی بلکہ جدید تر لہجے کو شعریت کے جلو میں رکھنے کی بھی مثال ہے۔

ادب کی ادبیت یا شعر کی شعریت ہی ادب و شعر کی تخلیق کا واحد مقصد ہے۔ مذہبی، سیاسی، سماجی اور بہت سے انسانی غیر انسانی مقاصد ادب وفن کے توسط سے حاصل کیے جانے کی مثالیں یوں تو دنیا کے تخلیقی اظہارات میں پائی جاتی ہیں لیکن انھیں ایسے مقاصد کا حصول قرار دینا چاہیے جو ادب وفن کے لیے اضافی حیثیت رکھتے ہیں اور تقدیسی شاعری یعنی حمد، نعت، منقبت اور مناجات کے شعری اظہار میں بھی اولیت اور فوقیت اظہار کی شعریت، بیان کے حسن اور ماورائی کیف و سرور کے اکتساب کو حاصل ہے۔ یہاں اسلام سے ہم رشتہ متعدد تصورات جیسے تصوف، تفقہ، تجرد، تفلسف اور سب سے بڑھ کر مسلکی تصورات شعری اظہار میں سرایت کر سکتے اور کرتے ہیں جیسا کہ گزشتہ مثالوں میں دیکھا گیا لیکن امیرؔ مینائی، جگرؔ اور صبیحؔ رحمانی کے شعروں پر حاوی فنکارانہ تحمیدی رنگوں کے پیش نظر ثابت ہے کہ حمدیہ شاعری کے تقاضے کیا ہیں۔ ہم تصوف، فلسفے اور دیگر علوم کے دقیق مسائل سے متعارف ہونے کے لیے تقدیسی شاعری کی تخلیق نہیں کرتے اور نہ اس مقصد کے لیے اسے سنتے اور پڑھتے ہیں۔ حمد و نعت تخلیق کرنے اور انھیں سننے پڑھنے کا اول و آخر مقصد روحانی جمالیات حظ کے سوا کچھ اور نہیں۔ ان معروضات کا حاصل:

۱) حمد مذہبی شاعری ہے۔
۲) حمدیہ اظہار کی مختلف ہیئتیں تمام مذاہب میں پائی جاتی رہی ہیں۔
۳) قرآن کی سورۂ فاتحہ کی پہلی آیت سے حمد کی زمانی و مکانی وسعتوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔
۴) تصوف، فلسفہ، اسطوریات، نفسیات اور دیگر علوم حمد کو متاثر کرتے ہیں۔
۵) شعری اظہار میں حمد ایک موضوعی صنف ہے۔
۶) قصیدہ ہونے کے باوجود حمد ہیئتی/ موضوعی صنف قصیدے کی ذیل میں نہیں آتی۔
۷) تقدیسی شاعری کی دیگر اصناف (نعت، مناجات وغیرہ) کی طرح حمد نگاری اور حمد خوانی کا مقصد روحانی جمالیاتی حظ کا اکتساب ہے۔

وہ شعری تخلیق جس سے روحانی جمالیاتی حظ کا اکتساب کیا جاتا ہے یعنی حمد کس طرح صورت پذیر ہوتی ہے؟ اب تک کی بحث سے کھل چکا ہے کہ اس تخلیق کا موضوع اللہ/ خدا/ رب/ ایشور کی ذات کو تسلیم کیا جاتا ہے جسے کوئی نہیں جانتا کہ کیا ہے، کون ہے، کہاں ہے، کب سے ہے، کیوں

ہے، کیسا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ ان سوالوں کے جوابات مذہب کی راہ سے ملیں کہ فلسفے کی موشگافیوں سے آئیں یا تصوف کے پردوں سے ظاہر ہوں، سب کا رشتہ حمد کے موضوع کی ذات وصفات سے مربوط نظر آئے گا۔ قرآن اپنے اسلوب میں ان سوالوں کے جوابات دیتا ہے۔ احادیث بھی رسول کریم ﷺ کے نطق بابرکت میں یہ جوابات اپنے دامن میں رکھتی ہیں لیکن اللہ کا تصور یکسر ایک غیر مادی تصور ہے اور اس کے تعلق سے اوپر کے سوالات کے بھی ایسے جوابات نہیں ملتے کہ کوئی کہہ دے کہ یہ ہے اللہ! جب ذات خداوندی کی شکل، جہت، مقام وقوع وغیرہ کسی کے تجربے مشاہدے میں قطعی نہیں تو اب حمد کہنے والا کیا کرے؟ اسی مقام پر ''با خدا دیوانہ باش'' کا مقولہ اپنے معنوں کے ساتھ روشن ہوجاتا اور حمد یہ اظہار کا نام دیوانگی قرار پاتا ہے (جسے شاعر کے عالم جذب میں ہونے سے بھی مماثل کہا جاسکتا ہے) حمد کا شاعر اس دیوانگی کے اظہار میں حقیقت مطلق کو طرح طرح کے مجازی لباس میں دیکھنا اور دکھانا چاہتا ہے۔ اقبالؔ کی بھی یہ خواہش ہے کہ کبھی حقیقت منتظر کو لباس مجاز میں دیکھیں۔ اللہ تعالیٰ کو لباس مجاز میں دیکھنے کی خواہش ہی وہ دیوانگی ہے جس سے حمد کی شاعری صورت پذیر ہوتی ہے۔ یہ صورت پذیری کسی مخصوص صنفی ہیئت کو قبول نہیں کرتی بلکہ اسے توڑتی ہے (دیوانگی کہاں کسی ثابت وسالم شے کو اپنی حالت پر رہنے دیتی ہے) یہ مذہبی (بلکہ اس مضمون کے لکھنے اور سننے پڑھنے والوں کے لیے اسلامی) فلسفیانہ، صوفیانہ، صنمیاتی، شعوری/لاشعوری غرض ہر رنگ کو قبول کرتی اور ہر رنگ کا اظہار کرتی ہے۔ ایک پھول کا رنگ اس کے لیے ناکافی ہوتا ہے کیوں کہ صبغۃ اللہ کی حقیقت سے تو کوئی واقف نہیں مگر شاعر خود اللہ کے حکم سے اللہ کے رنگ میں اپنے وجود کو شرابور دوڑتا ہے اور یہ رنگ بسنتی، سبز، سرخ، سیاہ کوئی سا بھی رنگ ہوسکتا ہے (دیوانگی میں رنگوں کی پہچان کہاں ممکن ہے)

حمد شعری اظہار کا وہ پیرایہ ہے جس میں اللہ کی ذات اور اس کی صفات کے رنگوں کا ذکر کرتے ہوئے شاعر کا مرکوز نظر مخصوص ہوتا ہے مگر اس تخصیص میں اتنی وسعتیں، گہرائیاں اور گیرائیاں پائی جاتی ہیں کہ ان کے آگے مِن دونِ اللہ جدا جدا ہر ذات اور اس کی صفت کی توسیع، مبالغے اور غلو کے بعد بھی ہیچ نظر آتی ہے۔ تحمید کی سزاوار ذات باری کے اوصاف کے جلووں کو جب صبغۃ اللہ میں غرق شاعر نزول شعر کی شعوری و لاشعوری کیفیات میں محسوس کرلیتا ہے تو شعریات اس کے لیے کسی اصول کی پابندی کا نام نہیں رہ جاتا۔ راقم السطور نے کبھی انھی کیفیات کے زیر اثر بہت سی حمدیں صفحۂ قرطاس پر اتاری تھیں، باخدا دیوانہ باش کے اصول پر عمل کرتے

ہوئے اس نے غزل کی روایتی ہیئت کو توڑ کر اسے ایک آزاد ہیئت میں بدل دیا اور اس کا نام حمد غزلیہ رکھا۔ اس کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

ریت دریاؤں کو آئینہ بنائے اللہ
آئینہ آب سے محروم کرے، آب ستارے کو سیاہی میں چھپائے اللہ
رنگ در رنگ مناظر پہ مسلط کرے شب ظلمت رنگ
اور شب دشت میں اک شمع جلائے اللہ
اِنّا زَیّنّا کی تفسیروں میں
آسمانوں کو ستاروں سے (زمینوں کو چراغوں سے) سجائے اللہ
برق، قندیل، شرر، چشم، گہر، اشک، ستارہ، جگنو
سارے الفاظ یہ روشن ہوں اگر ان میں کوئی موجۂ انوار بہائے اللہ
قم باذنی وانا اللہ واقرا کی جلا کر شمعیں
کبھی صیّون، کبھی طور وحرا میں کلمہ اپنا جگائے اللہ
گائے کے سینگ پہ رکھی ہو، کسی ناگ کے پھن پر ہو کہ بہتی ہو کسی دریا پر
ہفت افلاک میں دھرتی کو گھمائے اللہ

کبھی تنکے کو ڈبو دے لیکن
کبھی سیلاب بلا بھی ہو تو کشتی کو ترائے اللہ
ابر کیا، سبزہ و گل کیا، یہ ہوا کیسی ہے، کیسے یہ پری چہرہ لوگ
چار سُو پھیلے ہیں سائے، اللہ
احدو الصمدو لم یلد ولم یولد
کوئی اس کا نہیں، وہ سب کا، تو پھر کیا ہے سوائے اللہ

یہ گویا عالم جذب کا کلام ہے۔ اس میں عروض کی سخت گیری کا لحاظ نہیں۔ اس کے چھوٹے بڑے مصرع مجذوب کی بڑ سے مماثلت رکھتے ہیں۔ اس میں مذہب ہے: انا زینا قم باذنی وغیرہ تصوف ہے: چار سُو پھیلے ہیں سائے/کیا ہے سوائے اللہ

فلسفے سے آئے ہوئے سوالات ہیں: ابر کیا رسبزہ وگل کیا/ یہ ہوا کیسی ہے
صنمیات ہے: گائے کے سینگ/ ناگ کے پھن پر رکھی/ دریا پر تیرتی ہوئی دھرتی
اس حمد غزلیے کا مقصد مذہب، تصوف، فلسفے اور صنمیات سے آپ کو متعارف کرانا نہیں لیکن فنی اظہار میں شعریت اور جمالیاتی رنگوں کی تخلیق سے ان کا معنوی تال میل حمد کی شعریات کے تقاضے کی تکمیل کی نشاندہی کرتا ہے اور یہی حمد نگاری کا اولین مقصد ہے۔

○○○

ڈاکٹر صابرؔ سنبھلی (یوپی)

میلادنامۂ اکبروارثی میرٹھی (کچھ مزید)

ششماہی مجلّہ ''دبستانِ نعت''، خلیل آباد کا پہلا شمارہ 1437ھ مطابق 2016ء میں شائع ہوا۔ اس شمارے میں ایک مضمون ''میلا اکبر۔ ایک مطالعہ'' مصنفہ ڈاکٹر نذیرؔ فتح پوری بھی شامل ہے۔ مضمون ہر لحاظ سے اچھا ہے۔ راقم صابر نے اپنے مضمون پڑھنے کے بعد اسی کا ہی مطالعہ کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے صفحہ 181 پر تحریر فرمایا ہے۔

''میلا داکبر کیا ہے۔ یہ پہلی بار کب شائع ہوئی......اس قسم کی معلومات ہمیں میلا داکبر کے مطالعے سے نہیں ملتیں۔''

ان جملوں کو پڑھ کر بہت حیرت ہوئی۔ حیرت کی وجہ یہ تھی کہ راقم السطور کے پاس بھی اس کتاب کا ایک بوسیدہ نسخہ موجود ہے، جس پر سنہ طباعت کا اندراج نہیں ہے۔ ورق گردانی کی تو صفحہ 87-88 پر قطعہ تاریخ بطور تقریظ کے عنوان سے (غزل کی ہیئت میں) 14 اشعار کی ایک نظم موجود پائی۔ یہاں پر نقل کرتا ہوں۔

اے جزاک اللہ اکبر! واہ واہ   کیا لکھی رودادِ میلادِ حضور
ہیں رسالے اور بھی، لیکن یہ ہے   ایک ہی رودادِ میلادِ حضور
سچے سچے واقعے کی شرح ہے   واقعی رودادِ میلادِ حضور
آپ کے حصے میں ہی روز ازل   آ گئی رودادِ میلادِ حضور
آپ کی تالیف کو صد آفریں   جمع کی رودادِ میلادِ حضور
آپ کے حق میں سند ہے مستند   عفو کی رودادِ میلادِ حضور
دونوں آنکھوں نے لیے دوصاد جب   دیکھ لی رودادِ میلادِ حضور
کھول کر بستہ جو کھولی یہ کتاب   کھل گئی رودادِ میلادِ حضور

راہ پر آئے جو پڑھ لے ایک بار مدعی، رودادِ میلادِ حضور
ایسی دلچسپ آج تک دیکھی نہ تھی کوئی بھی رودادِ میلادِ حضور
غنچۂ دِل کھِل گیا جب یہ سنا چھپ گئی رودادِ میلادِ حضور
بزم میں ایمان تازہ ہوگیا جب سنی رودادِ میلادِ حضور
دوہری خوبی یہ کہ تم نے خود لکھی خود پڑھی رودادِ میلادِ حضور

چھاپ دو حافظؔ کی بھی تاریخِ طبع
''اب چھپی رودادِ میلادِ حضور''

اس سے سال 1337 برآمد ہوتا ہے۔

قطعاتِ تاریخ عموماً طویل نہیں ہوتے۔ یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ اس کی ردیف کچھ زیادہ ہی طویل ہوگئی ہے۔ راقم الحروف نے اس سے پہلے ایسی ردیف (شاید) نہیں دیکھی ہے۔ اس کو یوں سمجھئے کہ اس کا مصرع تاریخ ہے۔

''اب چھپی رودادِ میلادِ حضور''

اس کا وزن ہے فاعلاتن فاعلاتن فاعلات۔ ردیف ہے۔ ''رودادِ میلادِ حضور'' نیز قافیے کا وزن ہے ''فاعلن'' مزے کی بات یہ ہے کہ مصرع میں ردیف اور قافیے کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ ایسے مصرع بہت کم دیکھنے میں آتے ہیں۔ یہ تاریخ حافظ خلیل الدین صاحب رئیس وآنریری مجسٹریٹ بہادر، پیلی بھیت کی مستخرج ہے۔ معلوم نہیں نذیرؔ فتح پوری صاحب کو تاریخ طباعت نہ ہونے کا سہو کیوں اور کیسے نذیرؔ صاحب کے بیان سے مجھے غلط فہمی ہوگئی تھی کہ اُن کے پیشِ نظر جو ایڈیشن تھا وہ بعد کے زمانے کا ہوگا۔ اس لیے کہ تاریخ طباعت عام طور سے پہلے ایڈیشن میں چھاپی جاتی ہے۔ اس سے مجھ کو یہ خوش فہمی بھی ہوگئی کہ میرے پاس موجود بوسیدہ نسخہ طبع اوّل ہے۔ بازار سے مجھے میلادِ اکبر کا جدید ایڈیشن قدرے تاخیر سے دستیاب ہوا۔ یہ جسیم ڈپوٹیا محل، جامع مسجد دہلی نمبر 6 کا شائع کردہ ہے۔ اس میں 102 صفحات ہیں۔ اور یہ کمپیوٹر کمپوزنگ کے ساتھ آفسیٹ پر طبع ہوا ہے۔ جدید طباعت کا سال مذکور نہیں ہے، بلکہ کسی طباعت کا بھی حوالہ نہیں۔ آخر میں چار دیگر شعراء کا کلام مزید ہے۔ نثر میں کچھ ذکر پاک حضرت غوث اعظم علیہ الرحمہ کا زائد ہے۔

یہ عرض کرچکا ہوں کہ میلادِ اکبر پہلی بار 1337ھ میں طباعت سے آراستہ ہوا تھا، جو آج تک بھی جاری ہے۔ اس کو ایک اتفاق ہی کہا جائے گا کہ ''دبستانِ نعت'' کے جس شمارے میں یہ

مضمون شائع ہوا وہ 1437ھ میں منظر عام پر آیا۔ اگر پہلے سے ہی اس بات پر غور کرلیا گیا ہوتا تو میلادِ اکبر وارثی پر کچھ اور مضامین لکھوا کر اس کو میلادِ اکبر وارثی کا صدی نمبر قرار دیا جاسکتا تھا اور اگر ایسا ہو جاتا تو وہ موقع محل کے عین مطابق ہوتا۔

اب سال 1437ھ تو گزر گیا۔ اس بھول چوک کی بھرپائی اس طرح ہوسکتی ہے کہ 1337ھ مطابق تھا 19-1918ء کے، لہٰذا اب میلادِ اکبر کا صدی نمبر 19-2018ء میں شائع کیا جاسکتا ہے، جو سال عیسوی کے حساب سے درست ہوگا۔

ڈاکٹر نذیر فتح پوری نے میلادِ اکبر کی کئی خوبیوں کا ذکر مذکورہ مضمون میں کیا ہے۔ دو چار باتیں میں بھی عرض کرنا چاہتا ہوں۔ قطعہ تاریخ طباعت کتاب کے آخر میں ہوتا ہے، لیکن اتفاق کی بات کہ اس خوبی کا ذکر آغاز میں ہی آ گیا، کچھ مزید خوبیوں یا کیفیات کا ذکر بعد میں کر رہا ہوں۔

کتاب میں تقریباً صد صفحات ہیں اور ساری کتاب ذکر میلاد اور فضائل سے ہی متعلق ہے۔ مصنف زوائد سے دامن کش رہے ہیں بلکہ اختصار کا بھی خیال رکھا ہے۔ اگر کسی موقع پر ذکرِ میلاد کے لیے وقت کم ہو یا بہت کم ہو تو اس کو بہت تھوڑے وقت میں بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ چنانچہ قدیم ایڈیشن کے صفحہ نمبر 132 اور صفحہ نمبر 33 پڑھ کر بھی کام چلایا جاسکتا ہے۔ قیام کی حالت میں پڑھا جانے والا سلام بھی انہی دو صفحوں میں شامل ہے۔

میلادِ اکبر وارثی میں اکثر شعری کلام بھی مصنف یعنی اکبر وارثی میرٹھی کا ہی ہے، لیکن مستثنیات بھی ہیں۔ قطعہ تاریخ طباعت کے بارے میں عرض کیا جاچکا ہے کہ حافظ خلیل الدین صاحب کا عطیہ ہے۔ (قطعہ تاریخ مصنف کا ہونا ضروری نہیں بلکہ اکثر و بیشتر حالت میں یہ کسی دیگر شخص کا ہی ہوتا ہے)۔

علاوہ ازیں کچھ تضمینات بھی ہیں جو اکبر وارثی صاحب نے نظم کی ہیں جن غزلوں پر مصرعے لگائے ہیں وہ ان کے نہیں ہیں۔ اگرچہ وہ تعداد میں زیادہ نہیں ہے۔

صفحہ نمبر 22 پر خمسے کے چار بند ہیں مطلع یہ ہے۔

در مصطفیٰ سنگ موسیٰ نہیں ہے

یہاں عرض ہے، طورِ سینا نہیں ہے

یہ نعتیہ غزل حضرت بیاں میرٹھی کی ہے، جو شاید اکبر وارثی میرٹھی کے استاد بھی تھے۔ اکبر وارثی صاحب نے اس غزل پر مصرع لگا کر خمسے کی شکل مرحمت فرمائی ہے۔

صفحہ نمبر 59-60 پر مثنوی مولانا روم سے تین عدد معجزات سید خیر الانام کی تلخیص کی ہے۔

ان اشعار کا اردو میں ترجمہ بھی نہیں کیا ہے جو آج کل کے لحاظ سے ضروری ہوتا۔اس لیے کہ اب فارسی جاننے والے بہت کم ہیں۔

صفحہ نمبر 79-80-81 پر ایک خمسہ ہے، جس کی غزل بیانؔ میرٹھی کی تخلیق ہے۔اُس پر مصرع لگا کر تضمین اکبروارثی کی ہے۔صفحہ 85 پر حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ کی بیت ؎

بلغ العلیٰ بکمالہ　　کشف الدّجی بجمالہ
حسنُت جمیع خصالہ　　صلّوا علیہ و آلہ

پر تضمین کے چار چار مصرع لگا کر مسدس کے چھ بند تیار کر ترجیع بند بنا دیا ہے۔آخر میں فارسی شاعر حزیں کی بیت ؎

دو عالم بہ کاکُل گرفتار داری
بہ ہر سو ہزاروں سیہ کار داری

پر مصرع لگا کر 8 بند تحریر کئے ہیں۔ان میں پانچ بند مطلع ہیں یعنی ہر بند کے سبھی (6) مصرعوں میں ماری، کٹاری، ساری، بھکاری، پُجاری وغیرہ ہم قوافی رکھے ہیں۔اس سے تضمین پسندیدہ ہوگئی ہے۔اکبروارثی میرٹھی سلجھے ہوئے نثر نگار اور خوشگو شاعر تھے۔نثر میں جہاں کہیں کچھ خامیاں نظر آتی ہیں غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ سہو کتابت کی کرشمہ سازیاں ہیں۔نثر عام طور پر رواں اور اس عہد کے چلن کے مطابق ہے، جب وہ لکھی گئی تھی۔ایک صدی بعد زبان کا معیار بدل جانیاور تبدلِ زمانہ کے باعث ذوق اور معیار تبدیل ہو جانے کی وجہ سے نامانوس سی لگتی ہے مگر فہمائش اور تاثیر میں کچھ کمی نہیں ہے۔

اکبروارثی کو جیسی قدرت نثر پر حاصل تھی ویسی ہی شاعری پر بھی تھی۔میلادِ اکبر میں شامل شعری کلام میں خلوص، اثر اور جوش کی کارفرمائی آج بھی محسوس ہوتی ہے۔بطور نمونہ تین عدد فن پارے نقل کر رہا ہوں۔ ؎

تعظیم سے لیتا ہے خدا نام محمد ﷺ　　کیا نام ہے اے صلی علیٰ نام محمد ﷺ
قرآن میں، جنت میں، سرِ عرش، سرِ لوح　　کس شان سے خالق نے لکھا نام محمد ﷺ
مزّمّل و مدّثّر کہہ کہہ کے پکارا　　کس پیار سے لیتا ہے خدا نام محمد ﷺ
ڈرتا تھا گناہوں سے میں رحمت نے ندا دی　　غافل! تو کہیں بھول گیا نام محمد ﷺ
ان ناموں کے انعام میں مل جاتی ہے نعمت　　لو صبح و مسا نامِ خدا نام محمد ﷺ

اللہ کرے اُس پہ حرام آتش دوزخ — جس شخص کے ہو دل پہ لکھا نام محمد ﷺ
کیا ڈر ہے اگر قبر میں ہوں افعی و کژدُم — ہے امت عاصی کا عصا نامِ محمد ﷺ
آنکھوں میں بسے، دل میں رہے، ہونٹوں پہ آئے — طیبہ کی فضا، یادِ خدا، نام محمد ﷺ

اکبر تو بچا چاہے اگر نارِ سقر سے
سینے کے نگینے پہ کُھدا نام محمد ﷺ

آمدِ مصطفیٰ ﷺ سے پھولا پھلا چمن چمن — آئی بہار ہر طرف کھلنے لگا چمن چمن
شادی ہے ہر مقام میں، نخل ہیں سب قیام میں — ڈالیاں ہیں سب سلام میں، جھکنے لگا چمن چمن
کلیاں تمام کھل گئیں، شاخیں خوشی سے ہل گئیں — بلبلیں گل سے مِل گئیں ہنسنے لگا چمن چمن
چومتا ہے شجر شجر، تازہ ہوا ہے پھول پھول — سبز ہوئی روش روش، گل سے بھرا چمن چمن
ٹھنڈی ہوائیں آتی ہیں، کلیاں بھی مسکراتی ہیں — بلبلیں چہچہاتی ہیں، صلِّ علیٰ چمن چمن
بادِ خزاں کو چھانٹتی، خوشبو سے سب کو آنٹتی — پھرتی ہے عطر بانٹتی بادِ صبا چمن چمن

نعت میں قیل و قال ہو، مدحتِ ذوالجلال ہو
اکبر خوش مقال ہو، نغمہ سرا چمن چمن

جب کہ پیدا ہوا شاہِ زمن ہوگیا — اک جہاں غیرتِ صد چمن ہوگیا
وقتِ میلاد ہر غنچہ گلزار میں — خندہ زن خندہ زن خندہ زن ہوگیا
تخت اوندھے ہوئے اور ابلیس بھی — بے وطن، بے وطن، بے وطن ہوگیا
آپ کے فیض سے بحرِ فضلِ خدا — موجزن، موجزن، موجزن ہوگیا
چاک عشاق کا آپ کے ہجر میں — پیرہن پیرہن پیرہن ہوگیا
بت شکستہ ہوئے اور خطاب آپ کا — بت شکن، بت شکن، بت شکن ہوگیا
تم پہ قرباں ہمارا شہِ انبیا! — جان وتن، جان وتن جان وتن ہوگیا

آپ کے ہجر میں اکبر نیم جاں
خستہ تن، خستہ تن خستہ تن ہوگیا

بلاشبہ یہ اس کتاب کی خوبیاں ہی ہیں، جن کے باعث یہ ایک صدی سے اپنے ہم مضمون دوسری کتابوں سے زیادہ مشہور، معروف اور رائج ہے۔

○○○

ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری (یو پی)

فارسی ادب کا اوّلین قدآور نعت گو شاعر

اب تک کی دستیاب معلومات کی روشنی میں فارسی میں نعتیہ اشعار اوّلاً اوّلاً فردوسیؔ نے کہے ہیں، جن کی کنیت ابوالقاسم اور نام حسن بن شرف ہے۔ آپ کا شاعرانہ لقب یا تخلص فردوسیؔ ہے۔ موصوف عہدِ غزنوی کے مشہور شاعر ہیں۔ جنہوں نے ایران کی قومی داستان اور تاریخ کو زندگی بخشی اور فارسی زبان میں ایک نئی جان ڈال دی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ صرف غزنوی دور کے شاعر نہ ہو کر ایران کے بزرگ شاعر کہے گئے۔

عروضی سمرقندی نے ''چہار مقالہ'' میں ان کی ولادت صوبہ طوس میں تہران کے قریب باژ گاؤں میں بتلائی ہے۔ موصوف کے سن ولادت کے بارے میں شدید اختلافات ہیں لیکن شاہنامہ میں موجود داخلی شہادات کی روشنی میں ان کی ولادت 330ھ میں قرین عقل معلوم ہوتی ہے، ان کی وفات 411ھ میں ہوئی۔ ان کا ادبی شاہکار ان کا تخلیق کردہ شاہنامہ ہے، جس نے اپنے تخلیق کار کو زندہ جاوید بنا دیا۔

فردوسی نے شاہنامہ مذکورہ بالا میں نعت و منقبت میں مخلوط بتیس اشعار کہے ہیں۔ خالص نعت سے متعلق اشعار درج ذیل ہیں:

چو خواہی کہ یابی زہر بدرہا
سر اندر نیاری بدام بلا
بوئے درد گیتی زبد رستگاہ
نکو نام باشی ہر کردگار
بگفتار پیغمبرت را جوی
دل آز تیر گیہا بدیں آب شوی

تو را دین و دانش رہاند درست
رہ رستگاری بباید بجست

اس کے بعد حضرت ابوبکر کی منقبت اس طور پر کی گئی ہے کہ اس منقبت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی سے مدد لی گئی ہے۔

چہ گفت آں خداوند تنزیل وحی
خداوند امر و خداوند نہی
کہ خورشید بعد از رسولانِ مہ
نتابید برکس زبوبکر بہ

اس سے پیوستہ ایک شعر میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منقبت اور اس سے پیوستہ شعر میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منقبت کی گئی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منقبت میں لکھے گئے شعر میں حدیث نبوی سے استعانت کرتے ہوئے فردوسی یوں گرم سخن ہے:

چہارم علی بود جنت بتول
کہ او را بخوبی ستاید رسول
کہ من شہر علمم علیّم درست
دُرست ایں سخن گفت پیغمبرت

دَرَست اور دُرُست میں تجنیس محرف کا برجستہ استعمال قابلِ ستائش ہے۔ فردوسؔی نے اپنی اس نعتیہ کاوش میں منقبت کی ضمنی حیثیت رکھی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مطمحِ فکر نعت کو اوّلیت دینا تھا۔ اس طرح اس کے مخلوط 32 اشعار میں نعت کی فضا چھائی ہوئی ہے۔ اس نے خلفائے راشدین وصحابہ کرام کی مدح اس طرح کی ہے کہ اس سے بھی نعت کی حیثیت واضح ہوتی ہے۔ شگفتگی، روانی، مدلل انداز بیان، مدح کا مودّب پہلو، عقیدت ومحبت کا اظہار اور احادیث نبویہ سے لطیف استفادے کرنا۔ اس کی نعتیہ کاوشوں کے مابہ الامتیاز عناصر ہیں۔

شاہنامہ فردوسی میں نعت ومنقبت کے بتیس اشعار کو ''در ستائش پیغمبر و یارانش'' کا عنوان دیا گیا ہے۔ شاہنامہ کا پہلا عنوان ''گفتار اندر ستائش خسرو'' دوسرا عنوان ''گفتار اندر آفرینش جہان ومردم'' اور تیسرا عنوان ''در ستائش پیغمبر و یارانش'' ہے۔

فردوسی کی حیثیت ضمنی نعت گو کی ہے۔ لیکن سلجوقی دور کا حکیم سنائی درحقیقت پہلا نعت گو

شاعر ہے، جس نے نعت میں مختلف مضامین کو جگہ دے کر اس میں تنوع اور بوقلمونی پیدا کی۔ حکیم سنائی سے پیشتر کسی نے نعت میں اتنی پختگی، اتنی استواری، اتنی سلاست اور کلام کی اس قدر صفائی کے ساتھ اشعار نہیں کہے تھے۔

سلجوقی دور کی خصوصیت یہ ہے کہ اس دور میں صوفیانہ شاعری پروان چڑھی فارسی کی صوفیانہ شاعری میں سنآئی، عطاؔر اور رومؔی کو سرآمد روزگار سمجھا جاتا ہے اور ان تینوں میں حکیم سنائی کو گل سرسبد کی حیثیت حاصل ہے۔ وہ جس طرح مسائل تصوف نظم کرنے میں اولیت کا درجہ رکھتا ہے، اسی طرح وہ پہلا فارسی نعت گو شاعر ہے، جس نے نعت میں مختلف مضامین کو جگہ دے کر اس میں تنوع اور بوقلمونی پیدا کی۔ حکیم سنائی سے قبل کسی نے نعت میں اتنی پختگی، اتنی سلاست اور کلام میں اس قدر صفائی کے ساتھ اشعار نہیں کہے۔

ابوالمجد مجدود ابن آدم سنائی پانچویں صدی ہجری میں متولد ہوئے۔ راجح قول کے مطابق ان کا سنِ ولادت 427ھ۔1045ء اور سنِ وفات 545ھ 1150ء ہے۔

موصوف اپنے اوائل عمر میں غزنوی دربار سے منسلک تھے۔ بعد میں ایک مجذوب کی ملامت نے دل پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ انہوں نے دربار سے اپنے تعلقات منقطع کر کے صوفیانہ مسائل اور نعتیہ مضامین کو شعری جامہ پہنانے میں عمر عزیز صرف کر دی۔ حکام وسلاطین کی جھوٹی مدح سے زبان کو ملوث کرنے سے گریز کرتے ہوئے اپنی تمام شاعرانہ صلاحیتیں نعتِ نبوی میں صرف کر دیں۔

اے سنائی جز مدح ایں چنیں سید مگوئی
تا توانی جز بنام نیک او مکشائی دم
پیش علم و حلم و جود او کجا دارند پائی
عالماں را عالمیں و کوہ قاف و ابریم[۲]

اتنا ہی نہیں وہ کائنات کے ہر ذرہ اور عالم کی ہر شئی سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنی تمام صلاحیتوں کو ذات نبوی کی مدح کے لئے بروئے کار لائے وہ ہوا سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

''تو حضرت سلیمان کی خدمت کیوں کرتی ہے؟ (اپنی تمام ودائعِ خداوندی کو اس ذات اقدس پر کیوں صرف نہیں کرتی، جن کا نام نامی حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی پر کنداں ہے، جس پر ان کی ساری حکمرانی کا دارومدار ہے) اس نے کہا اسی لئے کہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آپ کی انگوٹھی پر ہے۔

باد را گفتم سلیماں را چہ خدمت کنی
گفت ازاں کش نام احمد بر خاتم بود[۳]

س کا عقیدہ ہے کہ مدحِ نبی ﷺ میں اپنا ہی فائدہ ہے۔نعت گوئی ارتقائی مراحل طے کرنے میں سلّم (سیڑھی) کا کام انجام دیتی ہے۔

اے سنائی از رہ جان گوئی مدح مصطفیٰ
تا ترا سوی سپہر بر تریں سلّم بود[۴]

سنائی نے ایک دیوان اور کئی مثنویاں بطور یادگار چھوڑی ہیں۔سنائی کی تمام مثنویوں کے مطالب صوفیانہ اور عرفانی مضامین سے پُر ہیں۔ان میں توحید، نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، منقبت صحابہ، ترک دنیا، ظاہر سے بیزاری، رجوع الی الباطن، خود پسندی اور غرور کے ترک کی تعلیم جیسے مضامین بیان کئے گئے ہیں، مگر ان کی تمام مثنویات میں حدیقۃ الحدیقہ سب سے زیادہ مشہور ہے۔یہ مثنوی ۵۲۵ء میں اختتام کو پہنچی تھی۔اس میں گیارہ ابواب اور دس ہزار اشعار ہیں۔نعت سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لئے حدیقہ کا مطالعہ اس لئے بھی ناگزیر ہے کیونکہ شاعر موصوف نے اپنے مذکورۃ العنوان شاہکار کے باب دوم میں صرف نعتیں جمع کی ہیں۔یہ نعتیں مختلف النوع مضامین کی حامل ہیں۔

کلیات سنائی میں مشمول نعتیہ قصائد کے مطالعہ حسب ذیل ہیں:[۵]

کفر و ایماں را ہم اندر تیرگی ہم در صفا
نیست دارالملک جز رخسار و زلف مصطفیٰ[۶]
روشن آں بدری کہ کمتر منزلش عالم بود
جزمِ آں صدرے کہ قبلہ‌ہرش حضرت اعظم بود[۷]

زہے پشت و پناہِ ہر دوعالم
سر و سالار فرزندان آدم[۸]

چوں بصحرا شد جمال سید کونین از عدم
جاہ کسریٰ ازو بعالم ہائی عزل اندر قدم[۹]

ای کشتہ زتابش صفائی تو
آئینہ روی ما قضائی تو [10]

جوئندۂ جان آمدہ ای عقل زہے کو
دلخواہِ جہاں آمدہ ای قوم فہی کو [11]

حکیم موصوف کی ایک نعتیہ کاوش جو 21 اشعار پر مشتمل ہے اور جس کا پہلا شعر ہے:

مرحبا ای رایت تحقیق را رایت حشم
رای تو شد حشم توفیق بفرازد علم [12]

اس لئے اہم ہے کہ شاعر نے اپنی اس کاوش میں مدح کے ضمن میں حضرت رسالت مآب ﷺ کے احسانات جاندار طریقے پر شمار کئے ہیں اور قرآنی تلمیحات شاعرانہ انداز میں بیان کی ہیں۔ صنائع لفظیہ و معنویہ کا استعمال فطری اور برجستہ ہے۔ شاعر کہتا ہے:

گر نبودی بود تو موجود کلی را وجود
حق بجاں تو نکردی یاد در قرآن قسم [13]
گر نخواندی رحمۃ للعالمیں ایزد ترا
در ہمہ عالم کہ دانستی صمد را از صنم
چوں لعمرک گفت اینجا جای دیگر والضحیٰ
کشتماں روشن کہ تو بوالقاسمی نہ بود الحکم
تا نسیم روی و مویت پردہ از رخ برمداشت
نہ ظلم از نور پیدا بود نہ نور از ظلم
عالمی بیمار غفلت اندر راہ لا
حق ترا از حقۃ تحقیق فرمودش نعم
کاں محمد روطبیب حاذق و صادق توئی
خلق کن با خلق و در نہ درویشاں را ادم

ہر کرا شربت بود شافی بدہ اینک قدح
ہر کرا حجت بود حاجت بخواہ انیک کرم

حکیم سنائی نے ایک دوسرے قصیدے میں آپ کی اولویت وافضلیت اس طرح بیان کی ہے:

سرور دوجہاں کار ساز حشر و نشر
آفتاب دیں محمد سید عالی ہمم

حکیم سنائی نے 79 اشعار کا ایک قصیدہ یحیٰ صاعد معروف بہ عارف ذرگر کی مدح میں لکھا ہے اور اس میں یہ جدّت طرازی کی ہے کہ قصیدہ کی تشبیب میں نعتیہ مضامین نظم کئے ہیں۔ تشبیب میں آمد ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کوئی تیز بہاؤ والا دریا ہے، جو روانی کے ساتھ بہہ رہا ہو۔ چند اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں۔

اے سنائی گر ہیچوئی زلطف حق سنا
عقل را قربان کن اندر بارگاہِ مصطفیٰ
ہیچ مندیش از چنیں عیاری ایرا بس بود
عاقلہ عقل ترا ایمان و سنت خوں بہا
مصطفیٰ اندر جہاں آنکہ کس گوید ز عقل
آفتاب اندر فلک آنکہ کسی گوید سہا
طوقداران الٰہی از زباں ذوق و شوق
عقل را در شرع او خوانند غمخوار کیا
در شریعت ذوق دیں یابی نہ اندر عقل از آنک
قشر عالم عقل دارد مغز روح انبیاء [۱۴]

قصیدہ مذکورۃ السبق کی تخلیص (گریز) میں قلم شاعر سے مثالی نعتیہ اشعار نکلے ہیں۔ تشبیہات اصل مدّعا کو واضح کرنے میں ممد و معاون ہیں، ان کا استعمال صرف محاسن شعری کے بطور نہیں ہوا ہے۔

صورت آدم ز احمد بود لیک اندر صفت
آدم از احمد پدید آمد چو ز آصف برخیا

جوہرش چوں ز اضطرار عقل ونفس اندر گذشت
گفت در کوشش کہ الرحمٰن علی العرش استویٰ
خاک آدم ز آفتاب جو در زین رخ شدہ است
عارف زاگرش خواند پردہ دار کبریا ۱۵؎

حکیم سنائی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ نعت میں منبعِ نعت سے جس قسم کی مدد چاہتا ہے اپنی شعری کاوش میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ہی اوصاف کا تذکرہ کرتا ہے، جو مستعان بہ سے مناسبت رکھتے ہوں۔ اسی طرح اس کے کلام میں معنوی مراعاۃ النّظیر کا استعمال ملتا ہے۔ شاعر کی یہ ادا اس کے کلام میں بلا کا اثر پیدا کر دیتی ہے۔ ساتھ ہی اس طور پر اس کے کلام میں منبع نعت سے متعلق سوانح حیاتی عناصر بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ مرقومہ ذیل اشعار بطور شہادت پیش کئے جاسکتے ہیں:

از زبان خود ثنائے گوئی مارا در عرب
تا زبان ماترا اندر عجم گوید ثنا
ہر کجا کام تو آمد افتخار آرد زمیں

ہر کجا عدل تو آمد انقیاد آرد سما
ای یتیمی کردہ اکنوں با یتیماں لطف کن
وی غریبی کردہ اکنوں با غریباں کن وفا ۱۶؎

سنائی بکثرت تلمیحات استعمال کر کے اپنے قاری کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنی معلومات کا دائرہ وسیع کرے۔ وہ قرآنی آیات اکثر بعینہٖ نقل کرتا ہے اور جہاں کہیں وہ تلمیحاتی استعمال میں قرآنی آیات بعینہٖ نقل نہ کر کے ان کے آزاد ترجمے نظم کرتا ہے۔ وہاں کلامِ سنائی سے کماحقہٗ مستفید ہونے کے لئے غیر معمولی دقّتِ نظر مطلوب ہوتی ہے۔ مثال میں حسب ذیل اشعار نقل کئے جاتے ہیں:

لاف نحن الغالبوں بسیار کس گفتند ز لیک
غالبو نشان کشت آمنا چو ثعباں تو عصا ۱۷؎

یا الم نشرح چہ گوئی مشکلی باشد بہ بند
با فترضیٰ، ہیچ عاصی در مقام غم بود

طاؤس سدرہ یکی پر کز ہما می دولتش
بر پر خود الست ازاں پر وحی را محرم بود
خضر کردہ چشمہ حیواں ازاں میکشت دیر
تا مکر دریا بدش یادی دمی ہم دم بود ۱۸؎

زہے پشت و پناہ پر دوعالم
سرو سالارِ فرزندانِ آدم
دلیل رایست ابراہیم آذر
منادی ملّتت عیسیٰ مریم ۱۹؎

نبودی گر برایت گفت ایزد
نہ آدم آفریدی و نہ عالم
کلاہ و تخت کسریٰ از تو نابود
سپاہ ملک و قیصر از تو درہم ۲۰؎

آیت نصر من اللہ چوں برآمد از عرب
آتش اند زد بجاں شیر یاران عجم
خاک پائے بوذرش از یک جہاں نو در بہشت
دزد نعلین بلال او را بہ صدر و ستم
ہمچو لاشہ سرنگوں آنکس کہ رو راگفت
وزسعادت بانعم شد آنکہ او را گفت نعم
چرخ اعظم آمدہ بیش قیامش در رکوع
کارم کسریٰ از و کسر و زجاہ او نجم

تا بیان شرع دینش را خداوند جہاں
یاد کرد اندر کلام خود نہ افزوں و نہ کم
صاقدین بوذر لا وہم قانتین مقدار بود
منفقین سلماں علی متفریں آمد بہم
برسما دارد چوں میکائیل و چوں جبرئیل دوست
بر زمیں دارد چو صدیقؓ و فاروقؓ خدم ۲۱

حکیم سنائی کی وہ نعتیں، جن میں وہ استعمال تلمیحات سے گریز کرتے ہیں، سادگی، صفائی سلاست اور سریع الفہمی میں اپنے آپ مثال ہوتی ہیں۔

مہتر اولاد آدم خواجۂ ہر دوجہاں
آنکہ یزدانش امامت داد برکل امم
از جلال و جاہ اقبالش خدائے ذوالجلال
نام اوپیش از ازل با نام خود کردہ رقم
سرورِ ہر دوجہاں و کارساز حشر و نشر
آفتاب دینِ محمد سید عالی مقام
مصطفیٰ و مجتبیٰ آں کز برائے خیر حال
درادای وحی جبریلش ندیدی متہم ۲۲

حکیم سنائی نے حدیقہ الحدیقہ کے باب ثانی کو نعت نبی کے لئے وقف کردیا ہے اور چودہ عنوانات کے تحت کافی جاندار نعتیں لکھی ہیں۔ حدیقہ میں شامل نعتیں منبع نعت کی حیات طیبہ کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالتی ہیں۔ ان نعتوں میں سوانح حیاتی عناصر بکثرت ملتے ہیں۔ سنائی کا یہ وصف قابل تحسین ہے کہ اس نے شاعرانہ واقعیت کے ساتھ تاریخی صداقت کا بھی لحاظ رکھا ہے اور واقعیت وحقیقت کا دامن ہر جگہ اس کے ہاتھ سے وابستہ رہا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حدیقہ میں شامل عنوانات سلسلہ وار لکھ دیئے جائیں اور ہر عنوان کے ذیلی مضمون کا بھی ہلکا سا تعارف کرادیا جائے تاکہ حکیم موصوف کی نعتیہ کاوشات کا ایک اجمالی خاکہ ذہن نشین ہوجائے۔

حکیم سنائی نے حدیقہ میں مرقوم نعتوں کے عنوانات باب دوم میں اجمالاً جمع کرتے ہوئے لکھا ہے۔

(1) فی فضیلة نبینا محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی سائر الانبیاء۔ (2) وفی معراجه۔ (3) وفی بداۃ ذاته۔ (4)وبدوشانه۔ (5)وفی منقبته۔ (6)و فی حسن خلقه۔ (7)وکرامته۔ (8)وانشراح صدره۔ (9)ومشیته۔ (10)واتباعه۔ (11) وبعثیه۔ (12)وارساله۔ (13) وفی الصلوٰة علیه۔ قال اللّٰہ تعالیٰ ان اللّٰہ و ملائکته یصلون علی النبیء یا ایها الذین آمنوا صلوا علیه و سلموا تسلیما۔ وقال اللّٰہ تعالیٰ و ما ارسلنٰك الا رحمة للعالمین و قال علیه السلام انا سید ولد آدم ولا فخر و آدم و من دونه تحت لوائی یوم القیامة ولا فخر۔

شاعر باب دوم کے مضامین کا دستور تعارف دے کر ہر ایک عنوان کے تحت نعتیہ مثنویاں لکھتا ہے۔ ہر مثنوی فارسی زبان وادب میں نقش اوّل ہونے کے باوجود معلوماتی ہے اور شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔مثنویوں کے عنوانات اس طرح ہیں:-

(1) فی معراجه صلوٰة الله و سلامه علیه۔ آغاز،ص:185۔

(2) فی فیضلته علی سائر الانبیاء۔ ص:190۔

(3) فی بدایة ذاته علیه السلام۔ ص:191۔

(4) فی کرامته علیه السلام۔ ص:192۔

(5) فی اتباعه علیه السلام۔ ص: 196۔

(6) فی انشراح صدره علیه السلام۔ ص:199۔

(7) فی مشیته صلوٰة الرحمن علیه۔ ص:200۔

(8) وما ارسلنٰك الا رحمة للعالمین۔ ص: 202۔

(9) فی الصلوٰة علیه۔ ص:205۔

(10) فی بدوشانه۔ ص:207۔

(11) فی منقبته علیه السلام۔ ص:220 ۔

(12) فی بعثه وارساله علیه السلام۔ ص:226۔

(13) فی حسنه خلقه۔ ص: 231۔

(14) فی فضیلته علی سائر الانبیاء و معراجه۔ ص:238۔

جملہ انبیائے عظام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تقدیم بالشرف کی بابت جو ابیات کہے گئے ہیں، وہ صاف وسادہ ہیں اور ان میں کہیں بھی تقلید، گنجلک اور پیچیدگی نہیں ہے۔

شاعر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کی درمیانی نسبت کو کہیں استاد وشاگرد، کہیں مہندس ومزدو، کہیں عقل وسر اور کہیں نبی وولی کے تفاوت کو دکھلا کر واضح کیا ہے:

او سری بود و عقل گردن او
او ولی بود و انبیاء تن او ۲۳

حکیم سنائی ایک مقام پر آپ کی فضیلت ظاہر کرتے ہوئے استعارہ کا سہارا لے کر کہتا ہے:

فیض فضل خدا دایۂ او
فر پر ہمائی سایۂ او ۲۴

حدیقہ کے باب دوم میں معراج پر مستقلاً اشعار کہے ہیں۔حکیم سنائی فارسی زبان وادب کا پہلا شاعر ہے، جس نے نعت کے ضمن میں معراج نامے داخل کیے۔اس کے بعد تقریباً نعت کے ہر بڑے شاعر نے نعت کے تحت معراج نامے لکھے۔اور اس طرح شعرائے نعت نے معراج سے متعلق جملہ جزئیات جمع کردیں۔

معراج کے لغوی معنی زینہ ہے۔عرف عام میں ی ءرجب کی ستائیویں شب کو سنہ 10 ھ میں نبی آخرالزماں ﷺ کے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ ۲۵ اور وہاں سے آسمان ۲۶ اور پھر اس کے آگے عجائب ملکوت ۲۷ و غرائب قدرت کا مشاہدہ کرتے ہوئے ملاء اعلیٰ تشریف لے جانے اور خالق کائنات سے شرف ۲۸ ملاقات حاصل کرنے اور دیدار الٰہی سے مستفیض ۲۹ ہونے کے واقعہ کو معراج کہتے ہیں۔لفظ معراج کا مادہ عرج ہے۔چونکہ احادیث نبویہ میں الفاظ ''عرج بی'' استعمال فرمائے گئے ہیں۔اس لئے اس واقعہ مبارکہ کے لئے لفظ معراج خاص ہوگیا۔لفظ معراج کے معنیٰ زینہ بھی ہیں۔چونکہ عروج وارتقا منزل بمنزل ہوا۔لہٰذا واقعۂ باطنی کے لئے یہ تشبیہ ظاہری بھی خوب ہے۔۳۰

ذکرِ معراج میں شاعر نے سب سے پہلے وہ تلمیحات استعمال کی ہیں، جن کا استعمال مابعد کے شعراء کے یہاں سرمایہ افتخار کے طور پر ملتا ہے۔مقالہ میں ذیل کے اشعار میں موجود تلمیحات پیش کی جاسکتی ہیں:-

دوجہاں پیش ہمنشیں بدوجو
سرما زاغ البصر و ما طغیٰ بشنو

شدہ از صخرہ تا سوئے رفرف
قاب قوسین لطف کردہ بکف
قامت عرش با ہمہ ششش
ذرہٗ پیش ذروہٗ ششش
بر نیادہ خدای در معراج
برسر ذاتش از لعمرک تاج
بافترضیٰ دل تباہ کر است
بالعمرک غم گناہ کر دست ۳۱
ہمتش الرفیق الاعلیٰ جوی
عزّتش لا بنی بعد ی گوئی ۳۲

عالم خاکی سے آپ کے جسمانی افتراق کی ابتدا شاعرانہ انداز میں بیان کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے:

برنہادہ ز بہر تاج قدم
پا می بر فرق عالم و آدم ۳۳
پای او تاج فرق آدم شد
دست او رکن علم عالم شد ۳۴

شاعر نے کس قدر بلیغ انداز میں معراج کے مفہوم کی وضاحت صرف ایک شعر میں کی ہے:

بار گیرش سوِ ازل معراج
نردبانش سو ابد منہاج

اس نے کس قدر ایجاز کے ساتھ معراج کا اجمالی خاکہ صرف ایک شعر میں کھینچتے ہوئے کہا ہے:

در شب از مسجد حرام بکام
رفتہ و دویدہ و آمدہ بمقام ۳۵

سنائی کے معراج نامہ میں ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں معراج کی تفصیلی جزئیات نہیں ملتیں، لیکن خالص نعت کے اشعار تعداد میں زیادہ ہیں۔ حکیم سنائی کی بداعتِ اظہار اور تشبیہات و استعارات کا برمحل استعمال سامعہ کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتا۔

چشم جمشید ماندہ در ابروش
قرص خورشید حیرہ گیسومش
رنگ رخسارۂ زحل کامش
نقش پیشانی قمر نامش
شرف اہل حشر فتراکش
لوح محفوظ ملک ادراکش
بودہ در مکتب حکیم و علیم
لوحِ محفوظ برکنار مقیم ۳۶

"لولاك لما خلقت الافلاك" کے جانے پہچانے مضمون کو بداعت اسلوب ہی نہیں جاذب سامعہ بنادیا۔

غرض عالم آدم از
اوّل غرض آدم احمد مرسل ۳۷

آپ کی فضیلت میں لکھی گئی نعتوں کا انداز مدلل ہے۔ شاعر جملہ انبیاء علیہم السلام پر آپ کے تفوّق کی ایک دلیل یہ بتلاتا ہے کہ ہر شریعت کے لئے کہنگی و تنسیخ ہے۔ جب کہ آپ کی شریعت مطہرہ کے لئے نہ کہنگی ہے اور نہ تنسیخ۔

تیغ و قرآں درا شدہ معجز
نشود شرع او خلق ہرگز ۳۸

بدایت ذات کو موضوع بنا کر جو نعتیہ اشعار کہے گئے ہیں، ان میں آپ کے ظہور میمنت لزوم اور اس کے عواقب و اثرات نیز عصری کوائف کا بیان حسین ولطیف اور دلکش استعارات کا سہارا لے کر کیا گیا ہے۔

حکیم سنائی میلادنامہ کا موجد ہے۔ بعد کے شعراء بالخصوص شعرائے اردو نے بہت سے میلادنامے لکھے اور اس میدان میں بھی اپنی طبیعت کی جولانیاں دکھلائی ہیں۔

دیدہ از چشم دل بنور احمد
از دریچہ ازل سرافی آید

شد ز تابش نشانہ کسریٰ
سر ایوان طارم کسریٰ
پای کویاں عروس عشق ازل
سرنگوں اوفتادہ لات و ہبل
دادہ دادش ہمہ خلائق را
عزّ معشوق و ذلِ عاشق را
رفتہ از اقتداش تا عیوق
زشت و نیکو و لاحق و مسبوق

شاعر نے آخری شعر میں اقتدا ''لاحق'' اور ''مسبوق'' کی فقہی اصطلاحات جمع کردی ہیں۔ اس طرح شعر معرض بحث میں صنعت مراعاۃ النظیر کا استعمال بے حد فطری انداز میں برجستہ ہوا ہے۔ ایسا متصوّر ہوتا ہے کہ شاعر کے یہاں صنعت کا استعمال نہیں ہو رہا بلکہ صنعت خود شعر کے اندر آ گئی ہے یا شعر خود صنعت کے اندر چلا گیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامت کے اظہار میں لکھے گئے ابیات خالص نعت کے اشعار ہیں۔ اس عنوان کے تحت وارد ابیات میں سے پہلے بیت میں شاعر نے صنعت تلمیح سے امداد لیتے ہوئے تقابلی انداز میں آپ کے عہد مبارک کی تعریف اس طرح کی ہے۔

گر ملک دیو شد گہ آدم
دیو در عہد او ملک شد ہم [۳۹]

سنائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ آنکھ، زبان تو زبان آپ کی ابرو پر بھی ''نہیں'' لفظ کبھی نہیں دیکھا گیا۔

ہیچ سائل بخشندی و بخشم
لا در ابروی او ندیدم چشم [۴۰]

سنائی کا کہنا ہے کہ جبرئیل آپ کی خاک راہ بن کر ہی شاہنشہ ملائک بن سکے۔ آپ کا ذکر

خیر ارواح ملائک کے لئے غذا ہے:

جبرئیل از کرامتش در راہ
بر ملک جمع گشتۂ شاہنشاہ
طیب ذکرش غذای روح ملک
طول عمرش مدار دور فلک

شاعر حضرت آدم کے تقدم بالزّماں اور آپ کے تقدم بالشرف کو ظاہر کرتے ہوئے کہتا ہے:

پدر ملک بخش عالم او
پسر نیک بخت آدم او
آدمی از وی پسر پدر گشتہ
وز نجابت دراپسر گشتہ
چشم روشن شدہ از آدم
جان او از چناں پسر خرم [۴۱]

معرض بحث نعتیہ مثنوی کے آخری دو بیت جو کہ درج ذیل ہیں، مضمون کے اعتبار سے حاصل ابیات ہیں، اور مثنوی میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔

منفرد بخطّہ ملکوت
متوحد بفرت جبروت
جان او بر پریدہ ز آب و زگل
دوست را دیدہ از دریچۂ دل [۴۲]

شاعر نے اتبّاع کے عنوان کے تحت، جو اشعار حوالۂ قرطاس کئے ہیں، وہ اس اجمال کی تفصیل کے سلسلے میں ہیں کہ نبی کی اتبّاع خلائق خداوندی پر اس لئے بھی لازم ہے کہ کائنات اپنے وجود میں آپ کی رہینِ منت ہے۔ عالمِ آب وگل پر آپ کے اتنے احسانات ہیں، جو حیطۂ اعداد سے باہر ہیں۔

آدمی زندہ انداز جانش
انبیاء گشتہ اند مہمانش

آنکہ شب را سپید موی کند
کی سخن را سیاہ روی کند

اسی ضمن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی معجزات نظم کیے گئے ہیں۔ آتش کسریٰ کے سرد ہو جانے والے واقعہ کو نظم کرتے ہوئے حکیم سنائی کہتا ہے:

آتش کسریٰ از تفش بگریخت
جانِ خود زیرِ پائے اسپش ریخت۴۳

شاعر نے اتباع کے ذیلی عنوان کے تحت آپ کے اوصاف حسنہ اور خصائل حمیدہ بیان کئے ہیں۔ تلمیحات کا استعمال بھی برجستہ اور فطری ہے:

یافتہ دین حق بدو تعظیم
خلق او را خدای خواندہ عظیم ۴۴

گاہ گفتی جہاں مرا ست تبع
گاہ گفتی رجوع گاہ اشبع ۴۵

اس شعر میں مصابیح میں مرقوم مندرجہ ذیل حدیث کی جانب تلمیح ہے:

قال عرض علی رب لیجعل لی بطحا ملکۃ ذھباً فقلت لا یا ربی و لکن اشبع یوماً و اجوع یوماً فاذا جمع تفرع الیك و ذکرتك و اذا شبعت حمدتك و شکرتك۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پروردگار نے میرے سامنے یہ بات رکھی کہ وہ میرے لئے مکہ کے بطحا کو سونے کا کردے۔ میں نے جواباً عرض کیا نہیں میرے پروردگار! میں ایک دن بھوکا اور ایک دن شکم سیر رہنا چاہتا ہوں تاکہ بھوکا رہنے پر آپ کے سامنے گڑگڑاؤں اور آپ کا ذکر خیر کروں اور آسودہ ہونے پر آپ کی حمد کروں اور آپ کا شکر ادا کروں۔

شق القمر کے معجزہ کو نظم کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے:

آں بنالی کہ کردہ مہ بدونیم
کی کشیدی زخامہ حلقہ میم ۴۶

انشراح صدر سے متعلق ابیات بہت سے اچھے نعتیہ اشعار کے حامل ہیں۔ انبیائے ماسبق میں سے ہر ایک موقر اور صاحبِ عظمت ہے۔ لیکن جب ان کی عظمت و وقار کی نسبت آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وتوقیر سے کی جائے، تو دونوں کے مابین کوئی تناسب سمجھ میں نہیں آتا۔ اس تناسب کا لفظ صفر سے اظہار بہت پر مغز اور بلیغ ہے۔

انبیاء گرچہ محتشم بودند
ہر یکے صفر آں رقم بودند ۴۷

صفر کی حیثیت صرف اسی وقت ظاہر ہوتی اور بڑھتی ہے، جب اس کے ساتھ کوئی ہندسہ آ جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہندسہ ہیں اور سارے انبیاء آپ کے صفر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ صفر کی حیثیت سے عالم انسانی میں آتے رہے اور آخر میں نبی آخرالزماں نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے ہندسے کی شکل میں جلوہ افروز ہو کر ہر صفر کی وقعت واہمیت واضح کر دی۔ صفر کے ساتھ اگر ہندسہ نہ آئے، تو وہ صفر محض ہے۔ شعر مذکورہ بالا نبی آخرالزماں کے تقدم بالعلیۃ، تقدم بالوجود اور تقدم بالشرف کو ظاہر کرتا ہے۔

شاعر نے مشیّت کے ذیلی عنوان کے تحت عقل ونقل کا سہارا لے کر بہت سے جاندار ابیات کہے ہیں۔ پورے ذیلی باب کے کلیدی ابیات دو ہیں، جو کہ رقم ذیل ہیں:

پیش او گوش کشتہ عقل ہمہ
پس از وفاش گشتہ نقل ہمہ
ہر مصالح کہ مصطفیٰ فرمود
نقل داند کہ گوش باید دید ۴۸

آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم کے لئے رحمت بن کر تشریف لائے۔ شاعر نے اس مضمون پر لکھے گئے ابیات کا عنوان کلام الٰہی سے مستعار لیا ہے۔ اس سلسلے کے اشعار میں متنوّع انداز میں اوّلاً یہ بات واضح کی گئی ہے کہ آپ کی ذات بابرکات موجودات عالم کے لئے رحمت ہے۔ کوئی متنفس اپنا اتنا خیر خواہ اور خیر اندیش نہیں ہو سکتا، جتنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے ہیں:۔

برتر از نفس تو رحیم ترست
در شفاعت ازاں کریم ترست

شاعر مطالبہ کرتا ہے کہ ایسے رحیم وکریم کی اتباع بغیر چوں چرا کرنا چاہئے:

ہر چہ او گفتہ امر مطلق داں
و آنچہ او کردہ حق داں ۴۹

حکیم موصوف نے حدیث نبوی "**مثل امتی کمثل الغیث لا یدری اوّله خیر ام آخره**"۵۰ کو کس لطیف پیرائے میں شعری جامہ پہناتے ہوئے مرقومہ ذیل بیت کہا ہے۔

امّتانش چو قطرۂ باراں
کاوّل و آخرش بود چو میاں

''فی الصلوٰۃ علیہ'' کے ذیلی عنوان کے تحت مرقومہ نعتیہ ابیات، شاعر کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت وعقیدت کے مظہر ہیں۔ مخلص عقیدت نے کہیں کہیں شاعر کے انداز بیان کو تحکمانہ بنادیا ہے:

خاک او باش و بادشاہی کن
آں او باش و ہرچہ خواہی کن

شاعر کا عقیدہ ہے کہ ہر وہ فرد، جو اس کے دربار کا خاک نہیں ہوا، ذلیل ہے، خواہ فرشتہ ہی کیوں نہ ہو:

کانکہ او خاک نیست بردر او
گر فرشتت خاک برسر او

عقل وجان دولت احمدی سے مشرف ہوکر زندہ جاوید اور امر ہوجاتی ہیں:

عقل و جاں را بدولت احمد
از بقا ساختند جیش ابد ۵۱

شاعر نے آپ کی شان ظاہر کرنے میں جتنی تلمیحات استعمال کی ہیں، اتنی تلمیحات اس نے کسی بھی نعتیہ کاوش میں استعمال نہیں کیں۔ تلمیحات مذہبی ہیں اور ان میں بھی اکثر قرآنی ہیں۔ اسی لئے اکثر اشعار میں صنعت تلمیح کا استعمال ملتا ہے۔

انظروا کیف مسرف الاندار
واذکروا از معرّف الاسرار

پہلے مصرع میں آیت **فانظر کیف کان عاقبة المنذرین**۔
(سورہ یونس۔ 1، ع-8/ 12)

اور دوسرے مصرع میں آیت **یا ایھا الذین آمنوا اذکروا اللّٰه ذکراً کثیراً وسبحوه بکرة و اصیلا**۔ (سورہ الاحزاب-6۔ ع-5/ 2) کی طرف اشارہ ہے۔

اهبطوا امر آمد از قرآن
پا غش ربنا ظلمنا خواں

پہلے مصرع میں "**قلنا اهبطوا بعضکم بعض عدوٌ و لکم فی الارض مستقر و متاع الی حین**" (سورہ بقرہ-9ع-3/3)اوردوسرے مصرع میں "**قالا ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفرلنا و ترجمنا لکنونن من الخاصرین**" کی طرف اشارہ ہے۔

ان شر الدواب مختصراں
اہل حسن المآب معتبراں

پہلے مصرع میں "**ان شر الدواب عند اللّٰہ الصم البکم الذین لا یعقلون**" (قال الملاء انفال:9۔ع-3/16)اوردوسرے مصرع میں "**الذین آمنوا و عملوا الصالحات طوفیٰ لهم و حسن مآب**" کی طرف اشارہ ہے۔

اسی طرح حکیم سنائی نے بہت سے اشعار میں قرآنی آیات بطور تلمیح استعمال کی ہیں۔

شاعر نے حضرت نوح، خلیل، موسیٰ، عیسیٰ، ابن مریم، ادریس، خضر، ذوالنون، صالح، لوط، ہود، یوشع، سلیمان، اسحاق، اسمٰعیل، یعقوب، یوسف، شعیب علیہم السلام۔ انبیائے ماسبق کی مایہ الامتیاز تحقیقات کا تذکرہ کرتے ہوئے شاعرانہ انداز بیان میں ثابت کیا ہے کہ وہ سب کے سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرہون منت ہیں۔ اس نعتیہ مثنوی کا بیت اوّل مع اس بیت کے، جس کو راقم الحروف ذیل میں بیت اوّل کے بعد حوالۂ قرطاس کر رہا ہے، ساری مثنوی میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔

انبیاء آسماں پیادہ شدند
وزو سادہ بسوے سادہ شدند۵۲

(بیت اول)

رفعت ادریس از ثنائے تو یافت
سدرہ جبرئیل از برائے تو یافت ۵۳

پوری مثنوی میں "**لولاك لما خلقت الاخلاك**" میں مخفی بنیادی خیال کی وضاحت کی گئی ہے۔ شاعر کا عقیدہ ہے کہ عرش کو رفعت اور بلندی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی وجہ سے ملی ہے:

شرف قاب اذاں نقاب فزود
رفعت عرش رتبت از تو ربود ۵۴

آپ کی نعت خوانی کے لئے زمانہ کے درمیان سے جمعہ، بیض، عید، لیلۃ القدر، اور شب برأت، مکان کے درمیان سے مکہ، یثرب، حرا اور حرم آئے:

از زماں آمدند بہر ثنات
جمعہ و بیض و عید و قدر و برات
و زمکاں آمدند قدہا خم
مکہ و یثرب و حری و حرم ۵۵

کائنات اور کائنات کی ہرشئ آپ ﷺ کے علو مکانی و رفعت شانی کے مظاہر ہیں۔

ہفت سیّارہ و دوازدہ برج
شدہ نام ترا خزانۂ درج ۵۶

منقبت پر کہے گئے نعتیہ ابیات میں قابل رقم بات یہ ہے کہ شاعر نے لفظ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت لطیف تشریح کی ہے۔

گویدت معنی محمد راست
ح و مدّست و ہر دو برّ و عظات
محمد کفر از سرا می پردہ دیں
مدا طناب شرع تا برد ۵۷

حکیم سنائی نے ایک دوسرے مقام پر حروف صاد، دال، عین اور شین کی تشریح اس طرح کی ہے:

صاد و دال آب داد صادق را
عین و شین عشوہ داد عاشق را ۵۸

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے پر تبصرہ کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے:

روئے از خوب و رائے او ثاقب
ازش خوندہ حاشیہ و عاقب ۵۹

اسی ضمن میں راقم الحروف یہ عرض کر دینا چاہتا ہے کہ مرقومہ ذیل بیت کا مصرع اوّل نبی آخرالزماں کی بلندی ظاہر کرتا ہے جب کہ مصرع ثانی ایسا کرنے سے قاصر ہے۔ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کا مرتبہ تو اس سے یقیناً بلند ہوا کہ انھوں نے نبی آخرالزماں کو اپنا خسر پایا لیکن منبع نعت کے علو مکان کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علی کا خسر ہونا کوئی اہمیت نہیں رکھتا، لیکن

اتنی بات تو اہم ہے ہی کہ باب بیت العلم کی ہر ایسی شخصیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داماد تھی۔

مفخر جملہ انبیا او بود

خسر و میر مرتضٰی او بود ۶۰

نعتیہ ابیات کے درمیان گوش و زبان کا تذکرہ آیا، تو حکیم سنائی نے ہر دو اعضاء پر کئی لطیف و بلیغ اشعار کہہ دیئے، اس کے بعد اس نے اصل مدّعا کی جانب گریز کرتے ہوئے بیت مندرجہ ذیل کہا ہے اور پھر نعت خوانی میں منہمک ہو گیا:

باز گشتم بہ نعت سید قاب

بر گرفتم زروی عذر نقاب ۶۱

اس طرح شاعر موصوف نے مثنوی میں قصیدہ کی شان پیدا کر دی ہے۔

بعثت و رسالت کے سلسلے میں شاعر نے بتلایا ہے کہ بے خودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تخت، بے کلامی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تاج، رعب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر اور معراج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرکب ہے۔

بیخودی تخت و بے کلامی تاج

لشکرش رعب و مرکبش معراج ۶۲

رسالت کے سلسلے میں حضرت جبرئیل کی شخصیت اس لئے اہم ہے کہ وہ ذات خداوندی و مرسل الیہ کے مابین فرائض پیغام رسانی انجام دیتی ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام اکثر بشکل حضرت دحیہ کلبی ادب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے حاضر خدمت ہوتے تھے۔ ذیل کے ابیات میں مناظر مرقع نگاری لائق تحسین ہیں:

پشت احمد چو کشت محرابی ۶۳

پیش روی آمدی چو اعرابی ۶۴

جبرئیل از پئی دعا کردن

راست انگشت و خم سر و گردن ۶۵

کہ نمودی چو شرقی از عربی

رای او را روی دحیۃ الکلبی

واضح ہو کہ حضرت دحیہ الکلبی بہت توانا حسن و جمال کے مالک تھے۔ "**ومن احسن من**

الله صبعة" کے نگار خانہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال کی آرائش کی گئی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ ﷺ کے ایمان کی دعا مانگتے ہوئے فرمایا تھا۔"**اللھم ارزق دحیة الکبی الاسلام**" (خدایا! دحیہ الکلبی کو اسلام کی دولت سے نواز دے)۔

شاعر نے بیان کیا ہے کہ اجرام فلکی نے اپنے بیش بہا خزانے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار کر دیئے۔ اس سلسلے کے صرف تین ابیات منقول ہیں:

زحلش کردہ زیر پای نثار
ہمت و ذہن و حفظ و فکر وقار
دادہ مریخش از برائے خطر
مجد و اقدام و عزم و زور و ظفر
شمس پیشش کشیدہ بہر جمال
رفعت و قدرت و بہاء و جلال ۶۶

شاعر نے اپنی مذکورہ بالا مثنوی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے براہ راست عواقب و اثرات یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ ایک مقام پر کہتا ہے:

جملہ یارانش جاں فدی کردہ
لفظ او روز و شب غذی کردہ
جاہ او ہم رکاب علّیین
دین او ہم عنان یوم الدین ۶۷

حکیم موصوف نے غزوۂ احد کا بھی خاکہ کھینچا ہے اور غزوہ مذکورہ کے کئی جزئیات اور جزئی واقعات اس ڈھنگ سے بیان کئے ہیں کہ وہ ایک کامیاب مرقّع نگار اور کامراں منظر نگار نظر آتا ہے۔

مثلہ افگندہ حمزہ در میداں
ہمچو ہفتاد زاں جوانمرداں
خواجہ ابلیس نعرہ زن برکوہ
کانیت فخی بزرگ و کاہ شکوہ
کشتہ شد نقطۂ امید و امل
روی یاراں بہ پشت کشتہ بدل

ہند ہند و نہادہ برسرِ کوہ
کافراں پیش او گروہ گروہ ۶۸ے

سنائی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق پر کلیدی بات صنعت محرف کے فطری اور برجستہ استعمال کے ساتھ اس طرح کہی ہے:-

خلق او خلق را نوید گرست
نو رماہ از فروغ جرم خورست ۶۹ے

حکیم سنائی نے آپ کے اخلاق حسنہ پر مرقومہ نعتیہ مثنوی کا افتتاح شاعرانہ انداز میں اس طرح کیا ہے:

عندلیباں باغ آن خوشخوی
در ترنم تبارک اللہ گوی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرع کی تعریف اس انداز سے کی گئی ہے کہ وہ بداعت اسلوب کے ساتھ مراعاۃ النظیر کی صنعت سے مالا مال اور استعارات کے حسن سے مزین ہے۔ نیز فلکی اصطلاحات کسوف وخسوف کا استعمال بھی لطیف ہے۔

ماہ راہش خسوف پنذیرد
شمس سرعش کسوف پندیرد ۷۰ے

اسی نعت میں ایک دوسرے مقام پر شرع کی تعریف، فقہی اصطلاح قیاس واستحسان کا سہارا لیتے ہوئے اس طرح کی گئی:

شرع او در بصیرت و احساں
بر تراست از قیاس و استحساں ۷۱ے

نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بڑا وصف یہ تھا کہ اپنے اوصاف حسنہ اور خصائل حمیدہ سے دوسروں کو متاثر کرتے تھے، بوڑھوں کو جوانوں کا سوز وساز اور مٹّی کو پانی کی سی آب وتاب عطا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بے نظیر لیاقت سے کل روئے زمین کو مسجد بنا دیا۔

شیخ را سوز و ساز دادہ چو شباب
خاک را آبرو دادہ چو آب

از همه بنده بود از سرجد
همه عالم زپای او مسجد ۲؎

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جان کی زکوٰۃ اونٹوں کی شکل میں ادا کی گئی۔ بارگاہ ایزدی سے عبداللہ بن عبدالمطلب کی قربانی کی جگہ اونٹ کی قربانی قبول ہوئی۔

از پی جان آں سر سادات
اشتر بار کش بداده زکات ۳؎

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی برتری اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدر ومنزلت کے تفوق کے سلسلے میں حتمی بات کہتے ہوئے شاعر کہتا ہے:

در ره مصطفیٰ ژندی نیست
برتر از قدر او بلندی نیست ۴؎

حکیم سنائی نے جملہ انبیائے عظام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کے عنوان سے جو نعتیہ کاوش سپرد قلم کی ہے، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تفوق کو واقعہ معراج سے ثابت کیا گیا ہے اور یہ دکھلایا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام سے بھی آگے گئے۔ جہاں حدث کی گنجائش نہیں ہے اور جہاں صرف قدم کا گزر رہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے منتہائے حدث پر پہنچ کر عرض کیا تھا:

پیش ازیں مر مرا مجال نماند
حدیثاں را زبان قال نماند ۵؎

اسی نعت میں ایک دوسرے مقام پر جبرئیل علیہ اسلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح ہمکلام ہوئے:

زاں مقامیکه من بماندم بس
نرسد ہیچ و ہم خاطر کس ۶؎

اس طرح حکیم سنائی نے باوجود یہ کہ ان کے سامنے ایرانی ادبیات میں نعتوں کے نمونے نہتھے، پختہ، کامیاب شاندار اور جاندار نعتیں لکھی ہیں۔ وہ بایں معنیٰ فارسی زبان کے پہلے نعت گو شاعر ہیں کہ انہوں نے نعت میں تنوّع اور بوقلمونی کی اور نعت پر مختلف عنوانات کے تحت اشعار کہے۔ ان کی نعتیہ کاوشوں میں پیغمبر اسلام کی حیات طیبہ سے متعلق اتنے عناصر ہیں کہ اگر ان کو

منظّم طور پر یکجا کرلیا جائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس سوانح حیات کا ایک خاکہ مرتب ہوجائے گا۔اس کی نعتوں میں جذبات کی صداقت،عقیدہ کی پختگی اور خلوص کی حکمرانی ہےاس کی اکثر نعتوں کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جذبات وعقیدہ کا ایک دریا ہے، جوٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ وہ پہلا شاعر ہے، جس نے نعت پر باقاعدہ طبع آزمائی کرکے، اسے ایک صنف سخن بنانے کی کوشش کی، اس نے نعت میں سب سے پہلے معراج نامے اور میلاد نامے داخل کئے۔نعت کے باب میں وہ اس لئے بھی سدا یاد رکھا جائے گا۔کیونکہ اس نے سب سے پہلے مدح خیر المرسلین کے لئے لفظ''نعت'' استعمال کیا ہے۔اس کے بعد مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس لفظ کی اتنی ترویج ہوئی کہ فارسی اور اردو ادب میں نعت کے اصطلاحی معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلقات ومنسلکات کا تعارف نیز ان کی تعریف وتوصیف قرار پائے۔سنائی نے سب سے پہلے شعر کے جامے میں کہا تھا:

در سخن جز نام او گفتن خطا باشد خطا
در ہنر جز نعت او گفتن ستم باشد، ستم

حواشی:-

۱ شاہنامہ فردوسی جلد اول: فردوسی، صفحہ-4،مطبوعہ نامی پریس منشی نول کشور،لکھنؤ۔
۲ کلیات سنائی: حکیم سنائی،ص-56،مطبع برجیس بمبئی شوال المکرّم 1328ھ۔
۳ کلیات سنائی،ص-24۔ ۴ کلیات سنائی،ص-24
۵ کلیات سنائی،ص-24۔ ۶ کلیات سنائی،ص-10۔
۷ کلیات سنائی،ص-23۔نوٹ: اس قصیدہ میں نعت ومنقبت کا اِدُغام ہے۔
۸ کلیات سنائی،ص-58۔ ۹ کلیات سنائی،ص-55۔
۱۰ کلیات سنائی،ص-86۔ ۱۱ کلیات سنائی،ص-86۔
۱۲ کلیات سنائی،ص-82۔ ۱۳ کلیات سنائی،ص-82۔
۱۴ کلیات سنائی،ص-7۔ ۱۵ کلیات سنائی،ص-7۔
۱۶ کلیات سنائی،ص-10و11۔ ۱۷ کلیات سنائی،ص-11۔

۱۸ کلیات سنائی، ص:23۔ ۱۹ کلیات سنائی، ص:58۔
۲۰ کلیات سنائی، ص:59۔ ۲۱ کلیات سنائی، ص:56۔
۲۲ کلیات سنائی، ص:56۔ ۲۳ کلیات سنائی۔ ص:183۔
۲۴ کلیات سنائی۔ ص:184۔
۲۵ **سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی بارکنا حولہ۔**
۲۶ حدیث نبوی: **انه قال فی روایة اسریٰ بی الی السماء ترینی ربی حتی کان بینی و بینه کتاب قوسین اور ادنیٰ۔** جلالین شریفین، ص:437، حاشیہ نمبر-16۔
۲۷ **لقد رای من آیت ربه الکبریٰ، قال فما خطبکم۔** سورہ النجم-21، ع-2/4۔
۲۸ **فکان قاب قوسین او ادنیٰ فاوحیٰ الی عبده ما اوحیٰ۔ قال فما خطبکم۔** سورہ النجم۔21، ع-2/ 4
۲۹ **ماذاغ البصر و ما طغیٰ۔ قال فما خطبکم سورہ النجم۔**21، ع-2/4۔
۳۰ رحمۃ للعالمین جلد۔ دوم، ص:117 ۳۱ حدیقہ سنائی۔ ص:186۔
۳۲ حدیقہ سنائی۔ ص:189۔ ۳۳ حدیقہ سنائی۔ ص:185۔
۳۴ حدیقہ سنائی۔ ص:186۔ ۳۵ حدیقہ سنائی۔ ص: 187
۳۶ حدیقہ سنائی۔ ص:187۔ ۳۷ حدیقہ سنائی۔ ص:190۔
۳۸ حدیقہ سنائی۔ ص:194۔ ۳۹ حدیقہ سنائی۔ ص:194۔
۴۰ حدیقہ سنائی۔ ص:194۔ ۴۱ حدیقہ سنائی۔ ص:195۔
۴۲ حدیقہ سنائی۔ ص:196۔ ۴۳ حدیقہ سنائی۔ ص:196۔
۴۴ حدیقہ سنائی۔ ص:197۔ قرآنی آیت انک لعلیٰ خلق عظیم کی طرف تلمیح ہے۔
۴۵ حدیقہ سنائی۔ ص:198۔ ۴۶ حدیقہ سنائی۔ ص:196۔
۴۷ حدیقہ سنائی۔ ص:199۔
۴۹ **حدیقہ سنائی۔ ص:203۔ اللہ پاک نے فرمایا ہے "وما رمیت اذ رمیت و لکن الله رمی و ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ۔" قال فی خطبکم سورہ نجم۔** ۵۰ ترجمہ: میری امت کی مثال ابر باراں کے مانند ہے۔ ابر دیکھ کر یہ بات نہیں

جانی جاتی کہ ابر باراں کا ابتدائی حصہ بہتر ہے یا اس کا اختتامی حصہ۔

۵۱؎ حدیقہ سنائی۔ص:206۔
۵۲؎ حدیقہ سنائی۔ص:207۔
۵۳؎ حدیقہ سنائی۔ص:208۔
۵۴؎ حدیقہ سنائی۔ص:208۔
۵۵؎ حدیقہ سنائی۔ص:209۔
۵۶؎ حدیقہ سنائی۔ص:210۔
۵۷؎ حدیقہ سنائی۔ص223۔
۵۸؎ حدیقہ سنائی۔ص:221۔
۵۹؎ حدیقہ سنائی۔ص:220۔
۶۰؎ حدیقہ سنائی۔ص:221۔
۶۱؎ حدیقہ سنائی۔ص229۔
۶۲؎ حدیقہ سنائی۔ص:231
۶۳؎ سنائی عہد تک فارسی کے حروف تہجی میں گاف نہ تھا، اس لئے گشت، کشت لکھا ہوا ہے۔
۶۴؎ حدیقہ سنائی۔ص232
۶۵؎ حدیقہ سنائی۔ص229۔
۶۶؎ حدیقہ سنائی۔ص234
۶۷؎ حدیقہ سنائی۔ص235
۶۸؎ حدیقہ سنائی۔ص233
۶۹ حدیقہ سنائی۔ص236
۷۰؎ حدیقہ سنائی۔236

○○○

ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط (مہاراشٹرا)

سریش بھٹ کی مراٹھی نعت کا تجزیہ

" وَ رَفَعنَا لَکَ ذِکرَک " کی صدا قرآن حکیم نے جب سے لگائی ہے، اللہ کے پیارے حبیب حضرت محمد ﷺ کا ذکر چہار دانگ عالم میں ہر زمانے اور ہر ہر زبان میں ہو رہا ہے۔ یوروپین ممالک کی ترقی یافتہ زبانوں سے لے کر افریقہ اور آسٹریلیا کی بعض غیر متمدن اقوام کی اجڈ اور غیر ترقی یافتہ بولیوں تک میں اللہ کے رسول ﷺ کا ذکر نہایت والہانہ وعقیدت مندانہ انداز میں کیا جا رہا ہے۔ کہیں اذانوں میں ''محمد رسول اللہ'' کی گونج ہے تو اوراد و اذکار میں نامِ رسول ﷺ وردِ زباں ہے۔ کہیں محافلِ وجد وسماع میں ذکر رسول ﷺ پر سر دھنے جا رہے ہیں تو کہیں میلاد کے جلسوں میں مدحت حبیب ﷺ ہو رہی ہے۔ تسبیحات میں درود وصلوٰۃ کا ورد ہو رہا ہے تو نمازوں میں صلوٰۃ وسلام پڑھے جا رہے ہیں۔ غرض یہ کہ ذکر حبیب ﷺ محلوں میں بھی ہے کاشانوں میں بھی۔ خانقاہوں میں ''اللہ ہو'' کے ساتھ ''محمد رسول اللہ'' کا ذکر اگر ہے تو مدارس میں "قال اللّٰہ و قال رسول اللّٰہ " کی صدا۔ دشت وصحراؤں میں اسی کی بازگشت ہے تو گلزاروں اور کشت زاروں میں بھی اسی کی پکار۔ یادِ رسول اللہ ﷺ پہاڑوں پر بھی ہو رہی ہے تو میدانوں میں بھی۔ سمندروں کے سینوں پر انسان ذکر رسول ﷺ میں رطب اللسان ہے تو بسیط فضاؤں میں ہوا کے دوش پر بھی۔ رسول اللہ کی یاد دلوں کا انبساط اور روح کی نشاط ہے۔ اور ہمارا تو یہ اعتقاد کہ فضا سے پرے خلاؤں سے آگے فلک الافلاک سے بہت اوپر اللہ کے عرش پر بھی یادِ رسول ﷺ میں صلوٰۃ وسلام کا آوازہ بلند رہتا ہے۔

برصغیر میں اردو، ہندی کے بعد آرین زبانوں میں مراٹھی ترقی یافتہ زبان سمجھی جاتی ہے اور یہ عجب اتفاق ہے کہ شروع ہی سے یہ زبان وادب بالراست عرب کلچر وزبان سے متاثر ہوئے ہیں۔ چنانچہ ہندوستان کی صوبائی زبانوں میں مراٹھی ہی ایک ایسی زبان ہے جس میں عربی فارسی

کے دخیل الفاظ اس کے اپنے ذخیرۂ الفاظ سے زیادہ ہیں۔ وہ اصناف ادب جو خالصتاً مسلم کلچر کے مرہون احسان رہے ہیں مراٹھی زبان و بیان میں بعض کو جوں کا توں قبول کرلیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حمد و نعت اور سلام و مراثی جیسی خالص مذہبی اصناف سخن بھی مراٹھی میں ملتی ہیں۔ ہندوستان کے دیگر صوبوں کے بالمقابل مہاراشٹر میں ہندو مسلم قوموں کا باہمی ربط اور آپسی بھائی چارہ سماجی سطح پر کچھ زیادہ ہی رہا ہے اور اس کے تاریخی شواہد آٹھویں صدی عیسویں سے ملتے ہیں۔ یہاں کے راشٹر کوتہ خاندان کے بادشاہ (ولبھ رائے گووند سوم ۷۹۳ء-۸۱۴ء اور اموگھ ورشا ۸۱۴ء-۸۷۷ء) مسلمانوں کے شرعی احکام کی بجا آوری کے لیے مسلم قاضی (جنھیں مقامی زبان میں ''ہنرمن'' کہا جاتا تھا) اپنے درباروں میں رکھتے تھے اور بادشاہ ان کے فیصلوں پر تکیہ کرتا تھا۔ یہاں ان تاریخی حقائق کو پیش کرنے کا محل نہیں، بہرکیف! مراٹھی ادب میں نعت کا جو سرمایہ ہے اس کے ابتدائی نقوش ایک ناتھ مہاراج (پ۔۱۶۳۳ء) کے یہاں ملتے ہیں۔ انھوں نے قومی یکجہتی اور جذباتی ہم آہنگی کے لیے جہاں ''ہندو ترک سنواد'' لکھا، وہاں نعت رسول ﷺ لکھ کر اپنی عقیدت کو آپ ﷺ کی ذات سے وابستہ کرلیا۔ اس نعت کا خاص وصف یہ ہے کہ کسی ہندو شاعر کی لکھی ہوئی یہ پہلی نعت ہے، جس میں شاعر نے رام، کرشن اور محمد ﷺ کی تثلیث میں غیر منفصل سلسلہ کو تلاش کر کے ان کا نقطۂ اتصال محمد ﷺ کی ذات میں ڈھونڈا ہے۔ ایک ناتھ کے بعد ہندو سنتوں کا طویل سلسلہ ہے جو عصر حاضر کے ٹکڑو جی مہاراج تک پہنچتا ہے۔ اس سلسلے کے کئی شعراء ہیں جنھوں نے مراٹھی میں نعتیں لکھی ہیں یا اپنے مراٹھی اشعار میں حضور ﷺ سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ لیکن غیر صوفی سنتوں میں سریش بھٹ دور جدید کے ایسے مراٹھی شاعر ہیں جنھوں نے برائے شعر گفتن نہیں بلکہ عقیدتاً نعت رسول ﷺ لکھی ہے۔ نور احمد میرٹھی کی مرتبہ کتاب ''بہر زماں بہر زباں ﷺ'' میں یہ نعت اور اس کا ڈاکٹر عصمت جاوید کا کیا ہوا منظوم ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ ذیل میں اسی نعت کا تجزیہ پیش کیا جا رہا ہے۔

سریش بھٹ کی مراٹھی نعت اردو رسم الخط میں

مراٹھی نعت

اُجاڑ وَیران واڑونٹی کھڑاڑ نارا جھرا محمد ﷺ
جگات لیا دِین دُکھتا نچا اَکھیر چا آسرا محمد ﷺ

اَتاچ ڈُوڑے پوسونی زھالے اتاچ می لاگلو ہسایا
اتاچ ہا بھیٹلا جیواچا، سکھا ملا ہاسرا محمد ﷺ
کھَریچ تو چندر امرتا چا ، کھَریچ تو سوُریہ جیونا چا
دِ شا دِشانا پرکاشنارا ، دسے تُجھا چہرا محمد ﷺ
تُجھیا گھرا چی طرح ﭺ نیاَری ، سمان شریمنت وا بھکاری
تُجھیا گھری دِے اتا ملا ہی، لہان سا کوپرا محمد ﷺ
جَسے تُجھے ناو کِھیتلے می، تُجھیا دَئے چا سگندھ آلا
اَجون، ہی انترات ما جھیا، پھُلے تجھا موگرا محمد ﷺ
بھلے بُرے پا ہیلے کتی می ،کِتی کھرے اَن کتیک کھوٹے
بھَلیات ماجھا بھلا محمد ﷺ کھریات ماجھا کھرا محمد ﷺ

منظوم ترجمہ از ڈاکٹر سید یحیٰ نشیط

اجاڑ ویراں ریگزاروں میں ''بہتا چشمہ'' مرا محمد ﷺ
جہاں کے سارے ہی بے سہاروں کا آخری آسرا محمد ﷺ
ابھی ابھی اشک میں نے پونچھے، ابھی ابھی ہنسنے میں لگا ہوں
مجھے ملا جو یہ خندہ بر لب عزیز از جاں مرا محمد ﷺ
تو چاند امرت کا ہے یقیناً، تو آفتابِ حیات بھی ہے
جہاں کو ہر سو کرے ہے روشن رخِ منور ترا محمد ﷺ
ترے مکاں کی ہے ریت نیاَری، ہیں سب برابر غنی بھکاری
ترے ہی گھر کا ذرا سا گوشہ مجھے بھی کردے عطا محمد ﷺ
زباں پہ تیرا جو نام آیا، نفس نفس ہو گیا معطر
ابھی بھی تیرے کرم کا دل میں کھلا ہے اک موگرا محمد ﷺ
بھلے برے کتنے میں نے دیکھے ،ہیں کتنے سچے، ہیں کتنے جھوٹے
بھلوں میں لیکن بھلا محمد ﷺ کھروں میں میرا کھرا محمد ﷺ

سریش بھٹ نے نعت کے مطلع میں ''اُجاڑ وَیران واڑ ونٹ'' کی ترکیب استعمال کر کے رسالت محمد ﷺ کے سلسلے کو سلسلۂ ابراہیمی سے جوڑا ہے۔ دورِ ابراہیم کے مکہ مکرمہ کے لیے قرآن نے ''غیر ذی زرع'' کی اصطلاح استعمال کی ہے، جسے دعائے ابراہیم اور پائے اسمٰعیل سے ابلنے والے چشمۂ زم زم نے ''پھل دار'' بنا دیا تھا۔ ہزاروں برس بعد یہی زمیں جب مولدِ نبی ﷺ بنی تو اخلاقی گراوٹ اور شرع ابراہیمی سے غفلت کا صحرا بنی ہوئی تھی۔ لیکن بعثتِ رسول ﷺ اس سنگلاخ وادی میں چشمۂ آب ثابت ہوئی جس نے زمین انسانیت کو سیراب کر کے گلزار بنا دیا۔ شاعر نے آپ ﷺ کی ذات کے لیے ''کھڑاڑ ناراجھرا'' کا استعارہ استعمال کیا ہے۔، جس کے اردو معنی ''بہتا جھرنا'' یا ''آبِ جوئے رواں'' ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ کے لیے یہ استعارہ اگر چہ قرآن واحادیث میں مذکور نہیں لیکن یہ نیا اور انوکھا بھی نہیں ہے۔ عربی شاعری میں اسے برتا گیا ہے۔ لیکن جتنا واضح گوئٹے اور علامہ اقبالؔ کے یہاں یہ استعارہ مستعمل ہے اتنا واضح عربی شاعری میں نہیں۔ چودھویں صدی عیسوی کے عربی شاعر جابر الاندلسی کی نعتوں میں ہمیں اس استعارہ کی قریب المعنی تراکیب ملتی ہیں۔ انھوں نے آپ ﷺ کو ایک جگہ ''البحر فی ریم'' (سخاوت میں دریا) کہا ہے۔

کالبدر فی شیم "البحر فی ریم"

والزھر فی نعم والدھر فی تقم

(یعنی [آپ ﷺ] اخلاق میں چودھویں کا چاند، سخاوت میں دریا، احسان بخشی میں پھول اور حق کی حمایت میں سخت [ہیں])

ابن حجۃ الحموی (م ۸۳۹ھ) نے اپنے بدیعیہ میں آپ ﷺ کی مدحت سرائی کرتے ہوئے کہا ہے کہ۔

و جز تم بودی الجزع فاخضر و التقویٰ

علی خدۃ با لبنت صدع مھنم

(یعنی جب آپ ﷺ وادی الجزع سے گزرے تو وہ سرسبز ہوگئی، کہ اس وادی کی پیشانی کا کنارا لال بوٹے سے بھرا ہوا اس کے چہرے کی روئیدگی سے لپٹ گیا۔)

مذکورہ اشعار میں آئے ہوئے استعارے کا مفہوم واضح کرتے ہوئے ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی اپنی کتاب ''عربی میں نعتیہ کلام'' میں رقم طراز ہیں کہ ''اس استعارے کا مطلب یہ ہے کہ

آپ ﷺ جس وادی سے گزرے وہ اگرچہ خشک صحرا کی مانند تھی مگر آپ ﷺ کے قدم کی بدولت سرسبز وشاداب ہوگئی۔'' الحموی کے اس نعتیہ شعر میں اگرچہ دریا، بحر یا آب جو کا کوئی قرینہ نہیں لیکن شعر کے مفہوم سے ذہن میں ''بہتے دریا'' کا ہی تصور مستحضر ہوتا ہے۔اسی بدیعیہ میں ایک جگہ آپ ﷺ کو شاعر نے ''اے سرچشمۂ پاک'' کہہ کر بھی مخاطب کیا ہے۔عربی کے ایک اور شاعر شیخ عبدالرحیم البرعی نے اپنے ''قصیدۂ جیمیہ'' میں حضور ﷺ کو ''متموج بحر'' سے تشبیہ دی ہے۔شاعر کہتا ہے۔

مکارم اخلاق و حسنِ شمائل
وشمة جود "بحرہ متموج"

عربی کے یہ تمام استعارے وتشبیہات ''کھڑاڑ ناراجھرا'' کے قریب المعنی ہیں لیکن جرمن شاعر گوئٹے (م ۱۸۳۲ء) نے عین اسی مفہوم کا استعارہ اپنی مشہور جرمن زبان کی نظم Mahamets Ge Sang میں استعمال کیا ہے۔وہ حضور ﷺ کو Rock Born Stream (جوئے آب) کہتا ہے۔جو ''کھڑاڑ ناراجھرا'' کی ہو بہو ترکیب ہے۔دو علاحدہ تہذیب اور زبانوں کے استعاروں میں اتنی مطابقت دونوں شعراء کے فکری انسلاک اور حضور ﷺ سے رکھی جانے والی عقیدت میں یکسانیت کی مظہر ہے۔

''کھڑاڑ ناراجھرا''، ''بحر متموج''، ''سرچشمۂ پاک''، ''جوئے آب'' اور Rock Born Stream یہ سارے استعارے علامتِ حیات ہیں۔قرآن حکیم میں جہاں بھی حیات انسانی کی تفصیل آئی ہے پانی کا ذکر ہوا ہے۔مثلاً سورہ بقرہ میں کہا گیا (آیت نمبر ۶۰) یعنی یاد کرو، جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی کی دعا کی تو ہم نے کہا فلاں

چٹان پر اپنا عصا مارو چنانچہ اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور ہر قبیلے نے جان لیا کہ کون سی جگہ اس کے پانی لینے کی ہے، اس کے علاوہ قرآن میں بعض جگہ پانی کا ذکر زندگی کی علامت کے طور پر بھی ہوا ہے۔طبی تحقیق کی رو سے بھی ''پانی'' حیاتی عنصر ہے۔جسمانی خلیوں میں جس کا وجود زندگی کا ضامن ہے۔جغرافیہ ''اجاڑ ویران واڑونٹ'' (ریگستان) میں ''پانی'' کو زندگی کے معنی میں گردانتا ہے۔پس یہ ساری قرآنی، علمی، سائنسی، طبی اور جغرافیائی مثالیں ''پانی'' کے ''مظہر حیات'' ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔قرآن میں پانی کو ''رحمت'' سے بھی تعبیر کیا گیا ہے اور تاکید کی گئی ہے کہ اس کا چھین لیا جانا سخت محرومی ہی نہیں زندگی کے چھین لیے جانے کے مترادف ہے۔

ان تمام شواہد کی روشنی میں سریش بھٹ کا آپ ﷺ کو ''اجاڑ ویران واڑونٹ'' میں ''کھڑ اڑ نارا جھرا'' کہنا بڑا معنی خیز بن جاتا ہے۔ کیونکہ یہ استعارہ ایک طرف زندگی کی علامت ہے، اس معنوں میں اس استعارہ کا صریح مطلب ہوگا کہ آپ ﷺ کی ذات کائنات کی زندگی سے عبارت ہے کہ آپ ﷺ نہ ہوتے تو یہ کائنات وجود میں نہ لائی جاتی۔ **"لو لاك لما خلقت الافلاك"** کا قول فیصل اس پر دال ہے۔ دوسری طرف ''کھڑ اڑ نارا جھرا'' (سیل رواں) یعنی بہتا پانی ''رحمت'' بھی ہے۔ اس معنی میں شاعر آپ ﷺ کو ''رحمت'' متصور کرتا ہے۔ قرآن نے ان ہی معنوں میں آپ ﷺ کو رحمت للعٰلمین کہا ہے۔ تیسری طرف ''کھڑ اڑ نارا جھرا'' حرکی قوت کی تمثیل بھی ہوسکتا ہے۔ اس معنی میں آپ ﷺ کی ذات سراپا عمل اور عوام الناس کے لیے نمونۂ عمل ہے۔ اس طرح سریش بھٹ کی نعت کے مصرعِ اولیٰ کی ایک ترکیب لفظی میں انسلاکاتِ معنی کا مربوط اور وسیع سلسلہ ملتا ہے۔

اسی شعر کے مصرعِ ثانی میں شاعر نے آپ ﷺ کی ذات کو دنیا کے مظلوم و ناداروں کا ''آسرا'' کہا ہے۔، جس سے دونوں مصرعوں میں بڑا لطیف ربط قائم ہو گیا ہے۔ اردو میں مولانا الطاف حسین حالی نے ایک نعت میں آپ ﷺ کے اس وصف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ؎

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولا

ان چھے مصرعوں میں جن اوصافِ محمدی ﷺ کا ذکر ہوا ہے، سریش بھٹ کی نعت کے ایک مصرع میں وہ تمام مفہوم سمویا ہوا ہے۔ عربی شاعری میں آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کے چند مدحیہ اشعار ملتے ہیں۔ سیرۃ النبی ابن ہشام میں آپ ﷺ کی توصیف بیانی میں ابو طالب کا یہ شعر نقل ہوا ہے۔ ؎

و ابیض یستقیٰ الغمام بوجہِ
ثمال الیتامیٰ عصمة للادامل

(یعنی وہ روشن تابناک چہرے والے جن کے صدقے میں بادلوں سے پانی مانگا جائے، وہ یتیموں کے والی اور بیواؤں کے سرپناہ ہیں۔)

حالؔی اور ابو طالب نے آپ ﷺ کو یتیموں اور ناداروں / بیواؤں کو سہارا دینے والا کہا ہے۔ جبکہ سریش بھٹ نے آپ ﷺ کی ’صفت‘ کو ’اسم‘ میں بدل دیا ہے۔ یعنی آپ ﷺ سہارا دینے والے ہی نہیں، خود ’آسرا‘ ہیں۔ انگریزی گرامر جاننے والے ایسے جملوں کی ’’شدت‘‘ کو خوب سمجھتے ہیں۔ اس نعت کے دوسرے شعر کا تعلق مطلع کے مصرعِ ثانی سے جوڑا جاسکتا ہے۔ اس ترکیب سے دوسرے شعر کے معنی از خود کھلنے لگتے ہیں۔

نعتِ ہٰذا کے تیسرے شعر میں خالصتاً ہندوی اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں۔ یعنی ’’چندر امرتا چا‘‘ (مہ آبِ حیات) اور ’’سوریہ جیونا چا‘‘ یعنی ’’آفتابِ حیات‘‘۔ ہندو اسطور میں سورج منبع حیات سمجھا گیا ہے۔ اس معنی میں سریش بھٹ آپ ﷺ کو ’’سوریہ جیونا چا‘‘ کہہ کر منبع حیات تسلیم کر رہے ہیں۔ اسلامی فکر بھی ایک حدیث کی رو سے آپ ﷺ کو منبع حیات تسلیم کرتی ہے۔ چنانچہ صاحب مشکوٰۃ نے ایک حدیث نقل کی ہے ’’**کنت نبیا و ا لآدم بین الماء و الطین**‘‘ یعنی میں نبی تھا جب آدم پانی اور گارے کے درمیاں تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تخلیق آدم سے قبل آپ ﷺ موجود تھے۔ گویا آپ ہی منبعِ انسانیت و مبداء حیات ہیں۔ اس پر دال ’’لو لاک لما خلقت الافلاک‘‘ بھی ہے کہ اگر آپ ﷺ کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو یہ کائنات وجود میں نہ لائی جاتی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ کی ذات وجہ تخلیق کائنات ہے مولانا جامؔی نے اسی خیال کی ترجمانی اپنی ایک نعت میں اس طرح کی ہے۔؎

جنبشِ اول ز محیطِ قدم سلسلہ جنباں وجود از عدم
مطلعِ دیباچۂ ایں ابجد ست پیش تریں حرف کہ در احمد ست
نقطۂ وحدۃ چو قد افراختہ از پئے احمد الفے ساختہ
صدر نشیں اوست دریں بارگاہ ’’کنت نبیا‘‘ بود او را گواہ

درج بالا نعت میں جامؔی کے استعمال کیے ہوئے القاب (جنبشِ اول، مطلع دیباچہ/ابجد، الف احمد اور صدر نشینِ بارگاہ) آپ ﷺ کے وجود اول ہونے کی گواہی دے رہے ہیں۔ دوسری طرف چاند اور سورج ’نور‘ کی علامات ہیں۔ قرآن حکیم میں آپ ﷺ کی ایک صفت نور بھی بتائی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے (المائدہ، آیت نمبر ۱۹) یعنی ’’بے شک اللہ کی طرف سے تمھارے پاس ایک نور آیا۔‘‘ دوسری جگہ آپ ﷺ کو ’’سراج منیرا‘‘ کہا گیا ہے۔ عقائد اسلامیہ کی کتب میں بعض قول ایسے نقل ہوئے ہیں جن میں آپ ﷺ کو نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔

صاحب ''روح البیان'' نقل فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے حضرت جبریل سے دریافت فرمایا: اے جبریل! تمہاری عمر کتنی ہے؟ تو جبریل نے عرض کیا، حضور مجھے کچھ خبر نہیں، ہاں! اتنا جانتا ہوں کہ "ان فی الحجاب الرابع نجماً یطلع فی کل سبعین الف سنة مره رانیه اثنین و سبعین الف مرة" یعنی چوتھے حجاب میں ایک تارہ ستر ہزار برس کے بعد ایک مرتبہ چمکتا ہے، میں نے اسے بہتر ہزار مرتبہ چمکتے دیکھا ہے۔ حضور ﷺ نے یہ سن کر فرمایا "و عزه ربی انا ذالك الكوكب" یعنی میرے رب کی عزت کی قسم میں ہی وہ تارہ ہوں۔ حضور ﷺ کے نور ہونے پر دلالت کرنے والی ایک روایت ''دلائل ابن ابی نعیم'' اور ''طبقات ابن سعد'' کے حوالے سے مولانا ادریس کاندھلوی نے اپنی کتاب ''سیرۃ مصطفیٰ'' میں نقل کی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب عبدالمطلب اپنے فرزند عبداللہ کو نکاح کے لیے لے کر چلے تو راستے میں ایک یہودی عورت پر گزر ہوا، جس کا نام فاطمہ بنت مرّ تھا۔ حضرت عبداللہ کے چہرے پر نور نبوت دیکھ کر اس نے حضرت عبداللہ کو اپنی طرف ملتفت کرنا چاہا لیکن ارتکاب حرام کی طرف آپ مائل نہ ہوئے واپسی پر پھر اس عورت پر گزر ہوا تو اس عورت نے کہا واللہ! میں کوئی بدکار عورت نہیں۔ تمہارے چہرے پر نور نبوت دیکھ کر میں یہ چاہ رہی تھی کہ یہ نور میری طرف منتقل ہو جائے لیکن اللہ نے جہاں چاہا اس نور کو ودیعت رکھا۔

یہ تو نصوص و احادیث کے حوالے ہیں، لیکن بعض عربی شعراء نے آپ ﷺ کے چہرۂ انور کی مدحت سرائی کچھ اس انداز سے کی ہے کہ گویا آپ ﷺ سراپا نور ہیں۔ چنانچہ کعب بن مالک نے غزوۂ احد کے موقع پر ایک قصیدہ آپ ﷺ کی شان مبارکہ میں کہا تھا، اس کا ایک شعر یہ ہے۔

فینا الرسول شهاب ثم یتبعه
نور مضی له فضل علی الشهب

(ہمارے درمیان اللہ کے رسول ﷺ ایک درخشندہ ستارے کی مانند ہیں، جن سے روشنی کی ایک لو نکلتی ہے۔ جو سب کو روشن کر دیتی ہے اور دوسرے تمام ستاروں کو روشنی بخشتی ہے۔)

(عربی میں نعتیہ کلام: ڈاکٹر عباس اللہ عباس ندوی)

دوسرے ایک عربی شاعر نے کہا ہے۔

علیك صلوٰة یا خیر من تلا
و هاد بنور الله فی الشرق و الغرب

(آپ ﷺ پر ہزاروں صلوٰۃ وسلام اے ہادیِ اعظم۔اے! مشرق ومغرب میں اجالا پھیلانے والے) عربی کے علاوہ فارسی،اردو میں بھی آپ ﷺ کی صفت نور کو شعراء نے مختلف رنگ اور عجب عجب ڈھنگ سے پیش کیا ہے۔ان شعراء نے نعتیہ شاعری میں ''نورنامے'' کی ایک علاحدہ صنف قائم کی ہے۔اوراس پر طبع آزمائی کر کے ضخیم نورنامے ترتیب دیئے ہیں۔ان کے علاوہ نور کو موضوع بنا کر مختلف طریقوں سے اشعار بھی لکھے ہیں جن میں سے بعض تو ضرب المثل بن گئے ہیں۔فارسی کا ایک مشہور نعتیہ مصرع ہے ''جہاں روشن است از جمال محمد ﷺ'' غرض کہ آنحضور ﷺ کی مدح سرائی میں یہی ایک ایسا موضوع ہے جس کے مختلف گوشوں میں الگ الگ رنگ بھر کر قوس قزح سنواری جا سکتی ہے۔سریش بھٹ نے بھی عقیدت کی نظر سے آپ ﷺ کے نورانی حسن کو دیکھا ہے اور فرطِ محبت میں اشعار کے ذریعہ اس کا برملا اظہار کیا ہے۔چراغ دیر اور شمع حرم کی تابانی میں انھوں نے ایک ہی نور کو جلوہ فگن دیکھا ہے۔مذکورہ شعر میں ان کی ہندوی اصطلاح کا استعمال اس قیاس کی مثبت دلیل ہے۔ان کے علاوہ یہ حقیقت ہے کہ شاعر کا خلاق تخیل جو بھی خیال آرائی کرے گا وہ نبی ﷺ کی وصف بیانی میں حقیقت بن جائے گا۔سریش بھٹ کی مدحت رسول ﷺ میں خیال آرائی بھی سچائی کے پیکر میں ڈھل گئی ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مشاہدے سے جو بات کہتے تھے،ہمارے مداحین شعراء اپنے تخیل سے ان حقائق کو اپنے اشعار میں پیش کر دیتے ہیں۔وہ اس طرح کہ مشاہدہ اور تخیل دونوں یکساں دکھائی دیتے ہیں۔سریش بھٹ کے خلاق تخیل کا یہ کمال ہے کہ نعت رسول ﷺ میں ان کے اکثر اشعار دور نبوی کے شعراء کے کلام سے لگا کھاتے ہیں۔

چوتھے شعر میں سریش بھٹ نے آپ ﷺ کے حسنِ سلوک،سب کے ساتھ یکساں برتاؤ اور تفوق وتشرف سے عاری مساواتی رویہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ساتھ ہی اپنے عجز وانکسار کا بھی اظہار کر دیا ہے۔شاعر کہتا ہے کہ ''اے رسول اللہ،آپ ﷺ کے گھر (مجلس) کے طریقے بڑے عجیب ہیں۔یہاں امیر وغریب کے درمیان کوئی فرق مراتب نہیں،برتر وکمتر اور افضل وارذل میں حد فاصل کا یہاں تصور ہی نہیں۔آپ ﷺ کی شان میں سریش بھٹ کی یہ مدحت طرازی صرف الفاظ کا گورکھ دھندا نہیں بلکہ اشارے کنایوں میں سیرت رسول ﷺ کے تاریخی گوشے سامنے آتے چلے جاتے ہیں۔ان کی نعت کا لفظ لفظ حقیقت حال بنا ہوا ہے۔اسی شعر میں کہا گیا ہے کہ، ''تجھیا گھرا چی طرح چ نیاری،سمان شری منت وا بھکاری'' یعنی تمہارے گھر کی عجیب ریت ہے

کہ امیر وغریب یکساں مانے جاتے ہیں۔سریش بھٹ کا یہ شعر اگرچہ سرسری طور پر کہا ہوا محسوس ہوتا ہے لیکن اس کے پس پشت سیرتِ مبارکہ کا وہ عظیم واقعہ بھی ہے جب آپ ﷺ نے کہا تھا، "**اکراہ ان التمیز علیکم ان اللہ سبحانہ و تعالیٰ بکرہ من عبدہ ان یراہ متحیزہ بین اصحا بہ۔**" (میں امتیاز کو پسند نہیں کرتا، اللہ کو یہ پسند نہیں کہ اس کا بندہ اپنے ساتھیوں کے درمیان امتیاز کے ساتھ رہے۔) دوسری جگہ آپ ﷺ نے فرمایا، "**لیس لا بن البیضاء علی ابن السواد فضل** " (کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فضیلت نہیں) اس پس منظر میں دیکھئے کہ شعر کے معنی کتنے بلند ہو جاتے ہیں۔مساوات کا یہ پیغمبرانہ عمل دیکھ کر ہی سریش بھٹ نہایت عاجزی وانکساری سے عرض معروض کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کے گھر کے کسی گوشے ہی میں سر چھپانے کے لیے تھوڑی سی جگہ مرحمت فرما دیجئے۔ دربار نبوی ﷺ کا جاروب کش، غلام ،خدمت گار وغیرہ کئی اصطلاحات نعتیہ شاعری میں مل جاتی ہیں، لیکن عقیدت کی فراوانی ،انکساری کے ساتھ دربار نبوی ﷺ کے گوشے میں تھوڑی سی جگہ مانگنے میں ہے، وہ ان اصطلاحات میں نہیں۔خود خلیفۃ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دربار نبوی کے ایک گوشے میں ابدی استراحت کے لیے تھوڑی سی جگہ کی تمنا تھی۔سریش بھٹ کا اس گوشۂ عافیت میں تھوڑی سی جگہ مانگنا ان کے فکری اور جذباتی سلسلے کی کڑیوں کو دور فاروقی سے ملاتا ہے۔نعتیہ اشعار میں ایسی تمنا کرنے والے فارسی شعراء میں مولانا جامؔی اور مراٹھی میں سریش بھٹ ہی ملے ہیں۔جامؔی ''تحفۃ الاحرار'' کی ایک نعت میں ملتجی ہیں۔

از ہمہ آفات تسنیم سلیم
برد دربار تو جامؔی مقیم

سریش بھٹ کی نعت کا پانچواں شعر حسن شعری کا اچھا مرقعہ ہے۔اس شعری تخیل کی تطبیق شیخ عبدالرحیم البرعی کے قصیدۂ جیمیہ کے درج ذیل شعر سے ہوتی ہے۔

و ان ذکر و الیلیٰ و لبنیٰ فاننی
بذکر الحبیب الطیب الذکر الھج

(یعنی جب یہ لوگ کسی لیلیٰ یا لبنیٰ کا ذکر کرتے ہیں تو میں اس حبیب پاک ﷺ کی یاد میں نغمہ خواں ہوتا ہوں، جن کا ذکر سراسر معطر ہے)

ذکر حبیب میں مشام جاں کا معطر ہونا عشقِ حبیب میں اخلاص اور محبت میں فراوانی پر

دلالت کرتا ہے۔سریش بھٹ کا روم روم بھی یادِ حبیب اور ذکر رسول ﷺ سے معطر ہو گیا ہے۔
اس نعت کے آخری شعر میں اگر چہ کوئی خاص مضمون نہیں ہے، نہ خیال آرائی نہ خیال آفرینی، حسن شعری کی کرشمہ سازی، مرصع و آبداری ہے نہ معنی آفرینی۔بس سیدھے سپاٹ انداز میں شاعر نے دل کی بات نوک قلم سے شعر میں اتار دی ہے۔ہاں !البتہ اس شعر میں تاریخی حقائق کا ایک جہاں آباد ہے۔بعثت سے پہلے ہی نہیں بعد میں بھی کٹر سے کٹر دشمن آپ ﷺ کے صادق و سچے ہونے کی گواہی دیتے تھے اور باوجود نفرت و عداوت کے آپ کے قول کی صداقت کو تسلیم کرتے تھے۔وجاہت اور سرداری کی وجہ سے بظاہر آپ ﷺ کی تکذیب بھی ہوا کرتی تھی لیکن بباطن وہ آپ کی سچائی کو ماننے کے لیے مجبور ہو جاتے تھے۔تاریخ و سیر کی کتابوں میں بعض روایات ملتی ہیں کہ آپ ﷺ کا کھلا دشمن جب آپ ﷺ کا چہرۂ انور دیکھ لیتا، تو گواہی دیتا کہ ''یہ چہرہ کسی جھوٹے کا نہیں ہوسکتا۔''''سیر الصحابہ''میں آپ ﷺ کے رخ انور کو دیکھ کر دین کی سچائی پر ایمان لانے والوں کے واقعات بھی ملتے ہیں، جو یہ کہتے ہوئے حلقہ بگوش اسلام ہوئے کہ ہاں !اس شخص کی باتیں جھوٹی نہیں ہوسکتیں۔ان شواہد کی روشنی میں مذکورہ شعر کو پڑھیں تو پتہ چلتا ہے کہ سریش بھٹ نے''تاریخ'' کو اس شعر کے دامن میں سمیٹ لیا ہے۔

غرض کہ یہ نعت نہ صرف الفاظ کی پچی کاری کا نمونہ ہے نہ عقیدت کی فراوانی کا چڑھتا دریا، نہ حسن شاعری کا مرقع، نہ خیال آفرینی کا طلسماتی جہاں، بلکہ سریش بھٹ نے نہایت جذباتی اور والہانہ انداز میں وہ تمام حقائق اس نعت میں سمیٹ لیے ہیں جن کا سنہرا ہالہ آپ ﷺ کی ذات کے اطراف پھیلا ہوا ہے۔

○○○

شاہ اجمل فاروق ندوی (نئی دہلی)

نعت کی تنقید-اہمیت، مسائل اور امکانات

انسانی زندگی میں تنقید کی اہمیت وافادیت مسلم ہے۔اس کی تعریف میں تو اختلاف ہوسکتا ہے، لیکن اس کی معنویت میں کوئی اختلاف نہیں۔علمی دنیا تنقیدی عمل کی افادیت پر متفق ہے۔ جمیل جالبی نے کہا ہے:

''تنقید فکر وادب کے لیے ویسے ہی ضروری ہے، جیسے سانس لینا انسان کے لیے ضروری ہے۔تنقید اچھے اور برے، صحیح اور غلط میں امتیاز پیدا کرتی ہے، تخلیق کو جہت دیتی ہے اور فکر کو بنیادیں فراہم کرتی ہے۔ جیسے مثنوی غزل نہیں ہے، قصیدہ رباعی نہیں ہے، ڈراما ناول سے ایک الگ صنف ہے، اس کا منصب الگ ہے۔لیکن جیسے ڈرامے میں افسانہ یا ناول میں ڈراما موجود ہوتا ہے، اسی طرح تنقید میں تخلیق اور تخلیق میں تنقید موجود ہوتی ہے۔بنیادی طور پر تخلیقی اور تنقیدی جبلتیں ایک ہی ہوتی ہیں۔''

(تحفۃ السرور، شمس الرحمٰن فاروقی، ص:۲۸)

آل احمد سرور نے اسی بات کو مزید وضاحت کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے:

''تنقید کا کام مفصلہ ہے۔تنقید دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کردیتی ہے۔ تنقید وضاحت ہے، صراحت ہے، ترجمانی ہے، تفسیر ہے، تشریح ہے، تجزیہ ہے۔تنقید قدریں ہی متعین نہیں کرتی، وہ ادب اور زندگی کو ایک پیمانہ دیتی ہے۔تنقید انصاف کرتی ہے۔ادنیٰ اور اعلیٰ، جھوٹ اور سچ، پست و بلند کے معیار قائم کرتی ہے۔تنقید ادب میں ایجاد کرنے اور محفوظ رکھنے، دونوں کا کام دیتی ہے۔وہ بت شکنی بھی کرتی ہے اور بت گری بھی۔تنقید کے بغیر ادب ایک ایسا جنگل ہے، جس میں پیداوار کی کثرت ہے، موزونیت اور قرینے کا پتا نہیں۔'' (تنقید کیا ہے؟ آل احمد سرور، ص:۱۳۱)

ایک طرف تنقید کی یہ مسلمہ اہمیت وافادیت ہے، تو دوسری طرف اردو نعت کا وسیع ذخیرہ۔

نعت کے تقدس کی وجہ سے اسے ہم آل احمد سرور کے بہ قول کثیر پیداوار والا جنگل تو نہیں کہہ سکتے، البتہ اتنا طے ہے کہ نعت کے نام پر وجود میں آنے والا بہت بڑا ذخیرہ فنی لحاظ سے نعت کہلائے جانے کا مستحق نہیں ہے۔

ہم نعت والے ہیں۔ نعت کے والہ وشیدا ہیں۔ نعت کے عاشق و جویا ہیں، لیکن ہم علمی دنیا میں نعت کی عدم مقبولیت کا الزام غیروں کے سر دھرنے کی ناانصافی نہیں کر سکتے۔ ہم آئے دن یہ شکوہ کرتے ہیں کہ نعت کو اس کا جائز مقام نہیں دیا جارہا ہے۔ نعت کو قصیدے و مثنوی اور غزل و مرثیے کی طرح پڑھا پڑھایا یا سمجھا سمجھایا نہیں جاتا۔ سوال یہ ہے کہ کیا نعت والوں نے نعت کو ایک فن پارے کی حیثیت سے برتا ہے؟ اُس کو اُسی طرح اختیار کیا ہے، جس طرح کسی سخن پارے کو اختیار کرنا چاہیے؟ سچی بات یہ ہے کہ ہماری اردو نعت اپنی عمر کے لحاظ سے عمر رسیدہ اور وسعت کے لحاظ سے بڑی وسیع و کشادہ، لیکن علمی و فنی لحاظ سے بہت محدود و مختصر ہے۔ اس عظیم خلا کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں نعت کی تنقید اپنے تمام اصول وکلیات کے ساتھ وجود میں نہیں آسکی۔ نعت پر لکھا تو جاتا رہا، لیکن انصاف کے ساتھ ایک فن پارے پر جس طرح تنقیدی عمل ہونا چاہیے، وہ نہیں ہوسکا۔ نتیجہ یہ ہے کہ نعت کے متعلق متعدد ابتدائی واساسی موضوعات اب تک تشنہ ہیں۔ ان کے متعلق نہ ہم نے کوئی بحث کی ہے اور نہ کسی نتیجے تک پہنچ سکے ہیں۔ کسی شاعر یا متشاعر نے رسول اکرم ﷺ کی شان میں جو کچھ کہہ دیا، اُسے نعت سمجھ لیا گیا۔ نہ اُسے جانچا پرکھا گیا، نہ اس کی چھان پھٹک ہوئی۔ بس یہ مان لیا گیا کہ نعت وجود میں آگئی۔ خواہ نعت کے نام پر وجود میں آنے والی وہ عبارت فنی لحاظ سے درست ہو یا نہ ہو۔ فکری لحاظ سے راست ہو یا نہ ہو۔ ممکن ہے کہ اس طرح کی نعتیں (جن کو نعت کہنا بھی درست نہیں ہے) کہنے والوں کا جذبہ پوری طرح صادق ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ عوام اُس نعت نما عبارت کو سن کر جھوم اٹھیں۔ لیکن یہ ممکن نہیں کہ اُسے نعت کے ذخیرے میں شامل کرلیا جائے۔ جذبہ و نیت اور چیز ہے اور فکر و فن بالکل دوسری چیز۔ نظم ہو یا نثر، وہ اُسی وقت نظم یا نثر کہلاتی ہے، جب اپنے اصول وضوابط کے ساتھ تخلیق کی گئی ہو۔ آپ نثر کہیں اور اصرار کریں کہ اُسے نظم سمجھ لیا جائے، یا نظم کہیں اور چاہیں کہ اُسے نثر مان لیا جائے، یہ کیسے ممکن ہے؟ اس صورت حال میں نعت کی تنقیدی روایت کو صحیح بنیادوں پر استوار کرکے مستحکم کرنا بے حد ضروری ہے۔

اردو نعت میں تنقیدی روایت کے استحکام کے لیے دو بنیادوں پر کام کرنا ضروری ہے:

ا-نعت کے اصول تنقید کی دریافت

۲-اصول وضوابط پر مبنی عملی تنقید کا وجود

یہ دونوں چیزیں لازم وملزوم ہیں۔صرف اصول وضع کر کے بیٹھ جانا بھی بے کار ہے اور بے اصولی کے ساتھ تنقید کرتے رہنا بے فائدہ۔جب تک یہ دونوں بنیادیں ایک ساتھ فراہم نہ کی جائیں گی،اس وقت تک مثبت،مستحکم اور صالح تنقید وجود میں نہ آ سکے گی۔ان دونوں نکات پر قدرے تفصیلی گفتگو کی ضرورت ہے۔

(ا) ہمارے ہاں نعت پر ہونے والی تنقیدی گفتگو عام طور پر بہت سطحی ہوتی ہے۔اس درجہ سطحی کہ اُسے تنقید کے دائرے میں داخل کرنا بھی جرم لگتا ہے۔گفتگو کرنے والا، زیر بحث مجموعے یا فن پارے کو دیکھتا ہے اور اس میں موجود عام باتوں کو نثر میں بیان کرتا چلا جاتا ہے۔فلاں کی نعتیہ شاعری میں عشق رسول پایا جاتا ہے، مدینے جانے کا شوق ملتا ہے، رسول اکرم سے وابستہ ہر چیز سے محبت ملتی ہے، رسول کے آل واصحاب سے بھی والہانہ لگاؤ ہے، اتباع سنت کا جذبہ ہے، وغیرہ۔حالاں کہ ان باتوں کا بیان سرے سے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔جس شخص کو اس کا وجدان نعت کہنے پر مجبور کر رہا ہے، اس کے اندر محبت رسول کا ہونا ایک فطری امر ہے۔جب رسول سے محبت ہے تو آپ سے وابستہ مادی وروحانی تمام چیزوں سے محبت ہوگی ہی۔اس میں بیان کرنے والی کیا بات ہے؟ فن پارے پر جس طرح گفتگو ہونی چاہیے، وہ ہوتی ہی نہیں۔شاعری کے فنی محاسن کا کوئی ذکر ہی نہیں آتا۔آتا بھی ہے تو برائے نام۔اس غیر ذمے دارانہ روش کا نتیجہ ہے کہ نہ جانے کیسی کیسی چیزوں کو نعت کے زمرے میں شامل کر دیا گیا ہے۔لیکن یہ غیر ذمے دارانہ رویہ بھی بے سبب وجود میں نہیں آیا۔جب نعت کے اصولِ تنقید ہی وضع نہیں کیے گئے تو ناقد سے کیسی شکایت؟ وہ کن اصولوں کے مطابق تنقید کا فریضہ انجام دے گا؟ جیسے ہی وہ کسی نعت پر گفتگو کرنے چلتا ہے، بے راہ روی اور بے سمتی کا شکار ہو جاتا ہے۔اُسے اپنے سامنے کسی متعین راہ کے بجائے ایک وسیع صحرا نظر آتا ہے۔وہ جس سمت میں چاہتا ہے، چل دیتا ہے۔احمد امین نے تنقید کے دو بنیادی مقاصد بیان کیے ہیں:

> للنقد مهمتان مختلفتان۔ مهمة التفسير Interpretation و مهمة الحكم Judgment۔ و حقاً إنه عملياً۔ قد اجتهت هاتان الوظيفتان عادةً حتى يومنا الحاضر۔
>
> (النقد الأدبي، ڈاکٹر احمد امین، ص:۱۸۰)

تنقید کے دو مختلف مقاصد ہیں۔ تشریح (Interpretation) اور فیصلہ (Judgment)۔ سچ تو یہ ہے کہ تنقید ایک عملی چیز ہے۔ اس میں یہ دونوں مقاصد آج تک فطری طور پر شامل سمجھے جاتے ہیں۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ نعت کی تنقید ان دونوں مقاصد میں سے کسی ایک مقصد کو بھی پورا کرتی نظر نہیں آتی۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ اب تک ہم نعت کے اساسی اصول تنقید بھی وضع نہیں کر سکے ہیں۔ ایسے متعدد مسائل ہیں، جن کا کوئی حل دریافت نہیں کیا گیا۔ حل دریافت کرنا تو دور کی بات ہے، دریافت کی کوشش بھی نہیں ہوئی۔ جب ہمارے پاس اُن مسائل کا کوئی حل نہیں ہے تو ناقد سے مستحکم تنقید کی امید کرنا بھی فضول ہے۔ وہ تو اپنے ذہن کے مطابق تنقیدی عمل انجام دے گا۔ جس سمت چاہے گا، جائے گا اور جو چاہے گا، لکھے گا۔ نہ اصول کی پابندی اور نہ ضوابط کا لحاظ۔ مثال کے طور پر نعت میں عقائد کی بحث کرنے یا نہ کرنے کا مسئلہ ہے۔ نعت پر گفتگو کرتے وقت عقائد کی بات آنی چاہیے یا نہیں؟ نہیں تو کیوں نہیں؟ اور ہاں تو کس طرح اور کتنی؟ عام طور سے دیکھنے میں آتا ہے کہ کسی کی نعت پر گفتگو کرنے والے اس مسئلے میں بے سمتی اور بے اعتدالی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ وہ شاعری پر گفتگو کرتے کرتے کب اعتقادی و فقہی موضوعات میں داخل ہو جاتے ہیں، پتا ہی نہیں چلتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شعری تنقید، اعتقادی اور فقہی تنقید بن جاتی ہے اور افادیت کے بجائے مضرت رساں ہو جاتی ہے۔ اس طرح کی تنقید نما گفتگو نعت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا پاتی۔ اس مسئلے میں سنجیدہ مباحثے کے بعد ایک مثبت نتیجے تک پہنچنا ضروری ہے۔ ورنہ نعت کو بھی اعتقادی مکاتب فکر کی طرح تقسیم کرنا پڑے گا۔ جیسے: شیعہ نعت، سنی نعت، بریلوی نعت، دیوبندی نعت، تقلیدی نعت اور غیر تقلیدی نعت وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ شعر و ادب میں اس طرح کی تقسیم انتہائی لغو قرار دی جائے گی۔ اس صورت حال سے بچنے کے لیے ہمیں ہر حال میں ''نعت کی تنقید میں عقائد کی بحث'' پر سیر حاصل گفتگو کر کے کچھ متفق علیہ نتائج اخذ کرنے ہوں گے۔

ایک بڑا مسئلہ لفظیات کے استعمال کا بھی ہے۔ نعت کا مرکزی موضوع رسول اکرم ﷺ کی ذات، صفات اور سیرت ہے۔ لہٰذا نعت میں لفظیات کا استعمال زیادہ نازک اور محتاط رخ اختیار کر جاتا ہے۔ دنیا کے عام محبوبوں کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ، کنایات، استعارات اور تشبیہات کا استعمال نعت میں درست ہے یا نہیں؟ رسول کریم کے اسم ذات کے استعمال کی گنجائش ہے یا نہیں؟ واحد مذکر حاضر اور جمع مذکر حاضر کے صیغے (تو اور تم) استعمال کیے جا سکتے

ہیں یا نہیں؟ اس طرح کے کئی مسائل ابتداء ہی سے ہمارے ہاں مختلف فیہ رہے ہیں۔کوئی ان مسائل میں اثبات کا قائل ہے اور کوئی نفی کا۔ دورِ حاضر میں ان مسائل پر بحث کر کے کسی نتیجے تک پہنچنا ضروری ہو گیا ہے۔

ایک اہم مسئلہ یہ بھی ہے کہ نعت کا مرکزی موضوع خیالی یا مثالی نہیں ہے۔اس کا اپنا ایک مستقل وجود ہے۔اس وجود پر تاریخی دلائل وشواہد متفق ہیں۔صرف وجود پر نہیں، بلکہ پوری زندگی اور سیرت وکردار پر۔لہٰذا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک تاریخی شخصیت کے متعلق افسانوی خیالات اور تصوراتی بیانات پیش کرنا درست ہے یا نہیں؟ اثبات میں جواب دیا جائے تو علمی، تحقیقی اور تاریخی اصول وضوابط پر ضرب پڑتی ہے۔جواب نفی میں ہو تو دائرہ سخن بھی محدود ہوتا ہے اور نعت کے موجودہ ذخیرے کا بڑا حصہ قابل گرفت قرار پاتا ہے۔یہ مسئلہ بھی تمام جوانب کے ساتھ بحث و تحقیق کا محتاج ہے۔

آج کل دو بڑے مسائل اور پیدا ہو گئے ہیں۔ایک روح عصر کا مسئلہ اور دوسرا ہیئتی تجربوں کا مسئلہ۔ یہ دونوں مسائل اردو کے دورِ جدید کی دین ہیں۔اب شاعری صرف حظ اٹھانے کا ذریعہ نہیں رہی، بل کہ مقصدی ہو گئی ہے۔اسی طرح اس کا ظاہری دامن محدود نہیں رہا، بل کہ وسیع تر ہو گیا۔شاعری میں مقصدیت کی روش بھی چل نکلی اور ہیئتی تجربے بھی کیے جانے لگے۔موجودہ نعت گو کے سامنے یہ دونوں مسائل بڑی شدت کے ساتھ موجود ہیں۔وہ نعت میں روح عصر کا اہتمام کرے یا نہ کرے؟ کرے تو کس طرح؟ جب مرکزی موضوع متعین ہے تو اس کے ساتھ دوسرے موضوع کو ضم کرنا آسان نہیں ہو گا۔اگر نعت میں روح عصر کی وکالت کی جاتی ہے تو اس کے طریقۂ کار کی تعیین بھی ضروری ہو گی۔اس سے نسبتاً آسان مسئلہ ہیئتی تجربوں کا ہے۔ہمیں ہیئتی تجربے کرنے یا نہ کرنے کے فوائد ومضرات پر غور کرنا ہو گا اور ایک راہ عمل طے کرنی ہو گی۔

آج نعت کے ناقد کو اس طرح کے متعدد مسائل درپیش ہیں۔ان کو حل کیے بغیر نعت میں مستحکم تنقیدی روایت کی طرح نہیں ڈالی جا سکتی۔جب تک صالح نعتیہ تنقید وجود میں نہیں آئے گی، تب تک ہم ادبی حلقوں میں نعت کے لیے پائے جانے والے اجنبی ماحول کو بھی ختم نہیں کر سکتے۔

(۲) نعت کی تنقید کے اصول وضوابط طے کرنے کے بعد عملی تنقید کا مرحلہ آئے گا۔اس مرحلے میں ہمیں ناقد کے شخصی اوصاف طے کرنے ہوں گے۔ایک عام ناقد میں جن اوصاف کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے، وہ تمام اوصاف نعت کے ناقد کے اندر بھی ہونے چاہییں۔لیکن نعت

کے موضوع کے لحاظ سے اس کے اندر کچھ اضافی صلاحیتیں بھی درکار رہوں گی۔ وہ صلاحیتیں کون سی ہوں؟ ان کا تعین ضروری ہے۔ ان صلاحیتوں کا تعین اُس بے تکے رویے پر روک لگا دے گا، جو تنقید کے نام پر ہمارے ہاں پایا جاتا ہے۔

ہم بڑے فخر کے ساتھ یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ نعت کا موضوع بہ ظاہر ایک ذات میں محیط، لیکن حقیقتاً کُل کائنات پر پھیلا ہوا ہے۔ اس لیے کہ وہ ذات گرامی جو نعت کا مرکز و محور ہے، وہ اپنی صفات اور تعلیمات کے لحاظ سے دو جہانوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اس وسیع ترین موضوع کے باوجود نعت کو اس کا جائز مقام نہیں دیا جاتا۔ اس سلسلے میں دوسروں پر الزام دھرنے سے بہتر ہے کہ اپنا جائزہ لیا جائے۔ نعت کے ساتھ جانب داری برتنے والوں سے شکوے شکایت کے بجائے اپنا محاسبہ کیا جائے۔ اس سچائی کا انکار کون کرسکتا ہے کہ نعت کے نام پر نہ جانے کیا کیا چیزیں نعت کے ذخیرے میں شامل کردی گئی ہیں؟ ایسا اس لیے ہے کہ ہم نے چھان پھٹک کا دروازہ کھولا ہی نہیں۔ جانچ اور پرکھ کی روایت قائم ہی نہیں کی۔ ناپ تول کے لیے میزان وضع ہی نہیں کیا۔ نتیجہ سب کے سامنے ہے۔ اگر نعت کے سلسلے میں ایک مستحکم تنقیدی روایت وجود پذیر ہوجائے اور وہ پوری دیانت داری کے ساتھ کام کرنے لگے تو بہت جلد مثبت نتائج سامنے آنے لگیں گے۔ نعت کو بے دھڑک دوسری اصناف کے ساتھ رکھا جانے لگے گا۔ نعت کا شجرِ طوبیٰ پوری شان وشوکت کے ساتھ برگ و بار لانے لگے گا۔ اس سے کہیں آگے بڑھ کر نعت انسانیت کو مضبوط نظریاتی اساس فراہم کرنے لگے گی۔

○○○

ڈاکٹر حافظ کرناٹکی (شیموگہ)

نعت کی لفظیات

نعت اردو شاعری کی ایسی مقبول صنف شاعری ہے جس پر طبع آزمائی کرنا ہر شاعر باعث سعادت سمجھتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس صنف شاعری میں جدّت وندرت پیدا کرنا ممکن نہیں ہو پاتا ہے۔ کیوں کہ نعت کہنے کی روایت بہت قدیم ہے اور اس کے حدود بھی متعین ہیں ایسی صورت حال میں اپنی تخیل کی پرواز سے کام لینا کسی بھی شاعر کے لیے آسان کام نہیں ہے۔ کیوں کہ تخیل کی پرواز شاعر کو ان حدود سے ماورا کرسکتی ہے، جو ایمان وایقان کے لیے ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ نعتیہ شاعری میں نت نئے تجربوں کا جوکھم نہیں اٹھاتے ہیں اور نہ خود کو آزمائش میں ڈالنے کا خطرہ مول لیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ نعت کی لفظیات کی کائنات بھی بہت وسیع نہیں ہے۔ اتنی بات ہم سبھی جانتے ہیں کہ جب انسان کے تجربات، مشاہدات، احساسات اور ان سب کو لفظوں کے پیکر میں ڈھالنے کے امکانات لامحدود ہوتے ہیں تو ان کے پاس لفظوں کا بھی ایک بڑا ذخیرہ ہوتا ہے اور وہ اپنی فہم وفراست اور عقل وفہم سے کام لے کر جس قدر جی چاہے زور بیان کے کرشمے دکھاتا ہے۔ اور لفظی پیکر بھی ڈھالتا ہے اور موقع ملے تو تخیل کی اونچی سے اونچی پرواز کے بھی نمونے دکھاتا ہے۔ مگر صنف نعت میں اس طرح کے مواقع بالکل ہی نہیں ملتے ہیں۔ کیوں کہ یہاں شریعت، طریقت، ایمان، عقیدے، مسلک، عابد اور معبود کی حدیں متعین ہوتی ہیں۔ اس لیے اس صنف میں وہی لوگ کچھ نیا، بہتر اور عمدہ کر پاتے ہیں جنہیں دین اسلام، ایمان، عقیدے، نبوّت، رسالت، الوہیت وغیرہ کا علم ہوتا ہے۔ اور جو اسلامی تاریخ، سیرت نبوی وغیرہ سے کماحقہ واقف ہوتے ہیں اور کسی حد تک تصوّف وغیرہ میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ مذہب میں عقل محض اور عقیدے میں اندھی جذباتیت کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے اس لیے نعت گو شعرا کو سنبھل سنبھل کر قدم آگے بڑھانا پڑتا ہے۔ اس لیے ان سے بے ساختگی میں کوئی ایسا

شعر، سرزد ہو بھی جائے جو شعریت کے اعتبار سے بہت ہی عمدہ، اعلیٰ اور خوب صورت ہو۔ مگر شریعت کے اعتبار سے درست نہ ہو تو اسے حذف کرنا پڑتا ہے یہی وجہ ہے کہ عام طور پر نعتیہ شاعری بہت حد تک یک رنگ اور خوش آہنگ، عقیدت خیز، رفعت انگیز، مگر جذب و کیف کے رنگ میں کم و بیش شرابور نظر آتی ہے۔

ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ دوسری اصناف شاعری کی طرح نعتیہ شاعری کو محض ایک تخلیقی صنف یا فن کے طور پر نہیں دیکھا جاتا ہے۔ نعتیہ شاعری کو ہمیشہ پہلے ایمان و عقیدے اور مسلک کی درستگی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ بعدازاں اس کی شعری خوبیوں پر توجہ کی جاتی ہے، اسی لیے یہاں لفظوں کا انتخاب اور اس کے برتاؤ پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے، اس کے باوجود ہم نعتیہ شاعری کی لفظیات کو غربت کا شکار قرار نہیں دے سکتے ہیں، کیوں کہ بہت سے ایسے الفاظ اور تراکیب ہیں جو محض نعتیہ شاعری کی بدولت اردو شاعری اور اردو زبان کے روزمرہ میں داخل ہوئے ہیں۔ اور بکثرت استعمال ہوتے ہیں۔

مثلاً؛ مولانا، سیدنا، حضرت، حضور، سردار، سید البشر، شفیع الامم، خلق عظیم، وجہ تخلیق کائنات، نوری پیکر، پیکر نور، ساقی کوثر، رحمت عالم، سایہ عرش، محبوب کبریا، محبوب خدا، محبوب زمین و زماں، محبوب کون و مکاں، شافع محشر، رحمت کا سمندر، سرور کائنات، سرور انبیا، نبیوں کے سردار، خیر البشر، خیر البریہ، خیر الوری، اور اس کے علاوہ وہ الفاظ و تراکیب جو نعت رنگ شاعری یا نعتیہ شاعری کے فیض سے اردو میں رائج ہیں۔ اور جن کا تعلّق براہ راست نبی اکرم ﷺ کی ذات والا صفات سے ہے یا پھر ان مقامات مقدسہ سے جن سے نبی اکرم ﷺ کا براہ راست تعلّق ہے، یا پھر ان واقعات اور اخلاق حسنہ سے متعلق الفاظ جو نبی اکرم ﷺ کی وجہ سے مسلمانوں کی تاریخ اور مذہبی امور میں خصوصی اہمیت رکھتے ہیں اور اس کے ایمان و عقیدے کو اجالتے اور ان کے جذبات و احساسات کو روشن کرتے ہیں۔ مثلاً:

شاہ بحر و بر، شاہ کون و مکاں، شہ انبیا، شہ انس و جن، شہ دین و ایماں، شاہ بطحا، شاہ مدینہ، طیبۂ نگر، وصف احمد مجتبیٰ، اوصاف مصطفیٰ، عشق رسول، حب نبی، حمیت اسلام، غیرت ایمان، حرمت رسول یار غار، نور حرا، وجہ توقیر انساں، حرا، غار حرا، غار ثور، صفا و مروہ، سات سمٰوٰت ہفت افلاک، عرش بریں، بہشت بریں، قاب و قوسین، معراج، شق القمر، جسم اطہر، پائے مبارک، زلف معنبر، آمنہ کے دلارے، عبداللہ کے لاڈلے، پیکر نور، شاہ ہدیٰ، امّی، امین، صادق وغیرہ

اور پھر وہ جملے اور خوب صورت تراکیب جو دین ایمان اور سیرت النبی کی خوشبو اور محبت و عقیدت سے معطر ہیں اور جو عام طور پر دین فطرت، اسلام کی اساس سے تعلّق رکھتے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ حضور اکرم ﷺ کی نعتیں لکھتے وقت کبھی پس منظر تو کبھی عقبی زمین کے طور پر تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے حالات زندگی، اخلاق کریمانہ، صفات منصفانہ کا استعمال ہوتا ہے تو کبھی ان کے عملی کارناموں، صبر ورضا، عبادت و ریاضت، زہد وتقوی کا بھی ذکر ہوتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک کے تمام حالات وکوائف نعتیہ شاعری کا خمیر بنتے ہیں۔ اور بسا اوقات دوسرے انبیاء کرام کے صفات عالیہ کے تناظر میں حضور پرنور ﷺ کی صفات عالیہ کو نعت کا موضوع بنایا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ نعتیہ شاعری کی زرخیزی میں اور اس کے لفظی ذخیرے میں وہی شعرا زیادہ اضافہ کر پاتے ہیں جو دین حق کی فطرت، اس کی تاریخ، اس کی روح اور سب سے بڑھ کر تخلیق کائنات کی منشا اور تعمیر کائنات کے رمز سے واقف ہوتے ہیں۔ اس طرح کا علم رکھنے والے شعرا اپنے عقیدت مندانہ تخیل کے زور پر نہ صرف یہ کہ حضور اکرم ﷺ کی سنتوں اور سیرتوں میں ان نکتوں تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں جنہیں عام لوگ سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں بلکہ ان حسیات کو بھی انگیخت کرنے کے قابل بن جاتے ہیں جو سنت رسول ﷺ کا مقصد ہوتا ہے۔ اس لیے ضروری ہوجاتا ہے کہ نعت عقیدت کی بنیاد پر کہنے کے ساتھ ساتھ حضور اکرم ﷺ کی حیات طیبہ اور دین اسلام کی فطرت سے واقفیت کے احساس کے ساتھ کہی جائے تاکہ اس کی تازگی وتوانائی برقرار رہے اور ایک ہی طرح کی لفظیات کے تکرار کی وجہ سے نعت جیسی دلکش ودلچسپ اور روح پرور صنف بے رس نہ ہونے پائے۔ نعتیہ شاعری نے جس طرح کے الفاظ وتراکیب کو رواج عام کی شکل دی ہے اس میں اس طرح کے لفظوں اور ترکیبوں کی کثرت ہے مثلاً

نور شبیہ رسول/ جب سے نظر میں نور شبیہ رسول ہے۔ نبی کی راہ میں خار کا پھول بننا/گلشن، ستارے، کہکشاں مہہ و ماہ وگل کا نبی کے قدموں کی دھول بننا/ امت کی لغزش پہ رسالت کا ملول ہونا۔ امی ہونے کے باوجود منبع علم ہونا/ عدو کو گلے لگانا/شریعت کو رائج کرنا/طریقت کا درس دینا /نیکیوں کا نبی کی قدم بوسی کو آنا/ نیکیاں آتی ہیں آقا کی قدم بوسی کو/حسن جزا سے پہلے اذن نبی کی طلب/ چاہیے اذن نبی حسن جزا سے پہلے/ پیوند قبا کا خلعت شاہ جہانی اور جنت کے لباس سے بڑھ کر ہونا/ خلعت شاہجہانی ہو کہ جنت کا لباس/محترم کب تھے یہ پیوند قبا سے پہلے/ نبی کے قدموں پہ ارمغان جاں کا نذرانہ/کوئی طلب نہ کوئی مدعا وہاں ہوگا/قدم پہ آپ کے بس ارمغان

جاں ہوگا/ آمد رسول پر عرش کا جشن منانا/ فلک کا نعت پڑھنا/ بیان سیرت شاہ ہدیٰ جہاں ہوگا/ پڑھے گا نعت فلک جشن عرشیاں ہوگا رخدائے عز وجل کا راز داں ہونا/ ہوا کا پابوسی ضیا کے لئے چلنا/ ہوا کی زد پہ بھی چراغ حرم کا روشن رہنا/ سیاہ کملی کا سفینۂ عقبیٰ کا بادباں ہونا/ سیاہ کملی کا احساس دل میں رہنے دے/ یہی سفینۂ عقبیٰ کا بادباں ہوگا/ نبی کے فیض سے خاکداں کا روشن ہونا / دل کا درودوں کا مسکن ہونا/ گل طیبہ کی خوشبو سے روح کا معطر ہونا/ نقش پائے محمد ﷺ کے چومنے کی آرزو میں کھلتے رہنا/ بہ روز قیامت شفاعت محمد ﷺ کے یقین کی شمع جلا کے رکھنا/ دشت ظلمت میں نبی ﷺ کی صورت میں نور کا ظہور ہونا/ آمد شاہ دیں کی خبر سن کر مکہ اور مدینے کی گلیوں کا مسکرانا/ مکہ اور مدینہ کی مٹی کو کیمیا اور ہوا کو اکسیر سے تعبیر کرنا/ آقا کے پسینے سے فضاؤں کا مہکنا / روضے کی جالی سے نور کا چھننا/ طیبہ کے کنکر کا گوہر نظر آنا/ مدینے کی گلیوں کے پتھروں کا گل تر معلوم ہونا/ نام محمد کے زباں پر آتے ہی فردوس کی خوشبو کا بکھر جانا/ نور کے پیکر کا فلک کی راہ سے نقوش پا کے صدقے میں طیبہ کی گلیوں کا کہکشاں نظر آنا/ گنبد خضرا کے خنک چھاؤں میں آرام پانا/ نبی کی آواز کا صوت ہادی کی طرح دلوں میں اتر جانا/ قرآن کا نسخہ کیمیا بن کر نبی کے ہاتھوں امت تک پہنچنا۔

یہ ایسے الفاظ وتراکیب جملے، محاورے اور عقیدت مندانہ نعت رنگ لفظی اور شعری ٹکڑے ہیں۔ جن سے نعت کی لفظیات کی کائنات نور و نکہت سے روشن و معطر ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تو محض مثال کے لیے چند نمونے ہیں، ہم چاہیں تو اس طرح کے لفظوں، تراکیبوں کی ایک قابل قدر لغت تیار کر سکتے ہیں اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اردو شعر وادب کو یہ سب نعت ہی کی دین ہے۔ اگر اردو زبان وادب میں نعتیں کہنے کی روایت مستحکم نہ ہوتی اور لوگ نعتیں کہنے کے معاملے میں بخالت سے کام لیتے یا اپنی مذہب بیزاری کا ثبوت پیش کرتے ہوئے محض واعظ اور شیخ کا مذاق اڑاتے رہ جاتے تو اردو زبان وادب کو خوب صورت، روشن مقدس، اور دلی جذبات واحساسات کی آگ سے دہکتے، اور جذبے کی صداقت سے مہکتے ان الفاظ وتراکیب کا خزانہ کبھی نہیں مل پاتا۔ اس لیے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ نعتیں کہنے والے لوگوں کا بھی ادبی قدر و قیمت کے تناظر میں مقام متعین کیا جائے اور اس کے شاعرانہ اور فنکارانہ کمالات کا اعتراف کیا جائے۔ نیز انہوں نے تخلیقی سطح پر جو کچھ اردو زبان وادب کو دیا ہے اس کا ایمانداری سے جائزہ لیا جائے۔ تاکہ نعت بہ حیثیت ایک منفرد صنف شاعری کے اپنی مستحکم شناخت بنا سکے۔

ہم جانتے ہیں کہ اردو کے کم وبیش تمام شعرا نے نعتیں کہی ہیں۔ اور جہاں تک ممکن ہو

سکا ہے اس صنف شاعری کو مقبولیت عطا کرنے اور اپنی سعادت مندی کا ثبوت فراہم کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی ہے۔ یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ اردو شاعری کا فارسی شاعری سے براہ راست رشتہ ہے، یہی وجہ ہے کہ حافظ، رومی، اور سعدی کی روایت نے نہ صرف یہ کہ اردو کی عام شاعری کو اجالنے میں اہم رول ادا کیا بلکہ نعتیہ شاعری کے لحن کو توانائی بخشنے میں بھی خصوصی کردار نبھایا ہے۔ اردو کے ہندو مسلم سکھ عیسائی سبھی شعرا نے خوب خوب نعتیں کہی ہیں۔ یہاں پر اس کا موقع نہیں ہے کہ حضرت امیر خسرو سے لے کر میر و غالب اور حالی و اقبال سے لے کر جوش و محروم تک اور اس کے بعد کے شعرا کے یہاں سے نعتیہ اشعار کی مثالیں پیش کی جائیں۔ اس کے باوجود یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ نئے عہد کے چند شعرا کے یہاں سے کچھ نعتیہ اشعار بطور مثال پیش کیے جائیں تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ اس وقت بھی نعتیہ شاعری کے تسلسل میں کسی طرح کی رکاوٹ واقع نہیں ہوئی ہے۔

یہاں اس بات کی بھی وضاحت کرتا چلوں کہ عام طور پر انہیں شعرا کے یہاں سے مثالیں پیش کی جا رہی ہیں جن کے یہاں حد سے زیادہ غلو نہیں ہے۔ یعنی عابد و معبود کے درمیان والا فاصلہ اور خالق و مخلوق والا رشتہ ملحوظ ہے۔ نہیں تو اردو میں ایسے شعرا کی کوئی کمی نہیں ہے جو نبی اور رسول اور خدا سب کو ایک ہی طرح کی صفات سے متصف کر دیتے ہیں۔ اور ایمان و ایقان کو آزمائش میں ڈال دیتے ہیں۔ بہر حال آیئے چند نعتیہ اشعار دیکھیں اور اندازہ لگائیں کہ یہ شعرا حضرات کس توازن کے ساتھ نعت رنگ شعر کہہ رہے ہیں۔ اور تجدید ایمان و ایقان کی دعوت دے رہے ہیں، نیز یہ بھی دیکھتے چلیں کہ یہ حضرات کس طرح کی لفظیات کا استعمال کرتے ہیں۔ اور نعتیہ شاعری کے لفظی ذخیرے میں کس حد تک اضافہ کرنے کی سعی مستحسن میں لگے ہوئے ہیں۔

اس راستے میں عرش کا زینہ بھی آئے گا
یعنی نبی کا شہر مدینہ بھی آئے گا
انگشتری ارض کی زینت بنا ہوا
پُر نور سبز رنگ، نگینہ بھی آئے گا

انجم عرفانی

لمبی پلکیں اور سرخی مائل رخسار
گیتوں جیسی آہٹ نغمہ سی رفتار

تن کے اوپر سادے سے سادہ جامہ
سر کے اوپر روشنیوں کا عمامہ

واحد سحری

ہے ان کے ذکر سے لرزاں وجود تیرہ شبی
نبی کے نام سے دیوار و در چمکنے لگے

ایس بوظفر

وہی یعنی خورشید دین مبیں
امام جہاں سید المرسلیں
وہ محبوب داور جمیل الشیم
وہی یعنی سردار خیرالامم

متین طارق باغپتی

ادا وہ آپ کے در پر ہی ہوگا
ہمارے سر جو سجدہ مانگتے ہیں
کھنڈر مخمور اپنی بستیوں کے
نمود شہر فردا مانگتے ہیں

مخمور سعیدی

گناہ گار کا سر ہے گناہ گار کا سر
اسے حضور کی رحل قدم پر رہنے دو
جب ان کی نعت پڑھوں گا نفس نفس قسمت
تو پھر کہوں گا مجھے اپنے دم پر رہنے دو

مولانا قسمت

زباں پہ ذکر نبی منور نظر میں رحمت مدام روشن
شہ زماں کی تجلیوں سے زمیں پہ چرخ دوام روشن
خدا نے نور محمدی کے طفیل سارا جہاں بنایا
وہ انبیا کی صفوں میں اوّل انہیں پہ ہے اختتام روشن

خورشید اکبر

مصطفیٰ محبوب سبحانی ہے تو
کبریا کی طرح لا ثانی ہے تو
عارف حق تا بہ حد معرفت
واقف اسرار یزدانی ہے تو

حیات لکھنوی

ہے عرش بریں تیرے لیے صاحب لولاک
قرآن تری عظمت کا ہی اظہار کرے ہے
عرفان نظر تم سے ملا احمد بے میم
کثرت اسی وحدت کی ہی تکرار کرے ہے

جاوید وشِشٹ

اس کے ذرات ہیں نازش کہکشاں
مصطفیٰ کا جہاں نقش پا مل گیا
اس کی ٹھوکر میں ہے سطوت قیصری
جس کو احسن در مصطفیٰ مل گیا

احسن

وہ ذرّۂ ناچیز کو خورشید بنا دیں
یہ فیض تو آقا کا مرے عام بہت ہے

جو ساقی کوثر سے ملے مجھ کو ذرا سی
وہ میرے لیے دردِ تہہ جام بہت ہے

متین امروہوی

برکات دیکھے تو رسالت مآب کی
عالم میں روشنی ہے مسلسل جناب کی
خاک حجاز سر چشم عظیم ہو
تعبیر خوشگوار ملے ایسے خواب کی

عمران عظیم

ظاہر ہے کہ ان شعرا کے نعتیہ اشعار کے دیکھنے سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ نعتیں کہنے میں لوگوں نے کسی طرح کی بیجا پابندیوں کا خیال نہیں رکھا ہے۔ اور جہاں تک ممکن ہو سکا ہے عشق رسول کے اظہار میں ہر طرح کی آزادی سے کام لیا ہے، غالباً نعتیں کہنے والے شعرا بھی اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ عشق اور جنگ میں سب جائز ہے۔ اب اس عہد کے ایک اہم اور پھیلے ہوئے نعت گو شاعر جناب ابرار کرت پوری کے کچھ اشعار دیکھے ان کے اشعار کے دیکھنے سے یہ بھی اندازہ ہو جائے گا کہ دراصل نعت کہنے میں بھی توازن رکھنا بہت ضروری ہے۔ ابرار صاحب کی نعتوں میں کہیں بھی عدم توازن کا احساس پیدا نہیں ہوتا ہے، یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

دین فطرت کی انساں نے پائی ضیا گمرہوں کو ملی منزل ارتقا
سروردیں سا بخشا گیا رہ نما ربنا ربنا آفریں آفریں

ہم کو رحمت سے ملے گی منزل
دور تک نقش قدم آپ کے ہیں

بندے کی التماس مؤدب قبول کر
شہر نبی میں حاضری یا رب قبول کر

جتنی دعائیں خدمت عالی میں پیش ہیں
میں چاہتا ہوں رب علیٰ سب قبول کر
رب کے حبیب کو ملا مرتبۂ جلال نور
آپ کی ذات پاک ہے ہستی بے مثال نور

تاکراں درس جو آقا کے چمکتے جائیں
پھول صحراؤں میں ایماں کے مہکتے جائیں

پاک قرآن ہے معیار رسولِ عربی
مثل آئینہ ہے کردار رسولِ عربی

شرح کتاب صدق ہے سیرت رسولِ کی
لکھی ہے آب زر سے فضیلت کی

سر کار دو عالم کی یہ شفقت کا اثر ہے
ہر لمحہ مری قبّہ خضریٰ پہ نظر ہے

آتی ہے ہر ایک حرف سے رحمٰن کی خوشبو
سرکار کی باتوں میں ہے قرآن کی خوشبو

ابرار کرت پوری صاحب کی نعتوں میں کسی طرح کی افراط وتفریط نہیں پائی جاتی ہے۔ وہ چوں کہ دین فطرت اسلام کا بہترین علم رکھتے ہیں اس لیے شریعت وطریقت سے بھی وہ خوب واقف ہیں، سوان کی نعتیں کسی بھی موحد کے لیے آزمائش نہیں بنتی ہیں۔ میں نے بھی نعتیہ شاعری میں طالب علمانہ کوششیں کی ہیں اور جہاں تک ممکن ہوسکا ہے نعتیہ شاعری کے حدود کا خیال رکھا ہے۔ چند اشعار پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

کہاں مجھ میں یارا نبی جی پہ لکھوں
شہ بحروبر کی بزرگی پہ لکھوں

وہ ہستی ہے اعلیٰ میں عاجز بیاں ہوں
وہ کامل حقیقت میں ناقص زباں ہوں

رسالت کے آداب ملحوظ رکھوں
تواضع سے ہر ایک ملفوظ لکھوں

حیات نبی ﷺ نوک خامہ پہ آئے
قلم ذکر احمد ﷺ سے اب جگمگائے

نبی ﷺ کی فضیلت کا ہے ترجماں
جو اترا ہے ان پروہ قرآن ہے

ہو دل میں لگن تو ملے گا نہ کیوں
محمد ﷺ کے ذریعے خدا کا پتہ

شاعری چاہے کسی بھی قسم کی ہو اس کا اعجاز یہ ہوتا ہے کہ وہ اشارے کنائے میں ساری باتیں نہایت موثر انداز میں بیان کر دیتی ہے۔ ایک بار کسی نے شیفتہ کے سامنے میر انیس کا مصرعہ ''آج شبیر پر کیا عالم تنہائی ہے'' پڑھا تو وہ تڑپ اٹھے اور کہا کہ انیس نے بیکار اتنے سارے مرثیے لکھے۔ ان کا سارا مرثیہ تو اسی ایک مصرعہ میں ضم ہو کر رہ گیا ہے۔ یہی بات شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ صاحب کے اس مصرعے ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' کے بارے میں کہی جا سکتی ہے۔ یہ مصرعہ نعتیہ شاعری کی کلید ہے۔ تا قیامت جتنی بھی نعتیں کہی جائیں گی اس کا خلاصہ ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' ہی ہوگا۔ اور جو لوگ ان حدود سے نکل جائیں گے ظاہر ہے کہ وہ نعتیہ شاعری کی حقیقی روح اور اس کے حدود سے ہی نہیں ایمان کامل کے حدود سے بھی تجاوز کر جائیں

گے اس لیے اگر اس ایک مصرعہ کو نعتیہ شاعری کی کلید مان لی جائے تو یہ شاعری ہر طرح کی افراط و تفریط سے محفوظ و مامون رہے گی۔ اور عابد و معبود کے حقیقی تناظر میں ایمان و ایقان کی تجدید کا فریضہ بھی ادا کر پائے گی۔ لیکن یہ تو صرف ایک خواہش ہے، حقیقت تو اس کے برعکس ہے کیوں کہ ہمارے بیشتر شعرائے کرام تو نبی اکرم ﷺ کو بشر ہی ماننے کو تیار نہیں ہیں جبکہ قرآن نے بہ صراحت نبی ﷺ کے بشر ہونے کی تائید و تاکید کی ہے۔

''تو کہا اس کی قوم کے سرداروں نے جنہوں نے اس کی دعوت ماننے سے انکار کیا تھا ہماری نظر میں تو تم (اے نوح) اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہماری طرح بشر ہو'' (سورہ ہود ۲۷)

لوگوں کے سامنے جب کبھی ہدایت آئی تو اس پر ایمان لانے سے ان کو صرف اس بات نے روکا کہ کیا اللہ نے بشر کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ (سورہ بنی اسرائیل آیت ۹۱)

غرض یہ کہ کافر نبی کو صرف اس لیے نبی ماننے کو تیار نہ تھے کہ وہ بشر تھے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وما ارسلنا من قبلك اِلّا رجالًا نوحی الیھم من اھل القریٰ۔

(سورہ یوسف آیت ۱۰۹)

(اے محمد) تم سے پہلے ہم نے جو بھی پیغمبر بھیجے وہ سب بھی انسان ہی تھے اور انہیں بستیوں کے رہنے والے تھے۔

معلوم یہ ہوا کہ تمام انبیاء کرام بشر تھے اور بشری خوبیوں سے معمور تھے۔ ایک غلط تصوّر نعت خواں حضرات نے یہ پیدا کیا ہے کہ نبی معجزہ دکھانے کا اختیار رکھتے تھے۔ یا یہ کہ ان میں بذات خود یہ طاقت تھی کہ وہ کوئی بھی معجزہ دکھاتے تھے۔ حالاں کہ ایسا نہیں ہے یہ اختیار صرف اللہ کو ہے چنانچہ فرمان الٰہی ہے۔

وما کان لرسول ان یّاتي بِایةِ الّا باذن اللّٰه (سورہ رعد آیت ۳۸)

اور کسی رسول کو بھی یہ طاقت نہ تھی کہ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی نشانی لا کر دکھا دیتا۔

معلوم یہ ہوا کہ نبی کو فوق الفطری اختیارات حاصل نہیں تھے۔ وہ خدا نہیں ہوتے تھے اور نہ ان میں خدائی صفات پائے جاتے تھے اس لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ کوئی بھی شاعر اپنی نعتوں میں نبی اکرم ﷺ کو بشری صفات سے ماورا قرار دے اور خدائی صفات کا حامل بنا کر پیش کرے۔ تصوّر رسالت اور نعت کی لفظیات کے تعین کے سلسلے میں خود حضور اکرم ﷺ کی احادیث سے بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

چند احادیث دیکھئے۔

(۱) عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ مبالغہ آرائی کے ساتھ بڑھا چڑھا کر میری ثنا خوانی نہ کرو، جیسا کہ عیسائیوں نے ابن مریم کی بڑھا چڑھا کر تعریفیں کیں۔ میں تو صرف اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، پس اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو (متفق علیہ)

(۲) حضرت ان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے آپ کو خیر البریہ کہہ کر خطاب کیا یعنی مخلوقات میں سب سے بہتر تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ ابرھیم علیہ السلام ہیں (مسلم)

(۳) عبداللہ الشخیر کے بیٹے مطرف سے روایت ہے کہ میں بنی عاد کے وفد میں شامل ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ہم لوگوں نے عرض کیا آپ ہمارے (سید یعنی سردار ہیں) آپ نے فرمایا سید تو اللہ تعالیٰ ہے تب ہم لوگوں نے عرض کیا آپ ہمارے سب سے زیادہ فضیلت وعظمت رکھنے والے ہیں۔ فرمایا کہہ لو اپنی بات یا اپنی کچھ بات مگر شیطان تم کو ہر گز جری نہ بنادے (احمد ابوداؤد) ذرا غور کیجئے کہ جو نبی خود کو سید، خیر البریہ، اور مخلوقات میں سب سے بہتر کہلوانا بھی پسند نہیں فرماتے ہیں اسے ان سے محبت کا دعوا کرنے والے خدا بنانے سے بھی گریز نہیں کرتے ہیں۔

(۴) حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی میں گالم گلوج ہونے لگی اسی دوران مسلمان نے کہا قسم اس ذات کی جس نے محمد کو تمام جہانوں پر برگزیدہ کیا۔ یہودی نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ کو تمام جہانوں پر برگزیدہ کیا، اس پر مسلمان نے طیش میں آکر اس یہودی پر ہاتھ اٹھادیا۔ یہودی حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور سارا ماجرا بیان کیا تو حضور نے مسلمان کو بلایا اور اس سے تمام بات معلوم کی تب حضور ﷺ نے فرمایا مجھے موسیٰ علیہ السلام پر ترجیح مت دو کیوں کہ قیامت کے دن تمام لوگ بے ہوش ہو جائیں گے تو ان کے ساتھ میں بھی بے ہوش ہو جاؤں گا۔ سب سے پہلے مجھے افاقہ ہوگا۔ میں اچانک دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا کنارہ پکڑے ہوئے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم وہ بے ہوش ہونیوالوں میں ہوں گے اور انہیں مجھ سے پہلے ہوش آئے گا یا وہ ان لوگوں میں ہوں گے جن کو اللہ نے بے ہوشی سے مستثنیٰ کر دیا ہے (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کسی بندہ کے لیے مناسب

نہیں کہ وہ یہ کہے کہ میں یونس سے بہتر ہوں (متفق علیہ)

ان احادیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضور کو دوسرے انبیاء کرام کے احترام کا کتنا خیال تھا۔ مگر ہمارے بیشتر نعت گوشعرا جب تک نبی اکرم ﷺ کو نبیوں کے سردار، امام الانبیا، وغیرہ نہیں کہہ لیں انہیں سکون ہی نہیں ملتا ہے۔ بسا اوقات تو وہ دوسرے انبیاء کرام کو کم کر کے دکھانے سے بھی باز نہیں آتے ہیں۔

کہنے کا مطلب یہ کہ نعتیں کہتے وقت جوش عشق کے ساتھ ساتھ ہوش وخرد اور ایمان وایقان کے حقیقی تصور کا بھی خیال رکھنا چاہیے تا کہ نعتیہ شاعری پر کسی طرح کا اعتراز نہ کیا جا سکے۔ اور اسے دوسری اصناف شاعری کی بہ نسبت زیادہ مطہر اور پا کیزہ سمجھا جائے۔ نعت کی لفظیات سے متعلق ان تمام باتوں سے کسی نہ کسی حد تک یہ واضح ہو جا تا ہے کہ نعت کی لفظیات سے معطر اردو شاعری کا خزانہ نعت گوشعرا کے تخلیقی وفور اور عشق نبی کے حقیقی شعور کی وجہ سے دن بہ دن ثروت مند ہوتا جا رہا ہے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ لوگ اب نعتیہ شاعری اور نعت رنگ الفاظ کو ہر طرح کے ذہنی تحفظات سے آزاد ہو کر دیکھیں۔ اور اس کا مطالعہ ادبی شرائط کی روشنی میں کریں۔ اس طرح نعتیہ شاعری اور نعت گوشعرا دونوں کا حق بہ آسانی ادا کیا جا سکے گا۔

○○○

ڈاکٹر سیّد منیر محی الدین قادری (آندھرا پردیش)

ڈاکٹر راہی فدائی کی نعتوں میں آلِ رسول ﷺ کا تذکرہ

''درودِ پاک'' وہ مقدس ذکر ہے جس میں بندہ تو کجا بلکہ ربّ العالمین، خالقِ کائنات کی ذاتِ والا صفات جیسی مقدس ہستی بھی شامل ہے۔ بات یہاں تک ختم نہ ہوئی بلکہ ربّ کائنات نے فرشتوں جیسی حقیقی مطیع و فرمانبردار مخلوق کو بھی شامل کر کے اس بات کا بلند و بالا اعلان کیا کہ **یآ اَیّھَا الّذِنَ اٰمَنُوا صلّوا عَلَیہ وَ سَلّمُو ا تَسلَیما۔** اے وہ لوگو! جو خدا پر ایمان لائے ہوئے تم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ بابرکات پر نہ صرف درودِ پاک پڑھو بلکہ مکمل سلام کے ہدیہ کو بھیجو۔ یہ حُکمِ خداوندی ہے اس میں بندہ کو اختیار نہیں کہ وہ چاہے تو اس مقدس ذکرِ پاک میں شامل رہے یا نہ رہے۔ یہاں فرمانِ خداوندی کو کہیں ایسا نہ سمجھو کہ اس مقدس ذکر میں تم اکیلے ہو بلکہ خدائے تعالیٰ اور اس کے فرشتے جیسی مخلوق بھی شامل ہے۔

''درودِ پاک'' کی اہمیت وافادیت کا واضح پہلو ہر کلمہ گو افراد کے سامنے ظاہر ہونے لگا۔ اب ہم درودِ پاک کے مفہوم کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلا حصہ۔**اَلّٰلھُمَّ صَلِّ عَلیٰ سَیّدِنَا مُحَمّد** اے اللہ میں اپنے سردار و آقا حضرت محمد ﷺ پر درود بھیج رہا ہوں۔ اور دوسرا حصہ **وَ عَلیٰ آلِ سَیّدِنَا مُحمّد وّ بَارِك وَ سَلّم**۔ اے اللہ آپ ﷺ کی آل (مبارک) پر بھی درود و سلام اور برکت نازل فرما۔

درودِ پاک کا مبارک سلسلہ پیارے نبی آقا ﷺ کی ذاتِ مبارکہ پر ہی قائم نہ ہوا بلکہ آپ کی ذاتِ والا صفات کی آلِ اطہار پر بھی جاری و ساری ہے۔ اب یہاں معلوم ہوا کہ یہ دونوں درودِ پاک کے اجزا ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح جُڑے ہوئے ہیں کہ قیامت تک اس میں نہ ترمیم ہوگی اور نہ ہی اضافہ بلکہ یوں کہنا بے جا نہ

ہوگا کہ درودِ پاک کے مقدس الفاظ ایک ساتھ اس طرح جُڑے ہوئے ہیں جس طرح کلمہ طیبہ کے دونوں اجزاء جُڑے ہوئے ہیں۔

درودِ پاک کا ذکر اُس وقت مکمل ہوگا جبکہ درودِ پاک بھیجنے والا آپ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی ''آلِ اطہار'' پر بھی درود بھیجا کرے۔اب یہاں قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ پیارے نبی ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کے ساتھ ساتھ آپ کی آلِ مبارکہ پر بھی درودِ پاک بھیجا جائے۔آپ ﷺ کی آلِ اطہار کی فضیلت و اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ پیارے نبی ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ ساتھ آپ کی آل اطہار کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

مذکورہ نکتہ کو سامنے رکھتے ہوئے راقم الحروف نے عاشقانِ رسول ﷺ اور قارئین کرام کی توجہ کو مبذول کروانا چاہتا ہے کہ جو بھی عاشقانِ رسول ﷺ اور عام امتی درودِ پاک کے مقدس ذکر میں شامل ہونا چاہتے ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ آپ ﷺ کی آلِ مبارکہ کو بھی شامل کر لیا جائے۔درودِ پاک کا یہ مبارک سلسلہ نہ صرف آج بلکہ قیامت تک کے لئے قائم و دائم رہے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں اور نہ ہی شک و شبہ کہ گنجائش رہے گی بلکہ یقینِ کامل کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔

آلِ رسول ﷺ کی اہمیت و افادیت کو خداوندِ تعالیٰ نے نہ صرف درودِ پاک کے ذکر میں شامل رکھا ہے بلکہ نماز جیسی عبادت میں بالخصوص ''تشہد'' میں بھی درودِ پاک کو شامل کر کے ''درودِ ابراہیم'' کا نام دیا ہے۔لفظِ صلِّ اور لفظِ بارک دونوں الفاظ کا ذکر علاحدہ علاحدہ شکل میں بیان کر کے نبی پاک ﷺ کی ذاتِ والا صفات کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی آلِ اطہر کو نماز جیسی عبادت میں شامل کر کے قیامت تک کے لئے اس سلسلہ کو قائم و دائم کر دیا۔

راقم الحروف کے خیال میں ''نعتِ پاک'' جیسے مقدس نورانی تذکرہ میں آپ کی آل اطہار کا ذکر کرنا بھی بڑی اہمیت کا حامل نظر آتا ہے۔نعت پاک کا وہ حصہ جس میں آلِ اطہار کی فضیلت بیان کی گئی ہو گویا کہ وہ فرمانِ خداوندی کے عین مطابق ہوگا۔اور بعض نعت گو حضرات بھی اس کی پیروی کرتے نظر آتے ہیں۔یہی ان کی انفرادی خصوصیت ہے۔اور اسی نکتہ کو راقم نے عام قاری کے سامنے ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔

وہ نعت گو حضرات قابلِ مبارک و لائقِ ستائش ہوتے ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کے مبارک و مسعود تذکرہ اور آپ ﷺ کے جملہ اخلاق و عادات و معجزات کے ساتھ ساتھ آپ کی آلِ

اطہار کی فضیلت کو بھی بیان کیا ہو۔ راقم کو اس بات کا شدّت کے ساتھ احساس ہونے لگا کہ کیوں نہ مختلف نعت گو شعرأ کی نعتوں میں آلِ اطہار کے تذکرہ کی وضاحت کی جائے۔ اس سلسلہ میں راقم نے شہر کڈپہ کے نعت گو شعرأ کی نعت گوئی میں آلِ رسول ﷺ کے تذکرہ کو تلاشنے کی کوشش کی ہے۔ تاکہ عام قاری کے سامنے آلِ رسول ﷺ کی اہمیت وافادیت کو اُجاگر کیا جاسکے۔

راقم کے سامنے اس وقت شہر کڈپہ کے چار شعرأ شکیل احمد شکیلؔ، ش م. ہاشم، ن م. جالب اور ستارؔ فیضی کا مجموعہ کلام ''سرورِ کونین'' ﷺ مطبوعہ ۲۰۱۲ء موجود ہے۔ راقم نے ہر ایک شاعر کی نعت میں ذکرِ آلِ رسول ﷺ کو تلاشا کہیں بھی کسی بھی نعت شریف میں آلِ رسول ﷺ کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے۔ شہر کڈپہ کے ایک اور قدیم شاعر پروفیسر محمد جلال الدین جلالؔ کڈپوی (مرحوم) کا ایک شعری مجموعہ ''جمالِ جلال'' (مطبوعہ پاسبان آفسیٹ پریس، بنگلور) سے شائع ہوا ہے لیکن اس تصنیف میں کہیں بھی سنِ طباعت موجود نہیں ہے۔

''جمالِ جلال'' کو دو حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ حصّہ اوّل میں ''جمالِ یزدانی و انوار مدنی'' اور حصّہ دوم میں ''انوار روحانی'' کا نام دیا گیا ہے۔ حصّہ اوّل میں تقریباً اٹھائیس نعتیں موجود ہیں کہیں بھی کسی بھی جگہ آپ نے آلِ رسول ﷺ کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ جناب قمرؔ امینی کا لکھا ہوا نعتوں کا مجموعہ ''کشکولِ کرم'' مطبوعہ ۲۰۱۷ء میرے سامنے موجود ہے جس میں تقریباً اُٹھتر نعتیں موجود ہیں ان تمام نعوت میں آپ نے کہیں بھی آلِ رسول ﷺ کی فضیلت پر کوئی ایک شعر نہیں کہا ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے اٹھاون قطعات پیارے نبی ﷺ کی شان میں لکھے ہیں اُن میں بھی آلِ رسول ﷺ کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے۔

بڑے خوش نصیب ہیں وہ نعت گو حضرات جنکی نعتوں میں درودِ پاک کے دونوں اجزأ۔ ذکرِ نبی پاک ﷺ اور آلِ رسول ﷺ کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہو۔ اُن خوش نصیب نعت خواں حضرات میں راقم الحروف کو بھی شامل ہونے کی سعادت حاصل ہے ملاحظہ کیجیئے۔ ؎

بہاریں دین کی پھیلائے ہے گلشن محمد ﷺ کا
بڑا ہی پُر فضا ہے دیکھئے آنگن محمد ﷺ کا

راقم نے مذکورہ شعر میں ''گلشن'' اور ''آنگن'' دونوں الفاظ کے ذریعہ آلِ رسول ﷺ کی اہمیت وفضیلت کو بیان کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ اس طرح احقر کا نام اُن خوش نصیب نعت گو شعرأ کی فہرست میں شامل ہو گیا جنھوں نے اپنی نعتوں میں آلِ رسول ﷺ کا تذکرہ کر کے

صنف نعت میں تنوع پیدا کیا۔ آیئے اب ہم ایک اور خوش نصیب نعت گو شاعر جناب ڈاکٹر راہیؔ فدائی کڈپوی کا نام لیتے ہیں جن کی نعتوں کا مجموعہ ''ناعت ومنعوت'' ۲۰۱۴ء میں شائع ہوا جس میں تقریباً ساٹھ نعت شریف موجود ہیں۔ راقم نے ان کی جملہ نعتوں کو پڑھنے کے بعد پانچ ایسے اشعار کو تلاشنے کی کوشش کی ہے جن میں ذکر آلِ رسول ﷺ کو بڑے احسن پیرائے میں پیش کیا ہے۔ جن کی تفصیلات حسبِ ذیل اشعار میں ملاحظ کیجئے۔ ؎

رہو گے نعتِ نسبت سے سرفراز ضرور
غلام آل ''بشیر'' و ''نذیر'' ہوجاؤ

(ص ۱۴۱)

مذکورہ شعر میں شاعر نے پہلے مصرعہ میں اس بات کا اقرار کیا ہے کہ جو لوگ نعت شریف لکھتے ہیں اُن پر پیارے نبی ﷺ کا کرم ضرور ہوگا، آپ کے فیض و کرم سے نعت گو شاعر ضرور سرفراز ہوگا۔ دوسرے مصرعے میں وہ تمام امّت مسلمہ کو اس بات کی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ اگر تم امت رسول ﷺ میں بلند مقام و مرتبہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو پیارے نبی آقا ﷺ آپ کا لقب ''بشیر'' (خوش خبری دینے والا) اور ''نذیر'' (نافرمانوں کو عذابِ خداوندی سے ڈرانے والا) بھی ہے، لہٰذا آپ ﷺ کی غلامی کے شرف کو حاصل کرو۔

راقم کے خیال میں مذکورہ شعر عصرِ حاضر کے مسلمانوں کو ایک لائحۂ عمل پیش کرتا ہے جنہوں نے اپنے آپ کو مختلف عقیدوں کے خانوں میں بانٹ رکھا ہے۔ چنانچہ راہیؔ فدائی ایک اور شعر میں رقم طراز ہیں۔ ؎

حقدار وہی آپ کے الطاف و کرم کا
جو آل سے کرتا ہے وفا احمد مختار کا

اس شعر میں شاعر نے بالکل واضح طور پر کہا ہے کہ وہی مسلمان نبیِ اکرم ﷺ کے الطاف و کرم کے حق دار ہوتے ہیں جو آپ ﷺ کی آلِ اطہار سے وفا کرتے ہیں۔

تا ابد باقی رہے گی عظمت آلِ رسول کی
کس قدر اعلیٰ ہے نسبت سرورِ کونین کی

مذکورہ شعر میں ڈاکٹر راہیؔ نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ آلِ رسول ﷺ کی عظمت تا قیامت باقی رہے گی اس کا تعلق آپ ﷺ کی نسبتِ مبارک کی وجہ سے ہے۔ یہ بات روزِ روشن کی طرح

واضح ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ''درودِ ابراہیم'' میں آلِ رسول ﷺ کے تذکرہ کو شامل کر کے قیامت تک کے لئے درودِ پاک کے مبارک سلسلہ کو جاری و ساری رکھا۔

محترم، محتشم، مختتم، مغتنم
رب کے نورِ نظر اہلِ آل آپ ﷺ کے

مذکورہ شعر میں راہیؔ نے اِس بات کا اعتراف کیا ہے کہ آلِ رسول ﷺ کا مقام و مرتبہ اِس قدر بلند و بالا ہے کہ آپ کی ﷺ آل قابلِ احترام ہے اور وہ عزت وعظمت کا درجہ رکھنے والی ہے اور اعتنائی کیفیت کی حامل ہے۔ آلِ رسول ﷺ کی عظمت اور اعلیٰ مرتبت کا یہ سلسلہ انہیں پر موقوف ہے اور انہیں پر اختتام پذیر ہے۔

آلِ اطہر اور اصحابِ پیغمبر کو سلام
یاد رکھیں گے مسلماں ان کے احساں کو

(ص ۱۹۴)

ڈاکٹر راہیؔ فدائی کے نعتیہ مجموعہ میں ایک ''سلام'' مبارک بھی بڑے اہتمام کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ مذکورہ شعر میں آپ کا سلام آلِ رسول کی عظمت پر خُلوص بھرا دکھائی دیتا ہے۔ راہیؔ فدائی نے آپ ﷺ کے اصحابِ کرام جنہوں نے اسلام کے لیے خالص قربانیاں پیش کی ہیں ان کا ذکر کرتے ہوئے بالخصوص آپ کی آلِ اطہار میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بقائے اسلام کے لئے جو قربانیاں پیش فرمائی ہیں ان کی وضاحت کی ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے اس بات کا بھی اقرار کیا ہے کہ انہیں کے احسان کی بدولت آج مذہبِ اسلام زندہ و پائندہ ہے۔

بحیثیت مجموعی ڈاکٹر راہیؔ فدائی نے آلِ رسول ﷺ کے مبارک تذکرہ سے نعتوں میں ایک ایسی خوبی پیدا کر دی ہے کہ جس کی تابنا کی عاشقانِ رسول ﷺ کے قلوب کو جلا بخشتی ہوئی نظر آتی ہے۔ جس کی کرنیں ہر عاشقِ رسول ﷺ کے قلب و ذہن کو روشن و منور کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ خدا کرے کہ اس طرح نہ صرف ''دبستانِ نعت'' میں اپنا نام درج کرائیں بلکہ پیارے نبی ﷺ کے ''سچے نعت خواں'' کے زمرے میں اپنے آپ کو شامل کر لیں۔ تا کہ دامنِ رسول میں انہیں تھوڑی سی جگہ مل جائے۔ اور جنت میں نعت خوانی سے بھی سرفراز ہو جائیں۔ آمین ثم آمین۔

فَدَاكَ اَبِی و اُمّیِ یا رَسُول اللّٰه صَلیَ اللہ علیہ وسلم۔

○○○

افکارروشن

ہے تازہ آج تک وہ نوائے جگر گداز
صدیوں سے سُن رہا ہے جسے گوشِ چرخِ پیر

علامہ اقبالؔ

ڈاکٹر عزیز احسن (کراچی)

نعتیہ شاعری میں اصنافِ سخن کی جلوہ سامانیاں

اجملؔ نقشبندی کے نعتیہ مجموعوں کی تعداد تقریباً نصف درجن ہوگئی ہے۔اس بات سے شاعر کے اس والہانہ شغف کا اندازہ ہوتا ہے جو اسے مدحتِ رسول ﷺ سے ہے۔زیرِ نظر مجموعۂ نعت میں شاعری کی قدیم اصناف کے ساتھ ساتھ جدید عہد میں متعارف ہونے والی نئی اصناف میں بھی نعتیہ مضامین کی تاب وتب نظر آتی ہے۔شاعر کا یہ رُجحان جذبے سے اسلوب کی طرف جست کی عکاسی کرتا ہے۔

ابتدا میں ''حمدیئے'' ہائیکو یا ہائیک کی ہیئت فارم میں ہیں۔ان میں ہائیک کی مروّجہ بحر پانچ سات پانچ کی پابندی کی گئی ہے۔مافیہ (Content) کے حوالے سے ایک ہائیک پیش خدمت ہے جس میں شاعر نے اُمتِ مسلمہ کی تاریخ بھی رقم کردی ہے اور بیدار مغزوں کی قلبی بے چینی اور اضطرابِ دروں کو بھی سمو دیا ہے۔کرب کے باوجود تعبیروں کے کھوج کا عمل رکا نہیں ہے۔یہ رجائیت بھی بین السطور رقم ہوگئی ہے۔

اے رب الارباب!
تعبیروں کی کھوج میں ہم ہیں
صدیوں سے بے خواب!

اس ہائیک کی قرأت (Reading) سے احساس کا جو تموج پیدا ہوتا ہے، کتاب کی خواندگی کے مرحلے میں وہ حرف بہ حرف اور لفظ بہ لفظ بڑھتا ہی جاتا ہے۔

نعتیہ شاعری کے ضمن میں شعریت (اسلوب یا Style) اور شریعت (مافیہ کلام یا Content) دونوں کا توافق (Harmony) ضروری ہے۔اجملؔ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شعریت اور شریعت کا امتزاج پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔شاعر موصوف نے دُعا کی ہے:

مری سرشت ترے مصطفیٰؐ کی سنت ہو مرے خیال کو حسنِ خیال دے اللہ

''حضوری سے پہلے حضوری کے بعد'' میں شامل تقاریظ سے پتہ چلتا ہے اور شاعر کی تصویر سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی شخصیت پر مصرعِ اولیٰ کی قبولیت کے اثرات بحسن وخوبی مرتب ہونے لگے ہیں۔ رہا حسنِ خیال کا معاملہ تو اس کے ثبوت میں یہی بات کہی جاسکتی ہے کہ جس شاعر کے خیال کا مرکزی نقطہ ہی طیبہ کی سرزمین ٹھہرے اس کے خیال میں حسن پیدا نہ ہونے کا گمان بھی سوئے ادب ہے۔

ماہیے میں بھی اجملؔ صاحب نے طبع آزمائی کی ہے۔ اس صنف میں بھی ان کے بیان کا بانکپن دیدنی ہے۔

سر چشمۂ رحمت ہے
لاریب مدینہ ہی
عشاق کی جنت ہے

سانیٹ کی صنف' مغربی ادب سے اُردو میں آئی ہے۔ اُردو میں سانیٹ لکھے تو گئے ہیں لیکن زیادہ مقبول نہیں ہوسکے۔ نعت نگاروں نے بھی سانیٹ کے فارم میں عشق رسول ﷺ کے اظہار کی کوششیں کی ہیں۔ زیرِنظر کتاب میں بھی چند سانیٹ ہیں جن کا اسلوب شگفتہ ہے اور متن (Text) کے حوالے سے بھی لائق توجہ ہیں کیونکہ ان میں سیرتِ محبوب رب العالمین ﷺ کی تنویریں، تاریخِ اسلام کی جھلکیاں اور بعثتِ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے عالم انسانی کو پہنچنے والے فیضان کا تذکرہ ہے۔ ایک سانیٹ ''روشنی'':

دہر میں ہر طرف تھی تاریکی
تیرہ بختی کا سخت موسم تھا
ظلمتوں، نفرتوں کا عالم تھا
بحرِ ظلمات، ارض گیتی تھی
مہر، اُلفت ، خلوص، پیار وفا
ہوگیا تھا جہان سے مفقود
بربریت کی انتہا کے سوا
نسلِ آدم میں کچھ نہ تھا موجود

ایسے میں اک کرن محبت کی
کوہِ فاراں کی پشت سے پھوٹی
چاک جس نے رِدائے ظلمت کی
ہر طرف تیز روشنی پھیلی

میرا اس تیز روشنی کوسلام
یعنی اللہ کے نبی ﷺ کو سلام

اسی طرح آزاد نظم (Free Verse) جسے نعت گو شعراء نے کم اپنایا ہے، اجملؔ نقشبندی کے اس نعتیہ مجموعے کی زینت بنی ہے۔

یہ کوشش بھی خاصی کامیاب ہے۔ اس نظم میں طلبِ خیر کی تڑپ اور طلب کے ساتھ ساتھ انکشافِ حقیقت کا پرتوَ بھی ہے اور ہادیٔ برحق رسولِ رحمت ﷺ کی بعثت سے انسانیت کو حاصل ہونے والی طمانیت کا احساس بھی:

پھر مجھے پھیر کر خیر کی راہ پر
گامزن کر دیا اور میں کہہ اُٹھا
اے سراپا عطا! عکسِ نورِ خدا!
مصطفےٰ ﷺ مجتبیٰ ﷺ!
اک تیرا ہے فقط
راستہ خیر کا
راستہ خیر کا!

قدیم اصنافِ سخن میں غزل کی ہیئت میں بہت سی نعتیں ہیں جن کا مزاج غزل کی روایت سے ہم آہنگ ہے۔ ان نعتیہ غزلوں میں جذبۂ عشق نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام بڑی سادگی سے جزوِ ہنر بن گیا ہے۔ غزل کے دو مصرعوں میں نقش گری کرنے والے شعراء بعض اوقات ایسے اشعار کہہ جاتے ہیں جن میں انسانی حافظے پر نقش ہو جانے کی خوبی ہوتی ہے۔ اجملؔ صاحب کے بھی اشعار اس خصوصیت کے حامل ہیں۔ مثلاً:

مدحِ سرکار ﷺ میں یوں عمر ہماری گزرے   جیسے حسانؓ نے جامیؒ نے گزاری گزرے

کوئی شب ان کے تصور سے نہ گزرے خالی   کوئی شب ان کے نہ دیدار سے عاری گزرے
دل کی بے راہ روی بے جہتی ناممکن   رہنما آپ کا ذکر، آپ کی یاد، آپ کا نام
جس کے دل میں نبی ﷺ کی اُلفت نئیں   اس کو حاصل خدا کی قربت نئیں
نبی ﷺ کی عنایت کے صدقے ہے آساں   سنا ہے کہ یہ راہِ مدحت کڑی ہے
کفر کی تیرہ ہوا اپنی جگہ   دین کا روشن دیا اپنی جگہ
میں ذرّہ اور صحرا آپ ﷺ   میں اک قطرہ دریا آپ ﷺ
پڑھیے ان ﷺ پر درود ادب کے ساتھ   نام جن ﷺ کا ہے نامِ رب کے ساتھ
ہر وقت مدحتوں کے اُجالوں میں گم رہوں   محبوبِ کبریا☆ کے خیالوں میں گم رہوں

درجِ بالا اشعار غزل کی شگفتہ بیانی، فصاحت اور سلاست کے باعث حافظے میں محفوظ ہو جانے کی قوت رکھتے ہیں۔

اس کتاب میں مسدس، مخمس اور رباعیات بھی ہیں۔ان اصناف کی موجودگی سے اندازہ ہوتا ہے کہ اجملؔ نقشبندی اصناف کو وسیلۂ اظہار بنانے پر قادر بھی ہیں۔

اجملؔ نقشبندی نے بزمِ مدحت گزاراں میں داخل ہوتے ہوئے شعر کی زیادہ سے زیادہ ہیئتوں کو رفعتِ مضمون سے ہمکنار کیا ہے۔انھیں یہ بھی سعادت حاصل ہے کہ ان کا توسنِ خیال زیادہ تر حمد و نعت ہی کی مقدس وادیوں میں اپنی جولانیاں دکھاتا ہے اور اس سے بڑی سعادت یہ ہے کہ ان کا کلام عقیدے اور عقیدت کا لائقِ تحسین امتزاج نظر آتا ہے۔

پس نوشت:

☆ ''کبریا''......اللہ رب العزت کا نام نہیں صفت ہے۔اس لیے اس غلط العام استعمال کو ترک کرنا بہتر ہے۔ سورۂ یونس اور سورۂ جاثیہ دیکھیے۔(اور حاصل ہو جائے تم دونوں کو سرداری[کبریا] اس ملک میں ......۱۰:۷۸)......(اور اسی کو سزاوار ہے بڑائی [کبریا] آسمانوں اور زمین میں......۴۵:۳۷)۔

○○○

تنویر پھولؔ (نیو یارک)

نعت میں بچوں اور ادبِ اطفال کا حصہ

نعتیہ ادب میں بچوں کی شرکت کا سب سے پہلا حوالہ ہمیں ہجرت کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ منورہ تشریف آوری پر **"جآ نبی اللّٰہ ، جآ رسول اللّٰہ"**
(اللہ کے نبی ﷺ آ گئے، اللہ کے رسول ﷺ آ گئے) کے نعروں کے دوران وہاں کی ننھی منی بچیوں کے اس مشہور ومقبول، سادہ اور آسان نغمے سے ملتا ہے جو دف بجا کر گایا تھا:

طَلَعَ البَدرُ علینا مِن ثَنیات الوداع
وَجَب الشُّکرُ علینا ما دَعیٰ لِلّٰہ داع

(چودھویں کا چاند ہم پر طلوع ہُوا ہے، وداع کی گھاٹیوں کی طرف سے۔ ہم پر شُکر ادا کرنا واجب ہے اس دعوت کا جو اللہ کے داعی نے ہمیں دی ہے)

جب آپ ﷺ بنونجار کے محلے میں پہنچے اور آپ ﷺ کی اونٹنی جس کا نام قصویٰ تھا، وہیں ٹھہر گئی تو آپ ﷺ نے وہاں کے سب سے قریبی گھر کے مالک حضرت ابوایوب خالد بن سلطان انصاری کو میزبانی کا شرف بخشنے کا ارادہ ظاہر کیا تو خوشی کے اظہار میں بنونجار کی ننھی منی بچیوں نے بھی دف بجا کر یہ نغمہ گایا:

نحن جَوارِ مّن بنی النجّار
یا حبّذا محمد ﷺ مّن جار

(ہم بنونجار کی بچیاں ہیں اور ہمیں خوشی ہے کہ حضرت محمد ﷺ ہمارے پڑوس میں رہیں گے)

ابوالاثر حفیظ جالندھری نے اس کی تصویر کشی یوں کی ہے:

زباں پر ' اشرق البدرُ علینا ' کی صدائیں تھیں
دلوں میں ' ما دعیٰ للہ داعِ ' کی دعائیں تھیں

کہیں معصوم ننھی بچیاں تھیں ، دَف بجاتی تھیں
رسول پاک ﷺ کی جانب اشارے کرکے گاتی تھیں
کہ ہم ہیں بچیاں نجار کے عالی گھرانے کی
خوشی ہے آمنہ کے لال کے تشریف لانے کی
مسلمانوں کے بچے بچیاں مسرور تھے سارے
گلی کوچے خدا کی حمد سے معمور تھے سارے
نبوت کی سواری جس طرف سے ہو کے جاتی تھی
درود و نعت کے نغمات کی آواز آتی تھی

حضور ﷺ نے ان بچیوں سے نہایت شفیق لہجے میں پوچھا ''کیا تمھیں ہم سے بہت محبت ہے اور تم ہمارے آنے پر بے حد خوش ہو؟'' تو انھوں نے سر ہلا کر اقرار کیا، اس پر آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: ''ہمیں بھی تم سے بہت لگاؤ اور محبت ہے''۔

حضرت اَنس بن مالک جنھیں بچپن سے حضور ﷺ کی غلامی کا شرف حاصل تھا، فرماتے ہیں کہ ''جس روز حضور ﷺ مدینہ تشریف لائے اُس روز ہر چیز منور ہوگئی''۔

غالباً اسی وجہ سے اس شہر کو ''مدینہ منورہ'' کے مقدس نام سے یاد کیا جاتا ہے جبکہ پہلے اس کا نام ''یثرب'' (قابل الزام وملامت جگہ جو خراب آب وہوا کی وجہ سے مشہور تھی) تھا۔ اب جو نعتیں بچوں کے ادب میں شامل ہیں اُن کے کچھ نمونے:

معصومیت کا ہالہ بچپن مِرے نبی ﷺ کا
پھولوں کی طرح اُجلا بچپن مِرے نبی ﷺ کا
سب اچھی عادتوں سے پُر نور اور مُزیّن
سچائی کا حوالہ بچپن مِرے نبی ﷺ کا
آغوشِ آمنہ [1] سے دن کی طرح اُبھر کر
جگ کو سجانے والا بچپن مِرے نبی ﷺ کا
گھر حارث [2] و حلیمہ [3] کا برکتوں سے بھرتا
رعنائیوں کا جھرنا بچپن مِرے نبی ﷺ کا
شیما [4] کی اور انیسہ [5] کی چاہتوں کا مرکز

بادل محبتوں کا بچپن مِرے نبی ﷺ کا
بنتِ اسدؓ کی دھڑکن ، وہ جانِ اُمِّ ایمنؓ
توقیرِ جد بڑھاتا بچپن مِرے نبی ﷺ کا

(شاعر: حفیظ تائب، ماخوذ از ماہنامہ ''ہلال'' کراچی شمارہ اکتوبر ۲۰۰۰ء۔ ''ورلڈ ریکارڈ نمبر''۔۱۲۱۲صفحات پر مشتمل)

جس نے بنائے چاند ستارے روشنیوں کے چشمے سارے
اُس نے اُنھیں ﷺ پسند کیا ہے اُن ﷺ کا ذکر بلند کیا ہے
کتنی عظیم ہے اُن ﷺ کی ہستی ذکر ہے اُن ﷺ کا بستی بستی
صادق اور امین وہی ﷺ ہیں طٰہٰ اور یٰسین وہی ﷺ ہیں
مولا کی پہچان وہی ﷺ ہیں سب سے بڑے انسان وہی ﷺ ہیں
وہ ﷺ مہمانِ عرشِ معلّیٰ شانِ محمد ﷺ اللہ اللہ
رحمت اُن ﷺ کی عالم عالم
صلی اللہ علیہ و سلم

(شاعر: انور مسعود، ماخوذ از سہ ماہی ''ادبیات'' اسلام آباد۔ شمارہ نمبر ۹۴۔۹۵۔ جنوری تا جون ۲۰۱۲ء۔ بچوں کا ادب نمبر)

بچوں کے لئے آسان زبان میں ایک اور نعت ملاحظہ کیجئے:

ہم کو ہیں دل سے پیارے آنکھوں کے ہیں وہ ﷺ تارے
ہم سب کے ہیں سہارے پیارے نبی ﷺ ہمارے
باطل مٹانے والے قرآن لانے والے
ہیں بخشوانے والے پیارے نبی ﷺ ہمارے

نیکی ہمیں سکھائی اور شمعِ حق جلائی
کی دُور ہر بُرائی پیارے نبی ﷺ ہمارے

اندھیاروں کو مٹایا دنیا کو جگمگایا

ہر بُت کدے کو ڈھایا پیارے نبی ﷺ ہمارے

اُن ﷺ سے کرو محبت سب کے لئے ہیں رحمت
ہر دل میں اُن ﷺ کی اُلفت پیارے نبی ﷺ ہمارے

کر دیں مدد خدارا دے دیں اسے سہارا
ہے پھولؔ نے پُکارا پیارے نبی ﷺ ہمارے

(شاعر: تنویر پھولؔ، ماخوذ از مجموعہء کلام ''گلشنِ سخن''، مطبوعہ جنوری ۱۹۷۰ء)

سہ ماہی ''ادبیات'' اسلام آباد کے مذکورہ ''بچوں کا ادب نمبر'' (جلد دوم: قومی ادب: حصہٴ نظم) میں شامل بچوں کے لئے دو خوب صورت نعتیں ملاحظہ کیجئے:

وہ ﷺ جس پہ نازاں ہیں خود عطائیں جو بخشے اغیار کی خطائیں
سُنے جو ﷺ بے کس کی التجائیں جو خوں کے پیاسوں کو دے دعائیں
جو ﷺ خُلق سے دل کے زخم سی دے جو گھُپ اندھیروں کو روشنی دے
ستارے گرد اُس ﷺ کی رہگزر میں فرشتے ساتھ اُس ﷺ کے ہر سفر میں
محبت اُس ﷺ کی نظر نظر میں دیانت اُتری اُسی ﷺ کے گھر میں
امانت اُس ﷺ کی ادا پہ جھومے صداقت اُس ﷺ کی زبان چومے

(شاعر: محشرؔ بدایونی، ماخوذ از سہ ماہی ''ادبیات'' اسلام آباد۔ شمارہ نمبر ۹۴۔۹۵۔ جنوری تا جون ۲۰۱۲ء۔ بچوں کا ادب نمبر)

پیارا پیارا نام نبی ﷺ کا سب سے اچھا نام نبی ﷺ کا
سورج بن کر اِس دھرتی پر ہر سُو چمکا نام نبی ﷺ کا
دیتا ہے آرام دلوں کو راحت والا نام نبی ﷺ کا
اپنے ہاتھوں پر لکھ لکھ کر میں نے چوما نام نبی ﷺ کا
بگڑے کام بنانے والا ہم نے دیکھا نام نبی ﷺ کا
بچے بچے کے ہونٹوں پر دیکھو ! آیا نام نبی ﷺ کا
یاور ! ہم سب پر لازم ہے لیتے رہنا نام نبی ﷺ کا

(شاعر: یاور عظیم، ماخوذ از سہ ماہی ''ادبیات'' اسلام آباد۔ بچوں کا ادب نمبر)

بچوں کے لئے ایک اور نعت ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کی ردیف میں:

سب نبیوں کے آپ ہیں سرور صلی اللہ علیہ وسلم
آپ سراپا نور کے پیکر صلی اللہ علیہ وسلم

آپ ہی سے قرآن ملا ہے، سچ یہ ہے ایمان ملا ہے
آپ ہیں ہادی، آپ ہیں رہبر صلی اللہ علیہ وسلم

آپ نے ہم کو رب سے ملایا اور سیدھا رستہ دکھلایا
آپ کی یاد سے دل ہیں منور صلی اللہ علیہ وسلم

آپ سے آقا صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو مانگوں اور مجھے درکار نہیں کچھ
خواب میں دیکھوں روضہ ء انور صلی اللہ علیہ وسلم

طیبہ نگر مشتاق بھی آئے، اتنا کرم فرمائیں آقا صلی اللہ علیہ وسلم!
جلد بلائیں اس کو در پر صلی اللہ علیہ وسلم

(شاعر: محمد مشتاق حسین قادری، ماخوذ از مجموعہ ءِ نظم ونثر ''گلہائے رنگا رنگ'' مطبوعہ شعبان المعظم، ۲۰۱۴ء)

بچوں کے لئے ''صنعتِ توشیح'' میں ایک نعت جس کے مصرعوں کے ابتدائی حروف سے ''محمد رسول اللہ'' صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نکلتے ہیں:

م: مُشفق و مہرباں آپ ہیں یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم!
ح: حامیٔ مومناں آپ ہیں یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم!
م: مومنوں پر ہے رحمت بڑی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی
د: دُور ہوتی ہے مسلم کی ہر بے کلی
ر: رحمتِ دوجہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے لقب
س: سارے عالم کی تخلیق کا ہیں سبب
و: والیٔ بے کساں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں بالیقیں
ل: لطف کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے، کوئی حد ہی نہیں
ا: اب ہماری طرف بھی نظر کیجئے

ل: لب پہ ہے التجا ، اس کو سُن لیجئے
ل: لیں ہماری خبر ، پھولؔ ہے کہہ رہا
ہ : ہم پہ چشمِ کرم ہو حبیبِ خدا ﷺ!

(شاعر: تنویر پھولؔ، ماخوذ از مجموعہء حمد ونعت ومنقبت ''انوارِ حرا'' (۳۰۴ صفحات پر مشتمل)، مطبوعہ جولائی ۱۹۹۷ء)

''مُرسلِ اکرم ﷺ'' کے زیرِعنوان ''صنعتِ عاطلہ'' یعنی غیر منقوطہ (جس میں کوئی نقطہ استعمال نہ ہو) میں ایک نعت جو بچوں کے لئے بھی ہے:

احمد ﷺ ، حامد اور مکرّم مُرسل ِ اکرم ﷺ، سرورِ عالم
اسمِ محمد ﷺ ، اعلیٰ ، اولیٰ وہ ہے ہُوا ممدوحِ مولیٰ
مسلم ِ عاصی کے وہ سہارے حامی ہوئے سرکار ﷺ ہمارے
ہر رہرو اس در کا سوالی راہ دکھائے ہادیء عالی ﷺ
والی، ماویٰ ہے وہ ﷺ ہمارا اسمِ محمد ﷺ دل کا سہارا
وہ عالی ہے ، وہ اعلیٰ ہے اُس سے طلوعِ ماہِ حرا ہے
اس کی مہک اطہر و معطر عالمِ کامل ، مُرسلِ داور ﷺ
مسعودِ عالم اسم اُس کا محمودِ آدم اسم اُس کا
اللہ اللہ اُس کے کرم سے دُور ہوئے دکھ ہر مسلم کے
رحم و کرم اور عدل ہے اعلیٰ گُل کا ہے دل کملی والا ﷺ
عالی ہے سرکارِ دوعالم اور احمد ﷺ سردارِ دوعالم
وہ ﷺ محمود ، مکرّم ، عادل وہ ﷺ اُمّی ، طٰہٰ اور کامل
احمد ﷺ، اوّل اور ولی و ہ ﷺ داعی ، مدعو اور ماحی وہ ﷺ
اولیٰ، مطہّر اور محرّم آمر ، مُرسل ، ہادیء عالم ﷺ
لاکھوں درودوں کی دو سلامی اعلیٰ ہے وہ اسمِ گرامی
مدحِ محمد ﷺ کے ہم عادی
دل کی کلی ہے اس سے کِھلادی

(مندرجہ بالا نعت میں حضور ﷺ کے توصیفی نام استعمال ہوئے ہیں جو بچوں کے لئے ابتدائی قرآنی قاعدہ ''یسّرنا القرآن'' میں بھی موجود ہیں)

(شاعر: تنویر پھولؔ، ماخوذ از مجموعہءنعت ''قندیلِ حرا'' مطبوعہ دسمبر ۲۰۰۳ء)

بچوں کے لئے ایک اور نعت:

نعت اشکوں سے لکھوں اور سَحَر ہو جائے
زندگی اُن ﷺ کی ثنا میں ہی بسر ہو جائے
آرزو ہے مجھے مل جائے غلامی کا شَرَف
یہ کرم آپ ﷺ کا سرکار ﷺ! اگر ہوجائے
اِک تڑپ دل میں اُٹھی ، یاد مدینہ آیا
اب مدینے کا مجھے اِذنِ سفر ہو جائے
آنے جانے کا یہ قصہ ہی سمٹ جائے گا
آپ ﷺ کے حکم سے طیبہ میں جو گھر ہوجائے
ہو میسر جو مجھے خاکِ مدینہ یا رب !
میرا مدفن مِرے آقا ﷺ کا نگر ہو جائے
کام بگڑے ہوئے بن جائیں گے اس کے طاہرؔ!
جس کی جانب مِرے آقا ﷺ کی نظر ہوجائے

(شاعر: طاہرؔ سلطانی، ماخوذ از حمدیہ ونعتیہ انتخاب ''ارمغانِ حمد ونعت'' مطبوعہ شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ، مطابق ۲۰۰۷ء)

ایک اور خوب صورت نعت ملاحظہ کیجئے:

مِری سوئی ہوئی قسمت اگر بیدار ہو جائے
جمالِ مصطفیٰ ﷺ کا خواب میں دیدار ہو جائے
ملے گی دولتِ عشقِ الٰہی آپ ﷺ کے در سے
مِری جانب اگر چشمِ کرم اِک بار ہو جائے
مجھے ہر ماسوا سے توڑ کر اپنا بنا لو تم ﷺ
مِرے مولیٰ ﷺ! مجھے حاصل تمھارا پیار ہو جائے

اسے دنیا و دیں کی سرفرازی پھر سے حاصل ہو
کرم کی اِک نظر اُمت پہ اب سرکار ﷺ! ہو جائے
وہی نجم الہدیٰ جو آپ ﷺ کے در کا بھکاری ہے
سہارا آپ ﷺ دیں تو اس کا بیڑا پار ہو جائے

(شاعر: پروفیسر ڈاکٹر نجم الہدیٰ، فروری ۱۹۷۹ء کی نعت، ماخوذ از تحقیقی مقالہء پی ایچ، ڈی۔ مقالہ نگار: ڈاکٹر ثریا جہاں ایم اے، پی ایچ، ڈی)

بچوں کے لئے ایک اور دلکش نعت:

جس جگہ ذکرِ مصطفیٰ ﷺ نہ ہُوا — روشنی کا بھی سلسلہ نہ ہُوا
جس نے جانا نہیں محمد ﷺ کو — وہ خدا سے بھی آشنا نہ ہُوا
نعت لکّھی تمام عمر مگر — ’حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہُوا‘
در بدر ہو گیا زمانے میں — جس کا اُس در سے واسطہ نہ ہُوا
بَیر رکھتا ہے جو محمد ﷺ سے — کیا وہی دُشمنِ خدا نہ ہُوا ؟
ہم نے اپنے نبی ﷺ کے صدقے میں — رب سے مانگا تو کیا عطا نہ ہُوا !
شاہ کیا ؟ خاک ہو گا دنیا میں — آپ ﷺ کے در کا جو گدا نہ ہُوا

شب ِ معراج ہے سَنَد اے دلؔ !
کیا خدا آپ ﷺ پر فدا نہ ہُوا ؟

(شاعر: امان خان دلؔ، ماخوذ از مجموعہء نعت ’’شہِ لولاک ﷺ‘‘ مطبوعہ ۱۴۲۷ھ، مطابق ۲۰۰۶ء)

ایک اور خوب صورت نعت ملاحظہ کیجئے:

کہاں تک اُٹھاؤں ستم یا محمد ﷺ! — مٹا دو مِرے رنج و غم یا محمد ﷺ!
تمھارا وسیلہ ہے درکار مجھ کو — میں ہوں اور بحرِ الم یا محمد ﷺ!
بنا دو مقدّر خدارا بنا دو — مِری سمت چشمِ کرم یا محمد ﷺ !
خطا کار ہوں پھر بھی میں ہوں تمہارا — سرِ حشر رکھنا بھرم یا محمد ﷺ!
بیاں کیا ہو رُتبہ کہ عرش بریں پر — تمہارے ہیں نقشِ قدم یا محمد ﷺ !
رقم صرف مدحت کرے جو تمہاری — عطا ہو مجھے وہ قلم یا محمد ﷺ !

صدا دے رہی ہے مِری سانس اخترؔ
کرم یا محمد ﷺ ! کرم یا محمد ﷺ !

(شاعر : پرویز اختر ، ماخوذ از مجموعہ ءنعت ''صاحبِ معراج ﷺ''، مطبوعہ ۱۴۲۳ھ ، مطابق ۲۰۰۲ء)

ایک اور دلکش نعت ملاحظہ کیجئے:

تم سیرتِ سرکار ﷺ کو اپنا کے تو دیکھو
طیبہ کی طرف ایک قدم آ کے تو دیکھو
منزل تمھیں مل جائے سرِ راہِ مدینہ
دنیا کی محبت سے تم اُکتا کے تو دیکھو
پائیں گے سبھی دل میں محمد ﷺ کی محبت
تم اُن ﷺ کی محبت کبھی سمجھا کے تو دیکھو
بھر جائے گا نعمت سے تمھارا تہی دامن
سرکار ﷺ کے آگے اسے پھیلا کے تو دیکھو
گر اسمِ محمد ﷺ کا اثر دیکھنا چاہو
ہر وقت زبانی اسے دُہرا کے تو دیکھو
رحمت کا خزانہ تمھیں مل جائے گا آسیؔ
میلاد کی محفل میں کبھی جا کے تو دیکھو

(شاعر : آسیؔ سلطانی ، ماخوذ از حمدیہ ونعتیہ انتخاب ''ارمغانِ حمد ونعت'' مطبوعہ ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۰۰۷ء)

ایک اور سلیس وخوب صورت نعت:

ہُوا خاتمہ دہر سے تیرگی کا — کرشمہ ہے یہ آپ ﷺ کی زندگی کا
پتا دے کے منزل کا دونوں جہاں کی — کیا حق ادا آپ ﷺ نے رہبری کا
زمیں باقی اُس کے لئے قید خانہ — ہُوا جو کہ عاشق دیارِ نبی ﷺ کا
حروفِ سنہری میں لکھنے کے لائق — ہے فرمان ہر اِک ہمارے نبی ﷺ کا
قناعت کا پابند انساں اگر ہو — کبھی دل میں خدشہ نہ ہوگا کمی کا

گہرؔ! اپنے اعمال کی تم خبر لو
کہ گھر ہوگا جنت میں بس متّقی کا

(شاعر: گہر اعظمی، ماخوذ از مجموعہ نعت ''حضور ﷺ میرے''، ایوارڈ یافتہ)

یہ وضاحت ضروری ہے کہ شعراء کا نعتیہ کلام پیش کرنے میں کسی خاص ترتیب کو مدنظر نہیں رکھا گیا ہے۔

مختصر بحر میں بے ہوشؔ محبوب نگری کی ایک نعت جسے بچے آسانی سے یاد کر سکتے ہیں:

یادِ طیبہ آئی ہے زیست جگمگائی ہے
بعدِ حق دوعالم میں شانِ مصطفائی ہے
دنیا اُن ﷺ کے صدقے میں نور میں نہائی ہے
نسبتِ شہِ والا ﷺ در پہ کھینچ لائی ہے
اُس کو مل گئے آقا ﷺ جس نے لو لگائی ہے
خوب نعت ہے بے ہوشؔ! تو نے جو سُنائی ہے

امام احمد رضا خان بریلوی کی ایک مشہور و مقبول نعت کے کچھ اشعار:

سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی ﷺ سب سے بالا و والا ہمارا نبی ﷺ
اپنے مولیٰ کا پیارا ہمارا نبی ﷺ دونوں عالم کا دولھا ہمارا نبی ﷺ
بزمِ آخر کا شمعِ فروزاں ہُوا نورِ اوّل کا جلوہ ہمارا نبی ﷺ
بجھ گئیں جس کے آگے سبھی مشعلیں شمع وہ لے کر آیا ہمارا نبی ﷺ
جس کی دو بوند ہیں کوثر و سلسبیل ہے وہ رحمت کا دریا ہمارا نبی ﷺ
قرنوں بدلی رسولوں کی ہوتی رہی چاند بدلی سے نکلا ہمارا نبی ﷺ
کون دیتا ہے؟ دینے کو منہ چاہئے دینے والا ہے سچا ہمارا نبی ﷺ
مُلکِ کونین میں انبیاء تاجدار تاجداروں کا آقا ہمارا نبی ﷺ

جس نے ٹکڑے کئے ہیں قمر کے، وہ ہے
نورِ وحدت کا ٹکڑا ہمارا نبی ﷺ

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی استاد مولانا قاسم نانوتوی و مولانا اشرف علی تھانوی کی ایک سلیس نعت جو ''کلیاتِ امدادیہ'' میں موجود ہے:

یا رسولِ کبریا ﷺ! فریاد ہے یا محمد مصطفیٰ ﷺ! فریاد ہے
آپ ﷺ کی امداد ہو، میرا یہ حال یا نبی ﷺ ! ابتر ہُوا، فریاد ہے

سخت مشکل میں پھنسا ہوں آج کل اے مِرے مشکل کشا ﷺ! فریاد ہے
چہرہ ء تاباں کو دکھلا دو مجھے تم ﷺ سے اے نورِ خدا! فریاد ہے
قیدِ غم سے اب چھڑا دیجئے مجھے یہ شہِ ہر دو سرا ﷺ! فریاد ہے

اب بطور نمونہ مختلف شعراء کے منتخب نعتیہ اشعار:

نیکی کی لذّتوں سے ہمیں آشنا کیا نفرت دلوں میں آپ ﷺ نے ڈالی گناہ کی
کنکر پُکار اُٹھے کہ محمد ﷺ رسول ہیں حاجت صداقتوں کو ہوئی جب گواہ کی
صبیح رحمانی

نہ پوچھو، خود کو کیا پایا ہے میں نے محمد ﷺ لکھ کے جب چوما ہے میں نے
مدینے کو فقط دیکھا نہیں ہے مدینے کو بہت سوچا ہے میں نے
ماجد خلیل

التجا ہے رسولِ اکرم ﷺ سے چارہ سازِ ہر ایک عالم سے
دُور غم ﷺ ہوں تمام دنیا کے نقشِ پا پر چلوں میں آقا ﷺ کے
عزیز احسن

ہر قدم پر کیوں نہ رکھّیں فاصلہ دشمن تمام خُلقِ آقا ﷺ سے ہو جب دل کا حرا روشن تمام
قمر وارثی

خود خدائے برتر کو فخر ہے محمد ﷺ پر نازشِ دو عالم ہے آمنہ کا شہزادہ ﷺ
اسلم فریدی

رسولِ گرامی ﷺ کے جلووں سے اب تک ہے پُر نور غارِ حرا اللہ! اللہ!
جمیل عظیم آبادی

سر درِ اقدس پہ رکھ کر نیند آجائے اثر! ایسی قسمت چاہئے، ایسا مقدّر چاہئے
عبدالجبار اثر

سہ ماہی ''مفیض'' کے تبصرۂ نعت نمبر میں احسان اللہ طاہر لکھتے ہیں:

''قیوم نظر نے اُردو اور پنجابی میں بہت کچھ لکھا، انھوں نے بڑوں اور بچوں کے لئے بھی ادب تخلیق کیا۔ اُن کی نظموں اور نعتوں کو آج بھی ہمارے اسکولوں میں پڑھایا جاتا ہے۔ بچوں کے لئے ادب تخلیق کرنا کتنا مشکل کام ہے اس کو بچوں کی ذہنی سطح پر آ کر لکھنے والا ہی محسوس کر سکتا

ہے کیونکہ تخلیق کار کو اپنی تخلیق میں بچوں کی عمر اور اس عمر کے تقاضوں کو بھی مدِ نظر رکھنا پڑتا ہے اور ان کی ذہنی قبولیت کے لفظوں کے ذخیرہ کو بھی۔ ان سب باتوں کو قیوم نظر نے ایک ماہرِ نفسیات کی طرح پہلے سمجھا ہے اور پھر شعوری طور پر بچوں کے لئے نعتیں تخلیق کی ہیں۔ قیوم نظر کی نعتوں میں فکری طور پر بڑا تنوع ہے، انھوں نے بچوں کو سمجھانے کے انداز میں بڑی سادہ بیانی سے کالی کملی والے آقا ﷺ کی سیرت کو بیان کیا ہے اور آپ ﷺ کی سیرت و سنت کے اُن پہلوؤں کو اپنی نعتوں میں منظوم کیا ہے جو کہ زندگی میں قدم قدم پر ہمارے کام آتے ہیں۔ اپنے مجموعے ''نعتیں'' میں قیوم نظر نے زبان بہت ہی سادہ اور لفظ بچوں کی سمجھ میں آنے والے لکھے ہیں بلکہ نعتیں ایسی لکھی ہیں کہ بچوں میں بھی نعت لکھنے اور ایسے سادہ شعر بنانے کا شعور اُجاگر ہونے لگ جاتا ہے جیسے یہ اشعار دیکھیں:

ہر اِک مقام سے ہے اونچا مقام اُن ﷺ کا
صادق ہیں ، وہ امیں ہیں، رحمت ہے نام اُن ﷺ کا

رحمت ہیں وہ سراپا ، ہے فیض عام اُن ﷺ کا
اسلام بن کے پہنچا گھر گھر پیام اُن ﷺ کا

قیوم نظر نے اپنی نعتوں میں بچوں کو اسلام کے بنیادی ارکان سے بڑے آسان لفظوں میں آگاہی دی ہے اور بچوں کے ذہن و فکر میں ایسے بنیادی نقوش کو

قلب شاداں ہے سنہری جالیوں کے سامنے
روح فرحاں ہے سنہری جالیوں کے سامنے

اِک بار جو درود پڑھے اُن ﷺ کی ذات پر
دس بار کرد گار کا اُس پر سلام ہے

عابؔد ! ملی ازل میں مجھے نعتِ مصطفیٰ ﷺ
عنوان کیا حسیں ہے مِری سرنوشت کا

بچوں کے ادب میں خالد بزمی کا نام بھی شامل ہے، اُن کے نعتیہ اشعار:

بزمیؔ ! وہ ﷺ جن کا آپ خدا مدح خوان ہو
انسان آنحضور ﷺ کی تعریف کیا کرے

دیکھنے میں آ رہی ہے اب جو اِس دنیا کی رَو
اس میں ہر انسان کو درکار ہے طیبہ کی ضو
کس نے بخشا عصرِ حاضر کے تقاضوں کا شعور
کس کی تعلیمات ہیں تازہ بہ تازہ، نو بہ نو

تم پیکرِ اخلاق کا عنوان بنا دو
لکھنا ہے اگر آپ ﷺ کی سیرت پہ مقالہ
گر آپ ﷺ کی سیرت پہ عمل ہو تو ملے گا
آنکھوں میں کوئی اشک نہ لب پر کوئی نالہ

راقم الحروف کی ادبی سرگرمیوں کا آغاز مارچ ۱۹۵۷ء سے ہُوا اور پہلی شعری تخلیق اپریل ۱۹۵۷ء میں شائع ہوئی۔ پہلی نعت کی سعادت ۱۹۶۳ء کے وسط میں حاصل ہوئی جو بچوں کے ماہنامہ ''غنچہ'' کراچی شمارہ جولائی ۱۹۶۳ء کی زینت بنی، ملاحظہ کیجیے:

ہماری نگاہوں کے تارے محمد ﷺ ہمیں اپنی جاں سے ہیں پیارے محمد ﷺ
غریبوں کے حامی، یتیموں کے والی سراپا ہیں رحمت ہمارے محمد ﷺ
اُنھیں ﷺ پر جمی ہیں جہاں کی نگاہیں بنے ہیں دلوں کے سہارے محمد ﷺ
نہ ہوتے اگر وہ ﷺ، یہ دنیا نہ ہوتی خدا کے چہیتے، دُلارے محمد ﷺ
بھنور میں پھنسا ہے سفینہ ہمارا اسے اب لگائیں کنارے محمد ﷺ
نہیں اُن ﷺ سے برتر کوئی اِس جہاں میں دو عالم سے افضل ہمارے محمد ﷺ
شفاعت ہماری کریں روزِ محشر یہی التجا اِک ہے پیارے محمد ﷺ!
ذرا پھولؔ عاصی کی بھی اب خبر لو
کہاں جائیں ہم غم کے مارے، محمد ﷺ

راقم الحروف کی والدہ مرحومہ کی خالہ جو مشہور ادیب اور ماہر جمالیات پروفیسر ڈاکٹر شکیل الرحمٰن کی بڑی بہن تھیں، بچوں کے لئے محفل میلا د شریف منعقد کرتی تھیں۔ راقم کی عمر اُس وقت تقریباً سات سال تھی مگر یادیں ذہن کے گوشے میں محفوظ ہیں۔ اگر آج بھی بچوں کے لئے ایسی محافل کا انعقاد کیا جائے تو وہ بچپن کے زمانے سے ہی نعت کے خوگر ہو جائیں۔ میرے ذخیرۂ کتب کا بہت بڑا حصہ یہاں یعنی امریکا میں میرے پاس موجود نہیں اس لئے اس مضمون میں میری نعتوں کا حوالہ نسبتاً زیادہ ہے۔ ماہنامہ ''بچوں کی دنیا'' لاہور شمارہ اگست ۱۹۶۴ء اور جنوری ۱۹۶۵ء میں شائع شدہ میری نعت جو مختصر بحر میں ہے:

نبیوں کے سردار محمد ﷺ — اُمّت کے غم خوار محمد ﷺ
دین کی دولت آپ ﷺ سے پائی — آپ ﷺ نے سیدھی راہ دکھائی
رحمت ِ عالم ﷺ بن کر آئے — دین کی خاطر پتھر کھائے
ظلم و ستم کا نام مٹایا — نیکی کا گلشن مہکایا
آئے گا جب روزِ قیامت — ہم پر ہوگی آپ ﷺ کی رحمت
آقا ﷺ ہیں سرکارِ دوعالم — آقا ﷺ ہیں سردارِ دوعالم
آقا ﷺ ہی محبوبِ خدا ہیں — آقا ﷺ پر ہم دل سے فدا ہیں
باطل کی ظلمت کو مٹایا — ہر سُو نورِ حق پھیلایا
آپ ﷺ کی جو کرتے ہیں اطاعت — اُن کی کریں گے آپ ﷺ شفاعت
پھولؔ پہ آقا ﷺ ! چشمِ کرم ہو — دُور خدارا سارا غم ہو

ماہنامہ ''کھلونا'' شمارہ مئی ۱۹۶۵ء میں شائع شدہ راقم الحروف کی ایک اور نعت:

محمد ﷺ ہمیں جان و دل سے ہیں پیارے — قیامت کے دن عاصیوں کے سہارے
ہمیں اپنے در پر بلالیں محمد ﷺ ! — کہاں جائیں ہم دردِ فرقت کے مارے
ہوئی جاتی ہے غرق اُمّت کی کشتی — اسے اب خدارا لگائیں کنارے
ہماری طرف چشمِ رحمت ہو آقا ﷺ ! — ہیں کافی تمھاری نظر کے اشارے
وجود آپ ﷺ کا ہے سکونِ دل و جاں — کہ ہیں آپ ﷺ میری نگاہوں کے تارے
ہمیں تحفۂ حق دیا آپ ﷺ نے ہی — ملے ہم کو قرآن کے تیس پارے
خدا نے عطا کی ہیں تسنیم و کوثر — کہ ہیں آپ ﷺ بے شک خدا کے دُلارے

نہ ہوتے اگر آپ ﷺ، کچھ بھی نہ ہوتا نہ شمس و قمر اور نہ روشن ستارے
کئے رب نے پیدا محمد ﷺ کی خاطر یہ دریا، یہ جنگل، یہ گلزار سارے
الٰہی! عطا کر محمد ﷺ کا صدقہ ترے در پہ ہیں ہاتھ اپنے پسارے
یہی پھولؔ عاصی کی ہے اب تمنا خدا بخش دے سب معاصی ہمارے

مختصر بحر میں ایک نعت جو ماہنامہ ''بچوں کی دنیا'' شمارہ جنوری ۱۹۶۶ء میں شائع ہوئی:

سارے جہاں کے رہبر اللہ کے پیمبر ﷺ!
پھرتا ہوں مارا مارا چشمِ کرم! خدا را
سر چشمہء محبت سب کے لئے ہی رحمت
اے کاش! یا محمد ﷺ! بر آئے دل کا مقصد
کہتا ہے پھولؔ احقر چشمِ کرم ہو مجھ پر

آخر میں ''غنچہ'' سے یکتا امروہوی کی نعت کے دو اشعار:

نہیں کیا شہِ دو جہاں آپ ﷺ کا زمیں آپ کی آسماں آپ ﷺ کا
اسے بھولئے گا نہ محشر کے روز یہ یکتاؔ بھی ہے مدح خواں آپ ﷺ کا

OOO

پروفیسر مولا بخش (علی گڑھ)

اقبالؔ سہیل اور موج کوثر: نام محمد کا شعری وظیفہ

نعتیہ قصیدہ یا نعتیہ شاعری کی جملہ صورتیں اس امر کا اعلان کرتی ہیں کہ کوئی بھی متن خالص نہیں بلکہ ہر متن بین متن کا مظہر ہے۔یعنی شاعری یا ادب اپنے اسلوب اور طرز احساس کی وجہ سے ہی عظیم قرار پاتا ہے۔غزل میں دیکھئے مضامین متحدہ کا سیلاب ہوتا ہے مضامین مختلفہ تو چند خوش قسمت شعرا کے یہاں ہی بمشکل نظر آئے اور یہ مضامین متخیلہ بھی کیا ہیں وہ جو قاری کے حافظے سے سرک کر تحت الشعور کا حصہ بن چکے ہوتے ہیں۔قصیدہ گو وہ مذہبی عظیم المرتبت شخصیات کا ہو، ابنیاء، صحابہ، ائمہ، صلحا کا ہو یا کسی بادشاہ، وزیر یا صاحب حیثیت کا یہاں یہ تو طے ہے کہ تعریف یا ہجو کی جائے گی یعنی مضمون سبھی کے تقریباً طے شدہ ہوتے ہیں۔لیکن کیا وجہ ہے کہ ان میں کوئی خاقانیؔ تو کوئی سوداؔ تو کوئی محسنؔ کاکوروی اور کوئی اقبالؔ تو کوئی اقبالؔ سہیل صرف اس لیے بن جاتا ہے کہ وہ زبان و بیان کی طرفگی اور مصرعوں کے معنوی تیوروں کا خیال رکھتے ہوئے طے شدہ مضمون میں معنی کے نئے کرن کو محسوس کر لیتا ہے یعنی کسی ایک مظہر یا ممدوح کی ذات کو اپنے نقطۂ نظر سے دیکھنے کا فنی ہنر رکھتا ہے۔جیسے معراج کا واقعہ نعت میں مشہور ترین مضمون بنتا آیا ہے۔اسے اقبالؔ نے نئے معنوی تیور میں کچھ یوں دیکھا:

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

بتانے کی ضرورت نہیں کہ یہاں حضور ﷺ کو عظمت انسانی کی دلیل بنا کر کیونکر پیش کیا گیا ہے۔علامہ اقبالؔ ہی کی طرح اقبالؔ سہیل نے نعتیہ قصیدوں، مثنویوں، قطعات، منقبتوں، نعتیہ خمسوں اور غزلوں میں معنیاتی درون اور طرفگئ خیال کے سہارے عشق رسول سے متعلق جذبات و احساسات کی نغمۂ دلنواز چھیڑا ہے جو اپنے سننے اور پڑھنے والوں کو شاہ عرب ﷺ محبت اور

سر شاعری کے متبرک عالم میں لے جانے کا براق بن جاتا ہے۔

نعتیہ ادب کے ایک نقاد ڈاکٹر عزیز احسن نے اپنی کتاب ''اردو نعت اور جدید اسالیب'' میں لکھا ہے:

> ''اردو کی نعتیہ شاعری میں شاعرانہ رویے کا شروع ہی سے فقدان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میدان میں بڑی شاعری اب تک صرف ایک خواب ہے جو شرمندۂ تعبیر ہونے کے لیے شعرا کو مسلسل دعوت دے رہا ہے۔'' (عزیز احسن، اردو نعت اور جدید اسالیب (۱۹۹۸ء) فضلی سنز پرائیوٹ لمیٹڈ، اردو بازار کراچی، ص:۳۴)

اس خیال سے اتفاق کرنا ذرا مشکل ہے لیکن یہ سچ ہے کہ نعت کہتے وقت ننانوے فیصد شعرا شعریت کو ذہن میں نہ رکھتے ہوئے کھوکھلی تعریفوں اور ثواب پر نظر رکھتے ہیں۔ لیکن اردو میں اس ذیل میں کسی حد تک حالیؔ اور بڑی حد تک اقبالؔ، محسنؔ کاکوروی، امام احمد رضاؔ اور اقبالؔ سہیل کے علاوہ حالیہ زمانہ میں بھی چند شعرا نعتیہ شاعری کے ذریعے عام شاعری کے معیاروں سے آگے جانے کی مثالیں فراہم کی ہیں۔ اقبالؔ سہیل کے نعتیہ قصیدے زبان و بیان اور شکوہ بیان کے لحاظ سے اردو میں اعلیٰ شاعری کا نمونہ تو ہیں ہی نعت کہنے کا پیمانہ بھی وضع کرتے نظر آتے ہیں۔ زیر غور ''موج کوثر'' صنف قصیدہ کے صوری و معنوی ابعاد و عناصر کو فنی طریقے سے اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ ہر چند کہ یہ قصیدہ قصیدے کی اس قسم سے تعلق رکھتا ہے جہاں تشبیب نہیں ہوتی۔ قصیدہ گو راست طریقے سے مدح سرائی سے ہی قصیدے کا آغاز کرتا ہے اور دعا پر قصیدہ اختتام کو پہنچتا ہے لیکن اقبالؔ سہیل کے دیگر نعتیہ قصائد میں بہاریہ، فلسفیانہ اور حکمت سے معمور سودمند علوم سے متعلق تشابیب کے علاوہ گریز کی فنی صورتیں اگر بہت اعلیٰ نہیں تو کم از کم اس پائے کی ضرور ہیں جنہیں قارئین حیرت سے پڑھتے ہوئے ایک خاص نوع کی جمالیاتی کیف کے ساتھ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب خود کو محسوس کریں۔

اقبالؔ سہیل اپنے قصیدوں میں اپنے ممدوح کو اپنی نظر سے دیکھتے ہیں، اگر بغائر نظر سے دیکھیں تو ان کے نعتیہ قصائد میں ملک کے مسائل، اپنی قوم کی زبوں حالی اور ملک کی غلامی سے نالاں اور انگریزوں کے استبدادی نظام، کالونیل جبر کا دکھ سرور کائنات سے مخاطب نظر آتا ہے۔ ان کے قصیدے مشرقی اقدار کی بازیافت اور نوآبادیاتی آقاؤں کی ذہنیت کا پردہ فاش یوں کرتے

ہیں کہ وہ دنیا کے ایک ایسے انسان کے حضور قاری کو لے جاتے ہیں جس کا نام پوری دنیا میں ایک ہی وقت میں بلند میناروں سے پکارا جاتا ہے اور جس نے دنیا میں اللہ کا غلام بننے کے علاوہ کسی بھی ہستی کی غلامی سے نجات کا راستہ دکھایا ہے۔ دیکھئے اپنے عہد کی انگریزی سیاست اور اس کے خلاف آزادی کی سیاسی جدوجہد کس طرح نعت نبی کے مندرجہ شعر کی بندشوں میں معنی کی لاشعوری جہتوں کو مترشح کرتے نظر آتے ہیں۔

باغ جہاں کا حارس نامی جس نے مٹائی رسم غلامی
پھر سے سنوارا گلشن آدم صلی اللہ علیہ وسلم

'پھر سے سنوارا گلشن آدم' مصرعے کا آدھا یونٹ دنیا کو سنوارنے کے جتن اور سنت نبوی ﷺ کی ادائیگی کے نئے سیاق کی طرف قاری کو لے جاتا ہے۔ یعنی گلشن آدم کو سنوارنے کی صورت اُنہیں ہندوستان کو انگریزوں سے پاک کرتے ہوئے تحریک آزادی میں نظر آئی۔ آگے سنیے حضور کی ذات اقدس نے جہاں ان گنت عجوبے بطور اصلاح کیے ان میں سے ایک دو یہ بھی ہیں:

وہم کی ہر زنجیر کو توڑا رشتہ ایک خدا سے جوڑا
شرک کی محفل کردی برہم صلی اللہ علیہ وسلم
فرد و جماعت، زمر و اطاعت کسب وقناعت، عفو وشجاعت
حل کیے جو اسرار تھے مبہم صلی اللہ علیہ وسلم

پہلے شعر میں توحید کا فلسفہ اور ایک خدا سے رشتے جوڑنے کی بابت خیر سر تا پا سیاست مدن کا بھی سیاق رکھتا ہے کہ قوم اسی توحید کی بنیاد پر خلق ہوتی ہے۔ دوسرے شعر میں عطفی مرکبات، فرد و جماعت، امر و اطاعت، کسب وقناعت، عفو وشجاعت اپنی جگہ مستقل سماجی، سیاسی اور روحانی فلسفے کی جہت رکھتے ہیں۔ فرد اور جماعت میں سے کون اہم کون غیر اہم، ان کے مابین جدلی رشتہ ہے یا تکملے کا۔ جماعت کے بغیر فرد اور فرد کے بغیر جماعت کے معنی کیا ہوں گے۔ یعنی خودی بغیر بے خودی کیا معنی رکھتی ہے شاید کچھ نہیں اور یہ کہ جماعت کے لیے خودی کے لیے فرد/خودی کی تشکیل کا جذبہ ہی اصل فرد و جماعت کا جوہر ہے۔ حکم کون دے کیوں دے اور کس طرح کا حکم دے۔ اطاعت کب بزدلی ہوجاتی ہے کب کار ثواب، یہ حضور نے ہی ہمیں سکھایا۔ صبر کے اصل مفہوم کیا ہیں اور عمل کسب کی شرعی جہت کیا ہیں۔ معاف کون کرسکتا ہے، کسی کو معاف کرنا کیونکر شجاعت کا جوہر ہے۔ درج مصرعے میں اقبالؔ سہیل نے انسانیت کے جوہر

کے فلسفے کو کشید کر کے رکھ دیا ہے اور مژدہ سنایا ہے کہ ان غیر واضح فلسفوں اور تصورات کو آقا نے دنیا میں آکر بالکل دو اور دو چار کی طرح سمجھا دیا۔

یہ موج کوثر یعنی قصیدہ میمیہ سے ماخوذ چندان اشعار سے ماخوذ نمونے تھے جن میں مادح یعنی اقبالؔ سہیل نے رسالت مآب کی انسانیت کے تئیں خدمات اور کارنامے گنوائے ہیں۔ یہ طویل بلکہ اقبال سہیل کا سب سے طویل قصیدہ ہے جس کی ردیف درود شریف ہے۔اس قدر کے طویل قصیدے میں قافیے کو نبھانا اور خود کو مغالطے کے عیب سے بچائے رکھنا یعنی اگر دوبارہ یا سہ بارہ کسی قافیے کو اگر باندھا ہے تو قافیے یعنی لفظ کے معنی اور مزاج کو بدل دینے میں کامیابی حاصل کرنا، قارئین کو انہیں داد وتحسین دینے پر مجبور کرتا ہے۔

دوسری خوبی اس قصیدے کی یہ ہے کہ فعِل فعلن فعلن فع کی مثمن صورت کو یعنی آٹھ رکن کو چار چار میں بانٹ کر ہر چار رکن میں قافیے کا التزام رکھا ہے اور بہت سے ایسے اشعار ہیں جن میں قافیوں کی برسات ہے یعنی Internal Ryhme برائے لفظی تکرار ہی نہیں بلکہ معنی آفرینی کا ذریعہ بنتے نظر آتے ہیں۔اس ذیل میں موج کوثر سے ماخوذ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

بزم ملل تھی نظم سے خالی بکھرے ہوئے تھے حق لاآلی
اس نے کیے سب آ کے منظّم صلی اللہ علیہ وسلم
حفظ مراتب پاس اخوت سعی وتوکل رفق وفتوّت
تلک حدود اللہ میں مُنضم صلی اللہ علیہ وسلم
الفت قربی، قطع علائق، حب وطن اور حب خلائق
کردیے سب توحید میں مدغم صلی اللہ علیہ وسلم

مذکورہ اشعار کے مصرع اول میں خالی، لاآلی، اخوت فتوت، علائق خلائق، اتنے طویل قصیدے کے ہر شعر کے مصرع اول میں قافیے کے اس التزام کی وجہ سے شعر کی معنیاتی حسن پر فرق پڑنا لازمی تھا۔لیکن حیرت ہے اقبالؔ سہیل نے اس التزام کو معنی آفرینی کا ذریعہ بنالیا ہے جس کی داد فن کے استاد اور اساتذہ نے انہیں دی ہے۔ جیسے اسلم جیراجپری، افتخار اعظمی، مرزا احسان بیگ، شاہ معین الدین احمد ندوی اور عطیہ خلیل عرب کے علاوہ نعت کے ہمعصر نقاد جیسے صبیح رحمانی کے توسط سے انور سدید اور عزیز احسن وغیرہ۔

آیئے اب ذرا قافیوں کی بہار اور اس کے معنیاتی حسن کا مظاہرہ کریں۔

اسوۂ اجمل، دینِ ممثل، نطق مدلل، وحی منزل
شرع معدل، سِلمِ مسلّم صلی اللہ علیہ وسلم

مقصد امکاں، مہبط قرآں، منبعِ احسان، مرجعِ دوراں
روح کے درمیاں قلب کے مرہم صلی اللہ علیہ وسلم

باطن و ظاہر، طیب و طاہر، خسرِ و قاہر، کوکبِ باہر
جا ن مظاہر مرکز عالم صلّی اللہ علیہ وسلم

کنزِ دقائق، حسنِ حقائق، جان حدائق، روح خلائق
سب پر فائق سب پر اقدم صلی اللہ علیہ وسلم

مہر رسالت، مہر جلالت، عین عدالت، خضر دلالت
اے بہ کمالت ناطقہ ابکم صلی اللہ علیہ وسلم

آپ نے قافیہ درقافیہ کی مذکورہ بالا صوتی جھنکار اور ان میں موجود معنی آفرینی کے سیاق وسباق کو ملاحظہ فرمایا۔شعر نمبر (۳) دیکھیں تو سمجھ میں آتا ہے کہ جن لفظوں کو قافیہ کیا ہے وہ محض صوتی جھنکار نہیں معنوی جھنکار اور معنی آفرینی کا ذریعہ بنے ہیں۔کہا ہے کہ آقا کو کہ آپ جان مظاہر ہیں۔ اشارہ یہ ہے کہ وہ کائنات کی روح ہیں۔ہم خاکی عام انسان ظاہر و باطن میں توازن نہیں رکھ پاتے۔اس بات پر جھگڑنے لگتے ہیں کہ رسول عربی روح ہیں یا جسم یا جسم وروح معراج روحانی ہے یا جسمانی۔ذراغور کیجیے ذوقافیتین کا التزام سیرت نبوی کے عجائب کو کتنے بااثر بنانے میں اہم رول ادا کرتے ہیں یا انہیں چشم بصیرت سے دیکھنے کا ملکہ اپنے قارئین یا سامعین میں کیونکر پیدا کرتے ہیں۔کوکب باہر کہہ کر حضور کی ذات کے وصف کو دوچند کردیا ہے اور وہ یہ کہ ہر چمکتی شے کو دیکھنے کے بعد نہ جانے کیوں ہمیں یہ خیال ہی نہیں آتا کہ وہ باہر سے چمکیلی تو ہے اندر سے کیسی ہوگی ہم اس شے کے پورے وجود کو روشن خیال کرتے ہیں یعنی حضور کو ہم ظاہر و باطن کی اصطلاحوں میں بانٹ کر نہیں دیکھ سکتے بھلا سورج میں اندر سے خالی اور باہر سے آگ سے بھری ہوئی ہے، ایسا خیال ہمارے ذہن میں کیوں نہیں آتا۔وہ اندر اور باہر سے ہمیں یکساں ہی تو نظر آتا ہے۔

کوکب باہر کو دیکھئے کوکب ستارہ جیسے ہی ذہن میں آتا ہے روشن ہوتا ہے اس میں جوڑا ہے باہر اور جس کے معنی چمک اور روشنی کے ہیں۔التباس بھی خوب ہے باہر سے باہر کا دھوکہ بھی ہوتا ہے کہ جو اندر سے روشن ہے وہی تو باہر بھی روشن ہے۔ایسے حضور کی ذات کی تقسیم کے کیا معنی رہ

جاتے ہیں ان کا ظاہر اور کیا باطن دونوں یکساں ہے۔ پھر نبی دوراں ﷺ کو مرکز عالم کہا ہے اسے یوں سمجھئے۔ دل جسم کا مرکز ہے بھلا دل کا ظاہر اور باطن کیا ہوسکتا ہے۔ پھر جو برزخ کبریٰ ہوا سے ظاہر اور باطن کے جھمیلے سے کیا مطلب۔ آپ نے دیکھا کہ اقبالؔ سہیل قافیہ پیمائی تو کرتے ہیں لیکن قافیوں کی ترتیب سے معنی آفرینی کی ایک دنیا آباد کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے مشرقی علوم و ادبیات اور ادب العالیہ پر گہری نظر رکھنے والے نقاد ظفر احمد صدیقی نے اقبالؔ سہیل کے نعتیہ قصیدہ ''کرے تار شعاعی لاکھ اپنی سعی امکانی ☆ افق ہوتا نہیں اب صبح کا چاک گریبانی کیا بلیغ مطلع ہے سودا کے اس زمین میں جو قصیدہ ہے کے بعض معائب کی وضاحت کرتے ہوئے ظفر احمد صدیقی نے لکھا ہے کہ:

''گریز کے بعد مدح شروع ہوتی ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ سہیل کے زیر بحث قصیدے کا سب سے منفرد دلکش حصہ یہی ہے۔ اس انفرادیت کے کئی پہلو ہیں۔ اول یہ کہ سہیل نے نعت کی بنیاد جن مضامین پر رکھی ہے وہ روایتی اور بار بار کے باندھے ہوئے نہیں ہیں بلکہ ان میں بیشتر سہیل کے یہاں پہلی بار سلک نظم میں پروئے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر۔

محمد وہ کتاب کون کا طغرہ اے پیشانی
محمد وہ حریم قدس کا شمع شبستانی

(معارف، مجلس دارالمصنّفین کا ماہوار علمی رسالہ، ۱۹۵/۴ اپریل ۲۰۱۵ء، ظفر احمد صدیقی، اقبال سہیل کا ایک نعتیہ قصیدہ تقابلی مطالعے کے روشنی میں، ص: ۲۸۴)

ظفر احمد صدیقی نے نہ صرف سودا بلکہ سہیل کے اس قصیدے کا موازنہ محسنؔ کاکوروی کی اس زمین میں لکھے قصیدے سے کرتے ہوئے سہیل کے قصیدے کو صوری و معنوی اعتبار سے دونوں سے بڑھا ہوا دکھایا ہے اور ساتھ ہی سہیل کے قصیدے کی کمی کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ اور وہ یہ کہ اس نعت میں دعا کا حصہ نہیں ہے۔ جس قصیدے کا تجزیہ راقم کر رہا ہے اس قصیدے میں بھی دعا کا حصہ نہیں ہے۔ قصیدہ جس شعر پر ختم ہوتا ہے وہ یہ ہے:

نظم سہیل ان کا ہی کرم ہے ورنہ یہاں کب تاب رقم ہے
ان اللّٰہ تعالیٰ اعلم، صلی اللہ علیہ وسلم

یعنی اخیر میں اپنی شاعری کا بھی مرجع رسالت مآب کی ذات کو بتایا ہے۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ ظفر احمد صدیقی نے اس امر کا انکشاف کیا ہے کہ سہیل پامال مضمون کے بجائے

مضامین تازہ یا نئے مضامین زیادہ باندھتے ہیں۔نعتیہ قصائد اور دیگر نعتیہ اصناف میں جن مضامین متحدہ پر زور ملتا ہے ان میں مدینہ اور یہاں کے مناظر، مدینہ جانے کی تڑپ کا اظہار، کعبہ خضرا کے نظارے کا اظہار حضور کے شافع محشر ہونا، دوسرے انبیاء سے آپ کا تقابل، احد سے متعلق مضامین، مدینے کا موازنہ جنت سے کرنا (جسے غیر شرعی قرار دیا گیا ہے) حضور کی کملی کا ذکر جسے ہندی شعرا نے بھکتی کا رنگ بھی عطا کر دیا ہے۔گنبد خضرا کا طواف کرتے ہوئے کبوتروں کا ذکر، حضرت جبریل کا ذکر، عشق رسول میں جبریل کی تحقیر کرنے کا غیر شرعی عمل، واقعہ معراج سے متعلق مضامین (اقبال سہیل نے معراج پر باضابطہ ایک قصیدہ لکھا ہے)

نبی کی بعثت، ولادت سعادت سے متعلق مضامین، حضور کے جمال صوری و معنوی کے مضامین، اسمائے مبارکہ، اسوۂ مقدسہ آپ کی اتباع کی آرزو، آپ کی تعلیمات، تعلق مع اللہ ان کی خدمات، عظمت، معجزات اور ان کے اصحاب کی توصیف سے متعلق مضامین، امت کی شفاعت کا التماس اور حضور کے دیدار کی تمنا سے متعلق مضامین کے علاوہ اور بھی بہت سے مضامین نعتیہ قصیدے کے مضامین متحدہ قرار پاتے ہیں۔اقبالؔ سہیل کے زیر نظر تجزیہ قصیدے میں حضور کے اسمائے مبارکہ اور صفات سے متعلق نئے مرکبات کثیر تعداد میں نظر آتے ہیں جیسے برمغ فارس، قدس کے رہباں، آئینہ الطاف الٰہی، لمعۂ قدس، مہبط قرآن، مرجع دوراں، صدر مکرم، حارس گیہاں، عروۂ وثقیٰ، حاذق دوراں، جان مظاہر، ہض حقائق، بحر قدم کا موج نخستیں (یعنی پرانے سمندر میں اٹھنے والی پہلی موج) آپ ایسے نادر القاب اور صفات سے متعلق تراکیب اور بھی تلاش کر سکتے ہیں جن کی حیثیت ایک استعارے کی ہے۔

برمغ فارس، قدس کے رہباں، کشور بابل، وادیٔ کنعاں
سب کی زباں پر مژدہ مقدم صلی اللہ علیہ وسلم

آئینہ الطاف الٰہی، رحمت جس کی لامتناہی
جس کی ہدایت ارحم ترحم صلی اللہ علیہ وسلم

لمعۂ قدس تن بے سایہ، جس کی بدولت خلق نے پایا
دین مکمل خلق متمم صلی اللہ علیہ وسلم

مقصد امکاں، مہبط قرآں، منبع احساں، مرجع دوراں
روح کے درماں قلب کے مرہم صلی اللہ علیہ وسلم

شافع محشر، ماحیِ عصیاں، حامیِ مضطر، حارس گیہاں
ساقیِ کوثر، وارث زمزم صلی اللہ علیہ وسلم
سید بطحیٰ، مخبر صادق، عروۂ وثقیٰ مصحف ناطق
برزخ کبریٰ، آیۂ محکم صلی اللہ علیہ وسلم
ابر درافشاں، سرور سامی، بدر درخشاں صدر گرامی
حاذق دوراں چارہ گر غم صلی اللہ علیہ وسلم

منجملہ فنون سخن میں قصیدہ محض شاعری نہیں علم اور اگر نعتیہ قصیدہ ہے تو علم+عقیدت+ شاعری کی شکل میں عظیم شاعری (High Poetry) کے بطور معرض وجود میں آنے والی شاعری کا نام ہے۔ وہ بھلا کیا قصیدہ جس میں سامنے کے الفاظ کی بھرمار ہو۔قصیدہ نگاری کا ایک مقصد وہ الفاظ جو ہمارے حافظے سے معدوم ہو رہے ہوں ان کی یاد تازہ کرنا بھی ہے یعنی قصیدہ تقلیل الفاظ کی شاعری ہے نیز سرتاپا تخیلی شاعری بھی۔

بات جب مظہر کبریا کو تخیل+عقیدت کی نگاہ سے دیکھنے کی سامنے آتی ہے جو نعتیہ قصیدے کی سرشت ہے تو غلو کے اور مدح میں بہک جانے کے امکانات بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔کمال یہ ہے کہ سہیل نے اپنے چشم تخیل اور عقیدت کے جذبات سے لبریز ہونے کے بعد صاحب معراج کو اپنی نظر خاص سے دیکھتے ہوئے حضور ﷺ کو کن صفات سے متصف کیا ہے مندرجہ بالا اشعار میں تراکیب اس امر کے گواہ موجود ہیں۔ان میں کچھ مرکبات تو وہی ہیں جو چلن میں ہیں لیکن بیشتر ان کے شعری کمالات کا اظہار ہیں۔اتنے اجنبی الفاظ کا استعمال اس نعت میں کئے گئے ہیں کہ عام قاری تقریباً سو بار دیکھے اور عالم بھی متعدد بار۔اس کے کیا معنی ہیں اس کے معنی ہیں کہ وہ اپنے علم اور ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ تو کرے ہی بار بار رسالت مآب کے پوشیدہ خصائص، صفات یا عجائبات پر غور کرے، محسوس کرے اور حضور کی ذات اس پر منکشف ہو جائے۔اب بھلا بتائیں حصن حقائق کیا ہے؟ حِض کے معنی فلسفے کے ہیں یعنی Philosophy of reality یہاں یہ استعارہ ہے جو شے کی اصل حقیقت کو سمجھتا ہو۔وہ بھلا آقائے نامدار کے علاوہ کون ہے۔جان حدائق بمعنی باغ کی جان مگر استعارہ کیا ہے اگر یہ دنیا ایک باغ ہے تو اس کی جان محمد ﷺ ہیں۔ باغ کی جان دنیا کی جان ترتیب، عدل اور بھائی چارگی اور انسانیت پسندی کے علاوہ کیا ہو سکتی ہے یعنی رسول عربی ان خصائص کا منبع ہیں۔

یہ طویل نعت اسمائے صفات محمد ﷺ کا ایک دفتر ہے جسے ہم حضور کا ایک صوری اور معنوی خاکہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جس میں حضور ﷺ کے ظاہر و باطن کو ایک جانتے ہوئے ان کے جسم اور روح یعنی صورت اور سیرت کونشان زد کیا گیا ہے۔حضور کے جسم اطہر کے جمال کا بیان جن تراکیب یا مرکبات کے سہارے کیا گیا ہے ان میں جسم مزکی، لمعۂ قدس، تن بے سایہ، شرح الم نشرح، وہ سینہ، نوری تن کملی میں چھپائے، انکے ابرو کیسے معلوم ہوتے ہیں کچھ اس طرح 'طاق عبادت ابروئے پرخم، قامت رعنا، نطق مدلل، خلق خلیلی اور نطق کلیمی جیسی تراکیب کے ذریعے حضور کا خاکۂ اقدس پیش کیا ہے۔ یہ تو آقا کی وہ صورت ہے جسے ایک مادح نے اپنے تخیل کی آنکھوں سے دیکھا ہے لیکن مادح کی نظر میں ان کا ظاہر اور باطن ایک ہے۔

اقبال سہیل نے حضور کی ذات کے علاوہ ان کے شہر مدینہ، گنبد خضرا کے منظر کو اپنے ڈھنگ سے باندھا ہے۔

گنبد سبز کے بسنے والے ماہ رسالت کے دوہالے
آج بھی دونوں ساتھ ہیں ہمدم صلی اللہ علیہ وسلم
صدر امم سلطان مدینہ وہ جس کے کف پا کا پسینہ
گل کدۂ فردوس کا شبنم صلی اللہ علیہ وسلم

دیکھئے دوسرے شعر میں نازک خیال کی حد کردی ہے کیسا پیکر حضور کا ہمارے سامنے رکھا گیا ہے کہ وہ گل کدۂ فردوس کی شبنم ہیں۔یعنی جنت کے پھولوں پر ٹپکنے والے شبنم کے مانند ہیں۔سبحان اللہ۔

حضور کی کملی سے متعلق یہ اسلامی اور ہندی ثقافتی مدلولات کے ذریعے یعنی نوری+تن اور لفظ رم جھم کے ذریعے کیسی انوکھی تصویر بنائی ہے۔

نوری تن کملی میں چھپائے بادل میں بجلی لہرائے
نور کا مینھ برسائے رم جھم صلی اللہ علیہ وسلم

گویا کہ موج کوثر میں اول حصے میں حضور کے اوصاف حمیدہ اوران کی سماجی، سیاسی، ثقافتی، روحانی اور خدمت خلق کا بیان کیا ہے۔ دوسرے حصے میں ان کے اصحاب کے اوصاف اوران کے اٹوٹ رشتے کی اہمیت لیکن ان جملہ بیانات کا تفاعل نبی کی ذات اور انبیاء میں ان کے انفراد کی نشاندہی ہے۔اس نعت کا مادح اپنے شعری طریق کار اور زبان کے استعمال

کی نوعیت کے اعتبار سے ایک سچا عاشق رسول نظر آتا ہے۔اگر آپ غور کریں تو درود شریف پر مبنی ردیف پر قصیدہ امیرؔ مینائی نے بھی کہا ہے مگر وہ انداز کہاں جو احمد سہیل کے پاس ہے۔ پاکستانی شاعر احسان اکبر نے اسی زمین میں نعت کہی ہے، جس سے اقبالؔ سہیل کی اس نعت کی مقبولیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ایک شعر سنئے:

کام کمال کرامت والا، ناداروں کی راحت والا
دیں دنیا کے درد کا مرہم صلی اللہ علیہ وسلم

احسان اکبر کا لہجہ حالیؔ والا ہے جس کے بارے میں حسن عسکری نے کہا تھا کہ:

> ”حالی کی نعت کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت کا کردار نہایت بلند تھا اور ان سے ہمیں بڑے فائدے پہنچے۔ بلند کردار کے لوگ اور انسانیت کو فائدہ پہنچانے والے تو بہت ہوئے ہیں مگر ان لاکھوں انسانوں کو ایسی والہانہ محبت کیوں نہیں ہوتی جیسی آنحضرت سے ہے۔اس کا جواب ہمیں حالی کی نعت میں نہیں ملتا۔“(صبیح رحمانی، اردو نعت کی شعری روایت، اکادمی بازیافت کراچی پاکستان (۲۰۱۶ء)ص:۲۷۹)

مجھے کہنے دیجئے کہ اس کا جواب ہمیں اقبالؔ، محسنؔ کاکوروی اور کچھ ایک شعرا کے علاوہ اقبالؔ سہیل کے یہاں ملتا ہے۔اس نعت کو سنتے یا پڑھتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے برسوں کی ریاضت، محنت اور کوشش کے بعد حضور اخیر میں ایک اونچے الوہی ٹیلے پر بیٹھے اپنی امت کی حرکات وسکنات نیز اپنے پیغام کے اثرات دیکھ رہے ہیں اور ہم میں سے ایک شخص اقبالؔ سہیلؔ اپنے نبی کی ایک ایک ادا، ایک ایک وصف، ایک ایک بات شفقتوں، مہربانیوں کا یکے بعد دیگرے ایک مجاہد اور عاشق کی طرح اپنے محبوب کا وصف گنواتا جارہا ہے۔اس کی لے، طرز ادا ایسی ہے کہ حضور کی روح سرشار ہورہی ہے اور نام محمد سرمدی نغمے بن کر فضا میں تحلیل ہورہا ہے اور ادھر امتی بھی جھوم رہے ہیں۔ یہ شاعری نہیں یقیناً عقیدت کا ایک ایسا پھول ہے جس پر خزاں کے سائے قربان ہوجائیں۔

○○○

ڈاکٹر حقانی القاسمی (نئی دہلی)

مختلف شعری ہیئتوں میں نعتیہ تجربے

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

خوشبو ذہن سے ہی معطر خیالات وجود میں آتے ہیں!

باطنی وجود میں جتنی روشنی ہوگی، ظاہری سطح پر اس کا اتنا ہی انعکاس ہوگا۔ جب باطن میں الوہی طلعت اترتی ہے تو ذہن کے تمام منطقوں کو اس طرح منور کر دیتی ہے کہ سارے تاریک خیالات دور بھاگنے لگتے ہیں اور صحت مند خیالات کا نمو ہونے لگتا ہے اور پھر انسان تاریکی سے روشنی، ظلمت سے نور کے حلقے میں شامل ہو جاتا ہے۔ اس کے وجود میں ایک ایسا سورج طلوع ہوتا ہے جو مدام اس کے ذہنی اور روحانی وجود کے ساتھ سفر کرتا رہتا ہے۔

یہی روشنی سچائی کا استعارہ ہوتی ہے اور روشنی کا یہی شجر اپنی تمام تر شاخوں کے ساتھ زمین احساس پر پھیلنے لگتا ہے تو اظہارات کی نت نئی کونپلیں کھلنے لگتی ہیں۔

عظیم امروہوی کے وجود میں بھی وہی خوشبو اور روشنی بسی ہوئی ہے۔ اسی لیے انھوں نے مختلف شعری ہیئتوں میں نعتیہ کلام لکھتے ہوئے اسی عقیدت، محبت اور جذب و وارفتگی کا ثبوت دیا ہے جو نعتیہ فضا کے لیے ضروری ہیں:

کھو کے ان کی یاد میں پڑھتا ہوں جب بھی نعت میں
یہ سمجھتا ہوں کہ سر پر سائباں خوشبو کا ہے
ان کے روضے کی ہواؤں کا تصور جب کیا
یہ لگا جیسے کہ یہ سارا جہاں خوشبو کا ہے
پھول کیا خاروں کے دل بھی خوشبوؤں سے بھر دیے
سارے عالم سے جدا وہ گلستاں خوشبو کا ہے

روضہ پرنور سے مس ہو کے جب آتے ہیں لوگ
ایسا لگتا ہے کہ جیسے کارواں خوشبو کا ہے

عظیمؔ امروہوی نے مختلف ہیئتوں میں جو عطر بیز تجربے کیے ہیں، وہ اس اعتبار سے بہت اہمیت کے حامل ہیں کہ نعتیہ شاعری زیادہ تر غزلیہ ہیئت میں ہوتی رہی ہے کیونکہ نعت کی کوئی ہیئت مخصوص نہیں ہے اور نہ ہی اسے صنف سخن کا درجہ حاصل ہے۔ موضوعی اعتبار سے اسے صنف کہا جاسکتا ہے مگر ہیئتی اعتبار سے کسی مخصوص صنف کے لوازمہ میں قید نہیں ہے۔ عظیمؔ امروہوی نے نعتیہ نظمیں، نعتیہ آزاد نظمیں، نعتیہ قطعات، نعتیہ رباعیات، نعتیہ ہائیکو، نعتیہ دوہے، نعتیہ گیت، نعتیہ ترائیلے، نعتیہ لوریاں، نعتیہ پنج بجھی، نعتیہ مرثیہ، نعتیہ تضمین کہے ہیں۔ متنوع ہیئتوں میں یہ نعتیہ شاعری فکری اور لسانی اعتبار سے ان کی جدتِ طبع اور لسانی استعداد کا مظہر ہے۔

ماضی میں مثنوی، قصائد، گیت اور آزاد نظموں میں نعت کہنے والوں کی ایک بڑی تعداد رہی ہے۔ خاص طور پر ملا وجہی کی مثنوی قطب مشتری، غواصی کی سیف الملوک، ابن نشاطی کی 'پھول بن' اور نصرتی کی 'علی نامہ' اور 'گلشن عشق' میں نعتیہ اشعار ملتے ہیں۔ ولی دکنی نے بھی نعتیہ قصائد لکھے ہیں۔ رباعیات، مخمّس، مستزاد میں بھی نعتیں لکھی ہیں۔ اس طرح نعت گویوں کا ایک پورا قافلہ ہے جس میں کرامت علی شہیدیؔ، لطف علی خاں لطفؔ بریلوی، امیرؔ مینائی، محسنؔ کاکوروی، مولانا ظفر علی خان، مولانا احمد رضا خان بریلوی اور دیگر لوگوں کے نام آتے ہیں جنھوں نے اردو میں نعت کو ایک نئی توانائی عطا کی اور اسے شوکت و رعنائی سے روشناس کیا، مگر جدید ترین اصناف میں نعتیہ کلام کہنے والوں کی تعداد خاصی کم ہے، خاص طور پر ہائیکو، ترائیلے اور سانیٹ میں نعتیہ تجربے کم کیے گئے۔ عظیمؔ امروہوی کا یہ انفرادی اختصاص کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے ترائیلے میں نعتیں کہی ہیں، جس کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمایئے:

ہے جو انساں صاحب خلق عظیم
اس پہ صبح و شام ہوں لاکھوں سلام
اس نے دکھلائی ہے راہِ مستقیم
ہے جو انساں صاحب خلق عظیم
در حقیقت ہے وہ کل عقل سلیم
امن کا اس نے دیا سب کو پیام

ہے جو انساں صاحب خلق عظیم
اس پہ صبح و شام ہوں لاکھوں سلام

ترائیلے ایک فرانسیسی صنف سخن ہے۔ عظیم امروہوی نے اس پر ایک مختصر سا نوٹ لکھا ہے کہ:

''ترائیلے آٹھ مصرعوں پر مشتمل ایک مختصر نظم کو کہتے ہیں۔ اس میں ردیفوں کا پیٹرن ہوتا ہے۔ پہلے دونوں مصرعوں کی تکرار آخری دونوں مصرعوں میں ہوتی ہے۔ پہلا مصرع پھر چوتھا اور ساتواں مصرع بن کر جلوہ گر ہوتا ہے۔ یعنی پہلے مصرع کی تین مرتبہ تکرار ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اس صنف سخن کا نام Triolet رکھا گیا ہے۔ اس صنف سخن کی ابتدا فرانس میں ہوئی۔ فرانسیسی شاعر Adenes Le Roi نے پہلی بار اپنی نظم Cleomades میں اس کا تجربہ کیا۔ Patrek Keray نے پہلی بار 1651 میں اسے انگریزی زبان میں داخل کیا۔ Fadrik Rasman نے جرمن زبان میں اس صنف سخن کو بہت فروغ دیا۔ اردو میں احمد ندیم قاسمی، نریش کمار شاد، قاضی سلیم اور فرحت کیفی وغیرہ نے مختلف موضوعات پر ترائیلے کہے ہیں۔ لیکن نعتیہ ترائیلے راقم کی نظر سے نہیں گزرے۔''

اردو میں جو شعری ہیئتیں جدید دور میں وضع کی گئیں یا دوسری زبانوں سے مستعار لی گئی ہیں، ان میں ایک ہائیکو بھی ہے۔ یہ جاپانی صنف سخن ہے، جس میں نہ تو ردیف قافیہ کی پابندی ہوتی ہے اور نہ ہی مخصوص بحر کی قید، یہ صرف تین مصرعوں پر محیط ہوتی ہے۔ اردو میں ہائیکو لکھنے والوں کی تعداد اچھی خاصی ہے اور اس پر کافی تحقیق بھی ہو چکی ہے۔ روز بہ روز ہائیکو سے جڑنے والوں کا قافلہ بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ عظیم امروہوی نے اس جاپانی صنف سخن میں بھی نعتیہ تجربہ کیا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

وہ خلق پیکر عظیم رہبر
جو درسِ اخلاق دے گیا ہے
وہی ہے سب سے بڑا پیمبر

جو بشیر ہے، جو نذیر ہے، وہی دو جہاں کا امیر ہے
جو رسول آئے ہیں دہر میں وہ عظیم سب، یہ بجا مگر
نہ مرے نبی ﷺ کی مثال ہے نہ مرے نبی کی نظیر ہے

نعتیہ ہائیکو پر نوٹ لکھتے ہوئے انھوں نے یہ واضح کیا ہے کہ 'اردو میں گزشتہ 60-50 سال میں چند شعرا نے ہائیکو کہی ہے لیکن نعتیہ ہائیکو راقم کی نظر سے نہیں گزری۔'

یہاں اس بیان کے تعلق سے تھوڑی وضاحت ضروری ہے کہ اطلاعاتی ذرائع اور وسائل کی فراوانی کے باوجود اس امکان سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اردو کائنات میں جو تجربے کیے جارہے ہیں، ان تک ہماری رسائی نہ ہو۔ شاید اسی عدم رسائی کی وجہ سے عظیم امروہوی نے یہ بات کہی ہوگی۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ہائیکو میں اس سے پہلے بھی تجربے ہو چکے ہیں۔ بہت پہلے علیم صبا نویدی کا ایک مجموعہ 'ترسیلے' کے نام سے شائع ہوا تھا، جس کے بارے میں پروفیسر سید سجاد حسین صدر شعبہ اردو مدراس یونیورسٹی نے لکھا ہے کہ 'ترسیلے علیم صبا کے جدید انداز کی نعتوں پر مشتمل مجموعہ ہے جو قدیم جاپانی صنف شاعری ہائیکو کے رنگ میں 1986ء میں شائع ہوا۔ اس مجموعہ میں دو قسم کی ہائیکو نظمیں شامل ہیں۔ پابند ہائیکو، نثری ہائیکو، اردو میں صنف ہائیکو کو پہلی بار صبا نویدی نے نعت گوئی کے مقدس اظہار سے مالا مال کیا۔ 'شعاع شرق' ترسیلے ہی کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ اس میں سارے کے سارے پابند ہائیکو شامل ہیں۔'

علیم صبا نویدی نے ہی نعتیہ سانیٹ کا سب سے پہلا تجربہ کیا جو 'نور السموات' کے نام سے سامنے آیا۔

ڈاکٹر عظیم امروہوی نے 'رسولیات' میں جس طرح کے فنی تجربے کیے ہیں، وہ ان کی قدرت کلامی کا مظہر ہیں اور اس بات کا ثبوت کہ ان کی زبان میں کوثر و تسنیم ملی ہوئی ہے۔ اپنے خیالات کے اظہار میں انھوں نے زبان کی نزاکتوں اور لطافتوں کا خیال رکھا ہے۔ خاص طور پر انھوں نے جو نعتیہ قصیدے کہے ہیں، ان میں جو شان و شوکت اور جزالت ہے وہ بڑے کلاسیکی قصیدہ نگاروں کی یاد دلاتی ہے۔ ان کا آہنگ اتنا بلند اور پر شکوہ ہے اور بلاغت بیان اس قدر کہ میر انیس کے آہنگ کی بازگشت کا احساس ہوتا ہے۔

'قصیدۂ بعثت' سے چند شعر ملاحظہ ہوں:

اس کی بعثت جس پہ اترا ہے کلام اللہ کا
دے گیا ہے حشر تک جو اک ہدایت کا چراغ
اس کی بعثت ہے کہ جو دنیا کو یہ بتلا گیا
کس قدر پرنور ہے ایماں کی طاقت کا چراغ

اس کی بعثت ہے کہ جو اللہ کا محبوب ہے
دے گیا دنیا کو الفت کا محبت کا چراغ
اس کی بعثت ہے کہ جو ہے اک مدینہ علم کا
جس کے آگے گل ہوا ظلم و جہالت کا چراغ

یہ مدحت رسول صرف سیرت وشمائل تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ حالی کی طرح عظیم امروہوی نے حضور ﷺ کے پیغام اور تعلیمات کا سلسلہ عہد حاضر کے آشوب سے بھی جوڑا ہے۔جس طرح حالی نے کہا تھا:

اے خاصہ خاصان رسل وقت دعا ہے
امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے

اسی طرح عظیم امروہوی نے آج کے اخلاقی زوال اور انسانی بحران کو اپنی نعتیہ شاعری میں پیش کیا ہے اور پھر حضور ﷺ کی سیرت سے اپنا رشتہ جوڑنے کی بات یوں کہی ہے کہ وہی چراغ ہدایت ہے جس سے آج کی تاریکیاں دور ہو سکتی ہیں:

آج کے انسان کا کردار بے حد پست ہے
آج انساں کا شرافت سے بھی کچھ رشتہ نہیں
آج انساں کے دلوں میں بھر گیا اتنا نفاق
دل کی سچی بات کوئی لب پہ لاتا ہی نہیں

'رسولیات' پاکیزہ احساسات اور خیالات کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس سے حضور ﷺ کی ذات وصفات کے تمام روشن نقوش سامنے آتے ہیں۔عظیم امروہوی نے کوشش کی ہے کہ خیالات میں افراط وتفریط نہ ہو اور شاید انھوں نے مشروع اور غیر مشروع کا بھی خیال رکھا ہوگا مگر پھر بھی دیوانہ محبت میں مبالغہ کا شکار ہو ہی جاتا ہے کہ نعت گوئی ہے ہی مشکل فن۔یہ پل صراط پر چلنے جیسا ہے۔بہت پہلے عرفی نے کہا تھا:

عرفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحرا ست
آہستہ کہ رہ بردم تیغ است قدم را

عظیم امروہوی نے اس نعتیہ مجموعہ میں اپنی تازہ کاری اور جودت طبع کا مکمل ثبوت دیا ہے کیونکہ ان کی نعتیں صرف ایک ہی ہیئت میں مقید نہیں ہیں بلکہ متنوع شعری ہیئتوں میں ان کا ظہور

ہوا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ عقیدت ایک ہیئت میں قید نہیں ہوسکتی بلکہ عقیدت اپنے اظہار کے مختلف رنگ اور راستے تلاش کرتی رہتی ہے۔عظیم امروہوی نے ’رسولیات‘ کے ذریعہ اپنے خیالوں کی خوشبو کو آج کے عہد کی مسموم فضا کے حوالہ کیا ہے،اس امید کے ساتھ کہ:

اتحادِ باہمی قائم ہو پورے ملک میں
اب رہے روشن سدا مالک محبت کا چراغ
اے خدا ظلم و ستم روئے زمیں پر اب نہ ہو
امن کو پھونکے نہ دنیا میں سیاست کا چراغ

○○○

ڈاکٹر راہی فدائی (بنگلور)

پیغمبر اسلام کی بارگاہ میں غیر مسلم شعراء کا خراج احترام

نعت شریف کے سلسلہ میں عام طور پر اہل علم کا یہ رجحان ہے کہ ان کے نزدیک نعت پاک کہنے والے شعرا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدت ومحبت میں ڈوبے ہوئے رہتے ہیں اور ان کا ایک ایک شعر بلکہ ایک ایک مصرع عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نشاندہی کرتا ہوا نظر آتا ہے اور ان کے خیال میں شاعر نعتوں میں جس قدر وارفتگی کا اظہار کرے گا اسی قدر اس کے اشعار میں تاثیر پیدا ہوگی، یہی سبب ہے کہ شعر کو دلی جذبات کا آئینہ کہا گیا ہے اور ایسے موقع پر ہی ''از دل خیزد بر دل ریزد'' (دل سے نکلنے والی بات ضرور دل پر اثر کرتی ہے) کا مقولہ استعمال کیا جاتا ہے۔

راقم الحروف (راہی فدائی) اسلامیات وادبیات کا ایک ادنیٰ طالب علم ہونے کے ناطے یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق ومحبت ایمان کی سلامتی کے لئے لازم وشرطِ اوّلین ہے نہ کہ نعت گوئی کے لئے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں مروی ہے " **لا یؤمن احدکم حتیٰ اکون احب الیه من والده وولده والناس اجمعین** " (متفق علیہ) یعنی تم میں سے کوئی بھی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اس کی ذات، اس کے ماں باپ، اس کی اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ اس کا محبوب نہ رہوں۔ نعت گوئی کے لئے شرط یہ ہے کہ شاعر کو فن شاعری پر دسترس حاصل ہو اور وہ اپنے ممدوح کے اوصاف وکمالات کا بخوبی علم وادراک رکھتا ہو، پھر اس علم کو جذبہ میں اور جذبہ کو شعر میں تبدیل کرنے کا میلان طبع اپنے اندر پاتا ہو تو اس کی کہی ہوئی نعتوں میں دلکشی اور اثر انگیزی پیدا ہوگی۔ مزید براں اگر وہ لفظوں کی معنویت کو ملحوظ رکھتے ہوئے صنائع وبدائع کا استعمال اپنے اشعار میں

مناسب طور پر کرے تو اثر آفرینی میں غیر معمولی اضافہ ہوگا اور یہ تأثر تادیر قائم بھی رہے گا۔

غرض کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم کسی شاعر کا نعتیہ کلام پڑھتے یا سنتے ہیں اور وہ دل کو چھو جاتا ہے تو فوراً کہہ اٹھتے ہیں شاعر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں ڈوب کر شعر کہا ہے۔ حالانکہ حقیقت حال ایسی نہیں ہوتی ہے، چنانچہ بعض نعت گو شعرا ایسے بھی ہیں جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی پیروی کا خیال تو کجا اسلام کے فرائض وواجبات کا بھی لحاظ نہیں رہتا مگر وہ بہترین نعتیہ اشعار کہہ رہے ہیں اور "**لِم تقولون مالا تفعلون**" کی منہ بولتی تصویر پیش کر رہے ہیں۔ اگر واقعتاً وہ ''حُبّ رسول ﷺ'' میں غرق رہتے تو بمصداق "**الاناء یترشّح بمافیہ**" یعنی برتن وہی چیز انڈیلتا ہے جو اس میں موجود ہے، ان کا ظاہر بھی باطن کا عکس جمیل ہوتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نعت پاک کی طرف شاعر کا میلان اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ذات واعلیٰ صفات سے کسی نہ کسی حد تک لگاؤ اور تعلق ہے جس کے زیر اثر وہ نعت کہنے پر آمادہ ہوا ہے۔ اس لگاؤ اور ربط وتعلق کی تعبیر ''عشق رسول ﷺ' جیسے پُر معنیٰ وپُر وقار لفظ سے کرنے کی بجائے چاہت اور احترام کے الفاظ سے کریں تو مناسب ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ محبت کے کئی درجے ہیں، اس کا اعلیٰ درجہ عشق ہے اور ادنیٰ درجہ احترام۔ اسی احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے بہت سارے شعرائے کرام نے نعتیں کہی ہیں جن میں غیر مسلم شعرا کی تعداد بھی معتد بہ ہے، ان غیر مسلم حضراتِ شعرا کے یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں رطب اللسان ہونے کا جذبہ اسی احترام کے راستے سے در آیا ہے جسے احترام انسانیت کا نام بھی دیا جاسکتا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام اقوام عالم کے اہل علم وفضل اور اصحاب دانش وبینش کے نزدیک ''انسان کامل'' ہیں۔ آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ اور آپ ﷺ کے عظیم اخلاق دوست ودشمن، اپنا پرایا اور ادنیٰ واعلیٰ سبھی کے حق میں یکساں ہیں، یہی سبب ہے کہ مسلمان تو مسلمان غیر مسلم اہل سخن بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متاثر ومرعوب ہیں۔ اس تاثر کے پیش نظر جناب پنڈت بال مکند عرشؔ ملسیانی (ولادت ۱۹۰۸ء وفات ۱۹۷۹ء) ابن وتلمیذ جوشؔ ملسیانی نے کیا خوب کہا ہے۔

حاصلِ جلوۂ ازل ، پیکرِ نورِ ذات تو ﷺ
شانِ پیمبری سے ہے سرورِ کائنات تو ﷺ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ، آپ ﷺ کے مبارک ومقدس عادات واطوار اور آپ ﷺ کے شمائل وفضائل سے متاثر ہوکر پروفیسر تلوک چند محروم (ولادت ۱۸۸۷ء وفات

۱۹۶۶ء) نے یہ اقرار کیا ہے۔

مبارک پیشرو جس کی ہے شفقت دوست و دشمن پر
مبارک پیش رو جس کا ہے سینہ صاف کینے سے

آپ ﷺ کی سیرت پاک کے مطالعے سے کنور مہندر سنگھ بیدی سحؔر (ولادت ۱۹۰۹ء) کا جذبۂ احترام چاہت و محبت میں بدل گیا، چنانچہ ان کا ارشاد ہے۔

تکمیل معرفت ہے محبت رسول ﷺ کی
ہے بندگی خدا کی ، اطاعت رسول کی
عشق ہو جائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں
کچھ مسلماں کا محمد ﷺ پہ اجارہ تو نہیں

آخر الذکر شعر کے مضمون کو چندر پرکاش جوہؔر بجنوری (ولادت ۱۹۲۳ء) نے اس طرح ادا کیا ہے۔

نہیں ذکر محمد ﷺ کے لئے تخصیص مذہب کی
یہ کس نے کہہ دیا ، یہ صرف مسلم کی زباں تک ہے

اسی طرح جناب جوش ملسیانی کے شاگرد کالی داس گپتا رضا (ولادت ۱۹۲۵ء) کا یہ شعر ملاحظہ کیجئے:

جام و مینا سے نہیں ہم کو سروکار مگر
آپ ﷺ کے نام سے آجائے تو مستی اچھی

پنڈت لبھو رام جوش ملسیانی (وفات ۱۹۷۶ء) کے ایک شاگرد امیر چند قیسؔی جالندھری کا یہ اعتراف بھی خوب ہے۔

حیات سادہ کے اسباق دے کے عالم کو
تکلفات کے پردے اٹھا دیئے تو نے

حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند ترین اخلاق اور اعلیٰ وارفع اقدار سے متاثر ہو کر کرشن بہاری نوؔر نے خود کو آپ ﷺ کے قدموں میں ڈال دیا اور اس عمل کو اپنی معراج قرار دیا، اس طرح انہوں نے اپنے تخلص نوؔر کا گویا حق ادا کیا۔ ان کا قطعہ۔

دَیر سے نوؔر چلا اور حرم تک پہنچا
سلسلہ میرے گناہوں کا کرم تک پہنچا

تیری معراج محمد ﷺ تو خدا ہی جانے
میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی (ولادت ۱۸۶۶ء وفات ۱۹۵۵ء) تلمیذ شمس العلماء الطاف حسین حالی (متوفی ۱۹۱۵ء) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن گفتار و بلندیٔ کردار پر اس قدر وارفتہ ہوئے کہ انہوں نے محسوس کیا، ان کے پاس سب کچھ موجود ہے مگر ایک چیز کی کمی ہے جس کے بغیر زندگی لایعنی سی لگتی ہے وہ ہے دل کی تاریکی کو دور کرنے کا واحد ذریعہ ''نور ایمانی''۔ اسی کی آرزو میں حضرت کیفی نے بارگاہ الٰہی میں یہ دعا کی۔

یوں روشنی ایمان کی دے دل میں کہ جیسے
بطحیٰ سے ہوا جلوہ فگن نور ﷺ خدا کا[1]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس حالات وکمالات کا تہ دل سے اعتراف کرتے ہوئے جناب بابو برج گوپی ناتھ صاحب بیکلؔ امرتسری نے کس عمدگی سے اپنے جذبات کا اظہار نظم مسدس میں کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

اے رسول پاک، اے پیغمبر عالی وقار
چشم باطن بیں نے دیکھی تجھ میں شانِ کردگار
تیرے دم سے گل نظر آئے رہ عرفاں کے خار
خوبیوں کا ہو تری کیونکر بھلا ہم سے شمار
نور سے تیرے اندھیرے میں درخشانی ہوئی
تیرے آگے آبرو کفّار کی پانی ہوئی

اک جہالت کی گھٹا تھی چار سو چھائی ہوئی
ہر طرف خلقِ خدا پھرتی تھی گھبرائی ہوئی
شاخ دیدار کی بھی بے طرح مرجھائی ہوئی
لہلہا اٹھی تری جب جلوہ آرائی ہوئی
تیرے دم سے ہوگئیں تاریکیاں سب منتشر
پاگئی راحت ترے آنے سے چشم ِ منتظر
کیوں نہ ہم بھی اس جہاں کا پیشوا مانیں تجھے

کیوں نہ راہ حق میں اپنا رہنما مانیں تجھے
دیکھنے دے خدا آنکھیں تو پہچانیں تجھے
حق کی ہے بیکلؔ صدا شمس الضحیٰ مانیں تجھے
گو مسلمانوں کا اک پیغمبرِ اعظم ہے تو
اپنی آنکھوں میں بھی اک اوتار سے کب کم ہے تو[2]

بیکلؔ امرتسری کے بند کے آخری شعر پر غور کریں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ ہندو حضرات کے یہاں جو ''اوتار'' کا عقیدہ ہے اس کی ترجمانی شاعر نے اپنے شعر...... ''گو مسلمانوں کا اک پیغمبر ہے تو -:- اپنی آنکھوں میں بھی اک اوتار سے کب کم ہے تو'' ...... میں کی ہے۔ ان کے مذہب میں ''اوتار'' کا عقیدہ یہی ہے جتنے مہاپُرش اور مقدس ہستیاں ہیں وہ سب بھگوان اور خدا کے نہ صرف مظاہر ہیں بلکہ ''اوتار'' ہیں۔ یعنی ان بزرگوں میں نعوذ باللہ خدا حلول کئے ہوئے ہے۔ یہاں یہ فرق ملحوظ رہے کہ ''اوتار'' کا اعتقاد اسلام میں صریح کفر و باطل ہے۔ اور مظاہرِ حق ہونے کا اعتقاد صحیح اور درست ہے۔ ایک مؤمنِ کامل رب تعالیٰ کا مظہر جمیل اور اس کی قدرت کا عکس حسین ہوتا ہے، جس کے اشارے قرآن پاک اور حدیث شریف میں پائے جاتے ہیں اور یہ حقیقت اہل علم و عرفان کی نظروں سے پوشیدہ نہیں ہے، اس مقام پر تفصیل غیر ضروری ہے۔

راقم نے مقالہ کی تمہید میں اس بات کی وضاحت کی تھی کہ غیر مسلم شعرا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور آپ ﷺ کی منور و مسعود شخصیت سے متاثر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چاہت و احترام میں نعت گوئی پر از خود آمادہ ہو جاتے ہیں اور آپ ﷺ کی ثنا خوانی و مدح سرائی میں رطب اللسان ہونے کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ اس جذبہ و احساس کو عشق و محبت کا نام دینا اور اس شاعری کو عشقیہ شاعری کہنا جیسا کہ ہمارے عام نقادوں کا خیال ہے، غیر حقیقی رویہ بھی ہے اور بعید از قیاس رجحان بھی، اگر واقعتاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے ان غیر مسلم شعرا کا عشق سچا اور پکا ہوتو ضرور انہیں حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کی توفیق ملی ہوتی۔ اس بات کا انہیں خوب علم ہے کہ وہ اسلام کے عقیدۂ توحید پر نہیں ہیں اور وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھرپور تعریف و توصیف کرنے کے باوجود اصل دین و توحیدِ الٰہی کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں کہلاتا اور اسے دیارِ رسول کی زیارت کا شرف حاصل نہیں ہوتا۔ یہی وہ احساس ہے شاعر کو درج ذیل شعر کہنے پر مجبور کر دیا، ٹھاکر دامودر ذکی محبوب نگری (تلنگانہ) شاگردِ آلؔ لاہوری

وحبیب اللہ وفاؔ حیدرآبادی (ولادت ۱۹۰۳ء وفات ۱۹۷۶ء) نے اپنی شدید خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے۔

اتنی سکت کہاں ہے میں آسکوں وہاں تک تو خواب میں تو آجا اک بار اے مدینہ

زیارت مدینہ منورہ کی آرزو میں بابو روشن لعل صاحب نعیمؔ ڈیرہ غازی خاں نے اپنے جذبات و تصورات کو اشعار کے قالب میں ڈھال کر اس طرح پیش کیا ہے:

للہ بلا لیجئے سرکارِ مدینہ مرجائے نہ یہ ہند میں بیمارِ مدینہ
حسرت ہے کہ دم نکلے درِ شاہِ عرب ﷺ پر مدفن ہو تہہِ سایۂ دیوارِ مدینہ
اے شیخ تجھی کو رہِ فردوس مبارک کافی ہے مجھے گوشۂ گلزارِ مدینہ
مرجائے نعیمؔ الفتِ سرور ﷺ میں الٰہی تعویذِ لحد ہو در دربارِ مدینہ

اوّلین نعت گو غیر مسلم شاعر:

دکن کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ جس طرح اردو زبان کے اوّلین شاعر حضرت بندہ نواز گیسودراز (ولاد ۷۲۱ھ م ۱۳۲۱ء وفات ۸۲۵ھ م ۱۴۲۱ء) گلبرگہ کی سرزمین میں آسودہ ہیں اسی طرح اردو کے اوّلین نعت گو غیر مسلم شاعر جن کا نام نامی ایکناتھ مہاراج ہے، دکن ہی کی خاک سے اٹھے ہیں۔ ایکناتھ جیؔ مہارشٹرا کے متوطن تھے، مراٹھی کے قدیم واہم شعرا میں مہاراج کا شمار ہوتا ہے۔ انہوں نے مراٹھی کی صنف شاعری 'بھاروڑ' میں خوب طبع آزمائی کی ہے، ایک سنت ہونے کے اعتبار سے ان کا کلام عوام وخواص میں مشہور ہے۔ ایکناتھ جیؔ کی ولادت حضرت بندہ نواز کے وصال کے ایک صدی بعد (۱۵۳۳ء۔۱۵۹۹ء) ہوئی تھی۔ مشہور محقق وادیب ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط صاحب نے ایکناتھ جیؔ کو کھوج نکالا ہے، ان کی نعتیہ شاعری پہلی بار ڈاکٹر نشیط کے توسط سے اہل علم میں روشناس ہوئی ہے۔ ایکناتھؔ کے چند شعر ملاحظہ ہوں۔

خیال کیا ،مچھلی والے و لیکن دریا وڈھونڈے گوؤند محمد ﷺ
کھیل کھلانے آیا محمد ﷺ

دشرتھ ، رام رانا و لیکن دیو چھراوے بند محمد ﷺ
کھیل کھلانے آیا محمد ﷺ

لنکا پتی راون مارا ولیکن راجیہ دیا بھیبشن محمد کھیل کھلانے آیا محمد ﷺ[۴]

اردو میں غیر مسلم نعت گو شعرا کی تعداد سیکڑوں میں ہے جن میں سے بعض منتخب شعرا کو تاریخی

ترتیب کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے تاکہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں خراج احترام ونذرانۂ عقیدت گزارنے والوں کے جذبات واحساسات کی کماحقہٗ قدر افزائی ہوسکے اور ساتھ ہی ان کے اسلوب ادا اور طرز نگارش کا کسی قدر اندازہ بھی لگایا جاسکے، راقم کی گذاش ہے کہ منصب نقد وانتقاد پر فائز حضرات نعت کی وسعت ووقعت، اس کے تنوع وترفع اور اس کی رنگارنگی وہمہ جہتی کا صحیح ادارک کرتے ہوئے نعت گوشعرا کو ان کا مناسب مقام ومرتبہ دینے میں تکلفات وتعصّبات سے کام نہ لیں۔

(۱) عاشقؔ دہلوی، مہارانہ کلیان سنگھ (ولادت ۱۷۴۹ء وفات ۱۸۲۲ء)

یہ لکھتے ہے نعتِ رسولِ ﷺ خدا مغیث الورا ﷺ خواجۂ دوسرا
محمد ﷺ ہیں محبوبِ پروردگار محمد ﷺ ہیں مطلوبِ پروردگار ۵

(۲) ساقیؔ سہارن پوری، منشی شنکر لال ولد خوب چند (۱۸۶۰ء......۱۸۹۰ء) تلمیذ منشی لال کمند بے صبرِ (وفات: ۱۸۸۵ء) وفیضیافتۂ
مرزا غالبؔ و منشی تفتہؔ۔

مرا ہر لفظ نعتِ احمدی درّ یکتا ہے لکھا جو دائرہ ہے وہ مہِ کامل کا ہالا ہے
صفاتِ ذاتِ احمد لکھ سکوں کیا میری طاقت ہے خیالِ اہلِ دانش جب یہاں مکڑی کا جالا ہے
نعت لکھتا ہوں مگر شرم مجھے آتی ہے کیا مری ان ﷺ کے مدح خوانوں میں پیشی ہوگی

ساقیؔ نے کفر وشرک کے خلاف بلا تکلف لکھا ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ کسی غیر مسلم کا کلام نہیں بلکہ خداترس مؤمن کا کلام ہے، یہ شعر دیکھیے۔

ہوئی کافور نورِ مصطفیٰ ﷺ سے شرک کی ظلمت سیاہی سے ندامت کی دلِ کفار کالا ہے ۶

(۳) ساحرؔ دہلوی پنڈت امرناتھ مون (۱۸۶۳ء......۱۹۴۲ء) وظیفہ یاب ڈپٹی کلکٹر

مرا قلب مطلعِ نور ہے کہ حرم میں جلوۂ یار ہے دل ودیدہ محوِ نظارہ ہیں کہ نہ گرد ہے نہ غبار ہے
بے سایہ نور باعث ایجاد ومغفرت جس کے وجودِ جود سے رحمت نہال ہے
امت کا اپنی شافعِ روز جزا بنا اب پرسشِ جواب نہ روئے سوال ہے ۷

(۴) شادؔ، مہاراجہ کشن پرشاد ولد راجہ ہری کشن پرشاد (۱۸۶۴ء......۱۹۴۰ء) وزیر اعظم سلطنت آصفیہ، حیدرآباد، مصنف مجموعہ نعت ''ہدیۂ شادؔ'' (مطبوعہ ۱۳۲۶ھ)۔ شادؔ صاحب کے کلام سے یہ اندازہ لگانا دشوار ہے کہ یہ ایک غیر مسلم کا کلام ہے۔ وہ نعت گوئی کی توفیق

پر خدائے تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہوئے کہتے ہیں۔ ؎

مشغلہ نعتِ نبی ﷺ کا ہے مجھے شکرِ خدا　　بعد مدت کے یہ ہاتھ آیا ہے مقصد مجھ کو

شادؔ کی وارفتگی اور جذبات کی فراوانی کا عالم دیکھ کر حیرانی ہوتی ہے کہ رب تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی ثنا خوانی کس کس زبان و کس کس قلم سے کروا رہا ہے اور کن کن زاویوں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی ہو رہی ہے۔ مہاراجہ شادؔ کے یہ اشعار ملاحظہ کیجئے۔ ؎

کافر عشق محمد ﷺ خلق کہتی ہے مجھے　　سب مسلماں قدر کرتے ہیں مرے زنّار کی

کافر ہوں کہ مؤمن ہوں، خدا جانے میں کیا ہوں　　پر بندہ ہوں ان کا جو ہیں سلطانِ مدینہ ﷺ

ہم خیالِ رخِ پُر نور میں حیراں ہوں گے　　یاد آئیں گے جو گیسو تو پریشاں ہوں گے

لے گیا بخت اگر روضۂ اقدس کی طرف　　جان و دل سے کبھی صدقے کبھی قرباں ہوں گے

ہم کو تو گلشنِ طیبہ میں اڑا کر لے جا　　ہم ترے باد صبا، بندۂ احساں ہوں گے

جب سے وحدت کا ہوا دل میں خیال　　تھا جو بیگانہ، یگانہ ہوگیا

کفر چھوڑا پی کے مئے توحید کی　　رنگ شادؔ اب عاشقانہ ہوگیا [۸]

(۵) کوثریؔ، چودھری دِلّو رام ولد بھورا رام حصاری (۱۸۸۲ء......۱۹۳۳ء) اردو کے ممتاز نعت گو شاعر ہیں جنہیں پیر جماعت علی شاہ صاحب علی پوری نے ''حسان الہند'' کے خطاب سے سرفراز فرمایا تھا۔ کوثریؔ نے دولت ایمانی سے محرومی کے باوجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں نعتوں کا نذرانہ پیش کیا، آل اطہار واصحاب کبار کی منقبتیں لکھیں اور اسلامی روایات پر بہترین نظمیں قلمبند کیں، زندگی بھر یہی مشغلہ رہا، حیدر آباد، بھوپال، رام پور وغیرہ درباروں میں انہیں نعت خوانی کی دعوت دی جاتی تھی اور ان کی عزت افزائی کی جاتی تھی۔ کوثریؔ نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

کرائے ہندو بیاں اس طرز سے تو وصف احمد ﷺ کا　　مسلماں مان جائیں لوہا سب تیغِ مُہنّد کا

محمد ﷺ اور دِلّو رام میں نقطہ نہیں کوئی　　کہ ہے مداح اور ممدوح میں یہ ربط کس حد کا

دِلّو رام کوثریؔ کو یہ اعتماد ہے کہ دوزخ کی آگ انہیں جلائے گی نہیں، کیونکہ وہ مداح نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جس کا اظہار انہوں نے اس طرح کیا ہے۔ ؎

ہندو سمجھ کے مجھ کو جہنم نے دی صدا　　میں پاس جب گیا تو نہ مجھ کو جلا سکا

بولا کہ تجھ پہ کیوں مری آتش ہوئی حرام　　کیا وجہ تجھ پہ شعلہ جو قابو نہ پاسکا

میں نے کہا کہ جائے تعجب نہیں ذرا　　واقف نہیں تو میرے دلِ حق شناس کا

انہیں یقین ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت حاصل ہو گی جس کے وسیلے سے خدائے رب العزت کا ساتھ بھی میسر آئے گا، چنانچہ وہ اس طرح رقم طراز ہیں۔

کوثری تنہا نہیں ہے مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ ہے　　جو نبی ﷺ کے ساتھ ہے وہ کبریا کے ساتھ ہے

لے کے دِلّو رام کو حضرت گئے جنت میں جب　　غُل ہوا ہندو بھی محبوبِ خدا کے ساتھ ہے ۹

(۶)　فلک لاہوری، لالہ لال چند، تلمیذ دوارکا پرساد افق لکھنوی (۱۸۷۷ء......۱۹۶۷ء)

نغمۂ وحدت حق دہر میں گایا تو ﷺ نے　　کملی والے ﷺ یہ عجب گیت سنایا تو ﷺ نے

ربِّ بے مثل کا دنیا میں بٹھا کر سکّہ　　نقش، اوہام پرستی کا مٹایا تو ﷺ نے

ریت کے ذروں کو بارود کی طاقت بخشی　　خاکِ ناچیز کو اکسیر بنایا تو ﷺ نے

گنبد وسقفِ فلک، گوش زمیں گونج اٹھے　　کوسِ توحید عرب میں جو بجایا تو ﷺ نے ۱۰

(۷)　جواں سندیلوی، منی لال، تلمیذ ہنر سندیلوی و آرزو لکھنوی (۱۸۸۹ء......۱۹۷۴ء) کے مسدس کا یہ بند ملاحظہ فرمائیں جس میں انہوں نے واقعہ معراج کو کس خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

آج کیا ہے جو سجاوٹ ہے سرِ چرخِ بریں　　چاندنی رات بھی دلکش ہے، ستارے بھی حسیں

نور ہی نور ہے ظلمت کا کہیں نام نہیں　　قابلِ دید ہے گلزارِ جناں کی تزئیں

حکم خالق ہے، فرشتے سبھی ہشیار رہیں　　مرے محبوب ﷺ کی تعظیم کو تیار رہیں ۱۱

(۸)　جوہر بلگرامی، شنکر سہائے ولد بابو سری واستو (۱۸۹۰ء......۱۹۷۱ء) منصف وناظم دیوانی وفوجداری، حیدر آباد دکن۔

یوں تو دنیا میں بہت سے ہوئے مولیٰ والے　　پر تری ﷺ شان ہی کچھ اور تھی بطحیٰ والے

تو وہ مخلوق کہ خالق تری تخلیق پہ خوش　　بعد مولیٰ تجھے ﷺ کیوں مانیں نہ مولیٰ والے

آئے گا سوا نیزے پر جب نیّر اعظم　　ہم ہوں گے تہِ دامنِ سلطانِ ﷺ مدینہ ۱۲

(۹)　جذب رائچوری، پنڈت رگھوندر راؤ، تلمیذ ترکی وشوکت میرٹھی (۱۸۹۴ء......۱۹۷۳ء) ایڈوکیٹ:

لکھتا ہوں ثنائے رخِ نیکوئے محمد ﷺ　　روکش خورشید فلک روئے محمد ﷺ

مکے سے مدینہ سے ہی پہنچی سرِ افلاک　　بوئے گلِ رخسارہ و گیسوئے محمد ﷺ

اس جذبؔ دل افگار کو رویا میں کسی شب　یارب تو دکھادے رخ نیکوئے محمد ﷺ　۱۳؎

(۱۰)　ساؔمی جبلپوری، منشی مہادیو پرساد تلمیذ مضطؔر خیر آبادی (۱۸۹۵ء......۱۹۷۱ء)
بڑے پُر گو شاعر گذرے ہیں، ساؔمی نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت وثنا کرتے ہوئے قربت رسول اکرم ﷺ کی تمنا میں خود کو وقف کیا ہے اور اپنے گناہوں کی مغفرت بھی طلب کی ہے۔

جناب ساؔمی اپنا مدعیٰ پیش کرتے ہوئے عرض گزار ہیں۔ ؎

جنت کی سمت رخ نہ کروں آپ ﷺ کے بغیر　حضرت ﷺ کا ہوں گدا تو طبیعت غیور ہے
ممکن ہے مدح کس سے ہو اس ذات پاک کی　مدحت طراز جس کا خدائے غفور ہے
کافی ہے یہ نصیحت اغیار کے لئے　وہ دور ہے خدا سے، نبی ﷺ سے جو دور ہے
مقصود عرض حال ہے ورنہ غلام کو　دعویٰ کلام کا نہ زباں کا غرور ہے
خادم کا بال بال گنہگار ہے تو ہو　مداح ہے حضور ﷺ کا اتنا ضرور ہے
لاکھوں خطائیں کی ہیں بس اتنی امید پر　حضرت ﷺ بھی ہیں کریم، خدا بھی غفور ہے
محشر میں دیکھ لیں گے جنہیں اشتباہ ہو　ساؔمی ہے اور جامِ شرابِ طہور ہے

جناب ساؔمی نے مقطع کے بعد ایک تاریخی شعر رقم کیا ہے، جس میں اس واقعہ کا سَن ہے جبکہ جبلپور میں ۶ / شعبان ۱۳۴۵ء مطابق فروری ۱۹۲۷ء کو بعد مغرب ایک روشن ستارہ ٹوٹا اور وہ صاف طور پر آپ ﷺ کا اسم گرامی "محمد ﷺ" کی شکل اختیار کر گیا، اس نظارہ سے بہت سارے خوش نصیب بہرہ ور ہوئے، اسی کی طرف ساؔمی نے اپنے دو شعر میں اشارہ کیا ہے۔ ؎

تارے سے نامِ نامیٔ حضرت عیاں ہوا　یہ معجزہ حضور کرامت ظہور ہے
تھی مجھ کو فکرِ سال کہ ہاتف نے دی ندا　لوحِ فلک پہ جلوۂ نامِ حضور ﷺ ہے　۱۴؎
۱۳۴۵ء

(۱۱)　حاؔمی بریلوی، بشن نارائن ولد پنڈت دیبی پرشاد صادؔق بریلوی (ولادت تقریباً ۱۸۹۶ء) صاحبِ دیوان شاعر تھے، شاعری انہیں ورثہ میں ملی تھی، تاریخ روہیل کھنڈ مع تاریخ بریلی کے مؤلف مولانا عبدالعزیز خان بریلوی نے جناب حاؔمی کی خوب تعریف کی ہے۔ ؎

ہو کیوں نہ بشر تابعِ فرمانِ محم ﷺ　فردوس میں جائیں گے غلامانِ محمد ﷺ
عاشق تپشِ مہر قیامت سے ڈریں کیوں　کافی ہے انہیں سایہ ﷺ دامانِ محمد ﷺ

از بسکہ گنہگار ہوں، محشر میں الٰہی چھوٹے نہ مرے ہاتھ سے دامانِ محمد ﷺ
بخشیں مجھے توفیق اگر نعت کی حامی بھولوں نہ کبھی عمر بھر احسانِ محمد ﷺ ۱۵؎

(۱۲) اخترؔ ہوشیار پوری، پنڈت ہری چند تلمیذ حفیظؔ جالندھری (۱۹۰۰ء......۱۹۵۸ء) کو اپنے وسعت مشرب پر فخر ہے اور وہ تصور میں سبز گنبد کی زیارت سے مشرف ہوکر انتہائی خوش ہیں۔

وسعتِ مشرب سے ہیں اک مخزنِ اسرار ہم کفر ہم، اسلام ہم، تسبیح ہم، زنّار ہم
سبز گنبد کے اشارے کھینچ لائے ہیں ہمیں لیجئے دربار میں حاضر ہیں اے سرکار ہم
نام پاک احمدِ مرسل سے ہم کو پیار ہے اس لئے لکھتے ہیں اخترؔ نعت میں اشعار ہم ۱۶؎

(۱۳) باغؔ اکبر آبادی، حکیم بال کشن داس ولد حکیم ہنومان سہائے تلمیذ حضرت سید محمد علی شاہ میکشؔ اکبر آبادی و فلکؔ حیدر آبادی (۱۹۰۶ء......۱۹۵۹ء) بڑے شائستہ وشستہ مذاق کے حامل تھے، حکیم باغؔ صاحب کی نعتوں میں دلکشی و دل آویزی موجود ہے، یہ شعر دیکھئے۔

رہا کرتا ہے اس میں جلوۂ یکتا محمد ﷺ کا مرا دل ہے ازل سے آئینہ خانہ محمد ﷺ کا
گلہ غم کا نہیں، غم دینے والے یہ شکایت ہے جو تجھ کو غم ہی دینا تھا، تو غم دیتا محمد ﷺ کا
اگر تجھ کو محبت ہے جو تیرا عشق صادق ہے تو آنکھیں بند کر کے کھینچ لے نقشہ محمد ﷺ کا ۱۷؎

(۱۴) دلؔ کشمیری، منوہر لال ولد گوندا مل آنند شاگرد اثرؔ لکھنوی و جوشؔ ملسیانی (ولادت ۱۹۱۲ء) مصنف مجموعۂ کلام ''نقدِ دل'' (مطبوعہ ۱۹۷۳ء) دلؔ اسٹیٹ بینک آف انڈیا جمو کے اعلیٰ عہدے پر فائز ہوکر وظیفہ یاب ہوئے، دلؔ صاحب نے جمو میں ایک ادبی انجمن کی بنیاد ڈالی، جو اولاً ''بزم سخن'' کے نام سے اور بعد میں ''بزم اردو'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ دلؔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ کی تعریف و توصیف میں اس طرح رطب اللسان ہیں۔

آقا جو محمد ﷺ ہے عرب اور عجم کا بے مثل نمونہ ہے مروّت کا کرم کا
حاصل ہے جنہیں تیرے غلاموں کی غلامی لیتے نہیں وہ نام کبھی قیصر و جم کا
فردوس نظر ہے ترے مسکن کی زیارت روضہ ترا ﷺ دنیا میں بدل باغِ ارم کا
کیا دلؔ سے یہاں ہو تیرے ﷺ اخلاق کی توصیف عالم ہوا مدّاح تیرے لطف و کرم کا ۱۸؎

(۱۵) مکھنؔ حیدر آبادی، راجہ مکھن لال (وفات مابعد ۱۸۴۴ء) صاحب دیوان شاعر تھے، جس کا ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ ''گورنمنٹ میانسکرپٹ لائبریری'' کی زینت ہے۔ انہوں نے نعتیں فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں کہی ہیں، ۱۲۶۰ء مطابق ۱۸۴۱ء میں عمر خیام کی رباعیات کا

منظوم ترجمہ صنف رباعی ہی میں کیا، مکھن لال کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پایاں عقیدت تھی اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی آرزو میں اشعار کہے ہیں۔

بسکہ تو نے کیا ہے جرم عظیم　　جا پکڑ دامنِ شفیعِ رحیم
عرض کر بندگی بصد تعظیم　　بول اپنا پکار حال سقیم
کر مدد مجھ پہ یا رسول اللہ　　تا نہ دیکھوں عذاب نارِ جحیم ۱۹

(۱۶)　رونق دہلوی، منشی پیارے لال تلمیذ راسخ دہلوی (وفات ۱۹۳۴ء) بلند پایہ شاعر تھے، زباں و بیان پر قدرت حاصل تھی، نعتوں میں طباعی کا مظاہرہ خوب کیا ہے۔

کلمہ صلِّ علیٰ وردِ زباں رکھتا ہوں　　خواب میں دیکھ لیا ہے قدِ بالا تیرا
عفو ہو جائیں گی محشر میں خطائیں ساری　　داورِ حشر کو دوں گا میں حوالا تیرا
آہ کر ہجر محمد ﷺ میں سنبھل کر اے دل　　عرش کے پار نکل جائے گا نالا تیرا ۲۰

(۱۷)　منظر، ڈاکٹر کے، مدنا منظر تماپوری ابن پر بھوراؤ (ولادت: ۱۹۲۰ء وفات ۱۹۸۲ء) سول سرجن ہونے کے باوجود فطرتاً صوفی منش تھے، اردو، ہندی، کنڑی اور انگریزی میں شعر کہتے تھے۔ اردو شاعری میں نعتوں کی طرف ان کا میلان زیادہ تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یکتائی میں شعر کہتے ہوئے ان پر محویت کا عالم طاری رہتا تھا۔ اسی لئے ڈاکٹر صاحب کے اشعار میں تاثیر کا عنصر نمایاں ہے۔

تمہارے چہرۂ زیبا کو ہم قرآں سمجھتے ہیں　　تمہاری ہر ادا کو معنیٔ فرقاں سمجھتے ہیں
تمہارے عشق میں جینا تمہارے عشق میں مرنا　　اسے ہم دین کہتے ہیں، اسے ایماں سمجھتے ہیں
الٰہی زندگی میں ایک ایسا وقت بھی آئے　　کروں سجدہ جہاں نقشِ کفِ پا ہو محمد ﷺ کا ۲۱

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں خراج عقیدت پیش کرنے کا سلسلہ صدیوں سے جاری ہے اور آج بھی بہت سارے غیر مسلم شعراء اس پاک شغل میں ہمہ تن مصروف ہیں اور اسے اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ ان شعرا میں جناب چندر بھان خیال (ولادت ۱۹۴۶ء) اس حیثیت سے ممتاز ہیں کہ انہوں نے ''لولاک'' (مطبوعہ ۲۰۰۲ء) کے نام سے منظوم سیرت طیبہ تحریر کی، خیال صاحب اولین غیر مسلم منظوم سیرت نگار ہیں۔ ''لولاک'' کے چند بند ملاحظہ ہوں۔

اوج بخش و بخت آور، نام تھا محمد ﷺ کا　　آسروں نے ڈھونڈا تھا آسرا محمد ﷺ کا
رفعتوں کی خاموشی، وسعتوں کی تاریکی　　ختم ہوگئی جیسے مصطفےٰ ﷺ کی آمد پر

برق سی گری اک دم واہموں کے برگد پر ہل اٹھا نظامِ شر خیر کی اس آمد پر
جذبہ علیہ وسلم صداقت اب زندگی کے صحرا میں چہچہاتی چڑیوں سا چہچہاتے پھرتا تھا

آخر میں یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس کا کرشمہ ہے کہ آج کے لسانی و مذہبی تعصب کے زمانے میں بھی اردو کے غیر مسلم شعرا ہی نہیں بلکہ ہندی کے غیر مسلم شعرا بھی نعتیں کہنے کو اپنی خوش قسمتی تصور کر رہے ہیں، جس کی ایک مثال جواں سال شاعر گیان چند مرمکیا بنگلور (ولادت ۱۹۵۹ء) کی ہے جن کا کلام ہندی رسائل میں شائع ہوتا رہتا ہے، دیکھئے کہ مرمکیا کے یہ شعر کس قدر سادگی وشائستگی کا نمونہ ہیں۔

حضرت رسول علیہ وسلم پاکِ مہربان کو سلام کرنے دو مجھے صاحبِ ایمان کو سلام
جب آپ علیہ وسلم نے انسانیت کی راہ دکھائی انسان بھی کرنے لگے انسان کو سلام

راقم کو اس مقالے کی تیاری میں محترم ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط کا تعاون حاصل رہا جس کے لئے وہ ڈاکٹر صاحب کا شکر گزار ہے۔

جزاکم اللہ خیر الجزاء

مآخذ

۱۔ مسلم سلیم، ہندو گو شعرا، کھوج خبر نیوز ڈاٹ کام Muslim salum.blogspot.in
۲۔ ''مسلمان لاہور'' کا غیر مسلم نعت گو شعرا نمبر جلد ۷/شمارہ ۸/ص: ۳۱،۳۲
۳۔ وایضاً......ص: ۳۶
۴۔ ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط، اردو مراٹھی کے تہذیبی رشتے، بہار آفسٹ، اکولہ (مہاراشٹر) ۱۹۹۵ء ص: ۵۴
۵۔ علیم صبا نویدی، نعتیہ شاعری میں ہیئتی تجربے، مطبوعہ تمل ناڈو اردو پبلی کیشنز، چینائی۔۲/۲۰۰۲ء ص: ۳۱
۶۔ ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق، اردو میں نعتیہ شاعری، مطبوعہ کراچی (پاکستان) ۱۹۷۶ء ص: ۲۷۵۔۲۷۶
۷۔ ''مسلمان لاہور'' ص: ۴۲۔۴۷
۸۔ ''اردو میں نعتیہ شاعری'' ص: ۴۹۲۔۴۹۳
۹۔ ''مسلمان لاہور'' ص: ۲۵۔۲۶
۱۰۔ ''اردو میں نعتیہ شاعری'' ص: ۵۳۳۔۵۳۴۔۵۳۵
۱۱۔ ''نعتیہ شاعری میں ہیئتی تجربے'' ص: ۴۹

۱۲ نور احمد میرٹھی ''بہر زباں بہر زماں صلی اللہ علیہ وسلم'' ادارۂ فکرِ نو، کراچی۔۱۹۹۶ء ص:۲۲۸
۱۳ ''مسلمان لاہور'' ص:۴۷۔۴۸
۱۴ وایضاً......۳۸۔۳۹
۱۵ ''بہر زماں بہر زباں صلی اللہ علیہ وسلم'' ص:۲۴۳
۱۶ ''مسلمان لاہور'' ص:۳۴۔۳۵
۱۷ ''بہر زماں بہر زباں صلی اللہ علیہ وسلم'' ص:۱۶۴
۱۸ وایضاً......۲۶۴
۱۹ ''اردو میں نعتیہ شاعری'' ص:۲۴۳۔۲۳۴
۲۰ ''مسلمان لاہور'' ص:۳۳
۲۱ ڈاکٹر مدّ نا منظرؔ ''منظر بہ منظر'' انجمن ترقی اردو ہند (کرناٹک) بنگلور۔ مطبوعہ ۱۹۸۲ء۔ ص:۱۷۔۲۵
۲۲ چندر بھان خیالؔ ''لولاک'' فرید بک ڈپو، دہلی، مطبوعہ ۲۰۰۲ء ص:۴۴

OOO

شارق عدیل (مارہرہ)

چندر بھان خیالؔ کی طویل نظم ''لولاک''
(کے حوالے سے)

چندر بھان خیال اردو دنیا میں اپنی انفرادی سوچوں کے سبب خاصی وقعت رکھتے ہیں۔ چونکہ نظم کے حوالے سے ان کے دو شعری مجموعات منظر عام پر آ کرنا قدین کو ہیئت اور موضوعات کے نئے جہانوں سے روبرو ہونے کے مواقع فراہم کرا رہے ہیں۔ ایسا میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ مذکورہ مجموعات کے تعلق سے میں ثقہ ناقدین شعر وادب کی آراء کا مطالعہ کر چکا ہوں۔ حالانکہ یہ دونوں مجموعات میری نظروں سے گزرے نہیں ہیں، لیکن ان کے ناموں میں جو شعری کشش ہے اس سے یہ اندازہ ضرور لگایا جاسکتا ہے کہ چندر بھان خیال اپنی نظمیہ شاعری کے لب و لہجے کے تعلق سے دوسرے شعراء سے ایک دم مختلف ہیں، تبھی تو اردو زبان وادب کے صاحب فخر ناقدین ان کے دونوں مجموعوں ''شعلوں کا شجر''، ''گمشدہ آدمی کا انتظار'' کے حوالے سے یوں اظہار خیال کرتے ہیں کہ اردو کا ہر قاری چندر بھان خیال کے نظمیہ راستوں میں سفر کرنے کا طالب نظر آتا ہے۔

گوپی چند نارنگ، کے خیال میں اردو پر فی زمانہ جو پیغمبری وقت آن پڑا ہے اور اقدار شکنی اور نفسا نفسی کا جو دور دورہ ہے ایسے میں اگر کچھ دیے ایسے بھی جلتے رہیں تو راہ کا اندھیرا اگر کم نہ ہوگا تو کم از کم بڑھے گا بھی نہیں۔ گوپی چند نارنگ کے خیال میں چندر بھان خیال ایک ایسے شاعر ہیں جن کی موجودگی میں ''اردو وادی'' میں اندھیرا بڑھنے کا امکان نہیں ہے۔

اس میں کوئی دو رائے نہیں ہے۔ چونکہ چندر بھان خیال اپنی ہر نظمیہ تخلیق کو اپنی ایجاد کردہ ہیئت کے پیراہن میں ہی دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ ان کی آزاد نظمیں بھی مسلسل قوافی کی تکرار سے پیدا ہونے والی دل پذیر موسیقی کے نزدیک رہتی ہیں، جس سے اس دور کی نظمیہ شاعری محروم نظر آتی ہے۔

پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی کی نظر میں چندر بھان خیال کی نظمیں بہت خوب ہیں۔ کئی نظمیں سحر انگیز ہیں، اور بہت دیر تک مسحور رکھتی ہیں۔ پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی کی یہ یک سطری رائے چندر بھان خیال کے شعری احساس کی گہرائی و گیرائی کی بہترین مبصر ہے۔ اور ہر اعتبار سے صداقت کی آغوش میں پناہ گزیں نظر آتی ہے۔ پروفیسر خلیق انجم کی نظر میں چندر بھان خیال ایک منفرد آہنگ منفرد سوچ اور بے پناہ شدتِ احساس کا شاعر ہے۔ وہ کسی فارمولے یا سیاسی نظریے کی عینک کے بجائے کھلے ذہن سے سوچتا ہے۔ وہ ملک کے بہترین نظم نگاروں میں نمایاں ہے۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ چندر بھان خیال، موجودہ عہد کے نمایاں فنکار ہیں۔ ویسے میری نظر میں پروفیسر گوپی چند نارنگ اور پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی کی آراء کو سپرد قرطاس کرنے کے بعد کسی اور کی رائے کو لکھنے کے کوئی معنیٰ نہیں ہیں، لیکن پروفیسر خلیق انجم اور پروفیسر جوگندر پال بھی اپنے اندر زبردست تخلیقی قوتیں رکھتے ہیں۔ اس لیے ان دونوں ارباب فکر ونظر کی آراء کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، پروفیسر جوگندر پال نے کیا سچی اور کھری بات کہی ہے۔ چندر بھان خیال نے کوئی نئی بات سننے کے لیے کان کھڑے کر رکھے ہیں۔ آپ اس جیالے شاعر کی ٹوہ میں رہیے۔ تھوڑا انتظار کیجئے کیا پتہ وہ کب کس طرح کونسی نئی بات لے کر آپ کے سامنے موجود ہو اور آپ کھڑے کے کھڑے رہ جائیں۔

واقعی پروفیسر جوگندر پال نے چندر بھان خیال کی شاعری کے تعلق سے کیا صادق پیشین گوئی کی ہے کہ دل کی دھڑ کنیں تیز رفتار ہوگئی ہیں، چندر بھان خیال کے اول شعری مجموعے کا نام ''شعلوں کا شجر'' سے محسوس ہوتا ہے کہ دنیا اپنے عصر کے خونریز مناظر کے ساتھ اس کے اوراق پر بکھری پڑی ہے۔ اور امن کی امید ایک ہلکی سی صبح کی کرن کی مانند کہیں کہیں اپنے ہونے کا احساس دلا رہی ہے۔ جو شاعر کو مایوسی کے غار میں اترنے سے باز رکھتی ہے۔

اور دوسرا شعری مجموعہ ''گمشدہ آدمی کا انتظار'' نظم کی دنیا میں۔ ایک ایسا استعارا ایک ایسا خیال بن کر ظاہر ہوا ہے کہ مذکورہ آدمی جب بھی دنیا کو دستیاب ہو جائے گا تو اس کی معنویت مکمل ہو جائے گی اور دنیا کا شب گزیدہ چہرہ چاند کی مانند روشن نظر آئے گا۔ اور تیسرا مجموعہ ان کی طویل نظم ''لولاک'' کے نام سے منظر عام پر آیا ہے۔ جو پروفیسر جوگندر پال کی پیشین گوئی کا آئینہ ہے۔

مذکورہ نظم چھ ابواب میں تقسیم کی گئی ہے اور ہر باب کی موضوعی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے چار بحور کا استعمال کیا گیا ہے جو کسی بھی معمولی شاعر کی سوچ کا نتیجہ نہیں ہوسکتا۔ چونکہ نظم

کے تخلیقی سفر میں بحر کا بدلاؤ موضوع کے بیانیہ احساس سے بیحد گہرا تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے ''لولاک'' کے شاعر کی ذہانت کو تخلیقی لمحوں میں محسوس کرنے کی از حد ضرورت ہے۔ نظم کا پہلا باب بحر رمل سالم محذوف کے ارکان فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلن، میں تخلیق کیا گیا ہے۔ مذکورہ وزن غزل تخلیق کرنے میں کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ نرم جذبات واحساسات کو اپنے اندر جذب کرنے کی بے پناہ صلاحیت رکھتا ہے۔

نظم کا دوسرا باب بحر ہزج اُشتر سالم کے ارکان، فاعلن، مفاعی لن، فاعلن، مفاعی لن، میں تخلیق کیا گیا ہے۔اس وزن میں یہ صفت ہے کہ یہ لہجے کو اونچی صداؤں میں ڈھلنے سے روکتا ہے اور اپنے موضوع کے اعتبار سے شاعر کو مناسب لفظیات کی طرف کوچ کرنے کی دعوت دیتا ہے اور نظم کا تیسرا باب بحر متدارک .... کے ارکان فعلُن، فَعِلُن، فعلن، فعلن، فعلن، فعلن، فعلن، فعلن میں پوری کاریگری کے ساتھ تخلیق کیا گیا ہے۔

چونکہ نظم کا یہ حصہ موضوعاتی تذکرات میں بے حد تفصیلی ہے۔اس لیے شاعر کو یہاں طویل وزن کی ضرورت تھی، اور چوتھا، پانچواں، باب اوپر بیان کئے گئے عروضی ارکان پر مشتمل ہے۔ البتہ چھٹواں باب بحر ہزج مثمن سالم کے ارکان، مفاعی لن، مفاعی لن، مفاعی لن، مفاعی لن، پر تخلیق کیا گیا ہے۔ یہ وزن بھی اپنے اندر سُر اور سنگیت کا زبردست بہاؤ رکھتا ہے۔ جو کسی بھی تخلیقی منظر کو تعمیر کرنے میں بہترین معاون کا کردار ادا کرتا ہے۔ اس طرح چندر بھان خیال نے اپنی طویل نظم ''لولاک'' کی کاشت میں چار بحور کو برتا ہے جو مذکورہ نظم کی تخلیق میں اہم کردار ادا کرتی ہیں، مذکورہ نظم فخر انسانیت رسول اکرم ﷺ کی سیرت واخلاص کو احاطہ کرنے کی غرض سے وجود میں آئی ہے۔اور اپنے قارئین کو یہ بتانے میں پوری طرح کامیاب رہی ہے کہ زندگی رسول اکرم ﷺ کے جلوہ افروز ہونے کے بعد زبردست انقلاب سے گزری ہے۔ چندر بھان خیال کی رسول اکرم ﷺ سے عقیدت ومحبت عمر کے اس حصے میں پیدا ہوتی ہے جس کا کوئی بھی نقش ذہن سے آسانی سے محو نہیں ہوتا ہے۔

وہ رسول اکرم ﷺ کے تعلق سے فرماتے ہیں، میں جب چوتھی جماعت کا طالبعلم تھا، تو حضرت محمد ﷺ سے متعلق ایک چھوٹا سا مضمون کسی کتاب یا رسالے میں پڑھا تھا۔ اس مضمون میں بتایا گیا تھا کہ عرب کی سرزمین پر چودہ سو برس قبل ایک عظیم المرتبت شخص نے جنم لیا تھا جس نے دنیا کو دین اسلام دیا، صرف 23 برس کی قلیل مدت میں غیر مہذب اور منتشر عرب معاشرے کو

نہ صرف مہذب اور منظّم کر دیا بلکہ چھوا چھات برادری واد، امیری غریبی کی لعنت سے نجات دلا کر اعلیٰ اور ادنیٰ کے فرق کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا تھا۔ اس مضمون نے مجھے سراسیمگی کے سمندر میں غوطہ زن کر دیا تھا، میں حیران تھا کہ جن برائیوں کے نرغے میں آج ہم لوگ زندگی بسر کر رہے ہیں وہ محمد ﷺ نام کے ایک شخص نے صدیوں قبل ہی مٹادی تھی، یہی وہ نقش ہے جو چندر بھان خیال کے معصوم ذہن میں اس طرح بیٹھ گیا کہ انہیں حضرت محمد ﷺ کے بارے میں جو کچھ بھی پڑھنے کو ملا وہ اسے پوری یکسوئی کے ساتھ پڑھتے رہے۔ اور ''لولاک'' ایسی لافانی نظم ان کے ذہن میں تخلیق ہوتی رہی، لولاک، رسول اکرم ﷺ کے اوصاف حمیدہ اور اس وقت کے جہل فطرت، ماحول کو جس طرح آئینہ کرتی ہے اس میں چندر بھان خیال کی شعری شخصیت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، چونکہ وہ نظم کی ابتدا رسول اکرم ﷺ کی پیدائش سے قبل کے ماحول میں کرتے ہیں، اور اپنے قارئین کو یہ احساس دلاتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ وجود میں آنے سے قبل دنیا اس قدر جہالت کے اندھیروں میں غرقاب تھی کہ انسان اچھائی اور برائی کے واضح فرق کو بھی نظر انداز کر چکا تھا۔ نظم کا ابتدائی منظر ملاحظہ فرمائیں۔ ؎

حضرتِ آدم سے پیدا ہوگیا جب آدمی
سمتِ امکانات میں بڑھنے لگا جب آدمی
سینۂ صحرا میں ہر دم جگمگاتا تھا کوئی
تیرہ و تاریک لمحوں سے گزرنے کے لیے
آدمی کے راستوں میں رنگ بھرنے کے لیے
تہہ بہ تہہ تنہائی کی تہہ میں اترنے کے لیے
بحر و بر کی وسعتوں سے دامنِ افلاک تک
گونجتی تھی اک تڑپ تخلیق کی دیوانہ وار
خلوتوں کی خاک میں لپٹے ہوئے دن بیقرار
اور سنّاٹوں کے آگے بے قبا شب شرمسار
اک طرف مبہم عقائد دوسری جانب فریب
بیچ میں بیٹھے ہوئے بے دست و پا شام وسحر
پربتوں کی پیٹھ پر بیٹھے ہوئے سوکھے شجر

ہنہناتی، ہانپتی، ہنستی، ہوا کے دوش پر
ایک قطرہ آگ کا رکھ دیں تو کتنی وادیاں
خاک ہوکر خوف کے طوفاں اٹھا دیتیں کئی
وادیاں جو آگ کے دریا بہا دیتیں کئی
اور ٹھنڈی ریت پر لیٹا ہوا تنہا بشر
چونک کر پھر سر جھکا دیتا کسی کے سامنے
ہر طرف بے روح منظر آدمی کے سامنے
ایک بھی چلتی نہیں تھی تیرگی کے سامنے
روشنی کے نام پر اڑتی ہوئی چنگاریاں
ہائے پھیلا تھا جہاں میں بے بسی کا سامراج

نظم کے یہ ابتدائی مصاریع لفظ و معنی کا اک جہاں سمیٹے ہوئے ہیں اور چندر بھان خیال کے اندر کے فنکار کی بیدار ذہانت کا منھ بولتا ثبوت فراہم کراتے ہیں۔ چونکہ شاعر کے پیش کردہ ماحول میں روشنی کی جگہ چنگاریاں رقص کرتی ہیں اور انسان سفاک ظلمتوں کے پنجے میں پوری طرح بے بس نظر آتا ہے۔ لیکن زندگی کے اس گھور منظر میں بھی چندر بھان خیال کے ذہن میں مچلتی ہوئی شعری لہریں برق رفتار احساس کے نور سے نظم کے ہر مصرعے کو طویل معنویت سے گوندھنا چاہتی ہیں۔ نظم کی ہیئت بھی اپنے اندر کسی کارنامے سے کم نہیں ہے چونکہ نظم کے ہر بند کے پہلے دو مصرعے مطلع کی شکل میں تخلیق کیے گئے ہیں اور بعد کے دو مصرعے اس انداز سے تخلیق کیے گئے ہیں کہ دوسرے بند کے ابتدائی دونوں مصرعوں سے مل کر ہم قافیہ بن جاتے ہیں جو پابند نظم کی موسیقی کے لطف کو دوبالا کر دیتے ہیں، نظم کی یہ خوبصورت ہیئت 'لولاک'' کے شاعر کی اپنی ایجاد کردہ ہے جس کا ساتھ آخری مصرعے تک نباہنا بڑے جوکھم کا کام ہے۔ چند مصرعے اور دیکھیں۔

ہاتھ میں پتھر لیے آواز کی بے چہرگی
ڈوبتے سورج کے پیچھے پاگلوں سی دوڑتی
اور کسی بے شکل بت کے سامنے پھن کاڑھ کر
ناچتا تھا خواہشوں کا ناگ دن ہو یا کہ رات

ساعتوں کے دوش پر بیٹھے جنوں کے جنگلات
غار کے اندر مسلسل موت سے لڑتی حیات
صبحِ صادق کے اجالوں سے معانی کچھ نہ تھے
کوئی بھی واقف نہیں تھا شام کی تحریر سے
ذہن ودل سہمے ہوئے ناکردہ ہر تقصیر سے
ہر عمل جیسے بندھا ہو جہل کی زنجیر سے
جب ستارہ ٹوٹتا کوئی سرِ آغوشِ شب
ہر جہت، ہر منزل و مرکز پہ چھا جاتا سکوت
بھیڑ میں روتا کبھی ویرانوں میں گاتا سکوت
اور کبھی آسیب بن کر سر پہ منڈلاتا سکوت
ہر نئے احساس کو دعویٰ خدائی نور کا
نور کا چہرہ معاً آواز کے اشکوں میں غرق
جستجو کی جنگ میں الجھے ہوئے تھے غرب وشرق
آدمی کرتا نہ تھا خوف خدا میں کوئی فرق
تتلیوں کے پر چمکتے تھے، گلوں پر رنگ بھی
دیکھنے والے مگر بینائی سے محروم تھے

مذکورہ نظم کی ہیئت کا اک کمال یہ بھی ہے کہ اس کے مصاریع کو مثال بنا کر پیش کرنے میں بھی ایک جہد مسلسل سے گزرنا پڑ رہا ہے۔ چونکہ نظم کا تواتر کسی زبردست سیلاپ کی سی طاقت رکھتا ہے جسے اس کی مرضی کے بغیر ہر مقام پر نہیں روکا جا سکتا، اور اگر ناقد نظم کے ساتھ من مانی کرنے کی کوشش کرتا ہے تو نظم اپنے تواتر اور معانی میں بکھرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ اس مقام پر نظم کی بیانیہ ندرت کی داد دینا بھی بے حد ضروری ہے۔ چونکہ اس تخلیقی صفت سے بیشتر نظم نگار آگاہ ہی نہیں ہوتے۔

ذرا غور کیجئے قدرت کے سارے کرشمات آدمی کی آنکھوں کے سامنے تھے مگر وہ دیکھنے اور محسوس کرنے والی بینائی سے محروم تھا، کیونکہ اس کا ہر احساس جہالت کے تابع تھا، اب ذرا انسان

کے ذہن سے تو ہم پرستی کی گرد کو صاف کرتا ہوا ایک بہت ہی بے باک شعری منظر ملاحظہ فرمایئے جو دل و دماغ کے تمام طاقچوں کو روشن کردے گا۔

آسماں کی وسعتوں کو ذہنِ انساں کا سلام
فکر کی پرواز کو جن سے ملی عمرِ دوام
تیز تیز اٹھنے لگے آگے تجسس کے قدم
طائرِ تحقیق کی امت بڑی ہونے لگی
عزم کے سینے میں پھر کچھ روشنی ہونے لگی
بے خبر دنیا جہالت سے بری ہونے لگی
سبز دھرتی کی مہکتی فصلِ گل کے ساتھ ساتھ
عالمِ بالا نے بھی ''وا'' کردیئے رحمت کے باب
اور ابراہیم اترے دشت میں لے کر شہاب
ہاتھوں میں اجلے صحیفے، ہونٹوں پر وحدت کے گیت
آدمی کے واسطے انسان کی عظمت کے گیت
پتھروں کی بھیڑ میں گونجی صدا اک پیار کی
کفر سے انکار کی اور جرأت اظہار کی
اونگھتی سب رہ گزاروں نے بھی کی محسوس پھر
ہر نفس اک نرم نکہت نصرت و ایثار کی
ہر جبل پر جلوہ گر جادو جمالِ عشق کا
ہر سمندر کی جبیں پر موجزن طوفان ہوش
جیسے روشن رفعتوں پر جستجو کا آفتاب
اور ابراہیم اترے دشت میں لے کر شہاب
شرک کی اونچی حویلی، کافروں کی عیش گاہ
اور نادانوں پہ اپنا راج کرتے رو سیاہ
عقل کی آندھی کے آگے یوں ہوئے بے بس، کہ بس
سر جھکا کر رہ گئے سارے بتانِ کج کلاہ

گرم تپتی ریت کے سینے سے پھوٹا آبشار
سو بہ سو سب کوہ و صحرا میں اذاں ہونے لگی
ماند سا پڑنے لگا مہمل عقیدوں کا شباب
اور ابراہیم اترے دشت میں لے کر شہاب

نظم اپنی شعریت کا لوہا منواتی ہوئی جس طرح ابراہیم تک پہنچی ہے اسی شان سے آگے بڑھتے ہوئے بت پرستی کو توحید کا آئینہ دکھاتی ہے اور باطل عقائد کو عقل کی کسوٹی پر پرکھتی ہے۔ اور زمین پر خدا کے پہلے گھر کی گواہی دینے کے ساتھ ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا جشن مناتی ہے۔ اور اظہار کی صداؤں کو مزید نرم و شیریں بنانے کی غرض سے بحر کی تبدیلی پر زور دیتی ہے۔ تا کہ لہجے اور اسلوب کے بام و در طہارت کی روشنی میں جگمگانے لگیں۔ نظم کے مذکورہ منظر کو علمی اعتبار سے پُر اثر بنانے کے لیے چندر بھان خیال نے اپنے اندر کے شاعر کی تمام شعری قوتیں یکجا کر کے قرطاس پر اس انداز سے سجائی ہیں کہ شاعری سے نا آشنا لوگ بھی ''لولاک'' کی گرفت میں سمٹ آتے ہیں، چونکہ نظم کا دوسرا باب جوں جوں واقعاتی مناظر کی تخلیق سے گزرتا ہے نظم قارئین کے دل و دماغ پر مرتب ہونے لگتی ہے اور قارئین نظم کے حرف حرف کے ساتھ سفر کرنے لگتے ہیں۔

سمت سمت نورانی...... ....
جس طرف نظر جائے روشنی کی طغیانی
دشت میں کہستاں میں شہر میں بیاباں میں
پُرسکون سی ہلچل عالمین امکان میں
اور زمین کے اوپر
آسمان کے نیچے اک شبیہ لاثانی
جس طرف نظر جائے روشنی کی طغیانی
صاحبِ کتاب آیا لے کر پھر شباب آیا
آگیا یقیں سب کو اہل انقلاب آیا
اور سکوت نے گایا

نور کی ولادت کا ایک گیت لافانی
جس طرف نظر جائے روشنی کی طغیانی
شش جہات نے چوما، کائنات نے چوما
چاند جیسے چہرے کو سب صفات نے چوما
اور حرا کی آنکھوں نے
آمنہ کے آنچل میں دیکھا عکس ربّانی
جس طرف نظر جائے روشنی کی طغیانی

مذکورہ نظم کی تخلیقی تکنیک کی جس قدر تعریف کی جائے وہ کم ہی رہے گی چونکہ شاعر نے نظم کی ہیئت کو مزید پُر اثر بنانے کے لیے یہاں پہلا مصرعہ نصف بحر میں تخلیق کیا ہے اور اس کے بعد کے تین مصرعے مکمل بحر میں تخلیق کر کے چوتھے مصرعے کو پھر نصف بحر میں تخلیق کیا ہے جس سے نظم کا یہ حصہ موسیقی کی مستی میں جھومتا ہوا محسوس ہوتا ہے تو یہ سوچنا ہی پڑتا ہے کہ شاعر کے احساسات کس تخلیقی بلندی سے گزر رہے ہیں جو وہ اس طرح مصرعے تخلیق کر رہا ہے کہ جیسے اس کا ہر لفظ ہر خیال ایمان کے نور میں شرابور ہو چکا ہے۔ چاند جیسے چہرے کو سب صفات نے چوما، رسول اکرم ﷺ کے عاشقین کو اپنا ہمنوا بنانے کے لیے نظم کا مذکورہ مصرع ہی کافی ہے۔ لیکن ''لولاک'' تو ایسے مصاریع کا ایک طویل شعری سلسلہ ہے۔ غریبی سے جوجھتا ہوا حلیمہ کے خستہ مکان کا ایک منظر دیکھیے جس کے سامنے رسول اکرم ﷺ کی برکتوں کے عوض محلوں کے ست رنگ اجالے بھی پھیکے نظر آتے ہیں۔

ناتواں حلیمہ کے روز وارے نیارے تھے
مطمئن نگاہیں تھیں، پر فضا نظارے تھے
مفلسی کے جملوں سے زخم خوردہ سانسوں سے
اعتماد کے نغمے پہلی بار گائے تھے
لطف اور مسرت میں روز و شب نہائے تھے
بے اماں گھروندے پر رحمتوں کے سائے تھے
پاس کے اندھیرے میں بیکسی کے ڈیرے میں
سو ادا سے روشن تر اک دیا محمد ﷺ کا

رسول اکرم ﷺ کے معصوم بچپن سے ابھرتی ہوئی کراماتی روشنیوں کو شاعر جس طرح حلیمہؓ کے شوہر کی آنکھوں سے دیکھنے اور دکھانے کی کوشش کرتا ہے یہ اس کے فنکارانہ احساس کی ایک ایسی صورت ہے جس کی چمک کبھی ماند پڑنے والی نہیں ہے۔

تھا فضا میں اجلا پن اک نئی بشارت کا
وادیاں دھڑکتی تھیں قربتوں کی حدّت سے
اور ایک دن دیکھا شوہرِ حلیمہ نے
نونہال کا سینہ علم کا سمندر ہے
صبر و شکر کا مسکن، صلح کل کا محور ہے
عدل و عزم کا مظہر نیکیوں کا رہبر ہے
یہ کمال قدرت کا وہ عظیم لمحہ ہے
جس نے کھول دیں آنکھیں بے شمار لمحوں کی
راہ ہوگئی روشن تار تار لمحوں کی
باغ، باغ تھیں سانسیں بے قرار لمحوں کی
ایک ایک لمحے میں ایک اک صدی پنہاں
ممکنہ تمدّن کی ذی وقار مظہر تھی

مذکورہ نظم کے واقعات منظروں میں شاعر نے اپنے لہو کو جی بھر کر انڈیلا ہے تبھی تو ہر مصرع کا چہرہ درخشندہ نظر آتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ ایک بار بچپن میں ڈھول تماشے کی طرف چلے گئے تھے، لیکن قدرت کی کرم پرور ہواؤں نے آپ کو اپنی آغوش میں سمیٹ کر گہری نیندوں کے حوالے کر دیا، اس واقعے کو چندر بھان خیال کی نظم ''لولاک'' کے حوالے سے ملاحظہ فرمایئے۔

صرف رنگ مستی کا شاد کام چہروں پر
جھوم جھوم کر ناچے شر تمام چہروں پر
کفر کی طرب ناکی پسلیوں کو گرمائے
اک طلسمِ تازہ کا اہتمام چہروں پر

بے لباس لمحوں کے شعلہ بار عالم میں
عرش دیکھتا جائے فرش پر خموشی سے
آدمی کے ہاتھوں سے آدمی کی بربادی
برق بن کے ناچ اُٹھی بے لگام آزادی
اس طرف یہ عالم تھا اور آپ کے آتے
لعنتوں کی بارش میں تن گئے کئی چھاتے
نیند آگئی گہری سو گئے وہیں حضرت
اور کی قدم بوسی صبح کے اجالوں نے
پھر کبھی نہیں چھیڑا ان برے خیالوں نے
اور معجزہ دیکھا سب قریش والوں نے
سرزمین مکہ پر آفتِ اکال اتری
ابر کی علامت سے آسمان خالی تھا

نظم کے اس حصے میں قریش کی عیاشیوں اور جہالتوں کو آئینہ کرنے کے ساتھ آپ کا بچپن میں اس طرف جانا اور قریش کا اکال ایسی مصیبت سے دوچار ہونا ایسے واقعات ہیں جو انسان کے ذہن پر بہت ہی گہرے نقوش مرتسم کرتے ہیں، اور وہ سوچنے لگتا ہے کہ کائنات کو انسان کی گمراہیوں نے ہی برباد کیا ہے۔

دل تو نہیں چاہتا، لیکن طوالت کے خوف سے نظم کو یہیں چھوڑ کر تیسرے باب میں داخل ہو رہا ہوں، چونکہ میں نظم کے ہر باب سے گزرنے کا تہیہ کر چکا ہوں، اور چاہتا ہوں کہ قارئین بھی میرے ساتھ رہیں۔ نظم کے مذکورہ باب کو تخلیق کرنے کے لئے شاعر نے جس بحر کو برتا ہے وہ بہت ہی مترنم ہے اور زیادہ الفاظ کے ساتھ مکمل ہوتی ہے۔ جس کی شاعر کو ضرورت بھی ہے۔ چونکہ مذکورہ باب نبوت کی پُرنور ساعتوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ چند مصاریع دیکھیں اور چندر بھان خیال کی شعری پرواز کی داد دیں۔

موسم کے بدلتے تیور اور حالات پہ قابو کس کا ہے
انسان ہے کس کا دستِ نگر ہر ذات پہ قابو کس کا ہے

پوشیدہ سبھی کے سینوں میں وہ کوئی تو ہے وہ کوئی تو ہے
وہ کوئی تو ہے جو ہر لمحہ سانسوں کو تسلسل دیتا ہے
اسرار سمیٹے ہستی کو نزدیک ہی چھپ کر بیٹھا ہے
وہ جس نے بنایا دنیا کو جو قادرِ مطلق و یکتا ہے
اسرار سمیٹے ہستی کے نزدیک ہی چھپ کر بیٹھا
وہ جس نے بنایا دنیا کو جو قادر و مطلق و یکتا ہے
وہ کوئی تو ہے وہ کوئی تو ہے جو روح پہ قابض ہے ہر دم
فرمان سے جس کے پیڑوں کی شاخوں پہ نکلتی ہیں کلیاں
اور دور سمندر سے جاکر ملتی ہیں دوڑ کے سب ندیاں
یہ چاند ستارے اور سورج آغوشِ فلک میں رقص کناں
پھر سوچ کے تپتے صحرا میں رمضان کی وہ شب آہی گئی
شب قدر کہ جس کے دامن میں تھا غار کا ہر گوشہ روشن
سورج کی شعاعوں کی صورت تھا خاک کا ہر ذرہ روشن
عابد کی نگاہوں کے آگے معبود بصد جلوہ روشن
اور نورِ مشکّل ہوتے ہی اعصاب سبھی مبہوت ہوئے
مرعوب حواس و ہوش ہوئے آواز فرشتے کی آئی
لفظوں کی تجلّی سامنے تھی بجلی سی فضا میں لہرائی
دیکھو، یہ پڑھو، اک بھاری صدا کانوں میں محمد کے آئی
کی آپ نے ہمت اور پوچھا، میں کیسے پڑھوں اور کیا میں پڑھوں
یہ پوچھ کے پھر خاموشی سے اظہارِ کرامت پڑھنے لگے

رسول اکرم ﷺ کو نبوت کے اکرام سے نوازے جانے سے قبل جو شاعر نے حمد یہ مصاریع تخلیق کئے ہیں ان میں حمد کے رس کو اس طرح گھولا گیا ہے کہ وجدان کی لے پربتوں سے گزرتے ہوئے جھرنوں سے کہیں زیادہ بھلی معلوم ہوتی ہے۔

چندر بھان خیال نے ''لولاک'' کو تخلیق کرتے ہوئے جو شعری جدّتیں اور ندرتیں اپنائی

ہیں وہ اس عہد میں ڈھونڈے سے بھی ہاتھ نہیں آئیں گی، رسول اکرم کی سیرت کے اظہار میں مذکورہ نظم ایک ایسا فن پارہ ہے جو ایمان والوں کے دلوں کو رہتی دنیا تک گدگداتا رہے گا۔اور ہجرت کے باب میں تو ایسے واقعات درج ہیں جو محسنِ انسانیت رسول اکرم ﷺ کی انسانوں پر کرم فرمائیوں کو بے کنار کر دیتے ہیں، نظم کے مذکورہ باب میں شاعر نے رسول اکرم کے نور پیکر سراپا کو ایسے صادق شعری احساس کے ساتھ بیان کیا ہے کہ جس کی قربت میں انسان کا چہرہ آنسوؤں سے وضو کرنے لگتا ہے۔

پُرکشش، پُرامن، پُرآداب، دلکش، پُروقار
دوجہاں کی تابناکی عارض و رخسار پر
زندگی کی پُرمسرت آہٹیں جن میں نہاں
اُمّ معبد نے نبی کا یوں کیا حلیہ بیاں
چہرۂ پُرنور جس پر فکر کی شادابیاں
ہر تھکے ہارے ہوئے راہی کو تازہ تر کریں
اور پیشانی پہ محسوسات کی اونچائیاں
فرض اور انسان کی دنیا کا اونچا سر کریں
سرمگیں آنکھوں میں مستقبل کی روشن جھلکیاں
کالی پلکوں پہ تھرکتا اک تمدّن شاندار
ابروئے باریک میں پوشیدہ سب کون و مکاں
اُمّ معبد نے نبی کا یوں کیا حلیہ بیاں
چہرۂ پُرنور جس کو جھانکتی زلفیں سیاہ
ابرو جیسے عرش خوش پیغام سے لپٹے ہوئے
نرم اور شیریں لبوں پر گفتگو کی سادگی
جیسے الفاظِ دعا احرام سے لپٹے ہوئے
شفقت و اخلاق سے آراستہ حسنِ سلوک
پیشوائی کا طلسم ایسا کہ سمتیں تابناک
ہر عمل، ہر قول، سے نبوت کے نشاں
اُمّ معبد نے نبی کا یوں کیا حلیہ بیاں

نظم کے تحریر کردہ تمام مصاریع رسول اکرم کے بہترین نعت خواں کا مرتبہ رکھتے ہیں اور شاعر کے دل میں رسول اکرم ﷺ کی جو عظمت و مرتبہ ہے اس کا اندازہ لگانا ممکنات میں سے نہیں ہے۔اور جب نظم اس منزل سے آگے کے سفر پر رواں ہوتی ہے تو رسولِ اکرم کے انسانیت پر بے شمار احسانات کا گن گان کرتی ہے۔مثلاً ؂

زندگی پرہیز اور صبر و ادب کا نام ہے
آدمی انسان بن جائے یہی اسلام ہے

واقعی رسول اکرم نے آدمی کو انسان بنانے کے لئے جو مصائب برداشت کیے انہیں سن کر ہی انسان کی روح کانپ جاتی ہے۔اور نہ ہی پوری انسان برادری قیامت تک رسولِ اکرم کے احسانات چکا سکتی ہے۔صبر محض ایک لفظ نہیں رسول اکرم کی زندگی کا ایک وصف ہے۔جس میں دنیا کو فردوس نذیر بنانے کی مکمل تعلیم پنہاں ہے۔آپ نے خواتین و مساکین، یتیم و اسیر اور پڑوسی و احباب کے حقوق کی ادائیگی کا جو درس دیا ہے اگر دنیا آج بھی اس پر عمل پیرا ہو جائے تو ہر فساد کا ہر تضاد کا وجود چند دنوں میں ہی دنیا سے رخصت ہو جائے گا۔اس کے بعد جہاد کی گلی کوچوں میں داخل ہو جاتی ہے۔اور جبر و ظلم کی داستان مختصر ہونے لگتی ہے۔اور دیکھتے ہی دیکھتے امن و انصاف و انسانیت کا پرچم زمین پر اس ادا سے بلند ہوتا ہے کہ چہار جانب کلمۂ حق صداؤں کے رتھ پر محوِ سفر ہو جاتی ہے۔اور شاعر اس مقام پر اپنے جذبات کے بہاؤ کو کس طرح شعری لبادے عطا کرتا ہے یہ تو وہ خود ہی بتا سکتا ہے خاکسار تو صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہے کہ شاعری کے لیے یہ بہت ہی مشکل مقام ہے۔چونکہ نظم کا یہ حصہ علم و فن کے خوشنما نمونوں سے آباد ہے۔جنگ بدر کے حوالے سے چند مصاریع ملاحظہ فرمائیں۔ ؂

پرہول نظارہ مقتل کا بھگدڑ کے مناظر چاروں طرف
تاحدِ نظر سر کٹتے ہوئے سہمے ہوئے شاطر چاروں طرف
دھول اور دھوئیں کے سائے میں یہ جنگ کا عبرتناک سماں
منکر کی قطاروں پر غالب انصار و مہاجر چاروں طرف
برق اور شراروں کی بارش ظلمت پہ اجالوں کی یورش
کفر اور بدی کے پرچم سب لاشوں سے لپٹ کر نوحہ کناں

باطل کا بھیانک چہرا بھی مردوں کی طرح مرجھانے لگا
اور بدر کی ساکت وادی پر اک شورِ قیامت چھانے لگا
کہرام تمام گنواروں میں دہشت کے علمبرداروں میں
قدرت کی طرف سے حکمت نے اس جنگ کی وہ صورت بدلی
ہر ایک پہلواں اور جواں میداں میں یہاں غش کھانے لگے
اور بدر کی ساکت وادی پر اک شورِ قیامت چھانے لگا

جنگ بدر کے بعد شاعر جنگ اُحد کے خونریز راستے سے بھی دل چھونے والی شعری ترنگوں کے ساتھ گزرتا ہے اور یہ ثابت کر دیتا ہے کہ کوئی بھی منظر اس کی شعری قوتوں کی گرفت سے باہر نہیں ہے۔اس کے ثبوت میں چند مصاریع اور مطالعہ فرمائیں۔

وہ شور اٹھا سمتوں سمتوں سیلاب عداوت کی صورت
معدوم منافق ہونے لگے مفرور روایت کی صورت
طوفان و تلاظم صدیوں کا اک تیغ کی دھار پہ یوں سمٹا
بڑھ چڑھ کے محاذ آرائی کو ہر ایک سپاہی دوڑ پڑا
جاں اپنی ہتھیلی پہ رکھ کر حق و راست کا راہی دوڑ پڑا
اعجازِ رسالت کے حق میں دینے کو گواہی دوڑ پڑا
خوں خوار سفیرانِ شر پر مضبوط ارادوں کے حملے
ہاں، صوف کی صیف زنی نے بھی معبود کے جھنڈے گاڑ دیئے
وہ تیر چلے وہ تیغ چلی سب آہنی سینے پھاڑ دیئے
میدان اُحد سے دشمن کی قوت کے نشاں سب جھاڑ دیئے
مقہور مسلماں قہر بنے قاہر کی کمر مضروب ہوئی
لیکن بہ رضائے ربِّ زماں کفار کے چہرے شاد ہوئے

یہی وہ مقام ہے جہاں مسلمانوں کو اپنی غلطی کا خمیازہ اٹھانا پڑا تھا۔چونکہ جنگ میں معمولی سی چوک بھی بڑے نقصان کا پیغام لے کر آتی ہے۔اور یوں بھی ربّ دو عالم مسلمانوں کو خبر دار کر رہا تھا کہ کسی بھی صورت میں رسول اکرم کی بات پر قائم رہیں اسی میں برکت اور فلاح ہے۔اور آپ کی صلح جو طبیعت کو آئینہ کرنے کے لیے ''لولاک'' کے شاعر نے جو شعری کرشمہ کیا ہے اس

کے مطالعے کے بعد جی چاہتا ہے کہ چندر بھان خیال کا منھ موتیوں سے بھر دیا جائے۔

کفّار کی شرطوں پر ہی سہی اسلام کے ہاتھ بڑھنے لگے
ہوش اور حواس کے ایواں میں تدبیر کی شمعیں جلنے لگیں
محبوس اندھیرے گوشوں تک وحدت کی رسائی ہو ہی گئی
سرکارِ زماں کی حکمت سے پھر صلح و صفائی ہو ہی گئی

تحریر کردہ بند کے حرف حرف سے جو اخلاص و کردار کی خوشبوئیں پھوٹتی ہیں ان میں بھی آپ کی نرم فطرت کو نمایاں کیا گیا ہے۔ چونکہ زمین پر کتنا ہی گھور اندھیرا کیوں نہ جمع ہو جائے لیکن اجالے کی امید کبھی دم نہیں توڑتی ہے۔ اور نظم یہیں سے موڑ کاٹتی ہوئی اپنی منزل کی طرف تیزی سے بڑھنے لگتی ہے جسے شاعر رسول اکرم کی نصرت سے تعبیر کرتا ہے۔ نظم کے اس باب میں بھی انسانی زندگی کے لئے نفع بخش اسباق موجود ہیں۔ دیکھیں۔

امانت میں تمھاری ایک نصب العین ہے عورت
خدا اور آدمی کی سوچ کے مابین ہے عورت
اسے مجبور مت کرنا، اسے محبوب رکھنا تم
تمھاری خواب گاہوں اور گھر کا چین ہے عورت
ہمیشہ پیش آنا خوش دلی اور خوش کلامی سے
حقوق اللہ نے اس کے بھی تم پر کردیئے واجب
تم اس کی غیر پروائی پہ سختی سے نظر رکھنا
مری ہر بات کو تم لوگ دل سے باندھ کر رکھنا

نظم کا اختتامی باب تمام دنیا کے انسانوں کی بھلائی اور خدائے واحد کی توحید و عبادت سے معمور ہے۔ اگر دنیا پورے طور پر آپ کی تعلیمات کی راہوں میں سفر آمادہ ہو جائے تو زمین کے کسی کونے میں بھی شر کو پاؤں رکھنے کے لئے جگہ نصیب نہیں ہوگی۔ آج عورت کی جو حالت ہے وہ کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ مرد طبقہ اگر اپنی ذمہ داریوں پر غور کرے تو ضرور محسوس کرے گا جہاں عورت سے خوش دلی اور خوش کلامی سے پیش آنے کے لیے کہا گیا ہے۔ وہیں اس کی لاپروائیوں پر سختی سے نظر رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ جو گھروں کو اور خاندانوں کو جوڑے رکھنے کے لیے بے حد ضروری ہے۔

لیکن اب اس قبیل کی تعلیمات کو سماج و معاشرے میں فرسودہ خیالات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جس کا بدترین انجام ہمارے سامنے ہے۔ چندر بھان خیال کی نظم ''لولاک'' رسول اکرم ﷺ کے حوالے سے ایک ایسی نظم ہے جس کا تفصیلی تجزیہ مختلف فکر و خیال کی روشنیوں میں ہونا چاہئے۔ چونکہ ''لولاک'' کے حوالے سے جو بھی مضامین میری نظر سے گزرے ہیں ان میں سب سے عمدہ مضمون مخمور سعیدی کا ہے جو نظم کی معنوی دشاؤں سے گزرتے ہوئے فکر آمیز گفتگو کرتا ہے۔ بقیہ زیادہ تر مضامین نظم کی معنوی رفتار کے مقابل سست نظر آتے ہیں۔ چونکہ نظم پوری طرح نعت کی معنویت کے حصار میں نہیں رہتی ہے یہ حمد کے احساس کو بھی زندگی عطا کرتی ہے۔ اور رسول اکرم کی آمد سے قبل کے ماحول کو بھی بیان کرتی ہے۔ اور بعض ارباب فکر و نظر کو نظم کا مطالعہ کرتے ہوئے حفیظ جالندھری کا شاہ نامۂ اسلام یاد آنے لگتا ہے۔ جب کہ چندر بھان خیال کی نظم ''لولاک'' کو شاہ نامۂ اسلام سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ یہ دونوں فن پارے اپنے اپنے عہد کے بہترین شاہکار ہیں اس لیے مذکورہ نظم پر ابھی مزید غور و فکر کی ضرورت ہے۔

○○○

خورشید ملک (کلکتہ)

نعت گوئی اور ہندو شعراء

لفظ نعت (ن ع ت) عربی زبان کا مصدر ہے۔ اس کے معنی کسی شخص میں قابلِ تعریف صفات کا پایا جانا ہے۔ لیکن اب اس لفظ کو حضور سرورِ کائنات ﷺ کی تعریف وتوصیف کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ اردو شاعری کی شاید ہی کوئی ایسی صنف ہو جس میں نعت نہ کہی گئی ہو۔ اسی لئے اس کے اسالیب طے شدہ نہیں ہیں۔ یوں تو زمانۂ قدیم سے ہی نعت کہنے کی روایات ہمارے سامنے ہیں۔ حضور ﷺ کے زمانے میں ہی عربی زبان کے شعرأ نے نعت کہنا شروع کر دیا تھا. ان شعرأ میں سب سے نمایاں نام حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ہے جن کی نعت گوئی حضور خود سنتے اور داد سے بھی نوازتے تھے۔ مسجد نبوی میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے ایک جگہ بھی مخصوص کی گئی تھی جہاں حضور کے سامنے بیٹھ کر وہ نعت سناتے تھے۔ قرآن میں جا بجا اللہ خود اپنے محبوب کی تعریف کرتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے
وَرَفَعنَا لَكَ ذِكرَك (اور ہم نے تمہارے ذکر کو بلند کیا)

جس کی تخلیق پر اللہ خود نازاں ہو اور مدح سرائی فرمائی ہو اس کی تعریف ہم سے کہاں ہو سکتی ہے تاہم اردو زبان کا شاید ہی کوئی ایسا شاعر ہو جس نے حضور ﷺ کی شان میں نعت نہ کہی ہو۔ نعت گوئی آسان نہیں۔ یہ دو دھاری تلوار پر چلنے کے مترادف ہے۔ ایک اچھا نعت گو وہی ہو سکتا ہے جو حضور کی ذات سے لگاؤ اور عشقِ رسول ﷺ میں ڈوبا ہوا ہو۔ حضور کی ساری زندگی کا مطالعہ، دین کی باریکیاں اور قرآن کی سمجھ اور حدیث سے واقفیت ہو۔ جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں کہ نعت گوئی کا محرک قرآن ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب کی شان میں جن الفاظ کا استعمال کیا ہے اس کا ثانی تو ہو ہی نہیں سکتا۔ حضرت احمد رضا خان بریلوی جنکا نام لئے بغیر کوئی بھی نعتیہ مضمون مکمل نہیں ہو سکتا۔ حضرت فرماتے ہیں کہ:

''قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی۔''

مولانا رؤف امروہوی کہتے ہیں۔

لکھوں کیا وصف شاہ انس و جاں سے زباں اللہ کی لاؤں کہاں سے

اب میں اصل مضمون کی طرف آتا ہوں۔یعنی ''نعت گوئی اور ہندو شعرا'' یہ کہنا مشکل ہے کہ ہندوستان میں نعت گوئی کا سلسلہ کب سے شروع ہوا لیکن جو تحریریں سامنے آئی ہیں اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کبیؔر کے زمانے میں بھلے ہی دوہے کی شکل میں مگر نعت کہی جاتی تھی۔کبیؔر نے ایک جگہ اپنے دوہے میں لکھا ہے۔

عدد نکالو ہر چیز سے چوتن کرلو دائے دوملا کے پچگن کرلو بیس کا بھاگ لگائے

باقی بچے کے نوتن کر لو دو اس میں دو اور ملائے

کہت کبیؔر سنو بھائی سادھو نام محمد آئے

اس طرح گرو گرنتھ میں آتا ہے۔

میم محمد من تو من کتابہ چار

من خدائے رسول نوں سچا یہ دربار

ویسے تو غیر مسلم شعرأ کی نعت گوئی کا آغاز جنوبی ہند سے ہو چکا تھا۔ان شعرأ نے عقیدت و محبت کے اظہار کے لئے حضور اکرم ﷺ کی سیرت و نعت کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا۔لیکن حقیقی دور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد سے شروع ہوا۔

عصر جدید میں ہمیں متعدد ایسے غیر مسلم شعرأ ملتے ہیں جنہوں نے اس میدان میں نمایاں مقام حاصل کیا۔اس کے مختلف اسباب رہے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی پُرکشش ذاتِ مبارک اور آپ کا دنیا پر بلا تفریق قوم و ملت کے احسانات سے متاثر ہو کر ان شعرأ نے آپ کو نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔ دوسری بڑی وجہ رواداری کی وہ فضا ہے جو جنگِ آزادی کے بعد ہندو مسلم قوموں میں پہلے کی بہ نسبت کچھ زیادہ نمایاں ہو گئی تھی۔انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی کی خواہش نے بھی اس میں اہم کردار نبھایا۔مخلوط معاشرے میں اگر چہ ہندو مسلم تعلقات میں ایک کشیدگی ہمیشہ رہی اور دونوں قوموں کے تہذیب و تمدن میں واضح اختلاف رہا،اس کے باوجود اہل فکر و قلم کے حلقوں میں رواداری کی ایک انوکھی فضا ملتی ہے۔

غیر مسلم شعرأ کی نعتوں کو جمع کرنے کی سب سے پہلی کوشش مشہور شاعر مرحوم والؔی آسی نے کی تھی اور اس کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ یوں تو اردو میں غیر مسلم نعت گو شعرأ کی تعداد کئی سو

تک پہنچتی ہے۔ لیکن نوؔر میرٹھی نے جو کتاب ''بہ ہر زماں بہ ہر زماں'' مرتب کی وہ بہت اہمیت کی حامل ہے اس میں انہوں نے تین سو چھتیس (۳۳۶) ہندو شعراؑ کی نعتوں کو یک جا کیا ہے۔ چند مشہور ہندو نعت گو شعراؑ درج ذیل ہیں۔

☆عصر جدید میں پہلے غیر مسلم اہم نعت گو شاعر منشی شنکر لال ساقیؔ ۱۸۹۰ء ہیں۔ انہوں نے اردو و فارسی دونوں زبان میں اشعار کہے۔

جیتے جی روضۂ اقدس کو نہ آنکھوں نے دیکھا روح جنت میں بھی ہوگی تو ترستی ہوگی
نعت لکھتا ہوں مگر شرم مجھے آتی ہے کیا مری ان کے مدح خوانوں میں ہستی ہوگی

(محمد دین فوق، اذانِ بت کدہ ص ۳۵۔۳۳)

☆مہاراجہ سر کشن پرشاد شادؔ (م ۱۳۵۹ھ) پہلے معروف ہندو نعت نگار تھے جنہوں نے کثیر تعداد میں نعتِ رسول ﷺ کہی۔ آپ کے اشعار جذب وشوق اور حب رسول سے بھرے ہوئے ہیں۔ ایسا محسوس نہیں ہوتا کہ کسی غیر مسلم کا کلام ہے۔ آپ نے نبی کریم ﷺ کے ظاہری جمال کے بارے میں متعدد اشعار لکھے ہیں جن میں آپ کے زلف و عارض، خد و خال اور ابرو وقامت کے حسن کو تشبیہ اور استعارہ کی شکل میں پیش کیا ہے اور ان میں عربی الفاظ وتراکیب بھی ملتی ہیں۔ آپ کا مجموعہ دو سو صفحات پر مشتمل ہے۔

کافر ہوں کہ مومن ہوں خدا جانے میں کیا ہوں
پر بندہ ہوں اس کا جو ہے سلطان مدینہ
مدینہ کو چلوں دربار دیکھوں
رسول اللہ کی سرکار دیکھوں

(کشن پرشاد شادؔ، ہدیۂ شاد ص ۹۲)

☆دلو رام کوثری (۱۳۶۵ھ) بھی نعت گوئی میں بہت مشہور ہوئے۔ برِصغیر کے مشہور صوفی پیر جماعت علی شاہ نے آپ کی شاعری سے متاثر ہوکر آپ کو ''حسان الہند'' کا لقب دیا تھا۔ آپ نبی کریم ﷺ کی محبت وشفقت اور حلم و درگزر سے بہت متاثر تھے اس لئے آپ نے انہیں ہی اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ جیسے۔ ؎

کچھ عشق محمد میں نہیں شرط مسلماں ہے کوثری ہندو بھی طلب گار محمد

(محمد دین فوق، اذان بتکدہ ص ۲۴)

☆عرشؔ ملیسانی بھی صاحب دیوان نعت گو شعرأ میں سے ہیں۔ آپ کے مجموعہ کا نام ''آہنگ حجاز'' ہے۔ آپ کی خصوصیت یہ تھی کہ آپ نے اپنی شاعری کے ذریعہ مسلم ہندو کے مخلوط معاشرے میں مذہبی تعصب سے اوپر اٹھ کر باہمی محبت و یگانگت کو فروغ دیا۔ آپ کی شاعری میں نبی کی ذات سے عقیدت و محبت دلی تڑپ اور خلوص کی چاہت پائی جاتی ہے۔ جیسے۔

تیرے عمل کے درس سے گرم ہے خون ہر بشر حسن نمود زندگی، رنگ رخ حیاتِ نو

(عرشؔ ملیسانی، آہنگ حجاز ص ع)

دیگر ہندو نعت گو شعرأ کرام میں منشی بالا سہائے متصدی (پرچہ درشان محمد مصطفیٰ ۱۹۰۵ء، جلسہ مولود شریف مع غزلیات و نعت محمد مصطفیٰ ۱۹۰۷ء)، پنڈت شیو ناتھ چک کیف م ۱۹۱۴ء مناجاتِ کیف ۱۸۹۸ء، دیوانِ کیف ۱۹۰۷ء)، منشی لتا پرشاد شادؔ ۱۹۵۹ء۔ ۱۸۸۶ء (مخزن اسرار معرفت، نالۂ دل خراش ۱۹۴۹ء، پنجۂ پنجتن)، پربھو دیال رقمؔ (پ ۱۸۹۱ء (تحفۂ عید میلاد النبی ۱۹۵۸ء)، پنڈت دیا شنکر نسیمؔ لکھنوی ۱۸۱۱ء۔ ۱۸۴۴ء۔ (مثنوی گلزار نسیم)، شیو پرشاد وہبیؔ لکھنوی (مرقع از ژنگ ۱۸۸۰ء) منشی درگا سہائے سرور جہان آبادی ۱۸۷۳ء سے ۱۹۱۰ء (جام سرور، خم خانۂ سرور)، مہر لال سونی ضیاؔ (پ ۱۹۱۳ء) (طلوع ۱۹۳۳ء، نئی صبح ۱۹۵۱ء، گردِ راہ ۱۹۶۲ء چاند بہاری لال ماتھر صبا (پ ۱۸۸۵ء) جگن ناتھ آزادؔ (۱۹۱۸ء) کنور مہندر سنگھ بیدی (پ ۱۹۱۰ء) منشی روپ چند، پیارے لال رونقؔ، چندی پرشاد شیداؔ، مہاراج بہادر برقؔ، منشی چھمی نرائن سخاؔ، تربھون شنکر عارفؔ، پنڈت ہری چند اخترؔ، پنڈت لبھو رام جوشؔ ملیسانی، علامہ تربھون ناتھ زارؔ زتشی دہلوی، تلک چند محرومؔ، گوپی ناتھ امنؔ، پنڈت نوبت رائے نظرؔ، پنڈت امر ناتھ آشفتہ دہلوی، بھگوت رائے راحتؔ کاکوروی، مہاراجہ کشن پرشاد شادؔ، پنڈت برج نراین دتاتریا کیفیؔ، رگھوپتی سہائے فراقؔ گورکھ پوری، کرشن موہنؔ، چندر پرکاش جوہرؔ بجنوری، آنند موہن زتشی، گلزارؔ دہلوی، پنڈٹ دیا پرشاد گوری، اوما شنکر شاداںؔ، اشونی کمار اشرفؔ، ہری مہتا ہریؔ اور چندر بھان خیالؔ جیسے شعرأ کے نام قابل ذکر ہیں۔

ہندستان میں آج بھی کئی ہندو شعرأ ہیں جو باضابطہ نعت کہتے ہیں۔ ان میں ایک نام جو سب سے نمایاں ہے وہ تلک راج پارسؔ کا ہے۔ ان کا تعلق ہندوستان کے مدھ پردیش کے جبل پور سے ہے۔ کئی برسوں سے صرف نعت کہتے آرہے ہیں۔ ابتدائی زمانہ میں انہوں نے غزلیں بھی لکھیں لیکن اب اپنے آپ کو صرف نعت کے لئے ہی مخصوص کر رکھا ہے۔ روزانہ ایک نئی نعت

لکھنا کسی بھی شاعر کے لئے مشکل ہے لیکن تلک راج پارسؔ یہ کام بخوبی کرتے ہیں۔ ان کی نعت سے چند اشعار رقم کرتا ہوں۔ ؎

رسول پاک کا عاشق ہوں یہ تمثیل ہو جاؤں
خدا ایسا کرے باطن سے میں تبدیل ہو جاؤں
مری خواہش ہے جب میں خاک میں تبدیل ہو جاؤں
ہوا کے دوش پر طیبہ نگر ترسیل ہو جاؤں
مقدر میں لکھا ہوگا مدینہ جاؤنگا پارسؔ
وہاں جاکر وہاں کی خاک میں تحلیل ہو جاؤں

آخر میں میں یہ کہتا چلوں کہ ہندستان میں نعت پہ اتنا کام نہیں ہوا جتنا پاکستان میں ہوا ہے۔ کراچی میں باضابطہ ایک نعت ریسرچ سینٹر ہے جہاں ریسرچ کے علاوہ بہت سے دوسرے ایسے کام کئے جاتے ہیں جس سے نعت کہنے والے مستفیض ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی ایسے ایک سنٹر کی ضرورت ہے۔ ممکن ہے آنے والے دنوں میں کوئی نعت سے محبت رکھنے والا اس طرف توجہ دے۔

○○○

ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی (علی گڑھ)

کلام حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی منظوم اردو ترجمانی

یہ حسان بن ثابت الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دیوان مطبوعہ 1966ء۔ 1385ھ کے قافیۃ الدال کا ساتواں قصیدہ ہے۔ اس قصیدے میں حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سانحۂ وفات پر اپنے دلی رنج وغم کا اظہار کیا ہے، دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حالت بھی بیان کی ہے۔ آپ ﷺ سے اور آپ ﷺ کی ذات سے وابستہ کچھ یادوں کو تازہ کیا ہے اور کاغذ کے دامن میں محفوظ کر دیا ہے۔ لیکن کوئی ایسی خلاف عقل وشریعت بات نہیں کہی ہے، جیسی باتوں سے ہمارے اردو، فارسی کے تمام اصطلاحی مرثیے لبریز ہیں، اور ہمارے مرثیہ نگار کبھی یہ نہیں سوچتے کہ کسی قابلِ تعظیم شخصیت کی تعریف میں وہ کتنے مشرکانہ و مبتدعانہ خیالات کی تبلیغ کر رہے ہیں۔

بِطَيْبَةَ رَسْمٌ لِلرَّسُوْلِ وَ مَعْهَدُ
مُنِيْرٌ وَ قَدْ تَعْفُوْ الرُّسُوْمُ وَتَهْمَدُ

نشانیاں ہیں مدینے میں آج بھی روشن رسولِ ربِّ دوعالم، جہاں کے رہبر ﷺ کی
اگرچہ ہوتا ہے ایسا کہ سطح گیتی پر کہیں کسی کی نشانی سدا نہیں رہتی

وَلَا تَمْحِيْ الآيَاتُ مِنْ دَارِ حُرْمَةٍ
بِهَا مِنْبَرُ الْهَادِيْ الَّذِيْ كَانَ يَصْعَدُ

نہ مٹ سکیں گی یہ روشن نشانیاں ہرگز مکانِ محترم سرورِ دوعالم ﷺ کی
یہاں وہ منبرِ اطہر بھی ہے نگاہ نواز تھی جس کی ہادیِ عالم ﷺ سے رونق افزائی

وَ وَاضِحُ آیَاتٍ وَ بَاقِیُ مَعَالِم
وَ رَبْعٌ لَہٗ فِیْہِ مُصَلّٰی وَ مَسْجِدُ

کئی نشانیاں آقا ﷺ کی ہیں یہاں موجود کئی نشان ہیں اِس خطۂ مبارک پر
یہیں پر آپ ﷺ کا مسکن ہے رحمتوں کا امین ہے جس میں جائے نماز اور مسجدِ سرور ﷺ

بِهَا حُجُرَاتٌ كَانَ يَنْزِلُ وَ سطَحَا
مِنَ اللّٰہِ نُوْرٌ يُسْتَضَاءُ وَ يُوْقِدُ

یہیں ہیں آپ ﷺ کے حجرہ ہائے پاکیزہ کہ جن میں نور اترتا تھا رب کی جانب سے
وہ نور جس سے کیا جاتا تھا، حصولِ ضیا وہ نور، جس سے دل و جان جگمگاتے تھے

مَعَالِمُ لَمْ تُطْمَسْ عَلٰی الْعَهْدِ آیُهَا
اَتَاهَا الْبِلٰی مَاالآیُ مِنْهَا تَجَدَّدُ

یہ وہ نشان ہیں، جن کی نشانیاں ہیں سدا تغیراتِ زمانہ سے سر بسر[۲] محفوظ
قریب آتی ہے بوسیدگی اگر ان کے یہ پھر سے ہوتے ہیں، ہو ہو کے تازہ تر[۳] محفوظ

عَرَفْتُ بِهَا رَسْمَ الرَّسُوْلِ وَ عَهْدَہٗ
وَقَرًا بِہٖ وَارَاہُ فِی التُّرابِ مُلْحِدُ

نشانیوں سے میں آقا ﷺ کی خوب واقف ہوں زمانہ آپ ﷺ کا پھرتا ہے میری آنکھوں میں
وہ قبرِ پاک بھی پہچانتا ہوں میں کہ یہیں چھپا ہوا، تنِ اقدس ہے جس کے پردوں میں

ظَلِلْتُ بِهَا اَبْكِی الرَّسُوْلَ فَاَسْعَدَتْ
عُيُوْنٌ وَ مِثْلاهَا مِنَ الْجَفْنِ تُسْعَدُ

نبی ﷺ کی یاد میں جب میں ہوا ہوں گریہ کناں[۴] تو میرا ساتھ نبھایا ہے میری آنکھوں نے
بقدرِ حوصلہ تا کہ ادا ہو حقِ بکاء[۵] اعانت آنکھوں کی، کی خود بخود پپوٹوں نے

تَذَكُّرُ آلاءَ الرَّسُوْلِ و مَا أرىٰ
لَهَا مُحصِياً نَفْسِی فَنَفْسِی تَبَلَّدُ

رسولِ پاک نے مجھ پر کیے جو احسانات نوازشیں تھیں مرے حال پر جو آقا ﷺ کی
گنوں انہیں، تو ہیں حدِّ شمار سے باہر کہ ان کی یاد سے ہوتی ہے مجھ کو حیرانی

مُـفُـجَّـعَةٌ قَـدُ شَـفَّهَــا فَــقُــدُ اَحَـمَـدٍ
فَــظَــلَّــتُ لِــآلَآءِ الــرَّسُــولِ تُــعَــدِّدُ

میں غمزدہ ہوں وفاتِ رسولِ اکرم ﷺ سے غمِ نہاں[6] نے مجھے کردیا ہے سخت نڈھال
نوازشات کو آقا ﷺ کی کررہا ہوں شمار کہ کچھ تو راہ پر آ جائے قلبِ زار کا حال

وَ مَــا بَــلَــغَــتُ مِــنُ کُـلِّ اَمُـر عَشِيُـرهٗ
وَلٰـکِـنَّ نَـفُـسِـیُ بَـعُـضَ مَــافِيُــهِ تَـحُـمَدُ

ہوا نہ مجھ سے بیاں ایک کا بھی عشرِ عشیرے نبی ﷺ کے جس قدر احسان میری ذات پہ ہیں
میں دل کو تھام کے بس کررہا ہوں یہ کوشش کہ کچھ تو معرض[8] صوت و سخن میں آ جائیں

اَطَــالَـتُ وُقُـوُفــاً تَـذُرِفُ الُعَيُنُ جُهُدَهَـا
عَــلٰـی طَـلَـلِ الُـقَبُـر الَّـذِیُ فِيُــهِ اَحُـمَـدُ

کھڑا ہوں دیر سے اس قبرِ باوقار کے پاس کہ ہے جو آخری آرام گاہِ خیرِ بشر
نثار کرتی ہیں پیہم نبی ﷺ کے روضے پر مری الم زدہ[9] آنکھیں بھی آنسوؤں کے گہر

فَبُـوُرِکُـتَ يَــا قَبُـرَ الـرَّسُـوُلَ وَ بُوُرِکَتُ
بَــلادٌ ثَــوَی فِيُهَــا الـــرَّشِيُـدُ الُـمُسَـدَّدُ

عطا ہوئی ہے سعادت تجھے، اے قبرِ رسول ﷺ سعادتوں کا ہے مسکن یہ شہر طیبہ بھی
جہاں قیام کیا تھا رسولِ اکرم ﷺ نے جنہیں خدا نے بنایا تھا ہادی و مہدی[10]

وَ بُــوُرِكَ لَــحُــدُ مِــنُكَ ضُــمِّنَ طَيِّبــاً
عَــلَيُـــهِ بِــنَــاءٌ مِــنُ صَـفِيُـحٍ مُـنَـضَّـدُ

ہے تیری لحد[11] بھی مبروک جس میں رکھا گیا جہاں کی سب سے مقدس ترین ہستی کو
ہے لحدِ پاک کا سرپوش ایک پختہ بنا[12] چنی گئی ہے حسیں تختہ ہائے[13] سنگ سے جو

تَهِيُـلُ عَــلَيُـــهِ التُّـــرَابُ اَيُــدٍ وَ اَعُيُــنٌ
عَــلَيُـــهِ وَ قَــدُ غَـــارَتُ بِــذٰلِكَ اَسُـعَدُ

نبی ﷺ کی قبر پہ جب ڈالتے تھے مٹی ہاتھ رواں تھیں ساتھ ہی آنکھوں سے اشک کی جھڑیاں

تو ایسا لگتا تھا، آقا ﷺ کے ساتھ ہی جیسے جہاں کی برکتیں سب خاک میں ہوئیں پنہاں[14]

لَقَدْ غَیَّبُوا حِلْماً وَ عِلْمًا وَ رَحْمَةً
عَشِیَّةَ عَلَّوْهُ الثَّرىٰ، لَا یُوَسَّدُ

وہ شام، لحد کو سونپا گیا جب آقا ﷺ کو کہ جس کی مٹی تھی نم اور کوئی تکیہ نہ تھا
نہیں ہے شک کوئی اس میں کہ لوگوں سے اس شام خزانہ ہوگیا گم: حلم و علم رحمت کا

وَرَاحُوا بِحُزْنٍ لَیْسَ فِیهِمْ نَبِیُّهُمْ
وَقَدْ وَهَنَتْ مِنْهُمْ ظُهُوْرٌ وَاَعْضُدُ

ہٹے وہ قبرِ مبارک کے پاس سے غمگین کہ غم تھا ان کو، نبی ﷺ ان کے درمیاں نہ رہے
یہ ایسا صدمہ تھا، جس سے ہوا یہ حال ان کا ہو پشت[15] و بازو میں ان کے نہ کچھ سکت جیسے

یُبَکُّوْنَ مَنْ تَبْکِی السَّمٰوَاتُ یَوْمَهٗ
وَ مَنْ قَدْ بِکَتْهُ الْاَرْضُ نَالنَّاسُ أکْمَدُ

وہ، اُن کی یاد میں گریہ کناں رہے اس دن کہ جن کی یاد میں گریاں تھے آسمان و زمیں
یہ غم ہی ایسا تھا، سب بیقرار تھے جس سے تمام لوگ تھے اک، اک سے بڑھ کے زار[16] و حزیں

وَهَلْ عَدَلَتْ یَوْماً رَزِیَّةُ هَالِكٍ
رَزِیَّةَ یَوْمٍ کَانَ فِیْهِ مُحَمَّدُ

کسی بھی دن، کسی انسان کی وفات سے کیا پڑی ہے ایسی مصیبت جہان والوں پر؟
کہ جیسی سخت مصیبت میں وہ پڑے اس دن وفات پا گئے جس دن وہ فخرِ نوعِ بشر ﷺ

تَقَطَّعَ فِیْهِ مَنْزِلُ الْوَحْیِ عَنْهُمْ
وَقَدْ کَانَ ذَانُوْرٍ، یَغُوْرُ وَ یُنْجِدُ

یہ دن تھا وہ کہ ہوا منقطع سدا کیلئے نزول، وحیِ الٰہی کا، اہلِ گیتی(۱۷) پر
بلاشک آپ ﷺ کی ہستی وہ مہرِ انور(۱۸) تھی جو چپے چپے پہ دنیا کے ہو(۱۹) ضیا گستر

یَدُلُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ مَنْ یَقْتَدِیْ بِهٖ
وَ یُنْقِذُ مِنْ هَوْلِ الْخَزَایَا وَ یُرْشِدُ

خلوصِ دل سے جو کرتا تھا اتباعِ نبی ﷺ خدا کا راستا، سرکار ﷺ اسے بتاتے تھے
بچاتے تھے اسے رسوائیوں کی دہشت سے درست راہِ ہدایت اسے دکھاتے تھے

اِمَـــامٌ لَهُـمْ يَهْـدِيْهِـمُ الْـحَـقَّ جَـاهِـداً
مُـكَـلِّـمُ صِـدْقٍ اِنْ يَـطِيْـعُـوْهُ يَسْـعَـدُوْا

وہ پیشوائے بشر، دہر کے معلم تھے دکھاتے تھے رہِ حق، سچ کی کرتے تھے تلقین (۲۰)
وہ کامیاب ہوئے اور بامراد ہوئے تھے جن کی زیست کا معمول آپ ﷺ کے آئین (۲۱)

عَـفُـوٌّ عَـنِ الـزَّلَّاتِ يَـقْبَـلُ عُـذْرَهُـمْ
وَ اِنْ يُـحْسِـنُـوْا فَـاللّٰـهُ بِـالْخَيْرِ اَجْوَدُ

خطا سے کرتے تھے لوگوں کی درگزر آقا ﷺ جو عذر کرتے تھے، کرتے تھے ان کا عذر قبول
جو ان میں کرتے تھے خود التزامِ (۲۲) حسنِ عمل تو اجرِ خیر، خدا کا ہے مستقل معمول (۲۳)

وَ اِنْ نَـــابَ اَمْـرٌ لَـمْ يَـقُـوْمُـوْا بِـحَـمْـدِهِ
فَـمِـــنْ عِـنْـدِهِ تَيْسِيْـرُ مَـا يَتَشَـدَّدُ

جو پیش آتی تھی ان کو، کوئی بڑی مشکل کہ جس کے حل کی نہ ہوتی تھی ان میں تاب و تواں
خدائے قادر و قیوم کی اعانت سے رسولِ پاک کی کوشش سے ہوتی تھی آساں

فَبَيَّـنَّـــاهُـمُ فِـىْ نِـعْـمَةِ اللّٰـهِ بَيْنَهُمْ
دَلِيْـلٌ بِـــهِ نَهْـجُ الـطَّـرِيْـقَةِ يُـقْـصَـدُ

خدا کی نعمتِ عظمیٰ تھی آپ ﷺ کی ہستی کہ مستفید تھے جس سے تمام اہلِ جہاں
تھا ایسا شمعِ ہدایت، وجود آقا ﷺ کا کہ جس کے نور سے ملتا تھا منزلوں کا نشاں

عَـزِيْـزٌ عَـلَيْـهِ اَنْ يَـحِيْـدُ عَـنِ الْهُـدٰى
حَـرِيْـصٌ عَـلٰى اَنْ يَّسْـتَـقِيْـمُوْا وَ يَهْتَدُوْا

بہت گراں تھی رسول ﷺ خدا کے دل پہ یہ بات کہ لوگ راہِ ہدایت سے دور ہو جائیں
ہمیشہ رہتے تھے آقا ﷺ اسی کے خواہش مند وہ سیدھی راہ چلیں، منزلِ ہدیٰ پائیں

عَـطُـوْفٌ عَـلَيْهِمْ لَاَيُثْنّـي جَـنَـاحَـهٗ
اِلٰـى كَـنَفٍ يَـحْـنُـوْا عَـلَيْهِـمْ وَ يَمْهِـدُ

تمام لوگوں کے تھے آپ ﷺ مشفق و محسن تھے ہر کسی کے مددگار سرورِ معصوم ﷺ
توجہاتِ نبی ﷺ کے سبھی تھے منّت کش (۲۴) نہ تھا کوئی بھی عنایت سے آپ کی محروم

فَبَيْـنَـــاهُـمْ فِـىْ ذٰلِكَ الـنُّـوْرِ اِذْ غَـدَا
اِلٰـى نُـوْرِهِـمْ سَهْمٌ مِنَ الْـمَـوْتِ مُـقْصِدُ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے روشن تھی محفل شب و روز　تھے جس کے فیض سے مسرور سب صغیر و کبیر
کہ ناگہاں، بڑھا اس روشنی کی جانب کو　(۲۵) اجل کے ترکشِ غم زا (۲۶) کا ایک مہلک تیر

فَـأَصْبَحَ مَـحْـمُـوْداً اِلٰـی اللّٰـهِ رَاجِعاً
یُبَـكِّیْــهِ جَفْنُ الْـمُـرْسَلَاتِ وَ یَـحْـمَـدُ

تو لوٹ کر گئے اس حال میں خدا کی طرف　کہ ہر طرح سے سزاوارِ (۲۷) مدح تھے آقا صلی اللہ علیہ وسلم
فرشتوں پر یہ اثر تھا نبیؐ کی رحلت کا　زباں پر آپؐ کی تعریف، آنکھ اشک سے تر

وَ اَمْسَتْ بِلَادُ الْـحَـرْمِ وَحْشاً بِقَـاعُـهَـا
لِـغَیْبَةِ مَـا كَـانَـتْ مِـنَ الْـوَحْـيِ تَـعْـهَـدُ

برس رہی ہے بلادِ حرم (۲۸) پہ وحشت (۲۹) سی　درود یار پہ سایے ہیں رنج و حسرت کے
کہ آنا وحی الٰہی کا ہوگیا موقوف (۳۰)　نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فرشتے جو لے کر آتے تھے

قِـفَـاراً سِـوَی مَـعْـمُـوْرَةِ اللَّـحْـدِ ضَـافَهَـا
فَـقِـیْـدٌ یُبَـكِّیْـهِ بَلَاطٌ وَ غَـرْقَـدُ

سوائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آرام گاہِ آخر کے　یہاں کے سارے مقام و دیار ویراں ہیں
بلاط (۳۱) وہو کہ فضا ہو بقیع (۳۲) غرقد کی　یہ سب وفاتِ شہہِ انبیا صلی اللہ علیہ وسلم پہ گریاں ہیں

وَ مَسْـجِـدُ فَـالْـمُـوْحِشَـاتُ لَـفَـقْـدِهِ
خَلَاءٌ لَـهٗ فِیْـهِ مَـقَـامٌ وَ مَـقْـعَـدُ

رہینِ (۳۳) گریہ بلاط و بقیع کی مانند　بچشمِ حال ہے ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد بھی
وہ سب مقام ہیں ویران اور وحشت ناک　جہاں تھی جائے (۳۴) قیام و قعود آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی

وَ بِـالْـجَـمْـرَةِ الْـكُبْرٰی لَـهٗ ثَمَّ اَوْحَشَتْ
دِیَـارُ وَ عَـرْصَـاتٌ وَ رَبْـعٌ وَ مَـوْلِـدُ

نواح (۳۵) جمرۂ کبریٰ کا بھی ہے حال یہی　رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشِ نظر نہ ہونے سے
تمام بام (۳۶) و در و دار و مسکن و منزل　حدِ نگاہ تلک ہیں اداس، ویرانے

فَبَـكِّـی رَسُـوْلَ الـلّٰـهِ یَـا عَیْـنُ عَبْـرَةً
وَلَا أعْـرِفَـنْكِ الـدَّهْـرِ دَمْـعَكِ یَـجْـمَـدُ

سو، اب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جہاں سے رحلت پر　ہو اشک بار مری چشمِ غم زدہ تو بھی

یہ ایسا غم ہے جسے بھولنا نہیں آساں نہ ہوں گے غالباً اب تیرے اشک خشک کبھی

وَ مَــالَكِ لَا تَبْــكِيْــنَ ذَا الــنَّـعْـمَةِ الـلَّتِىْ
عَــلَــى الــنَّـــاسِ مَـنْهَـا سَـابِـغٌ يَـتَـغَـمَّـدُ

یہ کیا ہوا تجھے، تو کیوں نہیں ہے گریہ کناں نبی ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات کے غم میں
کہ تھی جو باعثِ اتمامِ نعمتِ باری کہ جس کے فیض کے مرہون سارے انسان ہیں

فَــجُــوْدِىْ عَـلَيْــهِ بِـالـدُّمُـوْعِ وَاَعْـوِلِـىْ
لِــفَــقْـدِ الَّـذِىْ لَا مِثْـلُــهٗ الـدَّهْـرَ يُـوْجَـدُ

تو خوب اشک بہا، میرے دیدۂ بیتاب وفاتِ سرورِ عالم ﷺ پہ چیخ چیخ کے رو
کہ جن کا مثل نہیں تھا کبھی زمانے میں ملے گا مثل نہ جن کا کبھی زمانے کو

وَ مَــا فَــقَـدَ الْـمَــاضُـوْنَ مِثْـلَ مُـحَـمَّـدٍ
وَلَا مِثْـلُـــهٗ حَتّٰــى الْــقِيَـــامَةِ يُـفْـقَـدُ

نہ کھویا لوگوں نے گزرے ہوئے زمانوں میں رسولِ پاک ﷺ سا کوئی عظیم فردِ بشر
نہ اب کبھی کوئی ایسی عظیم تر ہستی اٹھے گی منظرۂ(۳۷) زندگی سے تا محشر

اَعَفَّ وَاَوْفـــىٰ ذِمَّةٍ بَـــعْـــدَ ذِمَّةٍ
وَ اَقْــرَبَ مِــنْـــهُ نَــائِلًا لَا يُــنَـكَّـدُ

تھے سب سے بڑھ کے زمانے میں پاک دامن آپ وفائے عہد میں بھی افضل الخلائق تھے
تمام عمر وہ دنیا سے بے نیاز رہا جو فیض یاب ہوا آپ ﷺ کی عنایت سے

وَأبْـذَلَ مِــنْــهُ لِـلـطَّـرِيْفِ وَ تَـــالِـدٍ
اِذَا ضَــنَّ مِـعْـطَـــاءٌ بِـمَـا كَــانَ يُـتْـلِـدُ

ملے تھے جن کو وراثت میں مال اور ثروت(۳۸) وتیرہ جن کا سخاوت رہا تھا برسوں سے
جب ان کے ہاتھ بھی رکنے لگے، تو فرمائی سخاوت ان سے زیادہ رسولِ اکرم ﷺ نے

وَ اَكْــرَمَ حَيًّـــا فِـىْ الْبُيُـوْتِ اِذَا نُـتَمىٰ
وَ اَكْـــرَمَ جَــدًّا اَبْــطَـحِيًّـــا يُسَــوَّدُ

تھی جس گھرانے سے نسبت رسولِ اکرم ﷺ کو عرب کے سارے قبیلوں میں تھا معزز تر
اور اس زمانے میں بطحا(۴۰) کے جتنے تھے سردار نبی ﷺ کے دادا کا ان میں نہ تھا کوئی ہم سر

وَ اَمْــنَــعَ ذِرْوَاتٍ وَ اَثْبَــتَ فِــی الْــعُــلٰـی
دَعَــــائِــمَ عِــزٍّ شَـــاهِــقَـــاتٍ تُشَیَّــدُ

بلندیوں کی بلندی پر آپ ﷺ تھے فائز بلند آپ ﷺ کا رتبہ تھا کل خلائق سے
بلند عزت و تکریم کے ستونوں پر رسولِ پاک ﷺ بلاشک عروج یافتہ تھے

وَاَثْبَــتَ فَــرْعــاً فِی الْــفُــرُوْعِ وَ مَــنْبَتــاً
وَعــوداً غــدَاةِ الْــمُــزْنِ فَالْعُوْدُ اَغْیَدُ

مثال ایسی ہے آقا ﷺ کی ذاتِ اقدس کی حصارِ (۴۱) گلشن عالم، جہانِ امکاں میں
کہ اصل (۴۲) وفرع میں اپنی ہوسب سے افزوں تر جوشاخِ محکم (۴۳) وشاداب، فصلِ باراں میں

رَبَــــاهُ وَلِیْــداً فَــــاسْتَتَــمَّ تَــمَــــامَـــهٗ
عَــلـــیٰ اَکْـــرَمِ الْـــخِـــرَاتِ رَبٌّ مُــمَــجَّــدُ

براہ راست، خدا سے بزرگ و برتر سے رسولِ پاک ﷺ نے بچپن سے تربیت پائی
تمام خوبیاں محبوب ﷺ کو عطا کرکے خدا نے آپ ﷺ کی تکمیل ذات فرمائی

تَــنَــاهَــتْ وَ صَــلَــاةُ الْمُسْــلِمِیْنَ بَــکَفِّـهٖ
فَلَاَ الْــعِــلْــمُ مَــحْــبُــوْسٌ وَلَاَ الــرَّأیُ یُــنْفَدُ

ہوئی نبی ﷺ کے ذریعے سے اس طرح تکمیل ہر اہل دیں کے لئے حکمت و نصیحت کی
کہ علم ہوگیا آزاد حدّ و سرحد سے خطا سے ہوگئی محفوظ، عقل امت کی

أقُــوْلُ وَلَاَ یُــلْــفــیٰ لِقُــوْلِــی عَــائِــبٌ
مَــنَ الــنَّــاسِ اِلَّا عَــازِبُ الْــعَــقْلِ مُبْــعِــدُ

جو کہہ رہا ہوں میں، حق ہے، نہیں ہے شک اس میں کرے گا اس پہ نہ انسان اعتراض کوئی
سوائے اس کے کہ جس دماغ میں ہو خلل سوائے اس کے کہ ماری گئی ہومت جس کی

وَلَیْــسَ هَــوَائِــیْ نَــازِعــاً عَــنْ ثَــنَــائِــهٖ
لَــعَلِّــی بِــهٖ فِــی الْــجَــنَّةِ الْــخُــلْــدِ اَخْلَدُ

مجھے پسند نہیں ہے کسی طرح بھی یہ بات کہ بند کردوں میں مدح وثناء وصفِ حبیب ﷺ
کہ اس کے فیض سے امید ہے، بفضلِ خدا مجھے بھی خلد میں ہو دائمی قیام نصیب

مَـعُ الْـمُـصْـطَـفٰـی اَرْجُـوْ بِـذَاكَ جِـوَارَهٗ
وَفِـیْ نَیْـلِ ذَاكَ الْیَـوْمِ اَسْـعٰـی وَ اَجْهَـدُ

ثنا و مدحتِ خیرالوریٰ کی برکت سے جوار(۴۴) سرورِ عالم ﷺ ملے گا جنت میں
بر(۴۵) آئے گی مری امید ایک دن آخر تمام سعی(۴۶) و عمل میرے اس امید پہ ہیں

حواشی :

1- سطحِ گیتی: روئے زمین۔
2- سربسر: پورا، پوری طرح
3- تازہ تر: زیادہ تازہ، زیادہ نیا
4- گریہ کناں ہوا: رویا
5- حقِ بکاء: رونے کا حق
6- غمِ نہاں: پوشیدہ غم، دلی غم
7- عشرِ عشیر: دسواں حصہ (ایک فیصد)
8- معرضِ صوت وسخن میں آجائیں: بیان ہوجائیں، ذکر ہوجائیں
9- الم زدہ: رنجیدہ، تکلیف میں مبتلا
10- ہادی: ہدایت دینے والا، مہدی: ہدایت یافتہ
11- لحد: قبر، بغلی قبر، مبروک: بابرکت
12- بناء: بنیاد، عمارت، بناوٹ
13- تختہ ہائے سنگ: پتھر کی پٹیاں، پتھر کی سلیں
14- پنہاں: پوشیدہ، چھپا ہوا۔
15- پشت و بازو: کمر اور بانہیں
16- زار وحزیں: رنجیدہ، غمگین، بہت رنجیدہ
17- اہلِ گیتی: دنیا والے، زمین پر بسنے والے
18- مہر: سورج۔
19- ضیا گستر: روشنی پھیلانے والا
20- تلقین کرنا: تعلیم دینا، سکھانا، ذہن نشین کرنا، نصیحت کرنا
21- آئین: قاعدہ، دستور
22- التزام حسنِ عمل: نیک کاموں کو ضروری سمجھ کر انجام دینا
23- معمول: طریقہ، قاعدہ، اصول
24- منت کش: ممنون، احسان مند
25- اجل: وقت مقرر، وقت موعود، موت
26- غمزدا: دکھ دینے والا، غمگین کرنے والا
27- سزاوار: مستحق، شائستہ، لائق
28- بلادِ حرم: قابلِ احترام شہر، مکہ اور اس کے آس پاس کے شہر اور مقامات
29- وحشت: گھبراہٹ، اداسی، ویرانی، ہیبت
30- موقوف ہوگیا: رک گیا، ٹھہر گیا، بند ہوگیا
31- بلاط: مسجد اور بازار کے بیچ مدینے کا ایک مشہور موضع (البرقوقی: 94)
32- غرقد یا بقیع غرقد: اہلِ مدینہ کے قبرستان کا نام، اسی کو جنۃ البقیع بھی کہتے ہیں (البرقوقی: 94)
33- رہینِ گریہ: رونے میں مشغول
34- جائے قعود و قیام: کھڑے ہونے اور بیٹھنے کی جگہ
35- نواح: ارد گرد، آس پاس؟ جمرہ: منیٰ میں حج کے دوران کنکریاں مارنے کے تین مقامات کو جمرہ کہتے ہیں، جمرہ کبریٰ: بڑا جمرہ
36- بام: چھت، در: دروازہ، دار: گھر، مسکن و منزل: ٹھہرنے کی جگہ، اترنے کی جگہیں: پورا ماحول اور علاقہ اداس اور سوگوار ہے۔
37- منظرۂ زندگی: زندگی کا اسٹیج
38- ثروت: دولت
39- وتیرہ: شیوہ: معمول، طریقہ
40- بطحیٰ: مکۂ معظّمہ
41- حصارِ گلشنِ عالم: دنیا کے چمن کا احاطہ
42- اصل و فروع: جڑ اور شاخ، آغاز و ارتقاء تمام احوال
43- محکمہ: مضبوط، شاداب: ترو تازہ
44- جوار: ہم سائیگی، پڑوس، نزدیکی، قربت
45- بر آئے گی: پوری ہوگی
46- سعی: کوشش، جدوجہد

ڈاکٹر عزیز احسن (کراچی)

بہشتِ تضامین پر ایک طائرانہ نظر

تضمین کے لغوی معنی ہیں شامل کرنا، ملانا، جگہ دینا۔ اصطلاحِ شعراء میں کسی مشہور مضمون یا شعر کو اپنے شعر میں داخل کرنا، چسپاں کرنا، شعر پر مصرع لگانا۔ شاعر جب کسی دوسرے شاعر کے کلام، شعر یا کسی مصرعے سے متاثر ہوتا ہے تو اس پر کچھ اضافہ کر کے اپنا لیتا ہے۔ شعری تخلیق کا یہ عمل تضمین کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ مثلاً:

غالبؔ اپنا یہ عقیدہ ہے بقولِ ناسخؔ:

آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میرؔ نہیں

اس شعر میں غالبؔ نے میر تقی میرؔ کے کلام کی تحسین کے لیے ناسخؔ کے ایک مصرعے پر گرہ لگائی ہے۔

تضامین میں عموماً تضمین نگار شعراء کسی شاعر کے کلام سے اپنی تاثر پذیری کا اظہار کرتے ہوئے کسی مصرعے، شعر یا پورے کلام کے گرد ایک تشریحاتی و توضیحاتی حصار قائم کر دیتے ہیں۔ یوں تضمین کے عمل سے کسی شاعر کو جو انبساط ہوتا ہے اس کا اظہار بھی ہو جاتا ہے اور تضمین نگار کی تخلیق میں اضافہ بھی ہو جاتا ہے۔ تضمین کرتے ہوئے کسی شاعر کا شعری اسلوب اور فکری زاویہ بھی تضمین نگار کی تخلیقی بصیرت اور فنی مہارت سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔

مصرعے پر مصرع لگانے کا عمل طرحی مشاعروں کی روایت سے جڑا ہوا ہے۔ اس طرح کے مشاعرے مصرع ہائے طرح پر طبع آزمائی سے مشروط ہوتے تھے، اب بھی ہوتے ہیں۔ لیکن اب طرحی مشاعروں کا چلن بہت کم ہو گیا ہے۔ طرحی مشاعروں میں طرح پر مصرع لگانے کے لیے شعراء بڑی محنت کرتے ہیں کیونکہ گرہ لگانے کا یہ عمل مسابقت کے جذبے سے بھی مربوط ہوتا ہے۔

حکیم نجم الغنی رام پوری نے ''بحر الفصاحت'' میں تضمین کی ایجاد کا سہرا کمالؔ جخند کے سر باندھا ہے۔ ''تذکرۂ شمعِ انجمن'' کے مولف صدیق حسن خان نے ''سروِ آزاد'' کے حوالے سے

تضمین کے ضمن میں پہل کرنے والے شاعر کا نام مرزا محمد علی طرشی متخلص بہ سلیم بتایا تھا۔ تاہم صاحب بحر الفصاحت نے ہلالی (م ۹۳۶ ہجری) اور کمال خجند کو (جو ہلالی سے بھی قبل گزرا ہے) رائیدین میں شمار کیا ہے اور تینوں شعراء کے تضمینی نمونے پیش کیے ہیں:

سلیم امشب بہ یادِ تربتِ حافظ قدح نوشم
"الا یا ایها الساقی ادر کا ساو ناولها" (سلیم)

ہلالی چوں حریفِ بزمِ رنداں شد، بخواں مطرب
"الا یا ایها الساقی ادر کا ساو ناولها" (ہلالی)

بردی دلِ عشاق، کمال از سخنِ خوب
''خوباں، عمل فتنہ ز دیوانِ تو یابند'' (کمال خجند)

ان تینوں اشعار میں پہلے دو شعراء نے حافظ شیرازی کے مصرعے پر گرہ لگائی ہے اور کمال خجند نے خسرو دہلوی کے مصرعے پر طبع آزمائی کی ہے۔

شعراء میں تضمین کا جذبہ عمومی طور پر تخلیقی لمحات میں ایسے مرحلے پر جاگ جاتا ہے جب ان کا کوئی مضمون توضیح و تشریحِ معانی کے حوالے سے انھیں کسی دوسرے شاعر کا کلام یاد دلا دیتا ہے۔ مثلاً:

بملکِ جم ندہم مصرعۂ نظیری را
''کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ ما نیست'' (اقبال)

غالب کی غزلوں کی تضمین ''روحِ کلام غالب'' میں مرزا عزیز بیک مرزا سہارنپوری نے غالب کے کلام کی شرح کرنے کی غرض ہی سے کی تھی۔ اہل علم کی رائے ہے کہ مرزا عزیز بیگ مرزا سہارنپوری غالب کے کلام کی منظوم شرح کرنے میں حد درجہ کامیاب ٹھہرے تھے۔

مشتے نمونہ از خروارے کے مصداق درج ذیل بند ملاحظہ ہو:

ہیں موحد بخدا شرک ہے دل سے مفقود
ہم معبد ہیں نہ کعبے کے نہ کعبہ معبود
رو بہ قبلہ ہیں تو صرف ایک جہت ہے مقصود
''ہے پرے سرحدِ ادراک سے اپنا مسجود
قبلے کو اہلِ نظر قبلہ نما کہتے ہیں''

غالبؔ کی خوش بختی د دیکھیے کہ اس کی غزلوں پر متعدد شعراء نے نعتیں کہہ کر انھیں کتابی شکل میں پیش کر دیا ہے۔ ایسی نعتیہ کتب میں غالبؔ کے مصرعوں کی تضامین بھی ملتی ہے۔ بعض شعراء نے تو غالبؔ کے مصرعے اس طرح استعمال کیے ہیں کہ غزل کے مصرعوں کا مزاج ہی نعتیہ بن گیا ہے۔

آقا نے مجھ کو دامنِ رحمت میں لے لیا
''میں ورنہ ہر لباس میں ننگِ وجود تھا'' (ایازؔ صدیقی)

سبز گنبد کی زیارت کو ترستا ہوں ایازؔ
''واں تلک کوئی کسی حیلے سے پہنچا دے مجھے'' (ایازؔ صدیقی)

مدحت خیر البشر ﷺ میں راغبؔ مراد آبادی نے غالبؔ کے ایک مصرعے کو اس خوبی سے برتا ہے کہ پروفیسر ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی مرحوم نے اس کی تحسین ان الفاظ میں کی:

''غالبؔ کا یہ شعر بہت خوبصورت ہے لیکن راغبؔ صاحب کی تضمین پڑھ کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے غالبؔ کا دوسرا مصرعہ سو سال سے زیادہ عرصہ سے اس مصرعے کا منتظر تھا۔ غالبؔ نے وحدت الوجود کی بات کی تھی۔ ذاتِ رب میں فنا ہو کر مقامِ بقا پر پہنچنا ہی مقصودِ حیات ہو سکتا ہے، لیکن جہاں تک ہماری پہچان اور تشخص کا سوال ہے، اس کا رشتہ حضور ﷺ سے ہے۔''

اب وہ شعر ملاحظہ فرمائیے جس کی تحسین اتنے خوبصورت پیرائے میں کشفی مرحوم نے کی تھی:

جو سب سے محترم بعدِ خدا ہے
''ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا'' (راغبؔ مراد آبادی)

تضامین کی روایت اُردو شاعری میں بڑی محکم ہے۔ نورُ اللغات کے مؤلف نور الحسن نیر نے تضمین کے معانی بتاتے ہوئے یہ بھی اطلاع بہم پہنچائی ہے کہ حضرت محسنؔ کاکوروی کے لامیہ قصیدے پر بہت سی تضمینیں ہو چکی ہیں۔

ڈاکٹر ہلالؔ جعفری نے ''کشکولِ ہلال'' میں ایک سو ایک شعراء کی مکمل نعتوں پر تضمینیں لکھی اور میرے خیال میں نعتیہ شعری سرمائے میں تضامین کی پہلی مکمل کتاب شائع کروائی۔ اس کتاب کا سن اشاعت ۲۰۰۰ء ہے۔ اب یہ سعادت جناب حافظ عبدالغفار حافظؔ کو حاصل ہو رہی ہے جن کی تضامین پر مبنی کتاب ''بہشتِ تضامین'' ان شاء اللہ جلد زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر منصۂ شہود پر

آ جائے گی۔ فی الحال اس کتاب کا مسودہ میرے پیشِ نظر ہے۔

''بہشتِ تضامین'' میں کل چوالیس شعراء کا کلام حافظ عبدالغفار کی تضمین کا حصہ بنا ہے۔ تاہم اس کتاب میں اعلیٰ حضرت امامِ اہل سنت احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور سلام ''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' کی مکمل تضمین کی شمولیت کے باعث کتاب کی ضخامت دوسو صفحات سے متجاوز ہوگئی ہے۔ اعلیٰ حضرت کے اس شاہکار ''سلام'' کی تضمین بذاتِ خود ایک کارنامہ ہے۔

تضمین نگار کا کام رفو گر کا سا ہوتا ہے۔ پیوند کار کا سا نہیں ہوتا۔ پیوند کار ہزار محنت کر لے لیکن کسی پیوند کو اصل کپڑے کا اس طرح جز و نہیں بنا سکتا کہ ''من تو شدم تو من شدی'' والا معاملہ ہو جائے۔ اس کے برعکس رفو گر اپنے دھاگوں کو کسی کپڑے کے تانے بانے میں اس طرح پیوست کر دیتا ہے کہ رفو گری کے عمل کی شناخت مشکل ہو جاتی ہے۔ تضمین کا عمل دو شعراء کی کاوشِ فکر اور اظہارِ فن کا نمونہ ہوتا ہے۔ ایک اصل شاعر کا کلام، دوسرا تضمین نگار کا عملِ تضمین۔ اس لیے تضمین نگار کی کوشش ہوتی ہے (یا ہونی چاہیے) کہ تضمین کے مصرعے اس طرح موزوں کرے کہ اصل شعر کے مافیہ (Content) اور زبان و بیان کی سطح سے وہ مصرعے ہم آہنگ ہو جائیں۔ کسی قسم کی دورنگی کا شائبہ باقی نہ رہے۔

الحمدللہ! حافظ عبدالغفار حافظ کے تضمینی عمل میں ایسے بہت سے مقامات آتے ہیں جہاں قاری کا وجدان درود پڑھنے لگتا ہے اور دل حافظ صاحب کی فنی مہارت، اسلوب اور فکر کی گہرائی کی گواہی دینے لگتا ہے۔ مثال کے طور پر درج ذیل چند بند:

درود اُس پر کہ نفرت کے عوض جس نے محبت دی
دلوں کو درد بخشا اور زبانوں کو حلاوت دی
درود اُس پر کہ جس نے دشمنوں کو خوئے اُلفت دی
''درود اس پر کہ جس نے وحشیوں کو آدمیت دی
سلام اُس پر کہ جو انساں کی عظمت بن کے آیا تھا''

(تضمین بر کلام رعناؔ اکبر آبادی)

جن کی عظمت کا عرفان کارِ دقیق
خُلق جن پر ہو قربان ایسی خلیق

مذہبِ حق میں حجت ہے جن کا طریق
''اہلِ اسلام کی مادرانِ شفیق
''بانوانِ طہارت پہ لاکھو سلام''

(تضمین بر سلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضؔا بریلوی)

جس کی ہر اک ادا عکسِ شانِ نبی
وہ عفیفہ جو ہے ترجمانِ نبی
یعنی منجملۂ بانوانِ نبی
''بنتِ صدیق، آرام جانِ نبی
اُس حریمِ برأت پہ لاکھوں سلام''

(ایضاً)

وہ ابوبکر، عثماں، عمر، مرتضیٰ
اور چھ دوسرے اہلِ صدق و صفا
اہلِ حق، اہلِ ایمان و اہلِ وفا
''وہ دسوں جن کو جنت کا مژدہ ملا
اُس مبارک جماعت پہ لاکھوں سلام''

(ایضاً)

درود اس پر جو لایا بزمِ اہلِ حق میں خوشحالی
درود اس پر ہوئی باطل کی جس کے دم سے پامالی
درود اس پر بتوں سے جس نے کعبے کو کیا خالی
''درود اس پر کہ جس نے کفر کی دنیا بدل ڈالی
سلام اس پر کہ جو ایماں کی صورت بن کے آیا تھا''

(تضمین بر کلامِ رعؔنا اکبر آبادی)

میں جب مرزا غالؔب کے شعری شعور کے فیضان کا توسیعی منظر نامہ دیکھتا ہوں تو مجھے اکثر ٹی-ایس-ایلیٹ کا یہ قول یاد آتا ہے:

''عظیم ترین شعراء کے ہاں ایسے پہلو ہوتے ہیں جو فوراً سامنے نہیں آتے بلکہ

صدیوں بعد بھی دوسرے شعراء کو متاثر کر کے زندہ زبان پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔"

ٹی-ایس-ایلیٹ کے اس بصیرت افروز بیان کی روشنی میں ملاحظہ ہو وہ شعری فیضان جو غالبؔ سے ایازؔ صدیقی کی تخلیقی دانش کا حصہ بنا اور پھر شعری متن و شعورِ فن کا سیل معنوی حافظ عبدالغفار حافظؔ تک پہنچا، یہ اس طرح کہ ایازؔ صدیقی نے غالبؔ کی زمین میں نعتیہ شعروں کے گلاب کھلائے اور حافظ صاحب نے تضمین کر کے اُن گلابوں کی مہک کو عام کیا۔

آپ کی آمد کا یہ رازِ نہاں سب پر کھلا
بند تھا جو فکر کا چشمہ وہ اب جا کر کھلا
حکمت و ادراک کا، عرفان کا دفتر کھلا
"آپ آئے، ذہن و دل میں آگہی کا در کھلا
جہل نے بازو سمیٹے، علم کا شہپر کھلا"

بیدمؔ وارثی کا نام نامی فلکِ شاعری پر طلوع ہونے والا وہ ستارہ ہے جس کی چمک سے نعتیہ افق جگمگا رہا ہے۔ اُن کی وہ نعت جس کا مطلع ہے:

عدم سے لائی ہے ہستی میں آرزوئے رسول
کہاں کہاں لیے پھرتی ہے جستجوئے رسول

اس قدر مقبول ہوئی کہ اب تک سینکڑوں شعراء نے اس نعت پر اپنے نعتیہ اشعار کی بنیاد رکھی۔ حافظ عبدالغفار حافظؔ نے بھی اس نعت کو تضمین کے لیے منتخب کیا اور سچ ہے کہ تضمین نگاری کا حق ادا کر دیا:

عجیب فیض یہ تیرے وجود نے بخشا
کہ ہو گیا ہوں حبیب خدا کا مدح سرا
ترے طفیل ملی ہے یہ نعمتِ عظمیٰ
"بلائیں لوں تری اے جذبِ شوق صلِّ علیٰ
کہ آج دامنِ دل کھنچ رہا ہے سوئے رسول
خوشی سے حافظؔ عاصی کی آنکھ ہو پُرنم
مزاجِ فردِ گنہ کا ہو دیکھ کر برہم

تکیں نگاہِ تحیر سے ساکنانِ ارم
''عجب تماشا ہو میدانِ حشر میں بیدم
کہ سب ہوں پیشِ خدا اور میں روبروئے رسول

مجھے یہ دیکھ کر حیرت آمیز مسرت ہوئی کہ حافظ عبدالغفار حافظؔ نے چوالیس شعراء کے کلام کا نہ صرف بنظرِ غائر مطالعہ کیا بلکہ کلام کی اندرونی ساخت میں پوشیدہ معانی کو تخلیقی عمل سے گزار کے اسی اسلوب میں تجدیدِ متن اور توسیعِ معنی کا کامیاب مظاہرہ کیا۔

ادبی فن پاروں کے متون (Texts) کو وحدانی معنیاتی سطح سے زیادہ بلند اور کثیر المعنویت کے تناظر میں دیکھنے والی نظر جن نقادوں کو میسر ہے وہ ساختیاتی مفکرین کے ہاں مروج طریقِ کار کو تضمین نگاری کی روایت کی روشنی میں زیادہ آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ قدیم شعری متون کا معنیاتی سیل کس طرح جدید شعریات کو عصری حسیّت اور مروّجہ لسانی نظام سے مربوط کرتا ہے اس بات کی تفہیم تضمین کی قرأت سے ہوسکتی ہے۔ ساختیات بھی شعری ساخت کو بے نقاب کرتی ہے اور عملِ تضمین بھی کسی حد تک قدیم متون یا پہلے موجود متون کی ساخت میں پوشیدہ معانی کے نئے افق تلاش کرنے کا عمل ہے۔ اس زاویے سے دیکھیں تو حافظ عبدالغفار حافظؔ نے ''بہشت تضامین'' میں پرانے شعری متون کو نئے معنیاتی افق سے ہمکنار کرکے ماضی کو حال سے مربوط کر دیا ہے اور مستقبل کے امکانات کے دریچے بھی وا کر دیے ہیں۔

نعتیہ شعری سرمائے میں تضمین نگاری کا یہ عمل بڑا خوش آئند ہے جس کے لیے حافظؔ صاحب مبارک باد کے مستحق ہیں۔

○○○

پروفیسر فاروق احمد صدیقی (مظفر پور)

راشد طراز کی ایک مشک بار غزل کا تجزیاتی مطالعہ

مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی تامل نہیں کہ راشد طراز کا نام اور کلام اردو رسائل میں دیکھتا تو تھا، مگر اک طائرانہ نظر ڈال کر آگے بڑھ جاتا تھا۔ کبھی ان کو سنجیدگی سے پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ مگر ابھی حال ہی میں انہوں نے اپنی غزلوں کا تازہ ترین مجموعہ ''جہاں تک روشنی ہوگی'' بھجوایا تو میں نے اپنا اخلاقی و ادبی فریضہ سمجھا کہ اسے جی لگا کر پڑھا جائے اور واقعی پڑھ ڈالا اور اب پورے وثوق کے ساتھ اپنے اس خیال کا برملا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ راشد طراز یقینی طور پر جدید اردو غزل کا ایک اہم نام ہے۔ انہوں نے فکر و اسلوب دونوں سطحوں پر جو تجربے کئے ہیں ان میں احساس کی ندرت کے ساتھ نئی فضا بندی بھی ہے۔ نئی لفظیات کا بھی التزام ہے اور اس کا استعاراتی نظام بھی جدید و لذیذ ہے۔ اپنے ان اوصاف کی بدولت وہ اپنے ہم عصروں اور ہم سفروں میں دور سے ہی پہچان لئے جاتے ہیں اور یہ امتیاز و شرف ان کے اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی ہے۔ جناب شمس الرحمٰن فاروقی جیسے بالغ نظر نقاد اور بلند پایہ دانشور نے بجا طور پر ان کو ''تازہ گو، مضمون ساز'' اور بلند جست لگانے والا'' شاعر قرار دیا ہے۔ ایک بڑی شخصیت کی طرف سے اپنے لئے ان توصیفی کلمات پر راشد طراز جس قدر بھی ناز و افتخار کریں کم ہے۔ خوش ہوں، مگر اتنا ہی پر مطمئن نہ ہو جائیں سفر جاری رہے۔

پیش نظر مجموعہ میں فکر و فن کی شادابی نے بار بار مجھے قرأت پر مجبور کیا اور ہر بار اس میں ایک خاص لذت اور کیفیت محسوس کی۔ مگر ترتیب کے اعتبار سے اس مجموعہ کی دوسری غزل نے نسبتاً زیادہ ہی اہتزاز بخشا۔ گلشنِ مدینہ کے مشکبار جھونکے بار بار میری بلائیں لیتے رہے اور میں اپنی خوبیٔ قسمت پر مچلتا رہا۔ ایک عاشق رسول کا یہ خیال قابل رشک ہے کہ؎

یاد آتی ہے جب مدینے کی
میں زمانہ کو بھول جاتا ہوں

چنانچہ راشد طراز کی یہ پُر نور غزل پڑھتے وقت کچھ اس طرح کیف و سرور سے ہمکنار ہوا کہ تھوڑی دیر کے لئے اپنے گرد و پیش سے بیگانہ ہو گیا۔ میرے نزدیک اس غزل کا ہر شعر اک مقام سے ہے۔ اس میں کل سات اشعار ہیں اور ہر شعر کو پر معنی، تہہ دار اور طرحدار بنانے میں شاعر نے اپنے فکری بلوغ اور فنی شعور کا شاندار مظاہرہ کیا ہے۔ مطلع ملاحظہ ہو۔

رہے گا کیوں نہیں جذبات دائمی کا امام
بنا دیا ہے، اسے حق نے روشنی کا امام

یہ امر محتاجِ وضاحت نہیں کہ غزل رمز و ایما کا فن ہے۔ یہاں اشاروں میں گفتگو ہوتی ہے۔ برہنہ گفتاری اس کی شریعت میں ممنوع ہے۔ راشد طراز غزل کے ان فنّی تقاضوں سے باخبر ہیں۔ اس لئے نعت گوئی کی عام روش سے ہٹ کر انہوں نے یہ غزل کہی ہے۔ جس میں بظاہر کوئی نعتیہ رنگ و آہنگ نہیں۔ مگر فکر بلند اور فن لطیف سے آراستہ یہ بہترین نعت ہے جس میں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو روشنی کا امام قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ خود ربِّ کریم نے اپنے کلام بلاغت نظام میں اپنے رسول کو ''سراج منیر'' کا لقب عطا فرمایا ہے۔"**وداعیا الی اللّٰہ باذنہ و سراجاً منیرا**"۔ (پ:22،احزاب، آیت:46) یعنی آپ وہ آفتابِ نبوت و ہدایت ہیں جس کے طلوع ہونے کے بعد کسی دوسری روشنی کی ضرورت نہیں۔ تمام روشنیاں اسی نورِ اعظم میں محو و مدغم ہو گئیں۔ اسی لئے ساری دائمی ہدایت و رہنمائی انہیں کے اتباع میں ہے۔''

دوسرا شعر:

میں کیوں نہ چوموں گا آنکھوں سے اس کا نام وجود
وہی ازل سے ہے آداب بندگی کا امام

بلاشبہ ان کا نام پاک اتنا مقدس، مطہر، منور اور متبرک ہے کہ اس کو بہ نظر عقیدت دیکھنا اور چومنا ہمارے لئے باعثِ نجات و مغفرت ہے۔ اس سلسلہ میں ایک ایمان افروز واقعہ ملاحظہ ہو۔

''بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا۔ جس نے اللہ تعالیٰ کی دو سو سال نافرمانی کی۔ پھر وہ مر گیا تو لوگوں نے اسے پاؤں سے پکڑا اور کوڑے کے ڈھیر پر ڈال دیا۔ پس وحی فرمائی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کہ اسے باہر نکالیں اور اس پر نماز پڑھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ اے رب تعالیٰ! بنی اسرائیل کے لوگ اس پر گواہ ہیں کہ اس بندے نے دو سو برس تک تیری نافرمانی کی ہے۔ اللہ کریم

جل شانہٗ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ ایسا ہی تھا مگر جب جب یہ (شخص) تورات کھولتا تھا اور اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر کرتا تو اس کو چوم لیتا اور اپنی آنکھوں سے لگا لیتا اور ان پر درود بھیجتا۔ بس اسی بات پر میں نے اس کے گناہ معاف فرما دیئے۔ اور ستر حوروں سے اس کی شادی کر دی۔'' (ص:42، ج حلیۃ الاولیاء، للحافظ ابی نعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی المتوفی، 430 ہجری، طبع اول 1354 ہجری 1935ء، مطبعۃ السعادۃ مصر) بحوالہ نعت اور آدابِ نعت از مولانا کوکب نورانی (پاکستان)

بلاشبہ ان کا نام و مقام اتنا محترم اور متبرک ہے کہ اس کو بہ نظر عقیدت دیکھنا اور چومنا ہمارے مقدر کی معراج ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے غیر معمولی تعظیم و تکریم کا اہتمام خود رب کریم نے کیا ہے۔ اور اس کا نورانی سلسلہ روز ازل ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خصوصی اعزاز و اکرام کا عہد لیا جیسا کہ آیت میثاق سے ظاہر ہے۔ واقعہ کی پوری تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ سورہ آل عمران: پارہ-3، آیت-81)

تیسرا شعر ہے: ؎

ظہور اس کے لئے ہی ہوا نظام خدا
وہی جو دہر میں ثابت ہوا خودی کا امام

یہ تو امت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ نظام خدا کا ظہور نہیں ہوتا، یعنی بزم کائنات وجود میں نہیں آتی اگر رب تعالیٰ کو اپنے محبوب رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق مقصود نہیں ہوتی۔ معروف و متوارث الفاظ میں۔ ؎

محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

اس سلسلہ میں کتب سیرت سے استناد کا یہ موقع نہیں۔ آٹھویں صدی ہجری کے ایک مصری عالم علامہ بوصیری اپنے شہرۂ آفاق ''قصیدہ بردہ'' میں فرماتے ہیں۔ ؎

وَكَيْفَ تَدْعُوا اِلَى الدُّنْيَا ضَرُوْرَةُ مَنْ
لَوْلَاهُ لَمْ تَخْرِجِ الدُّنْيَا مِنَ الْعَدَمِ

وہ دنیا کی طرف کیسے مائل ہوتے ہیں جن کی شان یہ ہے کہ اگر ان کی پیدائش نہیں ہوتی تو دنیا وجود میں نہیں آتی۔

ہندوستانی عالم مولانا قاسم نانوتوی اپنے ''قصیدہ بہاریہ'' میں بڑے تیقن کے ساتھ کہتے ہیں۔ ؎

جو تو اسے نہ بناتا تو سارے عالم کو
نصیب ہوتی نہ دولت وجود کی زینہار

سوادِ اعظم اہلسنّت کے دینی پیشوا اور معروف محبّ رسول مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی فرماتے ہیں۔ ؎

ہے انہیں کے دم قدم سے باغ عالم کی بہار
وہ نہ تھے عالم نہ تھا اگر وہ نہ ہوں عالم نہ ہو

علامہ اقبالؔ اپنے اس عقیدۂ راسخ کا یوں برملا اظہار کرتے ہیں۔ ؎

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمنِ دہر میں، کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
ہو نہ یہ ساقی، تو پھر مئے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو
بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا ایستادہ اسی نام سے ہے
نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

علامہ اقبالؔ ایک اور شعر میں یوں زمزمہ سرا ہیں۔ ؎

چشمِ ہستی صفتِ دیدہ اعمیٰ ہوتی
دیدۂ کن میں اگر نور نہ ہوتا تیرا

اس لئے راشد طراز نے اپنے اسلاف و اکابر کے اتباع میں بہت صحیح کہا ہے کہ۔ ؎

ظہور اس کے لئے ہی ہوا نظام خدا

اور جب اسی کے لئے ہوا تو اس ذات والا صفات کو تو خودی کا امام دوسرے لفظوں میں خودشناسی، عزت نفس، وقار حیات اور انسانی شرافت کا پیامبر ہونا ہی چاہئے۔

چوتھا شعر ہے۔ ؎

زمین و عرش ہے اس کے طفیل میں قائم
کہ وہ ظہور سے پہلے بھی تھا صدی کا امام

اس شعر کا پہلا مصرع تو ماقبل کے شعر سے فکری طور پر پوری طرح مربوط ہے۔ دوسرے مصرع میں شاعر نے اس تاریخی صداقت کا اظہار کیا ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ظہور کے

اعتبار سے یقیناً نبی آخرالزماں ہیں مگر وجود کے اعتبار سے پہلے نبی آپ ہی ہیں۔ آپ کو اس وقت منصب نبوت پر سرفراز کر دیا گیا تھا جب حضرت سیدنا آدم علیہ السلام آب و گل کی منزلیں طے کر رہے تھے۔ خود ارشاد نبوت ہے۔ **کنت نبیاً والآدم بین الروح والجسد**۔ یعنی میں اس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدم جسم و روح کے درمیان تھے۔

''جب جامع ترمذی کی حدیث۔ "**کنت نبیاً والآدم بین الروح والجسد**" کے موافق آپ اول الانبیاء ہیں تو اول المسلمین ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے۔''

(بحوالہ ترجمہ قرآن از مولانا محمود الحسن وتفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی۔ مطبوعہ شاہ فہد قرآن کریم، پرنٹنگ کمپلیکس سعودی عربیہ، ص:200)

زیر تجزیہ غزل کا پانچواں شعر۔ ؎

دکھائی اس سے یہاں دے رہا ہے شرع حیات
وہی ہے بندۂ مومن کی آگہی کا امام

یعنی اس نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انسانوں کو شریفانہ زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھایا اور ایسی کامل و اکمل شریعت عطا فرمائی جس میں پیدائش سے لے کر موت تک کی زندگی بسر کرنے کے بہترین آداب و اصول مقرر ہیں۔ اس لئے بجا طور پر وہی بندۂ مولا صفات مومنین کی آگہی کا امام ہے۔ اس کی لائی ہوئی شریعت سے سر مو انحراف اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بہ منزل نخواہد رسید

سعدیؔ

چھٹا شعر ہے۔ ؎

یہ اور بات کہ آنکھوں سے اس کو دیکھا نہیں
مگر وہی ہے ہماری بھی زندگی کا امام

یعنی یہ ہماری کم نصیبی ہے کہ ہم نے اس رسول معظم ﷺ کا زمانہ پاک نہیں پایا اور ان کے جمال زیبا کی زیارت سے محروم رہے۔ مگر اس کے باوجود ہم ان کو اپنا آئیڈل تسلیم کرتے ہیں۔ اور ہمیں انہیں کے بے مثل اُسوۂ حسنہ کی روشنی میں زندگی کا سفر طے کرنا ہے اور سچی عقیدت بھی رکھنی ہے۔ بقول علامہ اقبالؔ۔ ؎

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

آخری شعر ہے۔

غلام کیوں نہ رہے گا طراز اس کا تمام
جہاں میں سید لولاک ہے نبی کا امام

وہ محبوب مکرم جس کی اطاعت خود خدا کی اطاعت ہے۔ اس کی غلامی پر ہمیں فخر کرنا چاہئے۔ شاعر سراپا عجز و نیاز بن کر کہتا ہے کہ میں کیا اور میری غلامی کیا۔ ان کی شان عظیم تو یہ ہے کہ وہ نبی الانبیاء ہیں۔ سارے نبیوں نے ان کی عظمت و امامت تسلیم کی جس کا روح پرور عملی مظاہرہ سفرِ معراج کے دوران بیت المقدس میں ہوا۔

اس شعر کے دوسرے مصرع میں ''سید لولاک'' کی ترکیب استعمال کر کے راشد طراز نے ایک بار پھر اپنے اس عقیدۂ محکم کا برملا اظہار کیا ہے کہ ساری خلقت حضور سید الکونین کے طفیل ہی وجود میں آئی۔ علامہ اقبال نے بھی اپنے ایک شعر میں اس ترکیب کو یوں نظم کیا ہے۔

عالم ہے فقط مومنِ جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحبِ لولاک نہیں ہے

اقبالؔ یہ یہ محض شاعرانہ تخیل نہیں ہے۔ بلکہ اس کی اساس اس حدیث قدسی پر ہے۔ "**لولاك لما خلقت الافلاك**" اے محبوب اگر آپ کو پیدا کرنا مقصد نہیں ہوتا تو میں آسمانوں کو (مراد کائنات) کو وجود میں نہیں لاتا۔ ہر قرن وصدی میں تمام اہل ایمان کا یہی عقیدہ ومسلک رہا ہے۔ اس لئے راشد طراز نے اپنی خوش عقیدگی کے اظہار میں اپنے بزرگوں کی متابعت کی ہے۔

یہ تو مسلم ہے کہ نعت گوئی بڑے شرف وسعادت کی بات ہے۔ اس سعادت عظمیٰ کو راشد طراز نے بھی حسبِ توفیق حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اس طرح عصر حاضر میں وہ بھی شاعر بارگاہ رسالت حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قبیلہ کے ایک ممتاز فرد بن گئے ہیں۔ مبارکباد۔

○○○

ڈاکٹر سید شمیم گوہر مصباحی (الہ آباد)

صنائع وبدائع کا تقاضۂ ترویج اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی شعری عظمت

شعروشاعری دنیا کا محبوب ترین اور پسندیدہ مشغلہ رہا ہے، دنیا کے گوشے گوشے میں اس کے چراغ روشن ہیں۔ یہ قلب ونظر کی ترجمان اور سماج ومعاشرہ کی آواز ہے، جذبات واحساسات کی خوشبوؤں میں ڈوبا ہوا ایک شعر اگر دل کی دھڑکن تیز کرسکتا ہے تو پرانے زخموں کو کرید بھی سکتا ہے، پرانی یادوں کو تازہ کرسکتا ہے تو آنکھوں سے آنسو بھی ٹپکا سکتا ہے، شاعری کے لطیف ودلکش سحر آگیں لہجے نے کس کو بیتاب نہیں کیا۔ یہ بادصبا کی پرکیف اداؤں پر مرنا جانتی ہے تو خار مغیلاں کی نوک کو بوسہ دینا بھی جانتی ہے، یہ زلف پیچاں اور پائے ناز پر وفور شوق کی دنیا لٹا دینا جانتی ہے تو ریگزاروں کے تپتے ہوئے سناٹوں میں گریباں بھی چاک کرنا جانتی ہے۔ راز ونیاز کے شعبوں کو ٹٹول بھی سکتی ہے تو حقائق ومعارف کی میٹھی میٹھی چھاؤں میں پناہ لینا بھی جانتی ہے۔ یہ شعروشاعری بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوتی ہے تو مدح وثنا اور حسن وجمال کا سمندر بہا دیتی ہے، میدان کربلا میں داخل ہوتی ہے تو کلیجہ چھلنی کرکے خون کے آنسو رلا دیتی ہے، محفل سماع میں قدم رکھ دیتی ہے تو وجدوکیف اور سرور وبے خودی کی آغوش میں جکڑ لیتی ہے۔ شاعری، اتحاد ویکجہتی اور انقلاب وحب الوطنی کے آداب سکھاتی ہے، میدان کارزار میں جاں بازی وفداکاری کے حوصلے عطا کرتی ہے، بیواؤں، یتیموں اور مظلوموں کی فریاد پر تعاون وسرپرستی کا جذبہ اجاگر کرتی ہے۔ زندگی کا کوئی شعبہ شعری جذبات واحوال سے خالی نہیں، اس کے نرم ولطیف لہجے اور شیریں اسلوب نے بڑے بڑے بادشاہوں اور کج کلاہوں کا سر جھکانے پر مجبور کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بیشمار اوصاف ومحاسن کے آئینے میں شاعری کی تصوراتی وتخیلاتی تجلی اور فکری وفنی بالیدگی اس کا سب سے قیمتی اثاثہ ہوتا ہے، اس اثاثے کے تحفظ وسلامتی میں صنائع وبدائع کی وسعتوں کا خصوصی تعاون رہتا

ہے، لازم وملزوم کی مانند کوئی بھی شاعری صنعتی تقاضوں سے الگ نہیں رہ سکتی۔ صنعتیں کبھی دانستہ طور پر وابستہ کی جاتی ہیں کبھی غیر دانستہ طور پر خود بخود وابستہ ہو جاتی ہیں تاہم ایسی بیشمار صنعتیں ہیں جو غیر دانستہ طور پر کبھی ظاہر نہیں ہوسکتیں، شرائط واصول نبھانے کے لئے توجہ درکار ہوتی ہے مثلاً مندرجہ ذیل صنعتیں اب اردو شاعری میں نایاب ہو کر رہ گئیں۔

صنعتِ منقوص!

ہم کیا کریں گے جی کر۔۔۔جی کر

گوہر

اس صنعت کی خوبی یہ ہے کہ دوسرے ''جی کر'' کو مصرع میں شامل رکھا جائے یا نہ رکھا جائے دونوں صورتوں میں وزن برقرار رہتا ہے اس کے علاوہ دوسرے ''جی'' کو صنعتِ مستزاد کے طور پر بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

تو عمر بھر خوشی کر
ہم کیا کریں گے جی کر۔۔۔جی کر

صنعتِ معرب!

یہ وہ دشوار وپیچیدہ صنعت ہے جس کے دونوں مصرعوں کے ہر حرف پر فتحہ ہو تو ضمہ وکسرہ نہ ہو یا ضمہ ہو تو فتحہ وکسرہ نہ ہو یا کسرہ ہو تو فتحہ وضمہ نہ ہو۔

ایسا ہم پر غضب صنم مت کر
جان کر غیر پر کرم مت کر

گوہر

ہے کرم آپ کا سدا ہم پر
آستاں پر ہے خم ہمارا سر

گوہر

ان دونوں اشعار کا کوئی بھی حرف ضمہ یا کسرہ کے ساتھ استعمال نہیں ہوا۔

تم سبو ہو سرور تم ہو چم
تم کو ڈھونڈھوں تو ہوش ہو گم سم

تم تو خوشبو ہو تم گل و سنبل

گوہرؔ

مذکورہ مطلع و مصرع کے کسی بھی حرف پر فتحہ و کسرہ نہیں ہے۔

پھر مرے دل پہ گری بجلی سی

پھر ترے ہجر میں یہ چیز ملی

گوہرؔ

اس مطلع کا کوئی بھی حرف فتحہ و کسرہ سے وابستہ نہیں ہے۔

صنعتِ غیر منقوطہ!

سارے درد و الم سے دور رہا

مدح سرور سے ہر سرور ملا

گوہرؔ

اس مطلع کے کسی بھی حرف پر کوئی نقطہ نہیں۔ صنعتِ غیر منقوطہ ہونے کے باوجود یہ مطلع ''تجنیسِ مرکب متشابہ'' سے بھی وابستہ ہو گیا کہ ''سُر ور'' کا املا ایک جیسا ہے مگر بہ لحاظ وزن اور باعتبار حرکت معانی الگ الگ۔ اسی صنعت کا دوسرا شعر ملاحظہ کریں۔

مدحِ مولا سے دل مرا مہکے

ہر گھڑی دل الم سے دور رہے

دردِ دِل کو سکوں ملے مالک

دردِ دل کی دوا کہاں گم ہے

گوہرؔ

صنعتِ منقوطہ!

جشنِ تشبیبِ خُتن پیش شبِ بَث چُپ چُپ

جب شبِ جشن بچی پیش فتیقِ جنت

جشن تشبیب شب بہ پیش خُتن

گوہرؔ

ان تینوں مصرعوں کا ہر حرف منقوطہ ہے۔

صنعتِ محرف!

بعد مدت کے یہ صیاد نے ہم سے پوچھا
اب وہاں کون رَہا کون رِہا ہو بیٹھا

گوہرؔ

''رَہا اور رِہا'' کا املا اور وزن مساوی ہونے کے سبب محض حرکتِ 'ر' کی بنیاد پر یہ صنعت واضح ہوئی۔

صنعتِ منقوطہ!

کا ایک ضابطہ یہ بھی ہے کہ جس کے ہر لفظ میں نقطہ ہو۔

پہونچائے مجھ کو منزلِ مقصود تک خدا
یا رب نہ بجھنے پائے کبھی شمع عشقِ شاہ

گوہرؔ

صنعتِ نقاط ثلاثہ!

جس کے ہر لفظ میں تین نقطے پائے جائیں۔

نقشِ پا مثلِ شمع رخشندہ
آپ مشکل کشائے پاکیزہ

گوہرؔ

صنعتِ نقطۂ واحدہ!

جس کے ہر لفظ میں صرف ایک نقطہ آیا ہو۔

نہ ہے کوئی محبوب سرور سے بڑھ کر
خدا کی رضا ہے رضائے محمد

گوہرؔ

صنعتِ خَیفا!

جس کا ایک حرف منقوطہ ہو دوسرا حرف غیر منقوطہ۔

غلبۂ شان اب کجا باقی
عظمت آن اب کجا باقی
گوہر

صنعتِ خیفا!

کی ایک دوسری صورت یہ بھی ہے کہ جس کا ایک لفظ منقوطہ ہو دوسرا غیر منقوطہ۔

آپ کی خاطر درِ انوار ہر جانب کُھلا
ساری دنیا ہے تجلی سے مجلیٰ ہر طرف
گوہر

صنعت فوق النقاط!

جس میں ہر نقطہ اوپر ہو نیچے ایک نہ ہو۔

الٰہی کر دے عطا نعمتِ خضوع و خشوع
ہمارے ساتھ رہے لذتِ خضوع و خشوع
گوہر

صنعتِ تحت النقاط!

جس کے ہر لفظ کے نیچے نقطہ ہو اوپر ایک نہ ہو۔

چوٹ گہری لگی مرے دِل کو
یاد کیوں بار بار آئے یار
گوہر

صنعتِ الفیہ!

جس کے ہر لفظ میں الف استعمال کیا گیا ہو۔

مبتلائے ثنا آرائی زبان عالم
آمد شاہ کا چرچا یہاں چاروں جانب
گوہر

صنعتِ اتصال حروف!

جس کے کسی بھی لفظ میں تنہا کوئی حرف نہ آیا ہو بلکہ لفظ کے حروف ایک دوسرے سے متصل ہوں خواہ ان کی تعداد کچھ بھی ہو۔

محبت بہت مجھ سے کرتے ہو لیکن
کبھی تم کو ملنے کی فرصت ملی ہے

گوہرؔ

ان چند مثالوں پر اکتفا کرتے ہوئے عرض یہ ہے کہ اس نوعیت کی صنعتوں کی ایک بڑی تعداد ہے جن میں سے ایک بھی متروک قرار نہ دئے جانے کے باوجود اپنی تبلیغ وتکرار سے محروم ہے۔غیر دانستہ طور پر بعض صنعتیں اشعار سے منسلک تو ہوتی رہتی ہیں مگر مندرجہ بالا صنعتیں غیر دانستہ طور پر بار بار قطعی نہیں جاری ہو سکتیں۔

شعرائے متقدمین ہوں یا متاخرین، اس نوعیت کی بیشتر صنعتوں سے ہمیشہ گریز کیا۔ بندش خیالی کو فوقیت دیتے ہوئے نزاکت صنائع کا صرف اس لئے اہتمام کرنے کا مزاج نہیں رہا کہ یہ عمل متعلقہ فکری ڈھانچوں کو متاثر نہ کر سکے ہر تخیل کو مشکل صنعتوں سے بے نیاز رکھنا اچھی علامت نہیں، صنعتیں، خیال وفکر کا راستہ نہیں روکتیں بلکہ اظہار واستعمال پر عظمت شعری کا ثبوت چاہتی ہیں۔ضروری نہیں کہ ہر شعر ایسی مشکل صنعتوں سے وابستہ رہے، ضروری یہ ہے کہ دو چار کلام کے درمیان بھی کسی ایک کا استعمال جاری رہے تو ماتم کرنے کا سلسلہ منقطع ہو جائے، فکر وخیال اور صنائع و بدائع کی روشنی میں امام احمد رضا خان کی نعتیہ شاعری دنیائے شعر وادب میں آبرو بن کر چمک رہی ہے۔ دو مخصوص صنعتوں کی ایجاد نے مزید تقویت پہنچائی ہے۔اس ہیئتی تجربے کو ’’قصیدہ درودیہ‘‘ میں ظاہر کرتے ہوئے ہر مصرع اولیٰ کے آخری حرف کو حروف تہجی کی ترتیب کے ساتھ پیش کیا جسے ’’صنعت تہجی‘‘ ہونے کا نمایاں فخر حاصل ہے نمونے کے طور پر چند اشعار ملاحظہ کریں۔

کعبے کے بدر الدجیٰ تم پہ کروڑوں درود
طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروڑوں درود
ذات ہوئی انتخاب وصف ہوئے لا جواب
نام ہوا مصطفٰے تم پہ کروڑوں درود

تم سے جہاں کی حیات تم سے جہاں کا ثبات
اصل سے ہے ظل بندھا تم پہ کروڑوں درود
تم ہو حفیظ و مغیث کیا وہ دشمن خبیث
تم ہو تو پھر خوف کیا تم پہ کروڑوں درود
وہ شب معراج راج وہ وصف محشر کا تاج
کوئی بھی ایسا ہوا تم پہ کروڑوں درود

اسی ترتیب سے ''ے'' تک مصرعے کہے گئے، چار مطلعوں کے بعد ''ب'' سے وابستہ ۲/مصرعے، ''ت'' سے ۲/ ''ث'' سے ۲/ ''ج'' سے ا/ ''ح'' سے ا/ ''خ'' سے ۲/ ''د'' سے ا/ ''ذ'' سے ا/ ''ر'' سے ۴/ ''ز'' سے ا/ ''س'' سے ا/ ''ش'' سے ا/ ''ص'' سے ا/ ''ض'' سے ا/ ''ط'' سے ا/ ''ظ'' سے ا/ ''ع'' سے ا/ ''غ'' سے ا/ ''ف'' سے ا/ ''ق'' سے ا/ ''ک'' سے ا/ ''ل'' سے ا/ ''م'' سے ۷/ ''ن'' سے ۷/ ''و'' سے ۳/ ''ہ'' سے ۲/ ''یائے معروفہ'' سے ا/اور ''یائے مجہول'' سے ۳/مصرعے وابستہ ہیں۔ حضرت رضا بریلوی کی اسی ہیئتی تقلید میں اس خاکسار نے بھی کلام کہنے کی سعادت حاصل کی ہے ملاحظہ فرمائیں۔

ہے وقفِ عشق قلب وجگر اے شہہِ جہاں — اک بار ہم بھی دیکھ لیں دررائے شہہ جہاں
مغموم زندگی کو عطا کر رہِ ضیا — (الف) دل میں ہے آرزوئے سفرائے شہہِ جہاں
بے کس کے حق میں کھول دے رحم وکرم کے باب — (ب) پھر کون لے ہماری خبر اے شہہِ جہاں
کب تک ستائے گی یہ شب وحشتِ حیات — (ت) حسنِ نجات کی ہو سحر اے شہہِ جہاں
ہم عاشقِ کتاب ہیں دیوانۂ حدیث — (ث) روشن رہے یہ قلب وجگر اے شہہِ جہاں
ہے سر بلند تیرے ہی صدقے میں اپنی لاج — (ج) قسمت ہو جیسے شمس وقمر اے شہہِ جہاں
اتنی کہاں مجال کریں کچھ بھی شرحِ مدح — (ح) مل جائے حوصلہ جو اگر اے شہہِ جہاں
دل میں درختِ جرم کی بڑھنے لگی ہے شاخ — (خ) للہ رحم کی ہو نظر اے شہہِ جہاں
جذبات خیر کی نہ حرارت کبھی ہو سرد — (د) کرتے ہیں مدح شام وسحر اے شہ جہاں
حق کی مخالفت میں بناتا ہے وہ محاذ — (ذ) سب خاک میں ملادے یہ شر اے شہہ جہاں
کرتا ہے التجا یہ ادب سے گناہ گار — (ر) مقبول ہو دعائے سحر اے شہہِ جہاں
دریا دلی میں ہم بھی رہیں خوب سرفراز — (ز) دامن میں بھر دے لعل وگہر اے شہہ جہاں

آقا خطا نواز سے کر دے وفا شناس (س) اب ہو عطا دعا کو اثر اے شہِ جہاں
ہر دم گناہ و جرم کے سینے میں ہے خراش (ش) دل میں جلا دے شمع حزر اے شہِ جہاں
اللہ چشمِ بد سے بچائے، ہے عرضِ خاص (ص) روشن رہے ہمارا یہ گھر اے شہِ جہاں
کرتے ہیں بارگاہِ رسالت میں ہم یہ عرض (ض) محشر کو کر دے یوم ظفر اے شہِ جہاں
لکھا ہے ہم کو یار نے پھر آب زر سے خط (ط) کیسے کٹے گی شام و سحر اے شہِ جہاں
وابستگیٔ عشق کا رہتا ہے ہر لحاظ (ظ) محتاج رحم ہے یہ بشر اے شہِ جہاں
توفیق دے کہ عمر رہے زیرِ اتباع (ع) محتاج رحم ہے یہ بشر اے شہِ جہاں
دل میں ہمارے عشق کا روشن وہ کر چراغ (غ) ہو رشکِ مہر رشکِ قمر اے شہِ جہاں
انبوہِ عاشقانِ رسالت ہر اک طرف (ف) ہر سو اسیرِ لطف نظر اے شہِ جہاں
ہے زیرِ پائے سرورِ عالم ہر اک فلک (ک) رخ پر فدا ہیں شمس و قمر اے شہِ جہاں
مدح و ثنائے شاہ سے روشن ورق ورق (ق) تحریر غرقِ تاب دُرر اے شہِ جہاں
حورانِ خلد بھیک میں مانگیں ترا جمال (ل) ہیں وصف خواں یہ لعل و گہر اے شہِ جہاں
کر دے معاف جرم کو اے رحمت تمام (م) آنکھیں ہماری اشک سے تر اے شہِ جہاں
عزت کی بھیک مانگتے رہتے ہیں رات دن (ن) رسوا نہ ہونے پائیں مگر اے شہِ جہاں
محشر میں عشقِ شاہ مدینہ کا ساتھ ہو (و) ہے بس دعا یہ شام و سحر اے شہِ جہاں
عرشِ بریں کہ تحتِ ثریٰ کا تو بادشاہ (ہ) تو ہی تو تاج دار بشر اے شہِ جہاں
ہے دل کی آخری یہ تمنا ہمارے شاہ (ہ) چوکھٹ پہ رگڑیں اپنا یہ سر اے شہِ جہاں
کس عاشقِ رسول کی حسرت نہیں ہے یہ (ہ) طیبہ میں زندگی ہو بسر اے شہِ جہاں
کر دے نصیب کو تو عطا جوشِ بندگی (ی) ہر دم ہمارے دل میں ہو ڈر اے شہِ جہاں
جس کو بھی چاہے ایک نظر میں نواز دے (ے) ہم بھی ہیں ملتجی نظر اے شہِ جہاں

جو بھی ہمارا حال ہے سب سامنے تیرے
گوہرؔ پہ رحم کی ہو نظر اے شہِ جہاں (ے)

صنعتِ تہجی کی دوسری مثال!

مندرجہ ذیل کلام میں اگر چہ تمام حروف کا استعمال نہیں ہوا مگر ترتیب حروف کے قانون کے تحت چند ہی اشعار کی روشنی میں صنعتِ تہجی کی معرفت واضح ہو جاتی ہے لہٰذا اس صنعت کی تبلیغ میں

دونوں صورتوں میں اپنے فکر وفن کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔

ہنس کر وہ روز ملتا ہے لیکن دعا نہ دے

میں اس سے روٹھ جاؤں یہ جذبہ خدا نہ دے

کتنا کشادہ گھر ترا کتنا سجا ہوا	(ا)	در پر مگر فقیر کوئی بھی صدا نہ دے
یاری تری ہمارے لئے بن گئی عذاب	(ب)	ہر دم یہی ہے خدشہ کہیں تو بھلا نہ دے
اخلاق میرے بکھرے ہیں چاروں طرف بہت	(ت)	یہ اور بات ہے کوئی مجھ کو صلہ نہ دے
سلطاں کبھی تجھے تیرے پدر ذکر ہے عبث	(ث)	اب کر دعا کہ نام نشاں رب مٹا نہ دے
یکبارگی سبھی کا بدلنے لگا مزاج	(ج)	ڈرتا ہوں کل کا واقعہ کوئی بتا نہ دے
مکر و فریب سے کبھی ملتی نہیں فلاح	(ح)	ایسا نہ ہو کہ تجھ کو کوئی راستہ نہ دے
گستاخ زندگی تری زیرِ مزاج تلخ	(خ)	ہر عزم نو میں آگ یہ شہرت لگا نہ دے
بچھڑا ضرور ہم سے نہ کرتا وہ ترکِ یاد	(د)	دشمن کو بھی خدا کبھی ایسی سزا نہ دے
آوارہ ہر سو پھرتا ہے قانون کا نفاذ	(ذ)	گردن مری وفا کی وہ ظالم دبا نہ دے

اسی طرح امام رضا بریلوی نے ''صنعت مجوب'' میں چہار لسانی کلام کا ایک نادر نمونہ پیش کر کے دنیائے صنائع کو حیرت میں ڈال دیا، اس صنعت کے حق میں آج تک تقلیدی عمل اجاگر نہ ہو سکا۔ حضرت رضا سے پہلے اگر اس صنعت کا کوئی استعمال نہ کر سکا تو اس خاکسار سے پہلے ''صنعت تہجی'' اور ''صنعت مجوب'' کا کوئی تعارف بھی نہ کرا سکا۔ ''تلمیع'' اس صنعت کو کہتے ہیں جس میں باقاعدہ فقروں کے تحت ایک شعر میں دو زبانوں کا استعمال ہوا ہو، اس کی دو قسمیں ہیں ''مکشوف اور مجوب'' مکشوف کا قاعدہ بھی تلمیع ہی جیسا ہے مگر مجوب کے ہر شعر میں دو سے زیادہ زبانوں کی شرط ہے، علم بدیع میں اسے صنعت ترصیع کہتے ہیں جو ''سجع متوازی'' کی ایک قسم ہے جس کی مثالیں بعض دیگر بحروں میں تو عام ہیں مگر چار رکنوں یا چار مختلف لسانی فقروں کے پیش نظر اس بحر کی کہیں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ عربی و فارسی اور اردو و ہندی زبانوں کے اشتراک سے حضرت رضا نے خاصۂ مجوب ثابت کرتے ہوئے ہر مصرع اولیٰ کے عربی و فارسی فقروں کو دو ہم وزن بحروں میں منقسم کر کے نہ صرف دو قوافی کا اہتمام کیا بلکہ اردو و ہندی فقروں کے تحت بھی مصرع ثانی کے دونوں رکنوں کے اختتام پر قوافی کا بندوبست کیا گویا بنیادی بحر کی قید کے باوجود ہر شعر میں چار زبانوں کا متوازن قرینہ پیش کرتے ہوئے صنعت مجوب کی اصل تشکیل وایجاد کی تکمیل فرمادی کلام

مندرجہ ذیل ہے۔

لم یات نظیرك فی نظر مثلِ تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا
البحر علا والموج طغیٰ من بیکس وطوفاں ہوش ربا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیّا پار لگا جانا
یا شمس نظرت الیٰ لیلی چو بطیبہ رسی عرضے بکنی
توری جوت کی جھل جھل جگ میں رچی مری شب نے نہ دن ہونا جانا
لك بدر فی الوجه الاجمل خط ہالۂ مہ زلف ابر اجل
تورے چندن چندر پر کنڈل رحمت کی بھرن برسا جانا
انا فی عطش و سخاك اتم اے گیسوئے پاک اے ابرِ کرم
برسن ہارے رم جھم رم جھم دو بوند ادھر بھی گرا جانا
یا قافلتی زیدی اجلك رحمے برحسرت تشنہ لبک
مورا جیرا لرجے درک درک طیبہ سے ابھی نہ سنا جانا
وا ھا لسویعات ذهبت آں عہدِ حضور بار گہت
جب یاد آوت موہے کر نہ پرت در داد ہ مدینہ کا جانا
القلب شج و الهم شجون دل زار چناں جاں زیر چنوں
پت اپنی بپت میں کا سے کہوں مرا کون ہے تیرے سوا جانا
الروح فداك فزد حرقا اک شعلہ دگر برزن عشقا
مورا تن من دھن سب پھونک دیا یہ جان بھی پیارے جلا جانا
بس خامۂ خام نوائے رضؔا نہ یہ طرز مری نہ یہ رنگ مرا
ارشادِ احبا ناطق تھا ناچار اس راہ پڑا جانا

کوئی بھی شے ہمیشہ ایک مقام پر کبھی نہیں ٹھہری رہتی یا تو وہ اپنے مقام سے ہٹ کر بکھرنے لگتی ہے یا پھر ارتقائی مراحل سے گزرنے لگتی ہے۔ صنعت مجوب کی بابت بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ حضرت امام رضا کی تقلید و تائید میں جب اس ناچیز خاکسار نے طبع آزمائی کا ارادہ کیا تو متعدد مسائل ومعاملات بھی سامنے آتے گئے، یہ مسائل بعض اضافی رابطہ وقانون کا تقاضہ کرتے ہوئے

کچھ جدید ساخت وتشکیل کے طلبگار ہونے لگے تا کہ ارتقائی کاوشوں کے تسلسل سے تمام بند دروازوں کو کھولنے میں آسانی ہو۔ جب سے یہ چہارلسانی کلام وجود میں آیا ہے آج تک کوئی بھی شاعر اس کی تقلید وطبع آزمائی کی راہ پر گامزن نہ ہوسکا، اگر طبع آزمائی کا سلسلہ جاری رہا ہوتا تو نہ صرف اس نایاب صنعت کا تبلیغی سفر آگے بڑھتا رہتا بلکہ متوقع ضابطہ وقانون کی مخفی صورت حال بھی واضح ہوتی جاتی۔ ضرورت شعری کے تحت امام رضا کے محض چند اشعار مختلف اضافی قرائن و ضوابط کا خود مطالبہ کرتے ہیں۔ سب سے اہم مسئلہ فقرۂ عربی و فارسی کے آخری لفظ وحرف کا ہے کہ عربی لفظ وحرف کے مقابلہ لفظ وحرف کا متبادل کیا ہونا چاہئے پھر اسی مناسبت سے ہندی، اردو الفاظ وحروف اور صوتی ہم آہنگی کے تعین کا کیا طریقہ ہوگا اسی توضیعی پیش رفت کے آئینے میں تجزیہ وتحلیل کی ضرورت پیش آئی، امام رضا فرماتے ہیں۔

یا شمس نظرت الیٰ لیلی ...... چو بطیبه رسی عرضے بکنی

بحر ووزن کے پیش نظر عربی فقرہ کے آخری لفظ کو کسی بھی وقف وساکن کی ضرورت نہ پیش آئی اسی مناسبت سے قافیہ ''بکنی'' کو ترتیب دیا گیا۔

الروح فداك فزد حرقا ...... یك شعله دگر برزن عشقا

مگر عربی لفظ ''حرقاً'' کو ساکن کرتے ہوئے اسی سطح پر ''عشقا'' منتخب کیا گیا۔ اگر حرقاً کی قِ تنوین بالفتح کو وقف وساکن نہ بھی کیا تو بھی وزن پر کوئی فرق نہ پڑتا حرقاً کو بحال رکھنے پر فارسی لفظ کیا ہوتا ایسے متبادل کی تلاش یا ایسے توضیعی عمل سے صنعت مجوب کی وابستگی ضروری ہے۔

لك بدر فی الوجه الاجمل ......خط هالۂ مه زلف ابر اجل

اس عربی فقرے میں ''اجمل'' کے لام مکسور کو ساکن کیا گیا اسی مطابقت سے فقرۂ فارسی کے آخر میں قافیہ ''اجل'' استعمال ہے، اگر اجمل کے لام مکسور یا کسی اور حرف مکسور کو واضح کر دیا جائے تو فارسی حرف ولفظ کے بدل کا سکہ سامنے آجاتا ہے۔ امام رضا بریلوی کے پورے مجوبی کلام میں کسی بھی عربی جملہ وفقرہ کے آخری حرف ولفظ میں فتح، ضمہ، کسرہ اور تناوین استعمال نہیں ہوئیں، ان سب کے متبادلی قاعدے اپنے اضافی وضع کے متقاضی ہیں تا کہ اس کے فروع وارتقاء میں مزید آسانی ہو۔ مطلع کے مصرع اولیٰ میں اگرچہ ''فی نظر'' کی ترتیب آئی ہے مگر فقرۂ فارسی کو چونکہ قافیہ سے ہم آہنگ ہونا تھا اس لئے ''ر'' کی تنوین بالکسر کا بدل سامنے نہ آسکا۔ یہ مسلم ہے کہ امام رضا بریلوی نے مفعول فعولن فافلتن ،مفعول فعولن فاعلتن ، کی بحر میں

چار فقروں کو وزن کے ساتھ برت کر صنعت مجوب کی تلاش کی ہے جو دنیائے شاعری میں حیرت انگیز کارنامے کی حامل ہے تاہم اس کی ترویج وارتقاً ہمیشہ اسی بحر میں ہو ضروری نہیں۔ چار زبانوں کا استعمال اپنے اپنے طور سے کسی بھی بحر میں کیا جا سکتا ہے اسی جذبۂ تقلید میں خاکسار نے مجوبی رنگ میں فی الحال تین کلام کہنے کی سعادت حاصل کی ہے تاکہ عربی و فارسی اور ہندی و اردو کے آخری لفظ وحرف کے تعارف و شناخت اور صوتی قرینے کے نئے سفر کو مزید آگے بڑھایا جا سکے۔

فِــی حُـــبّ رَســوُلِكَ اِبـعثـنَـــا تعظیم ترا اعلیٰ جانا
اک تو ہی جگت راجا مولیٰ غیروں کو نہ کچھ سمجھا جانا
مَــن رَحــمَتِكَ البَــرکَـــاتُ لَـنـــا ہر باب کرم راوا جانا
تورے درشن کو تڑپت ہے جیا بس ایک جھلک ہی دکھا جانا
حَـــاسِبــنِـی حِسَابـاً مِّـن یُسـرِ تو رحم وکرم کن بر باطن
موری بپتا کون سنے تجھ بن مجھ پر بھی کرم فرما جانا
یَـــا اَحــمَــدُ اَحسِــن عَـــاقِبتـی فریاد کند ایں تشنہ لبی
تورے رحم کی جے جے کار مچی ترے عشق میں کھو جانا جانا
یَـــا صَـــاحِـبَ نُـورِ خُـذ بِیَـدِی تو فضل بفرما بر بے کسی
مورا پاپ بھسم سب کر دے نبی شب ِ تار میں شمع جلا جانا
مِــن نُــورِ حَبِیبِكَ فَــی بَـصـرِی در سینہ من انوار نبی
موری قبر کو جھل جھل کر دے سخی رحمت کی گھٹا برسا جانا
قَـــد جَـــاَ رَســول مّــن عَــرشِ قربان کنم جاں ہر ممکن
اب رات بھی چمکت جیسے دن ہر شے نے تجھے آقا جانا
فِـی القَبـرِی عَـلـیٰ عَبدِ اُنظُـر ظلمت نرسد تابد مہ وخور
پاپی کو نہ آیا پریت کا گر مشکل کی گھڑی میں آ جانا
اَلـحســرتُ فَـی قلبِی خَلَجَـت یک بار کنم دیدار درت
مورا جیرا دھڑکے رہت رہت گوہر پہ کرم فرما جانا
اَنـــا خَـــزول عَـلـــی الـخَــطـاَیـا فِکن نگاہِ کرم کریما

جُھکاؤں دوارے پہ شیش اپنا یہ سانس اُکھڑے تو زیرِ سایہ
اَنــــا خَـــزول عَـــلـــی الـــخَـــطـــاَیـــا
وَمَــن هَـدَیتَــه فَلَا مُـضِـلّــه کرم بکن بر کسِ بے مایہ
کریں نہ کیوں گرو دھرم پر ہم تجھی نے رستہ ہمیں دکھایا
اَنــــا خَـــزول عَـــلـــی الـــخَـــطـــاَیـــا
اَتُــوبُ رَبّــِي مِــنَ الـمَعــاصِـی بِـهٖ ہرگنہ کن عطا خلاصی
بنی رہے مجھ پہ کرپا تیری کرم کا سر پر ہو میرے سایہ
اَنــــا خَـــزول عَـــلـــی الـــخَـــطـــاَیـــا
حَبِیــبُ رَبّــی لِیَــی الــنِّجَــاةُ بریں عنایت نہ دل بہ قابو
میں ایسی بھکچھا پہ واری جاؤں نبی کے احساں پہ سر جھکایا
اَنــــا خَـــزول عَـــلـــی الـــخَـــطـــاَیـــا
تَــوَفّــنَــا فِــی شُــعــاَعِ صِـدقٍ تو دانی رازِ ظہور و باطن
دَیا کی برکھا مزار پر ہو صلہ محبت کا تجھ سے پایا
اَنــــا خَـــزول عَـــلـــی الـــخَـــطـــاَیـــا
وَسِیــلَتُ الـرحــمةِ الــنّبِــیُ از ارض تا لامکاں ایں خوشبو
پڑوں میں پیّاں میں گوڑ لاگوں نبی کا صدقہ ہی کام آیا
اَنــــا خَـــزول عَـــلـــی الـــخَـــطـــاَیـــا
اَعِــنّــی یَــا اَفـضَـلَ الـعِبــادِ منم طلب گار دل نوازی
ترے ہی اُپکار پر ہے دھیرج تجھی نے اپنا مجھے بنایا
اَنــــا خَـــزول عَـــلـــی الـــخَـــطـــاَیـــا
عَـلَیّــی یَــا مُـصطَفـیٰ تَـرَحّـم تو بحرِ رحمت نبی اکرم
تو اپنے گوہر کی لاج رکھ لے گنوایا سب کچھ، نہ کچھ کمایا
اَنــــا خَـــزول عَـــلـــی الـــخَـــطـــاَیـــا
فگن نگاہِ کرم کریما
اِغـــفِـــر ذَنــوب عَبـدِك جذبہ حق بکن عطا

مانگوں میں ہر سمے چھما بندہ ترا ہے حمد خواں
اِرحَـم لَـنَـا نَبِیّـنَـا فریاد پیشِ خاکِ پا
کرپا نبی رہے سدا ترے کرم سے ہر اماں
اَنـزِل عَـلَیـنَـا رَحمَتـہ یارب طفیل پنجتن
ہر دل میں ڈال دے کرن بگڑی بنا دے مہرباں
اصـلَـح لِـی یَـا مُـحّـمـد دیدۂ تر بہ پیش تو
تو ہی تو ہے جگت گرو بندہ ہے طالبِ اماں
فَـضـلِ مـحـمـد مَـعـی دارم بہ قلب روشنی
سندر ہو میری ہر چھوی سُن لے دعا شہہ شہاں
اَعَتـنِـی نُـور فَـضـلِكَ باشد حیات پُرضِیاَ
پاپی کو چاہئے دَیا مجھ کو بچا لے پاسباں
صَـلِّ عَـلـیٰ مـحـمـد وردکنم بہ ختمِ سِن
آساں ہو ہر ڈگر کٹھن چشمِ کرم ہو جانِ جاں
اَحسـن حِیـا تـنَـا النّبیِ دولتِ دیں بدہ سخی
گوہؔر کو رکھ سدا سُکھی بس اک نظر شہہ جہاں

نوٹ۔ النبی کے یائے ضمہ کا اظہار رعایت قافیہ کے سبب نہیں کیا گیا۔

○○○

منیر احمد (پاکستان)

حرفِ نیاز
بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں

نوادِ نکہتِ گُل کا پیام پیش کروں
گلوں کا حُسن صبا کا خرام پیش کروں
حضور ﷺ نذر گزاروں میں آبگینۂ دِل
کہ ارمغانِ درود و سلام پیش کروں

(عندالکریم ثمر)

ان کی گلی کی آرزو میرا تمام جذبِ شوق
ذکر انہی کا ہے علیم میری تمام گفتگو

اُن ﷺ کے نام۔۔۔جن سے والہانہ محبت حاصِل ایماں قرار پاتی ہے۔جس سے دست بردار ہونا کسی بھی صاحب ایماں کے لیے ممکن نہیں۔

میرے لیے خدا کے بعد سب کچھ انہی ﷺ کی ذات ہے
عشق کی ابتدا حضور ﷺ عشق کی انتہا حضور ﷺ
میرے لیے چراغِ راہ میرے لیے راہِ عمل
آپ ﷺ نے جو کہا حضور ﷺ آپ نے جو کیا حضور ﷺ

حضور کی بارگاہ ناز میں اس امید کے ساتھ کہ نجانے قلم کی کون سی کاوش، زبان کی کون سی لکنت، انکسار کا کون سا بول، دل کی کون سی آہ، آنکھ کا کون سا آنسو، عقیدت کے چہرے کا وضو اور اِرادت کے پھول کی شبنم ثابت ہو جو آپ ﷺ کی بارگاہ ناز میں بار پا جائے۔

میرے تاجور تیری نذر ہیں میرے جذبِ دِل کی یہ شدّتیں
میرے خواب، میری بصارتیں ، میری دھڑکنیں ، میری چاہتیں
میرے روز و شب کے نصیب میں میرے پاس اپنا تو کچھ نہیں
تیرا قرض ہے میری زندگی میرے سانس تیری امانتیں

ع گر قبول افتد۔۔۔۔

بارگاہ محبوب ﷺ میں پیش کرنے کے لیے میرے پاس اشکِ ندامت کے سوا کچھ اور نہیں۔ نہ تو حُسنِ عمل کا زادِراہ ہے اور نہ ہی شایانِ شان گہر ہائے عقیدت یہ گدائے بےنوا شہنشاہِ کونین ﷺ کے دربار میں پیش بھی کیا کرسکتا ہے۔

شاید کوئی آ نکلے خوشبو کی تمنّائیں صحرائے محبت میں کچھ پھول کھلا جاؤں

اے رسول عربی ﷺ! اے میرے محبوب نبی ﷺ!

لبوں پہ اک تبسّم جواب ہو جس کا میری زبان کو للہ عطا ہو ایسا سوال

بارگاہِ بیکس پناہ میں یہ حقیقت عرض کرنے کا اذن عطا ہو جس سے آپ بخوبی آشنا ہیں کہ آنسو بیانِ غم دل اور متاعِ تسکین جاں ہوا کرتے ہیں۔ آنسو محبت کے سفیر ہوتے ہیں اور محبت ہی وہ امرت ہے جو جذبے کو اظہار کا خوبصورت پیرہن عطا کرتی ہے۔ آنسو محبوب کی یاد کے کس قدر قریب ہوتے ہیں یہ کوئی دلِ عشاق سے پوچھے۔ عقیدت کی شبنم آپ ﷺ کے حضور کیوں گوہر نواز ہونے لگتی ہے۔ یہ کوئی روح میں اترے ہوئے ہجر کے تیکھے کانٹے کی چُبھن سے ادراک کرے آپ کے حُسن تصور کے آبگینوں سے باوضو ہو کر پلکیں کیوں پائے اقدس کے بوسے لینے لگتی ہیں۔ آپ کی یاد کے آنے سے آنکھوں کے جھرنے کیوں بہ نکلتے ہیں۔ آپ کے ذکرِ جمیل کی خوشبو سے آنکھیں کیوں بےاختیار چھلک اُٹھتی ہیں؟ آپ کا اسمِ گرامی لب پہ آتے ہی تمام جسم کا پانی نتھر کر دید کی پیاسی آنکھ سے کیوں رم جھم برسنے لگتا ہے۔ میرے فکر کی نارسائی یہاں تک ہے کہ آپ کی محبت کے اِس منہ زور سوتے کی متحمل صرف اور صرف مشتاق دید آنکھ ہی ہوسکتی ہے۔ آنسو جس کی صدف کے موتی ہوتے ہیں۔ اِن آنسوؤں میں وہ انبساط اور جلن میں وہ ٹھنڈک ہوتی ہے کہ اک کیف سرمدی سا محسوس ہوتا ہے۔ جسے لفظوں میں بیان کرنا ممکن ہی نہیں۔ یہ آنسو تشکر و امتنان کا اظہار بھی ہوتے ہیں اور تحدیثِ نعمت کا اقرار بھی۔

غمِ فراقِ نبی میں جو اشک بہتے ہیں اُن آنسوؤں کو متاعِ حیات کہتے ہیں
نہ پوچھ ٹوٹے ہوئے دل کی آبرو کیا ہے سُنا یہ ہے کہ وہ ﷺ ٹوٹے دلوں میں رہتے ہیں

پس محبت کے ان آنسوؤں کے ساتھ۔۔۔۔۔اُن قدموں میں جن کا نام نامی آتے ہی آنکھیں عقیدت و اِرادت کے آنسوؤں سے وضو کرنے لگتی ہیں اور دیر تلک عشق و محبت کے ستارے پلکوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر دامن میں نور بھرتے رہتے ہیں۔

یہ قلب و جگر یہ فکر ونظر کیا میں ان کی نذر کروں
پاس میرے اشکوں کے علاوہ اور کوئی سوغات نہیں

اگر چہ میرے دامن میں عقیدت کے وہ پھول اور آنکھوں میں اِرادت کے وہ ستارے نہیں جو سید الکونین ﷺ کی شان کے شایاں ہوں۔پھر بھی۔

تیری رحمت سے اِلٰہی پاس یہ رنگِ قبول پھول کچھ میں نے چنے ہیں اُن کے دامن کیلئے

باعثِ صد رشک ہے وہ دل۔۔۔۔۔جو حبیب کبریا ﷺ کی یاد میں دھڑکتا ہو۔۔۔۔ باعثِ صد آفریں ہے وہ زباں۔۔۔۔۔جس کے لیے حضور ﷺ کا اسمِ گرامی درود کی حیثیت رکھتا ہو۔۔۔۔وجہِ صد افتخار ہے وہ دماغ۔۔۔۔جس میں خوشبوئے فکرِ محمد بسی ہوئی ہو اور عرش مقام ہے وہ قلم۔۔۔۔۔جو سینہ قرطاس پہ مدحتِ رسول ﷺ کے موتی بکھیرتا ہو۔

میرے لفظوں میں خوشبو بسی آپ کی ﷺ آپ ﷺ سے میرے شعروں کی وابستگی
آپ ﷺ ہیں میرے احساس کی تازگی میرے افکار کی روشنی آپ ہیں
آپ ﷺ کی یاد سے دل کو راحت ملے آپ ﷺ کے ذکر سے دل کا غنچہ کھلے
آپ کا نام ہے جن کے وِردِ زباں اُن کا سرمایۂ زندگی آپ ﷺ ہیں

دِلِ عالم کے دل نواز ﷺ!

آپ ﷺ کا اسمِ گرامی لب پہ آتے ہی آپ ﷺ کی نظرِ کرم کے طفیل ہے۔آپ ﷺ کا ذکر اور دامنِ رحمت کی طرف کھچاؤ جہاں آپ ﷺ کی ذرہ نوازی ہے وہاں اک ایسا احساں بھی ہے جس کے مقابلے میں دنیا و آخرت کی تمام نعمتیں ہیچ ہیں۔۔۔۔

جب کوئی کسی کو یاد کرتا ہے، یاد رکھتا ہے، دل میں سجاتا ہے، نگاہوں میں بساتا ہے، روح میں سموتا ہے۔ جان میں گھلاتا ہے تو اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے۔کوئی سبب ہوتا ہے۔کوئی نسبت ہوتی ہے۔کوئی تعلق ہوتا ہے۔بات تعلق کی ہے۔لطف وعطا کی بارش اس کے بغیر نہیں ہوتی۔

ذکر ان ﷺ کا ادا ہو بھی نہ پایا ہے زباں سے دل میں یہ اُجالے اتر آتے ہیں کہاں سے
کرنیں سی چٹک جائیں اسی حجرہ دل میں تم اُن کو پکارو تو حضورِ دل و جاں سے

میرے دیدۂ دل کے مکیں!

کیوں کہتی ہے دنیا کہ مدینے کے مکیں آپ ﷺ
جھانکا ہے جو دل میں تو ہیں موجود یہیں آپ ﷺ
توصیف ہو مقصود تو الفاظ نہیں ہیں
کونین کی ہر شے سے جمیل آپ ﷺ حسیں آپ ﷺ
ہر علم ہو آپ ﷺ کے پر تو سے منوّر
اُمّی کہوں کیسے کہ ہیں قرآن مبیں آپ ﷺ

اگرچہ آپ ﷺ میرے دل میں بستے ہیں۔ پھر بھی یہ آرزو ہے کہ اس کی دھڑکنوں میں امنڈتے ہوئے جذب وشوق کے طوفانوں کا رخ آپ ﷺ کے مہر و وفا کے ساحل کی طرف موڑ دوں، اپنے قلب کی پہنائیوں میں تڑپتی ہوئی اُمنگوں کو عقیدت کی راہ دکھا دوں، پیاسی نظروں میں آپ ﷺ کی دید کے سلگتے ہوئے ارمانوں کو محبت کی زباں دے دوں۔ تمنّا ہے کہ اپنے جذب دروں کے سارے درد کو آپ کی مئے الفت کی ایاغ میں اُنڈیل دوں۔

گرے تھے ہجر میں موتی جو میری آنکھوں سے　　وہی تو تحفتاً دینے میں آج لایا ہوں

میرے سرورِ دنیا و دیں ﷺ!

دور رہ کر بھی ہے ہر سانس میں خوشبو تیری ﷺ　　میں مہک جاؤں جو تو پاس بلا لے مجھ کو

آپ ﷺ کے آستانِ کرم سے دور بہت دور آپ ﷺ کا اک عصیاں شعار عجمی اپنے جذبوں کی ترجمانی کے شعور کا تمنّائی ہے۔ آپ ﷺ کی الفت کے عطر میں بسی جذبِ دل کی یہ آرزو عرض پرواز ہے کہ اپنی توصیف وثنا میں میرے راہوار قلم کو الفاظ اس سلیقے سے پرونے کا ہنر عطا کیجئے کہ جیسے وفا کی نذر لیے اشکبار آنکھوں میں آپ کے دیوانے آپ کے در پہ بے قرار کھڑے ہوں اظہار محبت ہو تو اس طرح کہ چاہت کی روح کھچ کر الفاظ کے سینے میں سما جائے، ان میں اثر ہو تو ایسا کہ پئے نذرِ عقیدت ارادت کے یہ موتی آپ کی بارگاہ میں بار پا جائیں۔

وہ لکھیں حرف کہ روحوں میں اتر آئے گداز　　سطریں خود بول اُٹھیں ایسی کتابت کی جائے
اُنگلیاں لمس پڑھیں حرف تراشیں سانسیں　　اس طرح درسِ تمنا کی ریاضت کی جائے

بارِ الٰہا!

روح سورج کی طرح جسم اجالے کی مثال　　کیسے الفاظ میں ڈھالوں وہ تصویرِ جمال
ذکر اس نورِ مجسم ﷺ کا ہے کرنا مقصود　　مالکِ لوح و قلم تو میرے لفظوں کو اُجال

بارگاہ محبوب ﷺ میں عقیدت کا خراج پیش کرنا سہل نہیں۔ یہ وہ بارگاہ جلالت مآب ہے جہاں جنید رحمۃ اللہ علیہ و بایزید رحمۃ اللہ علیہ بھی دست بستہ دم سادھے نظر آتے ہیں۔

باب جبریل کے پہلو میں ذرا دھیرے سے — فخر کہتے ہوئے جبریل کو یوں پایا گیا
فخر کہتے ہوئے جبریل کو یوں پایا گیا — اونچی آواز ہوئی عمر کا سرمایہ گیا
اپنی پلکوں سے درِ یار ﷺ پہ دستک دینا — اونچی آواز ہوئی عمر کا سرمایہ گیا

میرے نبی محترم ﷺ!

آپ کے بارے میں ایک لفظ بھی لکھنا تو کجا، سوچنا بھی میرے فہم و ادراک سے بالا ہے۔ قلم ہے کہ سطوت رسالت ﷺ سے کانپ کانپ جاتا ہے۔ دامنِ قرطاس ہے کہ ندامت کے آنسوؤں سے بھیگ بھیگ جاتا ہے۔ مشک و عنبر میں بسی اور عطر و گلاب سے دھلی زبان ہے کہ آداب شہنشاہی کے سبب لڑکھڑا لڑکھڑا جاتی ہے۔ سوچیں ہیں کہ وفور شوق میں سو سو بار طہارت کا وضو کرتی نظر آتی ہیں۔ لفظ ہیں کہ بار بار بارگاہ اقدس کے طواف کے لیے پاکیزگی کا احرام باندھتے دکھائی دیتے ہیں۔ مگر پھر بھی بارگاہ جمال میں اظہار ارادت کے لیے قرطاس و قلم کا رشتہ ہے کہ پاسِ ادب کے سبب بار ہا ٹوٹ ٹوٹ جاتا ہے۔۔۔۔

پس میں اپنے جھلملاتے ہوئے آنسوؤں کا خراج، اپنے کپکپاتے ہوئے ہونٹوں کا سکوت، اپنی لڑکھڑاتی ہوئی زبان کا عجز اور اپنے لرزتے ہوئے قلم کا نیاز آپ ﷺ کی بارگاہ ناز میں اس آرزو کے ساتھ پیش کرتا ہوں۔

وشاہا ﷺ نیازِ و عجز گدایاں قبول ہو — آقا ﷺ سلام حلقۂ بگوشاں قبول ہو
الفاظ ساتھ چھوڑ گئے گنگ ہو گئے — بے ربطی نوائے پریشاں قبول ہو
ساری دعائیں سیلِ تجلی میں بہ گئیں — لرزاں اک اشک ہے سرِ مژگاں قبول ہو

میرے امام المرسلین ﷺ!

آپ ﷺ ایسے محبوب سے اظہار محبت کی تمنا کو چند حرفوں کا ادھورا سا پیراہن پہنا کر چاہنے کے باوجود شاخِ نطق پہ آپ کی عقیدت کا ایک پھول بھی نہ کھلا سکا۔

مرا عقیدہ ہے توفیق ایزدی کے بغیر — رواں ثنائے نبی میں قلم نہیں ہوتا

پھر کم و بیش دس سال بعد۔۔۔ اپنی لو دیتی ہوئی عطر بیز یادوں کی چاندنی میں میری ارادت کے گنگ جذبوں، بے بصر لفظوں اور بانجھ سوچوں کے اظہار کی نارسائی کو محبت کی زباں عطا کرنا

آپ ﷺ کی نظرِ کرم اور بخشش و عطا کا ایک زندہ اعجاز ہے۔ دراصل جب تک لفظ احرام باندھ کر نہ نکلے اور خیال باوضو نہ ہو تو ذہن حضور ﷺ، آپ ﷺ کے بارے میں کچھ سوچ ہی نہیں سکتا۔ قلم حسنِ نگارش اور زباں متاعِ سخن سے محروم رہتی ہے مگر جب بارگاہ محبوب ﷺ سے مسافتوں کی دوریاں سمٹتی ہیں۔ لطف و احساں کے موتی لٹتے ہیں، علم و عرفاں کے پھولوں کے دامن بھرتا ہے تو جذبے ریشم ریشم ہو جاتے ہیں، لفظوں میں چاند اتر آتے ہیں۔ قلم محبت کا صحیفہ لکھتا ہے۔ زبان حُسنِ ادا کا کمخواب بنتی ہے۔ تب سینہ قرطاس پہ بکھرے ہوئے حروف نظر کا جمال بنتے ہیں۔ سانسوں میں عقیدت کے آبگینے پھوٹے ہیں اور دل کی ہر دھڑکن حرفِ سپاس بن جاتی ہے۔

وہ نظر کیا تھی کہ مٹی بھی گہر ہوتی گئی
راکھ جیسی شام مانند سحر ہوتی گئی
میرے لفظوں کے دیئے اسم محمد ﷺ سے جلے
میری سوچوں پہ عنایت کی نظر ہوتی گئی

میرے قبلۂ جاں ﷺ!

آپ ﷺ کی عطا کے انداز نرالے ہیں۔ آپ ﷺ اپنی رحمتِ بیکراں سے سب کو نوازتے رہتے ہیں۔ کسی پہ چشمِ عنایت قرطاس و قلم کے حوالے سے، کسی پہ فیضانِ نظر قلب پہ القا کی صورت، کسی پہ لطف و عطا سوچ سے ماورا جمالِ فکر کے انمول موتی کے ذریعے نکہت گل سے مہکتی ہوئی رات کے ریشمی دھندلکوں میں کہیں خوابوں میں آ کر، کہیں روح میں سما کر لذت آشنائی کے سبب دل کو دو عالم سے یوں بیگانہ کرتے ہیں کہ انسان خود ہی اپنے آپ سے ہم کلام رہنے لگتا ہے۔ وہ خود سے گویا ہوتا ہے۔ کوئی اس سے گویا ہوتا ہے۔ یہ سب وقت و زمانہ کی ضروریات کے تحت ہوتا ہے۔ بارگاہِ قدس ﷺ سے صحیح بخاری لکھنے کے لیے کسی پہ نظرِ انتخاب پڑتی ہے تو وہ بھی عالمِ خواب میں، کسی سیرت نگار کی سوچ کے ماتھے کا جھومر بنتے ہیں تو وہ بھی اس کی عالم پیری میں جس پر سیرت النبی (شبلی نعمانی) کے گلہائے رنگا رنگ کا ایک خوبصورت گل دستہ عالمِ وجود میں آتا ہے۔ جس کی مہک شام دو عالم کو رہتی دنیا تک معطر کرتی رہے گی۔

ہر چہرہ چاند سا لگتا ہے ہر آنکھ کنول ہو جاتی ہے
جب سوچ پہ وہ آ جاتے ہیں ہر بات غزل ہو جاتی ہے

محبوب ﷺ کی سراپا نگاری ہو، یا سیرت نگاری، اصل بات تو عشق رسول ﷺ کے منزہ جذبوں کا اظہار ہے۔ یہ الفاظ و اشعار مقصودِ کائنات ﷺ کے چاہنے والوں میں اپنا نام لکھانے کی قلبی تمنا کا وسیلۂ اظہار ہوتے ہیں۔ عشق رسول ﷺ سرمایہ ہستی ہے اور آخرت کا زادِ راہ بھی۔

پس جس لفظ، لمحے یا انسان نے اس مئے نایاب کا گھونٹ پی لیا، وہ امر ہو گیا۔ حضور ﷺ کی مدح و ثنا متاعِ نگارش اور معراجِ ہنر ہے۔ اس کے سبب سب سے بڑی شادمانی اور کامرانی جو نصیب ہوتی ہے۔ وہ محبوب کے دامنِ پاک ﷺ سے نسبتِ عقیدت ہے۔ جسے یہ دولت مِل گئی اُسے اور کیا چاہئے۔

جو سرور و کیف ملتا ہے تیرے ﷺ افکار سے — وہ کسی مئے میں نہ ساغر میں نہ میخانوں میں ہے
کون چھینے گا تجھے ﷺ میرے بدن کی روح سے — تو تو میرے گوشۂ دل کے نہاں خانوں میں ہے
میری رگ رگ میں سمایا تیری ﷺ شفقت کا سرور — تو میرے شعروں میں پنہاں میرے افسانوں میں ہے

میرے حضور ﷺ !

طشتِ دل پہ سجے عقیدت کے ان پھولوں کے ساتھ کانپتے ہونٹوں دم بخود سانسوں اور ملتجی نظروں کے ساتھ آپ ﷺ کی بارگاہِ بیکس پناہ میں باریابی کا متمنی ہوں۔ میری نگاہِ شرمسار میں ندامت کے آنسو بھی ہیں اور آپ ﷺ کی ذات اقدس سے وابستگی کا بے پایاں جذبہ بھی۔

صاحبِ لوح و قلم !

آپ ﷺ کی دیدہ وری پہ عیاں ہے کہ محبت کے راہی کا زادِ راہ فقط آنسو ہی ہوتے ہیں۔ محبت حق طلب ہو یا مجاز آشنا بہر صورت آنسوؤں ہی سے عبارت ہوتی ہے۔ آنسو محبت کے سفیر ہوتے ہیں۔ ہجر کی راتوں کے امین ہوتے ہیں۔ جو برسوں کی جدائی کو پل بھر میں پلکوں کی زباں سے بیاں کر دیتے ہیں۔ اشکبار آنکھوں سے ٹوٹ نے والے اِن گرم گرم آنسوؤں کا گداز آپ پہ عیاں ہے۔ اپنے گنبدِ آبگینہ رنگ پہ نچھاور ہونے والے اِرادت کے آنسوؤں کی زبان آپ بخوبی سمجھتے ہیں۔ اپنے ہجر میں سلگتے ہوئے دلوں کے رباب سے نکلے ہوئے مدھر نغموں کی حلاوت سے آپ بخوبی آشنا ہیں۔ اپنے فراق کے مضراب سے مرتعش دل کے تاروں کے گیت آپ کے لیے نیابت وانگبیں کی سی مٹھاس رکھتا ہے۔

فخرِ عرب و عجم ﷺ !

مجھ سا عصیاں شعار بھی ٹوٹے ہوئے دل اور بہتے ہوئے آنسوؤں کے سوا آپ ﷺ کے حضور اور کیا پیش کر سکتا ہے۔ ندامت کے یہ آنسو آپ ﷺ ہی کا تو عطیہ ہیں۔ آپ ﷺ ہی کی محبت کا اعجاز ہیں اور یہ صرف اور صرف ان خطا کاروں کا ہی نصیب ہیں۔ آپ ﷺ کی آغوش رحمت نے جن کی زینت بننا ہے۔ آپ کے لب گوہر بار کے سحر آفریں الفاظ (الطالع لی

الصالح اللّٰہ۔ گنہگار میرے لیے اور نیکوکار اللہ کے لیے ہے) کا آسرا نہ ہوتا تو کبھی بھی آپ ﷺ کی بارگاہِ ناز میں باریابی کی جرآت بھی نہ کر پاتا۔ جہاں پہ جنید رحمۃ اللہ علیہ و بایزید رحمۃ اللہ علیہ کا زہد واتقیٰ گوہرِ شبنم کی طرح آب دیدہ اور شوکتِ سنجر و سلیم قبائے گل کی طرح دریدہ نظر آتی ہے۔

شرم سے جو نہیں اٹھتی وہ نظر لایا ہوں اپنی بہکی ہوئی شاموں کی سحر لایا ہوں
اپنی آنکھوں کے تیرے ﷺ در پہ گہر رکھتا ہوں صرف اک نظرِ عنایت تیرے ﷺ پاؤں پہ سر رکھتا ہوں
دلبر دل براں ﷺ!

اگر اذن عطا ہو تو آنسوؤں کے حوالے سے آپ ﷺ کے صحیفۂ عشق کے اک حسیں باب کا ورق الٹ دوں، اجازت ہو تو آپ کی شاخِ عقیدت پہ مدحت کا اک اور پھول کھلا دوں۔ اگر طبع نازک پہ گراں نہ گزرے تو محبت آشنا پلکوں پہ سوز و گداز کا اک اور چراغ جلا دوں۔

نہ بار گر گوشِ مقدس پہ ہو یہ قصہ غم تو آپ کا اک نام لیوا

عطاالحق قاسمی آپ کی بارگاہ میں باریابی کے حسن کو عقیدت کے دھنک رنگوں میں الفاظ کا پیراہن پہناتا ہے کہ میں ۱۹۸۷ میں ایک روز نماز عصر کے بعد حضور ﷺ کے روضے کے سامنے کھڑا تھا اور میرے آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ مجھے بچوں کی طرح بلکتے دیکھ کر ایک عرب نے پوچھا، تم یہاں آ کر اتنا روتے کیوں ہو؟ اس پر مجھے اپنے ایک دوست کی بات یاد آ گئی جو اس نے اس قسم کے سوال کے جواب میں کہی تھی۔ اس نے سوال کرنے والے سے کہا تھا۔۔۔ ''کہ میں گزشتہ چودہ سو برس پہ محیط اس طویل عرصے میں اپنے خاندان کا واحد فرد ہوں جو یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہوا ہوں۔ اب میں اپنے آنسوؤں کو کیسے کہوں کہ تم تھم جاؤ۔''

''اوج کا نعت نمبر مجھے پھر حضور ﷺ کے پاس لے گیا۔ اس دفعہ میرے ساتھ حضور ﷺ کے روضے کی جالی کے ساتھ لگ کر رونے والوں میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضور کے دل کا چین سیدا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، آنکھوں کا نور سیدا فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضور کے وہ ﷺ تمام ثنا خواں جمع ہیں جو اس نعت نمبر میں موجود ہیں۔ جگر گوشۂ رسول ﷺ سیدا فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی پلکوں پہ سجے آنسوؤں کے جھرکے سے کہہ رہی ہیں۔۔۔ ''جس نے صرف ایک بار خاکِ پائے مصطفیٰ ﷺ سے اپنے مشامِ جاں کو معطر کر لیا تعجب کیا ہے اگر وہ ساری عمر کسی اور خوشبو کا محتاج نہ رہے۔۔۔ شیرِ خدا اپنے لبِ گوہر

بار سے فرماتے ہیں۔ آقا ﷺ کو کفن دینے اور محبوب ﷺ کو لحد میں اتارنے کے بعد آنکھ سے اوجھل ہونے لیکن دل میں بسنے والے کے غم میں غمگین ہوں جو پھولوں کے سے گداز کی حامل آغوشِ لحد میں جا بسا۔۔۔۔۔ ہر نماز کے وقت عشاق کے دلوں میں سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ رقت کا طوفان برپا کر دیتے ہیں۔ جب وہ اپنے محبوب ﷺ کا نام لے کر پکارتے ہیں تو سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز آتی ہے۔۔۔۔

''تو اے میری آنکھ آنسو بہا اور نہ تھک اپنے آقائے دو جہاں ﷺ کی یاد میں آنسو بہانا تو لازم ہو چکا۔۔۔''

میرا جی چاہتا ہے کہ جس عرب نے مجھ سے پوچھا تھا کہ۔۔۔ حضور ﷺ کے روضے پہ تمھارے آنسو کیوں نہیں تھمتے؟'' میں اس سے پوچھوں کہ حضور ﷺ کے وصال سے آج تک آنسوؤں کا یہ قافلہ کبھی رکا ہے جو آج رک جائیگا۔۔۔ یہ آنسو تو ہم سیاہ کاروں کی زندگی کا سرمایہ ہیں۔ اگر ہم رونے کی دولت سے محروم ہو گئے تو ہمارے افلاس پہ آنے والے زمانے روئیں گے۔''

ہے عشقِ شہِ دیں ﷺ تو سنور جائیں گے ہم لوگ | یہ غم نہ ہو سینوں میں تو مر جائیں گے ہم لوگ
چلتے رہیں نقشِ قدم سرورِ دیں ﷺ پر | ذروں کی طرح ورنہ بکھر جائیں گے ہم لوگ
سرکار ﷺ دو عالم کی محبت ہے جو دل میں | اس زینے سے ہر دل میں اتر جائیں گے ہم لوگ

شاہ خوبانِ جہاں ﷺ!

اپنے محبوب کی مدح و ثنا کس محبّ کے دل کی دھڑکن اور آنکھ کی جنّت نہیں اور پھر ایسی محبت جس کا تعلق ایسے آپ ایسے ذیشان محبوب ﷺ کے جمالِ جہاں آرا سے ہو وہ راحتِ جاں بھی ہے اور تخلیق کا ساماں بھی۔

اے عشرت فرما نہ میرا انتظار کر | میں اب ہوں بارگاہ رسالت ﷺ میں باریاب
تاباں ہو کیوں نہ میرے خیالوں کی انجمن | عشقِ نبی ﷺ کا دل میں درخشاں ہے آفتاب
آئی ہوا جو زلف نبی ﷺ چومتی ہوئی | خوشبو بکھیر دی ہے زمانے میں بے حساب

حضور ﷺ کے حسن سراپا میں گم قدسی مقال اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی محبت بھری زباں یوں لب کشا ہوتی ہے۔

''جو دنیا بھر کے خوش جمالوں سے خوشتہ و زیبا تر و محبوب تر ہے۔۔۔۔

دل جس کے عشق سے توانا اور خاک ہم دوشِ ثریا ہو جاتی ہے۔۔۔
وہ دلوں کا مکیں اور ہماری آبرو جس کی نسبتِ گرامی سے۔۔۔
جلوۂ طور جس کے در کا موجِ غبار۔۔۔۔
وہ شبستانِ حرا کا تنہا مسافر!۔۔۔۔
قوم و آئین حکومت کی طرح ڈالنے والا۔۔۔۔
جس کی تلوار جنگ میں لوہا پگھلاتی اور آنکھ نماز میں نم ہو جاتی تھی۔۔۔۔
جو نسخہ کونین کا دیباچہ۔۔۔۔۔
ایسا آقا تمام عالم غلام جس کا۔۔۔۔۔
وہ نگاہِ عشق و مستی میں اوّل بھی آخر بھی۔۔۔۔۔
جو قرآن بھی فرقان بھی۔۔۔۔۔
اور یٰسین و طٰہ کے سجیلے نام جس کے۔۔۔۔۔
جو الکتاب بھی اور آیہ کائنات کا معنی دیر یاب بھی۔۔۔۔
ایسے میں محبت میں ڈوبی ہوئی نگاہ بے ساختہ پکار اٹھتی ہے۔

سرکار ﷺ دوعالم کی ہو شان بیاں کیسے ۔۔۔ دنیا کی لغت میں ہیں الفاظ کہاں ایسے
محبوب ﷺ خدا جب سے محبوبِ نظر ٹھہرے ۔۔۔ نغمات درود ابھریں دن رات رگ و پے سے
امّی و ابی قرباں قربا ں دل و جاں بھی ۔۔۔ محبوب خدا ﷺ مجھ کو محبوب ہیں ہر شئے سے

سرورِ سروراں ﷺ!

کسی بھی صاحب ایماں کے لیے اس سے بڑا اعزاز اور کوئی نہیں کہ اسے غلامان مصطفیٰ ﷺ اور ثنا خوان محمد ﷺ میں شامل کر لیا جائے۔

ان ﷺ کے در سے مجھے مل جائے غلامی کی سند ۔۔۔ میرے معبود کوئی لفظ میں ایسا لکھوں
سایہ گستر نہ ہو گر صورتِ واللیل وہ زلف ۔۔۔ ساری دنیا کو میں تپتا ہوا صحرا لکھوں
ہر نفس تازہ تغیر کا ہدف ہے دنیا ۔۔۔ جز تیرے دہر میں آقا ﷺ کسے اپنا لکھوں

یہ آرزو میرے دل کی معراج بنی کہ کاروانِ عشق و سرمستی کے سالار سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر آپ ﷺ کے مدحت نگاروں میں کفش بردار اور بازار مصر میں یوسف کے خریداروں میں بنت نیل کی حیثیت سے شامل کر لیں تو یہ احساں میرے جرم و خطا کے لیے بخشش و

عطا اور مجھ بے کس و بے نوا کے لیے وجہ صد افتخار و ناز ہوگا۔

میں کہاں اپنے محبوب ﷺ کی توصیف کہاں عرض کچھ کرتا ہوں رحمت کے بہانے کے لیے

تاجدار شہاں ﷺ!

دعائے خلیل و نوید مسیحا علیہما السلام سے لیکر اس آخری حرف تک جو آپ ﷺ کی مدح و ثنا میں کہا گیا سرمایہ۔۔۔اظہار عجز کی وہ دولت اور محبت و عقیدت کا وہ خراج ہے جو آپ کے نام لیواؤں کی طرف سے بارگاہ جمال میں پیش کیا گیا" **لَولَاكَ لَمَا** " کا تاج وہ تاج ہے جو احسن الخالقین کی طرف سے آپ کے سر اقدس کی زینت بنا۔۔۔" **وَرَفَعنَا لَكَ ذِكرَك** "۔۔۔وہ سہرا ہے جو شبِ اسریٰ کے دولہا ﷺ۔۔۔آپ کے زیب و گلو ہوا

تو وہ گل دستہ قدرت ہے رسول عربی ﷺ کم ہے تجھ پر سے اگر جان چمن کو واروں

فرق عالی پہ میں صدقے کروں سر کو اپنے پائے اقدس پہ ترے ﷺ اپنے میں تن کو واروں

تیری ﷺ توصیف کی راہ میں اے جان جہاں ﷺ ہے سزاوار جو میں روح سخن کو واروں

حامی بیکساں ﷺ

ریاضِ رسول ﷺ میں کتنے بلبل چہک رہے ہیں، ان کا شمار حد ادراک میں نہیں آتا۔۔۔آپ کی عقیدت کی انگوٹھی میں سیدنا حسان بن ثابت، کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم، رومی و جامی، عرفی و خاقانی، سعدی و سنائی، قدسی و بوصیری، حالی و مینائی، امام اعظم و فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہم، بیدم وارثی و ظفر علی خاں، نعیم صدیقی و حفیظ تائب، محسن کاکوروی و عبدالعزیز خالد، عارف عبدالمتین و مظفر وارثی، اقبال، آفتاب نقوی، حافظ لدھیانوی و ریاض مجید، اعظم چشتی و محمد علی ظہوری، انور جمال و عاصی کرنالی، حافظ مظہر الدین و لالہ صحرائی ایسے ان گنت نگینے ہیں جن کی جگمگاہٹ سے ایوان نعت میں فکر و نظر کی روشنی ہے۔ ہجر محبوب ﷺ میں بے چین دلوں کا چین ہے۔ سوز فراق میں سلگتی ہوئی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ کئی رت جگوں کا سرور اور بے خواب راتوں کا نور ہے۔ آرزوئے وصال میں جلتے ہوئے لمحوں کا سوز اور تڑپتی ہوئی تمناؤں کا گداز ہے۔۔۔عجز اظہار کا یہ سرمایہ کہکشاں رنگ رہے گا جب تک کہ سورج دامنِ شب سے طلوع ہوتا رہے گا۔ جب تک کہ چمن میں بہاریں آتی رہیں گی جب تک کہ شبنم پھولوں کا منہ دھلاتی رہے گی۔

میرے محبوب ﷺ میں سیکڑوں سال تک اپنی گفتار سے اپنے افعال تک

نثر لکھتا رہوں شعر بنتا رہوں تمہارے ﷺ لیے پھول چنتا رہوں

ہم حسن و جمال بے نہایت داری ہم جود و کرم بحد غایت داری
ہم حسن تیرا ﷺ مسلم و ہم احساں محبوب ﷺ توئی کہ ہر دو آیت داری

میرے شہر یار محبت ﷺ ! آپ ﷺ حسن و زیبائی اور نکہت و رعنائی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔۔۔۔

☆ بخشش وعطا اور لطف وعنایت میں بھی بزم کونین میں کوئی آپ ﷺ کا ہم پایہ نہیں۔

☆ حسن واحساں دونوں انداز محبوب آپ ﷺ کی ذات اقدس ﷺ کا زیور ہیں۔

میرے محبوب کائنات ﷺ !

☆ اسی لیے تو آپ ﷺ ہی میرے محبوب ﷺ ہیں کیوں کہ حُسن و جمال اور لطف وعطا کی دونوں صفات سے آپ ﷺ متصف ہیں۔

یزداں نے مسکرا کے بڑی دیر میں لکھا اک لفظ آرزو میرے دل کی کتاب میں
محبوب ﷺ تیرے حُسن سے غنچوں کی آبرو خوشبو ترے ﷺ بدن کی بسی ہے گلاب میں

کوئی محبوبِ نظر ہے نہ محبت کی مراد بستیاں پیار کی تم ﷺ ہی سے بسی ہیں سرکار ﷺ

میرے محبوب ﷺ انس وجاں !۔۔۔۔

انسان جس ہستی سے محبت کرتا ہے اس کی ذات کے چمن سے وہ نہ صرف فکر ونظر کے پھول چنتا ہے۔ بلکہ اس کے وجود سے سوز و گداز کی کلیاں بھی جن سے وہ اپنے دل کا چراغ روشن رکھتا ہے۔ جن سے وہ تنہائیوں میں بھی انجمن آرا رہتا ہے۔

میرے حضور ﷺ !۔۔۔۔

میں بھی تو محتاج کرم آپ ﷺ ہی کا اک گنہگار امتی ہوں۔ مجھے بھی تو آپ ﷺ کی ذاتِ قدسی سے نسبت وعقیدت ہے۔ میرے نامۂ اعمال کی سیاہوں سے قطع نظر حسنین کریمین علیہ التحیۃ و السلام کے صدقے مجھے اپنی کملی کے سایے میں لے لیجیے۔ لِلّٰہ مجھے اپنے قدموں میں جگہ دے دیجئے۔

میرے آقائے دو جہاں ﷺ !

آپ کی الفت کے اسیر۔۔۔۔خوجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں:

''میں نے اپنے گھر میں بھی ایک پل بھی قرار نہیں پایا۔ آپ کے ہجر والم میں میری ساری عمر گزر گئی۔ آپ کا فراق واضطراب
مجھے دردر لیے پھرتا ہے۔۔۔۔''

اے خالقِ ہجر و وصال!
''تجھے زلف ﷺ واللیل کی قسم! کوئی ایسا وسیلہ بنا کہ میری باقی عمر تیرے محبوب ﷺ کے دراقدس پہ ان ﷺ قدموں میں گزر جائے۔'' ؎

میرے آقا ﷺ اپنے دل کا حال میں کس سے کہوں
چپ رہوں لیکن کہاں تک اور کیسے چپ رہوں
رات کی نیدیں میسر ہیں نہ اب دل کو سکوں
اور ہوتا جا رہا ہے دردِ مہجوری فزوں
صبر کا دامن چھٹا جاتا ہے ہاتھوں سے میرے
آپ ﷺ خود فرمائیں آخر میں کروں تو کیا کروں
صرف اتنا عرض کرنے کی اجازت ہو عطا
دور رہ کر آپ ﷺ کے قدموں سے میں کیوں کر جیوں

دانائے سبل ﷺ!
تمنائے دید کے اس دشت کی پہنائی میں میری عمر بیت گئی۔ میری زیست کے کم و بیش اٹھارہ سال گزر گئے! اس عرصہ ہجراں میں میں نے راہ کے ہر سنگ ریزے کو پھول کی طرح چوم کر اپنی آنکھوں سے لگایا ہے۔ اپنے دل میں جگہ دی ہے مگر اب تابِ انتظار نہیں۔ ؎

اے نبی ﷺ! اے میرے مولیٰ ﷺ اے رسولِ ہاشمی
میری شہ رگ کا لہو اور میری آنکھوں کی نمی
میری دولت میری عزت میری اولادِ عزیز
میرے ماں باپ اور میری جاں بے قیمت سی چیز
تیرے ﷺ قدموں پہ تیرے نقشِ اقدس پہ نثار
عرض یہ کرتا ہوں اور آنکھیں ہیں میری اشک بار
جاگتے میں اپنے قدموں میں بلا لیں ایک بار

ختم الرسل ﷺ!

آج تک کوئی ایسی ساعت کائنات کا مقدر نہیں بنی جو خوشبوئے اسم محمد ﷺ سے نہ مہک رہی ہو۔ آپ ﷺ کے دیدار کی آرزو کہکشاں رنگ لفظوں میں ایک مانوس خوشبو بن کر اُبھرتی ہے اور مشامِ روح و بدن کو معطر کرتی چلی جاتی ہے۔ حضور ﷺ آپ کے بلاوئے کے باوجود آپ کی بارگاہِ ناز میں مدّتوں باریاب نہ ہو سکنے کے اس سبب۔۔

گل نبی ﷺ سے زباں عرض حال کی خاطر نسیمِ صبح کا لہجہ تلاش کرتی ہے
ملے جو لہجہ کروں کیسے سامنا اُنکا کہ رو سیاہی میری سامنے سے ڈرتی ہے

آپ ﷺ کے دیار صبح بہار کے مطلع انوار میں باریابی کے حوالے سے میں انتہائی کم نصیب گردانا گیا ہوں۔ خویش و اغیار کے طنز کے تیروں کے سایے میں دل کی چبھن کے باوجود اپنی حیات مستعار کی وفا کے سلسلے میں اس گماں سے پہلے ہی ہوش و خرد سے آری ہو جاؤں کہ آپ ﷺ کی شان کریمی پہ کوئی حرف آ سکتا ہے کیونکہ یہ کومل سوچ میرے ایمان وایقان کے فصلِ گل کی بہار ہے۔

نبی کی شان کریمی پہ حرف آتا ہے انہیں پسند نہیں انتظار میں رکھنا
لگاتے رہنا مدینے کے قافلوں کا سراغ اور آنسوؤں کے دیئے راہ گزر میں رکھنا

مولائے کُل ﷺ!

کسی آنکھ نے آج تک کوئی ایسا میزبان نہیں دیکھا جس نے اپنے در پہ بُلائے ہوئے مہمان کو خالی ہاتھ لوٹایا ہو اور میں تو آپ ﷺ کے در کا گدا ہواں جہاں مانگتے تاجدار پھرتے ہیں۔ میں تو آپ کی گلی کا فقیر ہوں جہاں مجھ جیسے انگنت سیاہ کار آپ ﷺ کے جود و سخا پر پل رہے ہیں۔ میرے حضور ﷺ! میں آپ ﷺ کا مہمان ہوں۔ نارسائی میرا نوشتۂ تقدیر نہیں بلکہ آپ کی زیارت بفضل یزدی میرا مقدر ہے۔۔

اس سے پہلے کہ بجھیں میری بصارت کے چراغ ان میں تصویر مدینے کی سجا لی جائے
یہ تو ممکن ہی نہیں رحمتوں والے آقا ہاتھوں تیری چوکھٹ سے سوالی جائے

یارحمۃ اللعالمین ﷺ!

مہر و مہ سے تابندہ تر آپ ﷺ کے رخِ انور پہ بکھری ہوئی زلف واللیل کی قسم! آپ ﷺ کے دربار گہر بار سے آیا ہوا بلاوا میری زندگی کے تپتے ہوئے صحرا میں ہولے سے چلتی ہوئی بادِ نسیم اور زیست کے اجڑے ہوئے دیار میں چپکے سے آتی ہوئی بہار سے زیادہ جاں فزا ہے۔ یہ نہ صرف

بعد از وصال آپ ﷺ کی ابدی سیرت کا تحیر خیز معجزہ ہے بلکہ اللہ کا کرم بھی ۔

کیسے ادا زباں سے ہو شکر کردگار جالی حرم کی اور یہ چشمِ گناہگار
آتا نہیں یقیں کہ میں اور درِ نبی ﷺ میں اور قدم حضور ﷺ کے سوچا نہ تھا کبھی
کٹ جائے میری عمر تیرے ذکرِ پاک میں مل جائے میری خاک مدینے کی خاک میں
یا سید المرسلین ﷺ !

تحدیثِ نعمت کے طور پر بصد عجز و نیاز عرض گداز ہوں کہ یہ امر میرے لیے باعث صد انبساط ہے کہ کروڑوں کی آبادی کے حامل پنجاب میں جوارضِ پاک کا دل ہے لاکھوں نفوس میں سے میرے حضور ﷺ کی چشم التفات مجھ سیاہ کار پہ ہی پڑی ہے اور مجھ گنہگار کے عرقِ انفعال کے قطروں کو نہ صرف افتخار سے نوازا ہے بلکہ آپ ﷺ کی شانِ کریمی نے انہیں موتی سمجھ کے چن لیا ہے ۔

یہ پوچھنا ہے مجھے اپنی فردِ عصیاں سے مجھے یہ اذنِ حضور عطا ہوا کیسے؟

مجھ پہ یہ عنایت ہوئی کیوں کر؟ ۔۔۔ وادی حیرت میں گم میرے عقل و شعور اس کا جواب دینے سے قاصر ہیں ۔۔۔ کیا میں استحقاق رکھتا تھا کہ میں اس سعادت سے نوازا جاؤں؟ ۔۔۔ نہیں، بخدا نہیں ۔۔۔ میں تو اس قابل بھی نہ تھا کہ درِ سرکار ﷺ پہ یاد کیا جاؤں ۔۔۔ نہ جانے میرے حضور ﷺ کو کیسے خیال آ گیا کہ اپنے عصیاں شعار کو اپنے آستانِ کرم پہ بُلا لیا۔ میرے پاس کہنے کو ان لفظوں کے سوا کچھ اور نہیں ۔

دید کے قابل یہ کہاں میری نظر ہے یہ ان ﷺ کا کرم ہے کہ نظر اُن ﷺ کی ادھر ہے

آپ ﷺ کی طرف سے آیا ہوا بُلاوا میرے لیے شہیدی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح باعثِ صد فخر و انبساط ہے۔ حضور ﷺ ! پ ﷺ کی خاکِ پا کی قسم صرف اسی خوشی میں گزارنے کے لیے میری ساری عمر بھی کم ہے ۔

ان کا پیغام طلب ہاں اُن کا پیغام طلب اللہ اللہ ان کا پیغام طلب پہنچا مجھے
کیوں نہ عاصی آج میں خود کو مبارک باد دوں رحمت اللعالمین ﷺ نے یاد فرمایا مجھے
شرم سے چہرہ مرا گل رنگ ہو کر رہ گیا شہر طیبہ کی ہوا نے اس قدر چوما مجھے
میں خش و خاشاک مشتِ خاک مجھ پر یہ کرم یوں پذیرائی ! یہ کب تھا اندازہ مجھے !
میرے شفیع المذنبین ﷺ !

یہ تمنّا میری سوچ کا جھومر ہے کہ میرا انجام کرامت علی شہیدی رحمۃ اللہ علیہ کے دل کی

گہرائیوں سے نکلے ہوئے اس شعر کی زندہ تفسیر ہو۔

تمنّا ہے درختوں پہ ترے روضے کے جا بیٹھے　قفس جس وقت ٹوٹے طائرِ روحِ مقیّد کا

میری حسرت و آرزو ہے کہ مجھ سیاہ کار کا جسم اپنی سیاہ کاریوں اور عصیاں شعاریوں سمیت اپنی نگاہوں سے گنبدِ خضریٰ کی زیارت کرلے تا کہ یہ کہنے کا اعزاز حاصل کر سکے۔

حضور روضۂ اقدس ﷺ پہ کھڑا ہوں　تمنّا ہے نہ اب کوئی طلب ہے

اور پھر بس اس قابل نہ رہے کہ انہی آلودگیوں سمیت بارگاہِ محبوب ﷺ میں باریاب ہو سکے صرف آپ ﷺ کی چشمِ کرم میں آجائے کہ اک گنہگار جو آپ کا امتی تھا اپنی گناہوں پہ منفعل تھا اسی لیے وہ اپنی گنہگار آنکھوں کو ہی گنبدِ خضریٰ پہ نچھاور کر سکا اپنے آلودۂ معصیت جسم کو حدِ کوئے محبوب ﷺ میں نہیں لایا کیوں کہ اسے اس بارگاہ کی عظمت و جلالت کا حددرجہ احساس تھا جو بوسہ گاہ ملائک ہے جس کا درباں جبریل امین علیہ السلام ہے جہاں ہر روز ستر ہزار فرشتوں کی نورانی جماعت حاضر ہو کر درود و سلام کے بے پایاں پھول میرے آقائے کریم ﷺ آپ پہ نچھاور کرتی ہے اور اپنے عنبریں پروں سے روضۂ اقدس پہ غبارِ گل کی افشاں کو اپنے چہرے کا غازہ اور آنکھوں کا سرمہ بناتی ہے جہاں روز و شب انوار و برکات کی بارش ہوتی ہے، جہاں جنید و بایزید رحمۃ اللہ علیہ ہاتھ باندھے گم کردہ نفس نظر آتے ہیں جس کی رفعت کے سبب عرشِ اعظم بھی جھکا رہتا ہے۔

میرے آقائے بے کس نواز ﷺ!

کاسے میں اس بھیک کے ساتھ سائل کی اس صدا کے ساتھ اور عجزِ بیاں کی اس التجا کے ساتھ ریاض حسین چودھری کے مشک بو لہجے میں آپ ﷺ کی بارگاہ اقدس سے نگاہ لطف و کرم اور بخشش و عطا کا طالب ہوں۔

حضور ﷺ حاضر ہے ایک مجرم ﷺ اس کو معاف کردیں　اور اس کے کشکول آرزو کو کرم کے سکوں سے آج بھر دیں

یہ ہجرتوں کے اُگا کے موسم حضور ﷺ لایا ہے کشت غم　یہ ہجرتوں کے اُگا کے موسم حضور ﷺ لایا ہے کشت غم

○○○

پروفیسر محمد عبدالحمید اکبرؔ (گلبرگہ)

اُردو نعتیہ شاعری میں حضرت شائقؔ حیدرآبادی کا مقام

''نعت'' بلاشبہ مشکل صنفِ سخن ہے۔ فارسی کے مشہور شاعر، عرفیؔ نے خوب ہی لکھا ہے:

عُرفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحرا است : آہستہ کہ رہ بردم تیغ است قدم را

''نعت'' دراصل ارشادِ ربانی وَرَفَعنَا لَکَ ذِکرَک کا حاصل ہے۔ علامہ اخترؔ کچھوچھوی نے سچ کہا ہے

صرف اُسی کو ہے ثنائے مصطفیٰ لکھنے کا حق : جس قلم کی روشنائی میں ہو شامل احتیاط

ایک مومن کی شایانِ شان شاعری صداقت و راستی سے مزین ہوتی ہے، فکر و فن کی طہارت سے آراستہ اور عشق و ایمان جیسی دولتِ لازوال سے مالا مال ہوتی ہے۔ چنانچہ یہی شاعری روح مذہب سے آشنا، اسلام کے مزاج سے ہم آہنگ اور بارگاہِ الٰہی میں مقبول و محبوب ہوتی ہے۔ یہی وہ شاعری ہے جس کے ذریعے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو سرکارِ ابد قرار ﷺ کی حضوری میں منبر پر کھڑے ہو کر اشعار سنانے کی عزت و سعادت حاصل ہوئی۔ اور حضور ختمی مرتبت ﷺ کی زبانِ فیض ترجمان سے " اللھم اید ہ بروح القدس " جیسی پاکیزہ اور حیات آفریں دُعا ملی۔ اِس نعتیہ اور تقدیسی شاعری کی ایک طویل تاریخ ہے، جو اپنے اوراق میں، مولانا جلال الدین رومی، امام شرف الدین بوصیری، شیخ مُصلح الدین، سعدیؔ شیرازی، حافظ شمس الدین حافظؔ شیرازی، مُلا عبدالرحمٰن جامیؔ وغیرھم عربی و فارسی میں، اور اُردو میں امیر خسروؔ دہلوی، حضرت خواجہ بندہ نواز، نیاز احمد نیازؔ بریلوی، مولانا کفایت علی کافیؔ، محسنؔ کاکوروی، امیرؔ مینائی، مولانا عبدالقادر بدایونی، مولانا امام احمد رضا فاضل بریلوی، مولانا انوار اللہ انورؔ، فاضلِ حیدرآبادی، مولانا حسن رضا بریلوی، حضرت آسیؔ غازی پوری، میر اعظم علی شائقؔ حیدرآبادی اور حضرت امجدؔ حیدرآبادی وغیرہ جیسے نہ معلوم کتنے بیش قیمت لعل و گہر سموئے ہوئے ہیں۔ یہ وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جنھوں نے اپنی تقدیسی شاعری کے ذریعے عقائد و ایمان کے مرجھائے ہوئے گلشن کو عطر بیزی و شادابی عطا

کی ۔ ذہن وفکر کو جِلا بخشی اور زبان وادب کو گویا تقدیس کا مہکتا پیراہن عطا کیا۔

اِدھر چودھویں صدی کے رُبعِ اول میں اُردو نعتیہ شاعری کے ذریعے جن شعراء نے زبان و ادب سے لے کر عقائد وایمان اور فکر ونظر سے قلب وجگر تک وغیرہ کو جو سوز وگداز اور کیف وسرور عطا کیا ہے۔ ان میں حضرت مفتی میر اعظم علی شائق بھی بلا شبہ صفِ اولین میں شامل ہیں۔

حضرت شائق کی ولادتِ باسعادت ۱۷ربیع المنور شریف ۱۲۹۴ء کو ننھیال کے یہاں حیدرآباد ہی میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور ادب کے لئے اپنے والدِ بزرگوار حضرت حافظ سید احمد علی شاہ علیہ الرحمہ کے علاوہ اپنے چچا حضرت سید عمر حسینی علیہ الرحمہ کے یہاں زانوئے ادب تہ کیا۔ حضرت شائق روحانی طور پر اپنے تایا حضرت سید خواجہ محبوب اللہ قدّس سُّرہٗ العزیز کے زیرِ تربیت رہے۔ اس طرح شریعت وطریقت کا یہ حَسین امتزاج بہت جلد ہی مفتیِ اول بلدہ حیدرآباد کے عہدے پر فائز کئے گئے۔ شعر وادب سے دلچسپی آپ کے گھرانے کا مزاج بھی رہی ہے۔ اِسی لئے آپ کے خاندان میں بیشتر افراد صاحبِ دیوان شاعر گزرے ہیں۔ حضرت شائق کے لئے گھر کا یہ شعری ماحول اِنہیں بھی شعر کہنے کے لئے مہمیز کا کام کیا اور حضرت شائق نے کم عمری ہی سے شعر کہنا شروع کیا۔ ابتداء میں آپ نے اپنا کلام اپنے تایا زاد برادر حضرت سید عثمان حسینی فائق کو دِکھایا اور بعد میں ڈاکٹر احمد حسین مائل سے آپ نے مشورۂ سخن کیا۔ چونکہ آپ پُرگو شاعر تھے اس سلئے بہت جلد ہی کلیات شائق کے نام سے آپ کے نعتیہ دیوان ۱۳۲۰ھ میں شائع ہوکر منظرِ عام پر آ گیا۔ عطا محمد حسین کے مقالے کے بموجب حضرت شائق کی دوسری شعری تصانیف میں (۱) رسالہ نمونۂ قیامت معروف بہ دریائے غم (۲) دُعائے سحر (مناجاتِ شائق) (۳) یادِ محمدی (نجاتِ شائق) (۴) ارمانِ شائق (۵) سفر نامۂ حج وغیرہ شامل ہیں۔ سید بادشاہ حسینی بشیر پاشاہ (نبیرۂ حضرت شائق) کے مضمون کے مطابق کلیات شائق کے سِوا دوسری مذکورہ تمام تصانیف نایاب ہیں۔

میلاد شریف کی کتابیں تصنیف کرنے کی حد تک بھی نعت گوئی کا مذاق رکھنے والوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ نعت خوانی پھر نعت گوئی کا ذوق میلادِ غلام امام شہید، میلادِ عطار، میلادِ گوہر، میلادِ اکبر، میلادِ طپش، مولودِ سعدی، مولودِ سعیدی اور کلیات شائق ہی کا مرہونِ منت ہے جو سالہا سال سے گھر گھر میں پڑھی جا رہی ہیں اور پڑھی جاتی رہیں گی۔

بلا شبہ دیوانِ نیاز (شاہ نیاز احمد) محامد خاتم النبین (امیر مینائی)، مدیحِ خیر المرسلین (محسن کاکوروی)، حدائقِ بخشش (حضرت رضا بریلوی)، دیوانِ بیدم (بیدم وارثی)، نعتیہ مسدس انورِ

احمدی (حضرانوار اللہ انوؔر حیدر آبادی)، کلیاتِ شائقؔ (حضرت مفتی میر اعظم علی شائقؔ حیدر آبادی) نعتیہ رباعیاتِ امجؔد حیدر آبادی اور شاہنامہ، اسلام (حفیظ جالندھری) وغیرہ۔ کے منظر عام پر آنے کے بعد نعت گوئی نے مستقل صنفِ سخن کی جو حیثیت حاصل کی ہے وہ بہت مبارک ثابت ہوئی اور اب اس کی عملی وادبی عظمت واہمیت بھی مسلم ہوگئی ہے۔ اس کے موضوعات اور فنی تجربات میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ اس کے علاوہ تشبیہ، استعارے، صنائع بدائع، نکتہ سنجی اور معنیٰ آفرینی کے کامیاب تجربے کئے جاچکے ہیں اور کئے بھی جارہے ہیں۔ متاخرین نعت گو شعراء کے یہاں کچھ خصوصیات مشترک ہیں۔ رسولِ پاک ﷺ کی شانِ اقدس میں عاشقانہ الفاظ مثلاً وصل، ہجر، شوق، بے تابی وغیرہ کا استعمال کیا گیا ہے۔ اور اسی حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خد وخال، زلف وگیسو، لب ودہن اور چہرہ ورخسار وغیرہ کی تعریف وتوصیف کی گئی ہے۔ فنی تجربات میں، رعایتِ لفظی، صنعت تضاد، لف ونشر مرتب وغیر مرتب سے بھی کام لیا گیا ہے۔

تیرھویں صدی ہجری کے ربعِ آخر میں امیؔر مینائی کا نعتیہ دیوان ''محامدِ خاتم النّبیین کی اشاعت ۱۲۷۷ھ میں عمل میں آئی تو پہلی بار نعت گوئی کو بڑی شاہ راہ پر گامزن ہوتے دیکھا گیا۔ اس سلسلہ میں مولانا احمد رضا فاضل بریلوی نے عالمانہ شان وشکوہ، مجددانہ فہم وفراست اور شاعرانہ حسنِ بیان سے خوب سے خوب تر انداز میں آگے بڑھایا اور نعت کو زریعۂ اظہار بنا کر ایمان وعقائد کی اِصلاح ودرستی کا کام لیا۔ حضرتِ رضؔا بریلوی کا نعتیہ مجموعۂ کلام ''حدائق بخشش'' کے نام سے ۱۳۲۵ھ میں چھپ کر منظر عام پر آیا، جب کہ حضرت مولانا انوار اللہ فاروقی انوؔر حیدر آبادی کا نعتیہ مُسدس جِس کے چند بندوں کی تشریح ''انوارِ احمدی'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوئی، سنہ طباعت ۱۳۲۳ھ ہے۔ یہاں یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ حضرت رضؔا بریلوی کی ''حدائق بخشش'' اور مولانا انوار اللہ انوؔر حیدر آبادی بانی جامعہ نظامیہ کی نعتیہ مسدس مشمولہ ''انوارِ احمدی'' کی اشاعت سے بتدریج پانچ سال اور تین سال پہلے ''کلیاتِ شائقؔ'' کی اِشاعت عمل میں آئی یعنی اس کا سنہ طباعت ۱۳۲۰ھ ہے۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر : نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

اِس مقام پر حسّانِ دکن، عارف باللہ حضرت شائقؔ نے عشق ومحبت، عقیدت واحترام کے جو گلہائے سرسبز وشاداب پیش کئے ہیں ان کی خوشبو نے مشامِ جان وایمان کو معطر ومنور کردیا۔ الغرض ان کا علمی تبحر، زورِ بیان کے ساتھ ساتھ وابستگی اور عقیدت کے عناصر ان کی نعتوں میں یوں گھل مل اور رچ

بس گئے ہیں کہ اُردو نعت میں ایسا خوشگوار امتزاج خال خال نظر آتا ہے۔

عشقِ رسول ایک نعمت غیر مترقبہ اور وہ سعادت ہے جو نعتیہ شاعری کی روحِ رواں کہلاتی ہے۔عشق رسول کے بغیر اس کا رنگ پھیکا، ہر پہلو بے کیف اور ہر جلوہ بے مزہ سا ہو جاتا ہے۔ حضرت جامیٔ دکن کا دِل عشقِ رسول کی جلوہ گاہ تھا وہ سچے عاشق رسول تھے،ان کی شاعری کا مرکز و محور سرورِکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ ستودہ صفات تھی اور جب محبوبِ کائنات کا جذبہ عشق و محبت دِل کے سوز و گداز کے ساتھ،لفظوں کے پیکر میں ڈھلتا ہے تو نعت کے پُر کیف اشعار، پڑھنے اور سننے والوں پر وجد کی کیفیت طاری کر دیتے ہیں۔حضور کی بارگاہِ کریم میں ان کا یہ والہانہ اور عاشقانہ انداز دیکھئے۔حضرت شائق فرماتے ہیں۔ ؎

محبت بڑھتے بڑھتے عشق ہو جائے : یہی دانہ بنے خرمن خُدا کا
جلوہ فرما جب ہمارے دِل میں ہوں گے مصطفیٰ : خانۂ ویراں ہمارا گلستاں ہو جائے گا
دم میرا نکلتے ہی کہا عشق نبی نے : چل پاس محمد ﷺ کے تو جاتا ہے کدھر آج
ہر دم نئی نئی ہے تجلّی کی روشنی : دل عاشقوں کا طُور ہے طیبہ کے چاند کا
ہے الفتِ مژگانِ محمد کا تصدق : عشاق کے دِل کو ہے سردار سے مطلب
اے یاد نبی سَلّمہ اللہ تعالیٰ : فرقت میں نہیں ہے کسی غم خوار سے مطلب
جب مزہ ہر دم دیتا ہے حضرت کا فراق : کیوں نہ سمجھوں وصل سے ہے بے شبہ اچھا فراق
جان جائے گی یہی نا اور کیا ہو گا مرا : عاشقِ خیر الوریٰ ہوں کیا ڈراتا جا فراق

بادِ صبا کو مخاطب کر کے بارگاہ رسالت میں اپنا پیامِ دل پہچانے کی التجا اور سوزِ دُروں کا اظہار شعراء کرام کا وطیرہ رہا ہے۔حضرت شائق بھی اس روایت پر کس مہارت کے ساتھ عمل پیرا ہیں ملاحظہ فرمائے۔ ؎

اے صبا کہنا گذر ہو جو ترا طیبہ میں : حیدر آباد میں شائق ہے پریشاں تیرا
اے صبا جا کر مدینہ میں یہ کہ سرکار سے : ہے بُرا حال اب دکن میں عاشقِ رنجور کا

محبوب کے ساتھ دیارِ محبوب سے اُنس و رغبت، اس کے دیدار کی تڑپ اور مدینہ پہنچنے کی تمنا ایک عاشق صادق کا فطری طریقہ ہے۔"کلیاتِ شائق" کے صفحات پر بھی دیارِ حبیب کے اور اس کی یادوں کے تاج محل جا بجا اپنی شوکتوں کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں:اشعار دیکھئے۔ ؎

جلد بلا لو مدینہ میں حضور : ظلم ڈھاتی ہے جُدائی آپ کی
دعاء یہی ہے کہ پہنچا دے تو مدینہ میں : الٰہی ایک زمانے سے ہے اثر کی طمع

چل مدینہ کی طرف چھوڑ دکن اے شائق : دل میں بیٹھے ہوئے کرتا ہے تقاضا کوئی

دیارِ حبیب کے تذکرے کا یہ انداز بھی کتنا کیف آور، رقت انگیز اور لطیف ہے کہ روح جھوم جھوم سی جاتی ہے اور دل مچلنے لگتا ہے۔ حسرت وتمنا کے ساتھ والہانہ شیفتگی کا یہ انداز ملاحظہ ہو۔

زائرو! جا کے مدینہ میں یہ تم عرض کرو : مجھ گنہ گار کو کیا شاہِ اُمم بھول گئے

جالی سے لپٹ کے رو کے بولوں : مر جاؤں یہیں عرب کے جانی

سفر ملکِ طیبہ کا یا مصطفیٰ : نہ شائق کو اب تک مُیسر ہوا

سوئے طیبہ مرا گزر نہ ہوا : وائے قسمت کہ یہ سفر نہ ہوا

کس طرح رہتا ہے شائقِ مضطر مدینہ میں : تقدیر میں دکن کے جب آب و دانہ تھا

سرور وانبساط کی یہ نادر کیفیت ملاحظہ ہو۔

نعت کا صدقہ ہے شائق جو تیرے اشعار پر : مرحبا کا شوق ہے غُل ہے جزاک اللہ کا

شعر اچھے ہوتو اچھے ہیں بُرے ہوتو بُرے : نعت ہی لکھیں یہ شائق شعراء سے نہ ہوا

نعتِ احمد نے کیا ہے سُرخ رُو : شائق اپنی بول بالا ہوگیا

گرمئ نعتِ نبی سے ہوئی گرمی دِل کی : ہم کو شائق تیرے اشعار نے سونے نہ دیا

صد شکر دل کو ہوگیا اب نعت سے لگاؤ : شائق کلام سے مرے رنگِ غزل گیا

لکھی میں جو لب ہائے محمد کی ثنا شائق : میرا ہر شعر دفتر بن گیا شیریں مقالوں کا

نعت گو شعراء حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مختلف پہلوؤں مثلاً: زلف، رخسار وغیرہ کا ذکر نہایت شیفتگی سے کرتے ہیں۔ ان روایتی مضامین سے حضرت شائق نے زلف کی تعریف وتوصیف اس قدر بیان کی ہے گویا ان کی ساری توجہ حُسن کے اِسی پہلو پر مرکوز ہوکر رہ گئی ہے۔ اشعار دیکھئے۔

جب عشق، زلفِ احمد مختار ہو گیا : دِن بھی ہمارے حق میں شب تار ہو گیا

زلف روئے مصطفیٰ کا آ گیا جس دم خیال : سورۂ واللیل و نور والضحیٰ یاد آ گیا

عشقِ گیسوئے نبی میں مَر کے اے شائق کہو : اے فرشتے جاؤ مرقد سے مجھے آتی ہے نیند

رخسارِ محمد سے ہوئی بات یہ پیدا : ساکن مُلکِ حُسن پہ ہیں شمس وقمر بھی

حضرت شائق کے نعتیہ دیوان میں رِندی وعرفانی رنگ کی جلوہ افروزی بھی نمایاں طور پر دِکھائی دیتی ہے، مثلاً: یہ اشعار ملاحظہ کیجئے۔

ہر کسی کی آنکھ میں ہو ہر کسی کے دل میں تم : کیا نرالے چاند ہو رہتے ہو دو منزل میں تم

واحدیت ہو کہ وحدت ہو کہ ارواحِ مثال : میں تمہیں پہچانتا ہوں ہو ہر اک محفل میں تم
کھوئے جو خودی اپنی تو بندہ بھی خُدا ہو : منصور کے لب ہو تو انا الحق کی صدا ہو
کیوں عکسِ رُخِ پاک کو ہم صاف نہ دیکھیں : چھوٹا سا جب اک آئینہ پہلو میں لگا ہو
اس طرح مری آنکھ میں بینائی ہو پیدا : پُتلی کے عوض یار کا نقشِ کفِ پا ہو
پردے میں میم ہی کے دیکھوں خُدا کی صورت : گھونگھٹ ذرا اُٹھا دے مسند نشینِ طیبہ
اے بانکے محمد صلِ علیٰ رتبہ ترا ہم نے کیا جانا : اللہ کی قسم کیا منہ سے کہوں جس نے تجھ کو جانا جانا
وہ آنکھ وہ ابرو، وہ سیرت شاہی میں فقیری کی صورت : جس نے نہ تجھے مَولا جانا اللہ کو اُس نے کیا جانا

حضرت میر اعظم علی شائقؔ زُود گو اور پر گو شاعر تھے، انہوں نے داغؔ دہلوی کا اثر قبول ضرور کیا تھا، اس کے باوصف، زبان کے معاملے میں وہ شمالی ہند کے روز مرہ اور محاورے کی اتباع کو ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ وہ دکنی الفاظ کے علاوہ محاورہ بھی بہت بے تکلفی کے ساتھ استعمال کر جاتے ہیں:

ہاتھ آیا بوسہ کفِ پائے محمدی : اپنے کو ہم نے خاک میں جس دم ملا دیا

اس ایک ہی شعر میں دو (۲) محاورے یعنی ''ہاتھ آنا'' اور ''خاک میں ملانا'' کو استعمال کر کے اپنی مہارت کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ اس طرح کا وصف دیگر شعراء میں کم ہی دیکھنے کو ملتا ہے۔

حضرت شائقؔ کے کلام میں تشبیہ، استعارہ، رعایت لفظی، لف ونشر مرتب و غیر مرتب کے علاوہ سہل ممتنع وغیرہ کے اشعار مل جاتے ہیں۔ اِس ضمن میں سلسلہ وار شعر ملاحظہ ہوں:

تشبیہ : آنکھیں آہو کمانِ ابرو : بانکا سردار کملی والا
شائقؔ وہ آنکھ میں ہے نہاں مثلِ نور چشم : ظاہر میں ملک دُور ہے طیبہ کے چاند کا

استعارہ : جلوہ فرما جب ہمارے دل میں ہوں گے مصطفیٰ : خانۂ ویراں ہمارا گلستاں ہو جائے گا
کیوں عکسِ رُخِ پاک کو ہم صاف نہ دیکھیں : چھوٹا سا جب اک آئینہ پہلو میں لگا ہو

رعایت لفظی : مژگانِ مصطفیٰ کا ہے ہر دم مجھے خیال : تیروں کا میں نے دل کو نشانہ بنا دیا
آبِ دریائے گنہ میں یاد آئے مصطفیٰ : کشتیٔ تن ڈوبتے ہی نا خُدا یاد آ گیا
چاک کر ڈالا وہیں اپنا گریباں ہجر میں : اپنے پیارے کا جو دامانِ عَبا یاد آ گیا

تلمیح : راز داری چاہئے تھی ان کو شائقؔ یار کی : بھید جس دم کُھل گیا سر کٹ گیا منصور کا
حکم حق "لَاتَرْفَعُوا اَصْوَاتَكُم" : آپ کا اعزاز مانا چاہئے

لف ونشر مرتب : ہے زلف روئے پیمبر کے عشق میں گردش : فِدا ہوں ان کے یہ ہے شام کی سحر کا طمع

لف ونشر غیر مرتب : پُرنور شب ہے روئے مبارک کی یاد میں : روشن ہے شامِ ہجر یہ کیوں نے سبب چراغ

سہل ممتنع : میٹھی باتیں کرے گا سب سے : شیریں گفتار کملی والا

ڈھانپے گا وہ گناہ سب کے : نُورِ ستار کملی والا

ہر جگہ اُس کا بول بالا ہے : دِل سے جو ہو گیا محمد ﷺ کا

شائق اتنا ہی کہہ کے تو چپ رہ : ہوں بُرا یا بھلا محمد ﷺ کا

حضرت شائق کے کلام کے مطالعے سے یہ اندازہ ہوجاتا ہے کہ ان کے یہاں عشقِ رسول کا یہ والہانہ پن ہی ہے کہ وہ جس طرح بھی بن پڑے، مدینہ پہنچ جانا چاہتے ہیں۔ان کی کوئی نعتیہ غزل ایسی نہیں ہوتی کہ جس میں وہ مدینہ پہنچنے کی آرزو نہیں کرتے۔لیکن جامیٔ دکن حضرتِ شائق جب حج کے لئے مکہ مکرمہ گئے سارے مناسک حج مکمل کر لئے لیکن اپنے ہی اِس شعر کے مصداق مدینہ منورہ بظاہر نہیں پہنچ سکے۔ ؎

سوئے طیبہ مرا گزر نہ ہوا : وائے قسمت کہ یہ سفر نہ ہوا

جہاں پہنچنے کی آرزو اُنہیں زندگی بھر تڑپاتی رہی اور سخت علالت کی باعث وطنِ مالوف حیدر آباد واپسی پر واڑی ضلع گلبرگہ کے مقام پر ۱۵/ محرم الحرام ۱۳۲۸ھ کو ۳۳ سال ۱۰ ماہ کی عمر میں حضرت شائق کا وصالِ باکمال ہوا۔اس سانحہ کی پیش گوئی شائق نے اپنے نعتیہ مثلث کے آخری بند میں کردی ہے۔ ؎

میں یوں ہی مر جاؤں گا ہجرِ نبی میں دوستو
راہ میں روتے ہوئے خلقت یہ بولے گی سنو
لاش پر شائق کے یہ کیسی اُداسی چھائی ہے

نعت گو شاعر کی حیثیت سے ان کی شہرت ومقبولیت کا راز ان کی یہی ولہانہ وابستگیٔ رسول تھی۔مثلاً: شائق کہتے ہیں۔ ؎

مغفرت کا یہی ہو جائے وسیل شائق : پیرے احمد کو اگر ہوں ترے اشعار پسند

دیکھ کر شانِ نبی لے کر بلائیں یہ کہوں : حشر والو مجھے دامن سے لپٹ جانے دو

جُدائی نبی کی گوارہ نہیں : مگر کیا کریں کوئی چارہ نہیں

مرے خانۂ دل کے مالک ہیں آپ : کسی کا کچھ اس پر اجارہ نہیں

حضرت شائق نے شاعری کو برائے شاعری نہیں اپنایا بلکہ اس کو اپنے مسلک عشق وعرفان کے اظہار کا ذریعہ بنایا، اس طرح اپنے کلامِ بلاغت نظام سے اُردو شاعری کے دامن میں وہ موتی بکھیرے ہیں جس کی چمک اُردو نعتیہ شاعری کے دابستان میں توانائی کے ساتھ محسوس کی جارہی ہے۔ نصیرالدین ہاشمی کے بقول:

''حضرت شائق نے ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے آپ کا پورا دیوان نعت سے معموراور عشق رسول میں ڈوبا ہوا ہے۔''

صِرف اپنی ۲۶ سال کی عمر میں حضرت شائق نے اپنا یہ نعتیہ دیوان ''کلیاتِ شائق'' کے نام سے شائع کر کے دادِ تحسین حاصل کیا ہے۔ الغرض، حضرت شائق کا یہ نعتیہ کلام، غزل قصیدہ، مثنوی، مستزاد، مثلث، مخمس، مسدس، ٹھمری، قطعات، رباعیات اور سلام جیسی مختلف اصنافِ سخن کا ایسا لہلہاتا گلشن ہے جس میں تشبیہ، استعارہ، رعایتِ لفظی اور دیگر صنعات کے ہمہ رنگ گل بوٹے عاشقانِ رسول کے مشامِ ایمان کو معطر و مُعنبر کرنے میں اپنی زندگی سمجھتے ہیں۔ حضرتِ شائق کی نعتیں ہندو پاک کے ہر گوشے میں زبانِ زد عام ہیں۔ لیکن افسوس کہ جس ہستی نے اُردو ادب کو ذوقِ نعت عطا کیا اور جس کا کلام بلاغت نظام اُردو ادب میں ایک عظیم سرمایہ کے ساتھا ضافہ کا باعث بنا، اس کا تذکرہ اُردوادب کی تاریخ میں نہیں ملتا۔ اگر ملتا بھی ہے تو وہ بھی نہایت مختصر۔ مگر یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ ''مشک آنست کہ خود ببوید'' نہ کہ عطار بگوئید کے مصداق۔

حضرت شائق کا ذوق محبت اور شوقِ مدحت سرائی، عشق رسول کا پیغامِ سعادت ومسرت دیتے ہوئے جیسے جیسے افراد تک پھیلتا گیا، بحثیت شاعرِ دربارِ رسالت، اُردوادب میں بلند سے بلندتر مقام پر فائز ہوتا گیا۔

بہر کیف بزم شائق کے ارباب حل وعقد کی خدمت مین میرا یہ مخلصانہ مشورہ ہے کہ وہ حضرت شائق جیسی باکمال ادبی وعلمی شخصیت کے غیر مطبوعہ کلام، کوکسی سنجیدہ عالم یا دانشور کے مبسوط مقدمے/ پیش لفظ یا تبصرے کے ساتھ شائع فرمادیں گے تو مَیں یہ سمجھوں گا کہ حضرتِ شائق کی اس دیرینہ خدمات کا صحیح معنٰی میں اعتراف کیا گیا۔

شائق خستہ جگر، عشقِ پیمبر کے طفیل : ذِکر تیرا ہر گلی میں ہے اک محفل میں ہے

○○○

ڈاکٹر آفاق عالم صدیقی (شیموگہ)

''شمع ہدیٰ'' پر ایک نظر

حافظؔ کرناٹکی کی ساٹھ کتابوں میں ''شمع ہدیٰ'' آٹھویں کتاب ہے لیکن یہ کتاب اپنے موضوع کے اختصاص کی وجہ سے جداگانہ اہمیت رکھتی ہے۔ یہ کتاب بچوں کے لیے لکھی گئی نعتیہ شاعری کا خوبصورت مجموعہ ہے۔ یاد رہے کہ حافظ کرناٹکی کی اب تک پانچ نعتیہ کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ جن میں بشمول شمع ہدیٰ، شان مدینہ، اللہم صلّی، اللہم بارک، اور یادِ نبی ﷺ شامل ہیں۔ جب کہ ان کی نعتیں کہنے کا سلسلہ ابھی جاری ہے۔

اردو زبان وادب میں نعتیں لکھنے کی روایت بہت قدیم ہے۔ نعت، قصیدہ اور مناجات وحمد، وہ اصنافِ شاعری ہیں جسے عموماً شعراء کرام اپنی عاقبت سنوارنے اور اپنے خدا اور رسول سے محبت کے اظہار کے لئے تبرکاً اپنایا کرتے ہیں۔ دعا بھی اسی کی ایک شکل ہے جس میں بندہ اپنے معبود کے حضور اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کے حصول کی فریاد کرتا ہے۔ یہ تمام اصنافِ سخن مذہب وملّت اور تہذیبی روایات کی تکمیل کا حصہ ہیں۔ ان اصناف سخن پر طبع آزمائی کرکے بچوں کے لئے نظمیں لکھنے کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ بچے اپنے رب اور اپنے نبی ﷺ سے محبت وقربت کا رشتہ استوار کرنے کا سلیقہ سیکھیں نیز خدا کی صفات سے آگاہی حاصل کریں۔ ان کی لامحدود نعمتوں اور ان کی قدرت وعظمت کو محسوس کریں۔ نعتیں بھی اسی مقصد سے لکھی جاتی ہیں تاکہ بچے نبی اکرم ﷺ سے محبت کا اقرار کریں۔ اور ان کے اسوۂ حسنہ کو اپنائیں۔

حافظؔ کرناٹکی کے تمام مجموعہ ہائے کلام میں حمد ونعت کا خاص التزام رکھا گیا ہے۔ اس کے باوجود انھوں نے الگ سے ایک نعتیہ مجموعۂ کلام پیش کرکے بچوں کے ذہن میں یکسوئی کے ساتھ نبی ﷺ کی محبت کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ حافظؔ کرناٹکی صاحب ان خوش نصیب انسانوں میں سے ایک ہیں جنھیں بار بار روضۂ اقدس ﷺ کی زیارت کی سعادت حاص ہوتی

رہتی ہے۔ یہ مکہ و مدینہ کی زیارت اور روضۂ اقدس ﷺ پر حاضری ہی کی برکت ہے کہ ان کے یہاں نعتوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ چلا آ رہا ہے۔ وہ عموماً روضۂ اقدس ﷺ کے سامنے بیٹھ کر نعتیں لکھتے ہیں وہ بھی بچوں والی معصومیت کے ساتھ۔ ان کی نعتوں میں جہاں روحانی تاب پائی جاتی ہے وہیں ان کی نعتوں میں بچوں کا اشتیاق آمیز جوش اور محبت بھی موجیں مارتا نظر آتا ہے۔

صنفی اعتبار سے نعت زیادہ مشکل فن نہیں ہے مگر ایمان واعتقاد کی صالحیت کے اعتبار سے فنِ نعت گوئی ایک مشکل ترین صنفِ سخن ہے۔ نعت گوئی کا فن تنے ہوئے رسّے پر چلنے کا فن ہے۔ اس فن میں ذرا بھی توازن بگڑتا ہے تو شاعر شرک کے قریب پہنچ جاتا ہے اور ایمان کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ اسی طرح شاعر جب تمام تر احتیاط کو نظر میں رکھ کر پھونک پھونک کر نعتیں لکھتا ہے تو اس کی اثر آفرینی مجروح ہو جاتی ہے۔

نعت عموماً عشقِ نبی ﷺ کے جذبات سے سرشار ہو کر لکھی جاتی ہے۔ عشق ایسا جذبہ ہوتا ہے جو بے خودی کی حدوں کو چھو لیتا ہے ایسے میں اگر نعت کہنے والے شاعر کی بہترین فکری تربیت نہیں ہوئی ہو تو وہ بے خودی میں اتنا آگے نکل جاتا ہے کہ خدا اور رسول ﷺ کے درمیان کا فاصلہ مٹ جاتا ہے۔ اس طرح عبدیت اور معبودیت خلط ملط ہو کر فسادِ ایمان واعتقاد کا سبب بن جاتا ہے جس سے فائدہ ہونے کے بجائے نقصان ہو جاتا ہے اور جب بہت احتیاط سے نعتیں لکھی جاتی ہیں تو جذبۂ محبت کی بے ساختگی مجروح ہو جاتی ہے۔ اس میں وہ روانی، شدّت اور اثر آفرینی نہیں پیدا ہو پاتی ہے جو بے ساختگی اور وارفتگی عشق کا خاصہ ہے۔ اس لیے نعت لکھنے میں وہی لوگ کامیاب ہو پاتے ہیں جن کا ایمان واعتقاد پختہ ہوتا ہے۔ جس کی ظاہری و باطنی تربیت اسلامی اصول وعقائد کے مطابق ہوتی ہے۔

حافظؔ کرناٹکی کی نعتوں کو پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ ان کا باطن بھی تربیت یافتہ ہے اور ان کا ایمان واعتقاد بھی پختہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ افراط وتفریط کا شکار ہونے سے بچ گئے ہیں۔

چوں کہ انھوں نے نعتوں کا یہ مجموعہ بچوں کے لئے ترتیب دیا ہے اس لیے نعتوں میں بھی بڑے ہلکے اور سبک الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ تمام نعتیں اپنی سادگی اور جذبات کی صداقت کی وجہ سے پر اثر ہو گئی ہیں۔ نعتوں کی زبان اتنی آسان ہے کہ یہ نعتیں بڑی آسانی سے بچوں کی زبان پر چڑھ جاتی ہیں اور بچے ہنسی خوشی اسے لحن میں گانے لگتے ہیں۔ ان نعتوں میں مدحِ رسول ﷺ کے علاوہ حضور ﷺ

کی زندگی سے تعلق رکھنے والے بعض اہم واقعات کا عکس بھی جا بجا بکھرا پڑا ہے۔ جس سے بچوں کو سیرتِ مصطفیٰ ﷺ سے متعلق واقعات کا علم بھی بخوبی ہو جاتا ہے۔ حافظ کرناٹکی کی نعتوں کے بارے میں زیادہ کچھ کہنے سے بہتر یہ ہوگا کہ ان کی نعتوں کے بعض اشعار اور بعض حصوں کے مطالعہ ہی سے حظ اٹھایا جائے اور اپنے دل کو مدحِ رسولِ پاک کی خوشبو سے معطر کر لیا جائے پہلے حمد اور مناجات کے کچھ حصے ملاحظہ فرمائیں۔

تجھ سے گلشن میں ہے مہک اللہ
چاند تاروں کی تو چمک اللہ
تیرا پیغام ہے بہاروں میں
اور جلوہ ترا نظاروں میں
تو ہے شبنم میں اور شرارے میں

(حمد)

ان کے ہیں انداز نرالے
حق کے داعی کملی والے

کہتے ہیں نظر کی جنت ہے اے یار مدینے کی گلیاں
حسرت ہے یہی کہ میں دیکھوں ہر بار مدینے کی گلیاں
آتے ہیں فلک سے روز ملک نذرانہ لیے کچھ نعتوں کا
آتی ہیں نظر اس واسطے اب بیدار مدینے کی گلیاں
ہے گنبدِ خضریٰ پر دیکھو اک عالم نور ونکہت کا
کرتی ہیں شانِ رحمت کا دیدار مدینے کی گلیاں

نبی ﷺ کی زیارت کا ارمان ہے
تمناؤں کا دل میں طوفان ہے
ہیں نبیوں میں اعلیٰ و ارفع وہی
محمد ﷺ کی سب سے الگ شان ہے

نبی ﷺ کی فضیلت کا ہے ترجماں
جو اترا ہے ان پر وہ قرآن ہے
ہے چہرے کی چھب چاندنی کی طرح
کہ پھولوں کی مانند مسکان ہے

ہو دل میں لگن تو ملے گا نہ کیوں
محمد ﷺ کے ذریعے خدا کا پتا
گلابوں کی خوشبو پسینے میں تھی
بہار آفریں تھی نبی ﷺ کی قبا

تھے شاہ و فقیر ان کی آنکھوں میں یکساں
وہ ہوں بوہریرہ یا دولت میں عثماں
نبی ﷺ جی تھے یارو صداقت کے بانی
کتاب ایسی لائے نہیں جس کا ثانی

نبی ﷺ آپ کے عاشقوں پر کریں گی
ہمیشہ حکومت مدینے کی گلیاں
یہاں برکتوں کے کئی سائباں ہیں
زمیں کی ہے زینت مدینے کی گلیاں
محمد ﷺ کے روضے سے زینت ہے ان کو
خدا کی ہیں رحمت مدینے کی گلیاں
آپ ﷺ نے ہر تفریق مٹا دی
بغض و حسد کی آگ بجھادی
آپ ﷺ نے درس و حدت دے کر
فکر و عمل کی راہ دکھا دی

حسن خلق نبی ﷺ کا دیکھو
آپ ﷺ نے دشمن کو بھی دعا دی
دینِ مبیں کا لے کے سہارا
نور کی منزل سب کو دکھا دی

حیات محمد ﷺ بھی اک ارمغاں ہے
یہ انسانوں کی رہبری کا نشاں ہے
رسالت ہے یا کوئی شفاف درپن
صداقت کا مظہر نبی کا بیاں ہے

حافظؔ کرناٹکی کی نعتوں کے مطالعہ سے واضح ہے کہ انہوں نے یہاں بھی بچوں کی ذہنیت، ان کی فہم وفراست اوران کی معصومیت کا خاص خیال رکھا ہے۔انہوں نے جو زبان استعمال کی ہے وہ بچوں کے مزاج سے ہم آہنگ ہے۔ان کے یہاں الفاظ وتراکیب کی پیچیدگی معنیٰ کی راہ میں روڑے نہیں اٹکاتی ہے۔وہ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں صاف ستھرے لفظوں میں کہتے ہیں۔وہ خواہ مخواہ الفاظ میں دبازت پیدا کر کے ذہنی جمناسٹک کا ماحول نہیں پیدا کرتے ہیں۔وہ نعت ہو،حمد ہو یا کسی بھی قسم کی مقصدی اور موضوعاتی نظمیں وہ براہ راست موضوع کو الفاظ کے فوکس میں لاتے ہیں اوراپنا مدعا اتنی سادگی اور صفائی سے بیان کردیتے ہیں کہ پڑھنے والے تک ان کی رسائی ہوجاتی ہے۔یہی وہ خوبی ہے جو حافظؔ کرناٹکی کو ادب اطفال میں ایک اہم مقام عطا کرتی ہے۔

یہ درست ہے کہ اردو زبان سخت مراحل یا دور سے گزر رہی ہے لیکن ایسا نہیں ہے کہ اس زبان میں کتابیں شائع نہیں ہورہی ہیں۔خوب کتابیں شائع ہورہی ہیں لیکن کتابوں کی اس بھیڑ میں ادب اطفال سے متعلق کتابوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔اس پر بھی ستم یہ ہے کہ بیشتر کتابیں تفریح اور تفننِ طبع کی نذر ہوجاتی ہیں۔کہنے کا مطلب یہ کہ ادبِ اطفال سے متعلق زیادہ تر کتابیں کوئی واضح مقصد نہیں رکھتی ہیں۔

ان دنوں ویسے بھی ادبِ اطفال کا سرمایہ کچھ ہلکا پھلکا محسوس ہورہا تھا۔کچھ کتابیں شائع بھی ہورہی تھیں تو ان میں سے بیشتر اکڑ بکڑ کی نذر ہوتی جارہی تھیں۔ادبِ اطفال کی گل پوش وادی اپنی تازگی، شگفتگی اوراپنی عطر بیزی سے کچھ محروم سی ہوتی جارہی تھی لیکن جب سے امجد حسین حافظ

کرناٹکی اس وادیِ گل پوش میں وارد ہوئے ہیں گلوں میں رنگ بھر گیا ہے۔ اس میں تازگی آ گئی ہے اوراس کی مخصوص خوشبو سے وادیِ گل پوش معطر ہوگئی ہے۔

امجد حسین حافظ کرناٹکی کو ادب اطفال میں اس لیے انفرادیت اور ممتاز مقام حاصل ہے کہ ان کی پوری تخلیقی زندگی ایک واضح اور صالح مقصد سے عبارت ہے۔ ان کے دل میں اپنی ملّی شناخت کا جذبہ اس طرح موجزن ہے کہ ان کی ہر تحریر و تقریر اوران کا ہر عمل ملّی تشخص کے ساتھ ساتھ اپنی تہذیب کی پاکیزہ روایات اور تعلیم و تربیت کے جہان کا مشعل صفت پاسبان بن جاتا ہے۔ ان کے اندر قوم کے بچوں کی آئندہ زندگی کی تعمیر و تعبیر کا ایسا زندہ جذبہ ہے کہ وہ ہر حال میں متحرک و فعال نظر آتے ہیں۔ ان کے یہاں ایک خاص طرح کی فعالیت اور خود اعتمادی پائی جاتی ہے جو انہیں مشکل سے مشکل حالات میں بھی انفعالیت یا احساس کم مائیگی کا شکار نہیں ہونے دیتی ہے۔ نہیں تو ادبِ اطفال سے تعلق رکھنے والے بیشتر شاعر و فن کار زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر ہچکچاہٹ اور احساس کمتری کے شکار ضرور ہو جاتے ہیں کیوں کہ عموماً شاعر و فن کار ادب اطفال کو ادب لکھنے بلکہ لکھنا سیکھنے کی مکتبی تختی سمجھتے ہیں حافظ کرناٹکی نے ادب اطفال کو مکتبی تختی نہیں تختِ شاہی سمجھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان سے لگ کر بیٹھنے میں تکلف نہیں وقار محسوس کرتے ہیں۔

دنیا کا ہر انسانی کام کسی نہ کسی عیب کا حامل ضرور ہوتا ہے۔ اس کے باوجود ہر کام اپنے مقصد، اپنے منہاج اور اپنے دوررس نتائج کی وجہ سے بڑا، انوکھا اور ادنیٰ و اوسط کے ساتھ ساتھ عظیم بھی ہوتا ہے۔ جس کام میں مقصد کی صالحیت کا جتنا زیادہ احساس ہوتا ہے وہ کام اتنا ہی عظیم شمار کیا جاتا ہے۔ سب سے بڑی چیز کام انجام دینے والے کی نیت اوراس کا اخلاص ہوتا ہے۔ کوئی بھی کام اس لیے عظیم کام شمار نہیں ہوتا ہے کہ فی الواقع وہ کام بڑا ہوتا ہے۔ کسی کام کو عظمت اس لیے ملتی ہے کہ کام کرنے والا عظیم ہوتا ہے، مخلص ہوتا ہے، اور اپنا کام پوری ایمانداری لگن اور بے لوثی سے انجام دیتا ہے۔

حافظ کرناٹکی کی کتابوں میں بھی عیوب کا پایا جانا ناممکن نہیں ہے کہ یہ انسانی کام ہے۔ اس کے باوجود ان کے کاموں کو اس لیے سراہا جانا ضروری ہے کہ یہ کام قوم کے بچوں کی تعلیم و تربیت، دین کی تفہیم و توقیر بڑھانے اور آئندہ زندگی کو بہتر بنانے کے عظیم اور پاکیزہ ارادے سے انجام دیا جا رہا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حافظ کرناٹکی کی کتاب میں اتنی جاذبیت اور نورانیت پائی جاتی ہے کہ وہ ادبِ

اطفال کی پگڈنڈی کو اجالنے میں پوری طرح کامیاب نظر آتی ہے۔ وہ بھی اتنی خوبصورتی، معصومیت اور فنکاری کے ساتھ کہ شاعر اور شاعری دونوں کا ارتفاع ہو جاتا ہے۔

یہ اتنی بڑی کامیابی ہے کہ ادبِ اطفال میں اپنی ساری زندگی گنوادینے کے بعد بھی شاعروں کو نہیں ملتی ہے۔ حافظ کرناٹکی ادبِ اطفال کے وہ مینارۂ نور بن کر ابھر رہے ہیں جس کی روشنی آنے والی نسلوں کو منزل کا پتہ دے گی۔ حافظ کرناٹکی جس خلوص، محنت اور لگن کے ساتھ ادبِ اطفال کو مالا مال کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اس سے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ ایک دن یہ شاعرِ لازوال بن کر ادبِ اطفال کے جہان کا نشان بن جائے گا اور اس کے تخلیقی قدموں کی آہٹ سے ادب اطفال پر چھائی خاموشی ٹوٹ کر بکھر جائے گی اور پھر ادبِ اطفال لوگوں کی نگاہوں کا اس طرح مرکز بن جائے گا کہ اس کا دامن تمام تر لعل و گہر سے بھر جائے گا اور یہ سب کچھ ہوگا حافظ کرناٹکی جیسے فن کار کے مخلصانہ ایثار سے۔

وہ دن دور نہیں ہے جب حافظ کرناٹکی ادب اطفال کے لیجنڈ Legend کہلائیں گے اور لوگ ان کی محنت اور کارنامے سے روشنی حاصل کر کے ادبِ اطفال کو اگلے پڑاؤ تک لے جانے کے لئے حافظ کرناٹکی کو خراجِ عقیدت پیش کریں گے۔

○○○

ڈاکٹر بی محمد داؤد محسن (کرناٹک)

نعتیہ شاعری: افادیت ومقصدیت

کلامِ الٰہی اور احادیث نبوی ﷺ دو اہم ذرائع ہیں جن پر عمل پیرائی نہایت ضروری ہے اور یہی حاصل زندگی اور باعث نجات بھی ہے۔قرانِ مجید کو اللہ رب العزت نے انسان کی ہدایت کے لئے حضور اکرم ﷺ کے توسط سے نازل فرمایا اور صاف الفاظ میں بتایا کہ۔**یاایھاالذین اٰمنو اٰمنوا باللہِ والکتٰب الذی نزل علیٰ رسولہِ۔** (اے ایمان والو ایمان رکھو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ پر اور اس کتاب پر جو اپنے ان رسول ﷺ پر اتاری) دراصل قرانِ کریم احکامِ خداوندی اور فرامینِ رب العزت کی عبارتوں کا ایک ذخیرہ اور سیرتِ رسول ﷺ واسوۂ حسنہ اور واقعات وحوادث کا ایک حسین اور دلکش گلدستہ ہے جس کے مضامین وعظ ونصیحت پر مبنی ہیں جو ہدایاتِ انسانی کے لئے ایک نہایت موثر اور دلپذیر ذریعہ ہیں۔دینِ اسلام کا صحیح تصور اور مفہوم اگر سمجھا جاسکتا ہے تو وہ قرانِ مجید کو حضرت محمد ﷺ سے اور حضرت محمد ﷺ کو قرانِ مجید سے ہی ممکن ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے **وَاَرْسَلْنٰکَ لِلنّاسِ رَسُولاً وَّ کَفیٰ بِاللّٰہِ شھیدا۔** (اور اے محبوب ہم نے تمھیں سب لوگوں کے لئے رسول بھیجا اور اللہ کافی ہے گواہ)۔اس آیتِ کریمہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو رسول ﷺ بنا کر بھیجنے کی گواہی دے رہا ہے۔جس سے آپ ﷺ کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔اسی طرح قرانِ کریم میں جگہ جگہ پر اوصافِ محمد ﷺ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو یٰسین ،طٰہٰ ،فرقان ، مدثر ،مزمّل جیسے معزز القاب وخطابات سے یاد فرمایا ہے۔آپ کی تعریف وتوصیف بیان کرتے ہوئے کہیں **وَمَاارسلنٰکَ اِلَا رَحْمَۃً لِلْعالَمین** کہا تو کہیں **وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلّا کَافَۃَ اِلْنّاس** اور کہیں **محمد بشر لا کالبشر یاقوت حجر لا کالحجر** (محمد ﷺ بشر ہیں عام بشر نہیں یاقوت پتھر ہے عام پتھر نہیں) کہا گیا۔اور کہیں **وَ اِنّکَ لَعَلیٰ خُلقِ عَظِیم** (اور بے شک آپ ﷺ کے اخلاق نہایت عالی

ہیں) کہا گیا۔اسی طرح **وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ** (اور ہم نے بلند کر دیا ہے آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو) کہا گیا۔حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ سیدِ عالم حضور اکرم ﷺ نے اس آیت کے متعلق حضرتِ جبرئیل سے دریافت فرمایا۔جواب میں جبرئیل امین نے فرمایا۔''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ کے ذکر کی بلندی یہ ہے کہ جب میرا ذکر کیا جائے میرے ساتھ آپؐ کا بھی ذکر کیا جائے گا۔''

حضرتِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ ''اذان میں، تکبیر میں، تشہد میں، منبروں پر، خطبوں میں اگر کوئی اللہ رب العزت کی عبادت کرے ہر بات میں اس کی تصدیق کرے اور حضرت رسول ﷺ کی رسالت کی گواہی نہ دے تو یہ سب بے کار ہے''۔

اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ تمام ذکر و اذکار میں کلمہء طیبہ کے بعد افضل الذکر درودِ پاک ہے جسے جزِ عبادت قرار دیا گیا ہے۔کلامِ پاک میں لفظ 'عشق' کا استعمال نہیں ہوا البتہ 'محبت' کا استعمال ضرور ہوا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ محبت افضل ترین شئے کا نام ہے۔دراصل یہی صفتِ کمالِ انسانی بھی ہے اور وصفِ خداوندی بھی۔یہ وہ پاک وصفِ خاص ہے جو خود خدائے بزرگ و برتر کو حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی ذات بابرکت سے ہے۔چنانچہ دیکھا جائے تو محبت کی ابتدا خود اللہ و رسول ﷺ سے ہوتی ہے۔اسی محبت کا نتیجہ ہے کہ آپ ﷺ کا اسم پاک جب بھی آئے تو دل و زبان سے بے اختیار درود کے الفاظ خود بخود جاری ہو جاتے ہیں۔

آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے قرانِ پاک میں کئی مقامات پر رحمت اللعالمین کے لقب سے نوازا اور آپ ﷺ پر درود بھی بھیجا اور آپؐ کی نعت و ثنا اور تعریف و توصیف بھی بیان کی۔حضرت موسیٰ کو کلیم کہا اور حضور اکرم ﷺ کو حبیب کہا۔کلیم یعنی جو اللہ تعالیٰ سے کلام یا محبت کرے حبیب یعنی وہ جو اللہ تعالیٰ جس سے محبت کرے۔قرآنِ کریم کی کئی آیات سے یہ ثابت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی نعت اور مدحت و ثنا بیان کرنے والا خود خدائے بزرگ و برتر ہے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی تعریف و توصیف ہی نہیں بیان کی بلکہ ہمارے لئے واعطی اللہِ و اعطی الرسول کی شرط بھی رکھی۔ توریت و انجیل میں بھی آپ ﷺ کا ذکر کیا۔حضرتِ آدم علیہ السلام سے لے کر حضرتِ عیسیٰ تک کے بیشتر انبیاء و مرسلین نے آپ ﷺ کے تقدس اور عظمت کا اعتراف کیا، بشارت دی اور آپ کی امّت میں ہونے کی خواہش ظاہر کی۔طلوعِ اسلام کے فوری بعد آپ کی تعریف اور توصیف کے وصف کو صحابہٴ کرام نے اپنایا اور اس کو مقصدِ حیات سمجھا۔حضرتِ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیدِ رسول ﷺ کو عبادت تصور کیا، حضرتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے جان و مال کو آپ

کی راہ میں لٹانے کو ایمان سمجھا، محبتِ رسول ﷺ ہی کے نتیجہ میں حضرتِ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایران پر فتح حاصل کی اور عدل وانصاف قائم کیا، محبتِ رسول ﷺ ہی کے نتیجہ میں حضرتِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درِ خیبر اکھاڑا، بدر وحنین کے غزوات بھی محبتِ رسول ﷺ ہی کا نتیجہ ہیں حضرتِ اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دندانِ مبارک بیک وقت نکال کر محبِ رسول ﷺ ہونے کا ثبوت دیا اور کئی عاشقان نبی ﷺ نے ان گنت درود شریف لکھ کر اپنی محبت کا ثبوت پیش کیا۔ لیکن قربان جایئے اس درود پر جسے ہم درودتاج کے نام سے جانتے ہیں اور پوری عقیدت اور محبت کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ جس میں حضور اکرم ﷺ کی سیرت اور عظمت کا اتنا دلکش بیان ہوا ہے جسے بار بار پڑھنے میں لطف اور مزہ آتا ہے۔ ہر ایک مومن اسے ثواب کی نیت سے پڑھتا ہے اور کافی دیر تک قلبی سکون اور اطمینان پاتا ہے اور اپنے آپ خوشی محسوس کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جن کو لکھنے کی سعادت بخشی انہوں نے سیرت کے خوشگوار پہلوؤں، کمالات و معجزات اور دیگر واقعات رسول ﷺ کو اپنی تحریروں کا جزو بنایا اور اسے معراجِ فن تصور کیا۔ حضرتِ سیدنا حسّان ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضور اکرم ﷺ کے دربار کا نعت گو شاعر ہونا اس بات کی روشن دلیل ہے بحیثیتِ شاعر جو بلند مرتبہ حسّان ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصیب ہوا وہ کسی اور کو حاصل نہیں ہوا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ خود حسّان ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسجدِ نبوی ﷺ کے منبر پر بٹھا کر نعت سنانے کی فرمائش کرتے اور صحابہ کے ساتھ بیٹھ کر حضرتِ سیّدنا حسّان کی زبانی نعتوں کا لطف اٹھاتے حضرتِ سیدنا حسّان کا اندازِ بیان دیکھئے۔

واحسن منك لم تروقط عینی و اجمل منك لم تلد النساء

خلقت مبرا من کل عیب کانك قد خلقت کما تشاء

''میری آنکھوں نے کبھی آپ سے زیادہ کوئی حسین نہیں دیکھا، عورتوں نے آپ ﷺ سے زیادہ کوئی صاحب جمال نہیں جنا۔ آپ کو ہر عیب سے پاک پیدا کیا گیا۔ جیسے آپ اپنی مرضی سے پیدا کئے گئے ہوں۔''

یہ بات مشہور ہے کہ سب سے پہلے نعتیہ اشعار حضرتِ ابو طالب نے کہے جو مشرف بہ اسلام نہ ہونے کے باوجود نبی کریم ﷺ کی ذات سے بے پناہ محبت اور عقیدت رکھتے تھے اور آپ کی عظمت کا اعتراف بھی کرتے تھے۔ پہلی وحی کے نزول کی خبر سننے کے بعد حضرتِ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سب سے پہلے نثر میں نعتیہ الفاظ بیان کئے۔ آپ کے حسنِ اخلاق سے

کفاّرومشرکین بھی متاثر تھے اور بعض کفاّر عقیدت کی ڈور میں کھنچے چلے آتے تھے۔ اعشیٰ ایک کافر شاعر تھا مگر آپ ﷺ سے بے حد متاثر تھا اس نے ایک مرتبہ نعت لکھ کر بارگاہِ نبوی ﷺ میں پیش کرنے کی کوشش کی، مگر کفاّرِ مکہّ نے اسے روک لیا۔

ہجرت کے موقع پر غارِ ثور سے نکلنے کے بعد پہلے دن حضور اکرم ﷺ اپنے غارِ یار سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ امّ معبد کے یہاں پہنچتے ہیں۔ جو ایک معمر اور مہمان نواز خاتون تھی۔ نبی کریم ﷺ نے کھانے کے لئے کچھ پوچھا۔ اس وقت اس کے یہاں کھانے کے لئے کچھ نہ تھا۔ آپ ﷺ نے ایک گوشہ میں کمزور اور لاغر بکری دیکھی جس کے تھن سوکھ چکے تھے آپ ﷺ نے اس سے دودھ دوہنے کی اجازت طلب کی۔ امّ معبد نے کہا یہ تو ایک لاغر بکری ہے اور اس سے دودھ آنا محال ہے۔ آپ ﷺ نے ایک برتن طلب کیا اور دودھ دوہنا شروع کیا اتنا دودھ آیا کہ اس سے سب سیراب ہوئے اس کے بعد آپ ﷺ کا قافلہ وہاں سے رخصت ہوا۔ نبی کریم ﷺ کی رخصتی کے بعد جب امّ معبد کا شوہر آیا تو اسے ایک عجیب خوشبو نے استعجاب میں ڈال دیا کہ یہاں ضرور کوئی آیا تھا اس نے اپنی بیوی سے دریافت کیا ام معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سارا ماجرا اپنے شوہر کو سنایا۔ جس میں حضور اکرمؐ کی شبیہ، شکل وشمائل، قد وقامت کردار وگفتار اور سیرت وصورت کی تصویر سامنے آجاتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی اتنی اچھی تصویر ہمیں سیرت کی بڑی بڑی کتابوں میں بھی ملنا دشوار ہے جو ایک کم علم اور ان پڑھ عورت نے پیش کی ہے۔ امّ معبد کا انداز بیان ملاحظہ فرمائیے۔ جسے نثری نعت کا بہترین اور اعلیٰ ترین نمونہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ جو آپ ﷺ کی تعریف وتوصیف اور ثنا خوانی کی بہترین مثال ہے۔

ترجمہ: ’’......میں نے ایک انسان دیکھا، پاکیزہ رو، کشادہ چہرہ، پسندیدہ خو، ہموار شکم، سر میں بھرے ہوئے بال، زیبا، صاحبِ جمال، آنکھیں سیاہ وفراخ، بال لمبے اور گھنے، آواز میں مردانگی وشیرینی، گردن موزوں، روشن اور چمکتے ہوئے دیدہ، سرگیں آنکھیں، باریک وپیوستہ ابرو، سیاہ گھنگریالے گیسو، جب خاموش رہتے تو چہرہ پُروقار معلوم ہوتا، جب گفتگو فرماتے تو دل ان کی جانب کھنچتا، دور سے دیکھو تو نور کا ٹکڑا، قریب سے دیکھو تو حسن وجمال کا آئینہ، بات میٹھی کہ جیسے موتیوں کی لڑی، قد نہ ایسا پست کہ کم تر نظر آئے، نہ اتنا دراز کہ معیوب معلوم ہو، بلکہ ایک شاخ گل ہے، جو شاخوں کے درمیان ہو، زیبندہ نظر، والا قدر، ان کے ساتھی ایسے جو ہمہ وقت ان کے گرد و پیش رہتے ہیں، جب وہ کچھ کہتے ہیں تو یہ خاموش سنتے ہیں، جب حکم دیتے ہیں تو تعمیل کے لئے

جھپٹتے ہیں۔ مخدوم ومطاع، نہ کوتاہ سخن اور نہ فضول گو........''

اس زمانے سے لے کر آج تک باقاعدہ طور پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد حضور ﷺ کی شان وشوکت اور عظمت بیان کرنا امّتِ مسلمہ کا اولین فریضہ ہے اور اسے زمزمہ رُوح تصور کیا جاتا ہے۔ اردو کے کم وبیش تمام شعراء دیگر اصنافِ سخن پر نعت کو فوقیت دیتے ہیں کیونکہ سیرت النبی ﷺ رکھنے اور نعت کہنے سے قلب کو ایمان اور روح کو راحت نصیب ہوتی ہے۔

درحقیقت شاعر وہی ہے جس کا تصور وتخّیل بلند اور عظیم ہو اور عظیم شاعری وہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی عظمت سے متعلق ہو۔ خالص اس نوعیت کی شاعری کا شرف انہیں اصحابِ فن کو نصیب ہوتا ہے جن کا دل عشقِ مصطفےٰ ﷺ کے لئے دھڑکتا ہے اور جن کا قلم عظمتِ نبی ﷺ رقم کرنے کے لئے بے قرار رہتا ہے۔ تب کہیں جا کر نعت کا حق ادا ہوسکتا ہے۔

بلغ العلیٰ بکمالہِ کشف الدجیٰ بجمالہِ

حسنت جمیع خصالہ صل علیہ و آلہ

نعت کہنے کے لئے ایمان شرط ہے اور عشق نبی ﷺ نہایت ضروری ہے۔ ساتھ ہی خلوص و جذبۂ عقیدت بھی درکار ہے۔ اس کے علاوہ پاک ذہن اور پاک طینیت ضروری ہے نعت کہنے کے لئے اپنے قلب کو منّور اور روشن کرنا ہی نہیں بلکہ عشقِ رسول ﷺ میں تپا کر کندن اور اپنے دل کو مدینہ بنانا پڑتا ہے تب کہیں جا کر نعت ہوسکتی ہے اور حضور ﷺ کا فیض حاصل ہوسکتا ہے۔ مثلاً

ان کی محبت میں مجھ کو گالی ملے تب نعت ہو فاقوں کے مارے پیٹ پر پتھر بندھیں تب نعت ہو

ہاں سر پھٹے، سینہ چھِٹے، گردن کٹے، تب نعت ہو آرام کرسی پر پڑا نعتیں اگر فرماؤں گا

اس بارگاہِ خاص سے کیا فیض آخر پاؤں گا

نعت میں حضور اکرم ﷺ کی شان اور مراتب کا لحاظ رکھتے ہوئے آپ کے تقدس کو برقرار رکھنا ہے۔ نعت کا فن آسان نہیں ہے یہ بال سے باریک اور تلوار سے تیز پل صراط سے گذرنے کی مانند ہے۔ جہاں ایک چھوٹی سی لغزش، خطا اور ایک ہلکا سا لفظ جو مقامِ نبوت اور شانِ رسالت کے خلاف یا منافی ہو یا کم ہو نعت گو کو گستاخانِ رسول ﷺ اور منافقت کی صف میں کھڑا کر دے گا۔ علاوہ ازیں ذرا سی مبالغہ آرائی بھی نعت گو کو کفر وشرک کا مرتکب بنا دے گی۔ جبکہ حمدیہ شاعری میں ہزار مبالغہ آرائی کی گنجائش ممکن ہے کیونکہ حمدیہ شاعری میں مبالغہ بھی عین حقیقت بن جاتا ہے۔ مگر نعت میں تعریف وتوصیفِ محمد ﷺ کے لئے مراتب اور حدود

مقرر ہیں۔ ان حدود اور مراتب سے تجاوز کرنا گویا ایمان سے خارج ہونا اور شرک وکفر کا مرتکب ہونا ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ:

باخدا دیوانہ باشدو با محمد ہوشیار

اور حضور ﷺ کے مرتبہ کے لحاظ سے یہ بھی ضروری قرار دیا گیا کہ

گر فرق مراتب نہ کنی زندیق

نعتیہ شاعری کا شمار عقائد پر مبنی شاعری میں ہوتا ہے۔ جس طرح حمد اللہ تعالیٰ کی تعریف و توصیف سے عبارت ہے، اسی طرح منقبت بزرگانِ دین سے اظہارِ عقیدت کا نام ہے اور نعت مخصوص ہے حضور ﷺ کی ذات سے۔ جہاں تک عقیدہ کا سوال ہے اس میں جذبۂ لگاؤ بھی ہوتا ہے اور ایک قسم کا ڈر اور خوف کا خدشہ بھی رہتا ہے اور اس میں اپنی فلاح اور نجات کا پہلو بھی پوشیدہ ہوتا ہے۔ مذہبِ اسلام میں نجات کا تصور آتے ہی شافعِ محشر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف ہمارے قلب و ذہن خود بہ خود مائل ہو جاتے ہیں اور لب پر درود کا نذرانہ ہوتا ہے، ذہن گنبدِ خضریٰ کی جانب اور دل میں ایک امنگ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جسے جذبۂ عقیدت سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اسی عقیدت کا نتیجہ ہے کہ ہماری نعتیہ شاعری میں مبالغہ عام ہو گیا ہے۔ جہاں عشق کم اور عقیدہ کی بنیاد پر محبت کا پہلو زیادہ موجود ہے۔ نعت گوئی میں محبوب کے سامنے محبّ کی التجا اس کے دل کی آئینہ دار ہوتی ہے اور ہر ایک مسلمان نبی کریم ﷺ سے محبت رکھتا ہے۔ ایمان کی شرط بھی عشقِ رسول ﷺ کی بنیاد پر ہی ہے۔ اور ایمان کا تقاضا بھی اللہ پر، رسولوں پر، فرشتوں پر، کتابوں پر آخرت پر مکمل یقین رکھنا ہی ہے۔ یہی یقین و ایمان اور عقائد کا نتیجہ ہے کہ نعتیہ شاعری کا پلہ حمدیہ شاعری سے بھاری ہے کیونکہ.....

بعد از خدائے بزرگ تو ی قصّہ مختصر

دراصل نعت بھی درود ہی کی ایک شکل ہے جس میں عشق و عقیدت اور اطاعت و تسلیم کا رجحان شعری روپ اختیار کر لیتا ہے۔ نعتیہ شاعری رسمی شاعری نہیں ہے۔ یہاں ذاتی جذبات و تخیلات کا ہرگز عمل دخل نہیں ہوتا۔ نعت کے لئے فنّی مہارت ولیاقت اور قدرت کلام سے کہیں زیادہ مقامِ نبوت کا صحیح عرفان، عظمتِ نبوت کا سچّا وجدان، حضور اکرم ﷺ کی شان و شوکت اور عظمت، سیرت کا بھرپور علم، توحید اور رسالت کے حدود کا لحاظ اور آپ ﷺ سے سچّا عشق اور سچّی عقیدت نہایت ضروری ہے۔ مگر یہاں بھی مقام اور مراتبِ الوہیت اور نبوت کا لحاظ رکھنا

ازحد ضروری ہے۔ عظمتِ ربوبیت اور عظمتِ نبوت سے واقفیت لازمی ہے۔ نعت کے لئے خلوص و عقیدت کے ساتھ ساتھ عشق و اطاعت کا ہونا شرط ہے۔ عشق اور عقیدت کے حدود بھی مقرر اور متعین ہیں۔ لیکن عشق کی انتہا اور عشق کا حاصل بھی آپ ﷺ ہی کی ذاتِ بابرکت ہے۔

عقل کی منزل ہے وہ، عشق کا حاصل ہے وہ
حلقۂ آفاق میں گرمیٔ محفل ہے وہ

غیر مسلم شعراء کے یہاں بھی نعت میں عشق پایا جاتا ہے۔ لیکن یہاں سوال ایمان کا اٹھتا ہے۔ ہمارے ادب میں غیر مسلم شعراء نے بھی نعتِ رسول لکھ کر عشق و عقیدت کا ثبوت دیا ہے ایک غیر مسلم شاعر کالکا پرشاد کی نعت میں پایا جانے والا عشق اور عظمت مصطفیٰ ﷺ کا انداز دیکھئے۔

مشرق تا مغرب تھا درہم و دینار　　لے کر زمین تا بہ فلک مال کا انبار
دریا سبھی بنے موتی، پارس بنے کوہسار　　ایک سمت کھڑے ہوں جو مرے سیدِ ابرار
پوچھے کوئی کالکا پرشاد سے کہ کیا لے　　نعلینِ کفِ پائے نبی سر پہ اٹھالے

یہ عشق، یہ جذبہ، یہ خلوص اور یہ محبت ایک غیر مسلم شاعر کے یہاں ملتا ہے جو ایمان کی دلالت کرتا ہے جو ایک مومن کے لئے ضروری ہے۔ یہ جذبہ نعت کے لئے شرط اول ہے جس سے نعت کی عظمت دوبالا ہوجائے گی ورنہ زبانی خرچ اور زبانی ہمدردی اور دکھاوے کی عقیدت ہوگی۔

○○○

ڈاکٹر تسلیم (جے پور)

مولانا یوسف علی خاں عزیزؔ بحیثیت نعت گو

بیسویں صدی کے وسطی زمانہ تک راجستھان کے جن شاعروں کو ادبی دنیا میں شہرت اور پذیرائی حاصل ہوئی ان میں ایک اہم نام مولانا یوسف علی عزیزؔ کا بھی ہے۔اس کا اعتراف بابائے اردو مولوی عبدالحق کو بھی تھا اور بعض دوسروں کے علاوہ جے پور کے مولانا عبدالحئیٔ فائزؔ کو بھی۔ بابائے اردو نے جس انداز میں مولانا یوسف علی خاں عزیزؔ کی شخصیت اوران کے ادبی آثار کو خراج تحسین پیش کیا ہے،اس کا اندازہ ان کے درج ذیل بیان سے ہوگا:

''مولانا عزیز سلیمانی قدیم درس گاہوں کے تعلیم یافتہ اوراپنے عہد کے علما کے تربیت یافتہ ہیں۔علاوہ علمی درس گاہ کے بڑے قادرالکلام شاعر ہیں۔ ہر صنف سخن پر قدرت رکھتے ہیں۔ادبی نکات ورموز سے خوب واقف ہیں۔ان کا کلام اردو کے نامور شعرا کے مقابلے میں پیش کیا جا سکتا ہے۔اعلیٰ درجہ کے خطیب اوراثر انگیز مقرر بھی ہیں اور درس وتدریس کا بھی کافی تجربہ رکھتے ہیں۔دینی معلومات کافی وسیع ہیں،ان کے خیالات میں وسعت اور رواداری پائی جاتی ہے۔اس جامعیت کے اشخاص ہماری قوم میں خال خال نظر آتے ہیں اورآئندہ پیدا ہونے کے آثار نہیں ہیں۔ ؎

یہ ایک فرد ہے انجمن کے برابر
گل تازہ ہے کل چمن کے برابر''

تقریباً اسی انداز میں مولانا عبدالحئیٔ فائزؔ بھی رقم طراز ہیں:

'' شیخ الوقت، شگفتہ مزاج، مرنج ومرنجاں کا شمار دراصل ان شاذ ومتنا دماغوں میں ہے جن کی ذہنیت وحداست مروجہ تعلیم کی قید و بند سے آزاد ہے۔ آپ نسخۂ کائنات اورصحیفۂ فطرت کا نہایت بالغ نظری سے مطالعہ کرکے اپنے دلی گہرے اثرات کے جذبات عالیہ کو صاف زبان اورموثر بیان میں ادا کرنے کی قابلیت ومقبولیت خدا داد حاصل کر چکے ہیں۔سید القوم کے ساعی جمیلہ، کافتہ

الناس کے بہبود و اتحاد پر مبنی و مشتمل ہیں۔ مذہب، ادب اور تاریخ کے عنوانات زیرِ مشق ہیں۔ جرأت خاصہ طبیعت ہے۔خود داری کے ساتھ نہایت متواضع، بغایت مخیّر ، بے حد عالی حوصلہ ،نمونۂ سلف صالحین یہ بزرگ، بابائے اردو کے دست راست، بڑے محسن ادب ہیں۔‘‘

ان بیانات سے اندازہ ہوگا کہ یوسف علی خاں عزیؔز اپنے دور کی ایک مقبول شخصیت تھے۔ مگر اب نصف صدی سے زیادہ عرصہ گذر جانے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ راجستھان کے اس جید عالم اور قادر الکلام شاعر کو زمانہ بھولتا جا رہا ہے۔حال ہی میں راقمۃ الحروف نے ’مولانا یوسف علی خاں عزیؔز: فکر و فن‘ کے موضوع پر راجستھان یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو و فارسی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری لی ہے۔اس ریسرچ کے دوران اندازہ ہوا تھا کہ مولانا یوسف علی خاں عزیؔز غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل شاعر اور ادیب تھے۔ دیگر اصناف کے ساتھ نعت گوئی ان کی اولیات میں شامل تھی۔انھوں نے جتنے نعتیہ قصائد اور غزلیں لکھی ہیں وہ سب کی سب عشق نبی سے سرشار ہیں۔ یہی نعتیہ قصائد اور غزلیں فی الوقت ہمارے پیش نظر ہیں۔چنانچہ ان کے مطالعے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قارئین کے لیے یوسف علی خاں عزیز کے سوانحی کوائف مختصراً بیان کر دیے جائیں۔

مولانا یوسف علی خاں عزیؔز کا تعلق راجستھان کی سابق ریاست ٹونک سے تھا جہاں وہ ماہ رجب ۱۳۰۶ ہجری مطابق ۱۴ر مارچ ۱۸۸۹ء کو پیدا ہوئے۔ان کا موجودہ نام ان کے بڑے نانا حضرت کبیر الاولیا کا عطا کردہ ہے۔ جب کہ ان کا تاریخی نام منظور علی (۱۳۰۶ ہجری) تھا۔ان کی تعلیم و تربیت اور ملازمت کا آغاز ریاست جے پور میں ہوا تھا۔یہیں تقریباً بیس سال کی عمر میں وہ بخشی خانہ فوج میں ملازم ہوئے اور رفتہ رفتہ ترقی پا کر کمانڈر اِن چیف کے منصرم ہو گئے۔جے پور میں مختلف عہدوں پر فائز رہنے اور اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنے کے بعد یوسف علی خاں ۱۹۴۸ء میں سبکدوش ہوئے۔اس کے بعد بابائے اردو کے اصرار پر وہ پاکستان ہجرت کر گئے۔ پاکستان میں ہی ۱۲ر نومبر ۱۹۷۵ء کو ان کا انتقال ہوا۔

یوسف علی خاں کو ٹونک اور اس کے بعد جے پور میں بچپن سے ہی ادبی ماحول میسر آیا چنانچہ دس سال کی عمر سے ہی وہ شعر و سخن کی جانب مائل ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ تقریباً دس ہزار اشعار کہہ لینے کے بعد وہ جے پور میں قیام پذیر مرزا آگاؔہ دہلوی شاگرد مرزا غالبؔ کے حلقۂ تلمذ میں داخل

ہو گئے تھے۔ وہ اکثر خود کو ''عزیز الملک آگاہی و نورِ دیدۂ غالب'' اور ''عزیز اسد اللہی'' کہا کرتے تھے۔ چونکہ آگاہؔ کو غالبؔ سے تلمذ حاصل تھا اور یوسف علی خاں مرزا آگاہؔ کے شاگرد تھے، اس نسبت سے مرزا غالبؔ ان کے دادا استاد ہوئے۔ یوسف علی خاں عزیزؔ کا مندرجہ ذیل قطعہ اسی نسبت کا مظہر ہے:

شاگرد کو سنتے ہیں تو یاد آتے ہیں استاد
استاد جو ہوتے ہیں بنا جاتے ہیں استاد
استاد کے شاگرد ہی کہلاتے ہیں استاد
اس رمز کو پاتے ہیں تو بس پاتے ہیں استاد
چھپتی ہے کہیں شانِ سخن اہلِ سخن سے
آگاہؔ کا شاگرد ہوں ، آگاہ ہوں فن سے

مولانا یوسف علی خاں عزیزؔ جیسا کہ ذکر کیا گیا، مختلف اصناف شاعری پر قادر تھے۔ اسلامی تاریخ و ادب سے واقفیت کی بنا پر انھوں نے وقتاً فوقتاً جو کچھ لکھا وہ مبشراتِ حق آیات، معجز نما سیرت، ہادیٔ برحق، فقہ کے امام اعظم، میلادِ عزیز، ایمانِ عزیز، زندہ معجزہ، حدیثِ حسن، ذوالنورین، وحدت الوجود، تاریخ اتحادِ اسلام اور تاریخ افتراقِ اسلام جیسی کتابوں کی صورت میں موجود ہے۔ یہ تمام کتابیں اردو نثر میں ہیں۔ ان کے علاوہ شاعری اور اس کی جملہ اصناف مثلاً غزل، قصیدہ، مرثیہ، رباعی، مثنوی، قطعہ، مسدس، مخمس وغیرہ کی ہیئتوں میں جو سرمایۂ ادب ان سے یادگار ہے، وہ بھی بہت قابلِ لحاظ ہے۔ ان شعری اصناف کے علاوہ انھیں نعت، سلام اور منقبت گوئی میں بھی یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ چنانچہ ان کا نعتیہ کلام فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں موجود ہے۔ اگر ہم فی الوقت فارسی زبان میں لکھے گئے اس کلام سے صرف نظر کرلیں تو اردو میں کہے گئے نعتیہ قصائد اور غزلوں کے علاوہ سلام اور منقبتوں کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں۔ یہ سارا کلام یوسف علی خاں عزیزؔ کی کتاب 'نغمۂ عندلیب' مطبوعہ کراچی (۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء) اور 'قرآنِ ناطق' مطبوعہ کراچی (۱۹۶۷ء) میں موجود ہے۔ ان ہی کتابوں سے انتخاب کر کے ایک دوسرا مجموعۂ نعت یوسف علی خاں عزیزؔ کے بڑے بیٹے سید صداقت علی نے 'ارمغانِ عزیز' (مطبوعہ کراچی ۲۰۱۰ء) کے نام سے شائع کیا ہے۔ ان کتابوں پر جن حضرات کے تبصرے شائع ہوئے ہیں ان میں پروفیسر

سید کرار حسین، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، خالد محمود نقش بندی، پروفیسر ظفر اقبال، ڈاکٹر محمد مسعود احمد اور ڈاکٹر ناصر الدین وغیرہ کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

یوسف علی خاں حافظ قران بھی تھے اور اسلامی ادب و تاریخ پر ان کی گہری نظر تھی۔ اس کا احساس ان کے نعتیہ کلام کے علاوہ ان قصائد، مثنویوں اور مراثی سے بھی ہوتا ہے جو ادب عزیز (حصہ اول و دوم) مطبوعہ ۶۶۔۱۹۶۷ء کراچی میں شامل ہے۔ مثنویاں تو تمامتر مذہبی نوعیت کی ہی حامل ہیں۔ اس سلسلے میں یوسف علی خاں عزیزؔ کی کتابیں مثلاً معینؔ الادب (مطبوعہ ۱۹۲۹ء)، صداقتؔ عزیز (مطبوعہ ۱۹۳۳ء)، دہلی) اور قرانؔ ناطق مع لواء الحمد (مطبوعہ ۱۹۶۸ء) کو موضوع گفتگو بنایا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ ان کا بیشتر سرمایۂ ادب مذہبی نوعیت کا حامل رہا۔ فی الوقت اس کی تفصیل سے قطع نظر، پیش نظر مضمون کا مقصد یوسف علی خاں عزیزؔ کے نعتیہ کلام کی جانب قارئین کی توجہ مبذول کرانا ہے جو اپنی غایت کے لحاظ سے نعتیہ ادب کا بیش بہا سرمایہ ہے۔

یوسف علی خاں عزیز کا نعتیہ کلام عموماً دو شعری اصناف پر مشتمل ہے۔ اول قصیدہ اور دوم غزل۔ یعنی نعتیہ قصائد اور نعتیہ غزلیں لیکن ان کے علاوہ متعدد قطعات بھی ایسے ہیں جنھیں نعتیہ قطعات کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ ان مختلف شعری اصناف کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یوسف علی خاں عزیزؔ عشق نبی میں سرشار تھے۔ ان کا مشہور نعتیہ شعر ہے۔ ؎

پڑھنی ہے نعت پاک شہِ انبیا مجھے
اپنی زبان دیدے ذرا اے خدا مجھے

اس شعر میں شاعر نے جس زبان کی تمنا کی ہے، اس کا انداز اور بیان بھی ممدوح کے حسب منشا ہی ہونا چاہیئے۔ چنانچہ یوسف علی خاں لکھتے ہیں۔ ؎

کوثر سے دھلی ہوئی زباں ہو
قراں سے ملا ہوا بیاں ہو
تائید خدائے انس و جاں ہو
حبّ نعت رسول دو جہاں ہو

یوسف علی خاں نے اسی جذبے سے سرشار ہو کر متعدد نعتیہ قصیدے اور ۱۰۵ / سے زائد نعتیہ غزلیں کہی ہیں۔ پہلے چند نعتیہ قصائد کے مطلعے ملاحظہ کیجیے:

۱-

نہ زانو تھا نہ آئینہ نہ حیرت تھی نہ سکتہ تھا
وہ زلفیں جب بھی تھیں ، وہ نور رخ جب بھی چمکتا تھا

(تعداد اشعار ۸۱ر)

۲-

خالق اپنے نور سے جب نور پھیلانے لگا
حسن روئے حق نما ، ظاہر نظر آنے لگا

(تعداد اشعار ۹۳ر)

۳-

عالم میں کہیں نام نہ تھا مہر و وفا کا
عالم تھا جہاں بھر میں جفا کا ہی جفا کا

(تعداد اشعار ۹۵ر)

۴-

نشۂ عشق حقیقی سے جو سرشار نہ تھا
ایسا بیہوش کسی دور میں ہشیار نہ تھا

(تعداد اشعار ۲۲ر)

۵-

مہر و عزت، ذرہ خاکِ زمین مصطفٰے
بہر رحمت ، قطرۂ آب و جبین مصطفٰے

(تعداد اشعار ۱۹ر)

۶-

کھٹکا لگا ہوا ہے اس دور میں فنا کا
ساقی مجھے پلا دے ساغرمئے بقا کا

(تعداد اشعار ۳۱ر)

۷-

الٰہی کس بلا کا منقلب دور قمر آیا
کہ ثابت کا اثر بھی لے کے لاکھوں شور و شر آیا

(تعداد اشعار ۵۷/)

۸-

ذرّے ہیں آئینہ دار آفتاب
ہیں زمیں یا جلوہ زار آفتاب

(تعداد اشعار ۳۶/)

۹-

اٹھا اوج فاراں سے رحمت سحاب
دعا میکشوں کی ہوئی مستجاب

(تعداد اشعار ۵۳/)

۱۰-

ملحوظ خدا ہے ادب شان محمد
ہشیار ذرا نعت سر آیان محمد

(تعداد اشعار ۶۱)

۱۱-

پھر وہی چشم تمنا ہے وہی سرمۂ نور
پھر وہی منظر سینا ہے وہی جلوۂ طور

(تعداد اشعار ۴۸/)

۱۲-

باد رحمت چل رہی ہے آئے بادل دل کے دل
لو گھٹا گھنگور چھائی ہے ترشح بر محل

(تعداد اشعار ۶۱/)

۱۳-

کہہ گئے کعبے میں دل پر ہاتھ رکھ رکھ کر خلیل
کہ ہو گیا سینہ منوّر جلوۂ نور جمیل

(تعداد اشعار ۵۷/)

۱۴-

غنچۂ و گل سے ہوا آج معطّر ہے نسیم
کس کی زلفوں کی یہ پھیلی ہے گلستاں میں شمیم

(تعداد اشعار ۵۹/)

۱۵

آتا ہے کون گل بدن ایسا صبا کے ساتھ
خوشبو جو عطر بن کے اڑی ہے ہوا کے ساتھ

(تعداد اشعار ۵۳/)

۱۶-

اللہ کی حمد ورد زباں ، یہ طور ہے فرض عبادت کا
ہے نعت محمد زیب بیاں ، یہ رنگ ہے اصل محبت کا

(تعداد اشعار ۵۵/)

مزید مطلعوں کی تفصیلات سے قطع نظر، عرض یہ کرنا ہے کہ یوسف علی خاں عزیزؔ کے تمام تر نعتیہ قصائد نہ صرف حمد باری تعالیٰ بلکہ نعت رسول عربی کی شان والا صفات کے علم بردار ہیں۔ یہ اللہ کی وحدانیت اور رسول کی مدحت سے لبریز ایسے قصائد ہیں جن میں اسلامی تاریخ کا گہرا رنگ قارئین کو متوجہ کرتا ہے اور وہ اپنے اندر غیر معمولی روحانی کشش بھی محسوس کرتا ہے۔ مثلاً مثنوی کی ہیئت میں لکھے گئے ایک قصیدے کے بعض اشعار دیکھیے، ان کے مطالعے سے موضوع پر شاعر کی فنکارانہ دسترس کا خود بخود اندازہ ہو جائے گا۔

رات تھی یا استتار آفتاب صبح لایا انتظار آفتاب
آئے دنیا میں وہ نور حق، جو ہیں ربّ مہ، پروردگار آفتاب

آ گئے عزت فزائے ماہتاب آ گئے حاجت بر آر آفتاب
ان سے چمکی قسمت ماہِ ربیع ان سے دمکا بخت یار آفتاب
نازش عرش و عزیز کائنات فخر ماہ و افتخار آفتاب
زینت لعل و ضیا بخش نہار مرکز ماہ و مدار آفتاب
رحمت عالم، شفیع انبیاء ماہ تسکین و قرار آفتاب
صدقے خورشید رسالت پر ہوئے کل کبار و کل صغار آفتاب
روز افزوں چہرے کی تشبیہ سے عزت ماہ و وقار آفتاب
ظلِ زلف و تابش رخسار پاک محسن لیل و نہار آفتاب
حسن کے بانی، حبیب کردگار دلبر ماہ و نگار آفتاب
آسماں لینے جھکا خیرات حسن لے کے طشت زرنگار آفتاب
اقتدار سِرّ قدرت پر نثار ق رجعت بے اختیار آفتاب
پھیرنے والے کی روشن برتری کہہ رہا ہے اضطرار آفتاب
جو عطا ہوتی نہ نورانی حیات بن گیا ہوتا مزار آفتاب

ایک اور نعتیہ قصیدۂ مقتضب کے یہ ابتدائی اشعار بھی ملاحظہ کیجیے۔ رسول اللہ کے حسن و جمال کی کیسی دلکش تصویر پیش کی ہے۔

تیری تصویر کس نے کن حسیں ہاتھوں سے کھینچی ہے
حسیں ہاتھوں سے کیا، حسن آفریں ہاتھوں سے کھینچی ہے
تری تحریر سے روشن ہے، تو نے صورتِ قدرت
حسیں آنکھوں سے دیکھی ہے، حسیں ہاتھوں سے کھینچی ہے
سوادِ خط کو تیرے دیکھنے والوں پہ روشن ہے
ضیائے چشمۂ مہر مبیں ہاتھوں سے کھینچی ہے
حصار شرع و نقش معرفت، پانوں سے کھینچا ہے
بنائے عافیت ، دیوار دیں ہاتھوں سے کھینچی ہے
جو دیکھا نامۂ اقدس، کہا قیصر نے اسقف سے
یہ کس نے صورت صدق و یقیں ہاتھوں سے کھینچی ہے

قمر شق ہو، برابر ہو یہ کس کو دسترس حاصل
لیکر اعجاز کی اے مہ جبیں ہاتھوں سے کھینچی ہے
شب معراج اگر ہوتے تو ہم بھی پوچھتے حق سے
یہ کس نے صورت حسن آفریں ہاتھوں سے کھینچی ہے

جیسا کہ ذکر کیا گیا، یوسف علی خاں عزیزؔ نے نعتیہ قصائد کے علاوہ نعتیہ غزلیں بھی کہی ہیں۔ یہ غزلیں بظاہر سہل ممتنع کا انداز رکھتی ہیں مگر ان میں اکثر قران و احادیث کے تراجم بھی موجود ہیں۔ ان کے متعلق نغمۂ عندلیبؔ کے ایک مبصر جناب خالد محمود کا بیان ہے کہ ''حضرت (یعنی یوسف علی خاں عزیزؔ) کے نعتیہ مجموعے کو پڑھنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے آپ کی ذات ایک مسیحا تھی جو گونگے الفاظ کو استعمال کے بعد قوت گویائی بخش دے اور الفاظ بول اٹھیں۔ یہ ایک انمٹ حقیقت بھی ہے اور مشاہدہ بھی مگر ہر ایک شعر کو محبت کی نظر سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔'' (بحوالہ نغمۂ عندلیبؔ ص ۳۴۰) ذیل میں چند منتخب نعتیہ اشعار ملاحظہ کیجیے۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ یوسف علی خاں عزیزؔ نہ صرف موضوع بلکہ اس کے فنکارانہ بیان پر بھی قدرت رکھتے تھے:

رسول اسم صفت ہے ظہور معنیٰ ہے
سمجھنے والوں نے ظاہر خدا کو دیکھ لیا
زبان دل سے پڑھا کلمۂ شہادت جب
خدا کو دیکھ لیا مصطفےٰ کو دیکھ لیا

اعجاز سراپا پے یا جلوہ گہہ قدرت
اے قامت بے سایہ ائے سایۂ بے ظلمت

آئینۂ آیت میں گنجینۂ رافت میں
ہے صاف تری صورت ، ہے پاک تری سیرت
تہذیب نکھرتی ہے اخلاق سنورتے ہیں
ہر قال میں سو حکمت ، ہر حال میں سو رحمت

شان خدا بھی آپ، نشان خدا بھی آپ
حق کا بیاں بھی آپ ہیں حق کی ادا بھی آپ
احمد ہیں حامدوں میں محمد ہیں خلق میں
یوں مجتبیٰ بھی آپ ہیں یوں مصطفٰے بھی آپ

خدا کا حسن ہے روئے محمد — خدا کا خلق ہے خوئے محمد
ہوا آزاد فکر دو جہاں سے — اسیر بند گیسوئے محمد
محبت میں عجب کچھ دلکشی ہے — کھچا جاتا ہے دل سوئے محمد

کیا شان ہے اے صلِ علیٰ شان محمد — ہے رحمت اللہ بھی قربان محمد
اسرار مشیّت، خمِ ابروئے معنبر ! — اظہارِ حقیقت ، رخ تابان محمد
طٰہٰ کی دمک، جسم منور کی لطافت — یٰسیں کی چمک، تابشِ دندان محمد
میرا یہ عقیدہ ہے یہی ہے مرا ایماں — ممکن ہی نہیں خلق میں ہم شانِ محمد

خوشا قسمت ہوا ہے ہند سے آنا مدینے میں
الٰہی حشر تک ہو جائے رہ جانا مدینے میں
حضور؟ اللہ کا دیدار بندوں کو کہاں ہوگا
مرا یہ پوچھنا اوران کا فرمانا مدینے میں

حیراں ہیں سب رتبہ شناسان محمد
کس طرح لکھیں مدحت شایان محمد

آخری الذکر شعر دراصل ایک قصیدے کا مطلع ہے۔ مشہور پاکستانی نقاد پروفیسر فرمان فتحپوری نے اپنے تبصرے میں اس کا خصوصی ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''اس قصیدے میں کم و بیش سوا شعار ہیں کہ سرور آگیں وجدانی کیفیتوں کے جام چھلکاتے ہیں۔ زبان و بیان کے رنگ جماتے ہیں اور حضور اکرم کی سیرت طیبہ واسوۂ حسنہ کے جلال و جمال کے ایسے مناظر دکھاتے ہیں

کہ ان اشعار کو سننے اور پڑھنے والے خود بھی ثنا خوان محمد کی صف میں شعوری یا لاشعوری طور پر آ کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ کسی شاعر کی نعت گوئی کا ایسا وصف ہے جو توفیق الٰہی کے بغیر میسر نہیں آتا۔ بحمد للہ یہ توفیق 'نغمۂ عندلیب کے شاعر کو حاصل ہے۔''

(بحوالہ نغمۂ عندلیب ص ۳۳۷)

یوسف علی خاں عزیزؔ بلاشبہ ایک بلند پایہ نعت گو شاعر تھے۔ ان کا نعتیہ کلام حد ادب سے کبھی تجاوز نہیں کرتا:

ملحوظ نعت میں رہے حد ادب عزیزؔ
کہہ دیں نہ اہل ذوق کہ حد سے نکل گیا

○○○

ڈاکٹر علی باز ہرؔھما (حیدرآباد)

طوطیٔ دکن: تہنیت النساء بیگم تہنیتؔ کی ادبی خدمات و نعت گوئی

محترمہ تہنیت النساء بیگم تہنیت مشہور محقق اور ماہر لسانیات و دکنیات ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ کی شریک حیات تھیں ان کی ادبی خدمات نا قابل فراموش ہیں وہ ایک باکمال نعت گوشاعرہ تھیں۔ انہوں نے حیدرآباد کے ذی ثروت اور اعلیٰ علمی و مذہبی گھرانے میں 20 مئی 1910ء کو آنکھیں کھولیں۔ ان کے والد نواب رفعت یار جنگ ثانی جو کہ مملکت آصفیہ میں بیدر اور اورنگ آباد میں صوبیداری کے عہدے پر فائض تھے۔ رفعت یار جنگ کا سلسلہ نسب خلیفہ اول حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ ان کی والدۂ ماجدہ محترمہ اسماء بیگم صاحبہ کی پیدائش مدینہ منورہ میں ہوئی تھی۔ جب وہ نو سال کی ہوئیں تب وہ اپنے والدین اور بھائی کے ساتھ ہندوستان تشریف لے آئیں اور تقریباً ربع صدی تک یہاں پر قیام پذیر رہ کر 1947ء میں مدینہ منورہ ہجرت کر گئیں۔ 1952ء میں مدینہ منورہ ہی میں انتقال فرمایا اور مدینہ منورہ میں ہی مدفون ہوئیں۔ آپ کا سلسلہ ایک جانب حضرت شہاب الدین سہروردی سے ملتا ہے تو دوسری جانب علماء فرنگی محل سے بھی نہایت قرابت داری تھی تہنیت النساء بیگم کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی انہیں والدہ ماجدہ پڑھایا کرتی تھیں۔ بعد میں محبوبیہ گرلز ہائی اسکول میں داخلہ دلوایا گیا جہاں انہوں نے سینئر کیمبرج تک تعلیم حاصل کی۔

محترمہ تہنیت کو شاعری کا ذوق ورثے میں ملا تھا۔ ان کے چچا سر نظامت جنگ بہادر ایک ممتاز ماہر سیاسیات ہونے کے ساتھ ساتھ انگریزی میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ انہوں نے میر عثمان علی خاں آصف جاہ سابع کی غزلوں کا انگریزی میں ترجمہ بھی کیا تھا۔ ان کے علاوہ محترمہ

تہنیت کی دو پھوپھیاں خیر النساء بیگم خیرؔ اور تہنیت النساء ساجدہؔ بھی شاعری کیا کرتی تھیں۔ یہی وجہ رہی ہے کہ انہیں بچپن سے ہی ادبی ذوق کا چسکہ لگا تھا اور جب وہ 10 نومبر 1932ء میں ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئیں جو ایک محقق و نقاد ہونے کے ساتھ ساتھ اردو کے قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ تو اس طرح تہنیت صاحبہ کے ادبی ذوق کو مزید جلا ملی اور ان کی شاعری نکھرنے اور سنورنے لگی۔ سچ کہیں تو وہ زور صاحب کی شریک حیات ہی نہیں بلکہ شریک کار بھی رہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ڈاکٹر زورؔ کے علمی و ادبی کارناموں میں بیگم زورؔ کا بھی گرانقدر حصہ رہا۔ اس تعلق سے ڈاکٹر زورؔ خود فرماتے ہیں کہ:

> ''میں اپنی بیوی کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے سارے گھریلو کاروبار سے مجھے آج تک بے نیاز رکھا۔ نہ صرف یہی بلکہ میرے علمی و ادبی کاموں میں بھی انہوں نے دور دور تک ہاتھ بٹایا۔'' (یادگار زورؔ۔ ص: 92)

بیگم زورؔ ایک وفا شعار اور سلیقہ مند بیوی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک صابر و شاکر خاتون تھیں۔ دولت مند گھرانے سے تعلق ہونے کے باوجود بے جا خرچ اور غیر ضروری دکھاوے کی شان و شوکت کی قائل نہ تھیں۔ ایک طرح سے کہا جائے تو وہ نام و نمود سے پرہیز کرتی تھیں۔ انہیں ہمیشہ اپنے خاندان کی عزت و حشمت کا بڑا خیال رہتا تھا۔ وہ ہر کام کو سلیقہ و شائستگی کے ساتھ کرنا پسند کرتی تھیں۔ بلکہ زورؔ صاحب کے کہے گئے شعر کے قائل تھیں۔

ذوق پاکیزہ سے ہر چیز ہے لطف و حسین
یہ نہ حاصل ہو تو بیکار ہے دنیا ہو کہ دین

وہ ایک شریف النفس، نیک سیرت اور کم سخن خاتون تھیں انکے مزاج میں حجاب بھی شامل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ نماز و روزے کی پابندی کے ساتھ ساتھ پردے کا خاص لحاظ رکھتی تھیں۔ انہوں نے پردے میں رہ کر ہی کئی ایک سماجی، فلاحی، علمی و ادبی خدمات انجام دیں۔ اس تعلق سے یحییٰ فاروقی لکھتی ہیں کہ:

> ''پردے میں رہ کر آپ نے ادارہ ادبیات اردو کی ہر طرح خدمت انجام دی۔ تمام سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھیں۔ ادارہ ادبیات اردو کے شعبہ خواتین کی سرگرم رکن رہیں۔'' (ماہنامہ ''نعت'' لاہور، اکتوبر 1992ء، ص: 82)

ایوان اردو کے لئے انہوں نے ہی اپنے مکان سے متصل 600 گز پر مشتمل پلاٹ کو ادارہ

کی تعمیر کے لئے تحفہ میں دیا تھا۔ اس عمارت کا نقشہ فیاض الدین نظامی نے تیار کیا تھا اور خواجہ حسن نظامی نے اس عمارت کا نام ''ایوان اردو'' تجویز کیا تھا۔

محترمہ تہنیت نہایت ہی لطیف احساسات کی مالک تھیں۔ والدہ کا تعلق دینی خانوادے فرنگی محل سے ہونے کی وجہ سے عشق رسول ﷺ انہیں ورثے میں ملا تھا۔ ان کی طبیعت وفطرت نے بھی انہیں نعت گوئی کی جانب راغب کیا اور وہ نعت گوئی میں اتنی ڈوب گئیں اور جب رسول ﷺ اس قدر سرشار ہوئیں کہ ایک کے بعد دیگرے تین مجموعہائے نعت پاک شائع ہوگئے۔ وہ بڑے ذوق وشوق سے نعتیں کہتیں اور نہایت ہی جذباتی کیفیت کے ساتھ نعتوں کو پڑھتی تھیں۔ محترمہ تہنیت کو 1951ء میں پہلی مرتبہ حج بیت اللہ کا شرف حاصل ہوا تب سے وہ مسلسل نعت گوئی کرتی رہیں۔ ان کا سب سے پہلا مجموعہ نعت پاک ''ذکر وفکر'' 1955ء میں شائع ہوا جس میں 75 نعتیں شامل ہیں۔ جن میں بلا کی وارفتگی حضور ﷺ جھلکتی ہے جو اس بات کی غماز ہے کہ عشق رسول ﷺ ان کے خمیر میں شامل ہے۔ اور ساری عمر نعتیں لکھتی رہیں اور عشق رسول ﷺ پر آپ کا خاتمہ بالخیر ہوا۔

نعت گوئی کی تاریخ بھی کافی قدیم ہے۔ عہد عتیق ظہور اسلام کے ساتھ ہی عربی وفارسی کے کئی ایک شعراء نے نعت گوئی میں مقام پیدا کیا۔ یہاں تک کہ ''قصیدہ بردہ شریف'' عربی میں اتنا مقبول ہوا کہ تب سے آج تک اسے مقدس حیثیت حاصل ہے۔ اور ''عرفیؔ''۔ ''ابوطالب'' کے علاوہ ''کلیم'' کی نعتیں فارسی میں بے حد مشہور ومقبول ہیں۔ مولانا حالیؔ کی کہی گئی نعت ''وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا'' اپنی لطافت وتاثیر کی وجہ سے ان کے سارے دیوان پر بھاری ہے۔ حالیؔ کے علاوہ کئی ایک اردو کے کلاسیکل اور جدید شعراء نے بھی نعت گوئی کو باعث برکت سمجھا ہے۔ یہاں تک کہ اقبالؔ نے کہہ دیا کہ۔ ؎

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

فیض احمد فیضؔ جیسے نامور شاعر جنہیں اپنی غزلوں اور نظموں کی وجہ سے شہرت حاصل ہے اور ترقی پسند رجحانات کی وجہ سے بھی کافی مقبول ہیں انہوں نے بھی اپنی کلیات میں فارسی نعت کو پیش کیا ہے۔ اردو شعراء نے سراپا نگاری میں عموماً ہندی تخلیقات کے اثرات کو اپنایا ہے۔ جب کہ محترمہ تہنیت نے نعت گوئی میں سراپا نگاری کے لئے فارسی شعراء کی تقلید کی ہے اور انہوں نے

جذبہ عشق رسول ﷺ میں ڈوب کر قلبی واردات اور ذہنی کشمکش کی کیفیت کو پر اثر انداز میں پیش کیا ہے۔ اس طرح ان کی شاعری ہو کہ نعت گوئی دل و دماغ کی کیفیتوں کا ایک خوشگوار امتزاج ہے۔

ان کے پہلے نعتیہ دیوان کے پیش لفظ کو مشہور رباعی گو شاعر امجد حیدر آبادی نے تحریر کیا تھا جس میں وہ رقمطراز ہیں کہ۔

> ''جہاں تک سمجھا مجھے محسوس ہوا کہ بیگم زورؔ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ اکثر اشعار سے ایک خاص قسم کی ربودگی اور فریفتگی محسوس ہوتی ہے اور شعر متاثر ہو کر کہے گئے ہیں جن کا اثر پڑھنے والوں پر بھی پڑتا ہے۔ بعض اشعار سے بھی متاثر ہوا ہوں! مثلاً:

وقت رخصت ہم پہ جو گزری وہ اب تک یاد ہے
چھوڑتے ہی ان کا در تنہا نظر آنے لگے

(ذکر و فکر۔ پیش لفظ 1955)

بیگم زورؔ کی نعتوں سے متاثر ہو کر ''انشا پرواز'' مصور فطرت خواجہ حسن نظامی نے انہیں طوطیٔ دکن کے لقب سے نوازا۔ اور ایک جگہ وہ خود رقمطراز ہیں کہ:

> ''بہ حیثیت مجموعی سارا کلام کیف اور سوز میں ڈوبا ہوا ہے۔ عاشق رسول ﷺ کی اس مجموعے کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔''

(ماہنامہ ''منادی''، نئی دہلی۔ جولائی، 1955)

اس طرح یہ واضح ہو جاتا ہے کہ سارا کلام پر کیف اور پر سوز ہے اور ہر لفظ سے عاشقانہ اور والہانہ حقیقت کا اظہار ہوتا ہے۔ ان کے کلام کی ایک خوبی یہ ہے کہ انہوں نے ساری نعتوں کو غزل کی ہیئت میں بہت ہی دلکش انداز میں کہی ہیں۔ اس طرح ان کے کلام میں غزل کی غنایت اور نعتوں کا وجد شامل ہے۔ جس سے قاری غزل اور نعت دونوں کا لطف ایک ساتھ اٹھا سکتا ہے۔ چند اشعار دیکھئے۔ جس میں انہوں نے مسلک والہانہ کو غزل نما نعت میں کس وارفتگی کے انداز میں پیش کیا ہے جس میں غنایت بھی شامل ہے۔ یہ نبی اکرم ﷺ کی یاد ہی ہے جو ان سے اس طرح کا کلام لکھا رہی ہے۔ وہ خود فرماتی ہیں کہ :

نبی ﷺ کی یاد لکھاتی ہے تہنیتؔ ہم سے غزل کبھی یوں ہی لکھی نہیں جاتی
پھر نہ آئیں ہم آگہی کے قریب محو حیرت ہیں کسی کے قریب

رہے نظروں میں گنبدِ خضریٰ ان کا جلوہ ہو زندگی کے قریب
سر بہ سجدہ رہیں انھیں نہ کبھی پھر جو پہنچیں در نبی ﷺ کے قریب
عمر گزرے ان ہی کے روضے پر جان دے دیں گے ہم ان ہی کے قریب
تہنیت ہجر میں ملول نہ ہو دن ہیں اب تیری حاضری کے قریب

ان کے کلام سے یہ اندازہ بھی بخوبی ہوتا ہے کہ عشق نبی ﷺ ہی ان کا سرمایۂ حیات ہے اور ساتھ ہی ساتھ اہل بیت سے بھی انہیں بے حد انس وعقیدت ہے۔

سرمایہ گیتی ہے مجھے ان کی محبت بیکار ہے میرے لئے جو اس کے سوا ہے
اضطراب دل سے محرومی ہے مرجانے کا نام زندگانی ہے تمہارے لطف فرمانے کا نام

اہل بیت سے عقیدت کو وہ اپنے اشعار میں کہتی ہیں۔ 'کہ آل نبی کی نعت ہی شفاعت کا باعث ہے'۔

حبیب حق ضامن شفاعت ہے دل میں آل نبی ﷺ کی الفت
یہ زاد رہ مل گیا ہے ہم کو رہ عدم کے سفر سے پہلے
الٰہی ایماں کے اٹھائے دنیائے فانی سے
ہو سایہ حشر میں خاتون جنت کا یہ ارماں ہے

عدوے حسین ابن علی کے متعلق فرماتی ہیں کہ۔

کاش یہ جانتے اعدائے حسین ابن علی کس قدر چاہتے تھے سرور دیں پیاروں کو

لیکن محترمہ تہنیت مطمئن ہیں کہ انہوں نے اپنا رشتہ پیاروں سے جوڑ لیا ہے۔

قرب حضور تاکہ میسر ہو بعد مرگ جاتے ہیں ہم مدینے کو اپنے کفن کے ساتھ
محشر میں ہم بھی ساتھ انہیں کے اٹھیں کہ جو ہیں فاطمہ کے ساتھ حسین و حسن کے ساتھ

''صبر وشکر'' نعتوں کا دوسرا مجموعہ ہے جس میں 91 نعتیں اور ایک سلام شامل ہے۔ جس کا ہر ہر لفظ حضور کی محبت سے لبریز ہے۔ یہ مجموعہ نعت 1956ء میں شائع ہوا تھا۔ اشعار میں پاکیزہ جذبات کے علاوہ ترنم بھی شامل ہے اور یہ بھی عشق رسول ﷺ کے جذبات کا آئینہ دار ہے اور اضطراب و بے چین دلوں کے لئے باعث تسکین ہے۔ دراصل کلام میں محترمہ تہنیت کی دلی تمنا شامل ہے جو ہر عاشق رسول ﷺ کے دل کی آواز ہے۔

نبی ﷺ کی مدح سرائی میں تہنیت کتنے غلام داخل خلد بریں ہوئے ہوں گے

گزرے اسی طرح سے یہ زندگی ہماری　　آ ئین مدینے سے ہم اور پھر مدینہ جائیں

اس ضمن میں حضرت امیر مینائی کا ایک شعر دیکھئے:

مدینے جاؤں پھر آ ؤں مدینے پھر جاؤں
تمام عمر اسی میں تمام ہو جائے

''تسلیم ورضا'' تہنیت کا تیسرا نعتیہ دیوان ہے جو 40 نعتوں اور 9 منقبتوں پر مشتمل ہے اوراس مجموعے میں ایک طرح کا سوز وگداز شامل ہے۔

دل درد آشنا نہیں ملتا　　یوں تو دنیا میں کیا نہیں ملتا
شعر میں جب تڑپ نہ ہو دل کی　　لطف ہم کو ذرا نہیں ملتا
تہنیت الفت نبی ﷺ کے بغیر　　زندگی کا مزہ نہیں ملتا

سوز وگداز کے ساتھ ساتھ کلام میں موسیقیت، غنایت وترنم کی آمیزش سے نعت میں وجدانی کیفیت بھی شامل ہو جاتی ہے۔

کبھی ہو عطا ہمیں بھی وہی چشم عارفانہ　　ہمیں کچھ خبر نہیں ہے جو لگا ہے تازیانہ
ہمیں غم نہیں ہے اس کا کہ ہوئے ہیں خوار ورسوا　　جو خلق ہے بس تو یہ ہے نہ ہو دین بھی روانہ

وہ اضطراب وحب رسول ﷺ میں ڈوب کر ایک دم سہم جاتی ہیں کہ کہیں بے ادبی نہ سرزد ہو جائے۔تب ہی تو وہ کہتی ہیں۔ے

تیرا اضطراب اے دل مجھے بے ادب نہ کردے
ہے یہ بارگاہ اقدس ذرا یاں سنبھل سنبھل کے

اس طرح نعتوں کے ذریعے بارگاہ رسول میں گل ہائے عقیدت پیش کرتے ہوئے حیدرآباد دکن کی مایہ ناز ہستی، تہذیب وثقافت کا مجسمہ، اعلیٰ اقدار وروایات، بلند کردار ومعیار اور پاسبان ادب کی شمع فروزاں محترمہ تہنیت بروز جمعہ 8 نومبر 1996ء کو گل ہو گئیں لیکن عاشقان رسول ﷺ کے دلوں کو اپنی روشنی سے آج بھی سرفراز کر رہی ہیں۔اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے، آمین۔

○○○

ڈاکٹر جعفر جری (کریم نگر)

علیم صبؔا نویدی کی نعتیہ شاعری

''نعت'' اُس نظم کو کہتے ہیں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و توصیف کی جاتی ہے۔ بندے کی کیا مجال کہ وہ اُس ذاتِ گرامی قدر کی مدح و توصیف کرے جو اِس کائنات کے وجود کا باعث ہے۔ خطوطِ غالبؔ کے مجموعہ ''عودِ ہندی'' پر تعارف لکھتے ہوئے محمد ممتاز علی خان نے کیا خوب کہا ہے:

> ''بندہ سے خدا کی تعریف ہو کیا مجال ہے۔ زبانِ مخلوق حمدِ خالق کر سکے وہم و خیال ہے۔ نعت کا رُتبہ حمد سے کم نہیں، جس ممدوح کا پروردگار مداح ہو، اُس کی مدح کے لائق ہم نہیں۔''[1]

چوں کہ انسان خدا کا خلیفہ ہے اِس لیے ممدوح کا بہ ہر حال دم بھرتا ہے اور اپنی سعی کرتا ہے۔

اُردو زبان میں بہت اچھے نعت گو شعرا گزرے ہیں جن کی نعت گوئی کا شہرہ عالم میں پھیلا ہوا ہے۔ یوں تو اُردو شاعری کی ابتدا سے ہی نعت شریف کہنے کا رواج رہا ہے لیکن بعض شعرا نے صرف نعت ہی کو اپنے شعر و سخن کا محور قرار دیا۔ قدیم زمانے میں نعت گو شعرا خال خال نظر آتے ہیں۔ لیکن ۱۸۵۷ء کے بعد حالی، محمد حسین آزاد، اسماعیل میرٹھی، منیر شکوہ آبادی، شاد عظیم آبادی، اکبر الہ آبادی، امیر مینائی، داغ دہلوی، جلیل مانک پوری اور محسن کاکوروی وغیرہ نے اچھی نعتیں لکھی ہیں۔ خصوصاً حالی، جلیل اور محسن نے اہتمام کے ساتھ نعت گوئی کو فروغ دیا۔

موجودہ عہد میں چاہے وہ ترقی پسند شعرا ہوں کہ جدید، ہر شاعر نے نعت شریف کہہ کر اپنے گناہوں کی بخشش کا سامان مہیا کیا ہے۔ مجروح سلطان پوری، احسان دانش، جذبی، جوش، مجاز، فیض، احمد فراز، ناصر کاظمی، ساغر اعظمی، شاذ تمکنت، اوج یعقوبی، رحمٰن جامی وغیرہ نے اچھی نعتیں لکھی ہیں جن کی ایک طویل فہرست ہے۔

علیم صبا نویدی نے ہر صنفِ سخن میں نعت کہی ہے چوں کہ علیم صبا نویدی صوفی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اِس لیے ان کے دل میں گداز کا ہونا ضروری ہے۔ ان کا دل نہ صرف سوز و گداز سے معمور ہے بلکہ ان کے کلام سے جو عشقِ رسول ﷺ عیاں ہوتا ہے وہ غالباً اسی خاندانی پس منظر کی دین ہے۔ نعت کہنے کے لیے عشق رسول ﷺ بہت ضروری ہے۔ ورنہ نعت کے شعر میں گداز پیدا نہیں ہوتا اور عشقِ رسول ﷺ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب خودی کی تعمیر ہو چکی ہو۔ رضائے الٰہی کے حصول کو مطمعِ نظر بنانے کے بعد ہی نعت کہی جاسکتی ہے۔ علیم صبا نویدی کا خاندانی سلسلہ صوفیاء سے ملتا ہے اِس لیے ان کے یہاں نور اور سبز (ہرا) کا تذکرہ جا بجا آیا ہے۔ نور اور سبز کا یہ تذکرہ یوں ہی غیر شعوری طور پر علیم صبا نویدی کے فن میں پیدا نہیں ہوا بلکہ یہ اُن کی شعوری کوشش کا نتیجہ ہے۔ ڈاکٹر نجم الہدیٰ لکھتے ہیں کہ علیم صبا نویدی نے زندگی کرنے کا سلیقہ سرور الانبیاء ﷺ سے اپنایا ہے ملاحظہ ہو:

''علیم صبا نویدی صرف شاعری نہیں، زندگی کرنے کا سلیقہ بھی سرورالانبیاء، افضل البشر، محبوبِ الٰہی صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھتے ہیں کہ اُنھیں کی ذاتِ اقدس ہر طرح کے اکتساب کا واحد، روشن ترین اور آخری منارہ نور رہے۔

آپ ﷺ کی یادِ مبارک سے ہے سینا بھرپور
آپ ﷺ کی ذات نے سکھلایا ہے جینا بھرپور'' ۲

جو شاعر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ سے زندگی کرنے کا سلیقہ اپنائے اُس کے لیے دین و دنیا میں سرخروئی ہی سرخروئی ہے۔ اسی سرخروئی کو سرفرازی میں بدلنے کی ایک کوشش علیم صبا نویدی کی نعت گوئی ہے۔ علیم صبا نویدی نے ہر صنف سخن میں نعت کہی ہے۔ غزل، آزاد غزل، ہائیکو، ٹیپ بند نظموں اور سانیٹ میں نعت کے مضامین بیان کیے ہیں۔

علیم صبا نویدی نے یوں تو اپنے ہر شعری مجموعہ کی ابتدا میں نعت شریف شامل کی ہے لیکن اِس کے ساتھ اُنھوں نے نعت شریف کے تین مجموعے بھی شائع کیے ہیں۔

پہلے مجموعہ ''مراۃ النور'' میں اُنھوں نے غزل کی ہیئت میں نعت شریف کے مضامین ادا کیے ہیں۔ ''مراۃ النور'' کی پہلی نعت کا مطلع کتنے خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے ملاحظہ فرمائیں:

''نگہہِ مصطفیٰ ﷺ سے روشن ہم
عاشقِ کبریا ﷺ سے روشن ہم'' ۳

بندہ ءمومن کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اللہ ہر شئے میں موجود ہے۔ اِس کے حکم کے بغیر پتہ بھی نہیں ہلتا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ، اللہ کے آخری پیغمبر ہیں اور آپ ﷺ نے اللہ کی وحدانیت کا سبق ساری دنیا کو پڑھایا۔ دیکھیے علیم صبا نویدی اسی عقیدہ کو اپنی نعت کے ایک شعر میں کیسی خوب صورتی سے بیان کرتے ہیں۔

”وہ تو موجود تھا ہر شئے میں ہر اک ذرے میں
آپ کی ذات سے اللہ کا عرفان ہوا“ ۴

علیم صبا نویدی نے یوں تو نعت شریف کے مروجہ تمام مدحیہ مضامین بیان کیے ہیں۔ لیکن ایک مضمون جو خصوصی مطالعے کی حیثیت رکھتا ہے وہ ہے فیضانِ رسول ﷺ کا بیان۔ علیم صبا نویدی نے اپنی بیش تر نعتوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان کا مضمون باندھا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

”دن منور ہے رات نورانی
شاہِ عالم ﷺ کی ذات نورانی
آپ ﷺ کا نور ظاہر و باطن
آپ ﷺ کی کل صفات نورانی
محو ذکرِ محمدی ﷺ دنیا
نگہہ شش جہات نورانی!
وقت بھی آپ ﷺ کی غلامی میں
ہوگیا ساتھ ساتھ نورانی
لو فقیرِ غزل نویدؔی بھی
کہہ گئے ہیں یہ نعت نورانی“ ۵

”نصیب صبحِ بہاراں کا رنگ و بو تم ﷺ ہو
صبائے گلشنِ ہستی کی جستجو تم ﷺ ہو
تمہاریؐ ذات نے بخشا ہے زندگی کا شعور
کہ ذرے ذرے میں اب قوتِ نمو تم ﷺ ہو
نہ ہوتے تم ﷺ تو بدن خشک اپنا ہو جاتا
لہو کے پھول میں صد رنگ آرزو تم ﷺ ہو

کچھ اِس طرح ہوئی یہ کائناتِ دل روشن
نگاہ دیکھ رہی ہے کہ روبرو تم ﷺ ہو
صبا نویدی کی تخلیق کے سفر کا نور
نگاہ و فکر میں بہتا ہوا لہو تم ﷺ ہو''[6]

''اسرارِ دو جہاں کا مقدر رسولِ ﷺ پاک
رعنائیِ حیات کا مظہر رسولِ ﷺ پاک
سجدہ کناں ہے اپنی ہر اک آرزو جہاں
اِس معبدِ حیات کا منبر رسولِ ﷺ پاک
آیاتِ روشنی کے مبارک قدم کا فیض
ہم آپ ﷺ کے ہیں آپ ﷺ کا گھر،گھر رسولِ ﷺ پاک
میں ہوں صبا سفیرِ سخن اور ہیں مری
سیرِ جہاتِ نو کا سمندر رسولِ ﷺ پاک''[7]

''مراۃ النور'' میں علیم صبانویدی نے فیضانِ رسول ﷺ کا بیان اپنی نظموں میں کیا ہے۔اسی فیضانِ رسول ﷺ کا بیان اُنھوں نے دوسری نہج سے اپنی دیگر نظموں میں بھی کیا ہے۔

''نورالسموات'' میں اُنھوں نے نعتیہ مضامین کا بیان سانیٹ کی ہیئت میں کیا ہے۔ اِن نظموں میں فیضانِ رسول ﷺ کا بیان اِس اہتمام سے کیا ہے کہ گویا قصیدہ کہہ رہے ہیں۔بیش تر سانیٹ نظموں میں اُنھوں نے ابتدا میں عہدِ جاہلیت کا بیان کیا ہے، جو بہ طور تشبیب بیان ہوا ہے اور قصیدے کی ہیئت ہی کی طرح رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے مضمون سے گریز کرتے ہوئے شاہِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مداح بیان کی ہے۔ایک نعتیہ سانیٹ ملاحظہ ہو:

''رنج و غم کی حکومتوں کا نزول
چارسو، سر بلند نفرت تھی
بدنما زندگی کی صورت تھی
آدمی آدمی کا دشمن تھا

جسم ٹوٹا ہوا سا درپن تھا
نیکیاں دفن ہوگئی تھیں کہیں
زخم خوردہ سسک رہی تھی زمین
آسمان، چاند، آفتاب ملول
نوری پیکر وجود میں آیا
رنج و غم کا سفر تمام ہوا
زندگانی کا نیک نام ہوا
دینِ احمد ﷺ شہود میں آیا
رنگ انسانیت کا پھیل گیا
نور، رحمانیت کا پھیل گیا‘‘ ۸؎

اِس نعتیہ سانیٹ میں علیم صبانویدی نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائشِ بابرکت سے قبل کے عرب معاشرے کی عکاسی کی ہے۔ چناں چہ اِس نعتِ شریف میں اِس معاشرے کی خرابیوں کا بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ چارسو رنج وغم کی حکومت تھی، نفرت سربلند، زندگی بدنما، آدمی آدمی کا دشمن، نیکیاں دفن تھیں جس کی بنا پر:

’’زخم خوردہ سسک رہی تھی زمین
آسماں، چاند، آفتاب ملول‘‘ ۹؎

اور جب آپ ﷺ کا ظہور ہوا تو اقطاعِ عالم سے رنج وغم کا تسلط ختم ہوا۔ یہی تکنیک اُنھوں نے اپنی بیشتر نعتوں میں اپنائی ہے۔ مثال کے طور پر یہاں ایک اور نعتِ شریف درج کی جاتی ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

’’دل، گلِ مقصود کا محتاج تھا
زخم کا سینے پہ ہر دم راج تھا
آدمیت دور تک ناپید تھی
ظلمتوں کی ہر طرف تشدید تھی

رونما اک آخرش جلوا ہوا
گوہرِ نایاب اک پیدا ہوا
اپنی اُمت کی حفاظت کے لیے
دین کے جلووں کی وسعت کے لیے
ہر طرف رحمت کی برساتیں ہوئی
کفر کے موسم کا چہرہ جل گیا
رنجش و کلفت کا نقشہ جل گیا
دفن ، قتل و ظلم کی گھاتیں ہوئیں
نور میں ڈوبے زمین و آسمان
جلوہ فرما جب ہوئے شاہِ ﷺ زماں'' ۱۰؎

علیم صبا نویدی نے اپنی بعض نعتوں میں جہاں قصیدہ کی تکنیک اپنائی ہے وہیں تشبیب کے طور پر عہدِ جاہلیت کے معاشرے کو بیان کیا ہے وہیں پر اسی قسم کی تمہید میں تلازمہ ءخیال کو بھی برتا ہے اور بہت ہی خوب برتا ہے۔ ''باغ'' کے تلازمہ ءخیال و استعارہ میں اُنھوں نے نعت کہی ہے۔ ملاحظہ کیجیے کہ کہیں تلازمہ ءخیال کا تسلسل ٹوٹنے نہیں پاتا:

''ساون رُت کی شہنائی
پتا پتا آسودہ
بوٹا بوٹا سنجیدہ
پھولوں نے لی انگڑائی
باغوں کا دامن بھرپور
شاخوں پہ گیتوں کا تاج
گلشن میں بلبل کا راج
خوشیوں سے ہر شئے معمور
شاہِ ﷺ مدینہ کی آمد
گلشن گلشن آئینہ

صاف ہر اک شئے کا سینہ
دور تلک، نورِ احمد ﷺ
کفر سے رشتہ ٹوٹ گیا
بھاگ خزاں کا پھوٹ گیا''[۱۱]

حضورِ پرُنور ﷺ کی آمد صرف انسانیت کے لیے خوش آئند نہیں تھی بلکہ آپ ﷺ کی آمد پر ساری کائنات سجدہ ریز ہوگئی۔ زمین و آسمان کی ہر شئے نے خوشیوں کے شادیانے بجائے تھے۔ اسی امر کو بنیاد بنا کر علیم صبا نویدی نے باغ کے تلازمے کے ساتھ مندرجہ ٔ بالا نعتِ شریف کہی ہے۔ جو اُن کی ایک جدت ہے۔

علیم صبا نویدی نے زندگی کے تلازمے میں بھی ایک نعت کہی ہے جس میں زندگی، نقش، درد، آنکھ، آنسو، نصیب وغیرہ کو بہ طور تلازمہ برتا ہے۔ نعتِ شریف ملاحظہ ہو:

''زندگی دھوپ کے صحرا کا سفر کرتی رہی
ہر نفس درد کا زہریلا سماں دور تلک
جلتی تہذیب کا خاموش دھواں دور تلک
رہزنی ، قتل ، تباہی نے سکوں چھین لیا
وقت کی ڈستی سیاہی نے سکوں چھین لیا
آنکھ روتی رہی ، روتی رہی آنسو کے بغیر
پھول کھلتے رہے ، کھلتے رہے خوش بو کے بغیر
زیست بے نور فضاؤں میں بسر ہوتی رہی
کس نے بدلا ہے نصیبوں کا لکھا یاد کرو !
زیست کو زیست کا رنگ کس نے دیا ، کون تھا وہ
وہ ﷺ شہنشاہِ زمن ، نورِ خدا ، کون تھا وہ
رحمت ﷺ ارض و سما کون بنا یاد کرو
جس کے آتے ہی تباہی کا سفر ختم ہوا
کفر و باطل کا خطرناک اثر ختم ہوا''[۱۲]

علیم صبا نویدی نے اپنی نعتوں میں فیضانِ رسول ﷺ کے علاوہ صفاتِ رسول ﷺ کا بیان بھی کیا ہے۔ جس ذاتِ پاک ﷺ کے صفاتِ پاکیزہ کی مدح خدائے پاک خود کرتا ہے، انسان کی کیا مجال ہے کہ اُس ذاتِ معتبر ﷺ کی مداحی کا حق ادا کرے۔ لیکن اپنی عقل و بساط کے مطابق انسان کوشش کرتا ہے۔ علیم صبا نویدی نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صفاتِ پاک کا بیان نعتِ شریف کے اِس مضمون میں باندھنے کی سعیِ مشکور کی ہے:

''ظاہر　باطن　نورانی
دامن　میں　خوشبو،　اَن　مول

اَن　مٹ　جوہر،　میٹھے　بول
سانسیں،　دھڑکن،　قرآنی
صورت،　سیرت،　پاکیزہ
ہونٹوں　پر　اللہ　کا　نام
رحمت　برسے　صبح　و　شام
دل　میں　نیت　پاکیزہ
مثلِ　آئینہ　ہے　دل
محو　عبادت　روز　و　شب
سینہ　میں　پنہاں　ہے　رب
نورانی　ہے　ہر　محفل
حسبی　ربی　جل　اللہ
نورِ　محمد　صلی　اللہ''[۱۳]

علیم صبا نویدی کی نعتوں میں فیضانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مضمون ''مراۃ النور'' سے ''ن'' تک برابر جاری و ساری نظر آتا ہے۔ مندرجہ ء بالا صفحات میں '' مراۃ النور'' اور ''نورالسموات'' میں درج نعتوں سے مثالیں دی گئی ہیں۔

ذیل کی نعت شریف ملاحظہ ہو جو علیم صبا نویدی کی نعتوں کے تیسرے مجموعہ ''ن'' سے ماخوذ ہے:

''محمد مصطفیٰ آئے ، نویدِ زندگی آئی
لہو میں تازگی آئی ، بدن میں روشنی آئی
سمندر غیر سنجیدہ تھا ، موجیں جاہلانہ تھیں
ہر اک شئے کی طبیعت میں سکون و دلکشی آئی
ہر اک چہرے میں پوشیدہ گناہوں کا مقدر تھا
سیاہی جسم کی ڈوبی تو ہر سو چاندنی آئی
شگوفوں کے لبوں پر اک سکوتِ بیکرانی تھا
تجلی نور کی لے کر شگوفوں میں ہنسی آئی
لہو احساس کا سویا ہوا تھا جسم کے اندر
نویدیؔ نعتِ احمد ﷺ کا وسیلہ ، تازگی آئی'' ۱۴؎

ایک ''ہائیکو'' ملاحظہ ہو۔ اِس نعت شریف میں بھی فیضانِ رسول ﷺ کا مضمون بیان ہوا ہے:

''وہ انسانیت کا چمکتا نصیب
بدی کا تصور مٹاتا ہوا
خلوص و وفا ، نیکیوں کا نقیب'' ۱۵؎

مندرجہ ءبالا ہائیکو اُن کے مجموعہ ''شعاعِ شرق'' سے لیا گیا ہے۔ کچھ اور ہائیکو ملاحظہ کیجیے، جس میں نعت شریف کا مضمون بیان ہوا ہے یہ ہائیکو اُن کے شعری مجموعہ ''تشدید'' میں شامل ہیں:

''وقت کی چوکھٹ پر
زمیں آسماں سجدہ کناں
نورانی منظر'' ۱۶؎

اِس ہائیکو میں علیم صبا نویدی نے حضور پرُنور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش پر کائنات کے سجدہ ریز ہونے کا مضمون بیان کیا ہے۔ مزید ایک ہائیکو ملاحظہ ہو:

''شاہِ مدینہ ﷺ
دین و دنیا کے راہ بر
نوری نگینہ'' ۱۷؎

ایک اور ہائیکو میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مظہرِ کون و مکاں ہیں اِس مضمون کو ہائیکو کی

ہیئت میں علیم صبا نویدی نے اپنے مجموعہ ''سمت ساز'' میں اِس طرح بیان کیا ہے:

''ذات معتبر

نام مقدس، پاک صفات

مظہرِ کون و مکاں''۱۸؎

علیم صبا نویدی نے بے شمار نعتیں کہیں ہیں اور مختلف شعری ہیئتوں میں کہی ہیں۔ غزل، قصیدہ، مثنوی وغیرہ میں نعت گوئی کی مثالیں اُردو کے شعری سرمائے میں موجود ہیں۔ لیکن سانیٹ (Sonnet) کی ہیئت میں نعت شریف کا مکمل مجموعہ مرتب کرنا علیم صبا نویدی ہی کا کارنامہ ہے۔

پروفیسر گیان چند جین ''نور السموات'' پر اِظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اِس مجموعہ کی ہر نظم ایسی پختہ کار اور شعری خوبیوں سے مالا مال ہے کہ باج اعتراف طلب کرتی ہے۔ جیسا ارفع موضوع ہے شاعر نے اُسے اُسی شایانِ شان طریقے سے بنایا ہے۔ اِن نظموں کو پڑھ کر ہر مشکک کے آئینۂ قلب سے زنگ دور ہونے لگے گا۔

معلوم نہیں اِس سے پہلے کسی نے نعت کو سانیٹ کا موضوع بنایا کہ نہیں! بہ ہر حال علیم صبا نویدی صاحب کی بہ دولت اِس صنف کے بھاگ جاگ اُٹھے کہ اِسے اِس منزہ موضوع کا ظرف بنایا گیا۔''۱۹؎

اُردو میں ہائیکو کہے گئے ہیں اور یہ تجربے کی حد تک ہی محدود تھے۔ علیم صبا نویدی نے اپنے تجربہ کو ایک روایت میں ڈھال دیا ہے۔ چناں چہ اُنھوں نے ہائیکو کے چار مجموعے شائع کیے۔ ہائیکو نظموں میں بھی علیم صبا نویدی نے نعتیہ مضامین ادا کیے ہیں۔ چوں کہ اِس صنف کو مستقل طور پر اُنھوں نے اپنا لیا ہے اور مسلسل برت رہے ہیں۔ اِس لیے ہائیکو میں نعت کہنے کا منفرد اعزاز انھیں کو ملنا چاہیے۔

''نور السموات'' میں شامل نعت شریف کے بعض اشعار میں موضوعی تضاد پیدا ہو گیا ہے جو اِس مُتبرک موضوع کے لیے مناسب نہیں۔ علیم صبا نویدی نے باغ کے تلازمہ میں ایک نعت کہی ہے۔ اِس نعت شریف کا آخری شعر یوں درج ہے:

''کفر سے رشتہ ٹوٹ گیا

بھاگ خزاں کا پھوٹ گیا''۲۰؎

''بھاگ پھوٹنا'' محاورہ ہے جو بدقسمتی کے لیے کہا جاتا ہے۔ یہ محاورہ علیم صبانویدی نے یہاں غلط باندھا ہے۔ ایمان اگر بہار ہے تو کفر خزاں ہوا۔ ایمان کی آمد سے کفر کی بھی قسمت کھل گئی۔ محاورہ باندھنے کی دھن میں مفہوم میں تضاد پیدا ہو گیا۔

بہ حیثیت مجموعی علیم صبانویدی کی نعت گوئی جو مختلف شعری ہیئتوں میں موجود ہے، کے بارے میں پروفیسر سلیمان اطہر جاوید نے جو کچھ لکھا ہے، اِس سے صدفی صد اتفاق کیا جا سکتا ہے:

> ''علیم صبانویدی۔ یوں ہی پُرشکوہ الفاظ بھاری بھرکم تشبیہات اور استعارات وغیرہ سے اپنے پڑھنے والوں کو مرعوب نہیں کرتے وہ سیدھی سادی زبان سیدھے سادے اِشارات اور سیدھا سادا اُسلوب اختیار کرتے ہیں۔ ہاں تاثرات کی شدت، جذبات کی گہرائی اور احساسات کی ندرت سے اُن کی شاعری خواہ غزلیں ہو کہ نظمیں، سانیٹ ہو کہ ہائیکو نظمیں، مزین ہوتی ہیں۔ نعتوں میں تو پاکیزہ جذبات و احساسات اور بھرپور ہیں۔
>
> بہ حیثیت مجموعی علیم صبانویدی کی نعتوں میں نئے انداز نئے اسلوب اور نئے احساسات کی بھرپور جلوہ سامانیاں موجود ہیں۔''[۲۱]

نعتیہ شاعری موضوعی حیثیت رکھتی ہے اسی لیے نعت کہنے کے لیے کسی مخصوص ہیئت پر انحصار کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اُردو شاعری کی تاریخ شاہد ہے کہ اُردو شاعری کی مروجہ تمام اصناف میں نعتِ شریف کے مضامین ادا کیے گئے ہیں۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اُردو شاعری میں نعت شریف زیادہ تر غزل کے فارم (Form) ہیئت میں کہی گئی ہیں۔

حوالے :

۱- ''عودِ ہندی'' اَز مرزا اسداللہ خاں غالبؔ مرتبہ ڈاکٹر سید محمد حسین طبع دوم سنہ اشاعت ۱۹۷۲ء (ص:۱۳)

۲- ڈاکٹر نجم الہدیٰ ''عکسِ اوّل''، مضمون مشمولہ ''مراۃ النور'' اَز علیم صبانویدی (ص:۷۳)

۳- ''مراۃ النور'' اَز علیم صبانویدی (ص:۵)

۴،۵،۶،۷- ایضاً (ص:۶)، (ص:۱۰)، (ص:۲۳)، (ص:۶۸)

۸- ''نورالسموات'' اَز علیم صبانویدی (ص:۸،۹)

۹،۱۰،۱۱- ایضاً (ص:۸)، (ص:۲۲،۲۳)، (ص:۵۲،۵۳)،

۱۲-۱۳- ایضاً (ص:۵۸،۵۹)، (ص:۶۰،۶۱)

۱۴- ''ن'' اَز علیم صبا نویدی مرتبہ پروفیسر محبوب پاشاہ (ص:۱۳)

۱۵- ''شعاعِ شرق'' اَز علیم صبا نویدی (ص:۲۴)

۱۶-۱۷- ''تشدید'' اَز علیم صبا نویدی (ص:۱۱)، (ص:۹)

۱۸- ''سمت ساز'' اَز علیم صبا نویدی (ص:۹)

۱۹- ڈاکٹر گیان چند جین رائے مشمولہ ''نورالسموات'' اَز علیم صبا نویدی (ص: گرد پوش)

۲۰- ''نورالسموات'' اَز علیم صبا نویدی (ص:۵۳)

۲۱- ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید رائے مشمولہ ''ن'' مرتبہ پروفیسر محبوب پاشا (ص:۸۸)

○○○

ڈاکٹر رؤف خیر (حیدرآباد)

نعت گوئی کے بنیادی تقاضے

اللہ رب العزّت فرماتا ہے ''کہ دیجئے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو۔ خود اللہ تم سے محبت کرے گا۔ تمہارے گناہ معاف فرما دئے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے''۔ (آیت ۳۱۔ آل عمران)

بندے کی عزت اسی میں ہے کہ وہ اپنے آقا کے حُکم کے آگے سرِ تسلیم خم کر دے۔ اطاعت کا حُکم ایسی ہستی کے لیے دیا جا رہا ہے جسے چن لیا گیا ہے ایک اور جگہ ارشاد باری ہے۔

> ''وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔ یقیناً یہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے'' (سورۂ جمعہ آیت۲)

ایسی شخصیت جو انسانوں کو اللہ کا حکم اس کی نشانیاں دکھا کر اس سے جوڑتی ہو، انسانوں کو پاکیزگی کی تعلیم دے کر انہیں پاک کرتی ہو (جسمانی اعتبار سے بھی اور روحانی اعتبار سے بھی) اور جو تمام انسانیت کو حکمت کے ساتھ زندگی گزارنا سکھاتی ہو ایسی شخصیت بجائے خود نمونۂ حیات بھی ہوتی ہے۔ **لَقَد کَانَ لَکُم فِی رَسُولِ اللّٰہِ اُسوَۃ حَسَنَۃ** ایسی ہستی کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے اسی تعریف وتوصیف کو ادبی اصطلاح میں ''نعت'' کہتے ہیں۔ علیہ السلام کی اصطلاح صرف اور صرف رسولوں اور پیغمبروں کے لیے مخصوص ہے۔ اسی طرح رسول اللہ کے صحبت یافتہ صحابیوں کے لیے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا ''رضی اللہ عنہم'' کہا جاتا ہے۔ غیر نبی کو علیہ السلام نہیں کہا جا سکتا اسی طرح غیر صحابی کو ''رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' نہیں کہا جائیگا یہ مخصوص اسناد وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں۔

جس طرح حمد صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے اسی طرح نعت صرف رسول اللہ کے

لیے مختص ہے۔نعت کہنے کے لیے میرے خیال میں ایمان شرط ہے۔ بادشاہوں کے مبالغہ آمیز قصائد کی طرح نعت نہیں کہی جاسکتی۔قصائد کا بنیادی مقصد جلبِ منفعت ہے اور نعت میں مادی غرض وغایت ایمان کے مغائر ہے۔زبان پر کچھ دل میں کچھ ہو تو ایسی منافقت کا یہاں گزر نہیں۔ یہی سبب ہے اللہ رب العزت نے زبانی جمع خرچ والی محبت کی نفی کر کے شرط عائد کر دی ''کہ دیجیے اگر تم اللہ کی محبت کے دعوے دار ہو تو ہمارے رسول ﷺ کی تابعداری کرو''۔گویا نعت کہنے کے لیے ایمان کا عملاً ثبوت دینا بھی ضروری ہے ورنہ **یَقُولُونَ مَالَا یَفعَلُون** کی زد میں آجانے کا ڈر ہے۔نعت میں گہرائی و گیرائی اور اثر اسی وقت پیدا ہوگا جب نعت دل سے کہی جائیگی ایمان کے تقاضے کے طور پر جو توصیفی کلمات زبان پر آئیں گے وہ سچے جذبات کے آئینہ دار ہوں گے۔

اوزان کا شعور نہ درک بحور ہے
شاعر تو بس تمہاری عقیدت میں چور ہے

ایسے بےشعور جذبۂ اظہار کی پذیرائی بھی نہیں کی جاسکتی۔عشق تو ہو لیکن اظہار عشق کا سلیقہ نہ ہو تو یہ غیر مستحسن ہی ٹھرئے گا۔رسولِ اکرم ﷺ کی جناب میں تو آواز بلند کرنا بھی نہ صرف سُوادب ہے بلکہ اہم ترین گناہ ہے۔

اعمال ہوئے حبط جو اونچی ہوئی آواز
ایمان ہوا ضبط اگر اور مگر کی

یہاں ifs and buts کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔تعمیل حکم ہی ایمان کی پہچان ہے۔ گویا اس ہستی کے حضور منھ کھولنے کے لیے الفاظ نرم اور لہجہ باوقار ہونا ضروری ہے ورنہ اعمال کے حبط ہوجانے کا اندیشہ ہے۔خوش گوار الفاظ کا خوش کن معنوی اظہار جو بڑی خوش اسلوبی سے کیا گیا ہو شریعت کا شناس نامہ ہے۔

اردو شاعری میں محبوب کا سراپا بیان کرنا ایک عام سی بات ہے اور اس سراپا نگاری میں شعراً نے اپنا اپنا کمال بھی دکھایا ہے۔

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

زلف ولب ، ورخسار کی تعریف کا یہ روایتی شعری اظہار نعت میں بھونڈے پن کا مظہر ہوا کرتا ہے۔رسول اللہ ﷺ کی زلفوں کی تعریف ،لب ورخسار کا ذکر اسی روایتی محبوب سے روایتی

عشق کا روایتی اظہار ہے جو رسول اللہ ﷺ کی شان کے منافی ہے۔

نعت میں رسولِ اکرم کی شخصیت کے پیغمبرانہ کردار کی عکاسی میں شریعت کے جوہر دکھائے جائیں تو وہ شعر و ادب کا شاہکار ہو سکتے ہیں۔ ایرانی اثرات کی وجہ سے رسولِ اکرم ﷺ کو بھی اردو شاعری کا معشوق بنا کر پیش کیا جاتا ہے حالانکہ رسول اللہ ﷺ وہ مردِ کامل ہیں جو شجاعت و فراست کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ اخلاق و کردار کی قابلِ تقلید مثال ہیں۔ اطاعت و بندگی کا کمال ہیں۔ نعت میں انہی خصوصیات کا اظہار تمام تر فنی رچاؤ کے ساتھ ہو تو نعت بھی اپنے ممدوح کے شایانِ شان ہو سکتی ہے۔ ماہر القادری نے ایسی ہی نعت کا حق ادا کیا ہے۔

سلام اس پر کہ جس نے بے کسوں کی دست گیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی
سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں کھا کر دعائیں دیں
سلام اس پر کہ جس کے گھر میں چاندی تھی نہ سونا تھا
سلام اس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جب رسول اکرم ﷺ کے اخلاق و کردار سے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے سوال کیا تھا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ گویا قرآن جو دستورِ حیات کے طور پر اتارا گیا ہے اس کا عملی نمونہ رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس رہی ہے۔ ایسی باعمل ہستی سے سچے عشق کا مطلب ہے اس کے نقشِ قدم پر چلنا اور نعت کا حق وہی ادا کر سکتا ہے جو رسول اللہ ﷺ سے عشق کا عملی ثبوت دیتا ہے ورنہ صرف لفاظی کو نعت کا نام نہیں دیا جا سکتا۔

میں بار بار یہ بات اس لیے دہرا رہا ہوں کہ جو لوگ غیر اللہ کو دیوتا، داتا فریاد رس، مشکل کشا، حاجت روا سمجھتے ہوں یا جن کے پاس دولت کا خدا، علم کا خدا (لکشمی، سرسوتی وغیرہ) الگ الگ ہوں یا جو امام الانبیاءؑ کو اپنا امام بنانے کے بجائے اپنے اپنے الگ الگ امام بنا لیے ہوں، ان کی نعت میں وہ خلوص دل آ نہیں سکتا جو خالص محمدی کی عقیدت میں ہو سکتا ہے۔ جو اللہ کو حاجت روا مشکل کشا سمجھنے کے ساتھ ساتھ اللہ کے مخلص بندوں کو بھی مشکل کشا سمجھتا ہو وہ اللہ کی حمد کس منہ سے کر سکے گا اسی طرح جو صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کو اپنا امام و مقتدا سمجھنے کے بجائے غیر نبی کا نقشِ قدم اختیار کرتا ہو اس کے منہ سے نعت اچھی نہیں لگتی۔

غیر نبی کو آنکھ اٹھا کر نہ دیکھنا
دعویٰ ہی عشق کا ہے اگر مصطفیٰ کے ساتھ
اچھی نہیں یہ چار طرف جھانکنے کی خو
دیکھو کبھی رسولِ خدا کا نبھا کے ساتھ

مجھے معاف فرمائیں میں غیر مسلموں کی نعت سے خوش نہیں ہوتا یہ منھ دیکھے کی تعریف صرف قافیہ و ردیف کے حوالے سے توصیفی جذبات کا تہذیبی اظہار ہے۔ یہ کام علامہ اقبالؔ نے بھی رام کو امام ہند اور گرو نانک کو پنجاب کا موحد قرار دے کر کیا ہے۔ اقبالؔ تو بڑے سیکولر آدمی تھے وہ ہر مکتبِ فکر کے آدمی کو خوش رکھنے کا ہُنر جانتے تھے۔ ان سے ہندو خوش، سکھ خوش، صوفی و کوفی خوش، شیعہ و سُنی خوش، حتیٰ کہ قادیانی بھی خوش۔

بدعتی اور خبیث بھی خوش تھے
ان سے اہلِ حدیث بھی خوش تھے

علامہ اقبالؔ نے نعت پاک میں یقیناً اپنی پہچان بنائی ہے۔ شریعت کے معیار پر اقبالؔ کا کلام جس قدر پورا اترتا ہے اتنا ہی عقیدت کی مثال بھی ہے۔ اقبالؔ نے اپنا مردِ کامل رسول اللہ کی ذات ہی کو قرار دیا۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ اقبالؔ کی فکر خالص نعتیہ فکر ہے۔ انہوں نے اردو اور فارسی میں اپنی عقیدت کی بے شمار مثالیں پیش کی ہیں۔ لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب، کہنے والا قولِ فیصل کی طرح یہ کہتا ہے۔

بہ مصطفیٰ بہ رساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
گر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

یہ حدیث اقبالی بھی حدیث قدسی کا درجہ رکھتی ہے کہ۔

کی محمد سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

شریعت کے نام پر ہمارے بزرگ شعرائ نے ہندوستانی تہذیبی اثرات کو نعت میں برتا ہے۔ مثلاً محسنؔ کاکوروی کہتے ہیں۔

سمت کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

گھر میں اشنان کریں سرو قدان گوکل
جاکے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طولِ عمل
کالے کوسوں نظر آتی ہیں گھٹائیں کالی
ہند کیا ساری خدائی میں بتوں کا ہے عمل

مگر جب نعت آگے بڑھتی ہے تو اک حسنِ تقلیب پیدا ہوتا ہے۔

جس طرف ہاتھ بڑھے کفر کے ہٹ جائیں قدم
جس جگہ پاؤں رکھیں سجدہ کریں لات و ہبل

اسی طرح دیو مالائی تصورات کے زیر اثر بھی نعت کہی گئی ہے۔ **لَولَاكَ لَمَا خَلَقتُ الافلَاك** جیسی موضوع روایت آج ہر کس و ناکس کے دل دماغ پر مسلط ہے حالانکہ یہ روایت صحاح ستہ تو کجا احادیث کے کسی بھی متداول ذخیرے میں موجود نہیں۔ قرآن وسنت سے نابلد علماً وشعرائے موضوعات کبیر کی اس من گھڑت روایت کو حرزِ جاں بنائے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ اقبال سہیل جیسا سنجیدہ شاعر بھی کہتا ہے۔

آپ اگر مقصود نہ ہوتے کون و مکاں موجود نہ ہوتے اور مسجود نہ ہوتے آدم علیہ السلام

یہی حال **قَابَ قَوسَینِ اَو اَدنیٰ** والی آیت کا ہے۔ سورۂ نجم کا مطالعہ کریں اور کسی مستند مفسر قرآن کی تفسیر پڑھیں تو پتہ چلے کہ دو کمانوں یا اس سے بھی کم فاصلے کا معاملہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے مابین نہیں بلکہ جبرئیل اور رسول اللہ کے درمیان تھا۔ قرآن کے بجائے قوالی سے رغبت رکھنے والے ذہن و دل اس میں بھی عجیب عجیب جلوئے دیکھتے ہیں۔ شریعت کا کمال بعض اشعار میں ایسا بھرپور ہوا ہے کہ وہ اشعار یا مصرعے ضرب المثل ہوگئے ہیں۔ جیسے۔

بلغ العلیٰ بکمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ
کشف الدجیٰ بجمالہٖ
صلوا علیہ و آلہٖ

یا پھر وہ مشہور و ممتاز مصرع
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

بزم آفندی کا یہ شعر ایرانی و اردو شعری روایت اور شریعت کی خوب مثال ہے۔

ایک دن عرش پہ محبوب کو بلوا ہی لیا
ہجر و غم کہ خدا سے بھی اٹھایا نہ گیا

اس شعر پر بڑا سر دُھنا جاتا ہے لیکن ذرا سا غور کریں تو اس میں اللہ میاں کی توہین کا پہلو بھی نمایاں ہوگا۔ اس میں شک نہیں شریعت میں حسن غلو سے پیدا ہوتا ہے لیکن مبالغہ مضحکہ خیز بھی لگتا ہے۔

تاریخ وسیرت سے نابلد شعرائے نے جھوٹی روایتوں پر اپنے شعر کی بنیاد رکھ کر ایسی ایسی کھوکھلی عمارتیں کھڑی کر دیں کہ ہنسی آتی ہے۔ اللہ کے رسول کی ذات کو غیر مرئی ثابت کرنے کے لیے پٹکے کے نکل آنے کا بیان، آدم علیہ السلام کا آسمان پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر مغفرت طلب کرنا، اللہ کے رسول کو اللہ سے جدا نہ سمجھنا یعنی انہیں احمدِ بے میم سمجھنا اور یہ کہنا۔ ؎

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہوکر
اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفیٰ ہوکر

کچھ لوگ تو یہاں تک جرأت و جسارت کرتے ہیں کہ حج تو بہانہ ہے، دراصل جانا تو مدینہ ہے۔ ؎

میں جھوٹ نہ بولوں گا ملاّ کے ڈرانے سے
جاتا ہوں مدینے کو میں حج کے بہانے سے
اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ مجھے لینا ہے لے لوں گا محمد سے

ایسے عقائد پر یہ خوش گمانی بھی ہے کہ۔ ؎

دوزخ میں میں تو کیا میرا سایہ نہ جائے گا
کیوں کہ رسول پاک سے دیکھا نہ جائے گا

ڈاکٹر ریاض مجید نے ایسی ہی اندھی عقیدت کو ہندوستانی اثرات کی مرہون منت ثابت کیا ہے جو وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے نام سے ویدانت کے فلسفے ہی کا ایک روپ ہے۔

غیر مسلموں کے عقائد و رسوم و رواج سے مسابقت ہی کی وجہ سے اسلام ہند و پاک میں تباہ ہو رہا ہے۔ تصوف برائے شعر گفتن خوب است۔ اسی تصوف کی وجہ سے شعریت پیدا ہوتی ہے سیدھے سادے انداز میں سیرت نبوی بیان کر دی جائے تو چٹخارے کے عادی ذہن و دل کو سرور حاصل نہیں ہوتا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ہمارے مشائخین بہرحال شاعر

بھی ہوتے ہیں۔ امداد اللہ مہاجر مکی، قاسم نانوتوی، سید سلیمان ندوی، عبدالماجد دریا آبادی سب شاعر بھی گزرے ہیں۔ ؎

ہو آستانہ آپ کا امداد کی جبیں
اس سے زیادہ کچھ نہیں درکار یا رسول

(مہاجر مکی)

ولے یہ رتبہ کہاں مشت خاک قاسمؔ کا
کہ جائے کوچہ اطہر میں تیرے بن کے غبار

(قاسمؔ نانوتوی)

لے جائے گا منزل سے بہت دور بشر کو
جو جادہ سفر کا ترے جادے کے سوا ہے

(سلیمان ندوی)

مولانا محمد علی جوہر کی نعت کا یہ شعر بہت مشہور ہے۔ ؎

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دوعالم سے خفا میرے لیے ہے

کچھ شاعر ایسے گزرے ہیں جنھوں نے نعت گوئی میں عمر عزیز صرف کی۔ امیرؔ مینائی، بہزادؔ لکھنوی، مولانا احمد رضا خاں بریلوی، محسنؔ کاکوروی وغیرہ۔ ان دنوں شعری مجموعوں میں تبرکاً ایک دو نعتیں رکھنے کا رواج عام ہے مگر سوال وہی سچی عقیدت کا ہے۔ جدید شاعر آنجہانی پرکاش فکری کہتے ہیں۔ ؎

سہل ہے راستہ محمد کا
جل رہا ہے دیا محمد کا

یہی وہ صراط مستقیم ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **ھٰذا صراطی** یہی وہ دیا ہے جس کی روشنی قیامت تک ختم نہ ہوگی۔ شعریت کوئی جامد چیز نہیں ہے۔ یہ خوش مذاقی کا ایک اسلوب ہے اور خوش مذاقی کے معیارات بھی جدا جدا ہوتے ہیں۔ جدید شعراً آج روایتی شعراً کی بہ نسبت زیادہ بہتر نعت کہنے لگے ہیں۔ اس کا سبب علم کی فراوانی ہے۔ پڑھا لکھا طبقہ خدا اور رسول خدا میں تمیز کرتا ہے اور صدق دل سے رسول اللہ کے راستے کا طالب

ہے۔ وہ اپنی ذات کو رسول اکرم ﷺ پر قربان کر دینے کا جذبہ رکھتا ہے۔ ساتھ ہی جدید طرز اظہار سے آشنا ہے۔ چند مثالیں پیش ہیں۔

دیکھو گے؟ آؤ تم کو دکھاؤں خدا کا رنگ
کردار مصطفیٰ میں ہے رب علا کا رنگ
دنیا کے رنگ پھیکے پڑے جس کے سامنے
وہ رنگ ہے تو صاحب غارِ حرا کا رنگ

(ندیم صدیقی)

ایک اُمی طبیب حاذق سے عصر بیمار نے شفا پائی

(تابش دہلوی)

مظفر وارثی کی مشہور و مقبول نظم ''مرا پیمبر عظیم تر ہے'' کا یہ ایک بند ملاحظہ فرمائیے۔

وہ خلوتوں میں بھی صف بہ صف بھی
وہ اس طرف بھی وہ اُس طرف بھی
محاذ و منبر ٹھکانے اُس کے
وہ سر بہ سجدہ بھی سر بہ کف بھی
کہیں وہ موتی کہیں ستارہ
وہ جامعیت کا استعارہ
وہ صبح تہذیب کا گجر ہے
مرا پیمبر عظیم تر ہے

○○○

ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی (علی گڑھ)

افسؔر امروہوی اور اُن کی نعت گوئی

افسر الشعراء مرزا افسر حسن بیگ افسؔر امروہوی، امروہہ کے ان چند خوش نصیب شعراء میں سے ایک ہیں جن کی شہرت و مقبولیت اور نعت گوئی کی خوشبو بیرون امروہہ بھی دور دور تک پھیل چکی ہے۔ نعت و مناقب کے مشاعروں میں وہ دور دراز کے شہروں تک اس ''ایوان شاعری'' کی نمائندگی کرنے جاتے رہے ہیں اور داد وتحسین و سرخروئی لاتے رہے ہیں۔

میں نے امروہہ کے ''ایوان شاعری'' کہا ہے تو یہ محض وطن دوستی اور حسن ظن نہیں بلکہ اس کی سند میں دبستان لکھنؤ کے نمائندے، محشؔر لکھنوی کا یہ شعر پیش کیا جا سکتا ہے۔

امروہہ　درحقیقت　ایوان　شاعری　ہے
مولد　ہے　مصحفی　کا　محشؔر　ذرا　سنبھل　کر

درحقیقت کہہ کر محشر نے ہر قسم کے قیل وقال اور شک وشبہ کو ختم کر دیا ہے۔

افسؔر اپنی شاعرانہ عظمت کے علاوہ شخصی اور ذاتی حیثیت سے بھی بہت مقبول و محبوب ہیں۔ وہ باغ و بہار شخصیت کے مالک ہیں۔ غم و آلام سے بھرپور اس دنیا میں وہ خوش رہنے اور خوش کرنے کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہتے ہیں۔ ان کی پُر مزاح اور دلچسپ باتیں ان کی ملاقاتیوں کو ذہنی سکون و مسرت کا احساس کراتی ہیں۔ وہ درس و تدریس سے وابستہ رہے ہیں اور جون 2000ء میں گورنمنٹ انٹر کالج امروہہ سے انگریزی ادب کے لکچرر کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ ان کی تاریخ پیدائش سرکاری ریکارڈ میں مئی 1942ء درج ہے، ممکن ہے وہ اس سے ایک دو سال قبل ہی خاموشی سے آ گئے ہوں۔ بہرحال وہ خود عمر کے لحاظ سے بھلے ہی سٹھیانے کی منزل میں پہنچ چکے ہوں لیکن ان کے فکر و فن عالم شباب سے گزر رہے ہیں۔ ان کی شاعری پر جوبن اور نکھار آ رہا ہے۔ ان کی درد و اثر اور عقیدت و محبت سے سرشار نعت و مناقب اپنا ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔

دعوت چاہے وہ دعوت طعام ہو یا دعوت مشاعرہ افسؔر اسے ضرور قبول کرتے اور بہر صورت اس میں شرکت کرتے ہیں۔ موسم کی سختیوں اور طبیعت کی خرابیوں کے باوجود وہ نعت و مناقب کی محفلوں میں شرکت کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ ایسی مجالس میں اگر سخت گرمی، سردی یا آندھی بارش کی وجہ سے گنتی کے چند شاعر ہی شریک ہوں تو ان میں سے ایک افسؔر ضرور ہوں گے۔ طوفانی بارش کے دوران وہ پائنچے چڑھائے، ایک ہاتھ سے چھتری لگائے اور دوسرے ہاتھ میں ٹارچ دبائے آتے ہوئے نظر آجائیں گے۔ اس حالت میں اور اس طرح سے شرکت نعت و مناقب سے ان کے غیر معمولی شغف کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ اس وقت وہ اگر یہ کہتے ہیں تو بجا کہتے ہیں۔

گوش برآواز ہوں جملہ غلامان رسول
نعت آقا کی سناتا ہے ثنا خوانِ رسول
ہُن برستا ہے سر محفل بہ فیضان رسول
جھولیاں پھیلائے بیٹھے ہیں گدایانِ رسول

نعت رسول سننے کو تم بھی ہو بے قرار
اور منتظر ہے رحمت پروردگار بھی

افسؔر، سرورِ کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثنا اور ان کے مناقب بیان کرنے کو فرض تصور کرتے ہیں۔ وہ مناقب اصحاب کے بیان کو بھی نعت کا ہی ایک جزو مانتے ہیں اس لیے ہر نعت میں خلفائے اربعہ کی مدح بھی شامل کرتے ہیں۔ انہوں نے خلفائے راشدین کے مستقل مناقب بھی کثرت سے بیان کیے ہیں۔

افسؔر دبلے پتلے اور چھریرے جسم کے ساتھ دراز قد ہیں۔ چہرے مہرے کی ساخت میں غیر ملکی نہیں ہندوستانی اثرات غالب ہیں۔ قدرے سانولا رنگ، ناک نقشہ ابھرا ہوا اور متناسب، چہرے پر داڑھی لیکن اس پر چند روز کے بڑھے ہوئے خط کا گمان ہوتا ہے۔ اب تو اکثر سادہ لباس اور کرتے پاجامے میں نظر آتے ہیں لیکن کالج کی آمد و رفت کے زمانے میں پینٹ شرٹ، سوٹ ٹائی سبھی کچھ استعمال کر چکے ہیں۔ ایام جوانی میں مختلف کھیلوں خصوصاً والی بال کے بڑے شائق اور اس کے بڑے پُر جوش کھلاڑی تھے۔ غالباً انہوں نے پلانڈ فیملی کے اصول پر عمل کیا ہے۔ وہ صرف ایک نفر بیوی کے شوہر، ایک بیٹے اور دو بیٹیوں کے والد ہیں۔ ان کے بیٹے دانش مرزا ڈاکٹر ہیں

اور اپنا کلینک چلا رہے ہیں۔

افسؔر کا تعلق مغلوں کے ایک معزز خاندان سے ہے۔ اس میں شبہ یوں نہیں کیا جا سکتا کہ محلّہ چاہ غوری کی اس بڑی حویلی میں رہتے ہیں جس میں سبھی مکان مغلوں کے ہیں اور جس کے مکینوں نے حویلی کے پھاٹک پر ''مغل گیٹ'' لکھوا کر اسے نشق کا لحجر بنا دیا ہے۔ ان کی تعلیمی استعداد بھی غیر معمولی ہے وہ انگریزی اور اردو ادب کے علاوہ سیاسیات میں بھی ایم.اے. ہیں اور بی.ایڈ بھی۔ انہوں نے درس وتدرس کے فرائض یو.پی کے مختلف شہروں کے گورنمنٹ انٹر کالجوں میں ادا کیے ہیں۔

افسؔر نعت گوئی میں مفتی نسیم احمد صاحب فریدی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔ اکثر مقطعوں میں انہوں نے فریدی صاحب سے عقیدت ومحبت کا اظہار کیا ہے۔ عقیدے اور مسلک کے اعتبار سے ان کا رجحان ''صلح کل'' کی طرف ہے، وہ عقیدے اور مسلک سے وابستگی کے نہیں، حب رسول ﷺ کے قائل ہیں۔ انہیں جہاں بھی اور جس میں بھی حب رسول ؐ نظر آتا ہے وہ وہاں جاتے ہیں اور اسی کو قدر مشترک مان کر تعلق قائم کرتے ہیں اسی لیے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

معتقد اشرف ہو، چاہے رضا کا ہو مرید
وہ کھرا ہے جس کے دل میں ہے محبت آپ کی ﷺ

محبت اصل ایمان ہے، حب رسول ﷺ ہی کھرے کھوٹے کی کسوٹی ہے اسی لیے وہ کسی شخص کے عقیدے و مسلک کو نہیں اس میں حب رسول ﷺ کی کیفیت وکمیت کو دیکھتے ہیں اور یہ گنج گراں مایہ کم ہی لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔ افسؔر کے خیال میں یہ محض خدا کی دین ہے۔

قید مسلک کی نہیں، شرط عقیدے کی نہیں
جانے کس وقت وہ کس دل میں محبت رکھ دے
کوئی بھی مسلک ہو، گمراہی کا امکان ہی نہیں
آدمی کو صدق دل سے ان کا ہونا چاہیے

وہ علم وفضل، عبادت وریاضت اور زہد وورع کو حب رسول ﷺ کے بغیر بے معنی وبے کار سمجھتے ہیں، وجہ نجات تو بس حب رسول ﷺ ہے۔

عشق شرط ہے، ورنہ کچھ نہ کام آئے گا
زہد کیا، ریاضت کیا، علم کیا، عبادت کیا

علم بے نور ہے سجدے بھی ہیں بیکار اگر
آپ ﷺ کی خاک کفِ پا نہیں سر پر آقا ﷺ
جن کے سینوں کو میسر ہے محبت ان کی
زہد ان کا ہے، عمل ان کے، عبادت ان کی

اپنے مسلک کو صحیح اور دوسرے مسالک کو غلط سمجھنا فطری بات ہے لیکن اس کے لیے پُر تشدد حرکات پر آمادہ ہونا اور تعصب و تنگ نظری کا مظاہرہ کرنا معیوب و مذموم ہے اسی لیے افسؔر اللہ و رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

جس کو دیکھو اپنے مسلک کو بتاتا ہے کھرا
فیصلہ تو حشر میں ہوگا تمہارے سامنے

افسؔر اسلام کو ہمہ گیر اور آفاقی سمجھتے ہیں۔ اسی طرح نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تمام نوع انسانی کا مقتدا و پیشوا مانتے ہیں۔ اس لیے اسلام اور اس کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بریلی اور دیوبند جیسے چھوٹے چھوٹے خانوں میں منقسم اور مقید کرنے کے لئے تیار نہیں۔

دیوبند اور بریلی میں مقید ہوجائے
اتنا چھوٹا نہیں اسلام رسول ﷺ عربی
دیوبند اس کو بتاؤ یا بریلی تم کہو
ہم کو ساقی سے غرض ہے کچھ ہو مے خانے کا نام

آج انسان مختلف مذاہب اور مسالک میں منقسم ہیں، ان کی تنگ نظری خود کو ان گھروندوں میں مقید رکھ کر خوش ہے حالانکہ سب سے بڑا شرف تو انسانیت و شرافت ہے اور جو صحیح معنوں میں انسانیت و شرافت سے مشرف ہوگا، حب رسول سے بھی سرشار ہوگا۔ اسی لیے افسؔر یہ التجا کرتے ہیں۔

وہابی کوئی، کوئی بدعتی ہے
مرے آقا، مجھے انسان رکھنا

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں حرف آخر تو یہ ہے۔ ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' مگر منطق و فلسفہ زدہ علماء نے آپ کی حیثیت و مقام، آپ کے علم، آپ کی نظیر، آپ کے اختیارات وغیرہ پر طرح طرح کے سوال اٹھائے ہیں، صد ہا قسم کی قیل و قال کر کے کتنے ہی فتنوں اور جھگڑوں کو جنم دیا ہے۔ یہی لوگ امت کی تقسیم و حرب عقائد کا ذریعہ بنے ہیں لیکن ایک محبّ صادق

ان جھگڑوں اور مباحث سے دور و نفور رہتا ہے بقول اقبال۔

قندر جز دو حرف لا الہ کچھ بھی نہیں رکھتا
بقیہ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا

ایک محبّ صادق کے نزدیک تو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے بعد آپ افضل ترین، بزرگ ترین، اعلم ترین، بے مثل و بے نظیر اور صاحب اختیار ہیں۔ افسؔر لایعنی بحثوں سے بچتے ہیں لیکن ان کا حب رسول حق گوئی و بے باکی کے ساتھ ان حقائق کو نظم کراتا ہے۔

خالق کونین نے کتنا دیا ہے، دیکھئے
جتنا سب کا بھی نہیں اتنا مرے سرکار کا

رب ہے رب العالمین، وہ رحمۃ للعالمین
اس کا ثانی بھی نہیں اور ان کا ثانی بھی نہیں

پہلے تو بے کنار کہو پھر کہو یہ بات
ہیں علم و آگہی کا سمندر مرے رسول ﷺ

کوئی ثانی ہی نہیں جب خالق اکبر ترا
کیوں نہ ہو محبوب تیرا بے نظیر و بے عدیل

اس امتیاز کے شایاں ہیں صرف دو ذاتیں
خدا سا کوئی، نہ ہے کوئی مصطفیٰ جیسا

خالق کی بے مثالی کا سب سے بڑا ثبوت
محبوب ہے کہ اپنی جگہ بے نظیر ہے

افسؔر ''بعد از خدا بزرگ'' پر یقین کامل رکھتے ہیں اور کسی مباحثہ میں پڑے بغیر کہتے ہیں۔

لمبی بحثوں میں نہ پڑنا بات بالکل صاف ہے
ہیں خدا کے بعد قصہ مختصر آقا مرے

تخلیق کائنات، مخلوق کی حیات و ممات، نفع ونقصان فعل خداوندی ہے جس میں کسی مخلوق کا کوئی دخل نہیں۔ اطاعت وعبادت مخلوق کا فعل ہے اور خالق اس سے بری ہے لیکن اللہ کے محبوب سے محبت، ان پر صلوٰۃ وسلام اور ان کی مدح وثنا وہ قدر مشترک ہے جو خالق ومخلوق میں یکساں پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف خود آپ کی مدح وثنا کی اور صلوٰۃ وسلام کے نذرانے ارسال کیے بلکہ مخلوق کو بھی ایسا کرنے کا حکم دیا۔ اہل ایمان اور اہل محبت آپ کے حضور بے شمار صلوٰۃ وسلام کے نذرانے پیش کرنے اور طرح طرح سے مدح وثنا کرنے، سیرت طیبہ بیان کرنے اور نعت گوئی کا فرض ادا کرنے کے باوجود کماحقہٗ اس فرض کو ادا کرنے سے قاصر ہیں اور اس لیے قاصر ہیں کہ آپ کی ذات والا صفات کو کماحقہٗ سمجھنے سے قاصر ہیں اور یہ مجبوریاں اس لیے ہیں کہ خود آپ کے فرمان والاشان کے مطابق ذات رحمت للعالمین کو رب العالمین کے سوا کوئی سمجھ ہی نہیں سکا۔ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

"یا ابابکر لم یعرفنی حقیقتی غیر ربی"

(اے ابوبکر میری حقیقت کو میرے رب کے سوا اور کسی نے نہ پہچانا) اسی لیے میؔر افق کاظمی کہتے ہیں۔

بیاں ثنائے محمد ہو کیا ثنا کی طرح
کہ جانتا نہیں کوئی انہیں خدا کی طرح

حضرت رؤفؔ اپنے عجز کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

میری نہ یہ مجال ہے میرا نہ یہ مقام ہے
نعت حبیب کبریا صرف خدا کا کام ہے

افسؔر اسی حقیقت کے پیش نظر کہتے ہیں۔

کام بس اللہ کا ہے مدحت ذات رسول ﷺ
اور کوئی جانتا کب ہے مقامات رسول ﷺ
کوئی مداح کب سمجھا حقیقت میرے آقا کی
خدا واحد ہے جس نے کی ہے مدحت میرے آقا کی
کوئی بندہ سمجھ سکتا نہیں عظمت محمد کی
لہٰذا بس خدا کا کام ہے مدحت محمد کی

اللہ جانے عظمت کردار مصطفیٰ
ہم کیا کریں گے مدحت سرکار مصطفیٰ

اس میں کوئی شک نہیں کہ نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہی مشکل کام ہے بلکہ بقول عرفیؔ تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف ہے۔

عرفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحراست
آہستہ کہ رہ بر سر تیغ است قدم را

وجہ یہ ہے کہ نعت گوئی جہاں سعادت و رحمت کا باعث ہے وہیں ذرا سی لغزش سے قعصر مذلت میں گرنے کا بھی امکان ہے بقول افسرؔ

محتاط نہ رہیے تو جہنم ہی ملے گا
مدحت مرے سرکار کی آسان نہیں ہے

لیکن بہر حال حب رسول ﷺ کا یہ تقاضا ہے کہ اس کی جسارت ضرور کی جائے اور اس خطرے کو بخوشی اٹھایا جائے بقول افسرؔ

کام جو سب سے کٹھن ہے، ان کی مدحت ہی تو ہے
پھر بھی میں مدحت سرا ہوں، یہ جسارت ہی تو ہے

آپ کے دور مسعود سے اب تک بے شمار شعراء نے نعت گوئی کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے لیکن کون ایسا سخنور ہوا ہے کہ جو یہ دعویٰ کر سکے کہ واقعی اس نے نعت گوئی کا حق ادا کر دیا۔ اسی لیے افسرؔ کہتے ہیں۔

حق ادا مدحت سرکار دو عالم کا کرے
ہم نے دیکھا نہ سنا ایسا سخنور کوئی

نعت گوئی ہو یا سیرت نگاری، ان کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔ جس میں شامل ہونا قابل فخر، وجہ ناز اور سعادت دارین کا باعث ہے۔ بھلا جس سلسلہ میں سرفہرست خود ذات رب العالمین ہو اس میں شامل ہونا کیوں کر باعث فخر نہ ہوگا بلکہ اس افتخار پر افسر تو غرور جیسی مذموم حرکت کو بھی جائز و روا رکھتے ہیں۔

ممدوح رب کا میں بھی ہوں مداح دوستو!
اس افتخار پر تو ہے جائز غرور تک

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی حمد وثنا اور عبادت و ریاضت سے بے نیاز ہے۔ حسن نیت کے ساتھ چھوٹا سا عمل اور تھوڑی سی بھی عبادت باعث خیر و برکت اور مسعود ہے لیکن نام نمود کے لیے کیا گیا بڑا کام اور ایسی عبادت و ریاضت جس سے غرور زہد پیدا ہو جائے مذموم و مردود ہے۔ ایسی عبادت و ریاضت صدیوں پر بھی محیط ہو تو بے ثمر ہے۔ آپ کے ارشاد کے مطابق قیامت میں غرور زہد کی بنا پر بہت سے عابد و زاہد واصل جہنم ہوں گے اور عقیدت و محبت اور صدق دل سے پڑھا ہوا ایک بار کا کلمہ یا درود شریف میزان کو اجر و ثواب کی طرف جھکا دے گا اور وجہ نجات بن جائے گا۔ افسؔر پسند خاطر ہونے والے ایک شعر کو بھی نجات اُخروی کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔

ڈھیر ساری نیکیاں زاہد پہ تھیں اور میرے پاس
نعت کا ایک شعر تھا جو پیش داور رکھدیا

افسؔر جانتے ہیں کہ ان کی مدح وثنا کا حق تو بھلا کس سے ادا ہو سکتا ہے البتہ نعت گوئی ذریعہ نجات ہو سکتی ہے اس لئے وہ نعت گوئی میں مشغول ہیں۔

وہ تو یہ ہے حشر میں اک آسرا ہوجائے گا
مجھ سے کیا ان کی ثنا کا حق ادا ہوجائے گا

وہ نعت گوئی کو اس لیے بھی اختیار کیے ہوئے ہیں کہ ان میں نور ہی نور ہے جو ہر قسم کی ظلمت کافور کر سکتا ہے اسی لیے کہتے ہیں۔

دور کردیتی ہے ساری تیرگی نعت نبی
ذہن کی، دل کی، لحد کی روشنی نعت نبی

شہر محبوب کی حاضری، کوچہ محبوب میں چہل قدمی اور روضہ محبوب کی زیارت کی آرزو اور تمنا کس محبّ کے دل میں نہ ہوگی؟ کون سا عاشق ان کے ہجر میں تڑپتا نہ ہوگا لیکن یہ مواقع اور وصال کچھ ہی خوش نصیبوں کا مقدر ہوتے ہیں۔ ہجر و وصال، قربت و فرقت اور محبت و نفرت مقدر سے ہے۔ بلال و صہیب و سلمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) دور دراز کے ملکوں سے آ کر شراب وصل کی لذتوں سے شاد کام ہوئے لیکن اویس تھوڑے سے فاصلے کے باوجود محروم و مہجور ہی رہے۔ ابوجہل و ابولہب جیسے کفاران مکہ سب کچھ دیکھنے اور سمجھنے کے باوجود نفرتوں میں غرق رہے لیکن اویس قرنیؓ بغیر زیارت اور سنے سنائے پر ہی ایسے عاشق ہوئے کہ سید العشاق قرار پائے۔ دراصل محبت کے لئے قرب مکانی و زمانی نہیں تعلق قلبی ضروری ہے۔ افسؔر نے بہت ہی صحیح کہا ہے۔

ہند میں رہ کے کوئی ان کے قریں ہوتا ہے
دور ہوتا ہے سرِ گنبد خضرا کوئی

دیکھنے والوں میں بوجہل و عمر دونوں ہی تھے
صدق دل سے جس نے دیکھا ان کا شیدا ہوگیا

زیارت حرمین شریفین کے لیے دولت وثروت بھی درکار ہے اور توفیق الٰہی بھی بلکہ توفیق الٰہی ہو تو اسباب ووسال خود بخود مہیا ہو جاتے ہیں۔ دولت وثروت کی عدم موجودگی اور مواقع سے محرومی کی صورت میں محبّ صادق ان مقامات کی زیارت کی کوشش عالم تصور میں ہی کرتا ہے۔ قوت متصورہ جس قدر قوی ہوگی، زیارت اسی قدر واضح ہوگی اور پھر ایک ایسا وقت بھی آجاتا ہے جب اسباب ظاہری کے بغیر وہ جب چاہے زیارت سے مشرف ہوسکتا ہے اور جتنی بار چاہے بلا روک ٹوک حاضر ہوسکتا ہے۔ افسؔر نے غالبًا اپنی قوت متصورہ کو اسی قدر قوی کرلیا ہے اسی لیے وہ یہ دعوے کرسکتے ہیں۔

طیبہ کو ایک دن میں کئی بار جاؤں میں
مجبوریوں کے ساتھ ہے یہ اختیار بھی

ہزار بار گیا ہوں نبی کے روضے پر
کٹی ہے عمر تصور میں یہ سفر کرتے

یہ تو میں جانوں، مرے سرکار جانیں اور بس
ہو کے آیا ہوں میں کتنی بار ان کے شہر میں

امروہہ میں گھر ہے یہ حقیقت ہے مگر ہم
رہتے ہیں شب و روز مدینے میں تمہارے

کبھی تصور سے تسلی نہیں ہوتی اور درد ہجر ستاتا ہے تو اس طرح التجا کرتے ہیں۔

یا مجھے بلوایئے یا ان میں شامل کیجئے
دور رہ کر بھی جنہیں حاصل ہے قربت آپ کی

عقیدت ومحبت کی نگاہیں محبوب کی ایک ایک چیز کی محبت سے دیکھتے ہیں۔ محبت اس کے نقش پا کو، اس کے آستانے کو چومنے پر آمادہ کرتی ہے، وہاں کی خاک کو بھی سرمہ چشم بناتی ہے یہاں تک کہ سگ کوچہ محبوب بھی عزیز اور پیارا لگتا ہے۔ اہل ظاہر اور جذبہ محبت

سے یگانہ افراد اس کو حماقت اور جنون سے تعبیر کرتے ہیں۔ نام ونہاد اہل شریعت عقیدت و محبت کے ہر فعل پر شرک و بدعت کے فتوے لگا دیتے ہیں، یہ لوگ عقیدت اور عقیدے کے فرق یا عقیدت اور عبادت میں فرق نہیں سمجھتے۔ عبادت تو صرف اللہ کے لئے مخصوص ہے لیکن عقیدت کے مراکز بہت سے ہو سکتے ہیں ہاں یہ مراکز اللہ اور اللہ والوں سے منسلک ہونے چاہئیں۔ افسؔر ایسے لوگوں سے ببانگ دہل کہتے ہیں۔

شرک کیا ہے؟ ہم سمجھتے ہیں، مگر اس در کے پاس
سر تو خود جھکتا ہے پیارے، سر جھکاتا کون ہے
اور کیا ہوتی گدائے مصطفیٰ کی آرزو
آرزو میں آرزو بس خاک پا کی آرزو
ہر تعلق ٹوٹ سکتا ہے مگر وہ ربط خاص
جو جبین شوق کو اس نقش پا کے ساتھ ہے

شریعت اور طریقت میں کیا تعلق ہے۔ دونوں کے مقاصد اور حدود کیا ہیں، دونوں میں کیا فرق ہے؟ یہ سب بڑے طویل اور پیچیدہ مباحث ہیں۔ کثرت تعبیر نے انہیں اور بھی الجھا دیا ہے۔ مختلف قسم کی تعریف اور تعبیر نے انہیں عوام تو کیا خواص کی دسترس سے بھی دور کر دیا ہے حالانکہ مختصراً کہا جائے تو دونوں کا حاصل ہے اتباع رسول ﷺ یعنی آپ کے نقش قدم پر چلنا۔ آپ کی پسند و ناپسند کا خیال رکھنا اور اپنے کردار و گفتار کو آپ کے بنائے ہوئے سانچوں میں ڈھالنا۔ افسؔر کے ایسے ہی مختصر الفاظ و انداز میں شریعت و طریقت کی تعریف پیش کی ہے۔

ان کے نقش پا ڈھونڈو ان کے نقش پا چومو
اور ہے شریعت کیا، اور ہے طریقت کیا
کوئی رستہ ہو وہ دامانِ رحمت تھامنا ہوگا
شریعت میرے آقا کی، طریقت میرے آقا کی

جب حب رسول ہوگا اور جذبہ صادق کے ساتھ ہوگا تو پھر ہر وقت آپ کا تصور اور آپ کی یاد محبّ صادق کا احاطہ کئے رہے گی اور جب یہ درمقصود حاصل ہو جاتا ہے جو حاصل حیات ہے تو پھر اور کس چیز کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے، اس کے بعد تو محبّ صادق پر عالم سکوت اور عالم سکون طاری ہو جاتا ہے، لب بند ہو جاتے ہیں اور چشم وا۔ پھر تو کھلی آنکھوں سے محبوب کا دیدار ہوتا رہتا

ہے۔افسؔر نے اس نفسیاتی کیفیت کو مندرجہ ذیل الفاظ میں پیش کیا ہے۔

جب درِ مقصود مل جائے تو سل جاتے ہیں لب
یہ بتائے کون کیا دیتی ہے پیغمبر کی یاد
دھڑکنے کا سلیقہ بھی، حرارت بھی، عقیدت بھی
دلوں کو دل بناتی ہے محبت میرے آقا کی

انتہائے محبت میں محبّ تنہائی پسند ہو جاتا ہے، اسے خلوت میں سکون ملتا ہے کیونکہ جلوت اور محفل اس کے تصور محبوب میں خلل انداز ہوتی ہے۔ یوں تو یہ تصور ہمہ وقت محیط رہتا ہے لیکن جذبہ عشق میں مدوجزر بھی ہوا کرتے ہیں۔ جب جذبہ شدت و حدّت سے ابھرتا ہے اور اس پر ایسی تنہائی و بے خودی طاری ہوتی ہے کہ دوسرے لوگ بھی محسوس کر لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک بھلے ہی یہ کیفیت خلل دماغ یا جنون کی کیفیت ہو لیکن عاشق صادق کو اسی میں سکون ملتا ہے۔ اس نفسیاتی کیفیت کو افسؔر نے اس طرح پیش کیا ہے۔

پھر خیال سرور کونین آیا ذہن میں
پھر بھری محفل میں دیوانے کو تنہا کر دیا

سیرت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مثالی اور معیاری سیرت اور نمونہ عمل ہے۔ دشمنان دین اور شاتمان رسول نے اس پر بہت کچھ خاک اڑانے اور اسے دھندلانے کی کوشش کی ہے اور کر رہے ہیں مگر بھلا چاند پر کوئی خاک ڈال سکا ہے بلکہ کہتے ہیں کہ چاند پر تھوکا تو اپنے ہی منھ پر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیرت طیبہ کے جواہر نے دشمنان اسلام سے بھی خراج تحسین وصول کیا ہے۔ ولیم میور اور پروفیسر مار گولیتھ جیسے متعصب مؤرخین سے بھی سیرت پاک کے روشن و تابناک پہلو نظر انداز نہ ہو سکے، وہ بھی گلہائے عقیدت پیش کرنے پر مجبور ہوئے۔ اسی کے پیش نظر افسؔر کہتے ہیں۔

دھوڈ اُڑتی تھی، اُڑتی ہے، اُڑتی رہے
آئینہ آپ تھے، آئینہ آپ ہیں
آئینہ ہے آئینہ سیرت مرے سرکار کی
آئینہ جو دیکھ لے گا آئینہ ہو جائے گا

فی الحقیقت جو لوگ خود کو سیرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سانچے میں ڈھال لیتے ہیں وہ

بھی آئینے کی طرح مجلیٰ و مصفیٰ ہو جاتے ہیں۔

خلق محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مثال اولادِ آدم میں سے کوئی دوسرا پیش نہیں کر سکا اور یہ کیوں نہ بے مثال ہوتا کہ آپ تکمیل اخلاق کے لئے ہی تشریف لائے تھے۔ آپ کے لب و لہجے، رفتار و گفتار اور کردار عمل سے کبھی کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ آپ کی شیریں مقالی ضرب المثل تھی اسی لیے افسرؔ نے کہا ہے۔

لہجہ وہ ہے کہ مل نہیں سکتی کہیں مثال
خود قند خود ہی قند مکرر مرے حضور

مقالہ طویل ہوتا جا رہا ہے لیکن گلشن افسرؔ کی رنگا رنگی اس کی متقاضی ہے، اس کا ہر گوشہ یہی کہتا ہے۔

''کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جا است''

بہر حال اس گفتگو کو مختصر اور آئندہ کے لیے موخر کرتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ افسرؔ نعت گوئی میں اپنا ایک اہم اور منفرد مقام بنا چکے ہیں اور اب ''سرمایہ'' شائع کر کے اپنے سرمایہ دار ہونے کا اعلان و اعتراف بھی کر رہے ہیں، اس میں شک نہیں کہ افسرؔ ظاہری اور روایتی سرمایہ دار نہ ہونے کے باوجود ایسے لازوال سرمایہ کے سرمایہ دار ہیں جسے نہ کوئی چھین سکتا ہے اور نہ چُرا سکتا ہے۔ خدا کرے کہ وہ اپنے سرمایہ میں تادیر اضافہ کرتے رہیں۔ اس سدا بہار چمن میں دلفریب و لآویز اور خوبصورت تختہ ہائے گل تیار کرتے اور محبان رسول کے لیے حسن نظر اور فردوس گوش کا سامان مہیا کرتے رہیں۔ آمین ثم آمین بجاہ رحمت للعالمین وسید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم و آلہ واصحابہ اجمعین۔

---

31 مارچ 2016ء 21 جمادی الآخر 1437ء بروز جمعرات بعمر 74 سال داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور حمد و نعت کا صلہ لینے پہنچ گئے، وہاں، جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا لیکن فضل ربی شامل حال ہو تو وہاں عیش ہی عیش ہوتا ہے۔

○○○

الحاج سید محمد مفیض الدین قادری (شاہ جہاں پور)

خانوادۂ قادری کے اکابرین کی نعتیہ شاعری

نعت بڑی ہی نازک صنف ہے اور نعت گوئی کا شرف اللہ تعالیٰ سب کو عطا نہیں کرتا بلکہ جس پر اللہ ربّ العزت کا خاص کرم ہوتا ہے وہی نعتیہ شاعری کر سکتا ہے۔ عربی میں ''نعت'' کے معنی توصیف و تمجید اور تعریف و بزرگی کے ہیں۔ عام طور پر لفظ نعت جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی تعریف و توصیف کے لئے بولا جاتا ہے۔ حضرت حسان، حضرت کعب، حضرت ابنِ رواحہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نعتیہ اشعار بہت مشہور ہیں۔ صحابہ سے لیکر تا ایں دم تمام اہلِ ایمان حسب توفیق جناب رسول رسول اکرم ﷺ کی شان بیان کرتے آئے ہیں جس کا اظہار کبھی نعت کے اشعار کی صورت میں ہوتا ہے اور کبھی نثر کی عبارت کی صورت میں اور کیوں نہ ہو جبکہ آں حضور ﷺ سے عقیدت و محبت جزوِ ایمان ہے۔ اہلِ ایمان کا نبی مکرم ﷺ کے ساتھ تعلق روحانی ہے لہٰذہ آپ کی مدح و توصیف ایمان و ایقان اور محبت قلبی کا تقاضہ ہے اور یہی ایمان کی افزودگی اور معراجِ کمالِ مومن ہے۔ آں حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے **لَا یُومِنُ اَحَدَکُم حَتیٰ اَکُونَ اَحَبّ اِلَیۃ مِن وَالِدِہٖ وَ وَلَدِہٖ وَ النّاسِ اَجمَعِین**۔ یعنی تم میں سے اُس وقت تک کوئی مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے باپ اس کے بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

یہ محبت کا تقاضہ تھا کہ تمام اہلِ ایمان آں حضور ﷺ کی مدح و توصیف میں رطب اللّسان رہے۔ حضرت حسان بن ثابت جو شاعر رسول کے معزز لقب سے ملقّب ہیں فرماتے ہیں۔

و اجمل منك لم ترقط عینی
و اکمل منك لم تلد النّسأ
خلقت مبرا من کلّ عیب
کانّك قد خلقت کما تشأ

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جس میں آپ نے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔

وما مدحت محمداً بمقالی
و کن مدحت مقالی محمد

نعت گوئی رسول کریم ﷺ سے انتہائی قلبی تعلق اور بے پناہ محبت کی طالب ومتا قاضی ہے اس میں سرشاری وسرمستی کے ساتھ شعور وادراک کی ہم سفری بھی نہایت ضروری ہے۔نعت کہنے والے جس شاعر کو یہ سب چیزیں ودیعت ہوئی ہوں وہی کامیاب نعت گو ہوسکتا ہے۔المختصر ذیل کے مضمون میں ہم خانوادہ ٔقادری کے اکابرین کی نعتیہ شاعری کا جائزہ لیں گے۔

تعارف خانوادہ ٔقادری:

خانوادۂ قادری نے گزشتہ کئی صدیوں سے دینِ متین اور ملک وملت کی بے لوث خدمات انجام دی ہیں۔اس خانوادۂ کے افراد نے ہندوستان کی آزادی میں بھی نمایاں کردارادا کیا ہے۔اس خانوادہ سے علم وعمل کی جوکرنیں پھوٹیں انہوں نے ہندوستان کے علاوہ دنیا کے بہت سے دوسرے مما لک کوبھی روشن کیا۔تصنیف وتالیف شعر وسخن درس وتدریس واعظ ونصیحت اصلاح وارشادات اور رُشد وہدایت کے ذریعے عوام کی خدمت ہر دور میں اس خانوادہ کا نمایاں کارنامہ رہا ہے۔

خانوادۂ قادری کے مورثِ اعلیٰ حضرت سید محمد شیر الدین رحمۃ اللہ علیہ ملک عرب سے ۳۸۱ھ مطابق ۹۹۲ء سن میں ملتان اور جالندھر ہوتے ہوئے ہندوستان تشریف لائے پہلے بدایوں میں قیام کیا اور بعد میں موضع مالوں ضلع شاہ جہاں پور میں مستقل رہائش اختیار کی۔آپ کا سلسلۂ نسب نبی کریم ﷺ کی نوئیں پشت میں بنی لوئی سے ملتا ہے۔تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو''خطبات احمدیہ''مولف سرسید احمد خاں مطبوعہ لندن ۱۸۷۰ء۔

گزشتہ کئی صدیوں میں اس خانوادہ کی نمایاں شخصیات میں جوشہرت فخرِ ملک وملت صدر جمہوریہ اعزاز یافتہ حضرت الحاج قاری سید نا،مولانا پنڈٹ بشیر الدین قادری شاہ جہاں پوری قدّس سرہ کونصیب ہوئی وہ دوسرے کسی فرد کے حصے میں نہیں آئی۔آپ بیک وقت کئی خوبیوں کے مالک تھے،اسلامیہ انٹر کالج،شاہ جہاں پور میں درس وتدریس سے منسلک رہے۔مختلف زبانوں پرآپکو عبور حاصل تھا۔آپ کی اعلیٰ علمی اور ملی خدمات کے صلے میں حکومتِ ہند کی جانب سے بدستِ صدر جمہوریہ جناب سروپلی ڈاکٹر رادھا کرشنن نے قومی اعزاز National Award

مورخہ ۱۳/ اکتوبر ۱۹۶۱ء کو عطا کیا تھا۔ وزیر اعظم جناب پنڈت جواہر لال نہرو نے آپ کی سنسکرت زبانوں پر عبور اور بیدوں پر تحقیقی کارناموں کو دیکھ کر ''پنڈت'' کے خطاب سے نوازا تھا۔ آپ تصانیفِ کثیرہ کے مالک تھے۔ آپ کی مایۂ ناز تصنیف ''تاریخ ہندی قرون وسطیٰ'' ہندو پاک کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی مشہور ہے۔ آپ ایک فقیر منش اور درویش صفت انسان تھے۔ ساری زندگی شریعت وطریقت کی تصویر بن کر رہے۔ حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بشارت کے مطابق ۱۲/ شوّال المکرّم ۱۳۸۸ھ کو حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم القادری بدایونی دام اقبالکم سجادہ نشین خانقاہ عالیہ قادریہ، مجیدیہ، بدایوں شریف نے درگاہ عالیہ، قادریہ میں عرس قادری، قدیری میں قل شریف سے قبل خلافت واجازت سے نوازہ تھا۔ اس کے بعد آپ نے شاہ جہاں پور میں خانقاہ عالیہ، قادریہ، بشیریہ، قائم کی یہ خانقاہ آج بھی رُشد وہدایت کی مرکز ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے مخمخانہ محامد۔ مولف نواب قادری۔ حیدر آباد)

ذیل کے مضمون میں ہم آپ کے ہی صاحبزادگان کی نعتیہ شاعری کا مطالعہ کریں گے۔

۱-سید محمد استخار الدین قادری یعقوب:

آپ الحاج قاری سیدنا، مولانا پنڈت بشیر الدین قادری شاہجہاں پوری قدّس سرہ کے خلفِ اکبر ہیں جو اس وقت آپ کی یادگار ہیں۔ بجنور انٹر کالج میں بحیثیت انگلش لکچرار درس و تدریس کے فرائض انجام دینے کے بعد اس وقت ادبی اور علمی کارناموں میں مصروف ہیں۔ آپ کو اپنے والد ماجد سے خلافت واجازت بھی حاصل ہے۔ حضرت یعقوب صاحب کے شعری دیوان ''قصرِ جاں'' میں پروفیسر خالد حسن خاں رقم طراز ہیں:-

> ''یعقوب صاحب کی وسعتِ نظر، ذوقِ مطالعہ، شوقِ مشاہدہ، تنقید وترجمہ اور بحور واوزان کی دقیقہ رسی ایسی خداداد صلاحیتیں ہیں جن کے طفیل ان کی علمیت، ادبیت، شعریت اور صلاحیت کی گونج نہ صرف شاہجہاں پور، بدایوں، بجنور، میرٹھ، دلّی بلکہ اردو کے دور دراز علاقوں میں محسوس کی گئی۔ ان کی طبعیت میں متانت و قناعت، سنجیدگی و بردباری، مشق ومحنت، ریاضت وعبادت حکم وعلم کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ جس کے سبب ان کے خامہ گوہر فشانی پر کبھی جھنجھلاہٹ اور غصہ کے تیور ظاہر نہیں ہوتے ہیں مزاج میں استقلال طبعیت میں صلح جوئی فکر پر سفلیت کے بجائے عقلیت بلکہ شعریت غالب ہے کسی بھی شخص وشاعر کے لئے یہ خوبیاں اس کی

سحریت اور شعریت کے لئے کافی ہیں۔ اپنی انہیں خوبیوں محبوبیوں اور کمالات کے باعث یعقوبؔ صاحب جس محفل میں ہوتے ہیں وہاں اپنی خوش کلامی اور شعر خوانی کا نہ صرف علم بلند کرتے ہیں بلکہ باذوق سامعین اور اپنے ہم عصر شاعروں کو بھی متاثر کر دیتے ہیں۔''

حضرت یعقوبؔ کے چار دیوان اس وقت ہمارے پیشِ نظر ہیں (۱) دھڑکنیں مطبوعہ ۱۹۶۵ء (۲) سازِ دل (مجموعہ قطعات و رباعیات) مطبوعہ ۱۹۷۲ء (۳) لمحہ لمحہ آگہی (اردو اکیڈمی۔ لکھنؤ سے انعام یافتہ) مطبوعہ ۲۰۱۰ء (۴) قصرِ جاں مطبوعہ ۲۰۱۵ء

جہاں آپ نے دیگر اصناف میں طبع آزمائی کی ہے وہیں آپ بہترین نعت گو شاعر بھی ہیں۔ علم الحساب میں ۹۲ رکا عدد کائنات عالم کی ہر شئیے میں دیکھ کر آپ نے فرمایا۔

محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا''
نہ سورج چمکتا نہ تارے دمکتے
نہ کلیاں چٹکتیں نہ غنچے مہکتے
فضا مسکراتی نہ طائر چہکتے
نہ پانی برستا نہ چشمے چھلکتے
''محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا''
مناظر نہ ہوتے ہوائیں نہ ہوتیں
زمانے میں رنگیں فضائیں نہ ہوتیں
لب ِ آرزو پر دعائیں نہ ہوتیں
اذاں کی یہ دل کش صدائیں نہ ہوتیں
''محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا''
ابوبکر کی یہ سخاوت نہ ہوتی
جہاں میں علی کی شجاعت نہ ہوتی
نبی کی اگر یہ عنایت نہ ہوتی
عطا آدمی کو بصیرت نہ ہوتی
''محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا''

خدا کا نہ ہم پر یہ احسان ہوتا
نہ اشرف جہاں میں یہ انسان ہوتا
نہ اسلام ہو تا نہ ایمان ہوتا
کسی کو خدا کا نہ عرفان ہوتا
''محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا''
سکون دلِ و جاں اطاعت نبی کی
خدا کی عبادت ہے الفت نبی کی
قراں سے بھی ثابت ہے عظمت نبی کی
زمانے کو لازم ہے طاعت نبی کی تا''
''محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا''

آپ کی یہ مشہور نعت آج بھی خاص و عام کی زباں پر ہے۔ cce Pattern کی منظور شدہ کتاب ماہِ اردو (مصنف راقم الحروف) درجہ چہارم میں یہ نعت داخلِ نصاب ہے۔ المختصر آج دنیا میں جو کچھ نظر آ رہا ہے وہ آپ ﷺ ہی کا صدقہ ہے۔ حدیثِ قدسی ہے۔

''آگر آپ کی ذات نہ ہوتی تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا'' پوری نعت اسی مضمون کی عکاسی کرتی ہے۔ دنیاں میں جہاں جائیں ہر طرف ہر چیز میں آپ کی رحمت کی نشانیاں ملیں گی۔

حضور ﷺ کی محبت انسان، حیوان، چرند، پرند، شجر و حجر اور کائنات کے ہر ذرے میں موجود ہے۔ ذرے ذرے نے جناب رسول اللہ ﷺ کے رسول ہونے کی شہادت دی۔ آپ چونکہ رحمت بن کر تشریف لائے ہیں لہٰذا آپ نے رحمت و شفقت کا جو نمونہ پیش کیا وہ نہ آج تک مل سکا اور نہ قیامت تک مل سکتا ہے۔ جناب یعقوبؔ صاحب کے یہ اشعار اس کے ضامن ہیں۔

سراپا محبت سراپا حقیقت
کرم بن کے آئے عطا بن کے آئے
کرے کس طرح ان کی تعریف یعقوبؔ
جو عالم میں شمس الضحیٰ بن کے آئے

جناب محمد رسول اللہ ﷺ سراپا رحمت کا خزانہ ہیں اور یہ خزانہ کسی ایک فرقہ کے لئے نہیں، کسی ایک قوم کے لئے نہیں، کسی خاص نسل کے لئے نہیں، کسی خاص گروہ کے لئے نہیں اور کسی

خاص ملک کے لئے نہیں بلکہ عالمِ کُل کے لئے ہیں۔آپ تمام جہانوں کے لئے رحمت کا سرچشمہ ہیں اس سلسلے میں جناب یعقوبؔ کے کچھ اشعار پڑھیے۔

انہیں کا نام نامی ہے محمد
جو ہیں رحمت کفیلِ بے کساں ہیں
جو آیا ہے وہ شاہد ہے انہیں کا
رسولوں کے امیر کارواں ہیں
شبِ معراج میں بھی یاد رکھا
وہ امّت پر بہت ہی مہرباں ہیں
محمد آپ، احمد ذات والا
جمالِ حق دلیلِ کُن فکاں ہیں

ہمہ رحمت خبیرِ لا مکاں ہیں
وہ ختم المرسلیں جان جہاں ہیں
شعور زندگی کے پاسباں ہیں
خدا کا نور جانِ عاشقاں ہیں
وہ اوجِ منزلت آپ کی ذات
نصاب حق شفیعِ عاصیاں ہیں

۲۔سید محمد ظہیر الدین قادری کوثرؔ:

آپ ۱۹۶۱ء میں ہندوستان سے پاکستان ہجرت کر گئے تھے۔کراچی میں عائشہ باوانی ڈگری کالج میں صدر شعبہ اردو کے عہدے پر فائز تھے۔اردو، ہندی، سنسکرت، انگلش وغیرہ زبانوں پر عبور حاصل تھا۔آپ کو اپنے بھائی سید محمد معز الدین قادری شاہ جہاں پوری سے سلسلہ عالیہ، قادریہ، بشیریہ میں خلافت و اجازت حاصل تھی۔ پروفیسر سید محمد ظہیر الدین قادری کوثرؔ شاہ جہاں پوری کے مجموعہ کلام ''ارمغان سخن'' میں پروفیسر یٰسین خان بہارؔ استاذ شعبہ اُردو لندن کالج آف آرٹس مینجمنٹ، کراچی پاکستان لکھتے ہیں:-

''کوثرؔ صاحب نے آفتاب علم و دانش اور مہر زہد و تقویٰ کی روشنی میں آنکھ کھولی

ہے۔ان ضیا پاشیوں کے بہت کچھ اثرات ان کی ذات، ان کی فکری دھارے اور ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر حاوی نظر آتے ہیں۔ معلّمی کا شعبہ ان کی میراث ہے اور شاعری ان کا تقاضائے فطرت، شاعری اور ادب کی دنیا میں وہ ایک وسیع المطالعہ شخص ہیں مختلف زبانوں کے شعر و ادب کو انہوں نے تعمق نگاہ سے دیکھا ہے۔اس لئے ان کی فکر میں گہرائی اور لہجے میں ایک دل کش توازن و متانت کا احساس ہوتا ہے۔آپ کے شعری خیالات تصوف کے پروردہ معلوم ہوتے ہیں۔اس لئے کہ عشق الٰہی اور تصوف ان کے خانوادہ کی میراث و متاعِ حیات بھی ہے۔کوثر صاحب کی جڑیں اپنے ماضی میں بہت گہری ہیں۔ وہ اپنے آبا و اجداد کے طرقِ زندگی، ان کے علمی شغف اور ان کی راستبازی کے مقلد و موید ہیں بلکہ ان پر اپنے بزرگوں کی رسم عبودیت کے اثرات بھی پوری طرح چھائے ہوئے ہیں۔"

۱۴ر فروری ۲۰۰۸ء کو مختصر علالت کے بعد داعیِ اجل کو لبیک کہا۔نثر و نظم پر آپکو یکساں عبور حاصل تھا۔نثر میں اسلام اور گہوارہ مسعودی، سرمایۂ حیات، علم عروض پر ایک سرسری نظر، شاہ راہِ علم و عمل وغیرہ کتب راقم کے مطالعہ میں ہیں۔

اس وقت آپ کے پانچ دیوان ہمارے پیشِ نظر ہیں۔(۱) گل دستۂ کوثر مطبوعہ ۱۹۷۷ء (۲) عکس کوثر ۱۹۸۷ء (۳) ارمغان سخن ۲۰۰۲ء (۴) آبشار نور۔ مجموعہ نعت و مناقب مطبوعہ ۲۰۰۵ء (۵) فراغِ کوثر مطبوعہ ۲۰۰۷ء یہ تمام کتب "کتب خانہ قادریہ، بشیریہ" میں محفوظ ہیں۔

کوثر صاحب کا دل عشقِ رسول ﷺ سے سرشار ہے۔آپ نے جو کچھ لکھا ہے۔اس میں والہانہ سوز و گداز اور عجیب سی کیفیت پائی جاتی ہے۔

آنکھوں میں وہی جلوہ دل میں وہی الفت
اے کاش مدینے کو لے جاؤں یہی حسرت ہے
دامن میں مرے کیا ہے ، ہیں اشک عقیدت کے
کیا پیش کروں آقا جو کچھ ہے محبت ہے

جناب کوثر شاہ جہاں پوری نے بڑے آسان اور سادہ الفاظ میں رسول اکرم ﷺ کی ذات وصفات اور شان کو بیان کیا ہے۔اس سادگی میں جو عقیدت نظر آتی ہے وہ دقیق الفاظ میں ممکن نہیں۔کوثر صاحب نے عشق رسول سے متعلق کتنی سچی بات کہی ہے۔

ذات نبی حسین ہے بڑی خوش خصال ہے
نور خدا ہے پیکر حسن و جمال ہے
اک شانِ کبریائی ہے تخلیق مصطفیٰ
ذاتِ رسول پاک خدا کا جمال ہے

حضور پُرنُور ﷺ کی ذات اخلاق وسیرت کے اعتبار سے وہ منوّر آفتاب ہے جس میں ہر خوبی کی جھلک اور ہر حسن کا رنگ ہے۔اس مضمون کو کوثر صاحب نے کس انداز میں بیان کیا ہے پڑھیے اور لطف لیجئے۔

مساوات اور اتحاد و اخوت
ہر اک کے لئے ہیں پیام محمد

جتنی بھی جہاں میں روشنی ہے
صدقے میں نبی ﷺ کے ہو رہی ہے

تفسیر حیاتِ مصطفیٰ ﷺ تو
قران کی شکل میں ڈھلی ہے

جہالت کے اندھیرے میں جلا ئی علم کی شمع
عرب کیا عالم انسانیت کے آپ رہبر ہیں

اس میں کوئی شک نہی کہ حضرت کوثر شاہ جہاں پوری کا دل عشق رسول ﷺ سے سرشار ہے۔ان اشعار میں عشقِ رسول کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔چند اشعار آپ بھی پڑھیئے۔

کیوں نہ کوثر جان دے دوں مصطفیٰ کے عشق میں
جب نہیں کونین میں کوئی مثالِ مصطفیٰ ﷺ
ان کا جلوہ دیکھنے والی نگاہیں ہوں تو پھر
ہر طرف ، ہر سمت ، ہر سو ہے جمال مصطفیٰ ﷺ

۳۔سید محمد مُعز الدین قادری:

آپ اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی جانشیں اور خانقاہِ عالیہ، قادریہ، بشیریہ، شاہ جہاں پور شریف کے پہلے سجادہ نشین تھے۔ ایف۔ آر انٹر کالج ، چندوسی میں درس و تدریس کی خدمات بحیثیت لیکچرار انجام دینے کے بعد ۳۰؍جون ۲۰۰۸ء کو سبک دوش ہوئے۔ آپ نے راقم الحروف کے والد ماجد مربّی اُستاذ اور پیرو مرشد ہیں۔ بے شمار لوگ آپ کے دامن کرم سے وابستہ ہوکر فیض یاب ہوئے۔

حضرت والدِ ماجد کے مجموعہ مضامین قادری میں مولانا حضور احمد قادری پرنسپل دارالعلوم غوث الوریٰ، شاہ جہاں پور رقم طراز ہیں:۔

”آپ سراپا ایک علمی شخصیت ہیں منکسر المزاج آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔ حد درجہ متواضع کم گو وضعدار اور مرنجاں مرنج طبیعت کے مالک ہیں۔ آپ ایسے با اخلاق اور باوقار ہیں کہ ایک بار ملنے کے بعد آپ سے بار بار ملنے کا جی ہوتا ہے۔ آپ پر آپ کے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم و تربیت کے گہرے اثرات موجود ہیں۔ آپ کو اپنے والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے جو علمی و روحانی وراثت ملی تھی اس کو بہت ہی سنبھال کر رکھا ہے۔“

ماخوذ مضامین قادری اور اس کے مصنف میری نظر میں مطبوعہ ماہ نامہ اعلیٰ حضرت مارچ ۲۰۱۲ء۔

۲۵؍جمادی الاوّل ۱۴۳۶ھ ؍۱۷؍مارچ ۲۰۱۵ء صبح ۹؍بجے بعد نماز چاشت داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ آپ خانوادۂ قادری کے اکابرین کی آخری آرام گاہ درگاہ عالیہ، قادریہ واقع مولانا پنڈت بشیر الدین روڈ، شاہ جہاں پور میں محوِ خواب ہیں۔

حضرت والد ماجد نے ایک درجن سے زیادہ کتب تصنیف فرمائی ہیں۔ جس میں امن و شانتی مطبوعہ ۲۰۰۹ء اور مضامین قادری مطبوعہ ۲۰۱۰ء طباعت کی منزل سے گزر کر اربابِ علم سے دادِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ بقیہ غیر مطبوعہ تصانیف ”کتب خانہ قادریہ، بشیریہ“ میں محفوظ ہیں۔ مختلف رسائل و جرائد میں نعتیہ کلام بھی شائع ہوئے جو آج بھی عام و خاص کی زبان پر ہیں۔

آپ کا نعتیہ کلام شاعرانہ استعداد، تخیل کی بلند پروازی بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عشق اور رموز شاعری سے بھرپور آگہی کی عکاسی کرتا ہے، فرماتے ہیں۔ ؎

دیر و حرم میں ہے نہ کسی آشرم میں ہے
دل کو سکوں تو آپ کی چشمِ کرم میں ہے

آنحضرت ﷺ کی مکمل زندگی ایک لفظ رحمت کی تفسیر ہے۔ اور رحمت کا حقیقی مفہوم اگر کہیں بتمام وکمال ادا ہوا ہے تو وہ آں حضرت ﷺ ہی کی پاک زندگی ہے جو پوری انسانیت کے لئے نمونۂ ہدایت ہے۔ حضرت والد ماجد کا یہ شعر اس کا ضامن ہے۔

اے امّتی تو اُسوۂ خیر البشر پہ چل
تیری نجات آپ کے نقشِ قدم میں ہے

شہر مدینہ کی کیا بات کی جائے جو مکمل جنت ہے۔ خود سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ جنت کے خطوں میں سے ایک خطہ ہے۔ اسی سلسلے میں حضرت والد ماجد فرماتے ہیں۔

فردوس میں ہے اور نہ باغِ ارم میں ہے
جینے کا لطف روضۂ شاہ امم میں ہے

تخیل کی بلند پروازی کا نمونہ پیش ہے فرماتے ہیں۔

ارضِ حرم بھی رو کشِ فردوس ہے مگر
جینے کا لطف روضۂ شاہ امم میں ہے

عشقِ رسول عقیدۂ ایمان ہے۔ بغیر عشق رسول کے ایمان کامل نہیں ہوسکتا۔ فرماتے ہیں۔

یادِ حبیب مجھ کو ستاتی ہے بے طرح
حالِ دِل تباہ مری چشمِ نم میں ہے
خوشبو جو ان کے گیسوئے پرپیچ وخم میں ہے
عنبر میں ہے نہ کیسر و مشکِ ختن میں ہے
عشق رسول ایسا فزوں تر ہوا ہے اب
سرخی بڑھا رہا ہوں میں کچھ غم کے باب میں

حضور اکرم ﷺ کی ذات بابرکت عالی صفات تمام اخلاق وخصائل صفاتِ جمال میں اعلیٰ وارفع ہے۔ ان تمام کمالات ومحاسن کا احاطہ انسانی قدرت وطاقت سے باہر ہے کیوں کہ وہ تمام کمالات جن کا عالم امکان میں تصور ممکن ہے سب کے سب نبی کریم ﷺ کو حاصل ہیں۔ تمام انبیاً ومرسلین آپ کے آفتاب کمال کے چانداور انوار جمال کے مظہر ہیں۔ حضرت کا

یہ شعر ملاحظہ فرمائیں۔ ؎

تھے بے شمار وصف رسولوں میں اے معزؔ
ہر ایک وصف ان کا شفیع الامم میں ہے

کچھ اشعار اور پڑھئے۔ ؎

کیا اور بھی کوئی ہے جو ان کا جواب ہو
نور خدا ہے روئے رسالت مآب میں

سُن لیجئے اے شاہ امم دل کی دھڑکنیں
اُٹھ اُٹھ کے دیکھتا ہوں تمھیں اضطراب میں

۴۔سید محمد ظفر الدین قادری:

آپ کئی خوبیوں کے مالک تھے نعت گوئی میں ملکہ حاصل تھا۔نعت گوئی میں آپ کو ’’حاجی عبدالباری یادگار نعتیہ ایوارڈ‘‘ ۲۷؍ستمبر ۱۹۷۰ء کو عطا کیا گیا تھا۔شیریں گفتگو،لبوں پر مسکراہٹ مزاج میں عاجزی خدمتِ خلق وغیرہ اوصاف آپ میں وِراثتن موجود تھے۔

کچھ عرصے تک مدرسہ رحمانیہ شاہ جہاں پور میں اور عرصہ ٔدراز تک مدرسہ بحر العلوم میں تدریسی خدمات انجام دیں۔خانقاہ عالیہ،قادریہ،بشیریہ میں قرآن مجید کا درس دیا کرتے تھے۔بے شمار مخلوق خدا آپ کے اس علمی فیضان سے مستفیض ہوئی۔آپ نے شرفِ بیعت اپنے والدِ ماجد سے حاصل کی۔

راقم الحروف کے مطالعہ میں آپ کی غیر مطبوعہ تین تصانیف ہیں۔جو خانودہ ٔ قادری کے اکابرین کے آبائی کتب خانہ قادریہ،بشیریہ میں محفوظ ہیں۔(۱) تاریخ اردو ادب (۲) تنقید وتبصرہ (۳) اردو کے مشہور شعرا ٔفن شاعری میں آپ کو مہارت حاصل تھی زیادہ تر کلام ضائع ہو گیا کچھ نعت اور منقبت راقم کے پاس محفوظ ہیں۔آپ مخصوص ترنم میں نعت شریف پڑھتے تھے۔راقم الحروف نے بارہا آپکا کلام سنا ہے۔کلام ضائع ہونے کا آپ کی مسلسل علالت تھی۔اس سبب آپ کا کلام محفوظ نہ رہ سکا اور نہ اشاعت کی منزل کی سے گزرا۔۱۴؍ذی قعدہ ۱۴۳۰ھ مطابق ۳؍نومبر ۲۰۰۹ء کو بعد نماز تہجد داعیِ اجل کو لبیک کہا۔درگاہ عالیہ،قادریہ میں اپنے والد کے پائیں آرام فرما ہیں۔

ظفرؔ شاہ جہاں پوری کے کلام میں والہانہ عشق کی جھلک نظر آتی ہے۔آپ کے اشعار پڑھنے کے

بعد ایمان کو جلا حاصل ہوتی ہے اور آپ کا تمام کلام عشق رسول ﷺ کا ترجمان ہے۔

شفاعت کارِ مشکل ہر کسی سے ہو نہیں سکتا
بجز اس ذات اقدس اور کسی سے ہو نہیں سکتا
سکوں بخشا جہاں کو آپ کی ذات مقدس نے
کہ جو اس دور کی شائستگی سے ہو نہیں سکتا

حضرت ظفؔر شاہ جہاں پوری کے کلام میں اکثر و بیشتر جو ایک خوبی نظر آتی ہے وہ ان کے واردات قلبی کی عکاسی کرتی ہے۔ مثال کے طور پر یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

زندہ ہیں اگر آ جائے گا وہ دن بھی ظفؔر انشا اللہ
دیکھیں گی نگاہیں مری اللہ کا گھر انشا اللہ
ہم اہلِ محبت دیکھیں گے آہوں کا اثر انشا اللہ
پیغام حضوری دے گا ہمیں طیبہ کا سفر انشا اللہ
معذور سہی، مجبور سہی ، نادار سہی ، ناچار سہی
روضے پہ لُٹائیں گے جا کر اشکوں کے گُہر انشا اللہ
دیوانہ جائے گا جھوم کے جب سرکار کے روضے کی جانب
حیرت سے فرشتے دیکھیں گے انداز سفر انشا اللہ
جس طرح دیار اقدس تک اربابِ محبت پہنچے ہیں
اک روز ظفؔر ہوگا یوں ہی اپنا بھی سفر انشا للہ

جناب ظفؔر شاہ جہاں پوری کے نعتیہ اشعار پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سہل اور انتہائی آسان زبان میں کہے گئے ہیں۔ جو ذہن میں اترتے چلے جاتے ہیں۔ ان اشعار میں ان تمام خوبیوں کی جھلک نظر آتی ہے۔

غلام قادری نے جب پُکارا یا رسول اللہ
دیا ہے آپ نے بڑھکر سہارا یا رسول اللہ
بلا کر اپنے روضے پر مٹا دو بے کلی دل کی
یہ دوری اب نہیں مجھ کو گوارا یا رسول اللہ

ظفؔر صاحب کے یہ اشعار ان کے پختہ عزم وحوصلہ کی سچی اور صحیح عکاسی کرتے ہیں۔ جو عشقِ رسول ﷺ کی دلیل ہیں۔ فرماتے ہیں۔ ؎

پکڑ کر روضہ ٔ انور کی جالی دم نکل جاتا
کچھ ایسا اَوج ہوتا ستارہ یا رسول اللہ

مدد فرمایئے میری ، مدد کو آیئے میری
بڑی مشکل سے ہوتا ہے گزارا یا رسول اللہ

یہی ہے آرزو میری یہی ہے آرزو باقی
ترے روضے کا میں کر لوں نظارہ یا رسول اللہ

کیا ہے چاند دو ٹکڑے فقط اک اشارے میں
کرم کا کیجئے مجھ پر اشارہ یا رسول اللہ

عجب عالم ہے اس دل کا نہ پوچھو کیفیت اس کی
دکھا دو اب ظفؔر کو بھی نظارہ یا رسول اللہ

○○○

عبدالمتین جامؔی (کٹک۔اُڑیسہ)

اڑیسہ میں نعتیہ شاعری حال وماضی کے تناظر میں

اڑیسہ میں اردو زبان کی تاریخ گزشتہ تین سو سالوں کو محیط ہے۔شیخ امین اللہ چرخؔی (متوفی ۱۸۸۷ء) کو اڑیسہ کا اولین صاحبِ دیوان شاعر تسلیم کیا جاتا ہے۔''دیوانِ چرخی'' پہلی بار ۱۹۰۷ء میں شایع ہوا تھا جس کا دوسرا ایڈیشن ان کے پر پوتے ابوالکمال ظفر احمد (ایڈوکیٹ) نے ۲۰۱۷ء میں شایع کیا ہے۔اس دیوان کی شروعات حمدیہ اور نعتیہ کلام سے ہوتی ہے۔اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ اڑیسہ میں تقدیسی شاعری کا آغاز اٹھارویں صدی سے ہو چکا تھا۔چرخؔی کے متبنیٰ فرزند عبد المجید صاحب بھی شاعر تھے۔انہی عبدالمجید صاحب کے ایک شعر سے چرخؔی کے سالِ وفات کا پتہ چلتا ہے۔وہ غالب کے ہم عصر تھے۔

تاریخ کے اوراق سے اس بات کا ادراک ہوتا ہے کہ اڑیسہ میں تقدیسی شاعری عموماً حمد ونعت ہی تک محدود ہے۔زمانۂ قدیم میں تقریباً سبھی شعراء نے حمد ونعت جیسی صنفوں پر طبع آزمائی کی تھی اور یہ سلسلہ تا حال جاری وساری ہے۔اردو زبان کی طرح یہاں کی حمدیہ ونعتیہ شاعری جیسی پاکیزہ صنفِ سخن کو ارتقائی منزلیں طے کرنے کے لئے کئی صدیاں گزر گئی ہیں۔ڈاکٹر حفیظ اللہ نیولپوری اپنی تحقیقی تصنیف ''اڑیسہ میں اردو'' میں رقمطراز ہیں۔

''عبدالمجید بھوئیاں کے دیوان مجید مطبوعہ ۱۸۵۷ء منشی نول کشور پریس میں نعتیہ کلام دیکھنے کو ملتا ہے۔انھوں نے خاتم پھراج پوری کے کلام کی تضمین کرتے ہوئے نعتیہ کلام کہا تھا''۔ان بزرگوں کے علاوہ عبد الرحیم احسن سنگڑوی، مولوی سلطان راجیؔ، ظہور الحق ظہوری، شمس الحق شمس، معلم سمبلپوری، محمد محسن محسنؔ، عرفان علی فدائیؔ، سید عبد الستار عبدؔ، جان محمد حازمؔ، سید نور علی انورؔ، عبد العزیز عاشقؔ، رفیع الدین خان رفیعؔ، مولا بخش شاہ مولاؔ، رسول بخش کاشفؔ وغیرہم نے بھی نعتیہ کلام کہا ہے۔ان تمام شعراء نے آزادئ وطن سے قبل نعتیہ کلام کہا تھا۔ہمارے لئے یہ امر اطمینان بخش ہے کہ

مندرجہ بالا شعراء نے جس چراغ کو روشن کیا تھا بعد میں آنے والی نسلوں نے اس سے کافی استفادہ کیا۔ بعض شعراء نے فنِ نعت گوئی میں منفرد مقام بنانے میں کامیابی حاصل کی ہے۔

گذشتہ ستر سالوں کے درمیان حمد ونعت اور منقبت کے علاوہ دیگر اقسام کی مذہبی شاعری کرنے والے شعراء کی بھی ایک طویل فہرست مرتب کی جاسکتی ہے۔ حتیٰ کہ یہ بھی دعوے کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ہر شاعر نے اپنے طور پر کم از کم ایک نعت ضرور کہی ہے۔ لیکن بطور خاص نعت گوئی کی جانب پیش قدمی کرنے والے شعراء کی تعداد انگلیوں میں گنی جاسکتی ہے۔ آج تک جن حضرات نے خالص نعت گو شاعر کی حیثیت سے اپنی پہچان بنائی ان میں اجمل نقشبندی، اولا درسول قدسی، اثر نظامی، محبوب محشر، سعید رحمانی، سید نفیس دسنوی اور اسحاق انور وغیرہ ہم کے نعتوں کے مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ علاوہ ازیں سعید اختر، راشد شبنم، عبدالمجید فیضی، شہید اکرامی، مولانا سرج الساجدین قاسمی، ایوب صابر قاسمی، امجد نجمی، مبارک حسین سلامت، حافظ رفیق درد، خادم رسول عینی، وغیر ہم نے کثیر تعداد میں نعتیں کہی ہیں۔

آزادی کے بعد نعتوں کے چند مجموعے بھی سامنے آچکے ہیں۔ ان مجموعوں میں صہبائے قدسی، انوارِ قدسی، کو کافی مقبولیت ملی۔ ان کے علاوہ اولادِ رسول قدسی کی تقدیسی شاعری کا ایک اور مجموعہ ''رفتہ رفتہ'' بھی مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔ اولادِ رسول قدسی کی نعتوں کے مجموعوں پر کرامت علی کرامت، حفیظ اللہ نیولپوری، یوسف جمال، سید شاہِ آلِ رسول، حسین میاں، مولانا حسین اختر مصباحی صاحبان نے اپنے اپنے تاثرات بڑے ہی پر کشش انداز میں پیش کئے جو موصوف کا ایک اور مجموعۂ کلام ''گلِ لالہ'' میں شامل ہیں۔ اجمل نقش بندی کی نعتوں کے مجموعے لفظ لفظ نور، صہبائے مدینہ، حرف حرف روشنی، حضوری کے پہلے اور حضوری کے بعد وغیرہ شائع ہو کر قارئین سے داد وتحسین حاصل کر چکے ہیں۔

ان کتابوں پر کرامت علی کرامت، شہپر رسول اور عتیق احمد صدیقی جیسے مقتدر ادباء نے اپنی قیمتی آراء پیش کی ہیں۔ جنھیں ان کتابوں میں شامل اشاعت کیا گیا ہے۔ اولا درسول قدسی اور اجمل نقش بندی کے علاوہ سید نفیس دسنوی کی نعتوں کا مجموعہ ''نورِ حرا'' شائع ہو کر کافی داد وتحسین حاصل کر چکا ہے۔ کرامت علی کرامت جیسے مقتدر نقاد نے اس کتاب کا پیش لفظ لکھا ہے۔ سعید رحمانی کے دو نعتیہ مجموعے ''رحمتوں کا سائباں'' اور ''دربارِ مصطفےٰ میں'' شایع ہو کر خراج حاصل کر چکے ہیں۔ اثر نظامی کی نعتوں کے مجموعہ ''نور کی لکیر'' بھی کافی مقبول ہوا ہے۔

اڑیسہ میں مذہبی شاعری کے تخلیق کاروں کے اس قافلے میں محبوب محشر کا نام بڑی عزت سے لیا جاتا ہے۔جنھوں نے نہ صرف یہ کہ نعتیہ وحمدیہ شاعری ہی کی بلکہ دیگر موضوعات پر بھی نظمیں لکھیں۔موصوف کی نعتیہ شاعری میں ایک الگ قسم کے اسلوب کا سراغ ملتا ہے۔کرامت علی کرامتؔ نے ''موجِ التہاب'' پر لکھے اپنے پیش لفظ میں عرض کیا ہے کہ'' گذشتہ چند سالوں کے اندر کئی نعتیہ مجموعے منظر عام پر آئے ہیں۔ان میں نعتوں اور منقبتوں کی تعداد زیادہ ہے جبکہ حمد کی تعداد کم ہے۔زیادہ تر نعتیں غزل کے فارم میں ہوتی ہیں جب کہ درمیان میں منقبت کے اشعار آجاتے ہیں۔لیکن محشر کے یہاں ایسی بات نہیں ہے۔انھوں نے نعت کے علاوہ قابلِ لحاظ حد تک حمد بھی کہی ہے۔انھوں نے نعت کے لئے مختلف پیرائے اظہار کو اپنایا ہے۔مثلاً۔ ؎

دیکھ کر کہتا تھا میں ہر طائرِ پرواز کو
کاش پہنچا تا مدینے تک میری آواز کو

تقدیسی شاعری پر مبنی محبوب محشر کے جو مجموعے اب تک منظرِ عام پر آئے ہیں ان کے نام ہیں: تریاق، الشہاب، دیوانِ محشر اور آخری سوغات۔ان کی شاعری کا خاص موضوع ہے قومِ مسلم کی اصلاح۔ان کی نعتیں کلیدی حیثیت کی حامل ہیں۔بہر کیف کرامت علی کرامت کو محبوب محشر کی شاعری میں اقبال کے رنگ و آہنگ نیز اسلوب کا سراغ ملتا ہے۔اسی طرح پروفیسر ڈاکٹر محفوظ الحق اور عبد المتین جامی نے بھی ان کی شاعری میں پیش کردہ اسلوبیات میں اقبال کے رنگ و آہنگ کی نشاندہی کی ہے۔

اجمل نقش بندی کے فنِ نعت گوئی پر روشنی ڈالتے ہوئے شہپر رسول رقم کرتے ہیں'' وہ جس خلوص سے شعر کہتے ہیں اور بحر جذبات کو کوزے میں بھر دیتے ہیں اس کے مطالعے سے رسول مقبول ﷺ سے ان کی گہری عقیدت اور بے نیاز محبت اور فنِ نعت گوئی سے ان کی واقفیت کا ثبوت ملتا ہے''۔

سید کفیل احمد قاسمی نے لکھا ہے'' اجمل کی ذات سے نعت کی دنیا میں ایک نئی دنیا تعمیر ہوئی ہے اور وہ نعتیہ شاعری کے فروغ کے لئے اس دور میں ہمارے لئے عطیۂ ربّانی ہیں جنھوں نے اپنی صلاحیتوں سے اس فن کو نیا رنگ و آہنگ بخشا ہے''۔

راقم الحروف کا جہاں تک علم ہے اجملؔ نے ہائیکوز اور نظموں کے علاوہ مزید کئی پیرائے میں نعت گوئی کی ہے۔لیکن افسوس کی بات ہے کہ فوری طور پر ان کے چار مجموعوں میں شامل غزل کی ہیئت میں کہی گئی نعتوں کے علاوہ دیگر ہیئتوں میں ان کی نعتیں دستیاب نہیں ہوسکیں۔نمونہ کے طور

پران کے دو نعتیہ اشعار پیش کر رہا ہوں۔

مثل پروانہ اس پر فدا ہیں سبھی ،اور شمع محبت مدینے میں ہے
دور طیبہ سے اجملؔ رہا ہند میں،ایسا جینا بھلا کوئی جینے میں ہے

مندرجہ بالا نعتیہ اشعار میں شاعر نے اپنے محسوسات کو بڑے سلیقے سے سمونے کی کوشش کی ہے۔وہ شاعر ہند ہیں لیکن اپنے مادرِ وطن سے سے پوری وابستگی کے باوجود اپنے اندر ہر وقت سرزمینِ طیبہ کی جدائی کا کرب محسوس کرتے ہیں۔یہ آواز ایک سچے عاشقِ رسول کی ہی ہو سکتی ہے۔

نجم الشعراء حضرت امجد نجمی نے یہاں کے ادبی حلقے میں معتبر ترین کہلانے والے بیشتر شعراء کی ذہنی پرداخت میں نمایاں رول ادا کیا ہے۔اور اپنی براہ راست تربیت واصلاحات سے ان شعرا کو رمزِ فن سے آشنا کیا ہے۔نعتیہ شاعری کے فروغ میں ان کی کاوشیں ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔''شرحِ لولاک'' کے عنوان سے ان کی ایک طویل نعتیہ نظم رسولِ اقدس ﷺ کے تئیں عقیدت ومحبت کا ایک زندہ ثبوت ہے۔ان کے دو اشعار ملاحظہ فرمائیے۔ ؎

کرم کی مجھ پہ نظر یا محمد ﷺ عربی
مرے گناہ وہ ہیں جن کی کوئی حد نہ حساب
ترا غلام ہوں کیا میں کروں ثنا تیری
تو سیل چشمۂ رحمت مرا وجود سراب

امجد نجمی صاحب نے نعتیہ شاعری کے علاوہ منقبت اور مرثیے وغیرہ بھی بڑی تعداد میں کہے ہیں۔

کرامت علی کرامتؔ نے آزاد نظم کے پیرائے میں نعتیہ کلام لکھ کر ایک نئی شروعات کی ہے۔ علاوہ ازیں انھوں نے غیر منقوطہ نعت بھی لکھی ہے۔یوں تو نعت گوئی تلوار کی دھار پر چلنے کے مصداق ہے مگر اس کے برعکس غیر منقوطہ الفاظ میں شعر کہہ کر نعتیہ شاعری کو معنویت عطا کرنا مشکل ترین فن ہے۔کرامت علی کرامتؔ کی غیر منقوطہ نعت کے دو اشعار ملاحظہ فرمائیے۔ ؎

مسموم گو ہے دہر کے ماحول کی ہوا
ہے مائلِ کرم وہی اللہ کا رسول
اسلام کا ہے مہر وکرم اور عمل اصول
راس آئی ہم کو احمدِ مرسل کے دل کی دھول

کرامت علی کرامتؔ کی نظم کا ایک حصہ ''خدا کا قول ہے یہ'' دراصل قرآن کریم کی چند آیات کا

ترجمہ ہے جسے موصوف نے بڑی ذمہ داری کے ساتھ انجام دیا ہے۔ملاحظہ فرمائیں۔ ؎

خدا کا قول ہے یہ
کہ اس کی ذات اقدس نور ہے ایسا
جو چھن چھن کسی قندیل پاکیزہ سے
کرتا ہے احاطہ سارے عالم کا
اس فانوس میں مثلِ کوکب شمع روشن ہے
جو خود بخود جلتا ہی رہتا ہے

موصوف نے اس نظم کی شروعات تو اس طرح کی ہے جیسے حمد کہہ رہے ہوں۔لیکن اس نظم کو اچانک ایسی دعا میں تبدیل کردیتے ہیں جس میں رسولِ مقبول ﷺ کے تئیں ان کے دل کی تڑپ کی عکاسی بھی ہے اور روضۂ اقدس میں دم توڑنے کی خواہش کا اظہار بھی۔چنانچہ موصوف کہتے ہیں۔ ؎

مرا جی چاہتا ہے
زندگی کے آخری لمحوں میں اس کی موہنی صورت
تصور میں ابھر آئے
درود حمد پر ہو خاتمہ تارِ نفس
مجھے جب قبر میں وہ لے کر نوری دکھایا جائے
میں پہچان لوں فوراً
میں رب سے اتنا کہہ پاؤں
کہ ہوں اک بندۂ عاصی
میں ادنیٰ اور کم تر ہی سہی لیکن
ترے محبوب کی امت میں ہوں شامل
ترا جی چاہے مجھ کو بخش دے یا سزا دے

سید نفیس دسنوی نے بھی کثرت سے نعتیہ کلام لکھ کر خود کو نعت گو شعرا کے اس عظیم قافلے میں شامل کرلیا ہے۔ان کی نعتوں کا ایک مجموعہ ''غارِ حرا'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔موصوف کی نعتوں کے اس مجموعہ کا پیش لفظ پروفیسر کرامت علی کرامت نے لکھا ہے۔رائے دہندگان میں رؤوف خیر، سید شکیل دسنوی، بابا سائیں شکیل الرحمٰن وغیرہم کے علاوہ شارق عدیل اور سعید رحمانی

صاحبان بھی شامل ہیں۔

سید نفیس دسنوی کی نعتوں سے ایک بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ اپنی نعتوں میں وہ خود کو مسلکی تضادات سے بالا رکھتے ہیں۔ اس لئے موصوف کی نعت گوئی خالص عشق رسول کی چھاپ لئے ہوتی ہے۔ مذہب اسلام کے داعی ﷺ کے حکم کے مطابق خود کو فتنے میں نہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں کرامت علی کرامت صاحب رقم کرتے ہیں کہ ''اردو کے بہت سے نعت گو شعرا کے کلام میں جا بجا ان کے مسلک کی جھلک دکھائی دیتی ہے لیکن نفیس دسنوی کے ساتھ ایسا نہیں ہے۔ ان کے نعتیہ کلام کے مطالعہ سے یہ اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے کہ ان کا تعلق کس مسلک سے ہے۔ ان کا کلام ہر مسلک کے قارئین کو متاثر کرتا ہے''۔ ان کے نعتیہ کلام کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں۔ ؎

سنبھل اب اے دلِ مضطر مدینہ آنے والا ہے
جہاں محبوب کا ہے در مدینہ آنے والا ہے
بصیرت کی کرن وہی محور مدینہ آنے والا ہے
اجالوں کا وہی محور مدینہ آنے والا ہے

اسی بات کو سعید رحمانی صاحب یوں رقم کرتے ہیں کہ ''نہ تو کہیں غلو سے کام لیا ہے اور نہ ہی الوہیت و رسالت کی حد پھلانگنے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے ایک جگہ لکھتے ہیں۔ ؎

ہر آن یہ خطرہ ہے راہوں میں پھسلنے کا
چلتا ہوں سنبھل کر میں یہ نعت کا میداں ہے

بقول رؤوف خیر امام الانبیاء کے بعد کوئی امام نہیں، اللہ کے کلام کے بعد کوئی کلام نہیں۔ نفیس صاحب نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

نبیوں کا لاکھ ذکر ہے اُم الکتاب میں
ہے آپ کا ہی نام مگر انتساب میں

سعید رحمانی صاحب نے سیکڑوں نعتیہ اشعار لکھے ہیں۔ موصوف نے اپنے پہلے مجموعۂ کلام ''روشن عبارت'' میں چند نعتوں کو شامل کیا تھا۔ اب حال میں میں خالص نعتوں پر مشتمل ان کا نعتیہ مجموعہ ''دربارِ مصطفےٰ ﷺ میں'' منظرِ عام پر آکر اہلِ ادب سے خراج حاصل کر چکا ہے۔ ان کی نعتوں کے تعلق سے کرشن موہن رقم فرماتے ہیں کہ ''ان کی نعت گوئی کا کمال ان کے جذب

عقیدت کا ثمرہ ہے۔ان نعتوں کی لطافتِ احساس، طہارتِ فکراور ادبی شان، اکثر اشعار سے مترشح ہے۔

حفیظ اللہ نیولپوری فرماتے ہیں ''ان کے کلام میں عقیدت مندی کا تقدس، تصدیع وتعذیب کے تصور میں گھل کر تطہیر کی فضا بندی کرتا ہے''۔علامہ شارق جمال نے سعید رحمانی کی نعتوں کے تعلق سے جو کچھ عرض کیا ہے وہ قابلِ تحسین ہے۔''سعید رحمانی نے نعت کے روایتی اسلوب سے خود کو کافی دور رکھ کر نعتیہ اشعار کی تخلیق کی ہے۔نعت کے مضامین کوئی نئے بھی نہیں پھر بھی اشعار کو تازہ کاری کے ہنر نے آج کا نیا اسلوب دیا ہے جو روح میں براہِ راست اترنے والا ہے۔

مندرجہ بالا اکابرین شعروادب کی آراء کی روشنی میں یقیناً سعید رحمانی کا نعتیہ اسلوب انفرادیت کا حامل نظر آتا ہے۔ان کا ایک نعتیہ شعر ملاحظہ فرمائیے۔ے

بتا دیتا ہے رازِ دل مرے لفظوں کا آئینہ
مرے اشعار شوق ِدید کی تفسیر رکھتے ہیں

اسحاق انور عمر رسیدہ مگر تازہ کار شاعر ہیں نعتیہ شاعری ہی ان کی فکر کا محور ہے۔غزل بھی کہتے ہیں مگر نعتیہ شاعری سے ان کی انسیت کا ثبوت یہ ہے کہ اب تک تین نعتیہ مجموعے شایع کر چکے ہیں جن کے نام ہیں: عکسِ روشن، آفتابِ رسالت اور بابِ رحمت۔آخر الذکر مجموعے کا پیش لفظ راقم الحروف نے لکھا ہے۔ان کے دو اشعار ملاحظہ فرمائیں۔ے

ادب سے چوم لے تو باوضو ہوکر اسے انور
اگر مل جائے نقش پا تمہارا یا رسول اللہ
دیکھتا ہے وہ جلوہ آپ کا ہر اک شے میں
بن گیا ہے دل جس کا آئینہ محمد ﷺ کا

نوٹ: -ناچیز نے مندرجۂ بالا سطور میں جن شعراء کے حوالے سے کچھ رقم کرنے کی سعی کی ہے۔ان تمام شعراء نے مختلف اسلوبِ شاعری میں بھی شعر کہنے کی کوشش کی ہے۔نعت گوئی کے لئے غزل کا پیرایہ یقیناً بہت ہی دلکش ہوتا ہے لیکن غزل کی ہیئت کے علاوہ رباعی، دوہے، ہائکو، آزاد نظم وغیرہ کئی ہیئتوں میں نعتیہ شاعری کی گئی ہے۔

اثر نظامی نے بھی اپنی نعتوں کا مجموعہ ''نور کی لکیر'' شائع کیا ہے۔ان کے اس کتابچے میں چند حمدیہ اور نعتیہ غزلیں شامل ہیں۔ان کے نعتیہ کلام میں قلبی واردات اور عقیدت مندانہ جذبات

کی فراوانی پائی جاتی ہے۔ان کی نعت کے دو اشعار ملاحظہ فرمائیں۔ ؎

میں ستم زدہ ہوں مرے نبی مرا دل بہت ہی ملول ہے
تری رہبری مجھے چاہئے کہ قدم قدم پہ ببول ہے
کرے رشک جس پہ مری گھٹا وہ نبی کی زلف دراز ہے
جسے چومتے ہیں ملائکہ وہ نبی کے پاؤں کی دھول ہے

ناچیز نے مندرجہ بالا سطور میں جن نعت گو شعرا کا ذکر کیا ہے ان میں سے بعض نے غزل کے پیرائے کے علاوہ شاعری کی دیگر ہیئتوں میں بھی نعت کہنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔اجمل نقش بندی نے ہائکو اور نظموں کے علاوہ کئی دیگر ہیئتوں میں بھی نعت کہی ہے۔اولاد رسول قدسی نے بھی نعتیہ نظموں، آزاد نظموں، ہائیکو اور اور دوہوں کے پیرائے میں نعتیہ کلام لکھے ہیں۔عاجز سونگڑوی کی نعتوں میں پیکر تراشی کے علاوہ شاعرانہ حسنِ بیان کا ثبوت ملتا ہے۔ان کے اشعار ملاحظہ فرمایئے۔ ؎

پھر معطر ہو گئی ہے پھر ہے فصل بہار مدینہ
پھر رواں آہوانِ حرم ہیں سبزہ زار مدینہ
ایک حسرت مچلتی ہے دل میں سامنے جالیوں کے ہوں حاضر
کاش اٹھ جائے پردہ نظر کا جلوہ گری ہوں نگارِ مدینہ

یوسف جمال نے بھی اپنی نعتوں میں نعت گوئی کے فن کی پاکیزگی کو برقرار رکھتے ہوئے غزل کی تمام روایات کو بھی بروئے کار لانے کی کوشش کی ہے۔ان کی نعتیہ غزل کا شعر ملاحظہ فرمایئے۔ ؎

تمہارے حسن کی ضوپاشیوں سے ہیں رخشندہ
ستارے ملگجے تھے ان کے رُخ پر روشنی کب تھی

یوں تو نعتیہ کلام رسولِ مقبول ﷺ کے تئیں اظہار عقیدت کا بہترین وسیلہ ہے لیکن اس کے اسلوب پر بھی تجربہ ہوتا رہتا ہے۔جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں نمونہ کے طور پر چند ہیئتی تجربوں کا ذکر کیا گیا ہے۔مثلاً نعتیہ گیت، سانٹ، رباعی، ہائیکو، آزاد نظم، غیر منقوطہ نعت وغیرہ کی ہیئتوں میں اڑیسہ کے شعرا طبع آزمائی کرتے آرہے ہیں۔اس سلسلے میں اولاد رسول قدسی، اجمل نقش بندی، کرامت علی کرامت کی کاوشیں لائقِ تحسین ہیں۔مولانا مبارک حسین سلامت نے بھی نعتیہ

گیت کہے ہیں اوران کے بیشتر گیتوں میں ہندی زبان پائی جاتی ہے۔اجمل نقش بندی نے نعتیہ سانیٹ بھی کہا ہے جبکہ راقم الحروفؔ نے حمدیہ ترائیلے کے علاوہ کثرت سے نعتیہ رباعیاں بھی کہی ہیں،مثال کے طور پر دونعتیہ رباعیاں پیش ہیں۔ ؎

تعریف محمدﷺ کے لئے لفظ ہیں کم
بس اتنا ہی ہے وہ ہیں نبیٔ خاتم
اب کوئی نہ آئے گا ہدایت کے لئے
اس کام کو کرتے ہیں چلو ہم پیہم

دنیا میں نہیں ایسا کوئی خوش لقبی
ان کا سا نہیں کوئی بھی اعلیٰ نسبی
اُمّی بھی وہی علم کا مخزن بھی وہی
سب سے ہیں الگ اپنے رسولِ عربی

قدسیؔ اور مولانا مبارک حسین سلامتؔ نے اپنی اپنی نعتوں کی ردیف کے انتخاب میں عام روش سے ہٹنے کی کوشش کی ہے۔مثال کے طور پر دونوں کی نعتوں کے دواشعار پیش خدمت کررہا ہوں۔ ؎

محمد جانِ عالم روحِ عالم پیکرِ عالم
محمد حسنِ عالم فخرِ عالم سرورِ عالم (سلامتؔ)
ان کی ایمائے اطاعت سے ملی فتح مبیں
کفر کرتا رہا مبہوت سا خنجر کا طواف (قدسیؔ)

خدا کا شکر ہے کہ نعت گوئی کے سلسلے میں اڑیسہ کے شعرا عالمی سطح پر اپنی منفرد شناخت رکھتے ہیں۔مندرجہ بالا سطور کی روشنی میں ہم دعوے کے ساتھ یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ فنِّ نعت گوئی میں شعرائے اڑیسہ عالم اسلام کے شعراء سے کسی بھی طرح سے کم نہیں ہیں وہ بھی اس صورت میں کہ ہمارے یہاں ذرائع ابلاغ کی کمی بھی اس کی راہ پر رُکاوٹ نہیں بن پائی ہے۔

○○○

ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی (یوپی)

مضطؔر اعظمی کی نعتیہ شاعری

اردو کی نعتیہ شاعری کے فروغ میں گاؤں، دیہات اور قصبے کے رہنے والے ان شعرأ کا بھی گراں قدر حصہ رہا ہے جو اعلیٰ ڈگریاں نہیں رکھتے تھے معمولی نہیں تو متوسطات تک تعلیم ہوتی تھی مگر عشقِ رسول ﷺ کی دولتِ لازوال سے جن کا سینہ لبریز ہوتا تھا اور وہ اسی عشق کے اجالے میں اپنے شاعرانہ سفر کو طے کرتے تھے۔ نت نئے اوزان پر شعر موزوں کرتے تھے اور براہِ راست عوام الناس تک پہونچاتے تھے۔ ان کے کلام اور اواز کی ہم آہنگی سے سامعین لوٹ پوٹ ہوجاتے تھے۔ نعتیہ محفلیں اور میلاد کی بزمیں ان کی غذا ہوتی تھیں جہاں سے وہ اپنے کلام کو نشر کرتے تھے۔ گاہے گاہے مذہبی رسائل میں بھی ان کی نعتیں پڑھنے کو مل جاتی تھیں۔ اجمؔل سلطانپوری، بیکؔل اتساہی، رازؔ الہ آبادی، شمسؔ الہ آبادی، قمؔر سلیمانی، ثمؔر مانچوی، نثؔار کریمی کے ساتھ ان گنت نام اس حوالے سے لئے جاسکتے ہیں۔ بیکؔل اتساہی کی غزل گوئی، گیت نگاری اور سیاسی دلچسپی کی وجہ سے ادبی دنیا نے قبولیت کا مقام دیا اور ان کی شہرت ہندوستان کی سرحدوں کو پار کرگئی اور باقی شعرأ صرف عوامی ربط میں رہے اور جیسے جیسے انکے چراغ گُل ہوتے رہے فراموش کئے جاتے رہے۔ مضطؔر اعظمی کا نام بھی انہیں مظلوم شعرأ میں لیا جاسکتا ہے۔ جنہوں نے اپنی پوری زندگی نعتیہ ادب کی آبیاری میں صرف کردی اور بڑے اعتماد سے انہوں نے کہا تھا۔ ؎

مضطؔر تجھے نہ بھولے گا اسلامی مورخ
لکھے گا جب اسمائے ثنا خوانِ محمد ﷺ

مضطؔر اعظمی کا نام ابوالحسن تھا آپ محمد ضمیر پردھان کے لائق وفائق فرزند تھے۔ ۱۹۴۳ء میں محلّہ کریم الدین پور گھوسی ضلع اعظم گڑھ (موجودہ ضلع مؤ) میں آپ کی ولادت ہوئی۔ جامعہ شمس العلوم، گھوسی میں شارحِ بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی، قاضیِ شریعت حضرت

علامہ محمد شفیع مبارکپوری، حضرت مولانا محمد رمضان گھوسوی علیہم الرحمہ۔ ڈاکٹر محی الدین انصاری اور منشی نظام الدین وغیرہ سے گلستاں، بوستاں، انوارِ سہیلی، مالابدّ منہ، میزان ومنشعب، دروس الادب اور باغ و بہار وغیرہ پڑھیں، پھر سرودے انٹر کالج، گھوسی سے درجہ سات پاس کیا اور درجہ آٹھ میں تین ماہ حصول علم کے بعد گھریلو مجبوری کی وجہ سے تعلیم کو ترک کر دینا پڑا۔

آغازِ شاعری:

مضطؔر اعظمی بارہ سال ہی کی عمر سے شعر شاعری کرتے رہے اُس سے قبل اپنی خوش گلوئی کی بنا پر اسکول و مدارس کی تقاریر میں نعتیں اور نظمیں پڑھتے تھے۔ آپ نے صنف نظم میں نعت کے مقدس فن سے اپنی شاعری کا آغاز کیا۔ آپ کے پہلے نعتیہ کلام کا مطالعہ اور ایک شعر نذرِ قائین ہے۔

سراپا نور حق ہیں وہ جدھر بھی اک نظر کر دیں
ملے ذروں کو وہ تابندگی رشک قمر کر دیں
وہ محبوبِ خدا ہیں حکمران ہر دو عالم ہیں
وہ اس دنیا کو پل بھر میں جدھر چاہیں اُدھر کر دیں

ان کے شاعرانہ سفر کی تیسری نظم جوان کی آپ بیتی ہے اپنی خستہ حالی پر رشک ریزی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

رسول اللہ کا صدقہ مرے مالک وطن دے دے
بہت گھبرا چکا ہوں دشت سے اب تو چمن دے دے

ادبی خدمات وشعری مجموعے:

شمعِ تمنّا (نعتیہ مجموعہ) ادارہ روحِ ادب سے شائع ہو چکا ہے۔ دوسرا مجموعہ نعت جس پر علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری، بحرالعلوم علامہ مفتی عبدالمنان اعظمی، مفکر اسلام علامہ بدر القادری، ہالینڈ، ادیبِ شہیر علامہ مفتی محمد اسلم بستوی اور مشہور نقاد پروفیسر عنوان چشتی نے اپنے تاثرات قلم بند کئے ہیں۔ جناب شکیؔل کریمی نے مجھ سے بتایا کہ حج کی روانگی کے وقت مضطؔر صاحب نے یہ مسودہ طباعت کے لئے مولانا نظام الدین شمسی کو سپرد کر دیا تھا خدا کرے جلد یہ مجموعہ منظر عام پر آجائے۔

مضطؔر اعظمی شعر وشاعری میں ڈاکٹر شکیل اعظمی، نشوؔر واحدی، بلیا، ماسٹر سجاد گھوسوی اور علم انصاری گورکھ پوری سے مختلف اوقات میں اصلاح اور مشورہ سخن لیتے رہے۔

مضطؔر اعظمی ایوانِ ادب کے ایک روشن چراغ تھے، ہندوستان کے آل انڈیا مشاعروں میں

مدعو کئے جاتے تھے۔انہوں نے نشورؔ واحدی، کیفیؔ اعظمی، ملک زادہ منظور احمد، عمر قریشی، سوندؔ فیض آبادی، شمسؔ مینائی، کاملؔ شفیقی، وامقؔ جون پوری، بشیر بدرؔ، نذیرؔ بنارسی، عارفؔ عباسی، اجملؔ سلطان پوری، بیکلؔ اتساہی، رازؔ الہ آبادی، قمرؔ سلیمانی اور حقؔ کان پوری جیسے شعرأ کے ساتھ سیکڑوں مشاعروں میں شرکت کی ہے۔

بی۔بی۔سی لندن کے شعری مقابلے میں جس کا مصرع طرح تھا۔؎

میں کاغذ کے سپاہی کاٹ کر شکر بناتا ہوں

جس میں ہندو پاک کے ستائیس ہزار شاعروں نے حصہ لیا تھا۔لیکن بی. بی. سی. نے ان میں سے جن دس شعرأ کا انتخاب کیا تھا ان میں مضطرؔ اعظمی کا نام بھی شامل تھا۔مضطرؔ اعظمی نے حمد، نعت، غزل، نظم، منقبت، مرثیہ، قومی گیت، سہرا ان سبھی اصنافِ سخن پر زور دار طبع آزمائی کی تھی مگر نعت ان کا مخصوص میدان رہا ہے اور نعت گو کی حیثیت سے انہیں بڑی شہرت حاصل ہوئی۔مجموعی طور سے ان کی شاعری حزنیہ اور المیہ شاعری کے ضمن میں آتی ہے۔ان کی کلفت بھری زندگی اور اس کے تلخ تجربات کو ان کی شاعری کے آئینے میں دیکھا جا سکتا ہے۔

مضطرؔ اعظمی کی آواز کے اندر بھی غضب کا سوز بلا کا درد اور عجب کشش تھی جب وہ اپنے مخصوص انداز میں نعت گنگناتے تھے تو سامعین پر رقّت طاری ہو جاتی تھی۔مضطرؔ اعظمی کی نعتوں میں بڑی تاثیر اور کسک ہوتی تھی۔اس میں عشق و عرفان کے وافر جلوے اور تلمیحی رمز و اشارے بدرجۂ اتم پائے جاتے ہیں۔وہ مدینہ منورہ کا ذکرِ جمیل بڑے اچھوتے انداز میں کرتے تھے۔

عشقِ رسول ﷺ:

عشقِ رسول ﷺ ایمان کی جان اور حاصل زندگی ہے۔اور نعتیہ شاعری کا محرک اوّل عشق رسول کی گہرائی و گیرائی ہے۔جب عشقِ رسول قلب و فکر میں موجزن ہوگا تو شاعر کے نوکِ قلم سے توصیفِ رسالت کے زمزمے پھوٹیں گے اور عشق جتنا عمیق ہوگا اشعار اتنے ہی پر اثر ہوں گے۔ بلا شبہ مضطرؔ اعظمی کے دل کا گوشہ گوشہ عشق رسول کے پاکیزہ جذبات سے مملو تھا یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں عشق رسول کی وارفتگی خوب پائی جاتی ہے، ان کا عشق اتنا گہرا تھا ملاحظہ فرمائیں۔؎

مسکراتا ہے تصور لے کے جنّت ہاتھ میں
بند کیں آنکھیں مدینے کی زیارت ہو گئی

حشر کے دن گر لب کوثر ابھرنا ہے تجھے
خود کو بحرِ عشق سرور میں ڈبو لے زندگی

فرشتے آب پاشی کے لئے آتے ہیں جنّت سے
نبی کا عشق جب بوتے ہیں ہم دل کی زمینوں میں
ملک ہجرِ نبی میں بھیگی آنکھیں دیکھ کر بولے
بھرا ہے آبِ کوثر ان بہشتی آب گینوں میں

مضطرؔ اعظمی کے پاس ہجر رسول کا بے انتہا درد تھا اور وہ اس درد کے اس قدر عادی ہو گئے تھے کہ وہ ان کے لئے عضو سہارا بن گیا تھا۔

سہارا دیتا نہ مجھ کو جو درد ِ ہجرِ رسول
مری حیات کا اک لمحہ مسکراتا نہیں

ضیائے عشق حبیب پر مضطرؔ کو کس قدر اعتماد اور اعتقاد تھا ملاحظہ فرمائیں۔

ممکن نہیں چھو دے مری چوکھٹ کو اندھیرا
خورشید رسالت کی مرے دل میں ضیأ ہے

سوزش ہجر کے حوالے سے ایک جگہ اور لکھتے ہیں۔

ہجر محبوب خدا میں رشک ریزی کی قسم
رحمت حق کو مری تر دامنی اچھی لگی

ذکرِ مدینہ:

مدینہ منورہ کو بڑی عظمت اور بے پناہ فضیلت حاصل ہے اس لئے کہ یہ مقدس سرزمین پیغمبر آخرالزماں ﷺ کی آرام گاہ ہے۔ مضطرؔ اعظمی نے اس شہر آرزو کو اپنے کلام میں خوب یاد کیا ہے، ان کی ہر ہر سانس سے مدینہ مدینہ کی صدا آ رہی ہے۔

رسول معظم کا روشن ہے سینہ
پکارے نہ کیوں دل مدینہ مدینہ

ہندوستان سے جب حجاج کرام کا قافلہ رواں ہوتا تھا تو مضطرؔ اعظمی بے چین ہو جاتے تھے ان کی روح تڑپ اٹھتی تھی اور ایک مضطرب عاشق کی طرح سسکنے لگتے تھے۔

اہل قافلہ چلے گئے سسکتا چھوڑ کر
آرزو کی مئے سے پرُ تھا دل کا جام توڑ کر
تھا یقیں کریں گے اب کی سال یا رسول
ہے گناہ گار مرا بال بال یا رسول

مضطرؔ اعظمی کی نگاہ ان اربابِ ثروت پر پڑی جو ہر سال ہی دیارِ حبیب میں پہنچتے ہیں ان کو احساس ہوا کہ شائد ان کا افلاس درِ حبیب تک پہنچے میں مانع ہے۔ وہ عرض کرتے ہیں مرے آقا آپ اجازت دے دیں تو میں بغیر سرمایۂ سفر کے بھی پہنچ سکتا ہوں، بس آپ کا بلاوا آجائے بغیر آپ کے اذن کے حاضری ناممکن اور محال ہے۔

آرزوئے دید پانی کی لکیر تو نہیں
میر طیبہ صرف حصہ امیر تو نہیں
ہے بغیر اذن حاضری محال یا رسول
ہے گناہ گار مرا بال بال یا رسول

اپنے مقبول ترین سلام ''السلام اے حبیب خدا السلام'' میں یہ استغاثہ پیش کررہے ہیں۔

میری آنکھوں کا دامن خدا کے لئے
سبز گنبد کے جلوؤں سے بھر دیجئے
حاضری کا مرے کیجئے انتظام
السلام اے حبیب خدا السلام

مضطرؔ اعظمی کتنی حسرت سے کاروان مدینہ کو دیکھ رہے ہیں۔ کتنے درد بھرے انداز میں اپنی مفلسی کا گلہ کررہے ہیں۔

کیوں نہ روئے مرے حال پر بے بسی
حسرتِ دید اب تک نہ پوری ہوئی
قافلے والے امسال بھی یا نبی
جا رہے ہیں مجھے چھوڑ کر دیکھئے
تو مجھے لے چل کسی صورت نبی کے شہر میں
اس کی اجرت حسبِ منشأ چاہے جو لے زندگی

مدینہ منورہ، کی یادیں مضطرؔ اعظمی کو کس قدر ستاتی تھیں۔ وہ کتنے پرُ سوز اور درد انگیز انداز میں کہتے ہیں۔ ؎

پھوٹ کے روتا ہوں میں ، روتی ہے میری مفلسی
طیبہ طیبہ جب سکوتِ شب میں بولے زندگی

تلمیحی رنگ :

مضطرؔ اعظمی عالمِ دین تو نہیں تھے مگر قرآن وحدیث پر ان کی نظر تھی۔ سیرتِ طیبہ اور تاریخ اسلام کا گہرا مطالعہ تھا ان کے کلام میں جا بجا تلمیحی اشارے ملتے ہیں۔ ؎

صدا بلال کی سننے کو مضطرب زمیں
کھلے ہیں گوشِ فلک بھی اذاں کے لئے

اگر رسول نہ آتے تو باغِ ہستی میں
کلی چٹکتی نہیں بھونرا گنگناتا نہیں
حجر یہ کہتا ہے نعت رسول پڑھ پڑھ کے
وہ کون ہے جو محمد کے گیت گاتا نہیں

شجر اپنی جگہ سے چل پڑا صلِ علیٰ کہہ کر
یہ سنتے ہی کہ سرکار دو عالم نے بلایا ہے
دریا ئے ہوس منھ سے اُگلنے لگا پانی
کیا حضرت فاروق کا خط اُس کو ملا ہے
والشّمس ہو واللیل ہو یٰسین ہو کہ طٰہٰ
ہر ایک میں نور رخِ احمد کی ضیاؑ ہے

وظیفۂ نعت :

نعت گوئی ایک عبادت اور عاشقِ رسول ﷺ کے لئے طمانیتِ قلب کا سبب ہے۔ وہ بڑا خوش نصیب شاعر ہوتا ہے جو بارگاہ سرورِ کونین میں مدح وثنا کے خراج تحسین پیش کرتا ہے۔ نعت نگاری یہ عطیہ رُبانی ہے جو ہر کسی کو حاصل نہیں ہوتی۔ مشہور صحابی حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

نعتوں کو سرکارؐ سُن کر تبسم فرماتے اور انھیں دعاؤں سے نوازتے تھے۔

مضطرؔ اعظمی نعتیں عبادت، ذریعۂ نجات، توشۂ آخرت اور وظیفۂ عقیدت سمجھ کر لکھا کرتے تھے۔ نعتیہ شاعری ان کی روحانی غِذا تھی ان کو اپنی نعت نویسی پر بڑا اعتماد تھا۔ انہوں نے اپنے کلام میں جگہ جگہ نعت خوانی اور نعت نگاری کا ذکر بڑے والہانہ انداز میں کیا ہے۔

جو میں نے چھیڑ دیا آمنہ کے پھول کا ذکر
بہار خلد نے بوسے مری زباں کے لئے

سناتا رہتا ہوں نعت رسول بچوں کو
میں اپنے گھر کو جہنم کبھی بناتا نہیں
نعت رسولِ پاک کا مضطرؔ ہے یہ صلہ
عزت جو مِل رہی ہے تجھے اپنے گاؤں میں

زندگی کو میں لگا اچھا کہ لکھتا ہوں میں نعت
اور مجھ کو نعت پڑھتی زندگی اچھی لگی
عقیدت سے جب نعت میں نے رقم کی
جبیں چوم لی قدسیوں نے قلم کی

خلوصِ دل سے میں نے جب پڑھی ہے نعتِ مصطفیٰ
سنی گئی زہے نصیب بزم ِ ذی وقار میں

نعت نگاری کا صلہ مضطرؔ کس شکل میں ڈھونڈھ رہے تھے جو ارضِ حرم میں انہیں حاصل ہو ہی گیا ملاحظہ کیجئے۔

عالم ِ جاں کنی میں بھی ہے شادماں
لب پہ جگنو تبسم کے ہیں ضو فشاں
بھر گئی قبر مضطرؔ کی انوار سے
نعتِ پاکِ نبی کا اثر دیکھئے

وہ نعت پاک حفظ واماں کا سپر سمجھ کر لکھتے تھے۔

کاٹ لی جائے زباں کو کیوں نہ مگر اے مضطؔر
نغمۂ نعت نبی لب پر ہمیشہ رکھیں

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کی خمیر تھی:

ذی الحجہ کا جب مبارک مہینہ آتا ہے تو عالمِ اسلام سے حجاج کرام کا نورانی کارواں پوری وارفتگی کے ساتھ سرزمین طیبہ کی طرف رواں دواں نظر آتا ہے۔ ۲۰۰۷ء کی بات ہے علم و دانش کی مردم خیز سرزمین گھوسی ضلع مؤ سے ارضِ بطحا کے لئے ایک قافلہ جبین شوق کی لمعانیوں سے تابناک نکہت و نور کی عطر بیزیاں کرتے نکلا۔

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو

کے سرمدی نغمات سے پوری فضا گونج رہی تھی اسی ہجوم میں ایک متوسط قد، سر پر عمامہ سجائے ہوئے اور گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے ہوئے دھیرے دھیرے مستانہ وار چل رہا تھا لوگ جوق در جوق مصافحہ و معانقہ کر رہے تھے اور مبارک بادیاں پیش کر رہے تھے۔ یہ دیوانۂ رسول تھا یہ ایک عاشقِ صادق تھا جس کے قلب و جگر کا چپہ چپہ اور ذہن و فکر کا گوشہ گوشہ حبّ رسول کے پاکیزہ جذبات سے معمور تھا اور لوگ کہہ رہے تھے دیکھو دیکھو یہ مضطؔر اعظمی ہیں یہ بھی زیارتِ حرمین طیّبین کے مقدس سفر کے مسافر ہیں۔

۳؍دسمبر ۲۰۰۷ء کو یہ قافلہ گھوسی سے نکلا ۳؍دسمبر ہی کو بنارس سے پرواز ہوئی جب جہاز جدّہ ایر پورٹ پر اترا تو ۴؍دسمبر کی تاریخ لگ چکی تھی اسی دن پہلا عمرہ کیا تھا۔ ۸؍دسمبر ۲۰۰۷ء کو مضطؔر اعظمی محلّہ عزیزیہ میں اپنی قیام گاہ پر پہونچے احرام لپیٹے ہوئے ہیں۔ آج بھی انہوں نے عمرہ کا طواف کیا۔ مچل مچل کے سعی کی مدینہ آمنہ کے بہت قریب پہنچ چکے تھے۔ درِ حبیب کی کشش کھینچے جا رہی تھی۔ سینے میں درد اٹھا ڈاکٹر نے انجکشن دیا اور ہاسپٹل لے جانے کو کہا وقت معود قریب آچکا تھا چند لمحے کے بعد مضطؔر اعظمی کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ اور وہ حج بیت اللہ کی دائمی سعادت سے ہم کنار ہو گئے۔

بیمار محمد سے کہا ہنس کے اجل نے
جینے سے بھی بہتر ترے مرنے کی ادا ہے

مکہ معظّمہ میں مضطؔر اعظمی کی موت بڑے نصیبے اور انتہائی فخر کی بات ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

کلامِ مضطؔر اور ارضِ حرم میں مرنے کی تمنا:

لگتا ہے اس موت کا انہیں پہلے سے احساس تھا۔ ۶ ؍ شوال المکرّم ۱۴۲۸ھ کو جامعہ شمس العلوم، گھوسی پر میری ان سے ملاقات ہوئی میں نے روانگیِ حج پر انکو مبارک باد دی اور فرمائش کی کہ مدینہ منوّرہ میں کوئی نعت ضرور لکھیئے گا پھر واپسی پر ہم لوگ سنیں گے یہی ہم لوگوں کا تحفہ ہوگا تو مضطؔر صاحب مسکرائے اور فرمایا کہ گذشتہ سال بھی حج کا فارم بھرا تھا مگر کینسل ہوگیا تھا میں نے زندگی بھر وہاں مرنے کی بھیک مانگی ہے ممکن ہے ایک سال زندگی باقی رہی ہو اس لیے اس سال کا فارم قبول نہ ہوا۔

ایک بار بستی کے ایک سفر میں مضطؔر صاحب کے ساتھ تھا وہ بہت خوش تھے انہوں نے مجھ سے کاغذ طلب کیا اور مندرجہ ذیل شعر لکھ کر دیا اور کہا رکھ لو ہوسکتا ہے اِس کی ضرورت پڑے۔

آ رہی ہے صدا ہر طرف سے ہو نہ ہو مضطؔر خوش نوا ہو
حاجیو دیکھو کوئے نبی میں اک مسافر کی میت پڑی ہے

میں نے سنا ہے کہ روانگیِ حج کے وقت یہی شعر لوگوں کو سنا رہے تھے۔ مضطؔر اعظمی جنہوں نے زندگی بھر روضۂ رسول پر مرنے کی آرزو کی شہرِ رسول کو اپنا مدفن بنانے کا خواب دیکھتے رہے تو سرکار علیہ السلام کی ہجرت گاہ تو میسر نہ ہوسکی ہاں آپ کے مقدس مولد ومنشا میں ایک گز زمین پا کر آسودۂ خاک ضرور ہوگئے۔ آیئے مضطؔر اعظمی کی دلی آرزو اور قلبی تمنّاؤں کو ان کے اشعار کے جھرکوں سے دیکھیں کتنی سچی طلب اور کتنی اچھی تڑپ تھی۔

آرزو ہے موت آئے آپ کے دیار میں
اس مقام پہ حیات پہونچی انتظار میں
اب سفید ہو رہے ہیں سر کے بال یا رسول
ہے گناہ گار مرا بال بال یا رسول

زندگی پھر زندگی ہے زندگی کی بات کر
کوئے طیبہ میں ہمیں تو موت بھی اچھی لگی
مدینے میں موت آئے مضطرؔ کو یارب
بنے خاک یہ مصطفیٰ کے قدم کی

کرتا ہے کوئی چاند پہ جینے کی تمنا
ہم کوئے محمد میں قضا مانگ رہے ہیں
دیوانے کی مٹی نہ اکارت ہو الٰہی
ہو لاش مری اور بیابان محمد

مضطرؔ اعظمی جیسا قادرالکلام شاعر اپنے ہزاروں معتقدین کو چھوڑ کر دیارِ حبیب کے قریب دائمی نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔ زندگی بھر جو تمنا ان کے سینے میں انگڑائی لے رہی تھی وہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی۔ مضطرؔ اعظمی تو داغِ مفارقت دے گئے مگر عشقِ رسول کو بیدار کرنے والا ان کا سرمایۂ نعت ہمیشہ ان کی یاد تازہ کرتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک ﷺ کی مدح وثنا کے صدقے میں جنّت الفردوس میں انہیں اعلیٰ مقام عطا فرمائے (آمین)

○○○

گوشۂ

حسّان الہند علامہ سید غلام علی آزاد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ

فَکُنْ اَنتَفِی یَومِ یَلُوذُکَ الوَریٰ
یَا رَحمۃ لِّلعَالَمِینَ جَزَآئی

ترجمہ: اس دن جب ایک خلقت آپ کی پناہ ڈھونڈے گی آپ
رحمت اللعالمیں میری جزا بن جایئے۔

علامہ سید آزاد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ

نعت رسول مقبول ﷺ

رُوحـي الـفِـدآءُ لِـرَوضةِ قُـدسِيّةٍ
مَـمـلُـؤـةٍ بِـلِـطـافةٍ وّ صَـفَـاءٍ

نَـظـرُ الـحَبِيـبِ اِلَى الغَرِيبِ عِنَايةً
نَـظـرُ العِـنَـايَةِ شِيـمَـهُ الكُبَـرَآءِ

مَـا اَحسَنَ الـقَبـرُ الّذِى فِى حِجرِهٖ
خَيـرُ البَـرِيّةِ سَيّدُ البَـطـحَـآءِ

فَكُنّ اَنتَفـيِ يَـومِ يَـلُوذُكَ الوَرىٰ
يَـا رَحـمة لِّـلـعَـالَمِينَ جَـزَآئى

مَـاذَا يُـقَـرِّبُ فـي ثَـنَـائِكَ وَاصِف
اَثـنـىٰ عَـلَيكَ الـلـهُ حَـقّ ثَـنَـآءٍ

اَحسِـن اِلـىٰ ضَيفِ بِبَـابِكَ وَاقِف
شَـانُ الـكِـرَامِ ضِيـا فَةُ الـغُـربـاءِ

صـلّى عَـلَيـه وَ اٰلِـهٖ رَبُّ الـوَرىٰ
وَ عَـلىٰ مَـعَـاشِر، صحبِهٖ الرّحَمَآءِ

۱۔ میری جان اس روضۂ اقدس پر قربان جو لطافت و پاکیزگی سے مالا مال ہے۔
۲۔ مسافرغریب الدیار کی طرف حبیب کا دیکھنا عنایت ہے اور نظر کرم تو بڑوں کا ہی شیوہ ہے۔
۳۔ کیا اچھی آرام گاہ ہے جس کی آغوش میں بہترین خلائق و سرور بطحا آرام فرما ہیں۔
۴۔ اس دن جب ایک خلقت آپ کی پناہ ڈھونڈے گی آپ کی رحمۃ للعالمیں میری جزا

بن جائیے۔

۵۔ آپ کی تعریف وثنا میں کوئی شخص کیا پیش کر سکتا ہے آپ کی تعریف وثنا تو اللہ نے بھرپور کی ہے۔

۶۔ احسان فرمائیے اس مہمان پر جو آپ کے در دولت پر حاضر ہے کریموں کی شان غریبوں اور مسافروں کو نوازنا ہے۔

۷۔ مخلوق کے پالن ہار نے آپ پر اور آپ کی آل پر درود وسلام بھیجا ہے اور آپ کے ان تمام صحابہ پر بھی جو باہم رحیم وشفیق ہیں۔

○○○

نعتیہ قصیدہ

۱ زاد الالٰــہُ سـنـا بـقیـع الـغـرقـد	حـصیـاتُـہ یـلـمـعـن مثلَ الفرقد
۲ و رعـی الـمهیـنُ بـقـعۃ رضراضُہا	تـحـکی جـواهـر فـی نحور الخُرّد
۳ لاغروأ ن أربی العقیق علی الثرَی	فـانّ َ الـجلامِد و هو بعض الجلمَد
۴ مــاءُ الـعـقـیق کـرامۃ صـمـد یۃ	ألـفَی بــہ الـمـرضَی شفاہ الأ کبد
۵ و عــلــی تـذکـرِ مـاءِ ہ و هـوائِــہ	هـجـمـتْ مـدامعُ مقلتی و تنهّدَ یی
۶ أشجارُها قامت علی ساق الهدَ یی	و ظـلالُهــا مــأ الــرجــالِ السّجّد
۷ أمـلاك أطبــاق الـسمــاء طیورُهـا	و صـفیـرُ هــا ذکـر الالٰــہِ السرمَد
۸ جبـــریــل ثَــمّ مهــلــل و مسبّــحّ	لــلـــہ صـوتُ حـمـامِهاالـمتـغـرّد
۹ قـلبـی حـمــامٌ بِــالمدینۃِ، طـائـر	لٰـکـن جسمـی مـوثـق فـی مِصیَد
۱۰ قــالــت لـطــرفــاءِ الـفلاۃِ حمـامۃ	لمَ تمرحین و تفخرین؟ فأرشد یی
۱۱ قــالـت لهــا:أوَمــاترَین مکـانتیی	قــد کـــان مـنــا مـنـبـر لـمـحـمـد
۱۲ غـوث الورَیٰ، غیث الندی، غرض المنَی	کهف الأرامـل ، مـلـجـأ المسترفد
۱۳ کـحلُ العیونِ غُبار نعلِ المصطفیٰ	و شِــراکُهـا متـمسك الـمستـنـجِـد
۱۴ ان الــذیــن عیــونهــم مــجـلـوّۃ	متـمسکـون بـحبلـہ المستحَصِد
۱۵ عـطفُ الـنبیّـی عـلـی المفاۃِ کرامۃ	نـجنیی الجنا من غصنِہ المتخَوّد
۱۶ أسـنـیٰ رسـولُ الـلہ مرتبۃَ الهُدَ ی	راقــتْ جــلالتُــہ مـقــامَ السؤدد
۱۷ شُهـبُ السمـاء بـأسـرها مصنوعۃ	مـن نـور هـذ ا الـکـوکـبِ المتوقّدِ
۱۸ آزادُ یــرجـو مـن جـنـابِك نظـرۃَ	انـجـح مــرام الســائـل المتـرصّد
۱۹ أوصــافُك الــغــراء هُنّ کـواکِـبُ	اِحـصـاؤهـنـا أعیَی لسان المُنشِد
۲۰ یــا ربّ! هُـد لــہ سـلامــاً نـاضـراً	مــانـضّــر الأمـطـار نبـت الأنجُد

۱- جنّت البقیع کی چمک اور روشنی کو اللہ نے بہت بڑھا دیا ہے، وہاں کے کنکر، پتھر ایسے چمکتے

ہیں جیسے قطب شمالی کی جانب کا روشن تارہ۔'' **بقیع الغرقد**'' مدینہ منورہ کے اس قبرستان کا نام ہے، جس میں صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، اہل بیت، اور ازواج مطہرات، ہزاروں شہدائ، علمائ، حجاج اور اہل مدینہ دفن ہیں، اور آج تک وہی قبرستان عام ہے، اردو میں لوگ اس کو ''جنت البقیع'' کے نام سے یاد کرتے ہیں، فرقد، قطب شمالی کے اس تارے کو کہتے ہیں جس سے لوگ رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

۲۔ نگہبانی کرنے والا مالک (اللہ) اس گوشۂ زمین کی اپنی رحمت کے ساتھ نگرانی فرمائے جس کی کنکریاں ان جواہرات کی مانند ہیں جو کسی خوب رو کے گلے کی زینت ہوں۔

۳۔ اس میں تعجب کی کیا بات ہے کہ عقیق مٹی سے بڑھ گیا، پتھروں پر فائق ہو گیا اور وہ خود بھی پتھر ہی کا ایک ٹکڑا ہے۔

عقیق وادی کو بھی کہتے ہیں اور لعل و جواہر کی قسم کا ایک پتھر بھی عقیق کہلاتا ہے، مدینہ منورہ کی ایک وادی کا نام ''العقیق'' ہے، اس شعر میں ''وادی العقیق'' کی رعایت بھی ہے۔

۴۔ وادیٔ عقیق کا چشمہ خدائے بے نیاز کا ایک کرشمہ ہے، مبتلائے الم مریضوں کے لئے شفا ہے۔

۵۔ اس وادی کی ہوا اور پانی کی یاد سے میرے چشم و دل سے آنسوؤں کے سوتے ابل پڑے۔

۶۔ اس وادی کے درخت ہدایت کے تنوں پر کھڑے ہیں اور ان درختوں کے سائے تلے سجدہ ریز بندوں کا ٹھکانہ ہے۔

۷۔ ان درختوں کی شاخوں پر (چہچہانے والے) پرندے طبقاتِ آسمانی کے فرشتے ہیں جن کا نغمہ ہمیشہ رہنے والے خدا کا ذکر ہے۔

نوٹ: ''املاک'' ملائکہ کی طرح ملک (فرشتہ) کی جمع ہے، اس کا مصدر الوکہ ہے، پیغام رسانی کے معنی ہیں، لغت میں دیکھنا ہو تو اس کو لاک کے مادہ میں تلاش کیجیے۔

۸۔ وہیں پر (یعنی اسی وادی میں) حضرت جبرئیل بھی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے اور اس کی تسبیح کرتے ہیں، اور کیا کہنا ہے ان درختوں پر چہچہانے والے بلبلوں کا۔

جس طرح فارسی اور اردو میں ''بلبل'' اور ہندی میں ''کوئل'' ایک علامتی پرندہ ہے، عربی میں ''حمامہ'' کبوتری، (جمع حمام) ہے۔

۹۔ میرا دل مدینہ (کی فضا) میں اڑنے والا پرندہ (کبوتر) ہے لیکن میرا جسم شکار گاہ میں قید ہے۔

۱۰۔ ایک بلبل نے ایک صحرائی درخت سے پوچھا: تم کس بات پر اکڑتے ہو، تمہیں کس بات پر غرور ہے؟

۱۱۔ اس درخت نے جواب دیا۔تمہیں میری حیثیت نظر نہیں آتی ؟ میرے ہی تنے سے محمد (ﷺ) کا منبر بنا تھا۔

۱۲۔ (اور کون محمد ﷺ) وہ جو کائنات کے لیے ایک رحمت ، خشک زمین کے لیے آسمانی بارش ، تمنّاؤں کے کعبہ مقصود، بیواؤں کے سرِ پناہ، اور بے سہاروں کے ملجا و ماویٰ ہیں۔

۱۳۔ مصطفیٰ (ﷺ) کی جوتیوں کی خاک آنکھوں کا سرمہ ہے، اور ان جوتیوں کا تسمہ نجات کے طالبوں کے لیے سہارا لینے کی رسی ہے۔متمسک اس رسی کو کہتے ہیں جس کو پکڑ کر دریا میں ڈوبتا ہوا آدمی سہارا لیتا اور کنارے آجاتا ہے، **مستنجد** کے معنی ہیں، نجات کا طالب۔

۱۴۔ وہ لوگ جنکی آنکھیں ، اس سرمہ سے روشن ہو چکی ہیں وہ آپ کی نہ ٹوٹنے والی رسی کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں۔

۱۵۔ رسول اللہ ﷺ کا لطف و کرم نوازشوں کا سرچشمہ ہے، ہم آپ (ﷺ) کے میوں سے لدی ہوئی شاخوں سے پھل توڑتے رہتے ہیں۔متخر د۔اس شاخ کو کہتے ہیں جو میوں کے بار سے جھک جاتی ہے، کرامۃ یہاں اردو کی کرامت کے معنوں میں نہیں، بلکہ احسان وانعام کے معنوں میں ہے، مفہوم کا لحاظ کرتے ہوئے ''نوازشات کا سرچشمہ'' ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

۱۶۔ رسول اللہ (ﷺ) نے ہدایت کا رتبہ روشن کر دیا اور آپ (ﷺ) کی عظمت نے سیادت کے مقام کو بڑھا دیا۔

۱۷۔ آسمان کے سب تارے اسی روشن ستارہ کے نور سے بنے ہوئے ہیں۔

۱۸۔ آزادؔ آپ کے درِ دولت پر کھڑا نگاہِ کرم کا منتظر ہے، اس سائل کے مقاصد کو بر لائے جو آپ (ﷺ) کی عنایت کی طرف نظریں جمائے ہوئے ہے۔

۱۹۔ آپ کی خوبیاں تاروں کی مانند ہیں، جن کا شمار کرنا مدح خواں کے بس سے باہر ہے۔

۲۰۔ اے اللہ! میرا شاداب سلام ان (ﷺ) کی خدمت میں پہنچا دے اور اس وقت تک سلام رسانی کا سلسلہ جاری رہے جب تک بارشِ نشیبی زمینوں کے پودوں کو تازہ کرتی رہے، (یعنی ہمیشہ ہمیشہ)۔

اردو ترجمہ: ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی

○○○

فارسی نعتِ نبوی ﷺ

معذرت: (اللہ معاف کرے۔رسول اللہ ﷺ کی شانِ اقدس میں (تو۔تیرے) سے خطاب گستاخی ہے مگر علامہ آزاد بلگرامی کی مذکورہ نعتِ نبوی کا منظوم ترجمہ کرتے ہوئے مجبوراً یہ اسلوب اختیار کرنا پڑا۔ڈاکٹر رؤف خیر)

فارسی: علامہ آزاد بلگرامی	منظوم ترجمہ: ڈاکٹر رؤف خیر
اے روئے تو آئینہ دیدارِ خدائی	چہرہ ترا آئینۂ دیدارِ خدائی
بینائی ترا نیست زِ اللہ جدائی	دیدار نہیں ہے ترا خالق سے جدائی
تا سرو تو در گلشنِ ایجاد خرا مید	تو سروِرواں گلشنِ ایجاد میں جب تھا
بو سند زمینِ تو تدروانِ سمائی	دھرتی پہ اترتے تھے چکورانِ سمائی
دادی بہ ھُما روزِ ازل سایہء خودرا	خوش بخت کیا اپنے ہی سائے سے ہُما کو
شک نیست کہ فیضِ تو بُود فیض ھمائی	بے شک ہے ترا فیض ہی خود فیضِ ہمائی
عنبر نشود سبز گلِ تازہ تر آید	وہ پھول ہے کب پھول کہ خوش بو کی سند بھی
آں جا کہ کند خلق خوشت غالیہ سائی	جس نے بھی ترے خلقِ عظیمی سے نہ پائی
گر خاکِ درت حسن تو جہ نماید	گر خاک ترے در کی نہ دے حسنِ توجہ
آئینہء دل را کہ کند زنگ زدائی	آئینہء دل سے نہ چھٹے زنگ کی کائی

آں عنصر خاکی کہ نمودی شبِ معراج
ہر ہفت فلک جلوہ زھی جلوہ نمائی

پہنچا جو ترا عنصرِ خاکی کی شبِ معراج
تھے ساتوں فلک جلوہ گہِ جلوہ نمائی

پروردۂ خوانِ کرمت ہر کہ و ہر مہ
عیسٰی کنداز مائدہ ات زلّہ ربائی

پروردہ ترے خوانِ کرم کا کس و ناکس
نعمت ترے مائدے سے عیسٰی نے بھی پائی

باجبہء وابس کہ دھی دادِ سخاوت
خجلت نکشد غیرتِ سائل زگدائی

تو نے تو کھلے دل سے جو دی دادِ سخاوت
سائل کو گدائی سے کبھی شرم نہ آئی

بشناخت کہ بستن چہ بو دستِ مبارک
بوسد کفِ فیاضِ تُرا۔ حاتمِ طائی

تو ہاتھ اٹھا لینے سے واقف ہی نہیں ہے
چومے ترے ہاتھوں کو سدا حاتمِ طائی

نشیدہ سخن فیض بہ سایل برسانی
حاشا کہ بود دستِ تو رھنِ شنوائی

سائل کو بنا مانگے ہی سیراب کیا ہے
واللہ طلب کی کبھی نوبت نہیں آئی

انگشتِ تو آلودہ بہ خوں دررہِ ایزد
زیبند بہ انگشتِ تو ایں رنگِ حنائی

خوں رنگ ترے ہاتھ رہے راہِ خدا میں
زیبا انھیں دیتا ہے یہی رنگِ حنائی

قرآنِ تو تا روزِ جزا سامعہ افروز
نمود کسی غیر تو اعجاز کذائی
افگندہ دعاے تو زپا بدگہراں را
درسینہء دشمن رَوَد ایں تیرِ ہوائی

قرآن سماعت کا اثاثہ ہے ابد تک
یہ دولتِ اعجاز کہاں اورنے پائی
دشمن کو کیا زیر فقط تیری دعا نے
سینے کے ہوا پار یہی تیرِ ہوائی

بدعت نتواند کہ بر آرد نفسی راست

بدعت کو کہاں سانس بھی لینے کی سکت ہے

نَے می شکند شرعِ تو در سینہء نائی
دیتی ہے یہ نَے تیری شریعت کی دہائی

بستند کمر پیشِ غلامِ تو امیراں
زیبد بہ غلامِ تو امیر الامرائی
ہیں تیرے غلاموں کی تو پیشی میں بھی امراء
زیبا ہے انھی کو تو امیر الامرائی

شاہا گرہِ کارِ منِ غم زدہ واکُن
در ناخنِ لطفِ تو بود عقدہ کشائی
ہے عقدہ کشائی جو ترے دستِ کرم میں
سرکار ہو مجھ غم زدہ کی عقدہ کشائی

ہر لحظہ زجا خیزم و برگردِ تو گردم
لازم کہ کُنی پرسشِ احوالِ فدائی
ہر لحظہ تری خاک کے اطراف میں گھوموں
لازم ہے کہ کر پرسشِ احوالِ فدائی

خواہم کہ کنم طوفِ تو بارِ دگر امّا
درماندۂ کارِ خودم ازبے سروپائی
خواہش ہے کہ میں پھر ترے دربار میں آؤں
حارج ہے تھکی ماندی مری بے سروپائی

شبنم نتواند کہ پرد جانبِ بالا
خورشیدِ جہاں تاب دہد بالِ رسائی
شبنم کی یہ جرأت نہیں اڑ جائے وہ اوپر
تاوقتیکہ خورشید نہ دے اذنِ رسائی

ایں کام کہ خواہم زِ جنابِ تو رواساز
درپیشِ تو مشکل نبود کام روائی
سلماں کہ رہا گشتنِ او عقل نمی خواست
لطفِ تو بہ او داد ز زَنجیر رہائی
درخواست ہے میری کہ مِرا کام بنادے
تیرے لیے مشکل نہیں حاجات روائی
آتی تھی کہاں عقل میں آزادیِ سلماںؔ
زنجیر سے دی تیرے کرم ہی نے رہائی

بامن عملے نیست کہ فردا برہائید
جُز ایں کہ بہ پائے تو کنم ناصیہ سائی
کل کے لیے میں نے تو عمل کچھ نہیں بھیجا
سوبس ترے قدموں پہ کروں ناصیہ سائی

گر خاک شوم از سرِ کوے تو نخیزم
آسودۂ کوئے تو نباشد ہمہ جائی

جاؤں گا کہاں گر ترے کوچے سے اٹھوں گا
آسودہ بناتی ہے ترے در کی گدائی

توصیفِ تو از حوصلہء ناطقہ بیروں
کلکِ کہ تواند کہ کند عہدہ بر آئی

ہے کس کو بھلا کب تری توصیف کا یارا
ممکن نہیں خامے سے مرے عہدہ برآئی

آزاؔد رساندی بہ کجا سحر بیانی
بستند زباں پیشِ تو عرفؔی و ثناؔئی

آزاؔد کہاں پہنچی تری جادو بیانی
ہیں گنگ ترے آگے تو عرفؔی و ثناؔئی

لیکن تو و اظہارِ کمال ایں چہ مناسب !
عیب است نہ نزدِ عقلا خویش ستائی

تو اور یہ اظہارِ ہنر۔کب ہے مناسب
کھلتی ہے خردمندوں کو آپ اپنی بڑائی

صیتِ نبوی در دو جہاں شور فگن باد
تا فاختہ برسرو کند نغمہ سرائی

یوں دونوں جہانوں میں بھی شہرہ ہو نبی کا
پُر امن پرندوں کی رہے نغمہ سرائی

○○○

منقبت درشانِ حسّان الہند

نظر کرم اُٹھادو آزؔاد بلگرامی
بگڑی مِری بنا دو آزؔاد بلگرامی

یادِ شہِ دو عالم ہر پل ہو میرے دل میں
دنیا کے غم بھُلا دو آزؔاد بلگرامی

صغریٰ ولی کے در پر ہر دم پڑا رہوں میں
ایسی مجھے دعا دو آزؔاد بلگرامی

میں بھی تمھارے در پر آیا ہوں بھیک لینے
مجھ کو بھی کچھ دلا دو آزاد بلگرامی

عارفؔ میاں کے صدقے اپنے شہیؔر کو بھی
آفات سے چھڑا دو آزاد بلگرامی

شہیؔر رضوی (یوپی)

ڈاکٹر غلام زرقانی (ہیوسٹن)

حسان الہند غلام علی آزاد بلگرامی اور عربی خدمات

علمی دنیا میں حسان الہند سید غلام علی آزاد بلگرامی کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، خصوصیت کے ساتھ برصغیر ہند و پاک میں عربی زبان و ادب کی تاریخ ان کے تذکرے کے بغیر مکمل ہی نہیں ہوسکتی۔ شعر و ادب، تذکرۂ اعلام، تاریخ وطن، حدیث و قرآنیات اور نقد و نظر سے متعلق علوم و فنون کے بہتیرے گوشوں پر خدمات جلیلہ نے انہیں معاصرین پر امتیازی شان عطا کردی ہے۔

ولادت اور حصول علوم و معارف:

سید غلام علی آزاد بلگرامی ۲۵ صفر ۱۱۱۶ھ ہجری میں ہوئے۔[1]

آپ کے جد امجد میر عبد الجلیل بلگرامی اپنے وقت کے جلیل القدر علمائے کرام میں شمار کیے جاتے تھے۔ اس لیے یہ کہنا حقیقت کی ترجمانی ہے کہ سید غلام علی آزاد بلگرامی کو صغر سنی سے ہی علمی ماحول میسر آیا، جس نے شخصیت سازی میں متحرک و فعال کردار ادا کیا۔

حسان الہند نے حصول تعلیم پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے سید طفیل محمد الحسینی بلگرامی سے ابتداء سے انتہاء تک کی درسی کتابیں پڑھیں۔

" قرأت الكتب الدارسيه بداية ونهاية على صاحب الرتب السوامى مولاى السيد طفيل محمد الحسينى الاترولوى البلكرامى روح الله روحه۔ "[2]

اسی درمیان جب میر عبد الجلیل بلگرامی اپنے مقام ملازمت سے واپس تشریف لائے، تو حسان الہند نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور ان کی علمی برکتوں سے فیض یاب ہونے لگے۔ تاہم یہ سلسلہ زیادہ دنوں تک جاری نہ رہ سکا اور سید میر عبد الجلیل بلگرامی بادشاہ وقت کے حکم پر دہلی چلے گئے۔ حسان الہند کسب فیض کرتے ہوئے ان کے استحضار علمی اور وسعت نظر کے معترف ہو چکے تھے، اس لیے اپنی پیاس بجھانے کے لیے دہلی جانے کی ٹھان لی۔ اس سفر میں آپ کے ساتھ

سید میر محمد یوسف اور سید میر عظمت اللہ بھی تھے۔ میر عبدالجلیل بلگرامی سے استفادہ کرنے کی تفصیلات بتاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

" واخذت اللغة ، والسيرة النبوية ، وسند الحديث المسلسل بالاولية وحديث الاسودين ، واجازة اكثر كتب الاحاديث، والشعر العربی والفارسی عن جدی القريب من جهة الام .....استاذی السيد عبدالجليل البلكرامی۔ " ۳؎

یعنی زبان وادب، سیرت نبوی، سند حدیث مسلسل، حدیث الاسودین اور اکثر احادیث کی اجازت، نیز عربی اور فارسی شاعری کی تعلیم میں نے اپنے نانا حضرت سید عبدالجلیل بلگرامی سے حاصل کی۔

جیسے جیسے علوم ومعارف کی گہرائی میں اترتے جارہے تھے، سید غلام علی آزاد بلگرامی کا جذبہ شوق مزید بڑھتا ہی جارہا تھا۔ اتفاق کہیے کہ سید عبدالجلیل بلگرامی کے صاحبزادے سید محمد بلگرامی بھی اپنے والد گرامی کے پرتو تھے۔ انہیں بھی علوم وفنون میں کمال حاصل تھا۔ حسان الہند نے موقع غنیمت سمجھا اور ان سے عروض، قوافی اور شعر وادب پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔ ۴؎

سیر وسیاحت

مزے کی بات یہ ہے کہ سید غلام علی آزاد بلگرامی نے اپنے جملہ اسفار کی تعداد تین تک محدود بتائی ہے، تاہم سوانح نگاروں نے ان سے کئی دوسرے اسفار بھی منسوب کر دیے ہیں اور وہ واقعی درست ہیں، جس سے مجال انکار نہیں۔ تو کیا سید غلام علی آزاد بلگرامی جیسی علمی اور دینی شخصیت نے صراحت کے ساتھ کذب بیانی کی ہے؟ ظاہر ہے کہ تعیین اسفار کے دونوں پہلو ایسے نہیں ہیں کہ ایک کو دوسرے پر ترجیح دے کر بات آگے بڑھائی جا سکے، نہ تو تذکرہ نگاروں کی تکذیب کی جاسکتی ہے اور نہ ہی حسان الہند کی۔

اچھا پھر ایسا بھی نہیں ہے کہ حسان الہند نے متذکرہ تعداد کی تحدید کرنے کے بعد دوسرے اسفار کیے ہوں، تا کہ بات بن جائے، بلکہ تحدید سفر کی بات 'خزانہ عامرہ' میں کی ہے، جو ۱۱۷۶ھ ہجری میں لکھی ہے۔ ۵؎ جب کہ ان کے اکثر اسفار ۱۱۵۴ھ ہجری اور ۱۱۶۵ھ ہجری کے درمیان ہوئے ہیں۔ ۶؎

غالباً اسی الجھن سے بچنے کے لیے بعض محققین نے دبی زبان میں یہاں تک کہہ دیا ہے کہ غلام علی آزاد بلگرامی کے تحدید اسفار کی صراحت محل نظر ہے۔ ۷؎

میرے خیال میں اتنی سطحی بات میں کذب بیانی اور وہ بھی حسان الہند غلام علی آزاد بلگرامی جیسی شخصیت سے، نہایت ہی عجیب وغریب ہے۔ تاہم جب میں نے مزید غور وخوض کیا تو تطبیق کی ایک نئی صورت سامنے آ گئی، جو معقول بھی ہے اور قابل تسلیم بھی۔ وہ یہ کہ غلام علی آزاد بلگرامی نے پوری حیات میں تین مرتبہ اپنے شہر سے رخت سفر باندھا ہے۔

پہلا: زمانہ طالب علمی میں شاہجہاں آباد کا سفر ۱۱۳۴ھ ہجری

دوسرا: سیوستان کا سفر ۱۱۴۳ھ ہجری

تیسرا: حرمین شریفین کا سفر ۱۱۵۰ھ ہجری

دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ غلام علی آزاد بلگرامی تین بار بلگرام سے عازم سفر ہوئے ہیں اور ہر بار کے درمیان جو جزوی اسفار ہوئے، انہیں وہ علیحدہ شمار نہیں کرتے۔ اور اس پس منظر میں دیکھیے تو غلام علی آزاد بلگرامی کی تحدید اسفار میں نہ کسی طرح کا کوئی اشکال ہے اور نہ ہی کوئی کذب وتضاد۔

سفر حرمین شریفین

حسان الہند غلام علی آزاد بلگرامی نے بچپنے میں دوران خواب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے۔ خواب کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انہوں نے دیکھا کہ وہ مسجد حرام میں حاضر ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم محراب میں کھڑے ہیں۔ وہ آگے بڑھتے ہیں اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف مسکراتے ہوئے ملاقات کرتے ہیں، بلکہ کچھ دیر گفتگو کی سعادت سے بھی نوازتے ہیں۔ [8]

ویسے تو مرکز عقیدت کی چوکھٹ پر سجود نیاز لٹانے کی آرزو سارے مسلمانوں کے دلوں میں مچلتی رہتی ہے، لیکن جس وقت غلام علی آزاد بلگرامی خواب میں آقائے نعمت کے دیدار سے مشرف ہوئے، اسی لمحے سے حرمین شریفین کی حاضری کے لیے تڑپ اور بڑھ گئی۔ بہت کوشش کی کہ کوئی راہ نکل آئے اور دست غیب سے سفر کے انتظامات ہو جائیں، تاہم جب بظاہر کوئی تدبیر ثمر آور نہ ہوئی تو ایک دن چپکے سے پا پیادہ تکمیل آرزو کے لیے نکل پڑے۔ دودنوں کے بعد اہل خانہ کو خبر ہوئی تو انہوں نے اپنی بساط بھر تلاش کرنے کی کوشش کی، لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ [9]

اِدھر سید غلام علی آزاد بلگرامی پیدل چلتے رہے۔ کہیں تکلیف دہ راستے ملتے، کہیں خاردار جھاڑیاں اور کہیں جنگلات، لیکن عزم مصمم میں کوئی تبدیلی نہ آئی اور آگے بڑھتے رہے، یہاں تک

کہ مالوہ پہنچ گئے۔قسمت دیکھیے کہ یہاں نظام الملک نواب آصف جاہ کے ایک وفد سے ملاقات ہوگئی۔قافلہ والے ہمدردی سے پیش آئے اور اپنے ساتھ لیے ہوئے بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے۔سید غلام علی آزاد بلگرامی نے موقع غنیمت سمجھا اور قصیدہ سنانے کی اجازت چاہی۔جوں ہی اجازت ملی، انہوں نے بادشاہ کی تعریف وتوصیف کرتے ہوئے حرمین شریفین کی حاضری میں مدد کی درخواست کردی۔اس پس منظر میں یہ شعر سماعت کیجیے۔

ای حامی دیں محیط جود واحساں حق داد ترا خطاب آصف شایاں

او تخت بدرگاہ سلیماں آورد تو آل نبی را بہ درکعبہ رساں [۱۰]

نظام الملک نواب آصف جاہ نے مبارک سفر کے جملہ اہتمامات کردیے اور سید غلام علی آزاد بلگرامی ۱۹ر محرم الحرام ۱۱۵۱ھ ہجری میں جدہ پہنچ گئے۔[۱۱]

جدہ میں غلام علی آزاد بلگرامی کے ایک مخلص دوست شیخ محمد فاخر استقبال کے لیے موجود تھے۔ ان کی معیت میں مکہ مکرمہ حاضر ہوئے اور عمرہ کرنے کے بعد ۲۶ر محرم الحرام کے دن مدینہ منورہ کی مقدس سرزمین پر قدم رکھنے کی سعادت حاصل کی۔یہاں پر غلام علی آزاد بلگرامی نے شیخ حیات سندی سے ملاقات کی، جن کی علمی شہرت دوردور تک پھیلی ہوئی تھی، خاص طور پر علم حدیث کے حوالے سے وہ مرجع العلماء سمجھے جاتے تھے۔آزاد بلگرامی نے موقع مناسب سمجھا اور عرض کیا کہ مجھے بخاری پڑھنی ہے۔شیخ حیات سندی نے کہا کہ کیا تم بخاری شریف اپنے ساتھ لائے ہو، اس لیے کہ میرے پاس بھی کوئی نسخہ فی الحال موجود نہیں ہے؟ آزاد بلگرامی نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ میں اپنے ساتھ کتاب تو نہ لا سکا ہوں، تاہم مجھ سے سن لیجیے۔اور یہ کہتے ہی ابتداء سے پڑھنا شروع کردیا۔شیخ حیات سندی حیرت واستعجاب سے دیکھتے ہوئے کہنے لگے کہ تم نے تو بخاری شریف مکمل حفظ کرلی ہے، اب اور کیا چاہیے؟ آزاد بلگرامی نے عرض کیا کہ مجھے صرف روایت کی اجازت چاہیے۔[۱۲]

آزاد بلگرامی نے تفصیلات بتاتے ہوئے لکھا ہے؛

"وقرأت ایام اقامتها صحیح البخاری علی شیخی ومولائی صاحب الجاہ السنی الشیخ محمد حیات السندی المدنی قد س سرہ واخذت عنه اجازۃ الصحاح الستة وسائر مقروآته واقتطفت ثمارا " [۱۳]

یعنی میں نے مدینہ منورہ میں ٹھہرنے کے دوران اپنے شیخ اور کرم فرما حضرت شیخ محمد حیات

سندی مدنی سے بخاری شریف، نیز صحاح ستہ اور دوسری تمام روایتوں کی سند حاصل کی اور ان سے فیضیاب ہونے کی سعادت حاصل کی۔شوال کے اخیر میں ادائے ارکان حج کے لیے مکہ مکرمہ حاضر ہوئے، تو یہاں شیخ عبدالوہاب طنطاوی سے کسب فیض کا موقع میسر آ گیا۔آزاد لکھتے ہیں:

"...اقتبست جذوات النيران العلوية واخذت عنه فوائد جمة من الاحاديث" [۱۴]

یعنی میں نے شیخ عبدالوہاب طنطاوی سے احادیث کے حوالے سے اہم معلومات حاصل کیں۔

دکن واپسی:

۳/ جماوی الاولیٰ کو آزاد بلگرامی واپسی کے لیے نکل پڑے۔یمن، سورت ہوتے ہوئے اورنگ آباد پہنچے۔ یہاں عارف ربانی شاہ مسافر غجد وانی کے آستانے پر حاضری ہوئی اور سات سالوں تک یہیں مقیم رہے۔اسی دوران نواب نظام الدولۃ جنگ ابن نواب نظام الملک آصف جاہ سے ملاقاتیں رہیں۔[۱۵]

یہ عجیب اتفاق ہے کہ نواب نظام الدولۃ جنگ کو ادبی ذوق سے وافر حصہ ملا تھا۔دوسری جانب حسان الہند آزاد بلگرامی بھی شعر وشاعری سے خوب محظوظ ہوتے تھے۔اس طرح ہم ذوقی کی وجہ سے آزاد بلگرامی قریب سے قریب ہوتے گئے۔عینی شاہدین کہتے ہیں کہ نواب ناصر جنگ اکثر غلام علی آزاد بلگرامی سے کلام سننے کی فرمائش کرتے، بلکہ ان کے ملکہ شعری سے مستفیض ہونے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔یہی وجہ ہے کہ نواب ناصر جنگ نے اپنی عقیدت ومحبت کا ثبوت دیتے ہوئے آزاد بلگرامی کے علوم مرتبت، ملکہ شعری اور علوم وفنون میں دسترس کا برملا اعتراف کیا، نیز انہیں اپنے تخت خاص میں بیٹھنے کا موقع بھی عنایت کیا۔[۱۶]

اسے نیرنگی ایام کہیے کہ نواب نظام الملک آصف جاہ دہلی گئے ہوئے تھے کہ اسی درمیان ان کے صاحبزادے نواب ناصر جنگ نے باپ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا اور تخت سلطنت پر براجمان ہو گئے۔ظاہر ہے کہ یہ اقدام نہایت ہی افسوسناک اور تکلیف دہ تھا، اس لیے باپ اور بیٹے کے درمیان خلیج وسیع ہوتی گئی، یہاں تک کہ طرفین کے مابین ۱۱۵۴ھ ہجری میں جنگ چھڑ گئی، جس میں والد گرامی فتح یاب ہوئے۔ایسے پر خطر موقع پر غلام علی آزاد بلگرامی نے فریقین کے درمیان صلح کرانے میں نہایت ہی مدبرانہ کردار ادا کیا۔[۱۷]

بہر کیف، ۱۱۲۱ھ ہجری میں نظام الملک آصف جاہ انتقال کر گئے اور صاحبزادے نواب ناصر

جنگ مسند نشیں ہوئے۔انہوں نے اپنے پرانے احباب، رفقاٗ اور ہم نشینوں کو خصوصیت کے ساتھ دربار میں طلب کیا۔سید غلام علی آزاد بلگرامی کی خدمت میں سرکاری ذمہ داری قبول کرنے کی پیشکش کر دی، تاہم انہوں نے شکریہ کے ساتھ معذرت کر لی کہ یہ دنیا طالوت کے نہر کی طرح ہے، جس میں سے ایک گھونٹ تو حلال ہے، لیکن اس سے زیادہ حرام ہے۔۱۸

دریں دریار کہ شاہی بہر گدا بخشند
غنیمت ایں کہ مارا ہمیں بما بخشند

نہر طالوت سے قرآن کریم کی آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے، طالوت کے ساتھ جانے والوں کو ایک گھونٹ پانی پینے کی اجازت تھی۔ **فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيكُم بِنَهَرٍ فَمَن شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَن لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ....** (سورت:۲،ص:۲۴۹) جب طالوت اپنے لشکر کے ہمراہ کوچ کرنے لگے تو انہیں ہدایت دیتے ہوئے بولے کہ بلا شبہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر کے حوالے سے آزمائش میں ڈالنے والا ہے، تو جس کسی نے بھی نہر کا پانی پیا وہ میری جماعت سے نہیں سمجھا جائے گا اور جس نے نہ پیا، وہی میرا ساتھی کہلائے گا، سوائے ایک آدھ گھونٹ کے۔

سرکاری عہدہ نہ لینے کے باوجود حسان الہند غلام علی آزاد بلگرامی ارباب اقتدار کے درمیان بڑے عزت واحترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔شیخ محمد صلابت جنگ اعتراف حقیقت کرتے ہوئے، انہیں ’رئیس الکل‘، ’سراج المحدثین‘، اور ’رئیس العلماء‘ جیسے خطابات سے نوازا۔ اسی طرح نواب میر محمد شریف خان بسالت جنگ نے خلعہ فاخرہ، قیمتی گھوڑا اور پالکی تحفے میں دی، نیز ایک لق ودق زمین بھی عنایت کی، جس کی سالانہ آمدنی اس وقت بارہ روپئے سے زیادہ تھی، تاہم انہوں نے شکریہ کے ساتھ اسے واپس کر دی۔۱۹

سید غلام علی آزاد بلگرامی دکن میں علمی حلقہ بنانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔شعر وشاعری، تصنیف وتالیف اور دعوت واصلاح کے حوالے سے منعقد ہونے والی بزموں میں مصروف رہتے۔دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ حرمین شریفین سے واپسی کے بعد انہوں نے اپنی علمی اور ادبی خدمات کا مرکز دکن ہی کو بنائے رکھا۔ارباب سیاست سے کسی قدر قربت کی وجہ سے حلقۂ احباب میں تیزی سے وسعت ضرور ہوئی، لیکن طبیعت میں بے نیازی اور خودداری کی وجہ سے

غلام علی آزاد نے نہ کوئی ذاتی فائدہ اٹھایا اور نہ ہی اپنے تعلقات کو علمی تحریک کی تقویت کے لیے استعمال کیا۔اس لیے یہ کہنا ترجمانی حقیقت ہے کہ دکن میں بڑے بڑے علمائے کرام، فقہائے عظام، ادبائے عصر، اصحاب تصنیف وتالیف اور شعراء کے درمیان جو عزت وتوقیر بھی انہیں ملی، وہ سرتاسران کے اپنے استعداد، علمی رعب ودبدبہ اور عبقریت کی بنیاد پر تھی۔

وفات

شیخ برہان الدین رضی اللہ عنہ کے مزار کے قریب حسان الہند غلام علی آزاد بلگرامی نے ۱۱۹۵ھ ہجری میں زمین خریدی اور اپنے لیے قبر کی تعمیر کروائی۔ کہتے ہیں کہ جب قبر تیار ہوگئی تو انہوں نے ایک عظیم الشان مجلس سجائی، جس میں چیدہ چیدہ علمائے کرام، سلسلۂ تصوف کے مشہور شیوخ، ارباب سیاست اور دوسرے احباب مدعو کیے گئے۔مزے کی بات یہ ہے کہ آزاد بلگرامی نے انواع واقسام کے طعام، لذیذ حلوے اور عمدہ مشروبات کے ساتھ مہمانوں کی خاطر تواضع بھی کی۔ اخیر میں مہمانوں کو رخصت کرتے ہوئے قرآنی اسلوب بیان میں کہتے ہیں:

"هذا فراق بيني وبينك "[۲۰]

یعنی یہ میرے اور تمہارے درمیان وقت فراق ہے۔

متذکرہ پروگرام کے بعد حسان الہند سید غلام علی آزاد بلگرامی نے یہیں گوشہ نشینی اختیار کر لی یہاں تک کہ ۲۴/ذوالقعدہ ۱۲۰۰ھ ہجری میں مالک حقیقی سے جا ملے۔اس طرح انہوں نے اپنی عمر فانی کے ۴۸ سال دکن میں گزار دیے۔ان کے تنہا صاحبزادے موسوم بہ نورالحسن بلگرامی عین عالم شباب میں بلگرام کے ایک تالاب میں ڈوب کر ۱۱۶۷ھ ہجری کو انتقال کر گئے تھے۔[۲۱]

تصانیف وتالیفات

برصغیر پاک وہند میں دین اسلام کے حوالے سے اصحاب قرطاس وقلم کی تاریخ حسان الہند سید غلام علی آزاد بلگرامی کے بغیر ہرگز مکمل نہیں اور ہو بھی نہیں سکتی کہ انہوں نے علوم وفنون کے کئی جہتوں پر انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔نقد ونظر، شعر وسخن سے لے کر تاریخ، حدیث اور سوانح حیات تک سارے میدانوں میں آپ سے قابل قدر خدمات منسوب ہیں۔بات بغیر دلیل کے نہ رہ جائے، اس لیے آیئے ان کی تصانیف وتالیفات پر ایک سرسری نگاہ ڈال لیتے ہیں۔

سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان: مؤرخین کہتے ہیں کہ علمائے ہند کے احوال وکوائف کے بارے میں یہ پہلی کتاب ہے۔اسی کی وجہ سے برصغیر پاک وہند میں شخصیات شناسی کا مزاج

پروان چڑھا اور یکے بعد دیگرے علمائے کرام، فقہائے اور محدثین کی خدمات پر مقالات لکھنے کی روایت پڑی، جو اب تک جاری ہے۔[۲۲]

متذکرہ کتاب چار فصول پر مشتمل ہے۔

پہلی فصل۔ تفاسیر و احادیث میں ہندوستان کے تذکرہ کے بارے میں[۲۳]

سید غلام علی آزاد بلگرامی نے ابتداء میں اسے علیحدہ کتاب کی صورت میں تصنیف کیا تھا، تاہم جب 'سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان' تصنیف کی، تو موضوع سے متعلق ہونے کی وجہ سے کتاب کی پہلی فصل بنادی۔ یہ حقیقت خود انہیں کی زبانی سنیے۔

'ولقد الفت من قبل رسالۃ فی ھذاالباب فاجعلھا جزء ا من ھذا الکتاب'[۲۴]

کوئی شک نہیں کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر بالکل نئی تھی، اس سے پہلے نہ کسی نے متذکرہ عنوان پر لکھنے کی کوشش کی اور نہ ہی اس جانب کسی نے اشارہ ہی کیا۔ اس حقیقت کے بعد یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ سید غلام علی آزاد بلگرامی اپنے عہد میں نہ صرف صاحب تصانیف کثیرہ ہونے کا شرف رکھتے تھے، بلکہ قادر الکلام شاعر بھی تھے اور علمی و تحقیقی میدان میں نئی نئی جہتیں تلاش کرنے میں بھی ممتاز تھے۔ اور مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس موضوع پر یہ کتاب اول بھی تھی اور آخر بھی، کہ اب تک اس سے ملتے جلتے موضوع پر میری نگاہ سے کوئی کتاب نہیں گزری ہے۔ گفتگو کی اس منزل پر یہاں پہنچ کر کہنے دیا جائے کہ ارباب قرطاس و قلم کی لمبی چوڑی فہرست میں حسان الہند غلام علی آزاد بلگرامی شاید یکتائے روزگار مصنف ہیں، جنہوں نے ایک ایسے موضوع پر طبع آزمائی کی جو انہیں سے شروع ہوئی اور انہیں پر ختم بھی ہوگئی۔

موضوع کی دلچسپی کے پیش نظر متذکرہ فصل کی ایک دو مثالیں سماعت کرلیں۔

"قال الشیخ جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فی الدرالمنثور فی تفسیر سورۃ 'احقاف': اخرج ابن ابی حاتم عن علی رضی اللہ عنہ قال: خیر واد فی الناس وادی مکۃ ووادنزل بہ آدم بارض الھند"۔[۲۵]

یعنی شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب 'الدرالمنثور' میں سورۂ احقاف کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ابن حاتم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ لوگوں کے درمیان سب سے بہتر علاقہ مکہ ہے اور ہندوستان کا وہ علاقہ ہے، جہاں حضرت آدم علیہ السلام نازل ہوئے۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں؛

" ومنها وقع لغة الهند فى القرآن : قال السيوطى فى تفسير قوله تعالىٰ 'طوبىٰ لهم وحسن مآب' ، اخرج ابن جرير وابو الشيخ ...قال: طوبىٰ اسم الجنة بالهندية ......ونقل السيوطى فى قوله تعالىٰ : ' سندس خضر' ...ان السندس رقيق الديباج بالهندية ...... "٢٦

یعنی اسی سلسلے کی ایک یہ ہے کہ ہندوستان میں مروجہ لفظ قرآن مقدس میں بھی موجود ہے؛ جیسے شیخ جلال الدین سیوطی آیت قرآن 'طوبیٰ' ....کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ابن جریر اور ابوالشیخ نے لکھا ہے کہ 'طوبیٰ' ہندوستانی زبان میں باغ کا نام ہے .....اسی طرح آیت قرآن ......میں مذکور 'السندس' ہندوسان میں باریک دیباج کو کہتے ہیں۔

دوسری فصل۔ ہندوستان کے مشہور و معروف علمائے کرام کے بارے میں

دوسری فصل کے حوالے سے صاحب نزہۃ الخواطر عبدالحی لکھنوی نے لکھا ہے کہ علامہ محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی نے عالم اسلام کے مشہور علمائے کرام کے حالات پر '**الضوء اللامع فی اعیان القرن التاسع**' لکھی۔اس میں انہوں نے ہندوستان کے بھی بعض علمائے کرام کا تذکرہ کیا ہے، تاہم انہوں نے سارے نہیں تو اکثر و بیشتر ہی سہی ،صرف ایسے علمائے ہند کے حالات ہی لکھے ہیں، جو عالم عرب ہجرت کر گئے تھے یا تحصیل علوم کے لیے گئے۔ظاہر ہے کہ جب طریقۂ انتخاب کا معیار یہی ٹھہرے،تو یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا جا سکتا ہے کہ کتاب ایسے علماء، شعراء اور مصنّفین کے حالات وکوائف پر مشتمل ہوگی ، جنہوں نے علمی ، دینی اور فکری پیمانے پر گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔اس لیے یہ کہنا اعتراف حقیقت ہے کہ 'سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان' کا یہ باب ہندوستانی علمائے کرام کے تذکرہ پر اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔٢٧

متذکرہ فصل میں سید غلام علی آزاد بلگرامی نے صرف ۴۵ علمی شخصیات کے حوالے سے ہی گفتگو کی ہے، جب کہ شک نہیں کہ اس سے کہیں زیادہ بڑی تعداد میں علمائے ہند نے علمی ،ادبی اور دینی میدانوں میں قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔اسی طرح سرزمین ہندوستان میں اسلام کی نشر واشاعت اور اصلاح معاشرہ کے حوالے سے اولیائے کرام کی شبانہ روز جد و جہد سے کسی طور مجال انکار نہیں، تاہم متذکرہ فصل ان کے تذکرے سے خالی ہے۔ٹھیک ہے سید آزاد نے اس نقص کی توجیہ پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ صوفیائے کرام کی سوانح حیات لکھنے سے لوگ عام طور پر

دلچسپی لیتے ہیں اور اپنے ممدوحین کے بارے میں لکھتے رہے ہیں، اس لیے میں نے انہیں کتاب میں شامل نہیں کیا ہے۔ میرے خیال میں یہ وضاحت کسی حد تک قابل قبول بھی ہو جائے، جب بھی یہ بات مناسب نہیں کہ شیخ معین الدین چشتی اجمیری اور محبوب الٰہی شیخ نظام الدین اولیاء جیسی عظیم شخصیات شامل نہ کی جائیں کہ انہیں جہاں ایک طرف دینی علوم وفنون پر دسترس حاصل تھی، وہیں روحانی بالیدگی، فکری نشو ونما اور ذہنی تسکین کے وہبی کمالات بھی حاصل تھے۔ پھر یہ بھی تو دیکھیے کہ متذکرہ کتاب عربی زبان میں لکھی جارہی ہے، جس سے یہ امر بہت نمایاں ہے کہ اسے عالم عرب کے اصحاب قرطاس وقلم کے نزدیک ہندوستانی علمائے کرام کا ترجمان ہونا ہے۔ اس حیثیت سے بھی دیکھیے، تو یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ کبار صوفیائے کرام کی عدم شمولیت متذکرہ فصل کا وہ عیب ہے، جو چھپائے نہیں چھپ سکتا۔

تیسری فصل۔ سرزمین ہندوستان میں پروان چڑھنے والے تعبیر وبیان کے بارے میں سید غلام علی آزاد بلگرامی نے 'تسلیۃ الفؤاد' کے نام سے ایک کتاب تالیف کی تھی، جسے انہوں نے متذکرہ کتاب کی تیسری فصل میں شامل کر دیا ہے۔ خود کہتے ہیں۔

" وقد حررت فصلا فی کتابی تسلیۃ الفؤاد، فاجعلہ جزءا من هذالسواد "۔ ۲۸

یعنی میں نے اپنی کتاب 'تسلیۃ الفؤاد' میں ایک فصل لکھی تھی، جسے اس کتاب میں شامل کرتا ہوں۔

متذکرہ فصل کے مشمولات پر اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالنے والے پر مخفی نہیں کہ یہ بھی اپنی نوعیت کی پہلی کوشش ہے، جس میں سید غلام علی آزاد بلگرامی نے ہندوستان کے مروجہ ادبی مصطلحات کو عربی زبان میں نہ صرف منتقل کیا ہے، بلکہ اپنی فہم وفراست، وسعت اطلاع اور زبان وبیان پر غیر معمولی قدرت کے سہارے ایسے نام بھی تجویز کیے ہیں، جو اہل عرب کے لیے قابل قبول ہوں۔ ظاہر ہے کہ پرانی زمین پر دوبارہ گل بوٹے سجانا کسی قدر مشکل ضرور ہے، تاہم اس سے کہیں زیادہ مشکل ترین یہ ہے کہ نئی زمین بھی تیار کی جائے اور نئے پودے بھی لگائے جائیں۔ کہنے دیا جائے کہ سید غلام علی آزاد بلگرامی نے یہاں شعر وادب کی ایک نئی زمین بھی ڈھونڈ نکالی ہے اور اسے نت نئے ادبی محاسن کے پر کشش گل بوٹے سے آراستہ کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

" .... عمدت علی استخراج الامثلۃ عن المجامیع والدواوین،

سنحت لی نبذه من الانواع وظفرت باقراط ثمینة للاسماع فاخترت من الانواع الهندیة ثلاثا وعشرین وسمیتها فی العربیة باسماء مناسبة مسمیاتها"۔۲۹؎

یعنی میں نے لغات اورشعری دیوان کے سہارے مثالیں ڈھونڈنے کی کوشش کی ،تو مجھے چند پرکشش قسمیں مل گئیں۔ میں نے ہندوستانی نوعیت کی ۲۳قسمیں منتخب کرلیں اور انہیں مناسب عربی نام بھی عطا کردیئے۔

بطورتمثیل 'تنزیہ' کے بارے میں لکھتے ہیں:

" هذا النوع استخراجه بعض الاهاند فی مقابلة التشبیه وهو ان یبری المتکلم شیئا عن این یماثله شی ء آخر کقوله تعالیٰ [لیس کمثله شیء]۔ ۳۰؎ وقوله تعالیٰ [ارم ذات العماد ، التی لم یخلق مثلها فی البلاد]۔۳۱؎وقول حسان رضی الله عنه فی مدح النبی صلی الله علیه وسلم۔

واحسن منك لم ترقط عینی واحسن منك لم تلد النساء
خلقت مبر ا من کل عیب کانکك قد خلقت کما تشاء " ۳۲؎

یعنی یہ قسم وہ ہے، جسے بعض ہندوستانیوں نے 'تشبیہ' کے مقابل میں درج کیا ہے۔اوروہ یہ کہ متکلم ایک چیز کو دوسری مدمقابل چیز سے دور کرے۔ جیسے کہ اللہ رب العزت قرآن مقدس میں فرماتا ہے،'اس کی مثل کچھ بھی نہیں'، یا وہ فرماتا ہے،'وہ عادارم، جوستونوں کی طرح بلندقامت تھے، جن کی طرح بلندقامت دنیامیں کوئی پیدانہیں ہوا۔'نیزحضرت حسان رضی اللہ عنہ نے سرکاردوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی کرتے ہوئے عرض کیا کہ آپ سے زیادہ حسین وجمیل کسی آنکھ نے آج تک نہیں دیکھا آپ سے زیادہ خوبصورت عورتوں نے جنم ہی نہیں دیا۔

آپ ہرعیب ونقص سے اس طرح پاک پیدا ہوئے ہیں کہ جیسے آپ جس طرح چاہتے تھے، اسی طرح پیدا کیے گئے۔

چوتھی فصل۔عاشق ومعشوق کے بارے میں

بلاشبہ سابقہ تین فصلوں کی طرح یہ فصل بھی اپنے اندر جدت لیے ہوئے ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ ابتدائی تمہید کے بعد حسان الہند غلام علی آزاد بلگرامی نے اسے بھی ہندوستانی رنگ میں رنگنے کی کامیاب کوشش کی ہے اورعشق وعاشقی کے بارے میں اظہارخیال

کرتے ہوئے ہندوستانی تہذیب وتمدن کے مروجہ مصطلحات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

"...والآن ابین نبذه من اقسام النسوان ....واسمی کل قسم باسم رائع واعرفه بتعریف جامع ومانع واثبت امثلة تقر بها عیون الادباء .....والامثلة التی نسبتها لی نفسی فی هذه المقالة اکثر معانیها من مخترعاتی وقلیل منها من اشعار الاهاند........ "۳۳ؔ

یعنی اب میں عورتوں کے اقسام کے حوالے سے بات کروں گا.....اور ہر قسم کو پرکشش نام دیتے ہوئے اس کی تشریح بھی کروں گا اور اس کی جامع و مانع تعریف بھی پیش کروں گا، نیز ایسی مثالیں بھی دوں گا، جن سے ادباء کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں....اور ایسی مثالیں بھی، جو مجھ سے منسوب ہیں، ان کے اکثر مفاہیم میرے اپنے ہیں اور بعض اہل ہند کے اشعار سے بھی ہیں۔

مزید دلچسپی کے لیے بطور مثال ایک عورتوں کی ایک قسم کی جھلک دیکھتے چلیے۔

سید غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں کہ نیک اور بد کے پس منظر میں عورتوں کی قسمیں ۳۴ؔ

نیک بد

گھریلو بازاری

پوشیدہ رہنے والی پردہ کرنے والی برسرِ عام رہنے والی

ضوءالدراری شرح صحیح البخاری:

یہ صحیح البخاری کی شرح ہے، جو کتاب الزکاۃ تک ہی لکھی جا سکی ہے۔ میرے علم کے مطابق یہ کتاب اب تک مخطوطہ کی صورت میں ہے۔ اپنی پی ایچ ڈی کے لیے مصادر و مراجع کی تلاش کے سلسلے میں ہونے والے ایک سفر کے دوران میں نے اسے ندوۃ العلماء لکھنؤ کے کتب خانے میں دیکھا ہے۔ یہ بڑے سائز کے ۴۷ صفحات پر مشتمل ہے، خط نستعلیق ہے۔ مخطوطہ کی حالت بہت اچھی نہیں ہے، اسی لیے آخری صفحات کا پڑھنا نہایت ہی دشوار ہے۔ کئی مقامات پر کیڑے لگنے کی وجہ سے سوراخ بھی ہو گئے ہیں۔

یہ بات گزر چکی ہے کہ سید غلام علی آزاد بلگرامی نے حرمین شریفین میں شیخ حیات سندی سے بخاری شریف پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔ اس دوران بخاری شریف کی مشہور و معروف شرح 'ارشاد الساری' مطالعہ میں رہی۔ فطری ذہانت و فطانت کی وجہ سے سید غلام آزاد بلگرامی بعض تشریحات و توضیحات لکھتے رہے۔ اس طرح یہ شرح وجود میں آگئی۔ خود رقمطراز ہیں:

" ....اتفق بعونه تعالیٰ قراء تی صحیح البخاری ومطالعة شرحه المسمیٰ بارشاد الساری التحریر المؤید بالتأیید الربانی احمد بن محمد بن الخطیب القسطلانی ، هممت ان التقط منه مایتعلق بمتن الحدیث من جل المبانی وتحقیق المعانی .... "۳۵؎

یعنی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے صحیح البخاری اور اس کی عظیم الشان شرح، ارشاد الساری، تصنیف لطیف شیخ احمد بن محمد الخطیب القسطلانی پڑھنے کی سعادت میسر آئی، تو متن حدیث کی تحقیق وتشریح کے حوالے سے بعض اہم باتیں منتخب کرلیا کرتا تھا۔

بطور مثال ایک جھلک دیکھ لیجیے۔

" باب قول الله تعالیٰ : لا یسألون الناس الحافا ، ای الحاحا وهو ان یلازم المسؤول حتی یعطیه من قولهم لحفنی من فضل لحافه ای اعطانی من فضل ما عنده ، ومعناه انهم لا یسألون عن ضرورة لم یلحوا وقیل هو نفی للسوال والالحاح کقوله : علی لاحب لایهتدی مناره ، فمراده لا منار ولا اهتداء به ولا ریب ان نفی السؤال والالحاح......... "۳۶؎

اب یہ دیکھیے کہ سید غلام علی آزاد بلگرامی نے نہایت ہی ایجاز کے ساتھ اہم نکات سمیٹ لیے ہیں۔

" باب قول الله تعالیٰ لا یسألون الناس الحافا ....وهو این یلازم المسؤل حتی یعطیه الولمعنیٰ انهم لا یسألون الناس عن ضرورة لم یلحوا وقیل هو نفی للسوال والالحاح .... "۳۶؎

شفاء العلیل

یہ کتاب سید غلام علی آزاد بلگرامی کے ملکۂ نقد ونظر پر ناقابل انکار دلائل وشواہد پیش کرتی ہے، جس میں انہوں نے برصغیر ہندو پاک میں پھیلے ہوئے لاکھوں مدارس اسلامیہ کے درسی نصاب میں شامل 'دیوان متنبیّ' پر نہ صرف تنقید کی ہے، بلکہ اپنی فہم وفراست کے مطابق عیوب ونقائص بھی دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ خود انہیں کے الفاظ میں سماعت کیجیے۔

" ......ثم الناقدون لکلامه والناثرون لنظامه اقتنعوا بتحریرمارأوا فیه من الخطل واقتصروا علی تفسیر ما وجدوا

فيه من الخلل ولم يلتفتوا الى اصلاح ما فسد....“۳۸؎

یعنی شعروشاعری کے ناقدین اور نثر نگاری پر عقابی نگاہ ڈالنے والے عام طور پر عیوب ونقائص کی طرف اشارے اور قدرے وضاحت کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں اور اصلاح کلام ونثر کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

اسی کے ساتھ یہ اعتراف بھی کیا ہے کہ بعض ناقدین نے دیوان متنبّی پر گرفت کرتے ہوئے اصلاح کرنے کی کوشش بھی کی ہے تو وہ بہت ہی مختصر اور بعض مقامات تک ہی محدود ہے، اسی لیے انہیں یہ ذمہ داری اپنے کاندھوں پر اٹھانی پڑی ہے۔ آگے لکھتے ہیں:

” ... فوقع في خاطري ان اصلح مافي كلامه من الفساد واشفي مافي فلذة كبده من الكباد واستهل مافيه من التعقيدات وابدل قدر الوسع سيئاته بالحسنات فبذلت مابي من الجهد البالغ والسعي الجميل ..... “۳۹؎

یعنی میں نے سوچا کہ کلام کی اصلاح کروں اور داخلی خرابی دور کروں، نیز گنجلک مفاہیم کو درست کردوں اور جہاں تک ممکن ہو عیوب ونقائص کو خوبیوں سے تبدیل کردوں، لہذا میں نے انتہائی جدوجہد کی۔

خیال رہے کہ یہ کتاب میں نے سالار جنگ میوزیم حیدرآباد میں مخطوطہ کی صورت میں دیکھی ہے۔ اس کے دو نسخے موجود ہیں۔ دونوں کی حالت بہت اچھی ہے اور پڑھے جانے لائق ہے۔ خط نستعلیق ہے۔ مخطوطہ میں لگی مہر کے مطابق ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ ۱۲۰۶ھ ہجری میں لکھی گئی ہے۔

اب آیئے ایک دو مثالیں اپنے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں۔

” فأسقينها فدى لعينك نفسي من غزال وطار في وتليدي من غزال بيان لكاف الخطاب مثل افديك من رجل وقوع الخبر الذي تمت به الجملة وهو نفسي فاصلا بين كاف الخطاب وبين بيانها وهو من غزال وقوع من غزال فاصلا بين المعطوف عليه وبين المعطوف تعقيد ايما تعقيد ويمكن ان يصلح ويقال :

فأسقينها فدى لعينك من ظبي فؤادي وطار في وتليدي “۴۰؎

یعنی شعر میں ’لعینک‘ کے کاف خطاب کی توجیہ ’غزال‘ سے کی گئی ہے۔ اور دونوں کے درمیان ’نفسی‘ سے فاصلہ ہو گیا ہے، جس سے شعر میں غیر ضروری سقم پیدا ہو گیا ہے۔

حسان الہند غلام علی آزاد نے کہیں کہیں متنبّی کے شعر پر واحدی کے ذریعہ کیے گئے نقد و نظر کی اصلاح کرنے کی بھی کامیاب کوشش کی ہے۔ اس حوالے سے یہ شعر دیکھیے۔

" **وقال یمدح ابا القاسم عبید اللّٰہ ؛**

تمثلوا حاتما ولو عقلو ا لکنت فی الجود غایة المثل

قال الواحدی : اراد تمثلو ا بحاتم فی الجود ،فحذف الباء ضرورة۔ اقول یمکن ان یصلح ویقال : تخیروا حاتما أ ی اختاروه غایة المثل فی الجود .... " [۴۱]

یعنی واحدی نے متنبّی کے متذکرہ شعر پر نقد کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہاں ''بحاتم'' ہونا چاہیے، تاہم ''ب'' ضرورت شعری کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔ حسان الہند اصلاح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہاں " **تخیروا حاتما** " ہونا چاہیے، تاکہ مفہوم بھی واضح ہو جائے اور کوئی سقم بھی نہ رہے۔

کہیں کہیں حسان الہند واحدی کے ذریعہ کی گئی بے جا تنقید پر گرفت کرتے ہوئے، متنبّی کا دفاع بھی کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اس حوالے سے یہ شعر دیکھیے۔

" **وکلما نطحت تحت العجاج به اسد الکتائب رامته ولم یرم**

قال الواحدی رامته زالت عنه ولم یزل هو اراد رامت عنه فحذف حرف الجر واوصل الفعل والاصل استعماله بحرف الجر کما قال الأعشی:

أبانا فلا رمت من عندنا فأنا بخیر اذا لم ترم

...... اقول : قال الجوهری رامه یریمه ریما ..ثم ذکر بیت الأعشی المذکور ثم قال: رمت فلانا ورمت من عند فلاں بمعنی وعلم بهذا أن الریم یتعدی بنفسه وبمن۔ فعلی هذا صحیح کلام المتنبی." ۔[۴۲]

یعنی واحدی نے کلام متنبّی پر اعتراض کرتے ہوئے کہا تھا کہ لفظ 'رام یریم' بغیر حرف جر کے متعدی نہیں ہوتا، پھر اس پر اعشی کے شعر سے استشہاد بھی کیا ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ حسان الہند نے اعشی کے اسی شعر سے استدلال کیا اور جوھری کی لغت کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ متذکرہ لفظ خود بخود بھی متعدی ہو جاتا ہے۔

شعری خدمات:

یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ حسان الہند غلام علی آزاد نے علوم وفنون کے مختلف جہتوں میں اپنے گرانقدر نقوش ضرور چھوڑے ہیں، تاہم وہ فطری طور پر شاعر تھے اور شعری ذوق کسبی نہیں، بلکہ خاندانی وراثت سے ان کے رگ و پئے میں منتقل ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان سے منسوب شعری سرمایہ میں کئی ایک ضخیم دیوان شامل ہیں۔

شیخ غلام علی آزاد بلگرامی سے عربی کے دس دیوان منسوب ہیں۔ پہلے سات دیوان کی طباعت کے موقع پر اسے انہوں نے ''سبع سیارہ'' سے موسوم کیا ہے۔[۴۳]

" ....اما بعد فیقول العبد المستضی ء بالنور التهامی آزاد الحسینی الواسطی البلکرامی انی صرفت العمر فی مذاکرة العلوم العربیة وشمرت الذیل فی مزاولة الفنون الادبیة ونظمت من الخرائد مایجلو نواظر البصراء وجمعت من الفرائد ماتقر عیون الادباء الی ان رتبت بعونه تعالیٰ سبعة دواوین وزنت الجواهر الزواهر بسبعة موازین وسمیت الدواوین السبعة بالسبعة السیارة۔ "[۴۴]

یعنی حمد وثنا کے بعد، آزاد حسینی بلگرامی عرض کرتا ہے کہ میں نے اپنی عمر علوم عربیہ اور فنون ادبیہ سمجھنے سمجھانے میں گزاری، نیز اللہ کے بفضل وکرم سے ایسے اشعار کہے ہیں، جن سے اہل بصیرت کی نگاہیں تیز ہوجائیں اور ارباب علم وادب حیرت واستعجاب میں ڈوب جائیں۔ یہ اشعار سات دیوانوں کی صورت میں ترتیب دئے گئے اور انہیں ''سبع سیارۃ'' سے معنون کیا ہے۔

اس کے بعد مزید تین دیوان شائع ہوئے۔ اس طرح عربی زبان میں دس دیوان سید غلام علی آزاد بلگرامی سے منسوب ہیں۔[۴۵]

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ پی ایچ ڈی کے رسالہ کی تیاری کے سلسلے میں ہونے والے اسفار کے دوران میں نے یہ سارے دیوان ہندوستان کی قدیم لائبریریوں میں خود دیکھے ہیں، جن میں سے کچھ مطبوعہ ہیں اور بعض ہنوز مخطوطہ کی صورت میں ہیں۔

ہم اجمالی طور پر، یہاں ان سے منسوب سارے دیوان پر نگاہ ڈالتے ہوئے، مختلف جہتوں اور متنوع خصوصیات کے پس منظر میں بعض اشعار قارئین کے ذوق مطالعہ کے لیے پیش کرنے کی سعادتیں حاصل کریں گے۔

ویسے تو سید غلام علی آزاد بلگرامی نے اپنے سارے دیوان کی ابتدا مدائح نبویہ سے کی ہے، تاہم پہلے دیوان کا بیشتر حصہ اپنے مرکز عقیدت کی تعریف وتوصیف پر مشتمل ہے۔ عام طور پر اشعار شروع کرنے سے پہلے، اپنا نام ضرور لکھتے ہیں، جس سے آنے والے دور میں اشعار کے خلط ملط ہونے کے امکانات بہت حد تک معدوم ہو گئے ہیں۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی کا یہ انداز ملاحظہ کیجیے۔

برهان رب العالمين ، حبيبه فى الامة الامية العرباء

هو نير اسنى الكواكب ساطع ملا ء الاهلة كلها بسناء

من معشر الانسان الا انه انسان عين المجد والعلياء۔[۴۶]

جہانوں کے رب کی دلیل اور اس کے حبیب امی لقب ملت عرب کے درمیان

وہ تو روشن کرنے والے، ستاروں سے بلند چمک رہے ہیں بلندی سے سارے دور کے ماہتاب پر چھائے ہوئے۔

وہ ہیں تو گروہ انسان سے، تاہم وہ ایسے انسان ہیں، جو سراپا عظمت وبلندی ہیں

سفر حرمین شریفین کے تذکرہ کے ضمن میں یہ بات گزر چکی ہے کہ وفور شوق میں حسان الہند کسی کو بتائے بغیر ایک صبح پا پیادہ نکل پڑے۔ چند اشعار اسی حوالے سے کہے ہیں:

لوكنت اخبر جيرتى وعشيرتى لتزاحموا بينى وبين رجائى

فخرجت عنهم خائفا مترقبا شوقى امامى والاناس ورائى

....

ومشيت من غير المطية برهة مع ان جسمى ضامر الاعضاء۔[۴۷]

اگر میں اپنے پڑوسی اور اہل خانہ سے بتا دوں تو وہ میرے اور میری خواہش کے درمیان آڑے آجائیں

لہذا میں چپکے سے ڈرتے ہوئے نکل پڑا میرا شوق جنوں میرے سامنے ہے اور لوگ میرے پیچھے ہیں

میں بغیر کسی سواری کے تھوڑی دیر تک پیدل چلا گو کہ میرا جسم نحیف وناتواں اعضاء والا ہے

محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

یوں تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دین اسلام کی اساس ہے اور اس کے بغیر نہ

دین مکمل ہے اور نہ ہی معمولات دین، تاہم اسے جذبہ عشق، حسن طلب اور قرب بے پایاں کہیے کہ حسان الہند غلام علی آزاد بلگرامی علیہ الرحمہ نے اپنے پوشیدہ احساسات کے اظہار میں کبھی بخالت نہیں کی ہے، بلکہ جابجا صاف لفظوں میں اعلان کردیا ہے۔

مرکز عقیدت سے استمداد کرتے ہوئے کہتے ہیں:

یاسیدی یا عروقی ووسیلتی یاعدتی یامقصدی مولائی

قد جئت بابك خاشعا متضرعا مالی وراء ك كاشف الضراء

ولك الوسيلة والفضيلة فی غد ولأنت اقدم معشر القضاء

ارجو وآمل من جنابك سیدی شیئا تناول جملة النعماء۔[۴۸]

اے میرے آقا، اے میرے اصل وجود، اے میرے وسیلہ اے میرے ہدف، اے میرے مقصد، اے میرے کرم فرما

میں آپ کی چوکھٹ پر لرزتے کانپتے حاضر ہوں آپ کے علاوہ میرے مصائب و آلام دور کرنے والا کوئی نہیں

اور روز محشر آپ ہی کے حصہ میں شرف وسیلہ وفضیلہ ہے اور آپ ہی سب سے پہلے لوگوں کے مسائل حل فرمائیں گے

میرے آقا! میں آپ کی بارگاہ سے امید رکھتا ہوں کہ سرور نعمت کے کچھ چھینٹے مجھ پر بھی برسیں گے

نہایت ہی صاف وصریح الفاظ میں عقیدہ استمداد پر مشتمل یہ شعر پڑھیے۔

اغث آزاد یا مولی الموالی وکن عونا له یوم القفول۔[۴۹]

اے آقاؤں کے آقا! آزاد کو تھام لیجیے اور حشر کے دن اس کے لیے مددگار رہیے

اسی حوالے سے یہ شعر بھی دیکھیے۔

احسن الی آزاد یا اسخی الوریٰ هو فی الارامل افقر الفقراء۔[۵۰]

لوگوں میں سب سے زیادہ سخی! آزاد پر کرم فرمایئے کہ یہ ایسا ہے، جیسے بیواؤں کے درمیان سب سے زیادہ محتاج

وفور شوق ومحبت میں حسان الہند نے اپنے آپ کو ''عبد مصطفیٰ'' کہہ دیا ہے۔

یا ملجأ الخلق اوصلنی الی املی کریمة یدك العلیا ، فخذ بیدی

آزاد عبدك یرجو منك مرحمة ولیس غیرك یامولائی ملتحدی[۵۱]

اے مخلوقات کے لیے پناہ گاہ! میری آرزو پوری فرمایئے آپ کے تو بابرکت بلند ہاتھ ہیں، میرے ہاتھ تھام لیجیے

آزاد آپ کا غلام، آپ سے رحمت کا متمنی ہے اور اس کے لیے آپ کے علاوہ اے آقائے نعمت کوئی اور جائے پناہ نہیں

اسی حوالے سے یہ اشعر دیکھیے۔

آزاد عبدللنبی وآله من ثم مفتخر علی الاحرار۔ ۵۲

آزاد تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل کا بندہ ہے اس طرح اسے دوسروں پر فخر ہے

حسان الہند غلام علی آزاد بلگرامی عجم سے تعلق رکھتے تھے، تاہم اہل زبان کی طرف عربی پر قدرت حاصل تھی۔ وہ زبان و بیان کی نزاکت، الفاظ و تراکیب کی ندرت اور اشارات و کنایات کے مروجہ اسلوب سے خوب واقف تھے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف میں ان کے مشہور و معروف قصیدہ کے چند اشعار دیکھیے۔ مجھے یقین کامل ہے کہ آپ بھی ان کے علو فضل و شرف کے گرویدہ ہو جائیں گے۔

شمس علی اوج الجلال محمد بدر علی افق الکمال محمد

اسری الی الفلك المحدد وانثنی واتی بامکان المحال محمد

منظور رب العالمین حبیبه قد فاق یوسف فی الجمال محمد

غصن رطیب مثمر یوم الندی ومهند یوم القتال محمد

غیم ملث لایتم صبیبه اربی علی السحب الثقال محمد

لم یبق فی العهد المقدس سائل اغنی الارامل بالنوال محمد ۵۳

محمد صلی اللہ علیہ وسلم عظمت و افتخار کی بلندی پر آفتاب ہیں شرف و کمال کے افق پر روشن ماہتاب ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم

رات میں محدود آسمانوں سے گزرے اور پیچھے چھوڑتے گئے اور امکان کے اعتبار سے مقام محال پر پہنچے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

رب کائنات کے منظور نظر اور محبوب حسن و جمال میں یوسف علیہ السلام پر سبقت لے گئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

آسانی کے دنوں میں پھلوں سے لدی تر و تازہ ٹہنی ہیں اور ایام جنگ میں ہندوستان سے

بنی ہوئی تلوار ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم

سرسبز وشاداب کرنے والی بارش ہیں، جو کبھی نہیں رکتی بوجھل بادل سے کہیں زیادہ سودمند ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ان کے مقدس عہد میں کوئی سائل نہیں بچا بیواؤں کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے داد ودہش نے بے نیاز کردیا

قصائد:

حسان الہند آزاد بلگرامی نے جہاں اپنے حقیقی مرکز عقیدت سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف میں نہایت ہی فصیح وبلیغ ،حسین وجمیل اور پر کشش نعتیہ اشعار کہے ہیں، وہیں فرضی محبوب کے سراپائے حسن و جمال کا بھی نقشہ کھینچا ہے۔بطور مثال ہم یہاں ''مرأۃ الجمال'' کے نام سے مشہور ومعروف قصدہ کے چند اشعار نقل کرتے ہیں۔

مزے کی بات یہ ہے کہ حسان الہند بلگرامی نے متذکرہ قصیدہ کو بھی ایک نئ جہت سے روشناس کیا ہے۔کسی دن خیال آیا کہ کسی فرضی محبوبہ کے سارے اعضائے حسن کی تعریف وتوصیف کی جائے۔ظاہر ہے کہ کسی ایک پہلو سے مفروضہ محبوبہ کے حسن وجمال کے تذکرے تو عام طور پر قصائد میں ہوتے ہی رہے ہیں، لیکن ایک ہی قصیدے میں سارے اعضائے وجوارح کے اوصاف بیان کرنے کی روایت آپ سے پہلے کسی سے منسوب نہیں ہے۔اور یہ اعتراف بھی وہ خود ہی کرتے ہیں۔[۵۴]

یہ قصیدہ ایک سو پانچ اشعار پر مشتمل ہے، جس میں ہر عضو کے حوالے سے دو اشعار موجود ہیں؛ محبوبہ کی چوٹیوں کے حسن وجمال کا نقشہ کھینچتے ہوتے کہتے ہیں:

اضفیرتان علی بیاض خدودھا اوفی کتاب الحسن سلسلتان

اولیلتا العیدین اقبلتا معا او من قصائد ھم معلقتان۔[۵۵]

کیا اس کے روشن وتابناک رخسار پر دو چوٹیاں ہیں یا کتاب حسن کے دو سلسلے ہیں

کیا عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی دونوں راتیں بیک وقت آگئیں یا پھر ان کے قصائد کی لڑیاں ہیں

اسی طرح ہونٹ کی خوبصورتی بیان کرتے ہوئے کہتے:

شفة الفتاة عقیقة یمنیة تشفی مویھتھا صدی الظمآن

رطبان کل منھما ذو حمرة متفاخر باللوان والحلوان۔[۵۶]

دوشیزہ کے ہونٹ یمنی عقیق جیسے ہیں جس کی تری پیاسے کی روح کو سیراب کر دیتی ہے
دونوں رسیلے اور سرخ ہیں جن کی سرخی اور شیرینی پر فخر ہے
اسی طرح پیشانی کے حوالے سے کہتے ہیں:

جبھتھا المضیئة فی الدجٰی وھب الالہ علو مکان

ھی نصف بدر کامل لکنھا تربو علی القمرین فی اللمعان ۵۷؎

اس کی روشن پیشانی تاریک رات میں جسے اللہ تعالیٰ نے بلند مقام عطا فرمایا
ویسے تو یہ بدر کامل کا نصف دکھائی دیتا ہے، لیکن چاند کے دونوں حصوں سے زیادہ تابناک ہے
حسان الہند بلگرامی نے یوں ہی فرضی محبوبہ کے اعضاء و جوارح کے حسن و جمال کی تصویر کھینچتے ہوئے ۱۰۵ اشعار میں یہ قصیدہ مکمل کیا ہے۔

حکایات:

اسے حسان الہند غلام علی آزاد بلگرامی کا ملکہ شعری کہیے کہ انہوں نے بڑی بڑی حکایات کو شعری قالب میں سمیٹنے کی کامیاب نہ صرف کوشش کی ہے، بلکہ اس حوالے سے ایک مستقل کتاب چھوڑی ہے، جسے ''مظہر البرکات'' سے موسوم کیا ہے۔ میں نے یہ کتاب مخطوطہ کی صورت میں سالار جنگ میوزیم حیدر آباد میں دیکھی ہے، جو ۲۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ ۱۹۸۰ء میں ڈاکٹر مہر النساء شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ حیدر آباد کی نگرانی میں، جناب محمد فضل الدین نے اس پر پی ایچ ڈی کی ہے، تاہم میرے علم کے مطابق یہ اب تک غیر مطبوعہ ہے۔ میں نے یہ تحقیقی مقالہ جامعہ عثمانیہ کی مرکزی لائبریری میں دیکھا اور کچھ حصہ پڑھا بھی ہے۔
خیال رہے کہ 'مظہر البرکات' نہ صرف حسان الہند آزاد بلگرامی کی قادر الکلامی پر دلالت کرتی ہے، بلکہ ان کی زود نویسی پر بھی سب سے بڑھ کر شہادت دیتی ہے۔ یہ حقیقت خود انہیں کی زبانی سماعت کیجیے۔

".....فنظمت ھذہ المزدوجة احد وخمسمائة بیت فی عشرین یوما فی رجب سنة ثلاث وتسعین ومائة والف وسمیتھا 'مظھر البرکات۔"۵۸؎

.....لہٰذا میں نے یہ مزدوجہ بیس دنوں میں مکمل کیا، جو ۵۰۱ اشعار پر مشتمل ہے، اور اسے مظہر البرکات سے موسوم کیا۔
اندازہ لگائیے کہ صرف بیس دنوں میں پانچ سو ایک اشعار کہہ ڈالے، یعنی یومیہ پچیس

اشعار۔کوئی شک نہیں کہ یومیہ پچیس اشعار کہہ لینا کوئی معمولی امر نہیں ہے، بلکہ کوئی دن بغیر ایک شعر کہے بھی گزرنے کے امکانات ہو سکتے ہیں۔اس طرح یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ حسان الہند آزاد بلگرامی ایک دن میں پچاسوں اشعار کہنے کی قدرت تامہ رکھتے تھے۔

ہم یہاں 'مظہر البرکات' سے صرف ایک مثال پیش کرنے پر اکتفاء کریں گے۔

حكاية الامير خسروالدهلوى

خسروالهند صاحب العرفان والعديم النظير فى الاقران

جوهر قابل من الاتراك بشر كامل من الاملاك

شيخه المقتدىٰ نظام الدين نوره فى الدجىٰ نظام الدين

مصره زينة الثرىٰ دهلى نزهة العين للورى دهلى

صام لله اربعين سنة فماذاقت العيون سِنة

هو فى الفرس شاعر مشهور فى فنون كثيرة دستور

قد اتانا باعذب الكلمات هى ماء الحياة فى الظلمات

كل الفاظه جمانات ودواوينه خزانات

هو فى ما قاله عديم المثل عام ترحاله 'عديم المثل'

ذكره فى تراجم النفحات داخل فى مجالس الحضرات

كان فى عصره جلال الدين ملك الهند قابل التحسين۔[۵۹]

ہندوستان کے خسرو، جو صاحب عرفان ہیں اور اپنے ہم عصروں میں بے مثال ہیں

ترکی النسل شاہی خاندان سے مکمل انسان

ان کے شیخ حضرت نظام الدین اولیاء تاریک رات میں ان کے لیے راہنما حضرت نظام الدین اولیاء

ان کا شہر، دولت وثروت کی آماجگاہ دہلی لوگوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک دہلی

چالیس سالوں تک روزہ دار رہے آنکھوں نے ایک لمحہ کے لیے آرام نہیں کیا

وہ فارسی کے بڑے مشہور شاعر اور کئی فنون وعلوم کے مرجع

انہوں نے نہایت ہی شریں کلام ہمیں عطا کیا جو ظلمت وتاریکی میں مائے حیات ہے

ان کے الفاظ موتیوں کی طرح ہیں اور ان کے دیوان خزانے ہیں

وہ اپنے کلام میں عدیم المثال ان کے وصال کی تاریخ 'عدیم المثل'
ان کا تذکرہ اصحاب شہرت کے درمیان لوگوں کی مجالس میں شامل
ان کے عصر میں جلال الدین جو قابل تعریف بادشاہ ہندوستان

یہ قصیدہ تیس اشعار پر مشتمل ہے، جس میں حسان الہند بلگرامی نے حضرت شیخ امیر خسرو رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر بھی روشنی ڈالی ہے اور ان کے حالات وکوائف کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔

کلمۂ اختتام:

حسان الہند حضرت غلام علی آزاد بلگرامی نہ صرف اپنے ہم عصروں میں ممتاز رہے، بلکہ ان سے پہلے اور ان کے بعد بھی ہندوستان کی سرزمین پر ایسی بہت کم شخصیات نے جنم لیا ہے، جنہیں بیک وقت مختلف علوم وفنون اور متنوع زبانوں پر کامل عبور حاصل ہو۔ عقل حیران ہے کہ موصوف نثر ونظم پر یکساں قدرت رکھتے تھے۔ اچھا پھر صرف تصنیف وتالیف اور شعر وشاعری تک ہی خدمات محدود ہوتے تو کسی امتیازی خصوصیت سے متصف کرنے میں بحث ومباحثہ کی گنجائش باقی رہتی، تاہم حسان الہند غلام علی آزاد بلگرامی کی حیات وخدمات پر نگاہ ڈالنے سے یہ امر کسی طور مخفی نہیں رہ سکتا ہے کہ جناب نے ہر میدان میں نت نئے افکار وخیالات کے گل بوٹے سجانے کی کامیاب کوشش کی ہے، بطور مثال، نثری تالیف میں" **شمامہ العنبر فی ما ورد فی الھندمن سید البشر** " پیش کی جاسکتی ہے، نیز سبحۃ المرجان میں ہندوستانی تہذیب کی روشنی میں خواتین کے اقسام سے استفادہ کرتے ہوئے عربی مصلحات کی ایجاد کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

اور شعر وشاعری کے پس منظر میں درجنوں ایسی جہتیں دکھائی جاسکتی ہیں، جو آپ کے اختراعات میں شامل ہیں۔ بات بغیر دلیل کے نہ رہ جائے، اس لیے پانچویں دیوان میں بحر المتقارب اور رکض الخیل میں مستزاد، چھٹے دیوان میں عربی زبان میں ترجیع، بحر خفیف میں عربی مزدوجہ وغیرہ کی مثالیں دیکھیے، جن میں تحدیث نعمت کے طور پر خود حسان الہند آزاد بلگرامی نے ذاتی اختراعات کی صراحت کی ہے، نیز مرأۃ الجمال میں سارے اعضائے محبوبہ کی تعریف وتوصیف بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

اخیر میں یہ اعتراف ضروری ہے کہ میں نے موصوف کی شخصیت پر پی۔ایچ۔ڈی کرتے ہوئے عربی زبان میں مقالہ پیش کیا تھا، تاہم یہ خواہش ہمیشہ رہی کہ اہل اردو کے لیے اختصار کے ساتھ آپ کی حیات وخدمات پر کچھ گفتگو کروں، لیکن امروز وفردا میں بات ٹلتی رہی۔ اور جو یہ چند

سطریں آپ کے سامنے ہیں، تو یہ سب مولانا ڈاکٹر سراج احمد قادری اور جناب فیروز احمد سیفی کے پیہم اصرار کا نتیجہ ہے۔ مولائے قدیر 'دبستان نعت' کو سلامت رکھے۔

حواشی

۱۔ دیکھئے، مآثر الکرام، ص:۱۶۱

۲۔ سبحۃ المرجان، ج:۱، ص:۲۹۹

۳۔ سبحۃ المرجان، ج:۱، ص:۲۹۹

۴۔ دیکھئے۔ سبحۃ المرجان، ج:۱، ص:۲۹۹

۵۔ دیکھیے، خزانہ عامرہ، ص:۱۶۴

۶۔ دیکھیے، سہ ماہی اردو، شمارہ:۱، ۱۹۸۳ء، ص:۳۷

۷۔ نفس مصدر

۸۔ دیکھئے، مآثر الکرام، ص:۳۰۳

۹۔ دیکھئے، سبحۃ المرجان، ج:۱، ص:۳۰۰

۱۰۔ مآثر الکرام، ص:۳۰۷

۱۱۔ دیکھیے، سبحۃ المرجان، ج:۱، ص:۳۰۰

۱۲۔ دیکھیے، تذکرہ جلوہ خضر، ج:۱، ص:۱۰۳

۱۳۔ سبحۃ المرجان، ج:۱، ص:۳۰۲

۱۴۔ نفس مصدر، ج:۱، ص:۳۰۳

۱۵۔ دیکھیے، نفس مصدر، ج:۱، ص:۳۰۷

۱۶۔ دیکھیے، سہ ماہی اردو، شمارہ:۱، ۱۹۸۳ء، ص:۲۷

۱۷۔ دیکھیے، اردو دائرۃ معارف اسلامیہ، ج:۱، ص ۱۰۵

۱۸۔ مآثر الکرام، ص:۱۶۳

۱۹۔ دیکھیے، اردو دائرۃ المعارف، ج:۱، ص:۱۰۵، نیز سہ ماہی اردو، شمارہ:۱، ۱۹۸۳ء، ص:۳۰

۲۰۔ قرآن کریم، سورت:۱۸، آیت:۷۸

۲۱۔ دیکھیے، سہ ماہی اردو، شمارہ:۱، ۱۹۸۳ء ص:۳۷

۲۲۔ مقدمہ: ڈاکٹر محمد فضل الرحمٰن، سبحۃ المرجان، ج:۱، ص: الف

۲۳۔ حال ہی میں یہ کتاب ڈاکٹر علیم اشرف جائیسی، مولانا آزاد اردو یونی ورسٹی کے اردو ترجمہ کے ساتھ ''تفسیر وحدیث میں ہندوستان کا تذکرہ' کے نام سے ہندو پاک کے اشاعتی اداروں سے شائع ہوئی ہے۔
۲۴۔ سبحۃ المرجان، ج:۱،ص:۷
۲۵۔ سبحۃ المرجان، ج:۱،:۸
۲۶۔ نفس مصدر،ص:۴۸
۲۷۔ دیکھیے، نزھۃ الخواطر، ج:۱،ص:۱۸
۲۸۔ سبحۃ المرجان، ج:۲،ص:۱
۲۹۔ نفس مصدر، ج:۲،ص:۳۹
۳۰۔ قرآن کریم، سورت:۴۲، آیت:۱۱
۳۱۔ قرآن کریم، سورت:۸۹، آیت:۷
۳۲۔ سبحۃ المرجان، ج:۲،ص:۴۲
۳۳۔ نفس مصدر، ج:۲،ص:۳۳۸
۳۴۔ نفس مصدر، ج:۲،ص:۳۴۱۔۳۴۵
۳۵۔ ضوء الدراری،ص:۱
۳۶۔ ارشاد الساری، ج:۳،ص:۶۳
۳۷۔ ضوء الدراری،ص:۰۷
۳۸۔ شفاء العلیل، ص:۱
۳۹۔ نفس مصدر
۴۰۔ شفاء العلیل، ص:۳
۴۱۔ شفاء العلیل، ص:۳
۴۲۔ نفس مصدر،ص:۵
۴۳۔ تقی رضا بلگرامی نے 'سبع سیارۃ' کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ فارسی زبان کے اشعار پر مشتمل ہے۔ کوئی شک نہیں کہ یہ رائے سرتا سر بے بنیاد اور غلط ہے۔ دیکھیے، سہ ماہی اردو، شمارہ:۱، شمارہ:۳، ۱۹۸۳ء، ص:۴۱
۴۴۔ مقدمۃ الدیوان السبع، ص:۳۱۰
۴۵۔ دیکھیے، آزاد بلگرامی و اثراء ہ فی اللغۃ العربیۃ و آدابھا: ڈاکٹر غلام زرقانی قادری، ص:۱۳۳

۴۶۔ الدیوان الاول، ص: ۳
۴۷۔ نفس مصدر، ص: ۴
۴۸۔ الدیوان الاول، ص: ۵
۴۹۔ نفس مصدر، ص: ۳۳
۵۰۔ الدیوان الثانی، ص: ۳
۵۱۔ الدیوان الاول، ص: ۱۵
۵۲۔ الدیوان السادس، ص: ۲۶۳
۵۳۔ الدیوان الثامن، ص: ۹
۵۴۔ دیکھیے، دیوان آزاد، مخطوطہ خدا بخش خاں لائبریری، پٹنہ، ص: ۱۹۷
۵۵۔ نفس مصدر، ص: ۱۹۷
۵۶۔ نفس مصدر، ص: ۱۹۱
۵۷۔ نفس مصدر، ص: ۱۹۲
۵۸۔ مقدمۃ مظہر البرکات، ص: ۴
۵۹۔ مظہر البرکات، دفتر اول، ص: ۳۵۔۳۷

○○○

ڈاکٹر اشفاق انجم (مالیگاؤں)

حسان الہند میر سیّد غلام علی آزاد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ
شخصیت اور فن

میر سیّد غلام علی آزاد بلگرامی بارہویں صدی کی وہ نابغۂ روزگار ہستی ہیں جن پر اہل ہند کو بجا طور پر ناز ہے کہ وہ ایرانی اہل زبان شعرا ٔو ادباء کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتے ہیں ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ ایرانیوں نے حضرتِ امیر خسرو، غالب اور اقبال جیسے چند ہی ہند نژاد فارسی گویوں کو تسلیم کیا ہے بقیہ تمام اہل عجم کے آگے ''عجمی'' ٹھہرائے گئے ہیں۔

ستم بالائے ستم یہ کہ اہل ہند نے بھی آزاد بلگرامی کی وہ قدر افزائی نہ کی جس کے وہ مستحق تھے یہاں تک کہ ان کی سوانح حیات اور علمی کارناموں پر بھی خاطر خواہ کام نہیں ہوا۔ چند ایک محققین نے آپ کی غزلیہ شاعری اور نثری تخلیقات پر پی ایچ ڈی کے مقالے ضرور تحریر کئے ہیں لیکن وہ صرف حصولِ سند تک ہی محدود رہ گئے جو آج بھی اشاعت سے محروم ہیں۔

سیّد غلام علی آزاد بلگرامی نے اپنے تعلق سے اپنی تصنیف ''روضۃ الاولیاء'' میں جو کچھ لکھا اسی کو ان کے تذکرہ نگاروں نے کچھ حک و اضافے کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ کسی نے مزید تحقیق کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

''روضۃ الاقطاب'' کے مطابق میر غلام علی آزاد بلگرامی حضرت سیّد زید شہید رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں۔ آپ کا تعلق سادات واسطی سے ہے۔ کتب سوانح میں آپ کا شجرہ کچھ یوں درج ہے۔

''میر غلام علی آزاد بن محمد نوح بن محمد فیروز بن میر محمد اللہ داد (الہ داد)۔۔۔'' ان کے بعد یہ سلسلہ سیّد محمد صغریٰ سے آگے بڑھتا ہے (اس کی وضاحت نہیں ملتی کہ سیّد محمد صغریٰ، سیّد الہ داد کے والد ہیں یا یہاں درمیان میں خلا واقع ہے) بہر حال سیّد محمد صغریٰ سے سلسلۂ نسب یوں آگے بڑھتا ہے۔

''سیّد محمد صغریٰ بن علی بن حسین بن ابوالفتح ثانی بن ابوالفراس بن ابوالفرح واسطی بن داؤد بن حسین بن یحییٰ بن زید بن علی بن حسن بن علی العراقی بن حسین بن علی بن محمد بن عیسیٰ موتم الاشبال ابن زید شہید ابن امام زین العابدین بن امام حسین بن امام علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔۔۔'' (روضۃ الاقطاب: مولانا رونق علی، صفحہ ۲۲۵)

میر سیّد غلام علی آزاد ۲۵ رصفر بروز یکشنبہ ۱۱۱۶ھ میں بلگرام میں پیدا ہوئے۔ وہیں نشو ونما پائی۔آپ علماء وصوفیاء کے خانوادے کے چراغِ چشم تھے۔سارا خاندان علم اور تصوف کی روشنی سے منور تھا۔آپ کے جدّ مادری میر سیّد عبدالجلیل بلگرامی اپنے عہد کے ممتاز وجلیل القدر علماء وصوفیاء میں شمار ہوتے تھے۔آزاد نے سب سے پہلے اپنے نانا جان کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا جو عربی ،فارسی،ترکی، ہندی زبانوں پر کامل دست گاہ رکھتے تھے۔شہنشاہ اورنگ زیب کی جانب سے سندھ میں وقائع نگار اور میر بخشی کے عہدے پر فائز تھے۔علوم دینیہ میں حدیث ،فقہ،تفسیر،علم لغت ،سیر نبوی، موسیقی اور شعر گوئی میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔آزاد بلگرامی نے ان سے کتب لغت، حدیث ،سیر نبوی اور فنونِ ادب کی تحصیل کی۔

آزاد کے دیگر اساتذہ میں میر سیّد طفیل محمد بلگرامی (م ۱۱۵۱ھ)، شیخ عبدالوہاب طنطاوی (م ۱۱۵۷ھ)،شیخ محمد حیات سندھی مدنی (م ۱۱۶۳ھ)،میر سیّد محمد شاعر بلگرامی (م ۱۱۸۵ھ) جیسی ممتاز ہستیاں شامل ہیں۔جن سے آزاد نے فقہ وتفسیر،قرآن وحدیث،سیر نبوی کے علاوہ علم لغت، قواعد صرف ونحو اور علم عروض کی تحصیل کی۔

آزاد صحیح النسب سادات سے تھے۔سارا گھرانہ علم دین وتصوف کی روشنی میں نہایا ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کا پرتو اطفالِ خاندان پر بھی پڑنا لازمی تھا۔آزاد نے اسی پاکیزہ فضا میں پرورش پائی تھی۔آپ کا سینہ ہر کثافت سے پاک تھا۔

بچپن میں آپ نے ایک خواب دیکھا تھا کہ:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرما ہیں، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پہنچے،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہلکی سی مسکراہٹ سے ان کا استقبال کیا اور اپنی مجلس مبارکہ میں باریابی کا شرف بخشا۔''

اس خواب کا اظہار انہوں نے درج ذیل اشعار میں بھی کیا ہے۔

بہ الطاف رسول ہاشمی آزاد می نازد
شبی در خواب ایں بیدار را بخشید دستاری
رسول ہاشمی کے الطاف و کرم پر آزاد ناز کرتا ہے
ایک شب آپ نے اس غلام کو عزت و شرف سے نوازا
صفا پروردا جای دید شب آزاد در رویا
نباشد جز طوافِ آستانِ دوست تعبیری
آزاد نے رات خواب میں ایک نہایت ہی مصفیٰ مقام دیکھا
اس کی تعبیر سوائے طوافِ آستانِ دوست اور کچھ نہیں ہوسکتی

آزاد نے جب سے یہ خواب دیکھا جلوۂ جمالِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم دل میں جاگزیں ہوگیا۔ جب بھی اس خواب کی یاد آتی دل جوشِ محبت وعقیدت سے بے چین ہوجاتا۔ اس خواب میں آزاد کو نہ صرف عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آشنا کیا بلکہ انہیں متذکرہ بالا سعادت وشرف کے حصول کی جانب شدت سے مائل کردیا۔ اس سعادت کے حصول کا ان کے نزدیک ایک ہی بہترین ذریعہ تھا اور وہ تھا تصوف سے وابستگی۔ جس کے اثرات سے وہ بخوبی واقف تھے۔ کیونکہ ان کا خاندان پورے اودھ میں تصوف اور روحانیت میں اپنی مثال آپ تھا۔ آپ کے خاندان کا ہر بزرگ روحانیت کے ایسے مقام پر فائز تھا جس کی تمنا ہر اہل تصوف کو ہوتی ہے۔

یہ خواب آزاد کو ان کے عہد کے نامور بزرگ سیّد العارفین میر سیّد لطف اللہ بلگرامی عرف شاہ لدّھا چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لے گیا اور آپ ۱۱۴۷ھ میں شاہ صاحب سے بیعت ہوگئے۔

آزاد حنفی المسلک تھے۔ کلیاتِ آزاد بلگرامی میں پروفیسر سیّد حسن عباس رقم طراز ہیں:

''باوجودی کہ آزاد حنفی المذہب بودہ، امّا با رسول اکرم ﷺ، اہل بیت اطہار، باویژۂ امیر المؤمنین مولای متقیان حضرت علی بن ابی طالب بسیار عقیدت وارادت داشت، درکلامِ وی اشعار عقیدتی زیاد دیدہ می شود کہ از آں روشن می گردد کہ آزاد بہ پیامبر اکرم ﷺ وآلِ رسول چہ قدر عقیدت داشت، وی را بہ خاطر مداحی آں حضرت ﷺ لقب ''حسان الہند'' دادہ بود۔'' (ص ۹۷)

''آزاد حنفی المذہب تھے'' یہ کہنے کے بعد پروفیسر حسن عباس صاحب کو یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ ''باوجودِ حنفی المذہب ہونے آزاد کو حضرت علی اور ان کی اولادوں سے بے پناہ

عقیدت ومحبت تھی۔'' پروفیسر صاحب کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حنفی المذہب لوگ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اہل بیت سے عقیدت ومحبت نہیں رکھتے۔ افسوس اس بات پر ہوتا ہے کہ شیعہ عالم ہوں یا پروفیسر ''تقیہ'' سے کہیں بھی باز نہیں آتے۔ پروفیسر صاحب یہ بھول گئے کہ جتنی سچی عقیدت احناف اور اہل سنّت کو اہل بیت سے ہے وہ کسی اور مذہب کے ماننے والوں میں نہیں ہے اور پھر آزاد تو صحیح النسب سیّد تھے انہیں اپنے اجداد سے بے انتہا محبت وعقیدت تو فطری طور پر ہونی ہی چاہئے تھی۔

آزاد کو سیاحت کا بے حد شوق تھا جس کے پس پردہ علم کا حصول بنیادی عنصر کی حیثیت رکھتا تھا۔ روضۃ الاقطاب میں مولانا رونق علی لکھنوی رقم طراز ہیں کہ:

''مدت العمر میں تین سفر پیش آئے، پہلے بغرض ملازمت دہلی گئے اور دو سال بعد واپس آئے۔ دوسری بار سیستان پہنچے ۱۱۴۷ھ میں لاہور ہوتے ہوئے احمد آباد اور الہ آباد سے بلگرام آئے۔ تیسری مرتبہ حرمین محترمین کا ارادہ کیا اور تیسری رجب ۱۱۵۰ھ کو گھر سے نکلے اور خشکی وتری کی مسافت طے کر کے مکہ معظّمہ پہنچے۔ مناسک حج ادا کرنے کے بعد ۱۱۵۲ھ میں بندر سورت سے دیارِ دکن میں آئے اور آخر تک اورنگ آباد ہی میں رہے۔'' ص ۲۵۵

پروفیسر سیّد حسن عباس ''کلیاتِ آزاد بلگرامی'' میں لکھتے ہیں:

''آزاد نے اپنی زندگی میں تین طولانی سفر کئے جن کی تفصیلات خود انہوں نے اپنے تذکروں میں کی ہے۔ پہلے سفر میں وہ میر عظمت اللہ بے خبر بلگرامی (م ۱۱۴۲ھ) کی رفاقت میں شاہجہاں آباد اپنے نانا میر عبد الجلیل بلگرامی (م ۱۱۳۸ھ) کی خدمت میں پہنچے۔ دو سال تک وہاں مقیم رہے اور ان سے کسب فیض کیا اور ۱۱۳۷ھ میں بلگرام واپس لوٹے۔'' (ص ۴۷)

مولانا رونق علی کے بیان کے مطابق سیّد آزاد بلگرامی ''بسلسلۂ ملازمت'' شاہجہاں آباد (دہلی) گئے تھے اور پروفیسر سیّد حسن عباس صاحب اس کی وجہ ''کسب فیض'' بتاتے ہیں۔ کسب فیض کی اصطلاح اہل تصوف میں رائج ہے۔ میر آزاد بلگرامی حضرت شاہ لطف اللہ سے بیعت تھے ممکن ہے کہ وہ دہلی بسلسلۂ ملازمت گئے ہوں اور اپنے نانا حضرت عبد الجلیل بلگرامی سے روحانی فیوض وبرکات کے ساتھ ہی علومِ دینیہ کی تحصیل بھی کی ہو۔

آزاد نے دوسرا سفر سیوستان (سیستان) کا کیا جو علاقہ سندھ کا ایک موضع تھا۔۱۱۴۳ھ میں وہاں پہنچے، چار سال تک مقیم رہے اور ۱۱۴۷ھ میں واپس بلگرام آئے۔

۳/رجب المرجب ۱۱۵۰ھ کو حج بیت اللہ کے ارادے سے پا پیادہ بلگرام سے روانہ ہوئے۔ یہ ان کا تیسرا سفر تھا۔ اثنائے راہ مالوہ میں نواب آصف جاہ اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن تھا۔ ایک امیر نے آزاد کو دیکھا، معلوم ہونے پر کہ یہ راہئی حجاز ہیں ان کی سواری کیلئے ایک رتھ اور بہت سارے لوازمات وملبوسات وغیرہ مہیا کر دیئے۔۲۳/شعبان ۱۱۵۰ھ ہجری کو نواب آصف جاہ سے ان کی ملاقات ہوئی۔ میر صاحب نے نواب کی خدمت میں درج ذیل رباعی پیش کی۔

ای حامئ دیں محیط جود و احساں حق داد ترا خطاب آصف شایاں
او تخت بدرگاہِ سلیماں آورد تو آلِ نبی را بدرِ کعبہ رساں

"اے دین کے حامی جود وسخا کے مرکز تجھے تیری شان کے مطابق حق نے آصف کا خطاب دیا"

"(آصف حضرت سلیمان علیہ السلام کا وزیر) نے تخت بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کی درگاہ میں حاضر کر دیا تھا تو آلِ نبی کو درِ کعبہ تک پہنچا"

نواب نے خوش ہو کر آزاد کو زادِ راہ مہیا کر دیا اور وہ بھوپال، برہانپور ہوتے ہوئے سورت بندر پہنچے اور وہاں سے بذریعۂ کشتی حجازِ مقدس کیلئے روانہ ہو گئے۔

آزاد نے قیامِ حجاز کے دوران مختلف علماء سے حدیث کا درس اور سند لی۔۱۱۵۲ھ میں آزاد حج سے واپس ہوئے سورت بندر پہنچے اور نواب آصف جاہ کی دعوت پر اورنگ آباد آئے۔ نواب نے آپ کیلئے ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا جو انہیں تاحیات ملتا رہا۔

ان طولانی اسفار کے علاوہ انہوں نے اطراف واکناف سے بیشتر علاقوں کے بہت سارے اسفار بھی کئے جن میں حیدرآباد، بیدر، سری رنگاپٹن، گلبرگہ، ارکات، برہانپور وغیرہ شامل ہیں۔ لیکن ہر سفر میں مذکورہ مقامات پر کچھ مدت گزارنے کے بعد وہ لوٹے تو اورنگ آباد ہی پہنچے۔

بلگرام آزاد کا وطن تھا، سارے عزیز واقارب وہیں آباد تھے، عہد بہ عہد آنے والے حکمرانوں نے اس خاندان کو جاگیریں عطا کی تھیں جس کی بنا پر سارا خاندان آسودگی سے زندگی بسر کر رہا تھا۔ جب کہ آصف جاہی حکومت کے وظیفے سے آزاد کی زندگی تنگی وترشی میں گزرتی تھی۔

آزاد شادی شدہ تھے آپ نے عبدالواحد بن سیّد سعد اللہ بن سیّد مرتضٰی بن سیّد فیروز بن

سیّد عبدالواحد کی دختر خرد سے نکاح کیا۔ یہ عفیفہ کون تھیں! کیا نام تھا!! بلگرام سے تھیں یا علاقۂ دکن سے!؟ اس کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ۱۱۴۰ھ کے آس پاس کا ہے۔ کیونکہ ان خاتون سے ۱۱۴۳ھ میں ایک بیٹا نورالحسین پیدا ہوا اور مشیت الٰہی سے عالم جوانی ہی میں پانی میں ڈوبنے سے اس کی موت واقع ہوگئی۔ موت سے چند برس قبل ہی نورالحسین کی شادی ہوئی تھی جس کا ایک بیٹا سیّد امیر حیدر ۱۱۶۵ھ میں تولد ہوا۔

نورالحسین کی موت کے بعد آزاد نے اپنے پوتے کی جی جان سے پرورش و پرداخت کی۔ بہترین تعلیم سے آراستہ کیا، اسی تعلیم وتربیت کا اثر تھا کہ امیر حیدر کا بھی اپنی عہد کے ممتاز علماء میں شمار ہوتا تھا۔ وہ صاحب تصنیف بھی تھے۔ تذکروں میں ان کی درج ذیل تصانیف کا ذکر ملتا ہے۔

(۱) سوانح اکبری (۲) منتخب النحو (۳) تحقیق الاصطلاحات (۴) منتخب الصرف (۵) کلمات النبیل شرح انشائے میر عبدالجلیل۔ (۶) بصائرالمتعلمین (۷) دیوانِ شعر (فارسی)۔

امیر حیدر کا انتقال ۱۲۱۷ھ مطابق ۱۸۰۲ء میں ہوا۔

جوان بیٹے کے انتقال کے بعد آزاد کی زندگی مزید دشوار و پریشان کن ہوگئی ہوگی، لیکن وہ اورنگ آباد کی رہائش ترک کر کے بلگرام واپس نہیں گئے۔

بعض تذکرہ نگاروں نے اس کی وجہ ان کی حضرت بابا شاہ مسافر غجدوانی ثم اورنگ آبادی سے عقیدت ومحبت بتائی ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ زیادہ تر بابا شاہ مسافر کی درگاہ میں رہائش رکھتے تھے۔

اولیائے کرام میں جہاں غوث، قطب، ابدال، اوتاد جیسے درجات ہیں وہیں ایک درجہ ''اہل خدمت'' کا بھی ہے جو اغوات، ابدال، اقطاب وغیرہم کے آستانوں کی نگہداشت پر مامور ہوتا ہے۔

بعض صوفیاء کے نزدیک اہل خدمت مجاذیب میں سے ہوتے ہیں لیکن راقم کے پیرو مرشد چراغ معرفت صوفی نورالہدیٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ یہ کلیہ نہیں ہے۔ حسب حیثیت وضرورت اہل سلوک بھی اس منصب پر فائز کئے جاتے ہیں۔ ان میں بعض سالک مجذوب بھی ہوتے ہیں۔

راقم کے خیال میں غلام علی آزاد بلگرامی بھی اہل خدمت میں سے تھے۔ ''روضہ'' یعنی خلد آباد اور اطراف کے علاقے دولت آباد، اورنگ آباد کے بزرگوں کے آستانوں کی نگہداشت آپ کے ذمہ تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جوان بیٹے کی موت کا صدمہ، پریشان کن حالات زندگی اور فقر و فاقہ کے باوجود اورنگ آباد سے اٹھ کر کہیں اور نہیں گئے جبکہ بلگرام میں ان کی آبائی جاگیر بہت

بڑی تھی جہاں وہ پرسکون زندگی گزار سکتے تھے لیکن انہوں نے ایسا نہ کرتے ہوئے اپنے حین حیات امیر حسن سنجری رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ کے قریب ایک قطعہ اراضی خرید کر وہاں پہلے سے اپنی قبر تیار کر رکھی تھی اور انتقال (۱۲۰۰ھ) کے بعد اسی میں مدفون ہوئے۔

آزاد طبعاً قناعت پسند، بذلہ سنج، شگفتہ طبع، خوش اخلاق، منکسر المزاج اور شعائر اسلامی کے سختی سے پابند تھے۔ بزرگان چشت کی طرح آپ بھی دنیاوی دولت اور جاہ و مرتبے سے بے نیاز تھے۔ اگرچہ اس عہد کے اکثر امراء و رؤسا سے آپ کے بے حد قریبی تعلقات تھے لیکن کبھی ان سے کوئی توقع نہیں رکھی اور نہ ہی ان کے انعامات اور بخششیں قبول کیں۔

''آزاد نے عربی و فارسی میں ہزاروں اشعار کہے ہیں جن میں غزلیات، مثنویات، قصائد اور رباعیات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آپ نے عربی نعتوں کا ایک بہت بڑا ذخیرۂ یادگار چھوڑا ہے جس کی مخطوطات عرب، ترکی، ایران اور ہندو پاک کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔

تصانیف آزاد:

عربی:۔ ☆ سبحۃ المرجان ☆ ضوٗ الدراری شرح صحیح البخاری ☆ شفاء العلیل فی اصلاح کلام ابوطیبب المتنبی ☆ شمامۃ العنبر فی ماورد فی الہند من سیّد البشر ☆ مظہر البرکات ☆ دواوین ☆ السبعۃ السیّارہ ☆ تسلیۃ الفواد فی قصائد الآزاد ☆ مرأۃ الجمال ☆ کشکول ☆ الامثلۃ المترشحۃ من القریحۃ ☆ قصیدۂ ہمزائیہ ☆ ارج الصباقی مدح المصطفیٰ ☆ نصاب القصیدہ فی التغزل ☆ مکتوبات حضرت مجدّد

فارسی:۔ ☆ ید بیضا ☆ سرو آزاد ☆ خزانۂ عامرہ ☆ ماثر الکرام تاریخ بلگرام ☆ شجرۂ طیبہ ☆ روضۃ الاولیاء ☆ سند السعادت فی حسن خاتمۃ السادات ☆ غزلان الہند ☆ بیاض آزاد ☆ مثنویات ☆ قصیدہ در تعریف میر عبدالجلیل بلگرامی و میر سیّد محمد شاعر بلگرامی ☆ دیوانِ اشعار فارسی ☆ شرح قطعۂ نعمت خاں عالی شیرازی ☆ جواب الامیرادت مرتبات ☆ ماثر الامرا ☆ انیس المحققین۔

مداحی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صلے میں آپ کو ''حسان الہند'' کے خطاب سے نوازا گیا۔ دنیا کی تین مملکتوں اور تین زبانوں میں تین شعرائ ایسے ہوئے جنھیں یہ امتیاز و اعزاز حاصل ہے کہ وہ حسان العرب (حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ)، حسان العجم (خاقانی) اور حسان الہند (میر آزاد بلگرامی) کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ اتنا ہی نہیں سیّد محمد خاں صلابت جنگ نے

آپ کو ''سراج المحد ثین'' اور ''رئیس العلماء'' کے القاب سے سرفراز کیا تھا۔

دنیا کی کسی بھی زبان وادب کی تاریخ اٹھالی جائے ہر جگہ آپ کو ''ناقدری'' کی شکایتوں کا انبار نظر آئے گا۔ وہ شعرأ وادباء جنھیں شاہی سرپرستی حاصل رہی وہ بھی اپنے اعزاز ونوازشاتِ شاہی کے باوجود نا مطمئن نظر آتے ہیں۔

آزاد، آزاد منش ہونے کے باوجود ساری عمر اپنی ناقدری پر رنجیدہ رہے اور یہ کہہ کہہ کر خود کو تسلی دیتے رہے،:

گوہر خود را مبر آزاد پیشِ جاہلاں عرض کن بر صاحبِ فطرت کلام خویش را

(آزاد تو اپنے ہنر کا اظہار جاہلوں کے سامنے نہ کر) (اگر داد وتحسین کی خواہش ہے تو اصحابِ ذوق کو اپنا کلام سنا)

اس ناقدری کے باوجود انہوں نے اپنے قلم کو کبھی کسی بھی طرح کی ہجو گوئی اور کثافت سے آلودہ نہیں کیا اور یہ ناقدری ان کے حق میں بہتر ہی ثابت ہوئی کیونکہ وہ انسانوں کی چوکھٹ سے اٹھ کر اس در پر جا پڑے جہاں سے کوئی محروم نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نواب شاہنواز خان کی ''سلام گاہ'' سے بغیر سلام وکورنش بجالائے واپس آگئے۔ کسی بشر کی محفل میں ایک سلام کیجئے گھنٹوں کھڑے رہنے سے بہتر ہے کہ شہنشاہوں کے شہنشاہ کی ملازمت میں حاضر رہا جائے۔ اس تعلق سے وہ خود کہتے ہیں۔

بہ نانِ خشک خدا داد خود بساز آزاد غلام منّت نواب نامدار مشو

(آزاد اللہ تعالی کی عطا کردہ خشک روٹی پر گذارا کرلے کہ اس سے عزتِ نفس پر ضرب نہیں پڑتی، ایک معمولی سی حاجت کیلئے نواب کا احسان اٹھانے کی کیا ضرورت ہے)

اس جذبہ نے آزاد کے دل میں استغنا اور بے نیازی کی ایسی صفات پیدا کردیں کہ پھر وہ کسی امیر کے دروازے پر نہیں گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے کلام میں ہر وہ خوبی موجود ہے جسے اعلیٰ اقدار اور اخلاقیات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

افسوس ناک امر یہ ہے کہ فی زمانناہند میں عربی وفارسی کا چلن نہیں رہا، یہاں چلن سے مراد عربی ادب کی تخلیق اور عوامی ذوق وشوق سے ہے ورنہ مدارس میں عربی تو پڑھائی جاتی ہے لیکن عوام ہی نہیں اکثر خواص میں بھی اس کا رواج نہیں ہے۔ بیشتر علماء تک ادبی ذوق سے محروم ہیں۔ ایک المیہ یہ بھی ہے کہ ہمارے کم وبیش ۷۵ فیصد ''سند فراغت ودستار فضیلت'' کے حامل علماء ایک

پیرا عربی زبان کا از خود لکھ سکتے ہیں نہ بول سکتے ہیں۔ اگر منبر سے کتاب ہٹا لی جائے تو بیشتر ائمہ مساجد نماز جمعہ کا خطبہ نہیں دے سکیں گے۔

فارسی کا حال تو اس سے بھی برا ہے۔ اسکولوں سے اسے نکال دیا گیا ہے جس کے نتیجے میں ''غیر فصیح اردو'' کا رواج بڑھتا جا رہا ہے۔ علماء و مدرسین تک انکار کی جگہ ''منع'' اور ''دوبارہ'' کی بجائے ''دوبارہ سے'' ''اچھی طرح'' کی بجائے ''اچھی سے'' بولنے لگے ہیں، علی ہذا القیاس ایسے ماحول میں سیّد غلام علی آزاد بلگرامی کا نام حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ، امیر حسن علاؑ سجزی، نعمت خاں عالی کے ساتھ لیا تو جاتا ہے لیکن ان کے عربی و فارسی کلام کو پڑھنے سمجھنے والے ناپید ہوتے جا رہے ہیں۔ الا ماشاءاللہ!!

سیّد غلام علی آزاد بلگرامی کی تقریباً تمام تصانیف کے قلمی نسخے ملک و بیرون ملک کے کتب خانوں میں موجود ہیں لیکن ان کی اشاعت کی نوبت نہیں آ رہی ہے اس پر ستم یہ کہ، مولوی صدیق حسن مرحوم نے آزاد کے تذکروں ''سروِ آزاد'' اور ''خزانۂ عامرہ'' کو قدرے کمی بیشی کے ساتھ لفظاً ومعناً ''شمع انجمن'' کے عنوان سے اپنے نام سے شائع کر دیا۔[1]

آزاد نے ہر دو زبانوں یعنی عربی و فارسی میں نعتیں تخلیق کیں ہیں ان کی عربی نعتیں تو دستیاب ہیں لیکن افسوس کہ اس مضمون کے لکھنے تک ہزار کوششوں کے باجود ان کی ایک نعت جو کلیات آزاد میں موجود ہے کے سوا اور کچھ دستیاب نہ ہو سکا اس لئے وہی ایک نعت مع ترجمہ پیش خدمت ہے۔

۱	ای روی تو آئینۂ دیدار خدایی	بینایی ترا نیست ز اللہ جدایی
۲	تا سرو تو در گلشن ایجاد خر امید	بو سند زمیں تو تذروان سمایی
۳	دادی بہ ھُما روز ازل سایۂ خود را	شک نیست کہ فیض تو بُوَد فیض ھمایی
۴	عنبر نشود سبز گل تازہ تر آید	آنجا کہ کند خلق خوشت غالیۂ سایی
۵	گر خاک درت حسن توجّہ نماید	آئینۂ دل را کہ کند زنگ زدایی
۶	آن عنصر خاکی کہ نمودی شب معراج	بر ھفت فلک جلوہ زھی جلوہ نمایی
۷	پرودۂ خوان کرمت ھر کہ و ھر مہ	عیسیٰ کند از مایدہ اُت زلہ ربایی
۸	با جھۂ وابس کہ دھی داد سخاوت	خجلت نکشد غیرت سایل ز گدایی
۹	نشناخت کہ بستن چہ بود دستِ مبارک	بو سد کف فیاض ترا حاتم طایی
۱۰	نشنیدہ سخن فیض بہ سایل برسانی	حاشا کہ بود دستِ تو رھن شنوایی

۱۱	انگشتِ تو آلودہ بہ خون در رہ ایزد	زیبندہ بہ انگشتِ تو این رنگِ حنایی
۱۲	قرآن تو تا روز جزا سامعہ افروز	نمود کسی غیر تو اعجاز کذایی
۱۳	افگندہ دعای تو ز پا بدگھران را	در سینۂ دشمن رود این تیر ھوایی
۱۴	بدعت نتواند کہ برآرد نفسی راست	نی می شکند شرع تو در سینۂ نایی
۱۵	بستند کمر پیش غلام تو امیران	ریبد بہ غلام تو امیر الامرایی
۱۶	شاہا گرہِ کار من غمزدہ واکن	در ناخن لطفِ تو بُود عقدہ کشایی
۱۷	ھر لحظہ ز جا خیزم و برگردِ تو گردم	لازم کہ کنی پرسش احوال فدایی
۱۸	خواھم کہ کنم طوفِ تو بار دگر امّا	درماندۂ کار خودم ازبی سرو پایی
۱۹	شبنم نتواند کہ پَرَد جانب بالا	خورشیدِ جہانتاب دھد بال رسایی
۲۰	این کام کہ خواھم ز جناب تو رواساز	در پیش تو مشکل نَبُود کام روایی
۲۱	سلمان کہ رھاگشتن او عقل نمی خواست	لطفِ تو بہ او داد زنجیر رھایی
۲۲	با من عملی نیست کہ فردا برھاند	جز این کہ بہ پای تو کنم ناصیہ سایی
۲۳	گر خاک شوم از سرکوی تو نخیزم	آسودۂ کوی تو نباشد ھمہ جایی
۲۴	توصیفِ تو از حوصلۂ ناطقہ بیرون	کلک کہ تواند کہ کند عھدہ برآیی
۲۵	آزاد رساندی بہ کجا سحر بیانی	بستند زبان پیش تو عرفی و ثنایی
۲۶	لیکن تو و اظہار کمال این چہ مناسب	عیب است بہ نزدِ عقلا خویش ستایی
۲۷	صیت نبوی در دو جھاں شور فگن باد	تا فاختہ بر سروکند نغمہ سرایی

اردو ترجمہ :

۱- آپ کا چہرۂ مبارک ساری کائنات کا آئینہ دار ہے۔ آپ کی بینائی، بصارتِ الٰہی سے جدا نہیں ہے۔

۲- جب تک آپ اس گلشن ایجاد (دنیا) میں حیات رہے فرشتے آپ کی قدم بوسی کرتے رہے۔

۳- آپ ﷺ نے روز ازل میں اپنا سایہ ھما کو دیدیا تھا اسلئے جس شخص پر ھما کا سایہ پڑ جائے وہ بادشاہ ہو جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ھما کا فیض دراصل آپ ہی کا فیض ہے۔

۴- پھولوں میں اس وقت تک خوشبو پیدا نہیں ہوتی جب تک کہ وہ آپ ﷺ کے مشک بیز آستانے پر حاضری نہ دے لے جہاں ایک عالم جبہ سائی کرتا ہے۔

۵- آپ ﷺ کے آستانے کی خاک کے سوا کون سی ایسی شئے ہے جس کے مَلنے سے آئینۂ

دل صاف ہو سکے۔

۶- آپ ﷺ کے عنصر خاکی نے معراج کی شب وہ جلوہ دکھایا کہ ھفت افلاک روشن ہو گئے۔

۷- وہ شاہ ہوں یا گدا سب آپ کے خوانِ کرم کے پروردہ ہیں یہانتک کہ عیسیٰ بھی آپ کے مائدۂ کرم کے ریزہ چیں ہیں۔

۸- آپ ﷺ نے اس خندہ پیشانی اور کشادہ دلی سے دادِ سخاوت دی کہ کوئی سائل اپنی گداگری پر خجل وشرمندہ نہیں ہوا نہ ہی اس کی غیرت پر کوئی ضرب پڑی۔

۹- آپ ﷺ کا دست کرم رکنا اور بس کرنا جانتا ہی نہیں، حاتمِ طائی بھی آپ کے دستِ سخا کو بوسے دیتا ہے۔

۱۰- سائل کے سوال کرنے سے پہلے ہی آپ ﷺ کا فیض اُسے پہنچ جاتا ہے۔ آپ ﷺ کا دست کرم کبھی سائل کی صدا کا منتظر نہیں رہا۔

۱۱- آپ کی مقدس انگلیاں اللہ کی راہ میں لہولہان ہوگئیں، یہ رنگ حنائی آپ ہی کی انگلیوں پر جچتا ہے۔

۱۲- آپ ﷺ کا قرآن تا قیامت کانوں میں رس گھولتا رہے گا، ایسا معجزہ آپ کے سوا کسی نے نہیں دکھایا۔

۱۳- آپ ﷺ کی دعا نے بدطینتوں کو ڈھیر کر دیا، یہ ہوائی تیر دشمنوں کے سینوں میں پیوست ہو گئے۔

۱۴- بدعت میں اتنی سکت نہیں کہ سکون کی ایک سانس بھی لے سکے، کیونکہ آپ ﷺ کی شریعت بانسری کی لے کو اس کے سینے ہی میں دفن کر دیتی ہے۔

۱۵- امراء آپ ﷺ کے غلاموں کے آگے دست بستہ کھڑے رہتے ہیں، امیر الامرائی (بادشاہت) آپ ﷺ کے غلاموں ہی کو زیب دیتی ہے۔

۱۶- اے شہنشاہ! مجھ غمزدہ کے رکے ہوئے کاموں کی گرہ کھول دیجئے کہ آپ ﷺ کے ناخنِ لطف وکرم ہی کارکشائی کا اعجاز رکھتے ہیں۔

۱۷- میں جب جب اپنی جگہ سے اٹھوں اور آپ ﷺ کا طواف کروں تو اس جاں نثار سے احوال ضرور دریافت فرمالیا کریں۔

۱۸- میری خواہش ہے کہ دوبارہ آپ ﷺ کا طواف (زیارت) کروں لیکن بے سروسامانی نے مجھے عاجز ودرماندہ کر رکھا ہے۔

۱۹- شبنم میں از خود اتنی سکت نہیں کہ آسمان کی جانب پرواز کر سکے الّا یہ کہ آپ کا حسن جہاں

تاب اسے اس کی اجازت دے۔ (یہاں شبنم خود آزاد کا استعارہ ہے۔)

۲۰- میں چاہتا ہوں کہ آپ ﷺ کی سرکار سے دوبارہ حاضری کا پروانہ جاری ہو جائے اور یہ کام آپ کیلئے کوئی مشکل نہیں ہے۔

۲۱- سلمان جس کا آزاد ہونا بعید از عقل تھا آپ ﷺ کے لطف و کرم نے اسے زنجیر سے رہائی دلائی۔

۲۲- میرا کوئی عمل ایسا نہیں ہے جو حشر میں میرے کام آسکے، میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ آپ ﷺ کے قدموں میں سر رکھ دوں۔

۲۳- اگر آپ ﷺ کے کوچے کی خاک ہو جاؤں تو پھر وہاں سے نہ اٹھوں، اور پھر جسے آپ کے کوچے میں جگہ مل گئی تو اسے کہیں اور جانے کی ضرورت بھی کیا ہے۔

۲۴- آپ ﷺ کی تعریف و مدح دائرۂ بیان سے باہر ہے، کسی کے قلم میں یہ سکت و صلاحیت نہیں ہے کہ آپ کی توصیف کماحقہٗ بیان کر سکے۔

۲۵- آزاد! تو نے سحر بیانی کو اس معیار تک پہنچا دیا ہے جہاں عرفی و ثنائی بھی عاجز نظر آتے ہیں۔

۲۶- لیکن خود اپنی زبان سے اپنے کمال کا اظہار بڑی نامناسب بات ہے، عقلمندوں کے نزدیک اپنی تعریف آپ کرنا جہالت ہے۔

۲۷- نبی کریم ﷺ کی شہرت کا آوازہ سارے جہان میں گونجتا رہے جب تک کہ سرو پر عمریاں گیت گاتی رہیں گنگناتی رہیں۔

منابع:

۱) کلیات آزاد بلگرامی۔ پروفیسر سیّد حسن عباس

۲) روضۃ الاولیاء۔ سیّد غلام علی آزاد بلگرامی

۳) روضۃ الاقطاب۔ مولوی رونق علی لکھنوی

۴) بحر الفصاحت۔ نجم الغنی

لے: بحر الفصاحت۔ نجم الغنی، راجہ رام بکڈپو، لکھنؤ (۱۹۲۶ء)

○○○

ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی (حیدر آباد)

حسان الہند غلام علی آزاد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ

حیات، خدمات اور شاعری

بلگرام!

اتر پردیش گورنمنٹ گزیٹر میں ہے کہ:

"Bilgram, the headquarter town of the Tahseel of the same name,lies in lat: 27.110N, and long: 80.20E , on the old high bank of the Ganga, about 26 Km south-west of Hardoi"

(بلگرام، اسی نام کی تحصیل کا صدر مقام ہے، ۲۷.۱۱ درجہ عرض البلد شمالی اور ۸۰.۲ درجہ طول البلد شرقی پر، گنگا کے قدیم بلند کنارے پر، ہردوئی سے تقریبا ۲۶ کلومیٹر جنوب مغرب میں واقع ہے۔)

یہ قدیم قصبہ عہد شجاعت کی دو عظیم سلطنتوں، اجودھیا اور ہستناپور، کی درمیانی شاہراہ پر واقع ہونے کے سبب ہمیشہ سے بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ اس کے نام کے سلسلے میں کئی روایتیں ملتی ہیں، جن میں دو زیادہ مشہور ہیں: ۱۔ بل نام کے عفریت (راکشس) کے نام پر اس کا نام پڑا، ۲۔ شری کرشن کے بھائی بلرام جنھوں نے اسے فتح کیا تھا، ان کے نام پر اس کا نام بلگرام رکھا گیا۔ محمود غزنوی کے ہندوستان پر حملوں کے دوران ۴۰۹ھ/۱۰۱۸ء میں قاضی محمد یوسف عثمانی گازرونی نے اس قصبے کو فتح کیا تھا، لیکن اندرون ہند عام غزنوی فتوحات کی طرح یہ فتح بھی عارضی رہی۔ عہد التمش میں سید محمد (صاحب دعوتِ صغریٰ) نے ۶۱۴ھ/۱۲۱۷ء میں بلگرام کو دوبارہ فتح کیا۔ سید محمد صغریٰ مشہور بزرگ حضرت ابوالفتح واسطی کی نسل سے تھے۔ اس عسکری فتح نے بلگرام کو ہمیشہ کے

لئے واسطی سادات کی علمی اور روحانی فتوحات کا مرکز بنا دیا۔بلگرام ہندوستانی تاریخ کے کئی اہم احداث وواقعات کا شاہد ہے۔

جغرافیائی محل وقوع ،تاریخی اہمیت اور تہذیبی وراثت کے ساتھ ساتھ ایک اور اہم عنصر ہے جس نے بلگرام کو علم وادب کا مرکز بنانے میں خاصہ کردار ادا کیا ہے اور وہ عنصر ہے ماحولیات کا، بلگرام زمانہ قدیم سے ہی اپنی زرخیز مٹی ،صحت بخش آب و ہوا اور خوبصورت باغات ومناظر کے لئے مشہور رہا ہے۔ابوالفضل نے آئین اکبری میں یہاں کے آب وہوا کی تعریف کی ہے۔مغربی سیاح ٹفن تھیلر (D.J.Tiffenthaler) جو ۱۷۶۹ء میں بلگرام آیا تھا،اس نے بھی اپنے سفر نامے میں یہاں کے چمنستانوں اور مرغزاروں کا ذکر کیا ہے۔اور اس خوشگوار طبیعی ماحول کا علمی ماحول پر خوشگوار اثر پڑنا ایک مسلم اجتماعی قانون ہے، بقول علامہ ابن خلدون: خوش نمو زمین اور خوش نما آب وہوا والے مقامات ہی فکر ودانش کے مراکز بنتے ہیں۔

بلگرام عہد سلطنت سے ہی اسلامی وعربی علوم وفنون کا مرکز بن گیا تھا،اور اکبری دور کے آتے آتے اس نے برصغیر میں نمایاں ترین علمی حیثیت حاصل کرلی تھی،اس کا یہ مقام انگریزوں کے عہد تک برقرار رہا۔اس زمین سے بہت سی علمی وروحانی شخصیات ابھریں جن میں سرفہرست فاتح بلگرام اور سادات بلگرام کے مورث اعلی سید محمد صغریٰ چشتی متوفی ۶۴۵ھ، شیخ اڈھن بلگرامی (گیارہویں صدی ہجری)، شیخ الہ داد بلگرامی (۹۹۹ھ میں بقید حیات)، سید عبد الواحد چشتی بلگرامی صاحب سبع سنابل متوفی ۱۰۱۷ھ، سید قادری بلگرامی متوفی ۱۱۴۵ھ، سید طفیل محمد بلگرامی متوفی ۱۱۵۱ھ، میر سید مبارک بلگرامی متوفی ۱۱۱۵ھ، میر عبد الجلیل بلگرامی متوفی ۱۱۳۸ھ، اور خاتم المحد ثین واللغویین سید محمد مرتضیٰ زبیدی بلگرامی صاحب تاج العروس ،واتحاف السادة المقین في شرح إحیاء علوم الدین متوفی ۱۲۰۵ھ وغیرہ شامل ہیں۔

مسلمانوں کی مرکزی حکومت کے زوال کے ساتھ دوسرے علمی مراکز کی طرح بلگرام کی علمی زبوں حالی کا بھی آغاز ہوگیا۔ایک وقت میں بلگرام کے گھر گھر میں کتب خانہ تھا،جن میں بیشتر ضائع ہوگیا، کچھ لکھنؤ اور حیدرآباد میں فروخت ہوگیا، اور ان کا ایک معتد بہ حصہ انگریزوں کے ذریعے غصب کرکے، تحفے میں وصول کرکے یا پھر حاکمانہ اثر ورسوخ کے ساتھ اونے پونے خرید کر یورپ منتقل کردیا گیا۔اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں انگریز سیاحوں جیسے ٹینٹ (Rev M.R.Tenant) وغیرہ، اور عیسائی مشنریوں جیسے بشپ ہیبر (Bishop Heber)

وغیرہ کی مسلسل بلگرام آمد کا بنیادی مقصد انھیں علمی خزانوں کا حصول تھا۔

نسب وخاندان!

''نسباً حسینی، اصلاً واسطی، مولداً ومنشأً بلگرامی، مذہباً حنفی، طریقۃً چشتی''۔

سبحۃ المرجان، مآثر الکرام اور خزانۂ عامرہ وغیرہ اپنی کتابوں میں آزاد نے اپنا یہی تعارف کرایا ہے۔ان کا سلسلۂ نسب حضرت عیسی موتم الأ شبال بن امام زید شہید بن امام علی زین العابدین بن سید الشہداء امام حسین علی جدہم وعلیہم الصلاۃ والسلام تک پہنچتا ہے۔ان کا خاندان واسط (عراق) سے ہندوستان آیا، اور ہندوستان میں ان کے جداعلیٰ سید محمد (صاحب دعوت صغریٰ تھے، جو سلطان التمش کے دربار سے وابسطہ تھے اور قطب الاقطاب خواجہ بختیار کاکی چشتی کے مرید تھے۔

ولادت وتعلیم!

آزاد کی ولادت یکشنبہ ۲۵ رصفر ۱۱۱۶ھ کو بلگرام میں ہوئی، اور وہیں انھوں نے اپنے بچپن اور عنفوان شباب کی منزلیں طے کیں۔آزاد نے علم وتدین کے ماحول میں آنکھیں کھولیں، اور روحانیت ومشیخت کی فضاؤں میں پروان چڑھے،ان کی دادھیال اور نانہال بلکہ پورے خاندان میں علم وفضل کے چشمے بہہ رہے تھے، اور انھیں سیراب ہونے کے لئے کہیں جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ چناچہ انھوں نے تمام مروجہ تعلیم بلگرام میں اپنے خاندان کے بزرگوں ہی سے حاصل کی۔آزاد نے اپنی کتابوں میں نہ صرف اپنے اساتذہ کا ذکر کیا ہے بلکہ کس سے کیا اکتساب کیا ہے اس کو بھی تحریر کیا ہے۔ان تحریروں کے بموجب انھوں نے بیشتر درسی کتابیں سید طفیل محمد اَترولوی متوفی ۱۱۵۱ھ سے پڑھیں، اپنے نانا سید عبدالجلیل بلگرامی سے حدیث،لغت اور سیرت وغیرہ فنون کا اکتساب کیا، اور اپنے ماموں سید محمد بلگرامی متوفی ۱۱۸۵ھ سے ادب عروض اور قافیہ کا علم حاصل کیا۔حرمین شریفین میں شیخ حیات محمد سندی مدنی متوفی ۱۱۶۳ھ سے صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث کا درس لیا اور ان کی اجازت پائی۔اور شیخ عبدالوہاب طنطاوی شافعی مصری متوفی ۱۱۵۷ھ نزیل مکہ مکرمہ سے بھی حدیث شریف میں اکتساب فیض کیا۔

بیعت واجازت!

تصوف وروحانیت کے پروردہ آزاد سن شعور کے آغاز سے ہی ذکر وفکر اور تزکیہ ومجاہدہ کی طرف مائل تھے، چناچہ اپنی خاندانی روایت کے مطابق ۱۱۳۷ھ میں میر سید لطف اللہ چشتی

بلگرامی رحمہ اللہ کے ہاتھوں پر سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں بیعت ہو گئے، اور شیخ کی جانب سے سلسلے کی اجازت وخلافت سے بھی سرفراز کئے گئے۔

سفر وسیاحت!

آزاد کے بعض سوانح نگاروں کے مطابق انھوں نے بلگرام میں اپنی تعلیم کی تکمیل کے بعد مزید تعلیم کے لئے دہلی کا سفر کیا تھا، لیکن وہاں انھوں نے کیا پڑھا اور کس سے پڑھا اس ضمن میں کچھ معلومات دستیاب نہیں ہیں۔ تعلیم سے مکمل فراغت کے بعد اپنے ماموں سید محمد کے بلانے پر انھوں نے سندھ کا سفر کیا جہاں ان کے ماموں ایک سرکاری منصب (محصل و پرچہ نویس) پر فائز تھے، آزاد کے وہاں پہنچنے پر ان کے ماموں انھیں اپنا قائم مقام بنا کر بلگرام واپس آ گئے جہاں وہ چار سال تک مقیم رہے۔ اس درمیان آزاد نے ان کی ذمہ داریوں کو بخیر خوبی نبھایا۔ سندھ سے واپسی کے دوران انھیں دہلی میں یہ اطلاع ملی کہ ان کا خاندان عارضی طور پر الہ آباد میں مقیم ہے، لہذا انھوں نے دہلی سے الہ آباد کا سفر کیا اور وہاں کچھ عرصہ قیام بھی کیا۔

سفر حج وزیارت!

بچپن میں آزاد کو خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کا شرف ملا تھا، اور وہ اسی وقت سے بارگاہ نبوی میں حاضری اور کعبۃ اللہ کی زیارت کے لئے بے چین و مضطرب رہتے تھے۔ ان کے روح کی تڑپ اور شوق کی سوزش بڑھتی رہی یہاں تک کہ انھیں یارائے صبر وشکیب نہ رہا، اور ۱۱۵۰ھ میں وہ گھر سے دیار حبیب کی طرف نکل پڑے، نہ کچھ زاد سفر، نہ کسی کو اطلاع وخبر اور نہ کوئی رفیق وراہبر، لیکن اس دیوانگی میں بھی ہشیاری کا یہ مظاہرہ کیا کہ سفر کے معروف راستے کو چھوڑ کر صحراؤں اور بیابانوں کا راستہ اختیار کیا تا کہ کوئی ان کی راہ محبت میں رکاوٹ نہ بن سکے، اور کوئی ان کے سفر شوق میں حائل نہ ہونے پائے۔ اور ہوا بھی کچھ ایسا ہی، جب ان کے گھر والوں کو ان کے اس سفر بے سروسامانی کا پتہ چلا تو ان کے بھائی میر سید غلام حسین نے حج کے معروف راستے پر تین منزل تک ان کی تلاش کی، لیکن جب ان کا کوئی سراغ نہیں ملا تو واپس آ گئے۔

آزاد نے اپنے اس سفر اور اس کی حکایات کو عربی وفارسی اور نظم ونثر میں بے حد دل آویز اور رقت انگیز اسلوب میں بیان کیا ہے، اور ''ذکر حبیب کم نہیں وصل حبیب سے'' کے تحت بار بار اور مختلف انداز میں کیا ہے، حتی کہ سبحہ وغیرہ میں ان کی خودنوشت سوانح حیات کا بیشتر حصہ سفر حرمین

شریفین کے ذکر ہی پر مشتمل ہے۔ فارسی میں ''طلسم اعظم'' کے نام سے ان کی ایک مثنوی ہے جو خاص اس مبارک و مسعود سفر کے احوال پر مشتمل ہے، اور یہی عنوان اس سفر کا مادۂ تاریخ بھی ہے۔ عربی کے بھی متعدد قصائد میں انھوں نے اپنے جذب وشوق کو نظم کیا ہے۔

هـاج البكـاء إلـى منـازل رحمة مسـقية بـالـديـمة الهـطـلاء

مـا لاح مـن نـحو الأبـارق بـارق إلا و أزكـى الـنـار في أحشـائـى

و جلست في كمدٍ على بعد المدى شتـان بيـن الهـنـد و الـزوراء

لـوكـنـتُ أُخبر جيرتى و عشيرتى لتـزاحـموا بيـنـى و بين رجـائى

لـو لا إعـانة جـذبة نبـوية أصبحـت في يـدهـم من الأسراء

جذبۂ شوق ومحبت کی یہ دلنشین تعبیر اور ایمان افروز تصویر کشی آزاد ہی کا حصہ ہے، فللہ درہ، علماء نے اس کی دو توجیہات بیان کی ہیں: ایک تو ہندوستانی ثقافت، اور دوسرے اس ملک کی دیار مقدسہ سے دوری، لیکن اس کا ایک اور بھی سبب ہے جس کی طرف ان کے کسی سوانح نگار کی نظر نہیں گئی اور وہ ہے ان کی چشتی نسبت کیونکہ اس کا محرک سلسلہ ہی عشق ہے۔

طویل صحرا نوردی اور دشت پیمائی، اور بے شمار تکلیفوں اور مصیبتوں کے بعد وہ مالوہ پہنچے جہاں نواب آصف جاہ ایک مہم کے سلسلے میں اپنے لشکر و سپاہ کے ساتھ خیمہ زن تھا۔ اب آزاد اپنے گھر اور اہل خانہ سے اتنی دور پہنچ چکے تھے کہ ان کے لئے سفر کو پوشیدہ رکھنا کوئی مسئلہ نہیں تھا، علاوہ ازیں ان پر ''تزودوا'' کی حقیقت بھی پوری طرح آشکارہ ہو چکی تھی، چنانچہ انھوں نے اپنی غنی طبیعت کے باوجود محض سفر میں تعاون حاصل کرنے کے لئے نواب کی شان میں ایک رباعی کہی:

اے حامی دیں مہبط جود و احساں حق داد ترا خطاب آصف شاہاں

از تخت بہ درگاہ سلیماں آورد تو آل نبی را بہ در کعبہ رساں

مآثر الکرام میں خود فرماتے ہیں کہ:

''فقیر نے قدرت کلام اور موزونیٔ طبع کے باوجود تمام عمر امراء ورؤساء کی مدح سرائی کے لئے کبھی زبان نہیں کھولی لیکن یہ رباعی محض اس سفر میں استعانت کے خیال سے نوک زبان پر آ گئی''

نواب نے رخت سفر اور سواری کا انتظام کر دیا۔ محرم ۱۱۵۱ھ میں آزاد جدہ پہنچے جہاں ان کی ملاقات حضرت سید محمد فاخر زائر الہ آبادی متوفی ۱۱۶۴ھ سے ہوئی، دونوں ہم مشرب بھی تھے اور

غائبانہ متعارف بھی۔ آزاد عمرہ کرتے ہوئے مدینۂ طیبہ پہنچے اپنی تمناؤں اور آرزؤں کی منزل، اور بارگاہ رسول میں عرض گزار ہوئے:

قد جئتُ بابكَ خاشعاً متضرعاً ما لي وراءك كاشفُ الضراء
أحسن إلى ضيفٍ ببابك واقفٍ شأنُ الكرام ضيافة الغرباء

اور وہاں ان کا قیام آٹھ ماہ کے قریب رہا، جس میں انھوں نے شیخ محمد حیات سندی سے درس حدیث لیا، اور تمام اماکن مقدسہ کی زیارت کی، مدینے میں اپنے اس طویل قیام سے بھی انھیں سیرابی نہیں حاصل ہوئی، اور حج کا موسم آیا تو بارگاہ رسول ﷺ میں اذن سفر طلب کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں:

عليك سلامُ الله يا أشرفَ الورى لقد سالَ دمعي في فراقك فانيا
وما أنا كالذي جاء منهلا فذاق و لكن عادَ ظمآنَ باكيا

آزاد شوال میں مکہ مکرمہ حاضر ہوئے، اور حج کے بعد بھی وہاں کئی ماہ مقیم رہے، اس درمیان انھوں نے وہاں کے تاریخی مقامات کی زیارت اور وہاں کے علماء و مشائخ کی صحبت سے فیض حاصل کیا، بالخصوص شیخ طنطاوی کے علم و فضل اور ان کی صحبتوں سے استفادہ کیا۔ ایک بار جب آزاد نے شیخ کو اپنے تخلص (آزاد) اور اس کے معنی سے مطلع کیا تو شیخ نے برجستہ فرمایا کہ: "**یاسیدی أنتَ من عتقاء الله**" یعنی: جناب آپ اللہ تعالی کے آزاد کردہ میں سے ہیں۔ شیخ کی زبان سے نکلے اس جملے کو آزاد نے اپنے لئے بشارت خیر سمجھا، اور اپنے تخلص سے ان کا انس مزید بڑھ گیا۔

۳ر جمادی اولیٰ کو آزاد جدہ سے روانہ ہوئے، راستے میں مخا کی بندرگاہ پر ان کا جہاز لنگر انداز ہوا، وہاں آزاد نے سلسلۂ شاذلیہ کے مؤسس حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی متوفی ۶۵۶ ھ کے مزار پر حاضری دی۔ ۲۹ جمادی اولی ۱۱۵۲ھ کو ان کا جہاز سورت پہنچا، اور اس طرح ان کا سفر حج و زیارت اختتام کو پہنچا، انھوں نے اس کے خاتمے کی تاریخ ''سفر بخیر'' سے نکالی ہے۔

قیام دکن!

سورت سے آزاد اورنگ آباد پہنچے اور باباشاہ مسافر متوفی ۱۱۲۶ھ کی خانقاہ میں اقامت گزیں ہوئے۔ ۱۱۵۹ھ میں ان کی ملاقات نظام آصف جاہ کے صاحبزادے نواب ناصر جنگ سے ہوئی، اور

دونوں میں گہرے مراسم پیدا ہوگئے۔فقر وشاہی کے درمیان یہ ربط وتعلق بڑا پائدار اور دیر پا رہا، جس میں ناصر جنگ کی علم دوستی اور نیاز کے ساتھ ساتھ آزاد کے استغناء و بے نیازی کا برابر کا حصہ تھا۔آزاد نے ان کی رفقت ومعیت میں دکن کے کئی شہروں کی سیاحت کی۔۱۱۶۵ھ سے ۱۱۶۸ھ تک آزاد نے حیدرا باد میں قیام کیا اور پھر اورنگ آباد واپس لوٹ آئے ،اور باقی عمر وہیں گزار دی، ان کی بیشتر تصنیفات اسی عہد کی یادگار ہیں۔اس عرصے میں تصنیف وتالیف کے علاوہ تدریس وافادہ اور خدمت خلق ان کی مشغولیت کا حصہ تھے۔

۱۱۹۵ھ میں وہ باقی ماندہ دنیوی علائق سے بھی کنارہ کش ہوگئے، اور اپنے آخری سفر کی تیاری شروع کردی۔انھوں نے خلد آباد میں محبوب الٰہی کے خلیفہ برہان الدین غریب رحمۃ اللہ علیہ کے مرقد کے قریب اپنی آخری آرامگاہ کے لئے ایک قطعہ زمین خریدا اور اس کا نام عاقبت خانہ رکھا۔اس سلسلے میں انھوں نے ایک تقریب برپا کی جس میں علماء ومشائخ اور دوست واحباب کو مدعو کیا اور فردا فردا تمام حاضرین سے معافی مانگی، ان کے اس طرز عمل سے ساری محفل سوگوار ہوگئی، مگر وہ خود پوری طرح ہشاش وبشاش اور ''یار خندارود بجانب یار'' کا مصداق بنے رہے۔اس کے بعد آزاد پانچ سال مزید بقید حیات رہے اور ۲۴/ذیقعدہ ۱۲۰۰ھ/۱۵ستمبر ۱۷۸۵ء کو اس دار فانی سے رحلت کر گئے۔رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ان کے لوح مزار پر مرقوم ہے:

ھو الحیٔ القیوم

حسان الہند غلام علی آزاد حسینی واسطی بلگرامی

''آہ غلام علی آزاد''

وفات:۲۴/ذیقعدہ ۱۲۰۰ھ

اخلاق وعادات!

آزاد کو فقر وتصوف کی روایت گھر سے ملی تھی، وہ اس روایت کے امین بھی تھے اور علمبردار بھی۔ وہ صرف چشتی نسبت ہی نہیں رکھتے تھے بلکہ اپنے عادات واطوار اور اخلاق وکردار میں سرتاپا حقیقی چشتی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ وہ صوفیائے کرام کی شان استغناء کے مجسم نمونہ تھے۔ دنیا اپنی تمام جلوہ سامانیوں کے ساتھ ان کے چاروں طرف بکھری ہوئی تھی لیکن انھوں نے کبھی بھی اسے درخور اعتناء نہیں سمجھا۔ اور ان کا یہ استغناء اضطراری نہیں بلکہ اختیاری تھا۔انھیں حصول دنیا کے بے شمار مواقع حاصل تھے لیکن وہ ہمیشہ اس سے کنارہ کش

رہے۔نواب ناصر جنگ سے اپنے گہرے مراسم وتعلقات کو بھی انھوں نے کبھی دنیا طلبی کے لئے استعمال نہیں کیا۔اس سلسلے میں احباب واقرباء کا شدید ترین اصرار بھی ان کے استقامت کو متزلزل نہیں کرسکا۔سبحہ میں فرماتے ہیں کہ:

''بہتوں نے مجھ سے اصرار کیا کہ میں کوئی شاہی منصب اختیار کروں، اور دنیا کے لبریز جاموں کونوش کروں،لیکن میں نے اپنے دامن کو دنیوی گرد و غبار سے کبھی آلودہ ہونے نہیں دیا، اور کبھی جادۂ استقامت کو چھوڑ کر اس دنیائے پرفریب کے جال میں نہیں پھنسا۔اپنے احباب سے میں نے ہمیشہ یہی کہا ہے کہ اس دنیا کی مثال دریائے طالوت کی طرح ہے جس کا ایک چلوتو حلال ہے لیکن اس سے زیادہ حرام ہے۔''

آزاد ساری زندگی خدمت خلق میں مصروف رہے،اصحاب اختیار اور اہل ثروت سے اپنے روابط کو خلق خدا کی غمگساری اور چارہ جوئی میں استعمال کرتے رہے۔ان کا یہ طرز عمل ہندوستان میں سلسلۂ چشتیہ کے عہد زریں کے بزرگوں کی یاد دلاتا ہے۔

تلامذہ!

بے شمار لوگوں نے آزاد کے علم وفضل سے استفادہ کیا۔اہم شاگردوں میں میر عبدالقادر مہربان اورنگ آبادی، لچھمی نرائن شفیق صاحب گل رعنا،عبدالوہاب افتخار دولت آبادی مصنف تذکرۂ بے نظیر،اور ضیاء الدین پروانہ وغیرہ شامل ہیں۔

تصنیفات!

آزاد نے عربی و فارسی میں بہت سی نثری اور شعری کتابیں تصنیف کیں،اردو کے بعض اعمال بھی ان کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں لیکن ان کی صحت مشکوک ہے،البتہ یہ ہرگز بعید از قیاس نہیں ہے کہ انھوں نے اردو،ہندوی میں کچھ لکھا یا کہا ہو کیونکہ یہ ان کی خاندانی روایت اور طبیعت دونوں سے ہم آہنگ ہے۔

فارسی!

آزاد کی فارسی کی نثری تصنیفات میں: مآثر الکرام (ڈیڑھ سو سے زائد علماء ومشائخ بلگرام کا تذکرہ، چند غیر بلگرامی حضرات کا بھی ذکر ہے)،خزانۂ عامرہ (تقریباً ۱۳۵ شعرائے فارسی کا تذکرہ)،سرو آزاد (تذکرۂ شعرائے فارسی و ہندوی)، روضۃ الاولیاء (خلد آباد میں مدفون دس

اولیاء اللہ کا تذکرہ) و غیرہ (مطبوعات)،اور سند السعادات في حسن خاتمة السادات (رضالائبریری، رامپور، سیرت ومناقب ۱۱/) غزلان الہند (سبحۃ المرجان کے آخری دو بابوں کا فارسی ترجمہ)، ید بیضاء (فارسی شعراء کی سوانح عمریاں)، شجرۂ طیبہ (سادات وشیوخ بلگرام کا شجرہ)، انیس المحققین (آزاد کے شیخ اور دوسرے تین صوفیاء کی سیرت)،اور تذکرہ صوبہ داران اودھ، وغیرہ (مخطوطات) ہیں۔

فارسی شاعری میں دیوان آزاد، بیاض آزاد (ترتیب)، قصائد آزاد، مثنوی تتمہ امواج خیال، مثنوی سراپائے معشوق وغیرہ ہیں۔

عربی!

۱- **سبحة المرجان في آثار هندوستان**، آزاد کی سب سے مشہور تصنیف ہے،اور آزاد کی زندگی میں ہی اسے شہرت مل گئی تھی۔ یہ کتاب چار فصلوں پر مشتمل ہے، فصل اول: تفسیر و حدیث میں وارد ہندوستان کے تذکرے سے عبارت ہے۔ آزاد نے اس موضوع پر پہلے ایک مستقل رسالہ لکھا تھا جسے بعد میں کچھ اضافات کے ساتھ اس کتاب میں ضم کر دیا۔ دوسری فصل: ہندوستان کے چند علماء کا تذکرہ ہے۔ تیسری فصل: محسنات کلام کے موضوع پر ہے۔ اور چوتھی فصل: عشاق ومعشوقات اوران کے انواع واقسام پر مشتمل ہے، یہ اپنی نوعیت کا بالکل انوکھا موضوع ہے۔ کتاب کی پہلی طباعت ممبئی سے ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء میں ہوئی، دوسری طباعت ادارۂ علوم اسلامیہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ۱۹۷۶ء میں ڈاکٹر فضل الرحمان سیوانی ندوی کی تحقیق کے ساتھ ہوئی۔

۲- **ضوء الدراري شرح صحيح البخاري**، بخاری شریف کی کتاب الزکاۃ تک کی شرح ہے، جسے امام قسطلانی کی ارشاد الساری سے ملخص کیا ہے، اور بہت سے علمی نکات وفوائد کا اضافہ کیا ہے۔اس کا قلمی نسخہ ندوہ لائبریری (مجموعہ نور الحسن، نمبر: ۳۶۴) میں موجود ہے۔

۳- **تسلية فواد في قصائد آزاد**، بعض قصائد ومراثی کا مجموعہ ہےاور جن شخصیات کے لئے یہ کہے گئے ہیں ان کے سوانحی خاکے بھی کتاب میں شامل ہیں،اس کا قلمی نسخہ مسلم یونیورسٹی میں آزاد لائبریری کے شعبۂ مخطوطات (جواہر میوزیم ۷۰/ اوراق)،اور مکتبہ عارف بک مدینہ منورہ میں موجود ہے۔

۴۔ **شفاء العليل**،اس کتاب میں مشہور عربی شاعر متنبّی متوفی ۳۵۴ھ کی شاعری پر آزاد کی تنقیدات و اصلاحات ہیں۔آزاد نے اس کتاب میں ناقد اور مصلح دونوں کا کردار ادا کیا ہے اور اس لحاظ سے متنبّی پر اپنے نوعیت کی یہ واحد کتاب ہے۔آزاد نے اس میں واحدی کی شرح پر اعتماد کیا ہے۔ پروفیسر نثار احمد فاروقی صاحب نے اس کا ایک معتد بہ حصہ اپنی عالمانہ تحقیقات کے ساتھ مرکزی حکومت کے عربی رسالے 'ثقافۃ الہند' میں شائع کیا ہے۔قلمی نسخہ آصفیہ، حیدرآباد (رقم:۱۱۱۳) میں موجود ہے۔

۵۔ کشکول، آصفیہ، حیدرآباد (رقم:۲۴۲)۔

اسماعیل پاشا بغدادی، کحالہ، اور ڈاکٹر جمیل احمد نے ان کی کچھ اور نثری تصنیفات کے نام دئے ہیں، جیسے **الأمثلة المترشحة من القريحة ، نصاب القصيدة في التغزل ،** اور **تعليق على مرآة الجمال لنفسه**۔لیکن اول الذکر غالباً کوئی کتاب نہیں ہے بلکہ سبحہ میں موجود ان کی خودنوشت سوانح کی ایک عبارت سے یہ وہم ہوتا ہے کہ یہ بھی کسی تصنیف کا نام ہے۔

عربی شاعری!

عربی شاعری آزاد کا اصلی میدان ہے،عربی میں ان کے ایک دو نہیں بلکہ دس دواوین ہیں، جن میں سے صرف چار مطبوعہ ہیں، پہلا اور تیسرا مطبع کنز العلوم، حیدرآباد سے شائع ہوا ہے، اور دوسرا حیدرآباد ہی کے ایک مطبع لوح محفوظ سے شائع ہوا ہے، ان میں سے کسی پر تاریخ طباعت مذکور نہیں ہے۔چوتھا دیوان فارسی کے طرز پر مردف اور پانچواں مستزاد ہے، چھٹا دیوان ۹۳-۱۱۹۲ھ میں کہے جانے والے قصائد پر مشتمل ہے جبکہ ساتویں میں ۹۴-۱۱۹۳ھ کے قصائد ہیں۔ان ساتوں دواوین کو خود آزاد نے ایک جلد میں جمع کر کے اسے '**السبعة السيارة**' کا نام دیا تھا جو قلمی نسخے کی شکل میں ندوہ کی لائبریری کے شعبہ مخطوطات میں (زیر رقم:۱۴۴۴) موجود ہے۔آٹھواں دیوان کا قلمی نسخہ آزاد لائبریری علی گڑھ کے سبحان اللہ کلکشن میں موجود ہے، نواں دیوان مطبوعہ ہے اور شاعر کے تجویز کردہ 'تحفۃ الثقلین' کے نام سے ۱۲۹۴ھ میں مطبع نور الانوار آرہ سے شائع ہوا ہے۔دسواں دیوان بھی علی گڑھ میں ہے۔بعض مصادر کے مطابق انھوں نے اپنے نعتیہ قصائد کو 'أرج الصبا في مدح المصطفیٰ' کے نام سے ایک جلد میں جمع بھی کیا تھا۔ڈاکٹر عبدالعلیم نظامی حیدرآبادی نے راقم کے اشراف میں اس کتاب کی تحقیق و تدوین کا کام ۲۰۱۶ء میں مکمل کیا ہے، اور ان کا مقالہ پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لئے جمع کیا جا چکا ہے۔

ان دواوین کے علاوہ 'مرآة الجمال' کے نام سے ۱۰۵ اشعار کا ایک نونیہ قصیدہ ہے جس میں سر سے پیر تک محبوب کا وصف بیان کیا ہے اور ہر عضو کا چار مصرعوں میں ذکر کیا ہے، یہ قصیدہ شاعر کی ندرت بیانی کا ایک شاہکار ہے، جس میں کوئی شاعر ان کا شریک نہیں۔ مثلاً محبوب کے ابرو، آنکھیں اور اس کی گندھی زلفوں کے بارے میں علی الترتیب فرماتے ہیں کہ:

أبصر حواجبها و أدرك كنهها　　غصنان منحنيان وسط البان
أوكافران يشاوران ليوقعا　　آمالنا في موقع الحرمان
طرفا الحبيبة ماكران تعارضا　　و تغافلا عن رؤية الجيران
أو نرجسان على غصين واحد　　و هما بماء مسكر نضران
آ ضفيرتان على بياض خدودها　　أو في كتاب الحسن سلسلتان
أو ليلة العيدين أقبلتا معا　　أو من قصائدهم معلقتان

آزاد کو خود بھی اپنی اس اختراع کے انوکھے پن کا خوب ادراک واحساس تھا، فرماتے ہیں:

ما إن سمعنا مثلها عن شاعر　　آزاد للطرز المنشّط بان

اس قصیدے کا ایک قلمی نسخہ خدا بخش لائبریری بانکی پور (پٹنہ) میں ہے (نمبر: ۲۶۴۱)۔

ان کی ایک طویل عربی نظم مظہر البرکات کے نام سے بھی ہے جو ۳۵۰۰ اشعار پر مشتمل ہے، یہ نظم مثنوی کے وزن پر ہے، اور نازک خیالی، شیریں مقالی اور سادہ بیانی کا ایک خوبصورت نمونہ ہے، اس مثنوی میں سات دفتر ہیں ہر ایک کا آغاز حمد سے ہوتا ہے، اور اس کا موضوع صوفیانہ حکایتیں اور اخلاقی کہانیاں ہیں۔ یہ مثنوی مطبعہ عزیزیہ، حیدرآباد سے ۱۹۷۹ء میں شائع ہو چکی ہے۔ ڈاکٹر شلقامی کے مطابق ان کے تمام عربی اشعار کی تعداد تقریباً ۱۷۰۰۰ ہے۔

حسان الہند!

فارسی شاعر خاقانی متوفی ۵۹۵ھ/۱۱۹۸ء کو اہل ایران نے اس کی نعتیہ شاعری کے سبب حسان العجم کا لقب دیا ہے، اور آزاد کو اہل ہند نے حسان الہند سے ملقب کیا، اور بلاشبہ خاقانی کے مقابلے میں وہ اس لقب کے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ خاقانی کے برخلاف انھوں نے حضرت حسان کی زبان بھی استعمال کی ہے۔

آزاد ایک عبقری فنکار اور فطری شاعر تھے۔ نازک خیالی، احساس جمال کی قوت، عشق کا جوش وخروش، بلیغ استعارات اور خوبصورت تشبیہات کے استعمال پر قدرت، ادبی شعری اور بلاغی

علوم وفنون میں مہارت ان کے وہ اوصاف ہیں جس میں ہندوستان کا کوئی عربی شاعراور یہاں کی کسی زبان کا کوئی بھی نعت گوشاعران کا شریک وسہیم نہیں ہے۔

وہ پہلے شاعر ہیں جس نے اپنی شاعری میں ہندوستان کی عظمتوں کے نغمے گائے ہیں، انھوں نے عربی شاعری میں ہیئت،صنف، اور وزن کے نئے نئے تجربے کئے، اور متعدد عجمی موضوعات وصنائع کو عربی زبان کا لباس دیا۔اس تجدیدی واختراعی رجحان کے باوجود انھوں نے اپنے موضوعات، اسلوب بیان، وصف اور تشبیہ سبھی میں عام طور پر قدماء ہی کی تقلید کی ہے اوران کے شعری مناہج ہی کی اتباع کی ہے۔عرب شعراء کی طرح وہ بھی منزل محبوب اوراس کے آثار وکھنڈرات (اطلال) کے ذکر کے ساتھ اپنے قصائد کا آغاز کرتے نظر آتے ہیں۔ بلکہ ان شعراء سے ایک قدم آگے بڑھ کر وہ اس موضوع کو مستقل صنف بنا دیتے ہیں، چنانچہ '**القصيدة الطللية**' کے نام سے ان کا ایک قصیدہ ہے جو ابتداء تا انتہاء منزل محبوب کے آثار کے ذکر پر مشتمل ہے۔

آزاد نے مختلف اصناف سخن پر طبع آزمائی کی لیکن نعت اورغزل ان کا بنیادی میدان ہے، بلکہ حقیقت تو یہ کہ ان کی غزلیں بھی ان کی نعتیہ شاعری ہی کا تسلسل ہیں، جنھیں رمزی نعتیہ شاعری کا نام دیا جاسکتا ہے، اوراس طرح ہم بجا طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کی شاعری صرف نعتیہ شاعری سے عبارت ہے۔اور یہ ان کا ایسا وصف ہے جس کی رو سے بھی وہ خاقانی کے مقابلے میں ''لقب حسان'' کے زیادہ مستحق قرار دئے جاسکتے ہیں۔ مداحی رسول کی غیرت نے کبھی گوارا نہیں کیا کہ وہ اہل دول کی مدح سرائی کریں۔ان کے مطابق نعت گوئی ہی شاعر کا اصلی وظیفہ ہے اور مدح رسول کے بعد کسی کی مدح ایسا عیب ہے جو میری شاعری کو بھی عیب دار بنا دیتا ہے:

حصّلتُ بالمدح الكريم سعادةً هذا أخص عبادة الشعراء

توصيف غيرك بعد مدحك مشبه بيتا تضمن وصمة الإقواء

ناصر جنگ کی مدح میں کہے گئے ان کے چار مصرعے ان کے ہزاروں ہزار عربی اشعار میں ناقابل شمار ہیں، اور وہ بھی مدح کے ارادے سے نہیں بلکہ صرف اور صرف اظہار تفنن کے طور پر ہو گئے تھے، ہوا یوں تھا کہ ایک دن آزاد نواب ناصر جنگ کے ساتھ سفر میں تھے، اور مختلف النوع علمی گفتگو کا سلسلہ جاری تھا، اثنائے کلام احد پہاڑ کے سلسلے میں اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان مبارک" **هذا جبل يحبنا و نحبه** "(یہ ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں) کی بات آگئی تو آزاد نے برجستہ یہ دوشعر کہے۔

هو ناصر الإسلام سلطان الورى أبقاه في العيش المخلد ربه
حاز المناقب و المآثر كلها جبل الوقار يحبنا و نحبه

سبحہ میں فرماتے ہیں کہ: "و ما نظمتُ في مدحِ غني إلا هذين البيتين"

آزاد نے اپنی نعتیہ شاعری میں حضرت کعب بن زہیر صاحب قصیدہ بردہ رضی اللہ عنہ کے طریقے کو اختیار کرنے کا دعویٰ کیا ہے، بلکہ انھیں اپنا معنوی استاذ قرار دیا ہے:

نَسجتُ كابن زهير برد مدحته لقد غدا قلم الأستاذ منوالي

آزاد کو اپنی شاعرانہ عظمت اور ہندوستان میں اپنی انفرادیت کا پورا ادراک وشعور تھا، مثنوی مظہر البرکات کے دفتر اول میں فرماتے ہیں کہ:

بارك الله فيك يا آزاد قد أرحت السماع بالإنشاد
قد تجلى سناك بالهند أين شمع سواك بالهند
أنت سيف مهند و الله للمعاني مجدد و الله

بلکہ کبھی کبھی تو وہ خود کو عظمائے مداحین رسول ﷺ کی صف میں شمار کرتے ہیں، بے حد شاعرانہ انداز میں فرماتے ہیں کہ:

أثني عليك فحول فاق ألسُنُهم
كلامهم في مقام المدح ياصول
لا ضير إن كنت في الإخوان منتقصا
يرمي الوغى أحسن الأرماح مهزول
و رب ذي كبرٍ يعلوه ذي صغر
لا يبلغُ الخالَ في الإعجاب ثؤلول

اور آزاد کا یہ دعویٰ محض شاعرانہ تعلّی نہیں ہے بلکہ بسا اوقات اور بعض جہتوں سے وہ اکابرین پر فوقیت لے جاتے ہیں، مثلا روضۂ شریفہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کا ذکر دنیا کی تمام زبانوں میں کی جانے والی نعتیہ شاعری کا مشترکہ وصف ہے، بالخصوص عربی، فارسی اور اردو کا شاید ہی ایسا کوئی نعت گو شاعر ہو جس نے سبز گنبد اور سنہری جالیوں کو اپنا موضوع نہ بنایا ہو۔ اور آزاد روضۂ انور کے وصف میں اگلوں سے بھی آگے نظر آتے ہیں:

روحي الفداء لروضة قدسية مملوءة بلطافة و صفاء

بلغ المغارب و المشارق ضوئها ترنو إليها الشمس كالهرباء
ما أحسن القبر الذي في حجره خير البرية سيد البطحاء
طوبى لطيبة حيث ضم ضريحها جسما تنسم فوق سبع سماء
ولها شبابيك بأحسن صنعة صادت قلوبا من أهيل ولاء

مدینۂ طیبہ کا یہ محبت آمیز اور یقین افروز وصف بھی ملاحظہ فرمائیے:

سوح المدينة ما أجل ترابها تجد البصائر فيه فعل الأثمد
و غبارها المحسوس فوق هوائها كحل اليقين لمقلة المتردد
نصب لمَن ضل الطريق بسوحها عَلم الهدى من إصبع المتشهد
أشجارها قامت على ساق الهدى و طلالها مأوى الرجال السُجد
أملاك أطباق السماء طيورها و صفيرها ذكر الإله السرمد

بارگاہ رسول ﷺ کی عظمت کی یوں تصویر کشی کرتے ہے:

سكن الملائك في حوائط بيته مثل الحمائم في كوى الجدران
وقفوا كما تقف الشموع بسوحه ودموعهم في غاية الهملان
جلسوا على بسط الوقار تأدبا نسى الجناح طريقة الطيران

ان اشعار میں شاعر نے ملائکہ کی تین خیالی تصویریں بنائی ہیں: پہلی کبوتروں کی تصویر ہے جونہایت سکون کی حالت میں دیوار کے روشندانوں میں بیٹھے ہوئے ہیں، دوسری شمعوں کی تصویر ہے، جن سے حرارت کے سبب شفاف سائل موتیوں کی شکل میں لگاتار گر رہا ہے۔ اور تیسری تصویر میں فرشتوں کی جماعت ہے جو حالت خشوع وخضوع میں ایسی خموشی اور خود فراموشی کے ساتھ بیٹھی ہے، گویا ان کے پر طریقۂ پرواز بھول گئے ہوں۔

ڈاکٹر شلقامی عربی رسالے 'الأزہر' میں لکھتے ہیں کہ:

''اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جس نے بھی بوصیری وغیرہ کے روضۂ انور کے وصف کو پڑھ رکھا ہے وہ پائیگا کہ آزاد کا ''روضہ'' زیادہ متحرک، زندگی سے زیادہ بھرپور ،زیادہ معنویت کا حامل اور اپنے روحانی پس منظر کے اعتبار سے زیادہ غنی ہے۔''

آزاد نے اپنے نعتیہ قصائد میں سیرت نبوی کے تمام گوشوں کا احاطہ کیا ہے رسول کریم ﷺ کی ولادت سے وصال تک کے احوال واحداث کو نظم کیا ہے۔ نعت کے فنی تقاضوں کی رعایت

میں معجزات کے ذکر و بیان کا خاص اہتمام کیا ہے، اور انھیں مختلف پیرایوں میں نظم کیا ہے۔ اور اس ضمن میں ان کا شاعرانہ تخیل اور فکری پرواز اس بلندی تک پہنچ جاتی ہے جہاں کسی ناظم یا ناثر کے طائرِ فکر و سخن کا گزر نہیں۔ معجزۂ شق القمر کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس میں ایک کے بجائے دو خرقِ عادت کا مظاہرہ ہوا ہے، کیونکہ جس طرح چاند کا دو ٹکڑے ہونا معجزہ ہے اسی طرح اس کا دوبارہ مل جانا بھی معجزہ ہے:

أشار فانشق صدر البدرمؤتمرا   و الالتيام لعَمری خارق ثان

غزوۂ خیبر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے آنکھوں کی شفایابی کا یوں ذکر کرتے ہیں:

طابت شقائق صارت نرجسا نضرا   لما شفيت مريض الطرف من رمد

اسی موضوع کو امام بوصیری رحمہ اللہ نے اس طرح نظم کیا ہے:

و عيون مررت بها وهی رمد   فأرتها ما لا تری الزرقاء

آزاد نے بیمار آنکھوں کو سوزش و ورم کے پیش نظر 'شقائق نعمان' پھول (Windflower) قرار دیا ہے، جب کہ بوصیری نے مرض کا صریح ذکر کیا ہے جو بلا شبہ آزاد کے وصف سے فروتر ہے۔ پھر صحت یاب آنکھوں کے بیان میں دونوں نے الگ الگ پہلو کو اختیار کیا ہے آزاد نے اگر جمالیاتی پہلو کو چنا ہے اور اسے نرگس سے تشبیہ دی ہے تو بوصیری نے قوت بصارت کو ترجیح دی ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا، آزاد کی غزلوں کو بھی ان کی نعتیہ شاعری میں شمار کیا جانا چاہئے۔ ایسی بے شمار داخلی و خارجی شہادتیں موجود ہیں جن کی بنیاد پر ان کی غزلیہ شاعری کو کسی بھی صورت غزل واقعی نہیں قرار دیا جاسکتا ہے، ان کی غزلیں اپنے قالب میں نعت کی روح کو سموئے ہوئے ہیں، اور حقیقت کو مجاز کے پیرائے میں بیان کرنا صوفیائے کرام بالخصوص چشتی بزرگوں کا متوارث طریقہ رہا ہے۔ ان کی غزلوں میں جس طرح کثرت سے صوفیانہ رموز و اشارات ملتے ہیں وہ بھی ان کے غزل واقعی ہونے کی نفی کرتے ہیں۔ اور اگر ان کی غزلوں کے خاتموں کا مطالعہ کیا جائے تو وہی اس بات کے ثبوت کو کافی ہیں مثلاً اپنی ایک غزل کے اختتام میں کہتے ہیں کہ:

إذا أخذ الله الخلائق في غد   فمن لی سوی العشق المقدس شافع

وہ اپنی غزلوں میں محبوب کی جو تصویر کشی کرتے ہیں اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ ان کا محبوب اس عالم خاک و باد کا نہیں بلکہ کسی اور عالم کا ہے۔ فرماتے ہیں کہ: ''میرا مقام تو محبوب کی

پاپوش کی جگہ ہے اور اس کی بساط تو وہ صرف بڑوں کے لئے مخصوص ہے۔"

ما موضعی إلا محل نعالها　　أما البساط فموضع العظماء

اوران سب سے بڑھ کر خود آزاد کی اپنی تصریحات ہیں جن میں کسی تاویل کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اپنے ایک غزلیہ قصیدے میں کہتے ہیں کہ: "(یارسول اللہ) میں نے اخلاص کے ساتھ آپ کی مدح سرائی کی ہے، اور صرف آپ کی رضا کا طالب ہوں، اگر چہ بظاہر حسن تغزل میں مشغول ہوں"۔

مدحتك إخلاصا و وجهك مقصدی

و إن كنت مشغولا بحسن التغزل

آزاد دوسروں کو بھی مجاز کے سہارے حقیقت تک پہنچنے کی تلقین کرتے ہیں:

عش یا أخانا بالحقیقة شاغلا　　إن لم یكن فاشغل بحسن مجاز

لا تنتهج إلا طریق صبابة　　إن كنت تطلب أقوم المعجاز

توارد یا سرقہ!

آزاد کی عربی شاعری کا نہ کوئی قدردان تھا نہ نگہبان، چنانچہ وہ لفظی اور معنوی ہر دو سرقات کا شکار ہوئی۔ نواب صدیق حسن خاں کی کتاب اتحاف النبلاء میں ایسے بہت سے اشعار صاحب کتاب کی طرف منسوب ملتے ہیں جو آزاد کے اشعار سے اس قدر مشابہ ہیں کہ انھیں بتکلّف بھی توارد خاطر نہیں قرار دیا جا سکتا ہے، مثلاً مندرجہ ذیل مطلع وشعر:

یا غادة فتنتنی أین مرعاك　　و حیثما أنتِ عین الله ترعاك

إنی عشقت و ما عشقی بمبتدع　　الإنس و الجن و الأملاك تهواك

جبکہ آزاد کا قول یوں ہے:

یا ظبیة فتنتنی أین مرعاك　　و حیث أصبحت عین الله ترعاك

إنی هممت و ما أمری بمبتدع　　الآس و البان و الغزلان تهواك

اور اسی طرح پورے قصیدے کا حال ہے، جو ظاہر ہے کہ توارد نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس طرح کا عمل ہمیشہ کے لئے چھپایا نہیں جا سکتا، بقول آزاد کہ اندھیرے میں چراغ چرانے والا خود کو بھلا کیسے پوشیدہ رکھ سکتا ہے:

حاز الجواهر من كنزی و یكتمها

هل یختفی سارق المصباح في الظلم

تنقید آزاد!

کسی بھی شاعر کی طرح آزاد کی شاعری بھی تنقید سے بالاتر نہیں ایسا بھی نہیں ہے کہ ان کا کلام ہر عیب سے پاک اور ان کا ہر شعر معیاری ہو۔ اور ایسا ہونا بھی نہیں چاہئے کیونکہ وہ ایک پر گو اور کثیر الکلام شاعر ہیں اور ان کی شاعری عربی کے اصحاب منتخبات وحولیات کی شاعری بھی نہیں ہے۔ لیکن بایں ہمہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہمارے ہندوستانی ناقدین (**إن سلمنا وجودهم جدلاً**) نے ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا ہے، اور ان کی ایسی تصویر پیش کی ہے گویا ان کے یہاں کچھ بھی قابل اعتناء نہیں ہے اور ان کا کوئی شعر عیب بلکہ عیوب سے خالی نہیں ہے۔

آزاد پر اس غیر متوازن تنقید کا آغاز میری معلومات کے مطابق علامہ شبلی نعمانی صاحب سے ہوا، اور بعد میں آنے والے بغیر کسی غور وفکر کے شبلی کے اقوال ہی کو دہراتے رہے ہیں۔ لطف تو یہ ہے کہ شبلی کی تنقید کی بازگشت ان حضرات کی تحریروں میں بھی سنائی پڑتی ہے جو شاید آزاد کے اشعار کو اچھی طرح سمجھ بھی نہ سکتے ہوں۔ شبلی وغیرہ کی آزاد پر تنقید کا خلاصہ یہ ہے: کہ ان کی شاعری پر عجمیت غالب ہے، وہ عربی اسالیب بیان کا التزام نہیں کرتے ہیں، اور ان کی شاعری صنائع و بدائع کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے۔ اور بقول شبلی آزاد اپنی شاعری کی ان صفات پر بڑے نازاں تھے "لیکن نکتہ سنج جانتے ہیں کہ یہ ہنر نہیں بلکہ عیب ہے" اور ان کا کلام "اگرچہ کثرت سے ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ انکے چہرۂ کمال کا داغ ہے" اور ان کی شاعری میں عجمی اثرات اس قدر ہیں کہ "اس کو عربی کہنا مشکل ہے۔"

بلاشبہ شبلی بہت بڑے ادیب وناقد تھے، اور عربی زبان وادب میں بڑی مہارت رکھتے تھے لیکن بایں ہمہ ان کی آراء وافکار سے اختلاف کیا جاسکتا ہے بلکہ وہ خود اس خوش رسمی کی بناء ڈالنے والوں میں سے ایک ہیں۔ آزاد پر ان کی اور دوسروں کی یہ تنقید دو جہتوں سے قابل تنقید ہے: پہلی یہ کہ ان کے ناقدین کی تعمیم مبالغہ آمیز ہے اور ان کا اطلاق مطلقاً خلاف واقعہ ہے۔

آزاد ایک عجمی شاعر تھے اور ان کی شاعری میں عجمیت کا اثر بالکل فطری بات ہے، لیکن ان کے ایسے اشعار کی تعداد بہت مختصر ہے جن میں انھوں کبھی بطور تفنن، کبھی عصری تقاضوں کے زیر اثر، اور کبھی عربی شاعری میں اضافے کی غرض سے عجمی اثرات کو قصداً عربی شاعری میں منتقل کرنے کی کوشش کی ہے، جیسا کہ اعشی اور ابونواس وغیرہ نے کیا ہے، ورنہ ان کے کلام کا غالب حصہ **لفظا و معنا** اور **قلبا و قالبا** عرب شعراء کے طرز پر ہے۔ انھوں نے عربی تراکیب،

تشبیہات اوراستعارات کواستعمال کیا ہے،عربی کے اسالیب کو برتا ہے،عربی کی بحروں،ہیئتوں، وزنوں اورصنفوں میں شاعری کی ہے،موضوعات میں بھی عموماً قدماء ہی کی تقلید کی ہے۔اس کے بعدان کی تمام شاعری کو عجمیت کے زیراثر کیسے قرار دیا جاسکتا ہے۔آج کے عرب ادباء وناقدین کو بھی اس بات کا اعتراف ہے ان کا بیشتر کلام 'عربی السلیقہ' ہے۔

آزاد پر دوسراالزام خالص عربی اسالیب بیان کا التزام نہ کرنے کا ہے،اس سلسلے میں صرف یہی کہنا چاہونگا کہ یہ وہ الزام ہے جس میں متنبّی اورابوالعلامعری بھی آزاد کے شریک ہیں، بقول ابن خلدون:

"إن نظم المتنبی و المعری لیس هو من الشعر في شيئ لأنهما لم یجریا علی أسالیب العرب من الأمم"۔

ظاہر ہے کہ جس عیب سے متنبّی اورمعری جیسے بڑے شعراء خودکونہیں بچاسکے اس کی بنیاد پر آزاد جیسے متاخرین اورعجمی شعراء کوہدف تنقید بنانا کیونکرمعروضی تنقید ہوسکتی ہے۔تیسراالزام ان کی شاعری میں لفظی اورمعنوی صنعتوں کی کثرت کا ہے،گزشتہ دونوں الزامات کی طرح یہ بھی ایک حقیقت ہے لیکن اسی درجے کی حقیقت یہ بھی ہے کہ ان کی جملہ شاعری کواسیرصنعت گری قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

اطلاق وتعمیم کے علاوہ اس تنقید کا دوسرا قابل گرفت پہلو یہ کہ اس میں شاعر کے عہد اور ماحول کی قطعی رعایت نہیں کی گئی ہے۔آزاد کا عہد فکری تفنن کا عہد تھا،اوران پر کی جانے والی تنقید میں عہد اوراس کے رجحانات کی رعایت ہونی چاہئے۔لیکن شبلی کی مشکل یہ تھی کہ ان کے سامنے عربی شاعری کا جونمونہ تھا وہ صرف اصحاب معلقات اورصدراسلامی کی شاعری تھی اورانھوں نے اسی معیار پرآزاد کوپرکھنے کی کوشش کی،اگروہ آزاد کا مقارنہ ان کے معاصرمملوکی وعثمانی شعراء سے کرتے تو کبھی اس نتیجے پرنہیں پہنچتے۔پھران کی طبیعت میں ''عظمت پسندی'' کا عنصر جس طرح غالب تھا کہ اگروہ آزاد کے ہم عصرشعراء سے واقف بھی ہوتے تو بھی وہ عصوراولی کے معیار سے کم پرراضی ہونے والے نہیں تھے۔

متاخرین نے بھی آزاد کی شاعری کے مثبت ومعروضی مطالعے کے بجائے صرف شبلی کی تنقیدات پرہی بھروسہ کیا۔اوراگرشبلی نے انھیں اصحاب معلقات کے معیار پرتولنے کی کوشش کی تھی تو ان حضرات نے جدید شعراء جیسے بارودی،شوقی اورحافظ وغیرہ سے ان کا مقابلہ وموازنہ

کیا۔اور یہ معیار بھی اتنا ہی غیر مناسب تھا جتنا شبلی کا معیار۔کسی شاعر اور اس کے فن کی حقیقی قدر و قیمت کا اندازہ تو اس کے معاصرین ہی سے اس کا موازنہ کر کے لگایا جاسکتا ہے۔اور اگر ہم عصر مملوکی و عثمانی کے شعراء سے آزاد کا موازنہ کریں تو پائینگے کہ ان کی حالت بہتوں سے اچھی ہے، اور اگر چہ لفظی صناعی اور تکلف و آورد کا ان کی شاعری پر کہیں کہیں گہرا اثر ہے لیکن بایں ہمہ وہ عموما قوی معنویت اور گہرائی و گیرائی کی حامل ہے۔

آزاد کے ساتھ اس ناانصافی کا ایک سبب ان کا ایک ایسے عہد میں ہونا ہے جسے ''دانشوران مغرب'' نے اتفاقِ رائے سے عہد زوال وانحطاط قرار دے دیا ہے، حتی کہ عربی ادب کی کتابوں میں بھی عہد جاہلی، اسلامی، اموی، عباسی اور عہد زوال کے نام ہی ادبی عصور کی تقسیم ملتی ہے۔ حالانکہ قاعدے کی رو سے پہلے چار عہدوں کی مانند آخری عہد کو عہد زوال کے بجائے عہد ترکی یا عہد مملوکی و عثمانی ہونا چاہئے، اور یہی بات زیادہ قرین انصاف ہے۔یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ہم اپنے حزم و احتیاط اور استشراق شناسی کے دعووں کے باوجود استشراقی و مغربی پروپیگنڈے کا شکار ہو جاتے ہیں۔اور ایسا ہی کچھ یہاں بھی ہوا ہے۔اور جب آزاد کا پورا عہد ہی عہد زوال ٹھہرا تو اس میں کسی صاحب کمال کی توقع اور کسی موازنے کی حاجت ہی نہ رہی، اور بے چوں و چرا شبلی کی رائے کو حرف آخر مان لیا گیا۔

اس میں شک نہیں کہ عربی ادب کے اس دور میں اپنے ماسبق دور کے مقابلے میں کسی قدر کمزوری در آئی تھی لیکن یہ ضعف و کمزوری اس کو دور زوال سے موسوم کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے ورنہ دور جاہلی یا زیادہ سے زیادہ جاہلی اور اسلامی دور کے علاوہ عربی ادب کے تمام ادوار کو اسی نام سے موسوم کیا جانا چاہئے۔

آخر اس تسمیہ کی وجہ کیا ہے؟ ڈاکٹر بکری شیخ امین اپنی کتاب ''مطالعات في الشعر المملوکی و العثمانی''میں اس کی بنیادی وجہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

"و لسنا ندری لذلك سببا ، اللهم إلا أن يكون هذا لعصر هو الذي قاوم جحافل الغرب التي استحكمت حينا من الدهر في هذه البلاد، و دفع الوثنيه التي جاء ت على سيوف التتار و رماحهم ، و ملأ المكتبة العربية التي خوت بمصيبة بغداد و سواها بالتراث العربي و الإسلامي المشرقين ، و أعاد إلى النفس العربية عزتها و ثقتها".

(ہم اس (تسمیہ) کی کوئی وجہ نہیں جانتے ہیں، سوائے اس کے کہ یہی وہ دور ہے جس نے مغرب کے ان عظیم لشکروں کا مقابلہ کیا جو ایک عرصے تک سرزمین عرب میں مضبوطی سے جمے ہوئے تھے، اور (عرب سے) اُس وثنیت اور بت پرستی کو دور کیا جو تاتاریوں کے شمشیر و نیزوں کے سہارے داخل ہوئی تھی، اور یہی وہ دور ہے جس نے عربی کتب خانوں کو، جو کہ بغداد وغیرہ کے سانحوں میں خالی ہو گئے تھے، عربی و اسلامی کتابوں سے بھر دیا، اور عربوں کی ضمیر کے عزت و اعتماد کو بحال کیا)

اس نام کی شہرت و قبولیت میں عربی ادب کے دور جدید میں الحاد و دہریت کی کثرت اور ترکی دور سے سیاسی و فکری اختلافات کا بھی نمایاں کردار رہا ہے۔

یہ دور ابن خلدون، ابن عربی، ابن فارض، سیوطی، سرخسی، ابن منظور، قلقشندی اور نویری وغیرہ کا دور ہے، اور جس دور میں ایسے افاضل ہوں اسے دور زوال کہنا کسی طرح جائز نہیں ہے۔ شیخ ابن تیمیہ، ابن جوزی اور ابن قیم بھی اسی دور کے ہیں۔

مغرب کا دوہرا معیار کوئی نئی چیز نہیں ہے پورے دور ترکی کو دور زوال کہنے والوں کے نزدیک عظمت و عبقریت کا معیار کیا ہے اس کے لئے ڈاکٹر بکری کی مذکورہ کتاب سے صرف مندرجہ ذیل مثال کافی ہے:

مشہور اسپینی نژاد فرانسیسی مصور و نقاش پابلو پیکاسو (۱۸۸۱۔۱۹۷۳ء) نے از راہ مزاح ایک دن خچر کی دم کو رنگ میں ڈبو کر اسے کینوس کے سامنے کر دیا خچر کی دم ہلنے سے کینوس پر آڑی ترچھی لکیریں ابھرنے لگیں، رنگ بدلتے رہے، دم ہلتی رہی اور لکیریں بنتی رہیں تھوڑی دیر میں مختلف رنگوں اور لکیروں سے کینوس کی سطح بھر گئی۔ اب ''فنکاری'' کے اس نمونے کے لئے ایک عنوان کی ضرورت تھی، پیکاسو نے کئی نام سوچے جیسے: شکست خوردہ سپاہی، فکر کی مکڑی، اشک محبوبہ اور تتلی کا نغمہ وغیرہ لیکن وہ خود ان ناموں سے راضی نہیں ہوا اور اس کے لئے ایک بے معنی عنوان ''بچیوں کی کائی'' تجویز کیا۔

اگلے دن یہ تصویر نمائش کے لئے پیش کی گئی اور ناقدین فن اس کے مطالعے، تحلیل و تجزیہ اور اس سے معانی کے استخراج و استنباط میں لگ گئے، کسی نے اسے بیسویں صدی کا معجزہ قرار دیا تو کسی نے اسے عصر حاضر کا بے مثال نمونہ بتایا، بعض کو اس کی تعریف و توصیف کے لئے مناسب الفاظ نہیں ملے تو اس نے حیرت و سکوت کے ذریعے اس 'نادرۂ روزگار' کو خراج تحسین پیش

کیا۔اخبار ورسائل نے ناقدین کے ان تبصروں کو شہ سرخیوں میں شائع کیا اور دنیا کی ایک زبان سے دوسری زبان میں یہ تبصرے منتقل ہوئے، یہاں تک کہ کوئی بھی 'محبّ فن' ایسا نہیں بچا جس نے ''بچیوں کی کائی'' کے بارے میں کچھ پڑھا یا سنا نہ ہو، اور ایک عاشق فن نے اس تصویر کو ساڑھے تین لاکھ اسٹرلنگ پاؤنڈ میں خرید لیا۔

یہ مغربی ''عبقریت'' کا معیار ہے، دوسری طرف پورا عہد مملوکی وعثمانی عہد زوال ہے۔ یہ عہد، جیسا کہ عرض کیا گیا، ادبی تفنن اور لفظی صناعی کا دور تھا، اوراس وقت عرب وعجم یا مشرق و مغرب کوئی بھی ان سے مستثنیٰ نہیں تھا، مثلاً ایک مملوکی شاعر کہتا ہے:

لقلبي حبيب ، مليح ، طريف　　بديع، جميل، رشيق، لطيف

اس شعر کے مفردات کے باہمی تبادل سے چالیس ہزار تین سو بیس شعر بنتے ہیں، عثمانی دور کے ایک شاعر نے کسی شادی کا مادۂ تاریخ اس طرح نکالا ہے کہ آخری شعر کے تمام حروف مہمل اور تمام حروف معجم سے الگ الگ وہی تاریخ نکلتی ہے، علاوہ ازیں اسی شعر میں اس تاریخ کا صراحتاً بھی ذکر موجود ہے۔ ؎

أيها الكامل يا من أخبَرَت　　عن علاه فئة بعد فئة

خذ تواريخا ثلاثا جُمِعَت　　لك في مفردِ بيتٍ مُنبِئة

بصريحٍ ، و حروف أعجِمَت　　و حروف أهمِلَت مُختَبِئة

عَمّ حول وسرور العرس وهُـ　　وَ ، ثلاثون و ألفٌ و مِئة

اس دور میں صنعت مہملہ اور معجمہ میں کتابیں تصنیف ہوئیں اور قصائد نظم کئے گئے، فیضی کی ضخیم بے نقط تفسیر قرآن "**سواطع الإلهام**" بھی اسی عہد کا ایک نمونہ ہے اس کی افادیت سے قطع نظر یہ زبان و بیان پر غیر معمولی قدرت کا ایک شاہکار ہے، اس میں ایسی تحریریں اور نظمیں لکھی گئیں جنھیں افقی طور پر پڑھئے تو مدح ہے اور عمودی طور پر پڑھئے تو ہجو ہے، یا انھیں عکسا وطردا پڑھنے پر الگ الگ معنی نکلتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ان نمونوں کی تعریف مقصود نہیں ہے لیکن یہ انسانی عقل کی پیداوار اور غور فکر کا نتیجہ ہیں۔انھیں ادبی ومعنوی اعتبار سے کم قیمت ضرور کہا جاسکتا ہے لیکن ان میں پیکاسو کے ''شاہکار'' جیسا کوئی نہیں ہے۔علاوہ ازیں اسی دور نے ہمیں مقدمۂ ابن خلدون، لسان العرب، صبح الأعشی اور نہایۃ الأرب جیسی ادبی کتابیں بھی دی ہیں جن کے بغیر کوئی عربی کتب خانہ مکمل نہیں ہوسکتا ہے۔

آزاد کو بھی اسی دور کے تناظر میں دیکھنا چاہئے اور اسی کے معیار پر پرکھنا چاہئے یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہندوستانی ناقدین کے برخلاف عرب ادباء و ناقدین میں سے جس نے بھی آزاد کا مطالعہ کیا اس نے ان کے فضل و کمال کا اعتراف کیا۔

استاد شلقامی نے تو انھیں اپنے معاصرین میں سب سے بہتر و بلندتر قرار دیا "**إذا قارناشعر آزاد بغيره من معاصريه۔ العصر التركي. وجدنا أنه القمه لايكاد شاعر من معاصريه أن يسمو إليه**" انھیں عظیم و پیشرو قرار دیتے ہوئے بارودی سے تشبیہ دی ہے ''لقد كان شاعرنا آزاد فحلا رائدامن طراز البارودي'' اور آزاد کی گمنامی یا کمنامی کی بے حد واقعیت پر مبنی توجیہ کی ہے کہ وہ ایک ایسے ماحول میں ہوئے جو (علمی و فکری) طور پر ان کے استقبال کے لئے تیار نہیں تھا "**ولكن لم تسلط عليه الأضواء حيث وجد في بيئة غير مستعدة لاستقباله**"۔

OOO

پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی (پاکستان)

علامہ غلام علی آزاد بلگرامی نعتیہ شاعری کے گل سرسبد

بلگرام ایک مردم خیز خطہ ہے جہاں کئی عالم، صوفی اور شاعر پیدا ہوئے،، معاصر تذکرہ نگاروں نے ان کے حالات محفوظ کیے ہیں۔ آزاد بلگرامی کی تالیف ''مآثر الکرام'' ان بزرگوں کے علمی و ادبی کارناموں کی حسین دستاویز ہے۔ ان علماً و ادبأ میں سب سے زیادہ شہرت سید غلام علی آزاد بلگرامی کو نصیب ہوئی۔ کہ وہ عالم، مورّخ، ادیب اور شاعر تھے اور ہر صنفِ ادب میں انہوں نے قابلِ قدر تالیفات چھوڑی ہیں۔ بہتر ہوگا کہ سید آزاد بلگرامی کا تفصیلی تذکرہ پیش کیا جائے۔

غلام علی آزاد بلگرامی کا تعلق بلگرام کے مشہور واسطی سادات سے تھا۔ اس خاندان کے ایک بزرگ سید محمد صغریٰ (م ۶۴۵ھ) سلطان التمش کے عہدِ حکومت میں یعنی ۶۱۴ھ میں بلگرام تشریف لائے اور آباد ہو گئے۔ سید عبدالجلیل بلگرامی انہیں فاتحِ بلگرام کے نام سے یاد کرتے ہیں۔[۱] سید محمد صغریٰ، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ کے مرید ہوئے۔[۲] اس طرح اس خاندان کا سلسلہ چشتیہ ہند سے تعلق پیدا ہوا۔

سید غلام علی آزاد ۲۵ رصفر ۱۱۱۶ھ میں بلگرام کے ایک محلے میدان پورہ میں پیدا ہوئے۔[۳] یعنی اورنگ زیب کی وفات سے دو سال قبل۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی آزاد کے ہم عصر تھے اور دونوں بزرگوں نے مغلیہ اقتدار کو بتدریج ڈوبتے دیکھا ہے۔

آزاد نے درسیات کی تعلیم سید طفیل محمد الاترولوی (م ۱۱۵۱ھ) سے حاصل کی۔ حدیث و سیر اور علوم ادبیہ اپنے جدِّ مادری سید عبدالجلیل بلگرامی سے۔ عروض و قوافی یعنی فن شعر کی تعلیم و مشق میں اپنے ماموں سید محمد بن عبدالجلیل بلگرامی سے استفادہ کیا۔ آزاد نے ۱۱۳۷ھ میں شیخ لطف اللہ الحسینی (م ۱۱۴۳ھ) جو شاہ لدّھا بلگرامی کے نام سے معروف تھے سے سلسلہ چشتیہ میں نسبت

سلوک قائم کی۔ ۴؎ سید عبدالجلیل اس دور کے ماہر درسیات اور فاضل استاد تھے۔ طبیعت سیلانی تھی مدت کی جہاں گردی کے بعد بلگرام آئے تو آزاد ان سے استفادہ کرنے لگے۔ مگر وہ جلد ہی دہلی روانہ ہوگئے۔ آزاد نے تکمیل علم کے لیئے ساتھ جانے کا ارادہ کیا چنانچہ (۱۱۳۴ھ) میں اپنے نانا کے ہمراہ دہلی آئے دہلی میں دوسال قیام رہا۔ اختتام تعلیم پر بلگرام چلے گئے۔ آزاد کے ماموں سید محمد بلگرامی سیرستان (سندھ) میں میر بخشی اور وقائع نگار تھے۔ ان کی دعوت پر آزاد ۱۱۴۳ھ میں وہاں پہنچے سید محمد انہیں وہاں چھوڑ کر بلگرام چلے گئے اس طرح آزاد نے ۱۱۴۳ھ تا ۱۱۴۷ھ اپنے ماموں کی نیابت کی "یدِ بیضأ" کے نام سے فارسی شعرأ کا تذکرہ انہیں ایاّم میں لکھنا شروع کیا۔ ۵؎

سید آزاد کی افتادِ طبع محبت وعقیدت سے استوار تھی، عشقِ مصطفیٰ ﷺ ان کی زندگی کا نمایاں عنصر ہے۔ یہ محبت دل میں گداز پیدا کرتی رہی۔ شوق فروزاں ہونے لگا تو آزاد نے حرمین کا قصد کرلیا۔ ۱۱۵۰ھ میں آزاد بلگرام سے روانہ ہوئے۔ راستے میں نواب نظام الملک آصف جاہ (م ۱۱۶۱ھ) سے ملاقات ہوئی جو مرہٹوں کے خلاف برسرِ پیکار تھے۔ آزاد بھی شریکِ جہاد ہوئے۔ اختتام جنگ پر نواب نے زادِ سفر کا انتظام کردیا تو آزاد سورت سے جہاز پر سوار ہوئے ۱۸ رمحرم ۱۱۵۱ھ میں جدہ پہنچے جہاں شیخ محمد فاخر الہ آبادی نے استقبال کیا ۲۳ رمحرم کو ارضِ پاک پر قدم رکھا۔ ۶؎ حج کے دن گزر چکے تھے۔ اس لیے مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ مدینہ منورہ میں شیخ محمد حیات سندھی (م ۱۱۶۳ھ) مستقل طور پر آباد تھے۔ ان سے صحیح بخاری کی سند لی اور صحاح ستہ اور بعض فوائد علم حدیث کی اجازت حاصل کی۔ ۷؎

مکہ مکرمہ میں شیخ عبدلوہاب طنطاوی (م ۱۱۵۷ھ) سے مصاحبت رہی۔ شیخ طنطاوی کو آزاد نے اپنے عربی اشعار سنائے جن میں آزاد کا تخلص استعمال ہوا تھا۔ شیخ نے حیرت سے مفہوم دریافت کیا، آزاد نے وضاحت کی تو علامہ طنطاوی نے کہا، سیدی انت من عتقاً اللہ۔

سید آزاد نے طائف میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار اقدس پر حاضری دی اور وطن کے ارادے سے واپس لوٹے۔ راستے میں بندرگاہ مخا میں قیام کے دوران شیخ علی الشاذلی (م ۶۵۶ھ) کے مزار کی زیارت کی۔ ۹؎۔ ۲۹ رجمادی الاوّل ۱۱۵۲ھ کو ان کا جہاز بندرگا سورت پر پہنچا۔ کچھ عرصہ اورنگ آباد میں باباشاہ مسافر نقش بندی کی خانقاہ میں قیام رہا اور بلاد دکن کی سیاحت میں مشغول رہے۔

آخر ۱۱۶۱ھ میں مستقل اورنگ آباد میں قیام پذیر ہو گئے اور تا دمِ وفات قیام پذیر رہے۔[10]
۱۲/ ذی القعدہ ۱۲۰۰ھ مطابق ۱۵/ستمبر ۱۷۸۶ء میں وفات پائی، وصیت کے مطابق خلد آباد دکن میں احاطہ درگاہ میر حسن سنجری دہلوی میں اس مقبرے میں جو آپ نے ''خواب گاہِ روشن'' کے نام سے ۱۱۹۱ھ میں تعمیر کرایا تھا دفن کیا گیا۔[11]

دکن کے قیام کے ۴۸/سال فارغ البالی کے دن تھے۔ دکن کے امرأ آپ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ سراج المحد ثین اور رئیس العلمأ کے خطاب دئے گئے، صمصام الدولہ شاہنواز خان سے قریبی تعلق رہا، بلکہ ان کی شہادت پر مآثر الامرأ کی تکمیل کا بیڑا بھی اُٹھایا۔[12] اس تعلق باہمی کے باوجود آزاد نے کبھی امرأ کی مدح سرائی نہیں کی، نواب آصف جاہ کی مدح میں ایک رُباعی کہی جس کی توجیہ کرتے ہیں۔

''فقیر با وصف موزونیِ طبع مدت العمر زبان بہ مدحِ اغنیا نہ کشودہ ام اِلا ایں رُباعی کہ در استعانت سفرِ بیت اللہ سرزد''[13]

سید آزاد کی بے نیازی طبع کا یہ عالم تھا کہ جب وہ اورنگ آباد میں شیخ غجدوانی کے زاویے میں اقامت پذیر تھے اور نواب آصف جاہ کے فرزند نواب ناصر جنگ سے تعلق خاطر قائم تھا اس نے منصب امارت کی پیش کش کی تو انکار کر دیا اور کہا۔ **ھٰذہ الدنیا شاربا کمثل نھر طالوت غرفة منه حلا ل و الزیادة علیھا حرام**۔[14] سید آزاد بلگرامی کثیر نویس بزرگ تھے، متعدد موضوعات پر قلم اٹھایا اور ہر فن میں قابلِ قدر نگارشات ترتیب دیں عربی تصانیف یہ ہیں۔

۱۔ **الضوء الدراری فی شرح البخاری** ''بخاری کی شرح قسطلانی کا کتاب اوّل سے کتاب الزکاۃ تک کا ملخص ہے''

۲۔ **سبحة المرجان فی آثار ھندوستان۔**

۳۔ **تسلیة الفواد فی قصائد آزاد۔**

۴۔ **شفأ العلیل فی مواخذات علی المتنبی فی دیوانه۔**

۵۔ **الشجرة الطیبة فی النساب السادة من اھل بلگرام۔**

۶۔ **مظھر البرکات۔** مولانا روم کی مثنوی کے وزن یعنی بحر خفیف میں سترہ منظوم حکایات کا مجموعہ۔

۷۔ **مرآة الجمال۔** محبوبہ کے سراپا پر ایک نادر نونیہ قصیدہ جو ۱۰۵/ابیات پر مشتمل ہے۔

۸۔ **السبعة السيارة**۔ سات دواوین کا مجموعہ پہلے تین دیوان ۱۱۸۹ھ تک کہے گئے قصائد کا مجموعہ ہے، چوتھا دیوان جس کے اکثر قصائد میں ردیف کا استعمال کیا گیا ہے ۱۱۹۰ھ میں اپنے پوتے امیر حیدر بن نورالحسن کے لیے تحریر کیا گیا۔ ردیف خالص عجمی طرز انشأ ہے۔
پانچواں دیوان مستزاد ہے ۱۱۹۱ھ میں مرتب ہوا یہ بھی عجمی اثر ہے۔
چھٹا دیوان امیں ۱۳۴۰۰/ ابیات ہیں۔
ساتوں دیوان ۱۱۹۳ھ۔۱۱۹۴ھ کے دوران کہے گئے قصائد پر مشتمل ہے۔
ان سب دواووین میں بقول آزاد دس ہزار اشعار ہیں [۱۵]

۹۔ **شمامة العنبر فيما ورد فی الهند من سيد البشر**۔ اسے سبحۃ المرجان کی فصل کی حیثیت سے شامل کرلیا گیا ہے۔

۱۰۔ **أُرج الصبا فی مدح المصطفیٰ** ﷺ قصائد نبویہ کا مجموعہ۔

۱۱۔ **دواوين السبعه السياره** کے بعد بھی آزاد نے عربی شاعری جاری رکھی اس طرح ۱۱۹۸ھ میں آٹھواں، اوائل ۱۱۹۹ھ میں نواں اور اواخر ۱۱۹۹ھ میں دسواں دیوان مکمل ہوا، کُل دس دیوان ہیں [۱۶]

۱۲۔ مکاتیب مجدد۔ سید مقبول احمد صمدانی کا بیان ہے کہ آزاد نے حضرت شیخ مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعض مکاتیب کا عربی ترجمہ کیا تھا۔ [۱۷]

فارسی تصانیف:

۱۔ **مآثر الکرام فی تاریخ بلگرام** ''بلگرام کے علمأ وصوفیأ کا تذکرہ''

۲۔ **خزانۂ عامره**، فارسی گو ہندی شعرأ کا تذکرہ۔

۳۔ **یدِ بیضأ**، فارسی گوایرانی شعرأ کا تذکرہ۔

۴۔ سروِ آزاد۔ ہندی ایرانی شعرأ کا تذکرہ۔

۵۔ **روضة الاولياء** ۔اورنگ آباد کے قریب ''الروضہ'' کے مقام پر مدفون بعض چشتی مشائخ کا تذکرہ [۱۸]

۶۔ غزالان ہند۔

۷۔ **سند السادات فی حُسن خاتمة السادات** [۱۹]

۸۔ دیوان شعر فارسی ''نو ہزار اشعار کا مجموعہ'' [۲۰]

۹۔ کشکول ’’کتب خانہ آصفیہ اور ندوہ میں نسخے موجود ہیں۔‘‘۲۱

۱۰۔ شرح قطعہ نعمت خاں ’’پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے۔‘‘۲۲

۱۱۔ **ماثر الاسرأ**۔ صمصام الدولہ۔ شاہنواز خان کی کتاب کی تکمیل و ترتیب۔۲۳

۱۲۔ انیس المحققین ۲۴

دیوان اردو:

آزاد کے تذکرہ نگار دیوان اردو کے بارے میں مختلف الرائے ہیں، مقبول احمد مدنی نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ آزاد اردو میں شعر کہنا اپنے مرتبۂ عالی سے پست و دُوں سمجھتے تھے، لیکن اسد علی خاں تمنّا اورنگ آبادی نے اردو دیوان کا تذکرہ کیا ہے اور اردو شعر بھی نمونے کے طور پر نقل کئے ہیں ۲۵

کُل اشعار:

عبدالحمید الشلغامی نے تمام دواوین، مثنوی، مراۃ الجمال اور نثری کتب سے تمام اشعار کا مجموعہ ستر ہزار تین سو اشعار بتایا ہے۔۲۶ یہ تعداد ایک عجمی کی شعری صلاحیت کا برملا اظہار ہے اور اس پر آزاد کو بجا طور پر ناز ہے۔

مولانا آزاد بلگرامی بحیثیت ایک مدح نگار:

آزاد بلگرامی کو عربی شاعری میں بلند مقام حاصل ہے، اُنہوں نے عربی شاعری میں نئے تجربات سے قارئین کی وجہ کو جذب کیا ہے، ’’مرآۃ الجمال‘‘ جو سراپائے محبوب پر ان کی مشہور نظم ہے میں انہوں نے ہر ہر عُضو پر دو دو اشعار لکھے ہیں اس طرح ۱۰۵/۱اشعار کی نظم تیار ہوئی۔ یہ انداز شعر آزاد کی مخترعات میں شمار ہوتا ہے، آزاد کی عظمت اور سیرت کی اصل بنیاد ان کے وہ قصائد ہیں جو آں حضرت ﷺ کی مدح میں عربی زبان میں رقم ہوئے ہیں، آزاد کو نوخیزی عمر سے ہی ذاتِ رسالت مآب ﷺ سے گرویدگی تھی، عمر کے ساتھ ساتھ یہ وارفتگی محبت تیز تر ہوتی گئی اور بالآخر انہوں نے اپنے فن شاعری کو مدحتِ سرکار دو عالم ﷺ کے لیے وقف کرلیا۔

آزاد ایک شاعر تھے اور شاعری قصیدہ گوئی کی مترادف گردانی جاتی ہے، ہر شاعر کسی ممدوح کی تلاش میں رہتا ہے، آزاد کو بھی ممدوح کی تلاش تھی، مگر انہوں نے ابتدائی ایّام میں ہی فیصلہ کرلیا تھا کہ ان کی ممدوح وہ ذاتِ گرامی ہے جو ممدوحِ کائنات ہے، اس لیے آزاد پریشاں خیالی سے محفوظ رہے

اور دردر کی ٹھوکروں اور گھر گھر کی گدائی سے بچے رہے، یہ اسی "یک جا گیر و محکم گیر" کی کیفیت کا اثر تھا کہ آزاد نے کسی اور آستاں کی جبہ سائی نہیں کی، کہتے ہیں۔

"ہر چند با امرا ارتباط دارم و با روسا اختلاط، امّا سر رشتہ استغنا نگسیختہ ام و آبروئے فقر بر درِ تمنّا نریختہ ام" مزید کہتے ہیں۔

ایں دریوزہ گر فیضِ الٰہی در تمام عمر خود لب بمدح امیرے نکشودہ و نامہ خود بستائش دولت مندی سیاہ نہ نمودہ۔ [۲۷]

توصیف پیغمبر ﷺ کے بعد کسی اور کی مدح نہ مناسب تھی نہ انہیں یہ پسند تھی، خود کہتے ہیں۔

" توصیف غیرك بعد مدحك مشبه ، بیتا تضمن وصفة الا قوا [۲۸]

آزاد کی شاعری کا یہ درخشندہ پہلو ہے، عربی، فارسی، اردو ہر سہ زبانوں کا شاعر ہو کر کاسہ لیسی سے محفوظ رہنا آزاد کا وہ کارنامہ ہے جس کی مثال مشکل ہے، آزاد کے دس دیوانوں کا بیشتر حصّہ مدح نبوی ﷺ پر مشتمل ہے، متعدد بحور، متنوع قوافی میں مدحتِ رسول ﷺ کا ایک جہان آباد ہے، آزاد نے نعتیہ شاعری کا ہیولہ سقوط بغداد کے بعد کی شاعری سے مرتب کیا ہے، مضامین کی ترتیب وتنوع اس دور کے مماثل ہے، علوم دینہ کی تعلیم اور تعلیمات اسلامیہ کے مطالعہ نے ان کو سیرت اور حواشیِ سیرت کے لا تعداد موضوع عطا کر رکھے تھے، یہ موضوعات کی کثرت اور خیالات کی بُہتات ہی تو ہے کہ انکے ہاں واقعاتی انداز پیدا نہیں ہوا، واقعہ نگاری سے اجتناب اور اشاراتی طرز ان کا منفرد وصف ہے، سیرت پاک کا کوئی واقعہ ہو یا کوئی مہتم بالشان پہلو آزاد صرف اشارہ کر کے گزر جاتے ہیں کہ انہیں چند شعروں میں بہت کچھ کہنا ہوتا ہے، غزوات کا بیان محاکاتی شاعری کی شکل اختیار کر لیتا ہے اس لیے آزاد کے یہاں غزوات کا تذکرہ نہ ہونے کے برابر ہے، اس کا سبب ان کا موضوعی اندازِ شعر ہے، سیرت نگاری یا فضائل شماری ان کا مطلوب نہیں بلکہ واقعات سیرت کے قلبی تاثر اور فضائل وخصائص کے داخلی وجدان کا اظہار مقصود ہے، واقعات ہوں یا فضائل خارج کی چیز نہیں ہیں، بلکہ ان کی لوحِ قلب پر منعکس ضیاٗ پاشیاں ہیں کہ ان کی پرچھائیاں اشعار کے آئینوں میں جگ مگا رہی ہیں، آزاد کے ہاں موضوعاتِ مدح محرکات نفس میں ڈھل گئے ہیں اس لیے ان کی مدحیہ شاعری میں جذبات کی فراوانی اور خیالات کی سرشاری عطر بیز ہے۔ آزاد کے مدحیہ قصائد کے اجزا ترکیبی کا مختصر جائزہ ان کے شعری اسلوب کو سمجھنے کے لیے کافی ہے۔

عناصرِ قصائد کا مجمل تعارف:

تشبیب۔ مدحیہ قصائد کے مشتملات کی ترتیب و ترکیب میں آزادؔ نے قدیم اسلوب اپنایا ہے، یعنی تشبیب، گریز، مدح جو مرکزی تھے اور استغاثہ جو مقصودِ قصیدہ ہے۔ تشبیب کا رنگ جاہلی قصائد سے مستعار ہے۔ آزادؔ نے حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھا ہے، تشبیب کی حیثیت، جواز یا عدمِ جواز، حدود و قیود پر تفصیلی بحث پہلے باب میں پیش کی جا چکی ہے، اعادے کی ضرورت نہیں، آزاد کی شاعری میں تشبیب کی چند مثالیں تشبیب کے بارے میں ان کی شعری روش سمجھنے کے لیے ضروری ہیں فرماتے ہیں۔

لحت الیّ یعینها الکحلأ فمرضت طولالعمر بالسودأ۔
اسرت قلوب العاشقین فطوفت اجیادها، بویونها النجلأ۔ ۲۹
ضأت غدائرها بنور مبینها فیهن حسن اللیلة القمرأ۔
میسأ خلقت النطبأ وکیف لا ان السابق سنة الاکفأ۔ ۳۰
یا قوم فی ارض الغدیر جاذر اصدا غهم سلاسل آلاسأ۔ ۳۱
هی ظبیة سلیت عقول اولیٰ النهیٰ مشهورة بعیلة الدهنأ۔ ۳۲

آزادؔ بلگرامی کی تشبیب میں فراقِ محبوب کی شدّت، قطع تعلقی کی بے بسی اور قتل عشاق کی واردات کا تذکرہ نمایاں ہے، وہ اپنی عادت کے مطابق فراق حبیب کا کوئی قصہ نہیں سناتے اور نہ جدائی کی المناک کہانی دہراتے ہیں، بلکہ وہ حکایت عشق کو مختصر انداز میں بیان کرتے ہیں، محبوب کو عموماً ہرن سے تشبیہ دیتے ہیں جو گریز پا بھی ہے اور تیز رفتار بھی، صحرا میں ہرن کا سامنے آجانا، نظریں ملانا چوکڑیاں بھرتے ہوئے غائب ہو جانا لمحاتی عمل ہوتا ہے ہرن تو پھر ہاتھ نہیں صرف اس کی دل شکار کرنے والی نظر یادرہ جاتی ہے یہی حال آزاد کا ہے وہ غمِ فراق میں نڈھال اور تیر نظر کے گھائل ہیں اور مسلسل ایک کسک محسوس کرتے ہیں، تشبیب میں ان کے قلبی تاثرات کی حکایت ہی کو اوّلیت حاصل ہے اور یہی ان کا غیر معروضی اندازِ شعر ہے۔

گریز۔ آزادؔ تشبیب کی جان سوز کیفیات سے بمقتضأ طبیعت جلد چھٹکارا پانے کے خواہش مند ہیں، اس لیے ان کی شاعری میں گریز اور مرکزی خیال باہم پیوست ہو گئے ہیں، گریز میں وہ عموماً لفظی یا معنوی مناسبت ڈھونڈتے ہیں جس سے موضوع کی طرف جانا آسان بھی اور ڈرامائی بھی، گریز کی حد تک آزاد نے بڑی جدّت پسندی اور فنی مہارت کا ثبوت دیا ہے، گریز کا

موڑ اس خوبصورتی سے کاٹتے ہیں کہ قاری بے ساختہ مرحبا کہ اُٹھتا ہے، مختلف قصائد میں گریز کی صورت ملاحظہ ہو۔

بـات الـفـواد بضد عها متبحر عا — مـن سـم تـلك الـحية السـوداً ۳۳ے
فـا تيـت بـالـقـلـب السليم مناديا — غـوث الـوریٰ فـی شدّة ورخأ ۳۴ے
تبسـمــت نـحـسبـاوجهها قـمـرا — مشـفـقاً معجزاً من سيد العرب ۳۵ے
احــن شــوقـــاً الـــیٰ الـنـدامـی — حــنيــن جـزع الیٰ الـحـبيـب ۳۶ے
وذكــر نـــی حـمــام فـوق غـصـن — انـا شيـه اطـعـی بيد الرسول ۳۷ے
انــیّ لـمـلـت الی ضـفـائـرالتی — امــت تشـــابـــه ليلة الاســرأ
و عشـقــت حـجبك الـرفع لشبهة — بهــلال روضة سيــد الــزورأ ۳۸ے
كــانـمــا نــاظـرالحسنأ مُكتحل — يثـرب نـعـل رسـول مكحول ۹ے

مدح۔ قصائد کا مرکزی موضوع مدح ہے، مدح میں آزاد کا طرق واقعات مدح یا فضائل مدح کی وارداتی تعبیر ہے، مدح کے مشتملات میں درج ذیل اہم پہلو نمایاں ہیں۔

ا۔ حسن صورت۔ مداحین ظاہری اوصاف کا تذکرہ کرتے ہیں یہ روایت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عہد سے چلی کہ چہرۂ انور کو سورج کی تابنا کی یا چاند کی نورانیت سے تشبیہ دیتے ہیں، آزاد ضیائے حسن کے گیت گاتے ہیں اور اپنے قلب تاریک کے لئے نورانیت کی بھیک مانگتے ہیں۔ ے

بــرهــان رب الـعــالـمين جبينـه — فـــی الامة الامية الــعـــربـــأ
مــحــمـد نـور الاكـوان قــاطبة — فيــا لـنـور بـدا فـی هيكل البشر
مـا ان رأيـت شـريكا فی الملاحة — ولـد سـمـعت به والسمع والبصر
تبــارك اللـــه بـعـد لا مـحـاق لـه — و خـــاتـم وصــه نـور بـلا حـول
عـديـم الـمثـل فـی حسـن الـتـغنی — وقـا هـا اللّٰـه مـن ريب المنون ۴۰ے
يــا ايهــا البـدر الاصيـل كـمـالـه — ضــاعــت يـنـورك مـقـلة العليـأ
داعـی الـراعـیٔ سراجا فی زجاج — ازا مـــا شـــرف الـمختـار غــار ۴۱ے

۲۔ حسن سیرت۔ عادت وشمائل ہر تمام مدّاحین کی وجہ رہی ہے کیوں کہ انہیں سے شاعر کو اپنی عرض داشت پیش کرنے کا حوصلہ ملتا ہے اور عفو وکرم کی امید پیدا ہوتی ہے۔ اخلاق عالیہ کے

ذکر میں عفو و کرم ، شفقت و محبت ، مرشدہ ہدایت کے تذکرے زیادہ نہیں آزاد کا انداز ہی subjective ہے اس لیے انہوں نے وہی اوصاف چنے ہیں جن کے اثرات ان تک ممتد ہوں، خلق عظیم، کرم بے پایاں اور رحمت عالم مثلاً۔ ؎

محمد عطر الاخلاق قاطبة فيا لطيب خزالى خلقة الحسن
شمال الورىٰ قطمير ها و نقيرها اجار الذى ينمو بارض المشاعر ۴۲
يا ايها البارق الفياض مبتسما ندى بديد ك على الافاق مبذول ۴۳
لا محزون خمدت نار علىٰ يده اليس في يده ذخر من الديم ۴۴

دنیا سے بے رغبتی اور بخشش و کرم کی عادت کے ذکر میں آزاد کے قلم کا زور دیدنی ہے۔

ما استعمل المصطفى ما قل من ذهب فكيف يحتمل الاطوار عقيانا ۴۵
آرى اليه الفقر فقراً ساذجاً ورى النعال على جبال المسجد ۴۶

اور خود اسی فیاضی کے طلبگار ہیں۔ ؎

جنانك غيث يستغيث به الورىٰ دانى لعوريصطلافى فى المجامر
محرننا بتخليص الغزالة انه لنا مثل ام و اب متفضل ۴۷

۳۔ خصائص و امتیازات

خصائص و امتیازات مدح نگاری کا سب سے وقیع حصہ ہے۔ خصائص میں آنحضرت ﷺ کے اوّلین تخلیق ہونے ، اوّلین نبی ہونے کا ذکر ہوتا ہے ، ولادت با سعادت کی امتیازی خصوصیات اور خاندانی شرف کے تذکرے ہوتے ہیں۔ انسانِ کامل۔ رحمت عالم، ہادی اعظم، نبی بے مثال، قائدِ بے عدیل، باعث خلق انسانی۔ اشرف انبیاؑ اور خاتم المرسلین کا بیان ہر مدح نگار کے یہاں مقبول ہے۔ آزاد نے بھی ان خصائص کا تذکرہ کیا ہے مگر اسی ذات کے حوالے سے ان خصائص کو اپنی داخلی زندگی کا جزو بنایا ہے۔

خلق اوّل:۔

خلق الا له ضيأ احمد اوّلا وساه يتج سائر الاكوان
الى النبى المصطفىٰ اٰبأه فجنابه العالى ابو الابأ ۴۸

عربی نحو سے استفادہ کی مثال:۔

لا تجرون اخرق الخلائق بغتته هو المقدم فى المعنى على الرسل

نــمــدل مـنــه فـی الانشـأ تـو طیة　　و انـمـا نظر المنتیٔ الی السبدل ۴۹

۴۔مبدل منہ کی تقدیم تو صرف عمارت کا اقتضاء ہے مراد تو بدل ہی ہے۔

شرف خاندان:۔

شـجـر تـرعـرع فـی حـدیقة هـاشم　　اکـرم بـدرح فـی الـعلا متـاصل ۵۰

قـد طهـر الـلــه یـوم النشق جوهره　　هٰذا حسـام مـن الاصـدأمعقول ۵۱

انسان کامل، ہادی اعظم، رحمت عالم۔

مــن مــعشـر الانسـان الّا انــه　　انسـان عیـن الـمـجـد والـعـلیـاء

فـوق الـعبـاد و بـعد السدب مـرقبة　　و جـوهــر نــزه عـن و صـمة المثل

مـحـمـد الهـادی الـی الـحـق دینـه　　سـراج الیـصبـح الـقیـامة لامع ۵۲

یــا رحــمة لـلـعـالـمیـن جـمیـعهـنـم　　اصبـحـت خیر مظاهر السدطمن ۵۳

باعثِ تخلیق عالم۔اشرف الانبیأ والرسل، ناسخِ ادیان وملل اور خاتمِ رسالت۔

هـو رکـن بیـت الـلـه جـل جـلا لـه　　دعــمــادهــدی الـخیة الــزرتــأ

شهـب السـمــأ یــاسـرهـا منسومة　　مـن نـور هٰذاالکواکب المتوقد ۵۴

جــأت فــعــطــلــت الادیــان مـلة　　طـلدوةالبهر تمحورونق الوشل ۵۵

قــد عـطـل الـمـلـلالسـوابـق دیـنــه　　فا لنجم عند طلوع الشمس معزول ۵۶

تــا الـلــه مــا خـلـفـوا الانـجـامتهم　　هـذا المقدم موقوف علی التالی ۵۷

لا یــنتهــی فیـض الـنبـی الـی المدی　　مــأ الـفـرات الـی القیـامة جاری ۵۸

۴۔معجزات

معجزات مدح حضور ﷺ کا سب سے معروف عنصر ہے، قصیدہ گوئی کا ایک بنیادی تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ سامع پر ممدوح کی عظمت کا نقش ثبت ہوجائے اور یہ نقش جس قدر عجلت اور بھرپور طریق سے ثبت ہو اسی قدر شعر مدح کی کامیابی سمجھی جاتی ہے۔ معجزات خوارق عادت ہونے کے ناطے سے محیر العقول بھی ہوتے ہیں اور ماورائی کیفیات کے حامل بھی اس لئے مداحین ان کا زیادہ تذکرہ کرتے ہیں، معجزات ہر دور کی شاعری کا لازمی جزو رہے ہیں، صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عہدِ مبارک سے عصرِ حاضر تک معجزات کے بیان کو اوّلیت حاصل رہی ہے۔ ان کے بیان کے لئے قصائد کا بیشتر حصہ یا کبھی پورا قصیدہ مختص کیا جاتا ہے۔ آزاد نے معجزات کے ذکر میں طوالت

سے کام لیا ہے اور متعدد معجزات کو شعری سانچوں میں ڈھالا ہے مگر ان کے بیان معجزات میں ایک نمایاں خصوصیت ان کی ذاتی محویت ہے، ان کی خواہش ہے کہ ان کی ذات معجزات کا حصہ بنے، اس پر بھی معجزانہ نظر پڑے اور وہ دربار رسالت پناہ ﷺ میں اُستنِ حنانہ کی طرح مہجورانہ پکاریں یا ہرنی کی طرح اپنی داستان سُنائیں، ان پر بھی ابر کا سایہ ہو، وہ انگلیوں سے پھوٹنے والے چشموں سے سیراب ہوں، وہ بھی سنگ ریزوں کی طرح صداقت نبوت کی شہادت دیں، معراج ان کی توجہ کا محور ہے کہ یہ ارتقائے انسانیت کا اشاریہ ہے، شق قمر اور ردّ شمس تسخیر کائنات کے حوالے ہیں، الغرض آزاد نے ہر معجزے کو اپنا حصہ بنانے کی خواہش کی ہے، وہ خود معجزہ کا مرکز بن کر برھان بننا چاہتے ہیں، آزاد نے معجزات کے بیان کو معروضی سطح یا حکایاتی طرز ادا سے اُٹھایا اور وارداتِ قلب کا حصہ بنا دیا، یہ آزاد کا عظیم کارنامہ ہے اور آج کا جدید انسان اسی حوالے کو معتبر اور لائق اعتنا سمجھ رہا ہے یہ آزاد کی شاعری کی جدّت پسندی کا مظہر ہے۔

معراج واسراء

آزاد نے مختلف اشاروں سے سفرِ معراج کی جزئیات بیان کی ہیں، مکہ مکرمہ سے بیت المقدس اور وہاں سے ملأ اعلیٰ کا عروج خطیرۂ قدس اور عطائے ربانی کے اشارے کئے ہیں مگر اصل موضوع رفعت انسانی اور سفر معراج پر مادّہ پرستی کے اعتراضات اور انکے جوابات ہیں مثلاً۔

قدار تقی فی السمأ حقا — وحل بالمنزل الرحیب
جاز السمأ و عاد فی لمح — فیا مکرمة من کوکب سیار
ولا غروان جاز السمأ لجمیه — هل الجوهر الشفاف للنور مانع[59]

شقِّ قمر

شق قمر سے جلالت شان کے اظہار کے ساتھ آزاد کی حسّ تفاخر کی بھی تسکین ہوتی ہے، انہوں نے شق قمر کے بیان میں عمدہ تشبیہات استعمال کی ہیں۔

ادمی الی فلك الدنیا باصبحة — فالبدر خرّ له فتر علی ا لذقن
کانه نصف التفاح فی طبق — أودرهما زالغامن خازن الزمن
و شقّ بد رالدجیٰ ایمأ اصبعه — نعم و اصبعه مفتاح افعال
لا غیران شق صدر البدر معجزة — کفا محیاه فینا کاشف الظلم[60]

حنین الجذع

فراق میں بے چارگی کی پکار کا اشاریہ ہے آزاد نے اپنے قلبی تاثرات کو استن حنانہ کی زبان عطا کی ہے۔

احنّ شوقاً الی الندامی　　حنین جذع الی الحبیب

حنّ الجذیع من الفراق کانہ　　عود یحن بلا یر العواد [61]

انگلیوں سے چشموں کا پھوٹنا۔ یہ دستِ کرم کا حوالہ ہے آزاد بھی فیض بخشی کے امیدوار ہیں۔

اردت عطا شوبر الطامئین یمینہ　　ماکان ھذا فی الید البیضأ [62]

تبارك اللہ ردّت معشراً ظمئوا　　انھا را لخمسۃ اللعیأ بسلسال [63]

قرآن

قرآن مجید ایک دائمی معجزہ کی حیثیت سے آزاد کی توجہ کا مرکز ہے۔

لقد آتا نا بشمس غیرافلۃ　　یوم افاض علینا رابع الزبر۔

و ان لم تقبل الا حجار نسبتاً　　فلیس النقص من قُبل الھتون [64]

۵۔توسّل واستغاثہ

آزاد کے قصائد کا عجز توسل واستغاثے پر مشتمل ہے، استغاثے میں زندگی کی بے چینیوں سے سکون کی تلاش اور یوم آخرت میں توسل وشفاعت کی تمنا شامل ہے دنیا کے مصائب سے پناہ کی خواہش کے ضمن میں مدینہ منورہ زاداللہ شرفاً وتعظیماً کی حاضری دربار اقدس میں حضوری اور فراق کی بے قراری کے مضامین بیان کئے جاتے ہیں، استغاثے اور توسل کے مضامین میں آزاد کا قلبی اضطراب موجزن ہے، وہ وارفتگی کے عالم میں جان جہاں ﷺ کے حضور دستِ سوال دراز کئے حاضر ہیں، ان کا ناز اور ان کی امیدوں کا مرجع و ماویٰ ذات ابد قرار علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے، یہ حصہ ان کے وجدان کا مظہر ہے وہ بھری دنیا سے منہ پھیرے ایک دربار کے ژلہ رُبا ہیں، سرور عالم ﷺ کے سوا ان کا کوئی ممدوح نہیں اس لئے ان کی عقیدت ومحبت توحید ست یکے، دوئی اور شراکت کا کوئی شائبہ اس میں نہیں ہے، وہ بے خودی میں پُکارتے ہیں۔

خاتیت بالقلب السلیم منادیا　　غوث الوریٰ فی شدّۃ ورخأ

نظر الحبیب الی الغریب غایۃ　　نظر المنائۃ شیمۃ الکبرأ

یـا سیـدی یـا عـروتی و وسیلتی　　یــا عـد تـی یــا مـقصدی مولائی
قـد جـئـت بابك خاشعاً متضرعاً　　مـــا لــی ورائــت كــاشف الـفـرأ
احســن الـى ضيف ببــابك واقف　　شــان الـكـرام ضيـافةالغربـأ ٦٥؎
لا فــرون ذابــت جهـنـم حسـرـة　　هـو بـالشفاعة لا يغا در مذنباً ٦٦؎

مدینہ منورہ میں حاضری کی تمناؤں کا سرمایہ اور خواہشات کا مرکزی نقطہ ہے، ان کی تمنا ہے کہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں گومیں، روضہ اقدس پر قربان ہوجائیں خاکِ مدینہ کوسُرمہ بنائیں۔

روح الــــفـــدأ لـــروضة قـــدسية　　مــمـلـؤـة بـلـطــافة و صـفــأ
بـلـغ الـمشـارق و المغـارب ضَوٗهـا　　تـزنـوا ايهــا الشـمـس كـالطربـأ
طـوبــیٰ بـطيبة حيـث ضم ضـريهـا　　جسـمـا تسـنـم فـوق سبع سمأ ٦٧؎
ورعــی الـمهيـن بـقـعـه وضـر ا فهـا　　عـلــی جـواهــر فـی نـحـور اطـزد
مــرح الــمــدينة مــا اجـل تـرابهــا　　يـجـد البـصـائـر فيـه فعل الاثمد
و غبـار هـا الـمحسوس فوق هوأها　　كـمـل اليـقيـن لـمقلة المتـردد ٦٨؎

اُن کی تمنا ہے کہ!

واجــعــل مـــنـحـــر ضـــو رأســی　　و أرقـــدهٰـــنـــا فـــوق البـلاطی
و يـدفـن بــالـبـقيـع غسيـل جسمـی　　و ليستـــروجـــه بـــالـوعــاطـــه ٦٩؎

غبارِ مدینہ نعلین مبارکہ اور غبار نعلین شریف کے تذکرے سے آزاد طمانیت محسوس کرتے ہیں۔

غبــار نـعـليــه كـحـل بصـائـرنـا　　جنابه مستطاب منتهی المطلب ٧٠؎
كحل العيون غبار نعل المصطفی　　و شـــراكهـــا مسمــكــالمستـنـجد
كــانـمــا نــاظـر الطنـأ مكتحملا　　بـزب نـعل رسول الله مكحول ٧١؎

آزاد بلگرامی کے موضوعات مدح اور محرکات نعت کا جائزہ واضح کرتا ہے کہ ایک مدح نگار کے تمام خصائص ان کے کلام میں موجود ہیں، ان کا دل عواطف سے مملو ہے حب رسول ﷺ ہر جملے سے عیاں ہے، کلام وسرشاری وسرخوشی کا عالم ہے، وابستگی کی شدّت سے کبھی حدود سے تجاوز بھی کر جاتے ہیں۔ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے ذکر اور تقابلی جائزہ میں ایسا کئی بار ہوا ہے، مثلاً

و لیـئـن رد عیسیٰ عــازرا فرسولنا　　یــرد الـذی اعـجازه رد عـازر ٧٢؎
رای هــو فــی جبیـن الـعـرش نـورا　　و موسیٰ فی جبین الطور نارا ٧٣؎

فنی جائزہ

آزادؔ کو مدح نگاری کے تمام لوازمات پر عبور ہے مناسب الفاظ، ضروری اور نادر تشبیہات، وضاحتی استعارے اور اثر آفریں کنایے ان کی شاعری میں موتیوں کی طرح جھلملا رہے ہیں۔

تشبیہ

آزادؔ کو مرکب تشبیہات میں کمال حاصل ہے۔

تبدون من القلم الهندی مدحتة بمثل سكرة تبدون من القلب

بمثل سكرة تبدون من القلب عوديحن بلا يد العواد

عوديحن بلا يد العواد و اصحابه عقد النجوم الزواهر ۷۴

استعارہ

یا ایها البارق الفیاض مبتسما ندی یدیك علی الافاق مبذول ۷۵

لله شمس علی رأس الوریٰ طلعت و قد أدابت فواد الكفر كالبود ۷۶

صنائع بدائع

آزادؔ کی قادرالکلامی کے بسا اوقات ان کی شاعری میں آورد کی بو آتی ہے۔ جب وہ صنائع بدائع کی بھول بھلیوں میں مبالغے کی حدتک مشغول ہو جاتے ہیں تو عام قاری کے لئے ان کے کلام کو سمجھنا اور حظ اُٹھانا مشکل ہو جاتا ہے۔

شاعر کے کلام کی عظمت اس کے درجۂ انفعال کے حوالے سے متعین ہوتی ہے، اگر الفاظ کی در و بست مغلق ہو جائے اور ایصال معنی کا مرحلہ دور معلوم ہونے لگے تو شعر اپنی خصوصیت کھو دیتا ہے، شعر عوام کی ملکیت ہوتا ہے اسے عوام سے دور رکھنا مستحسن نہیں ورنہ شاعری شغل لا طائل قرار پائے گی۔

آزادؔ کہتے ہیں کہ کچھ صنائع عرب و ہند میں مشترک ہیں مگر بعض ہندی زبان کے ساتھ خاص ہیں جو عربی فارسی میں موجود نہیں ہیں، ایسی صنعتیں ۲۳ ہیں مگر ان کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے خود ۳۷ اقسام دریافت کی ہیں، ان ہندی صنائع کو آزاد نے عربی قالب عطا کرنے کی کوشش کی ہے، وہ کہتے ہیں۔

انا قصدت ان انقل القسم الاخیر الیٰ العربیة فرأیت بعضها لا یقبل

النقل الخصوصية بلسان الهند و بعضها يقبل النقل فنقلت منها نبدة وجد تهـا فالٰقة و الحقت بفن الادب جملة رأقة و ارجو من العرب العربأ ان يستحسنو مخترعات الا ها ند كمااستحسنوا الاسياف الهنديه ۷۷ے

کیا آزاد کی یہ خواہش پوری ہوئی ؟ تاریخ ادب ان کے بارے میں فیصلہ دے چکی ہے، نئی روایات کسی شعوری کوشش سے ایک دودن میں نہیں قائم ہوتیں اس کے لئے صدیوں کا ریاض درکار ہے۔ آزاد کی یہ خواہش ایک حسرت ناتمام ہی رہی۔

عمومی جائزہ

آزاد کی مدحیہ شاعری کے اس اجمالی تذکرے کے بعد یہ حقیقت الم نشرح ہو جاتی ہے کہ آزاد کو شعر گوئی کی صلاحیت فیاض ازل کی طرف سے تفویض ہے، آزاد مطبوع شاعر تھے وہ صاحب علم انشأ پرداز تھے، معلومات کی وسعت نے ان کی شاعری میں خیالات کا تنوع اور مضامین کی کثرت پیدا کر دی ہے۔ مگر ہندی زبان وادب کے مطالعے نے ان کی عربی شاعری پر ایسے اثرات بھی ڈالے ہیں جن کی وجہ سے بعض اوقات پیوند کاری کا احساس ابھرتا ہے، ان کی شاعری کا احصأ کیا جائے تو چند بنیادی خصائص کی نشان دہی ہوتی ہے۔

مفاہیم کے اعتبار سے آزاد کی شاعری کا دامن بہت وسیع ہے، ان کے خیالات میں اس قدر تنوع ہے کہ برصغیر کا کوئی اور شاعر اس پہلو میں ان کا مثیل و سہیم نہیں ہے۔ مدح کی قدیم روایت سے انہوں نے ہر موتی کھنگال نکالا ہے مگر اس پر اپنے ذوق علمی وادبی سے بیش قیمت اضافے بھی کئے ہیں مدح نگاری میں آزاد نے جدلیت کا انوکھا رنگ پیدا کیا ہے دراصل وہ جس ماحول میں رہ رہے تھے اس میں بلا دلیل کوئی دعویٰ مناسب نہ تھا، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تو دینی موضوعات کو بھی عقلی استدلال عطا کر رہے تھے۔

آزاد نے مضامین مدح کو مستند حقائق کے طور پر قبول کیا تھا مگر قاری کی ذہنی تشفی کی خیال سے انہوں نے معجزات تک کو عقلی و عملی اسناد عطا کی ہیں۔

نور تجاوز سبعا و هی ما احترقت كنا ظر العين فاسبقط و لا تنم ۷۸ے

آزاد کی شاعری میں صنائع بدائع کا استعمال کثیر ہے روایتی صنائع کے ساتھ انہوں نے بعض مخترعات بھی کی ہیں، یہ رجحان حضرت امیر خسرو سے شروع ہو گیا تھا، صنائع کا استعمال ایک حد تک رہے تو مضائقہ نہیں، مگر جب یہی مطلوب بن جائے تو تکلف آمیز ادب پیدا ہوتا ہے، سید

آزاد بلگرامی کی شاعری میں کہیں کہیں ایسی صورت حال نظر آتی ہے۔ مگر المدائح النبویہ میں ان کا استعمال کم ہے۔ اس لئے صنائع کی بنیاد پر جو اعتراضات اٹھائے گئے ہیں تو یہ عمومی شاعری کے نقطۂ نظر سے ہیں۔ مدحیہ شاعری پر یہ مطلقاً منطبق نہیں ہوتے۔ البتہ تاریخی اشارے، علمی، نحوی اور فنی مصطلحات فقہی استخراجات اور دینی معتقدات کے حوالے قاری سے وسعت علم کا تقاضہ کرتے ہیں صرف عربی زبان کے مطالعے پر آزاد کی شاعری کا حق ادا نہیں ہوسکتا جو ان کے اسلوب پر علمی و دینی تلمیحات و اشارات کی گہری چھاپ ہے۔

آزاد اختصار پسند ہیں واقعات کو تاریخی ترتیب اور جزیات کی تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کرتے بلکہ اشاروں کنایوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ ان کے قصائد امام بوصیری یا امام صرصری کے قصائد کی طرح طویل نہیں ہیں۔ اگر قصائد بیس سے تیس شعروں کے درمیان ہیں تو یہ ان کے نزدیک قصیدے کا معیاری حجم ہے۔ اس اختصار و ایجاز کی وجہ سے وہ بعض مصطلحات یا تلمیحات استعمال کرنے پر مجبور ہیں۔ انہیں یہ بھی احساس ہے کہ ان کا ممدوح ہم صفت موصوف ہے۔ اور ممدوح کے فضائل اس قدر بے حد و حساب ہیں کہ حصر ممکن نہیں۔ کہنے کے لئے مضامین کی کثرت ہے اس لئے ہر موضوع کو مختصراً پیش کرنا ہی مناسب ہے۔ اس اختصار پسندی کی وہ عمدہ توجیہ کرتے ہیں۔

اوصافه من قبول الحصر ابية ما طول مدحتة اولى من القصر

كيف الموصوف يقضى حق مدحته يرى مزاياد فوق الانجم الذهر

يشى يراعى و نبوى قصر مدحته قصر العبادة حكم الله فى سغر ۷۹

طویل سفر میں عبادت میں قصر کا حکم ہے، مدح رسالت صلی اللہ علیہ وسلم بھی مندوبات میں سے ہے۔ مدح کا سفر طویل ہے اس لئے یہ قصر کی مقتضی ہے مقصد تکمیل مدح نہیں اپنی بے چارگی اور ارادت کا اظہار ہے وگرنہ حق مدح ادا کرنا انسان کے بس میں نہیں ہے۔

انى لسان يودى حق مدحته من لم ياتى بها آزاد معتزوراً ۸۰

آزاد کی شاعری میں مقامی اثرات بڑے نمایاں ہیں یہ اثرات معنوی بھی ہیں اور لفظی بھی مثلاً

تبارك الله رعوت معشرا ظمتوا انهار ه الخمسة العليأ بسلسال ۸۱

انہار خمسہ کا تصور برصغیر سے لیا گیا ہے۔ جہاں پورا صوبہ ان کی مناسبت سے ''پنجاب'' کہلاتا ہے۔ آزاد کو برصغیر کی قدامت اور تاریخی عظمت کا بہت احساس تھا۔ سبحۃ المرجان کا پہلا

باب ''شمامۃ العنبر'' ان کی اپنی سرزمین سے عقیدت مندانہ گرویدگی کا اظہار ہے۔ اشعار میں بھی ہندی رابطے پر انہیں فخر ہے۔

والهند مهبط جدنا و مقامه قول صحيح جيد الانسان

فسواد ارض الهند ضأ بدايته من نور احمد خير الامجاد ۸۲؎

آزاد کا تخلص بذات خود ایک عجمی اثر ہے جسے وہ بالالتزام عربی اشعار میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ فارسی، عربی اشعار کے آخر کے قریب ایک عجیب عجمی فضا پیدا کر دیتا ہے اور ایسے عجمی جزیرے ان کے دریائے عربی میں متعدد ہیں اس لئے ان پر عجمیت کا الزام لگایا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے ''الفاضل ماعُدّ سقطاتہ'' چنانچہ سید آزاد بلگرامی کی فضیلت کے اعتراف کے ساتھ ان پر بعض اعتراضات بھی اُٹھائے گئے ہیں بلکہ بعض علمأ نے تو معاندانہ روش بھی اختیار کی ہے مثلاً:

غلام حسن ثمین نے ''شرائف عثمانی'' کے عنوان سے ماثر الکرام اور سرو آزاد کی تردید کی ہے۔

محمد صدیق سخنور عثمان بلگرامی نے ''تحقیق السداد فی مزارات الآزاد'' میں درشت اور انتقامی لہجہ میں ماثر الکرام اور سرو آزاد کو رد کیا ہے۔

وارستہ سیال کوٹی نے ''تذکرۃ الشعرأ وارستہ'' یا ''جنگ رنگارنگ'' میں بعض اعتراضات کئے ہیں۔

ملاّ محمد باقر آگاہ نے ''چہار صد ایرَاد بر کلام آزاد'' میں آزاد کی شاعری اور تصانیف میں چار سو اغلاط کی نشان دہی کی ہے۔

یہ اعتراضات سید آزاد بلگرامی کی عظمت کو دھندھلا نہیں سکے۔ ان کی تصانیف کی کثرت اور معلومات کی جامعیت نے اپنی اہمیت منوالی ہے۔ اور ان کی علمی، تاریخی اور دینی خدمات نے ان کو اپنے حصار میں لے رکھا ہے۔ جہاں تک عربی شاعری کا تعلق ہے سید آزاد برصغیر کے سب سے زیادہ پُر گو شاعر ہیں انہوں نے مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی، قصائد کے متعدد دیوان ترتیب دئے۔ مثنوی کو عربی شاعری میں متعارف کرایا اور کامیاب مثنویاں لکھیں مستزاد کی مشکل راہ پر چلے اور ایک مکمل دیوان تدوین کر دیا۔ ردیف کا لتزام کر کے شاعری کو ایک نیا حسن عطا کیا۔ اور اپنی وجاہت علمی سے کامیاب تجربہ کر دکھایا۔ معنی کے لحاظ سے عربی شاعری کو نیا خون مہیا کیا۔ تشبیہات و استعارات میں جدّت پیدا کی۔ صنائع اور بدائع کا بھاری پتھر بھی اُٹھایا یہ نئے تجربات اور غیر مقادراہیں بعض علماء کو پسند نہ آئیں کہ تاریخ نقد و ادب میں بھی روایت پرستی کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ کبھی کہا جاتا تھا کہ جاہلی دور میں ایسا نہ ہوا اس لئے بعد کے کسی ادیب کو مقرر راستے

سے ہٹ کر چلنے کی اجازت نہیں ہے۔ الغرض ہر دور میں ریاضی کے سے کلیے ادب کو پابند سلاسل کئے رہے ہیں۔ اسی لئے تو ابن قتیبۃ (م ۲۷۶ھ) نے کہا تھا" **لم لقصر الله الشعر والعلم و البلاغة علی زمن دون زمن، ولاخص به قوماً دون قوم ، بل جعل ذالك مشتسرکامقسرماً بین عباده۔** ۸۳

آزاد کے معتقدین میں بعض نامور بزرگ بھی ہیں۔ مولانا فضل حق خیر آبادی (م ۱۲۷۸ھ) نے مولانا نورالحسن (م ۱۲۸۵ھ) کو اپنا قصیدہ تایۂ ارسال کرتے وقت کہا کہ وہ اس قصیدے کا مطالعہ کریں اور فیصلہ دیں کہ این بزبان عربی مناسبتے دارد یا از قبیل کلمات غلام علی آزاد است کہ حروف آن عربی است و در حقیقت آں زبان دیگر است ۸۴

مولانا کہ یہ رائے یا تو تفنن طبع کی خاطر ہے یا اپنے مقام ومرتبہ کے پیش نظر کہ ان کی اپنی عربیت چونکہ خالص عرب ماحول سے مطابقت رکھتی ہے اور عربی صمیم ہے اس لئے انہیں آزاد کی جدّت طرازیاں بھلی نہیں لگتیں۔

مولانا شبلی نعمانی نے خزانۂ عامرہ اور ید بیضاً کے مجموعوں میں انتخاب شعر کے معیار کو پست بتایا ہے اگر چہ سروِ آزاد سے انہیں ایسی شکایت نہیں لکھتے ہیں۔

" سرو آزاد خالص شعرائے متاخرین کا تذکرہ ہے۔ یہ تذکرہ جامعیت حالات کے ساتھ یہ خصوصیت بھی رکھتا ہے کہ اس میں جو انتخابی اشعار ہیں اعلیٰ درجے کے ہیں ورنہ آزاد کے متعلق یہ تمام شکایت ہے کہ ان کا مذاق شاعری صحیح نہیں اور خزانۂ عامرہ اور ید بیضا میں انہوں نے اساتذہ کا جو کلام انتخاب نقل کیا ہے اکثر ادنیٰ قسم کے اشعار ہیں ۸۵

اور ان کے اپنے اشعار کے بارے میں علامہ شبلی کی رائے ہے۔

" آزاد کا عربی اور فارسی کلام اگر چہ کثرت سے ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کا چہرۂ کمال کا داغ ہے۔ اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ وہ عربی زبان کے بہت بڑے شاعر ہیں اور ادیب ہیں۔ نہایت نادر کتب ادبیہ پر ان کی نظر ہے۔ لغات اور محاورات ان کی زبان پر ہیں لیکن کلام میں اس قدر عجمیت ہے کہ اس کو عربی کہنا مشکل ہے ان کو اس پر ناز ہے کہ انہوں نے عجم کے خیالات عربی زبان میں منتقل کئے ہیں بلکہ نکتہ سنج

جانتے ہیں کہ یہ ہنر نہیں بلکہ عیب ہے۔''۸۶ے

ڈاکٹر محمد یوسف کی رائے بھی مولانا شبلی کے قریب قریب ہے کہتے ہیں۔

''ویسے تو سات سو (سبعہ سیارہ) سے زیادہ دیوانوں کے باوجود عربی ادب کی وسیع دنیا میں کوئی مقام نہ حاصل کر سکے۔ اس میں شک نہیں کہ انہوں نے جدّت طرازی کا راستہ دریافت کر لیا تھا۔ انہوں نے ہندی سے معانی صنائع و بدائع اخذ کر کے عربی میں روشناس کرائے۔ یہ آزاد کی امتیازی شان ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ دوسروں کے لئے بھی یہ دلچسپی کا باعث ہو۔''۸۷ے

اس لئے ان کا فیصلہ ہے کہ'' تاہم اتنی شہرت کا مدار جودت کی بہ نسبت کثرت پر ہی ہے''۔۸۸ے

ان بزرگوں کی آرأ مستند ہیں لیکن بہتر ہوگا کہ ان کا تجزیہ کر لیا جائے۔ مولانا شبلی نے آزاد بلگرامی کی عربیت کو تسلیم کیا ہے انہوں نے صرف ان مفاہیم پر اعتراض کیا ہے جو عجم سے اُٹھائے گئے ہیں۔ عجمی خیالات کا عربی پیراہن ان کے نزدیک عیب ہے۔ مولانا کی رائے وقیع ہے لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا خیالات میں عربیت و عجمیت کی تقسیم کا کلیہ کوئی علمی حیثیت رکھتا ہے خیال تو انسانیت کی مشترک متاع ہے اگر اسے بھی عرب و عجم کے حوالوں سے پرکھا جانے لگا تو ذہن انسانی تنگ وناتوں میں محصور ہو کر رہ جائے گا۔ خیالات پر مقامی اثرات تو ہر دور میں موجود رہے ہیں۔ آزاد کی شاعری کا مخزن ان کا مدحیہ کلام ہے اور مدحیہ شاعری کے مضامین ذات رسالت مآب ﷺ کے حوالے سے چنے جاتے ہیں۔ عہد صحابہ سے آج تک مدحیہ شاعری کی بنیادی مباحث ایک سے ہیں۔ آزاد نے بعض تشبیہات یا استعارات میں مقامی ماحول سے اثر ضرور لیا ہے ہو سکتا ہے یہ مقامیت دِقّت کا باعث بنے اگرچہ ایسی صورت نظر نہیں آتی عبدالمقصود الثلقامی اس کی گواہی دیتے ہیں۔

" لا شك كل اديب صورة لمجتمعه و مرآة لعصره و سجد حافه بتاريخه وفنه و قد كان آزاد فى شعره العربى مقلداً يتخذ من خيال غيره و تفكيره قدوة و ينقذ عن احساس شاعرا لى آخر و يتخيل آنه ينزل الا ماكن العربية و يتعشق العربيات متصنعا و لكنه على الرغم من ذالك كان يحس بالبئة التى يحيا بينها مجامدت منه عناصر صالحة توضح معا لما و

تبين مستويا تها۔"٨٩ۓ

ادیب یا شاعر کا مقامی حالات سے متاثر ہونا اس کے زندہ ادیب ہونے کی دلیل ہوتا ہے۔ جس شاعر کی آنکھ بند ہو اور صرف تصور میں زندہ رہے تو نہ تو اپنے دور کا نمائندہ شاعر ہوتا ہے اور نہ ہی اس کا ادب ترجمان حقیقت۔ مقامی اور جغرافیائی حالات اور معاشرتی اقدار سے متاثر ہونا نہ صرف یہ کہ ضروری ہے بلکہ اس کے بغیر سچا ادب تخلیق نہیں ہوتا۔ الثلقامی کو شکایت ہے کہ آزاد مصنوعی ماحول پیدا کرنے کے لئے کوشاں رہے ہیں انہیں اپنے ماحول میں زندہ رہنا چاہئے تھا جبکہ مقامی ناقدین کو شکایت ہے کہ وہ عجمی اثرات کو کیوں عربی میں منتقل کر رہا ہے۔ الثلقامی فیصلہ دیتے ہیں۔

" اما آزاد فانه بقصداتي الآعجمي و جعله هدنا يصيب منه في شعره العربي و يستخدمه في بديعه و هذا هو موطن العيب فيه و لكن خفّت من حده هذا العيب آن اعجميا مة اذا قليت بالنسبة لانتاجه الضخم فانها لن تساري شيأًناً اهمية و لذا نستطيع ان نقول ، ان آزاد على الرغم من اعجمياته بعد من كبائر الشعرأ في عصره۔"٩٠ۓ

ڈاکٹر یوسف صاحب کا یہ فرمانا کہ آزاد کہ شہرت کا راز کثرت کلام میں ہے۔ جودت کلام میں نہیں اور یہ کہ آزاد کو عرب دنیا میں کوئی مقام حاصل نہ ہوسکا۔ سچی بات یہ ہے کہ علمی وفنی نگارشات سے استفادہ میں علاقائی تعصب روا نہیں رکھا جاتا مگر شعر وشاعری کو ہمیشہ اس تنگ فکر سے سابقہ رہا ہے۔ ایران نے خسرو سے لیکر اقبال تک جو سلوک کیا ہے وہ سب کے سامنے ہے کثرت آزاد کی شہرت کا سبب نہیں قدرے بدنامی کا باعث ہے انتخاب اشعار شاعر کا اصلی امتحان ہوتا ہے۔ تخلیق کسے پیاری نہیں ہوتی مگر پیش کش میں عوامی مذاق اور سامعین کے ذوق کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے جب کوئی شاعر اپنی تمام تر تخلیقات کو قوم کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ تو اپنا تاثر خراب کرتا ہے۔ آزاد بلگرامی کے کلام کی کثرت نے ان کی شہرت کو نقصان پہنچایا ہے۔ بھرتی کس شاعر میں نہیں ہوتی۔ قلم زد اشعار کسی شاعر کے پاس نہیں ہوتے۔ یہ تو ناقدانہ نظر کا کمال ہے کہ وہ کثیر کلام سے چند منتخب اشعار کو قوم کے سامنے لاتی ہے۔ پتھروں سے جواہر ریزے نکالنا ہی مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ آزاد بلگرامی کو ایسا ہمدرد ناقد میسر نہیں آیا۔ جو ان کے ستر ہزار سے زائد اشعار میں ایک یا دو عمدہ اور بلند پایا دیوان مرتب کر دیتا جو ان کی شعری عظمت کا حوالہ بنتے۔ صنائع

بدائع کا التزام بھی مدحیہ شاعری کی حد تک نا قابل فہم ہے۔ اور پھر یہ بھی خیال رہے کہ عرب دنیا میں بھی بدیعات کا ایک طویل سلسلہ جاری تھا اگر آزاد نے اس دور میں حصہ لے لیا تو پریشانی کا کوئی مقام نہیں اصل بات جو آزؔاد کے کلام میں کھٹکتی ہے وہ ان کا برصغیر کے بارے میں شدید ترین حسن ظن ہے۔ اور عقیدت کی حد تک ذہنی تعلق ہے۔ انہوں نے برصغیر کی عظمت ثابت کرنے کے لئے استخراجات استباطات کے بہت سے مرحلے طے کئے۔ وطن مالوف سے محبت انہیں مجبور کرتی ہے۔ کہ عربی شعر میں ہندی مظاہر کو جگہ دی۔ یہ ان کی علاقائی مجبوری کہی جاسکتی ہے۔

مولوی مرتضٰی مدراسی حیدرآبادی کی رائے ہے کہ آزؔاد اور باقر آگاہ کی عربی تحریر پر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ''حجۃ اللہ البالغہ'' کی عربی تحریر سے پست ہے اور اس سے عربی ادب میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ ۹۱

یہ تقابلی جائزہ بھی خوب ہے کہ آزؔاد اور باقر آگاہ کی عربی تحریروں کا مقابلہ ''حجۃ اللہ البالغہ'' سے کیا جارہا ہے۔ جو اس دور کی ہی نہیں برصغیر کی پوری تاریخ میں معرکے کی ایک کتاب ہے۔ ایک غیر فانی تصنیف کو معیار بنا کر دیگر تصانیف کو ردّ کر دینا تاریخ ادب میں بہت مہنگا سودا ہے۔ وگرنہ ابوالطیب المتنبی کے ارد گرد کوئی شاعر نہ بچے گا۔

ان معترضین کے برعکس کثیر تعداد ان بلند پایہ اصحاب کی بھی ہے۔ جنہوں نے آزؔاد کی شعری عظمت کو سلام کیا ہے۔ اور ان کی عربی شاعری کو موجب فخر گردانا ہے۔ ڈاکٹر زبید احمد نے بیرون ہند عدم مقبولیت کا جواز پیش کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ بعض خارجی عوامل یعنی عدم التصال خامی طبیعت اور علاقائی بغض کی وجہ سے آزؔاد کی شاعری اپنا حق حاصل کرنے میں ناکام رہی ہے۔ وگرنہ فی نفسہ اِس میں کوئی خامی یا کوتاہی نہ تھی۔ ۹۲

نواب صدیق حسن خاں کا خیال ہے" **ولا لبعوق لاحد من علمأ الهند من يكون له الشعر العربی لهذه الكثرة والثابته** "۹۳

بالفاظِ دیگر ''ہیچ شاعر قبل ایشاں ایں چناں نظم نکردہ و ہرگز از اہل ہند سماعت نرسیدہ کہ اور ایک دیوان عربی باشد تا ہفت دیوان چہ رسد۔ ۹۴

علامہ حسنی کہتے ہیں"**انه حسان الهند مدّاح النبی** ﷺ **او جد فی مدحه كثيرة قـادره لـم يتـفـق مثلها لاحد من الشعرأ المغلقين و ابدع فی قصائده المدحية منی الصالم يبلغ مداها فرد من الفصحأ المتدّقين** " ۹۵

آزاد کی یہ مدحیہ شاعری میں عظمت ہی تھی کہ انہیں ''حسان الہند'' کا خطاب دیا گیا۔ آزاد کے تمام تذکرہ نگار انہیں حسان الہند کے لقب سے یاد کرتے ہیں جیسے۔ نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں۔

" **و اعطی لقب حسان الهند من جهة الاستاد** "[۹۶] اور مزید یہ کہ ''وی حسان الہند است'' [۹۷] فقیر محمد جہلمی کہتے ہیں ''حسان الہند لقب اور آزاد تخلص تھا'' [۹۸] مولوی رحمٰن علی نے لکھا ''حسان الہند غلام علی آزاد'' [۹۹] ڈاکٹر زبید احمد لکھتے ہیں ''غلام علی آزاد کو بجا طور پر حسان الہند کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ [۱۰۰]

الزرکلی بھی حسان الہند کہ کر تعارف کراتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں " **و لم یظم قبله فی شعرأ الهند من له دیوان عربی مثله** "[۱۰۱]

ان اقتباسات سے ظاہر ہے کہ حسان الہند کا لقب ان کے لئے مخصوص ہے۔ مگر یہ لقب انہیں کیسے ملا اس کے بارے میں قدرے اختلاف ہے۔

''دائرۂ معارف اسلامیہ میں ہے'' نبی کریم ﷺ کی شان میں آپ کے قصیدہ مدحیہ پر علماء مکہ معظّمہ نے آپ کو حسان الہند کا خطاب دیا۔ ڈاکٹر عبدالوحید قریشی کہتے ہیں ''خود ان کی زندگی میں انہیں حسان الہند کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔'' [۱۰۲] ڈاکٹر الثلقامی نے ان آراً کا محاسبہ کیا ہے۔ دائرۂ معارف اسلامیہ کی روایت کی تردید کی ہے کہ انہوں نے سبعہ سیارہ کے مختلف نسخے دیکھے ہیں کسی میں اس لقب کی نشان دہی نہیں ہوتی۔ آخر پر لکھا۔

" **فانـنامع احترامنا تقدیرنا لکاتب مقال آزاد فی دائرة المذکور فکان نجزم بآته لم یر " السبع السیارة "**[۱۰۳] **اذا فکیف یرخ له ضمیره و آمانته العلیه ان یذکر مر جعا لم یطلع علیه** [۱۰۴] الثلقامی نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ آزاد کو یہ لقب ان کی زندگی میں نہیں دیا گیا" **و قد صحبنـا و عشامعه فلم نعثر علی اثر لهذاالقب فی مضفامة و اشاره مما یجعلنا نجزم بانه لم یلقب بهذاالقب الا بعد مماته من جهت للامید ه والمحبین به۔**"[۱۰۵]

الثلقامی کو صرف یہ اصرار ہے کہ یہ لقب زندگی میں نہ ملا تھا لیکن ان کے حسان الہند پکارے جانے پر اعتراض نہیں ہے بلکہ ان کی رائے ہے۔

"**لم یوجد فی شعرأ الهند الی الآن من له انتاج مثل آزاد لا فی نغزل**

ولا فی المدیح النبوی و کما دافع حسّان بن ثابت رضی الله تعالیٰ عنه عن الرسالة و صاحبها " علیه التحیة و السلام " فانّ آزاد اقتفی اثره فی المدح و حاول وان لم یبلغ مبلغه ، فاذا ما نظرنا الی النسبة فی هذااللقبامکن لنا نقبله بدون اعتراض "١٠٦ ؎

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ حسان الہند کا لقب آزاد کا حق ہے۔متنازعہ فیہ امر یہ ہے کہ یہ لقب انہیں زندگی میں ملا تھا یا بعد میں ، درج بالا بحث سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ لقب ان کی زندگی کے بعد کسی عقیدت مند نے ان کے نام کے ساتھ ملحق کر دیا، ڈاکٹر الشلقامی نے بڑے اعتماد کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ لقب ان کی کسی تحریر میں موجود نہیں اور نہ ہی ان کی زندگی میں اس کا کوئی حوالہ دستیاب ہے، حالانکہ دائرۂ معارف کے فاضل مقالہ نگار کی طرح خود الشلقامی کا دعویٰ بھی عدم معلومات کی وجہ سے ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ لقب انہیں زندگی میں ہی مل چکا تھا اور انہیں اس پر فخر و ناز تھا آزاد کا شعر ہے۔ ؎

چوں مدحِ رسول کامِ من شد
حسان الہند نامِ من شد ١٠٧ ؎

الغرض سید آزاد بلگرامی برصغیر کی عربی نعتیہ شاعری کے وہ گل سرسبد ہیں کہ جن کو برصغیر پاک و ہند کا سب سے بڑا عربی شاعر ہونے کا فخر حاصل ہے۔

حوالے

١۔اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد نمبر-١ ص ١٠٤ (٢) مقالات شبلی جلد پنجم ص ١١٢ (٣) مقالات شبلی جلد پنجم ص ١١٢ (٤) نزھة الخواطر الجزالسادس ص ٢٠١، تذکرہ ماباد ہندی ص ٣٦٣ (٥) ماثر الکرام مقدمہ ص ٣٢ (٦) ماثر الکرام مقدمہ ص ٣٧ (٧) حدائق الحنفیہ ص ٤٧٣/٤٧٢ (٨)۔ اتحاف النبلاً ٣٢٠ (٩) مقالات شبلی جلد پنجم ص ١١٧ (١٠) مقالات شبلی جلد پنجم ص ١١٧ (١١) اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد اص ١٠٦ (١٢) اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد اص ١٠٦/١٠٥ (١٣) ماثر الکرام ص ٢٩٢ (١٤) نزھة الخواطر الجزالسادس ٢٠٢۔ (١٥) ابجد العلوم الجز الثالث ص ٩٢ (١٦) نزھة الخواطر ص ٢٠٢ تا ٢٠٤ (١٧) شعر غلام علی آزاد بلگرامی فی العربیہ ، الشلقامیص ٤٢/٤١ (١٨) ماثر الکرام مقدمہ ص ٥٠ (١٩) نزھة الخواطر الجزالسادس

ص۳۰۲ (۲۰) علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ ص۱۸۴ (۲۱) شعر غلام علی آزاد بلگرامی فی العربیہ، الشلقامی ص۳۴ (۲۲) عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۴۱۱ (۲۳) تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند جلد۲، عربی ادب ص۳۶۲ (۲۴) مقالات شبلی جلد پنجم ص ۱۲۲ (۲۵) شعر غلام علی آزاد بلگرامی فی العربیہ، الشلقامی ص۴۵ (۲۶) ماثر الکرام مقدمہ ص۵۵ (۲۷) دیوان ثانی ص۳ (۲۸) دیوان اول ص۲ (۲۹) دیوان اول ص۲ (۳۰) دیوان اول ص۱۵ (۳۱) دیوان ثانی ص۲ (۳۲) دیوان اول ص۳ (۳۳) دیوان اول ص۷ (۳۴) دیوان اول ص ۸ (۳۵) دیوان اول ص ۳۳ (۳۶) دیوان ثالث ص۳ (۳۷) دیوان ثالث ص ۱۰ (۳۸) دیوان اول ص۳ (۳۹) دیوان اول ص ۲۱/۲۲/۳۰/۴۶ (۴۰) دیوان ثالث ص۴/۸ (۴۱) دیوان اول ص۲۳/۲۴ (۴۲) دیوان ثالث ص۱۱ (۴۳) دیوان اول ص۴۰ (۴۴) دیوان اول ص ۴۲ (۴۵) دیوان ثالث ص۵ (۴۶) دیوان او ل ص ۲۴/۳۷ (۴۷) دیوان ثالث ص۱۶/۴۰ (۴۸) دیوان اول ص۲۰ (۴۹) دیوان اول ص ۳۸ (۵۰) دیوان ثالث ص ۱۱ (۵۱) دیوان اول ص۳/۳۰/۲۸ (۵۲) دیوان ثالث ص ۱۷ (۵۳) دیوان ثالث ص۳/۶ (۵۴) دیوان اول ص۳۰ (۵۵) دیوان ثالث ص۳/۱۱ (۵۶) دیوان اول ص۳۰ (۵۷) شعر غلام علی آزاد بلگرامی الشلقامی ص۸۷ (۵۸) دیوان اول ص ۹/۲۶/۲۸ (۵۹) دیوان اول ص ۴۴/۳۴/۴۱ (۶۰) دیوان اول ص ۱۰/۱۶ (۶۱) دیوان ثانی ص۳ (۶۲) دیوان اول ص ۳۴ (۶۴) دیوان اول ص ۲۲/۴۷ (۶۵) دیوان اول ص۳/۵ (۶۶) دیوان اول ص۱۱ (۶۷) دیوان اول ص۴ (۶۸) دیوان ثالث ص۵ (۶۹) شعر غلام علی آزاد بلگرامی الشلقامی ص۲۹۴ (۷۰) دیوان اول ص ۷ (۷۱) دیوان ثالث ص۵/۱۰ (۷۲) دیوان اول ص ۲۳ (۷۳) دیوان ثالث ص ۷ (۷۴) دیوان اول ص ۷/۱۶/۲۷ (۷۵) دیوان ثالث ص ۱۳ (۷۶) دیوان اول ص۱۵ (۷۷) سبحۃ المرجان ص ۱۲۵ (۷۸) سبحۃ المرجان ص ۱۲۵ (۷۹) دیوان اول ص۴۱ (۸۰) شعر غلام علی آزاد بلگرامی الشلقامی ص۵۲ (۸۱) شعر غلام علی آزاد بلگرامی ص۵۲ (۸۲) دیوان اول ص۳۴ (۸۳) دیوان اول ص ۱۶ (۸۴) ماثر الکرام پیش لفظ از ڈاکٹر وحید قریشی ص۲۰ تا ۲۲ (۸۵) الشعر والشعرا ٔص ۷ (۸۶) تذکرہ اسلاف حالات مشائخ کاندھلہ ص ۱۵۲ (۸۷) الہلال ۱۱/محرم ۱۴۳۲/۱۰/دسمبر ۱۹۹۲ص۱۳ (۸۸) مقالات شبلی جلد پنجم ص ۱۲۲ (۸۹) تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند جلد دوم عربی ادب ص۲۴ (۹۰) تاریخ ادبیات

مسلمانان پاکستان و ہند جلد دوم عربی ص۲۲ شعر غلام علی آزاد بلگرامی ص ۲۱۸ (۹۱) شعر غلام علی آزاد بلگرامی ص ۱۸۷ (۹۲) اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد اص ۱۰۹ (۹۳) عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۱۴۵ (۹۴) ابجد العلوم الجز الثانی ص ۹۲۲ (۹۵) اتحاف النبلاً ص ۳۳۱ (۹۶) نزہۃ الخواطر الجز السادس ۲۰۴ (۹۷) ابجد العلوم الجزٔ الثالث ص ۹۲۲ (۹۸) اتحاف النبلاً ص ۳۳۱ (۹۹) حدائق الحنفیہ ص ۴۷۲ (۱۰۰) تذکرۂ علمائے ہند ۳۶۲ (۱۰۱) عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۲۲۱ (۱۰۲) الأعلام الجزٔ الخامس ص ۳۱۴ (۱۰۳) اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد اص ۱۰۵ (۱۰۴) ماثر الکرام پیش لفظ ص ۱۹ (۱۰۵) شعر غلام علی آزاد بلگرامی فی العربیہ۔ الشلقامی ص ۲۹ (۱۰۶) شعر غلام علی آزاد بلگرامی فی العربیہ۔ الشلقامی ص ۲۹ (۱۰۷) شعر غلام علی آزاد بلگرامی فی العربیہ۔ الشلقامی ص ۲۹ (۱۰۸) خزانہ عامرہ ص ۴ (۱۰۹) ماثر الکرام مقدمہ ص ۵۴۔

ooo

ڈاکٹر مشاہد رضوی (مالیگاؤں)

حسان الہند علامہ سید میر غلام علی آزاد بلگرامی

کشورِ ہندوستان میں اسلام و ایمان، علم و فضل اور شعروادب کی ترویج و بقا میں صوبۂ اتر پردیش بڑا ہی زرخیز واقع ہوا ہے۔ اس صوبے کی علمی خدمات اظہر من الشّمس ہیں۔ یہاں سے علوم وفنون کی وہ ندیاں رواں دواں ہوئیں کہ گلشنِ معرفت و روحانیت آج تک سرسبز و شاداب ہے، اس خطے کو شیرازِ ہند بھی کہا جاتا ہے۔ ریاستِ اتر پردیش کے مختلف اضلاع اور شہروں میں بڑے بڑے علما و صلحا، فقہا و صوفیہ اور مشائخِ عظام نے اپنا مسکن بنا کر تزکیۂ باطن اور اصلاح و تذکیر کے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ جون پور، لکھنؤ، الٰہ آباد، چریا کوٹ، کاکوری، سندیلہ، موہان، خیرآباد، بریلی، مبارک پور، کچھوچھہ، لاہر پور، بلگرام وغیرہ نہ جانے ایسے کتنے شہر ہیں جہاں علوم وفنون میں یگانہ، درس و تدریس میں مشّاق، شعر و ادب میں ممتاز اور تصنیف و تالیف میں منفرد ہستیاں جلوہ گر ہوئیں اور ان کی علمی یادگاریں آج بھی اہلِ علم و دانش اور تشنگانِ علم وفن کو سیراب کر رہی ہیں۔

بلگرام اسی ریاست کے ضلع ہردوئی کی بہ ظاہر ایک چھوٹی سی بستی کا نام ہے۔ مگر اس کی شہرت اکنافِ عالم میں پھیلی ہوئی ہے۔ یہ بستی دینی و علمی، روحانی و عرفانی، شعری و ادبی اور جغرافیائی لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے۔ بادشاہ شمس الدین التمش کے دورِ حکومت میں مسلمانوں کے قدم اس سرزمین پر پہنچے اور یہاں اسلامی شان وشوکت اور تہذیب و تمدن کا چرچا ہوا۔ ساتویں صدی ہجری میں یہاں قدم رنجہ فرمانے والے مسلمانوں میں ساداتِ زیدیہ کا بھی ایک خاندان تھا۔ جس میں جید علما، اولیا، صوفیہ، شعرا، ادبا، حکما اور فقہا گذرے ہیں۔ جنھوں نے بلگرام شریف کی سرزمین کو ایسا تقدس عطا کیا کہ یہ اسلامی علوم وفنون کا گنجینہ، تزکیۂ نفس وطہارتِ قلبی کا مرکز، شعر وادب اور علم وفن کا گہوارہ بن گئی۔

فاتح بلگرام حضرت سید محمد صغرا نور اللہ مرقدہٗ (م 627ھ) نے اس شہر کو فتح کیا اور یہیں فروکش ہو گئے۔ بلگرام کی فتح، اس کے تاریخی پس منظر، جغرافیائی محل وقوع اور بلگرام کی وجہِ تسمیہ کو سمجھنے کے لیے اس مقام پر ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ یافتہ مشہور ادیب و شاعر شرفِ ملت حضرت سید محمد اشرف میاں قادری برکاتی (انکم ٹیکس کمشنر، دہلی) کی عبارتِ ذیل کو پیش کرنا غیر مناسب نہ ہوگا۔ موصوف اپنی کتاب ''یادِ حسنؔ'' میں رقم طراز ہیں:

''بلگرام ہندوستان کے صوبۂ اودھ کا مشہور و معروف مردم خیز قصبہ ہے۔ آج کل ہردوئی کے توابع میں ہے۔ اس کا طول البلد ایک سو سولہ درجے اور پندرہ دقیقے اور عرض البلد چھبیس درجے پچپن دقیقے، سمتِ قبلہ پچپن دقیقے، مغرب سے شمال کی جانب مسافتِ بلگرام اور مکۂ مکرمہ کے درمیان پینتیس درجے ترپن دقیقے اور فرسخوں کے اعتبار سے فاصلۂ بلگرام اور بلد الحرام کے درمیان سات سو نواسی فرسخ ہے۔ اس کا نام پہلے وہاں کے راجا کے نام پر سری نگر تھا۔ حضرت شاہ حمزہ صاحب ''فص الکلمات'' میں لکھتے ہیں کہ اس وقت تک بھی یہ نام عوام اور ہندوؤں کی زبان پر جاری تھا۔ حضرت جدی صاحب البرکات قدس سرہٗ نے بھی اپنے ہندی دوہے میں فرمایا ہے۔

ہم باسے سری نگر کے، آئے بسے سب چھور
مارہرے سے نگر موں جہاں ساہ نہیں چور
ہم پورب کے پوربیا جات نہ بوجھے کوئے
جات پات سو بوجھئے جو ڈھر پورب کا ہوئے

ہمارے حضرت جدِ اعلا سید محمد صغرا نے بعدِ فتح، بلگرام کو مرکزِ دائرۂ اسلام بنا کر اس کا نام سری نگر سے بدل کر بلگرام رکھ دیا (فص مآثر) اور پھر یہی مشہور ہو گیا، یہاں تک کہ اب کوئی سری نگر نہیں کہتا۔ فقیر کہتا ہے شاید اس نام سے موسوم اس لیے کیا گیا ہے کہ بعد کے لوگوں کو یہ نام شوکت وقوتِ اسلام کی یاد دلاتا رہے کہ وہ مقام جو ''بیل'' ایسے دیوِ لعین کا ''گرام'' وجائے قیام تھا۔ آج بفضلہٖ تعالیٰ و بحولہٖ وقوتہٖ جل جلالہ نزہت کدہ شعائرِ اسلام ہے۔ اس لیے کہ یہ نام مرکب ہے دو لفظوں سے ایک بیل، دوسرا گرام بہ معنی مقام و شہر وآبادی... اور بیل ایک دیو ملعون کا نام تھا جسے اس زمانے کے جوگی اور ساحر جو بلگرام میں بہت رہتے تھے، کوہستانِ کشمیر سے پوجا پاٹ اور جادو سیکھنے کے ذریعے سے تسخیر کر کے اپنی مدد اور اعانت کے لیے یہاں لائے اور اسے یہاں رکھا تھا۔ یہ شیطان لعین ایسا زبردست تھا کہ دور دور تک اپنے مخالف کو نہ رہنے دیتا اور سوائے اپنی پوجا کے

کسی کی پوجا نہ ہونے دیتا۔ اگر کوئی اسے نہ پوجتا تو اسے آزار واذیت پہنچاتا۔ حضرت خواجہ عماد الدین بلگرامی قدس سرہٗ نے حضرت سید محمد صغرا کے بلگرام فتح کرنے سے چند سال پہلے اپنی قوتِ باطنی اور زورِ روحانی سے بحول وقوتِ الٰہی اس دیوِ لعین کو خاک کرڈالا۔ جب یہ خبر راجا بلگرام کو پہنچی، اس نے چاہا کہ حضرت خواجہ پر فوج کشی کرے۔ اس کے مشیروں نے سمجھایا کہ ہم نے اپنی پوتھیوں میں دیکھا ہے کہ ایک زمانہ میں اس سرزمین پر مسلمان چھا جائیں گے اور جو ان سے مقابلہ کرے گا وہ بجز ذلت و ناکامی اور کچھ نتیجہ نہ پائے گا۔ لہٰذا ان درویش سے تعرض نہ کرنا چاہیے جو ایسے زبردست ہیں کہ جس بیل دیو ملعون کے بل بوتے پر ہم کودتے تھے، اسے انھوں نے ایک دم میں نابود کرڈالا۔ تیری کیا طاقت ہے جو ان سے مقابلہ کرسکے گا۔ آخر راجا نے فوج کشی سے باز آ کر ایک جوگی کو جو سحرِ ساحری میں طاق تھا، حضرت کے مقابلہ میں بھیجا۔ حضرت کے سامنے اس نے کچھ سحر کے شعبدے دکھائے جنہیں حضرت نے بحول وقوتِ الٰہی دفع کردیا۔ آخر وہ جوگی مشرف بہ اسلام ہوکر راجا کے پاس واپس گیا اور اپنے سحر کی بے اثری اور حضرت کے زورِ باطن اور دینِ اسلام کی بزرگی وقوت بیان کرکے راجا کو دعوتِ اسلام دی۔ اس سے راجا غصہ ہوکر بولا: تو پرانا رفیق ہے ورنہ میں تجھے مرواڈالتا۔ اس نے کہا تیری کیا طاقت ہے جو مجھے مروا ڈالے۔ میں نے ایسے برگزیدۂ حق کا ہاتھ پکڑا ہے کہ تیرے ایسے ہزاروں اس کے سامنے خس برابر ہیں۔ اور وہاں سے آ کر حضرت خواجہ صاحب سے اس راجا مغرور کے تعصبِ کفر کا حال بیان کرکے اس کے قلع قمع کے لیے عرض کیا۔ حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا: اس بیل دیوِ لعین کو مارڈالنا تو فقیر کے ہاتھ سے مقدر تھا جو واقع ہوا اور اس کافر راجا کا استیصال بھی کچھ دشوار نہیں۔ مگر تقدیرِ الٰہی میں یوں جاری ہوچکا ہے کہ ولایت سے ایک سید مسلمانانِ اہلِ عرب کی فوج کے ساتھ آ کر راہِ حق میں جہاد کرے گا اور ان کافروں کو ان کے مقرِ اصلی جہنم پہنچائے گا۔ چناں چہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد حضرت سید محمد صغرا نے آ کر بلگرام فتح فرمایا اور اسلام آباد کردیا (نظم اللآلی)۔

جہاں سے بڑے بڑے اکابر اولیا و علما و فضلا و کملا مثل حضرت سید شاہ بڈھ بلگرامی و حضرت سید میر عبد الواحد بلگرامی، صاحبِ سبع سنابل و حضرت طیب و حضرت سید العارفین شاہ لدھا بلگرامی و علامہ سید عبد الجلیل بلگرامی و حضرت حسان الہند مولانا غلام علی آزاد اور حضرت علامہ زماں سید مرتضٰی بلگرامی زبیدی یمنی، صاحبِ تاج العروس شرحِ قاموس وغیرہم اجلہ اکابر نامدار اٹھے، جنکے فضائل و کمالات علمی و عملی آج بھی چہاردانگِ عالم میں مشہور و معروف ہیں۔‘‘

بلگرام شریف کی عظمت و رفعت پر ہر دور کے علما و فضلا اور دانشوروں نے خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ ساداتِ مارہرہ مطہرہ کے مورثِ اعلا مشہور بزرگ حضرت سید میر عبدالجلیل بلگرامی قدس سرہٗ (م1725ء) ''امواج الخیال'' میں بلگرام کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہیں۔

سبحان اللہ چہ بلگرامے
کوثر مَے آفتاب جامے
خاکش گلِ نوبہار عشق است
آبش مَے بے خمار عشق است
از عشق سرشت ایزدِ پاک
از روزِ ازل خمیرِ ایں خاک

حضرت میر عبدالجلیل بلگرامی قدس سرہٗ کے فرزندِ ارجمند حضرت میر سید محمد شاعؔر بلگرامی علیہ الرحمہ بلگرام کی مدحت میں یوں گویا ہیں۔

سیرِ باید کرد یاراں، نوبہارِ بلگرام
بر زمرد ناز دارد سبزہ زارِ بلگرام
ہر نفَس عطرِ گلستانِ یمن بُو می کند
خوش دماغاں از نسیمِ مشک بارِ بلگرام
اہلِ معنی کسبِ انوارِ سعادت می کنند
از سوادِ اعظمِ دولت مدارِ بلگرام
یادِ ہندوستاں کجا از خاطرِ طوطی رَوَد
می کند شاعؔر بجا وصفِ دیارِ بلگرام

علاوہ ازیں مجدِ داعظم اعلاحضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ (م340ھ/ 1921ء) بلگرام شریف کی مقدس خاک کے لیے یوں اپنا نذرانۂ خلوص وعقیدت پیش کرتے ہیں۔

اللہ اللہ! عز و شان و احترامِ بلگرام
عبدِ واحد کے سبب جنت ہے نامِ بلگرام روزِ عرس
آوارگانِ دشتِ غربت کے لیے
من و سلویٰ ہیں مگر خُبز و اَدامِ بلگرام

آسماں عینک لگا کر مہر و مہ کی دیکھ لے
جلوۂ انوارِ حق ہے صبح و شامِ بلگرام
تھا "بما استحببت بلده" کا پاسخ بالکرام
مرکزِ دینِ مبیں ٹھہرا یہ نامِ بلگرام
یادگار اب تک ہیں اس گل کی بہارِ فیض کے
خندہ ہائے گل رُخاں و لالہ فامِ بلگرام
لائی ہے اس آفتابِ دیں کی تحویلِ جلیل
ساغرِ مارہرہ میں صہبائے جامِ بلگرام

مغل بادشاہ اکبر کے عہد سے بلگرام شریف کی مذہبی و دینی اور علمی وادبی خدمات کا پوری دنیا میں طوطی بول رہا ہے۔ یہاں کے علما وصلحا، فقہا وصوفیہ، حکما وکملا اور شعرا وادبا کی خدماتِ جلیلہ کا ایک جہاں معترف ہے۔ انھیں بلند پایا شخصیات میں ایک قد آور اور مایۂ ناز نام حضرت حسان الہند علامہ سید میر غلام علی آزاد چشتی واسطی بلگرامی قدس سرہٗ کا بھی ہے۔

نام ونسب اور والدین

حضرت حسان الہند علامہ غلام علی آزاد چشتی واسطی بلگرامی قدس سرہٗ نسباً حسینی، اصلاً واسطی، مذہباً حنفی، مشرباً چشتی اور مولداً ومنشاً بلگرامی ہیں۔ آپ اپنے زمانے کی مشہور علمی و رحانی شخصیت حضرت سید نوح حسینی بلگرامی کے جلیل القدر فرزند ہیں۔ حسان الہند علامہ آزاد بلگرامی کے والدِ گرامی تقوا و پرہیز گاری اور استقامت فی الدین میں آپ اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ حسان الہند علامہ آزاد بلگرامی کی والدہ ماجدہ حضرت میر سید عبدالجلیل بلگرامی قدس سرہٗ بن سید احمد قدس سرہٗ کی دخترِ نیک اختر تھیں، آپ قائم اللیل اور صائم النہار خاتون تھیں۔ حسان الہند علامہ آزاد بلگرامی کا شجرۂ نسب اس طرح ہے۔

پدری شجرۂ نسب

علامہ غلام علی آزاد بن سید نوح بن سید فیروز بن اللہ داد بن سید امان اللہبن محمود ثانی بن سید حسین بن سید نوح بن سید محمود اول بن سید خداداد بن سید لطف اللہ بن سید سالار بن سید حسین بن سید نصیر بن سید حسین بن سید عمر بن سید محمد صاحب الدعوۃ الصغرا بن سید علی بن سید حسین بن

سید ابولفرح ثانی بن سید ابولفراس بن سید ابوالفرح واسطی بن سید داود بن سید حسین بن سید یحییٰ بن سید زید بن سید علی بن سید حسن بن سید علی عراقی بن سید حسین بن سید علی بن سید محمد بن سید عیسیٰ موتم الاشبال بن سید زید شہید بن امام زین العابدین بن سیدنا امام حسین شہیدِ کربلا بن سیدنا علیِ مرتضیٰ زوجِ دخترِ رسول فاطمۃ الزہراء۔

مادری شجرۂ نسب

علامہ غلام علی آزاد بن دخترِ علامہ میر عبدالجلیل بلگرامی بن سید احمد بن سید عبداللطیف بن سید محمود ثانی بن سید حسین بن سید نوح بن سید محمود اول بن سید خداداد بن سید لطف اللہ بن سید سالار بن سید حسین بن سید نصیر بن سید حسین بن سید عمر بن سید محمد صاحب الدعوۃ الصغرا بن سید علی بن سید حسین بن سید ابولفرح ثانی بن سید ابولفراس بن سید ابوالفرح واسطی بن سید داود بن سید حسین بن سید یحییٰ بن سید زید بن سید علی بن سید حسن بن سید علی عراقی بن سید حسین بن سید علی بن سید محمد بن سید عیسیٰ موتم الاشبال بن سید زید شہید بن امام زین العابدین بن سیدنا امام حسین شہیدِ کربلا بن سیدنا علیِ مرتضیٰ زوجِ دخترِ رسول فاطمۃ الزہراء۔

ولادتِ باسعادت

حضرت حسان الہند میر سید غلام علی آزاد چشتی واسطی بلگرامی کی ولادتِ باسعادت 25 صفر المظفر 1116ھ/ 1704ء بروز اتوار کو بلگرام شریف میں فاتح بلگرام حضرت سید محمد صغرا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مقدس خانوادہ میں ہوئی۔ حسان الہند علامہ آزاد بلگرامی کی نشوونما اسی مقدس دیار میں ہوئی۔ آپ نے روحانیت وعرفانیت سے مملو ایسے ماحول میں بچپن اور عنفوانِ شباب کی منزلیں طے کیں جہاں علم وفضل اور زہد وتقوا کا چشمۂ جاری تھا۔ آپ دادیہال اور نانیہال دونوں ہی طرف سے فاتحِ بلگرام حضرت سید محمد دعوۃ الصغر انور اللہ مرقدہٗ کی نسبت سے صغروی خاندان کے چشم وچراغ تھے۔ جس خاندان میں بڑے بڑے شریعت وطریقت، حقیقت ومعرفت اور علوم وفنون کی شخصیات نے جنم لیا تھا۔ ایسے دینی، اسلامی اور روحانی ماحول نے حسان الہند علامہ آزاد بلگرامی کو بچپن ہی سے خوب نکھارا اور کندن بنا دیا۔

تعلیم وتربیت

علوم وفنون کے مرکزی شہر بلگرام سے تعلق رکھنے والے اس عظیم فرزند نے زیادہ تر

اپنے خاندانی علمائ واولیا کی آغوش میں تعلیم وتربیت حاصل کی ۔ اپنے عہد کے مشہور و معروف اور قابل استاذ ، عالمِ جلیل حضرت علامہ سید طفیل محمد ابن شکر اللہ حسینی اترولوی ثم بلگرامی علیہم الرحمہ (م 1151ھ) سے بھی علامہ آزاد بلگرامی نے درسیات کی جملہ منقولات ومعقولات کی کتابیں پڑھیں ۔ اور اپنے نانا حضرت علامہ سید عبدالجلیل ابن سید میر احمد حسینی واسطی بلگرامی علیہم الرحمہ سے لغت وسیرتِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) احادیثِ طیبہ کی اسناد اور عربی وفارسی کے اشعار کا درس لیا۔ آپ سے حدیث ''المسلسل بالآ ولی'' اور حدیث ''الآ سودین التمر والماء'' سماعت کی ، اس درس میں آپ کے خالہ زاد بھائی علامہ میر سید یوسف قدس سرہٗ (ولادت 1116ھ) بھی آپ کے ساتھ رہا کرتے تھے ۔ چناں چہ اپنی کتاب ''ماثر الکرام'' میں نانا حضور علامہ سید میر عبدالجلیل بلگرامی قدس سرہٗ کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ آزاد لکھتے ہیں کہ :

> ''بندہ اور میر محمد یوسف کہ ہم دونوں حضور کے حقیقی نواسے ہیں ، شرفِ تلمذ سے سعادت اندوز ہوئے اور دونوں نے سندِ حدیث بالاولیۃ اور حدیثِ الاسودین اور اکثر کتبِ احادیث کی اجازت حاصل کیں ۔'' (427)

طرح فنِّ شاعری کی باریکیاں ، عروض وقوافی اور کچھ دیگر ادبی علوم وفنون اپنے ماموں محترم حضرت سید محمد ابن سید عبدالجلیل بلگرامی (ولادت 1101ھ) سے حاصل کیے ۔ علاوہ ازیں جب حسان الہند علامہ آزاد بلگرامی 1151ھ میں حجِ بیت اللہ اور زیارتِ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ تشریف لے گئے ۔ تب مدینہ طیبہ میں حضرت شیخ محمد حیات سندھی مدنی قدس سرہٗ سے (م 1163ھ) سے بخاری شریف کا درس لیا اور صحاحِ ستہ کی اجازت لی ۔ اور حضرت شیخ عبدالوہاب طنطاوی قدس سرہٗ (م 1157ھ) کی فیض بخش صحبت بھی آپ کو میسر آئی ۔ اِن سے علامہ آزاد بلگرامی نے فنِ حدیث اور اصولِ حدیث کی باریکیاں اور دقائق سے متعلق بھرپور استفادہ کیا ۔ اس ضمن میں علامہ آزاد نے ''ماثر الکرام'' میں خود اپنے تذکرے میں رقم طراز ہیں ۔

> ''مدینہ منورہ علیہ التحیۃ والثناء میں شیخنا واستاذنا مولانا شیخ محمد حیات سندھی مدنی حنفی قدس سرہٗ کی خدمت میں بخاری کی قراءت کی اور صحاحِ ستہ اور مولانا کی تمام مفردات کی اجازت بھی حاصل کی ۔'' (ص 441)

اساتذہ کی عنایتیں

حسان الہند علامہ آزاد بلگرامی نے جن جن اساتذۂ کرام سے اکتسابِ فیض کیا انھوں نے آپ پر بے انتہا شفقت و مہربانی فرمائی۔ دراصل خود علامہ آزاد اپنے اساتذہ کا بے حد ادب و احترام سے کرتے تھے اور آپ کو علوم وفنون کی تحصیل میں جو لگن اور دلچسپی تھی اس کے سبب بھی آپ اپنے اساتذہ کے منظورِ نظر تھے۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت میر سید محمد طفیل بلگرامی قدس سرہٗ آپ سے بے پناہ محبت اور خاص عنایت فرماتے تھے۔ حسان الہند علامہ آزاد بلگرامی اور آپ کے حقیقی خالہ زاد بھائی حضرت علامہ میر سید محمد یوسف قدس سرہم دونوں ہی ہم سبق تھے، ان دونوں خالہ زاد بھائیوں سے اساتذہ کی شفقتیں اور محبتیں نیز ان حضرات کا اپنے اساتذہ کے تئیں احترام و عقیدت کے جذبات فی زمانہ مفقود ہوتے جارہے ہیں۔

علامہ آزاد نے مکۂ معظّمہ میں حضرت شیخ عبدالوہاب طنطاوی قدس سرہٗ (م 1157ھ) سے بھی علمِ دین حاصل کیا جب آپ نے حضرت طنطاوی قدس سرہٗ کی بارگاہ میں اپنا تخلص ''آزاد'' پیش کیا تو حضرت نے اظہارِ مسرت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''یا سیدی! انتَ مَن عتقاء اللہ تعالیٰ''یعنی اے میرے آقا! آپ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ خاص بندوں میں سے ہیں۔

(مآثر الکرام، ص: 261)

استاذِ محترم کی اس عنایتِ خسروانہ پر علامہ آزاد نے یوں اظہارِ خیال کیا کہ:

''شیخ قدس سرہٗ کی اس مبارک عطا سے جو اِس گرفتار کے بارے میں زبانِ مبارک سے نکلی بہت امیدیں آخرت میں رکھتا ہے۔''(مآثر الکرام، ص: 261)

اسی طرح علامہ آزاد بلگرامی اپنے استاذ نانا حضور حضرت علامہ میر سید عبدالجلیل بن سید احمد قدس سرہم کی عنایتوں اور نوازشوں کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

''راقم الحروف آں جناب کا حقیقی نواسا ہے اور اس آفتاب سے بھیک مانگنے والا ایک ذرّہ ہے۔ مجھ ناچیز کے حال پر بہت مہربان تھے۔ دارالخلافہ شاہ جہاں آباد کی ملازمت کے زمانے میں دو بار فرمایا کہ میری خواہش ہے کہ تمہارے وجود کے لیے کوئی نشانی مجھ سے باقی رہے۔''(مآثر الکرام، ص 393)

علامہ آزاد سے ان اساتذہ نے جو محبتیں کیں آپ نے اپنی اکثر تصانیف میں ان کا ذکر کیا ہے ساتھ ہی بعض اساتذہ کے لیے عربی میں شان دار مدحیہ قصائد بھی ارقام فرمائے ہیں۔ یہ قصائد

شعروادب کا گنجینہ ہونے کے ساتھ اپنے ممدوحین سے سچی محبت وعقیدت کا اظہار یہ ہیں۔ نانا جان میر سید عبدالجلیل بن سید احمد بلگرامی کی شان میں لکھے گئے قصیدے کے بارے میں مولانا سید مصطفیٰ سورتی فرماتے ہیں کہ: ’’یہ قصیدہ حق رکھتا ہے کہ اس پر رشک کیا جائے۔‘‘ (مآثر،ص:394)

بیعت وخلافت

حسّان الہند علامہ غلام علی آزاد بلگرامی جس عالی نسب خاندان کے چشم و چراغ تھے اس کی میدانِ تصوف میں خدمات اظہر من الشّمس ہیں۔ آپ کو بچپن ہی سے تصوف و روحانیت اور معرفت وطریقت سے گہرا لگاؤ تھا۔ آپ کم عمری ہی سے ذکر وفکر اور تزکیہ ومجاہدہ میں مصروف رہا کرتے تھے۔ تصوف ومعرفت کی اسی تشنگی کو بجھانے کے لیے آپ نے تصوف کے دو مشہور سلاسل چشتیہ وقادریہ کے حسین سنگم شیخِ کامل سید العارفین سند الکاملین حضرت علامہ شاہ سید لطیف اللہ شاہ عرف لدہا بلگرامی نور اللہ مرقدہٗ (م 1143ھ) کے دستِ حق پرست پر 1137ھ میں بیعت ہوکر سلسلہ چشتیہ وقادریہ میں داخل ہوئے۔ اور حضرت شیخ لدہا قدس سرہٗ کی جانب سے سلسلے کی اجازت وخلافت سے بھی سرفراز ہوئے۔ سید العارفین حضرت علامہ شاہ سید لطیف اللہ شاہ عرف لدہا بلگرامی کی شخصیت شریعت وطریقت کے رازوں کا سرچشمہ تھی۔ آپ کو اپنے زمانے کے علما و مشائخ اور صوفیہ کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ بڑے بڑے فُضَلا آپ کی روحانی وعرفانی تربیت پر فخر کیا کرتے اور شرَفِ بیعت حاصل کیا کرتے تھے۔ چناں چہ حضرت شاہ فضل اللہ کالپوی قدس سرہٗ نے بھی آپ سے ایک مدت تک اکتسابِ فیض کیا اور خانقاہِ مارہرہ مطہرہ کی عظیم روحانی وعلمی شخصیت حضرت سید شاہ برکت اللہ عشقی وپیمی مارہروی قدس سرہٗ نے بھی حضرت سید العارفین قدس سرہٗ سے تربیت پائی اور اجازت حاصل کی۔

سیر وسیاحت

ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی (مولانا آزاد نیشنل اردو یونی ورسٹی، حیدرآباد) کے مطابق علامہ آزاد بلگرامی کے بعض سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ نے بلگرام میں اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد مزید تعلیم کے لیے دہلی کا قصد کیا تھا۔ لیکن وہاں انھوں نے کیا پڑھا اور کس سے پڑھا اس ضمن میں سوانح نگاروں کی زبانیں خاموش ہیں۔ بہ ہر حال! تعلیم سے مکمل فراغت کے بعد اپنے ماموں حضرت سید محمد بلگرامی کے بلانے پر آپ نے سندھ کا سفر اختیار فرمایا، جہاں علامہ آزاد کے

ماموں ایک سرکاری منصب پر فائز تھے۔ آپ کے وہاں پہنچنے پر ان کے ماموں نے انھیں اپنا قائم مقام بنا کر بلگرام واپس آ گئے جہاں وہ چار سال تک مقیم رہے۔ اس دوران علامہ آزاد نے ان کی تمام تر ذمہ داریوں کو بہ حسن وخوبی نبھایا۔ سندھ سے جب علامہ آزاد نے واپسی اختیار فرمائی تو انھیں دہلی میں یہ اطلاع ملی کہ ان کا خاندان عارضی طور پر الٰہ آباد میں قیام پذیر ہے تو انھوں نے دہلی سے الٰہ آباد کا سفر کیا اور وہاں کچھ عرصہ مقیم بھی رہے۔

سفرِ حج و زیارتِ حرمین شریفین

حسان الہند علامہ غلام علی آزاد بلگرامی ان خوش نصیب افراد میں سے ہیں جنھیں بچپن ہی میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہو چکا تھا۔ تب سے ہی علامہ آزاد مکۂ معظّمہ اور روضہ رسولِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے بے تاب و بے قرار رہا کرتے تھے کہ کسی طرح پر پرواز مل جائے اور اُڑ کر یہ غلام وشیدا مکۂ معظّمہ اور بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو جائے، اس سلسلے میں خود علامہ آزاد نے یوں روشنی ڈالی ہے:

> ''اِس جلوہ احمدی کے شیدا اور فتراک محمدی کے شکار نے کم سنی ہی میں ایک خواب دیکھا کہ مکۂ معظّمہ زادہا اللہ تعظیماً میں حاضر ہوں اور جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کی ایک محراب میں کھڑے ہیں۔ فقیر نے حضور میں حاضری دی، آپ نے خوب توجہ فرمائی اور مسکراتے لبوں سے چند باتیں ارشاد فرمائیں۔ اب تک وہ جمالِ جہاں آرا خاص طور پر تبسمِ مبارک کی چمک دمک میری نگاہوں میں ہے، اسی وقت سے جب بھی یہ خواب یاد آتا ہے تو شوق کی زنجیر ہلا جاتا ہے۔'' (مآثر الکرام، ص: 434)

کون ومکاں صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک تبسم کی یاد زیارتِ حرمین شریفین کے لیے شوق اور تڑپ کو بڑھاتی رہی۔ جب حسان الہند علامہ آزاد بلگرامی میں صبر وقرار کی تاب نہ رہی تو اِس عاشق وشیدا پر رحمتِ رب اور عنایتِ رسول (جل وعلا و صلی اللہ علیہ وسلم) ہو ہی گئی اور رجب المرجب بروز پیر 1150ھ مطابق بہ عدد ''سفرِ خیر'' پیدل اور تنہا آپ گھر سے کوچہ جاناں صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بغیر کچھ سامانِ سفر لیے چل پڑے۔ آپ نے اپنے اس عزم بالجزم کی کسی کو مطلق خبر بھی نہ ہونے دی اور دیوانگیِ شوق کے مارے سوے حرم نکل پڑے۔ لیکن آپ کا یہ جوش بے ہوش جوش نہیں تھا بل کہ یہ جوش باہوش تھا۔ آپ نے مشہور ومعروف شاہراہوں کے بجائے غیر معروف راستوں صحراؤں اور بیابانوں کا انتخاب کیا تا کہ کوئی ان کی راہِ محبت میں رکاوٹ نہ بن

جائے اور ایسا ہی ہوگیا جب آپ کے گھر والوں کو اس بات کا علم ہوا کہ آزادؔ تنِ تنہا اور بے سروسامانی کے عالم میں عازمِ حج بیت اللہ ہوئے ہیں تو ان کے بھائی میر سید غلام حسین ان کی تلاش میں نکلے، لیکن وہ ان ہی راستوں پر چل رہے تھے جو حج کے مشہور راستے تھے کئی منزلوں تک ان کی تلاش جاری رہی، لیکن علامہ آزادؔ کو نہ ملنا تھا وہ نہ ملے۔ بالآخر میر سید غلام حسین درمیان ہی سے واپس آ گئے۔ علامہ آزاد نے بے خودی اور بے تابی کے عالم میں جو یہ مبارک سفر اختیار فرمایا تھا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خوب مدد کی۔ آپ نے خود اپنے اس سفر کی روداد لکھی ہے، سفر میں پیش آنے والے حالات و واقعات کو قلم بند کیا ہے۔ یہ روداد عربی و فارسی نثر و نظم دونوں میں ہے، آپ نے اپنے سفر نامے کو بڑے ہی مؤثر، دل پذیر، رقت انگیز اسلوب اور خوب صورت پیرایہ بیان میں رقم کیا ہے جو بہت خاصے کی چیز ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے اپنی مشہور تصنیف ''سبحۃ المرجان فی تاریخِ ہندوستان'' میں جو اپنی خودنوشت سوانح تحریر کی ہے اس میں بھی سفرِ حرمین شریفین کا حصہ ہی غالب ہے۔ فارسی میں ''طلسمِ اعظم'' کے نام سے آپ کی ایک طویل مثنوی ہے جو خاص اس مبارک و مسعود سفر کے احوال و آثار پر مشتمل ہے۔ اور یہی عنوان اس سفر کا مادۂ تاریخ بھی ہے۔ عربی و فارسی کے متعدد قصائد میں بھی آپ نے اپنے اس جذب و شوق کا والہانہ اظہار کیا ہے۔

مالوہ میں آمد

سفرِ حرمین کے لیے جب حسان الہند حضرت علامہ غلام علی آزادؔ بلگرامی علیہ الرحمہ وطن سے نکلے تو راستے کے مصائب و آلام اور تکالیف سے دوچار ہوتے ہوئے مالوہ پہنچے۔ آپ کے پیروں میں آبلے پڑ چکے تھے۔ چناں چہ اس کا ذکر اپنے فارسی قصیدے میں اس طرح نظم کیا ہے؎

می بریدم رہے بہ پائی
با رفیقے کہ بود تنہائی

جب آپ مالوہ پہنچے تو وہاں نواب آصف جاہ ایک اہم مہم کے سلسلے میں موجود تھا۔ ان کے ساتھ ان کا لشکر بھی تھا۔ آپ کو دیکھ کر ہی یہ ظاہر ہوتا تھا کہ آپ ایک طویل سفر طے کر کے آ رہے ہیں۔ نواب آصف جاہ کے سپاہیوں نے آپ کی خوب مہمان نوازی کی۔ جب آپ کی نواب آصف جاہ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے باوجود بڑی شانِ استغنا کے نواب کی شان میں یہ رباعی کہی؎

اے حامیِ دیں محیطِ جود واحساں
حق داد ترا خطاب آصف جہاں
او تخت بدرگاہِ سلیماں آورد
تُو آلِ نبی را بہ در کعبہ رساں

یعنی: اے دین کے حامی بخشش اور احسان کا سمندر حق تعالیٰ نے آپ کو آصف جہاں کا لائق خطاب عطا فرمایا۔ وہ آصف سلیمان علیہ السلام کی بارگاہ میں بلقیس کا تخت لایا تھا آپ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کو کعبہ کے دروازے تک پہنچا دو۔

چناں چہ نواب صاحب نے آپ کے لیے زادِ راہ اور رتھ نما سواری کا انتظام کیا۔ چناں چہ وہ رتھ بھی آپ کو بہت کام آیا جس کا ذکر قصیدے میں یوں کیا ہے۔

رُت لباسِ خوش الوان
راہ رفتے بسانِ تختِ رواں

علامہ آزادؔ نواب کی شان میں لکھی گئی رباعی کے بارے میں یوں راقم ہیں کہ: ''فقیر نے موزونیِ طبع کے باوجود اغنیا کی مدح میں پوری عمر کبھی زبان نہیں کھولی صرف یہ رباعی ہے جو سفرِ بیت اللہ کی استعانت کی خاطر سرزد ہوئی اور دو عربی شعر جو دفترِ ثانی میں نواب نظام الدولہ کے ترجمے میں مذکور ہوں گے۔'' اس امر سے حسان الہند علامہ آزادؔ بلگرامی علیہ الرحمہ کی شانِ استغنا ظاہر ہوتی ہے۔

مالوہ سے رخصت ہو کر حسان الہند علامہ آزادؔ بلگرامی علیہ الرحمہ محرم الحرام 1151ھ وجدہ پہنچ گئے۔ حسنِ اتفاق کہ سلسلہ چشت کہ ایک بزرگ حضرت سید محمد فاخر زائرؔ الٰہ آبادی علیہ الرحمہ (م 1162ھ) پہلے سے وہاں موجود تھے۔ دونوں ہم عصر اور ہم مشرب بھی تھے اور ساتھ ساتھ پہلے سے باہم تعارف بھی۔ علامہ آزادؔ نے عمرہ ادا کیا اور کعبۃ اللہ سے مدینۂ طیبہ کی طرف چل پڑے۔ آپ لکھتے ہیں کہ: ''چوں کہ مدینۂ سکینہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والتحیۃ کا شوق جلوہ ریز تھا۔ اس لیے اپنے اندر صبر کی طاقت نہ پا کر 26 محرم الحرام کو روز جمعہ نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے بعد مدینۂ مقدسہ کا راستہ لیا۔ پچیسویں صفر کہ میں اسی تاریخ میں پردۂ عدم سے شہرستانِ ہستی میں ظاہر ہوا تھا۔ اور قدم چھتیسویں منزل میں رکھ چکا تھا۔ صبح کے وقت مدینۂ منورہ کے گرد و نواح کے نظارے کو آنکھوں کا سرمہ بنایا، آرزو مند آنکھوں کو روضۂ اقدس کے قبے پر مَلا۔''

علامہ آزاد علیہ الرحمہ نے مدینۂ منورہ کی پاکیزہ فضاؤں میں نہایت شان دار بہاریہ نعتیہ غزل قلم بند فرمائی، جس کا مطلع ہے۔

نمود جلوۂ اعجازِ شمعِ مطلبی
نہ ماند شوخیِ چشمِ شرارِ بولہبی

فارسی کے علاوہ عربی میں آپ نے ایک قصیدہ تحریر فرمایا۔ جو ''تسلیۃ فوادفی قصائد آزاد'' میں درج ہے۔ یہ قصیدہ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے تئیں آپ کی بے پناہ اور والہانہ محبت و وارفتگی کا آئینہ دار ہے۔ بارگاہِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی بے تاب تمناؤں اور بے چین آرزوؤں کا اظہار کرتے ہوئے علامہ آزاد نے یوں عرض کیا ہے۔

قد جئت بابك خاشعا متضرعا
مالی وراك كاشف الضراء
احسن الیٰ ضیف بباك واقف
شان الكرام ضیافة الغرباء

بچپن ہی سے حسان الہند علامہ آزاد بلگرامی علیہ الرحمہ کے دل میں اپنے جدِ اعلیٰ نبیِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس آستانے پر حاضری کے لیے بے چین اور بے قرار تھے، آج آپ کی دلی مراد بر آئی تھی دل تھا جو عشقِ رسول ﷺ میں ڈوبا جا رہا تھا، آنکھیں تھیں جو دیارِ پاکِ رسول ﷺ میں اشک ریز تھیں۔ حضرت علامہ آزاد علیہ الرحمہ مکمل آٹھ مہینے تک بارگاہِ بے کس پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں قیام کیا۔ یہیں علامہ آزاد نے شیخ محمد حیات سندھی ثم مدنی سے درسِ حدیث لیا تھا اور تمام مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کی مدینۂ منورہ میں اتنے طویل قیام کے بعد بھی آسودگی میسر نہ آئی اور جب حج کا موسم آیا تو 14 شوال المکرّم کو سرکارِ ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم سے ادائیگی حج کی اجازت لینے کے لیے مواجہہ شریف کے حضور آکر یوں عرض کیا۔

علیك سلام اللّٰہ یا اشرف الوریٰ
لقد سال دمعی فراقك فانیا
وما انا كنت كالذی جاء منهلا
فذاق ولٰكن عاد ظمآن باكیا

علاوہ ازیں عربی کی جن قصائد میں انھوں نے اپنے جذب وشوق کو نظم فرمایا ان میں سے

چند اشعار نشانِ خاطر فرمائیں۔

هـــاج البـكـــاء الـیٰ مـنـــازل رحـمة
مســقية بـــالـــديـــمة الهــطــلاء

مـــالاح مــن نـــحـــو الا بـــارق بـــارق
الا وازكـــى الـــنـــار فـــى احشـــائـــى

وجـلســت فــی کـمـدٍ عـلـى بعد المدى
شتــــان بيـــن الهـــنـــد والـــزوراء

لـو کـنــت اُخـبـر جيـرتـی و عشيـرتـی
لتـزاحــمــوا بيــنـی و بيـن رجـائـی

لـــو لا اعــــــانة جـــذبة نبـــوية
اصبـحـــت فـــی يـدهـم مـن الاسـراء

بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہوئے اور 26 شوال المکرّم کو مکۂ مکرمہ پہنچے ارکانِ حج بجالائے۔ ''عملِ اعظم'' ادائے حج کی تاریخ ہے حج کے بعد مکۂ مکرمہ میں کئی ماہ قیام کیا اور تمام تاریخی مقدس مقامات کی زیارت کی۔ دنیا بھر سے تشریف لائے ہوئے علما و مشائخ سے ملاقات فرمائی۔ ان کی بابرکت صحبتوں سے اکتسابِ فیض کیا۔ خصوصاً حضرت شیخ عبدالوہاب طنطاوی قدس سرہٗ (م 1157ھ) کے علم و فضل سے خاص حصہ پایا۔ جس کا ذکر گذشتہ صفحات میں گذرا۔ ایک مرتبہ دورانِ کلام علامہ آزاد بلگرامی نے حضرت شیخ طنطاوی قدس سرہٗ کو اپنا تخلص ''آزاد'' بتایا۔ چوں کہ یہ اردو کا لفظ تھا اس لیے اس کا معنی بھی واضح کیا تو شیخ طنطاوی قدس سرہٗ نے برجستہ فرمایا: ''**یاسیدی انت من عتقاء اللّٰہ**'' یعنی جناب آپ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ ہیں۔ شیخِ محترم کی زبانِ فیض ترجمان سے نکلے ہوئے اس جملے کو علامہ آزاد بلگرامی نے اپنے لیے خوش خبری اور نیک فال تصور کیا اور اپنے اس تخلص پر تاعمر ناز کرتے رہے۔ اس دوران علامہ آزاد علیہ الرحمہ نے طائف کا سفر بھی کیا اور حضرت سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مزارِ مقدس کی زیارت سے شاد کام ہوئے، یہاں قیام کیا اور خوب خوب روحانی وعرفانی فیوض و سعادت سے بہرور ہوئے۔ علامہ آزاد نے اس مقام پر جو اشعار پیش فرمائے ان میں سے دو شعر نشانِ خاطر کریں۔

اے صبا رو بہ مزارِ پسرِ عمِ نبی
خاک آں روضہ کم از عنبر تر نشناسی
کردہ ام خوب تماشا چمنِ طائف را
نرسد ہیچ گلِ او بہ گلِ عباسی

ماہِ ربیع الآخر کے آخر میں تین بار طوافِ وداع فرمایا اور 3 جمادی الاولیٰ 1152ھ کو جدہ سے ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے۔ 8 روز بعد راستے میں ''مخا'' کی بندرگاہ آئی جہاں آپ کا جہاز لنگر انداز ہوا۔ آپ نے یہاں کی سیر فرمائی۔ یہیں سلسلۂ شاذلیہ کے بانی حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ (وفات: 656ھ) کا مزارِ پُرانوار ہے۔ حسان الہند حضرت علامہ آزاد بلگرامی علیہ الرحمہ نے موقع غنیمت جانا اور وہاں حاضر ہو کر فاتحہ خوانی فرمائی۔ 29 جمادی الاولیٰ 1152ھ کو جہاز سورت کی بندرگاہ پر پہنچا۔ اس طرح آپ کا یہ مقدس روحانی و عرفانی سفر مکمل ہوا۔ ''سفر بخیر'' سے آپ نے اس سفر کا تاریخی مادہ استخراج فرمایا۔

دکن میں قیام اور وصالِ پُر ملال

علامہ آزاد جدہ سے جمادی الاولیٰ 1152ھ میں سورت کے راستے ہندوستان واپس آئے۔ جہاں سے دکن کی طرف روانہ ہوئے۔ جب آپ دکن تشریف لائے تو نظام آصف جاہ حیدر آبادی نے آپ کا شان دار استقبال کیا اور اپنے ہم راہ دیارِ دکن کے مختلف مقامات کی سیر کرائی۔ بالآخر 1169ھ میں آپ اورنگ آباد شہر آئے اور یہاں ''روضہ'' نامی علاقے میں قیام کیا جسے اب ''خلد آباد'' کہا جاتا ہے۔ یہاں پہنچ کر آپ نے دنیا و مافیہا سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور تصنیف و تالیف میں مصروف ہو گئے۔ (روضہ) خلد آباد شریف میں آپ نے سلطان المشائخ محبوبِ الٰہی حضرت نظام الدین اولیا قدس سرہٗ (م 725ھ) کے خلیفہ صاحبِ فوادالفواد حضرت مولانا نجم الدین امیر حسن علا سنجر قدس سرہٗ (737ھ) کی مزارِ پاک کے احاطہ واقع ''سولی بھنجن، خلد آباد شریف'' میں مستقل سکونت اختیار کر لی، حتیٰ کہ آپ نے اپنی آخری آرام گاہ کے لیے یہیں پر ایک قطعۂ اراضی بھی خرید لی اور اس کا نام ''عاقبت خانہ'' رکھا۔ 24 ذی قعدہ 1200ھ/ 1785ء کو آپ اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی تدفین اسی مذکورہ زمین میں ہوئی جسے آپ نے خرید کر اس کے گرد چہار دیواری اٹھوائی تھی۔

مزارِپُرانوار

حسان الہند علامہ غلام علی آزاد بلگرامی کا مزارِ پُر انوار آج بھی سولی بھنجن، خلد آباد شریف، ضلع اورنگ آباد (مہاراشٹر) میں ایک نہایت پُر فضا اور پُر سکون مقام پر مرجعِ خلائق ہے۔ لوگ بتاتے ہیں کہ علامہ آزاد بلگرامی نے یہاں پر ایک مسجد بھی تعمیر کروائی تھی جو آج بھی موجود ہے۔ آپ کا مزار جس احاطے میں ہے اس میں حضرت مولانا نجم الدین امیر حسن علا سنجر قدس سرہٗ مدفون ہیں آپ کے بازو میں آپ کی کتابیں دفن کی گئی ہیں۔ حضرت امیر حسن قدس سرہٗ کی مزارِ اقدس کی چوکھٹ پر شکر رکھی جاتی ہے اور پھر اٹھا لی جاتی ہے اسے کند ذہن اور لکنت زدہ کو استعمال کرانے سے بے شمار فوائد و ثمرات حاصل ہوتے ہیں۔

حضرت علامہ سید میر غلام علی آزاد بلگرامی قدس سرہٗ کے مزار شریف کے سرہانے یہ عبارت نقش ہے:

هو الحی القيوم

حسان الہند غلام علی آزادؔ حسینی واسطی بلگرامی

''آہ غلام علی آزادؔ''

وفات: 24 ذی قعدہ 1200ھ

عرسِ حسان الہند

حضرت علامہ غلام علی آزاد بلگرامی قدس سرہٗ کی مزارِ پُر انوار سے متعلق بیش تر مورخین اور علما و مشائخ یہی کہا کرتے تھے کہ آپ کا مزار علاقۂ دکن میں کہیں واقع ہے، حتمی طور پر لوگ اس بات سے نابلد تھے کہ آپ کی آخری آرام گاہ ''سولی بھنجن، خلد آباد شریف'' میں ہے۔ 1967ء میں شہزادۂ خاندانِ برکات حضور سید العلماء سید آلِ مصطفیٰ سید میاں مارہروی قدس سرہٗ مالیگاؤں تشریف لائے، یہاں سے آپ جالنہ اپنے تبلیغی و دعوتی دورے پر گئے۔ جالنہ سے واپسی پر اورنگ آباد اور خلد آباد زیارت کے لیے آئے، جب آپ نے علامہ آزاد بلگرامی قدس سرہٗ کے مزارِ پاک کی زیارت کی اور تربت خاکی پر لگی ہوئی تختی کو ملاحظہ کیا تو رونے لگے اور حاضرین کو بتایا کہ یہ ہمارے خاندان کی ایک جلیل القدر ہستی ''حضور حسان الہند علامہ سید میر غلام علی آزاد حسینی واسطی بلگرامی'' کا مزارِ پاک ہے۔ حضور سید العلماء نے جب اس بات کی تصدیق و توثیق کی تو اس موقع پر مجاہدِ سنیت حافظ تجمل حسین رضوی حشمتی علیہ الرحمہ (م 1984ء) بھی وہاں موجود تھے۔ اس واقعہ کے بعد سے مالیگاؤں کے خوش عقیدہ مسلمان علامہ آزاد بلگرامی کے آستانے پر

جا کر خصوصاً فیوض حاصل کیا کرتے ہیں۔ کیوں کہ آپ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ آپ مستجاب الدعوات تھے اور آپ کی مزار پر دعائیں بھی قبول ہوتی ہیں، خود راقم کو بھی اس کا کئی مرتبہ تجربہ ہو چکا ہے۔

یوں تو ہر سال حضرت مولانا نجم الدین امیر حسن علا سنجر قدس سرہٗ کا عرس منعقد ہوتا ہی تھا، اور حضرت علامہ آزادؔ بلگرامی کی سالانہ فاتحہ وہاں کے حضرات کر لیا کرتے تھے۔لیکن حضرت حسان الہند قدس سرہٗ کے عرس کی علاحدہ سے کوئی محفل یا تقریب نہیں ہوتی تھی۔ اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے باضابطہ آپ کے عرسِ مقدس کی تقریبات کا آغاز آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء شاخ مالیگاؤں کی سرپرستی میں مجلسِ برکاتِ رضا مالیگاؤں کے عقیدت مند اراکین نے 2001ء سے کیا۔ تب سے ہر سال شرعی اصولوں کی مکمل پاس داری کے ساتھ آپ کا عرس نہایت تزک و احتشام اور نظم و ضبط کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ عرس میں علماے اہل سنت کے نورانی و عرفانی خطابات، نعت خوانی، صلاۃ و سلام، شجرہ خوانی دعا اور لنگر وغیرہ کا انتظام مالیگاؤں کے احباب ہی کیا کرتے ہیں۔ عرس میں شرکت کرنے والے زائرین بھی زیادہ تر مالیگاؤں کے ہی ہوتے ہیں ویسے اِدھر چند سالوں سے اورنگ آباد، بھیونڈی، ناسک، دھولیہ اور جل گاؤں وغیرہ شہروں سے بھی اہلِ عقیدت و محبت کی ایک اچھی خاصی تعداد جمع ہو جاتی ہے۔ عرس کے تمام تر انتظامات آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء شاخ مالیگاؤں کی سرپرستی میں مجلسِ برکاتِ رضا کے اراکین کرتے ہیں۔

اولاد و امجاد

الہند علامہ آزادؔ بلگرامی علیہ الرحمہ نے سنتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ پر عمل کرتے ہوئے نکاح فرمایا۔ علامہ آزاد کے صرف ایک فرزند حضرت سید نور الحسین علیہ الرحمہ تھے۔ اور ان کے بھی صرف ایک ہی بیٹے حضرت مفتی امیر حیدر علیہ الرحمہ ہوئے۔ مفتی صاحب کی تین اولادیں ہوئیں۔ ایک صاحب زادی جو حضرت ابو محمد بن ابو تراب کو منسوب ہوئیں اور دوسری دختر حضرت آلِ حسن بن دربان علی کو منسوب ہوئیں اور ایک صاحب زادے حضرت امیر حسن علیہ الرحمہ تھے جو لا ولد وصال فرما گئے۔ اس طرح علامہ آزادؔ بلگرامی علیہ الرحمہ کی نسلِ نرینہ پوتے پر جا کر ختم ہو گئی۔

درس و تدریس اور تلامذہ

حسان الہند علامہ آزادؔ بلگرامی علیہ الرحمہ نے اپنی پوری زندگی تعلیم و تدریس میں بسر

فرمائی۔ آپ کے علم و فضل سے بے شمار لوگوں نے اکتسابِ فیض کیا۔ لیکن مواد کی عدم دستیابی سے حتمی طور پر آپ کے تلامذہ اور فیض یافتگان کے نام نہیں بتائے جاسکتے۔ البتہ آپ کے بعض سوانح نگاروں نے آپ کے جن شاگردوں کا ذکر کیا ہے اُن میں میر عبدالقادر مہربانؔ اورنگ آبادی، عبدالوہاب افتخارؔ دولت آبادی، مصنف تذکرۂ بے نظیر، لچھمی نرائن شفیقؔ صاحب گلِ رعنا، اور ضیاء الدین پروانہ وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

اخلاق و عادات

سید العارفین حضرت علامہ شاہ سید لطیف اللہ شاہ عرف لدہا بلگرامی جیسے عظیم المرتبت ولیِ کامل اور مرشدِ برحق کے فیضِ صحبت اثر اور نگاہِ کیمیا اثر نے حسان الہند علامہ آزادؔ بلگرامی کی شخصیت کو خوب نکھارا اور سنوارا۔ خاندانِ نبوت سے تعلق رکھنے والے علامہ آزادؔ بلگرامی یوں تو بچپن ہی سے نیک سیرت اور اچھے اخلاق و عادات کا مجموعہ تھے۔ جید اساتذہ، علما و مشائخ، فقہا و صوفیہ اور بالخصوص پیر و مرشد کی تربیت سے آپ ہمیشہ بڑوں کا ادب و احترام کرتے، آپ کا کردار رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ حسنہ کا پرتَو تھا۔ آپ فقر و تصوف کے پوشیدہ رازوں سے واقف تھے یہی وجہ ہے کہ آپ کا دل یادِ الٰہی کا گنجینہ بن گیا تھا۔ آپ کا کوئی لمحہ ذکرِ الٰہی سے غفلت میں نہ گذرتا۔ آپ عشقِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ اولیاے کاملین اور صوفیاے عظام سے بھی محبت فرماتے تھے۔ آپ کے پیر و مرشد حضرت سید العارفین کے حکم کے مطابق آپ نے تادمِ حیات تعلیم و تعلم، تصنیف و تالیف اور خدمت خلق میں اپنے آپ کو مصروف رکھا۔

شانِ استغنا

حسان الہند علامہ غلام علی آزادؔ بلگرامی صرف چشتی نسبت نہیں رکھتے تھے بلکہ اپنی عادات و اطوار اور اخلاق و کردار میں سرتاپا حقیقی چشتی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ وہ صوفیاے کے زہد و فقر کے اعلیٰ نمونہ تھے۔ دنیا اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ ان کے چاروں طرف بکھری ہوئی تھی لیکن انھوں نے کبھی بھی اس کی طرف نگاہِ التفات نہیں کی۔ حسان الہند علامہ غلام علی آزادؔ بلگرامی کے تعلقات بڑے بڑے امراے سلطنت اور شاہانِ زمانہ سے رہے۔ لیکن خاندانِ سید محمد دعوۃ الصغرا کا یہ پروردہ فرزندِ جلیل کبھی بھی ان تعلقات اور مراسم کو دنیا طلبی اور حصولِ منصب و

امارت کے لیے استعمال نہ فرمایا۔ بے شمار ایسے مواقع آپ کی زندگی میں پیش آئے مگر آپ نے ہمیشہ مسلکِ صوفیہ پر عمل کرتے ہوئے دنیاوی جاہ ومنصب کو ٹھکرا دیا۔ آپ کی شانِ استغنا سے متعلق بیش تر واقعات و حکایات کتبِ تواریخ میں ملتے ہیں۔ اس ضمن میں ایک واقعہ خود علامہ آزادؔ کی زبانی پیش کرنا غیر مناسب نہ ہوگا:

''فقیر کو نواب نظام الدولہ ناصر جنگ شہید خلف نواب آصف جاہ سے عجیب تعلقِ خاطر پیدا ہوگیا تھا، اور اتنی دوستی آپس میں ہوگئی تھی کہ جس سے زیادہ کا تصور نہیں ہوسکتا۔ جب نواب نظام الدولہ باپ کی رحلت کے بعد مسندِ تولیت پر رونق افروز ہوئے، تو بعض دوستوں نے بتایا کہ اب تو جو رتبہ چاہو مل سکتا ہے، کوئی عہدہ لے لو اور وقت غنیمت مَیں نے کہا کہ: 'مَیں آزاد ہوگیا ہوں، مخلوق کا بندہ نہیں بنوں گا۔ دنیا نہرِ طالوت میں پڑی نظر آتی ہے اور اس میں سے صرف ایک چلو حلال ہے اس سے زیادہ حرام اور یہ شعر پڑھا۔

دریں دیار کہ شاہی بہر گدا بخشد
غنیمت است کہ مارا ہمیں بہ ما بخشد''

حسان الہند علامہ غلام علی آزاد بلگرامی نے اربابِ اقتدار اور اصحابِ اختیار سے تعلقات و مراسم تو استوار رکھے لیکن تاحیات کبھی بھی اپنی ذاتی غرض ان سے پوری نہ کی بل کہ روابط کا فائدہ خلقِ خدا کی غم گساری اور دل جوئی میں استعمال کرتے رہے۔ ان کا یہ طرزِ عمل جو سلف صالحین کا نمونہ ہے دورِ حاضر کے علما و مشائخ اور فقرا و صوفیہ کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

تصنیفات

علامہ آزادؔ بلگرامی کی عربی و فارسی میں بہت سی شعری و نثری کتابیں تصنیف فرمائیں۔ اردو کے بعض اعمال بھی آپ کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں۔ لیکن یہ بات پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچ سکی۔ لیکن یہ بات قرینِ قیاس ہے کہ آپ نے اردو (ہندوی) میں کچھ لکھا ہو یا کہا ہو۔ کیوں کہ یہ آپ کی خاندانی روایت اور طبیعت دونوں سے ہم آہنگ ہے۔ آپ کی تصانیف میں درج ذیل شعری و نثری اثاثے اپنی اہمیت اور عظمت کے اعتبار سے بلند پایا ہیں۔ جن کے مطالعہ سے آپ کی گراں قدر علمی شخصیت کا کماحقہٗ عرفان کیا جاسکتا ہے۔

فارسی: حسان الہند علامہ غلام علی آزاد بلگرامی قدس سرہٗ کی فارسی کتب میں:

☆ مآثر الکرام تاریخِ بلگرام (ڈیڑھ سو سے زائد علما و مشائخِ بلگرام کا تذکرہ، اس میں چند غیر بلگرامی حضرات کا بھی ضمناً ذکر ہے)

☆ خزانۂ عامرہ (تقریباً 135 شعرائے فارسی کا تذکرہ)

☆ سروِ آزاد (فارسی و ہندوی شعرا کا تذکرہ)

☆ روضۃ الاولیاء (خلد آباد شریف، اورنگ آباد، دکن میں آرام فرما اولیاے کرام کا تذکرہ) وغیرہ مطبوعات ہیں۔ اور:

☆ سند العادات فی حسن خاتمۃ السادات (سیرت و مناقب)

☆ غزلان الہند (سبحۃ المرجان کے آخری دو ابواب کا فارسی ترجمہ)

☆ ید بیضا (فارسی شعرا کی سوانح عمریاں)

☆ شجرۂ طیبہ (بلگرام شریف کے سادات و شیوخ کو شجرۂ مبارک)

☆ انیس المحققین (علامہ آزاد بلگرامی علیہ الرحم کے شیخ اور دوسرے تین صوفیہ کی سیرت)

☆ تذکرۂ صوبہ دارانِ اودھ، وغیرہ مخطوطات ہیں۔

اسی طرح فارسی شاعری میں:

☆ دیوانِ آزاد ☆ بیاضِ آزاد (ترتیب)

☆ قصائدِ آزاد ☆ مثنوی تتمۂ امواجِ خیال

☆ مثنوی سراپاے عشق، وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

عربی

☆ سبحۃ المرجان فی آثارِ ہندوستان: یہ حسان الہند علامہ آزاد بلگرامی علیہ الرحمہ کی بہت ہی مشہور تصنیف ہے۔ علامہ آزاد کی حیات ہی میں اس کتاب کو شہرت مل چکی تھی۔ یہ کتاب چار فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل میں تفسیر و حدیث میں وارد ہندوستان کے تذکرے کا بیان ہے۔ علامہ آزاد بلگرامی نے اس موضوع پر پہلے ایک مختصر رسالہ قلم بند فرمایا تھا، جسے بعد میں مزید اضافے کے ساتھ اس کتاب میں ضم کر دیا۔ دوسری فصل میں ہندوستان کے چند علما کا تذکرہ ہے۔ تیسری فصل محسناتِ کلام کے عنوان پر ہے۔ جب کہ چوتھی فصل عشاق و معشوقات اور ان کے انواع و اقسام پر مشتمل ہے، یہ اپنی نوعیت کا بالکل منفرد اور اچھوتا

موضوع ہے۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ممبئ سے 1303ھ/ 1885ء میں شائع ہوا۔ دوسرا ایڈیشن ادارۂ علوم اسلامیہ، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے 1967ء میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن سیوانی ندوی کی تحقیق کے ساتھ طبع ہوا۔

☆ ضوء الداری شرح صحیح البخاری: اصح کتب بعد کتاب اللہ بخاری شریف کی کتاب الزکاۃ تک کی شرح ہے۔ جسے حضرت امام قسطلانی علیہ الرحمہ کی شرحِ بخاری ''ارساد الساری'' سے تلخیص کی ہے۔ اور بہت سے علمی نکات وفوائد کا اضافہ بھی فرمایا۔ اس اہم کتاب کا قلمی نسخہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے کتب خانے ''ندوہ لائبریری'' (مجموعہ نورالحسن، نمبر: 364) میں موجود ہے۔

☆ تسلیۃ فواد فی قصائدِ آزاد: یہ حسان الہند علامہ غلام علی آزادؔ بلگرامی قدس سرہٗ کی عربی شاعری میں بعض قصائد ومراثی کا مجموعہ ہے اور ساتھ ہی جن شخصیات کے لیے یہ قصائد اور مراثی نظم کیے گئے ہیں اُن کے سوانحی خاکے بھی کتاب میں شامل ہیں۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ مسلم یونی ورسٹی میں ''آزاد لائبریری'' کے شعبۂ مخطوطات (جواہر میوزیم 70 اوراق) اور مکتبۂ عارف بک مدینۂ منورہ میں موجود ہے۔

حسان الہند لقب

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا کہ علامہ آزادؔ بلگرامی قدس سرہٗ نے خلدآباد میں جب مستقل سکونت اختیار کرلی تو تصنیف وتالیف کے کاموں میں مسلسل جٹے رہے۔ دراصل آپ کو تحقیق وتفحص، تصنیف وتالیف اور شعروادب سے بے انتہا لگاو تھا۔ آپ کو عربی وفارسی نظم ونثر پر عالمانہ وفاضلانہ دست رَس حاصل تھی۔ نظم نگاری پر تو آپ کو ایسا ملکۂ کامل حاصل تھا کہ ایک دن بل کہ دن کے ایک حصے میں پورا پورا قصیدہ ارقام فرمادیتے تھے۔ آپ نہ صرف فارسی بلکہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی زبان یعنی عربی میں بھی بہت عمدہ اشعار لکھا کرتے تھے۔ آپ کی زودگوئی اور زودنویسی سے آپ کے معاصر علما وحکما اور شعرا وادبا متحیر رہا کرتے تھے۔ آپ کے نعتیہ قصائد میں جذبات وخیالات کی سچائی وصداقت کے جوہر پنہاں ہیں، عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بے پناہ وارفتگی وشیفتگی کو دیکھتے ہوئے ایک جہان نے آپ کو ''حسان الہند'' جیسے عظیم المرتبت لقب سے نوازا ہے۔ بہ قول ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی (مولانا آزاد نیشنل یونی ورسٹی، حیدرآباد): ''فارسی شاعر خاقانی متوفی 595ھ/ 1198ء کو اہلِ ایران نے اس کی نعتیہ شاعری

کے سبب حسان العجم کا لقب دیا، اور آزاد کو اہلِ ہند نے حسان الہند سے ملقب کیا، اور بلاشبہ خاقانی کے مقابلے میں وہ اس لقب کے زیادہ حق دار ہیں کیوں کہ خاقانی کے برخلاف انھوں نے حضرت حسان (رضی اللہ عنہ) کی زبان بھی استعمال کی۔''

الہند علامہ آزاد بلگرامی علیہ الرحمہ ایک عبقری اور فطری فن کار شاعر تھے۔ نازک خیالی، احساسِ جمال، عشق و محبت کے جذبات میں والہانہ سچائی آپ کی شاعری کے خصوصی عناصر ہیں۔ بلیغ استعارات اور نادر تشبیہات کے استعمال پر آپ کو ملکہ حاصل تھا۔ شعری و ادبی محاسن، اور علمِ بیان و بدیع میں آپ کو مہارتِ تامہ حاصل ہے۔ اُس میں ہندوستان کا کوئی بھی عربی شاعر بلکہ یہاں کی کسی دوسری زبان کا کوئی بھی نعت گو شاعر آپ کے ہم پلہ نہیں ہوسکتا۔ وہ پہلے شاعر ہیں جنھوں نے اپنی نظموں میں ہندوستانیت کا گہرا رچاؤ کیا۔ ہندی عناصر کو اچھوتے اور البیلے انداز میں اپنے شعروں میں جگہ دی۔ عربی شاعری میں ہیئت، صنف اور اچھوتی بحروں کا استعمال کرتے ہوئے جدت و ندرت پیدا کی۔ اپنی عربی شاعری میں آپ نے عجمی موضوعات اور صنائع کو خوب صورت اسلوب میں پروکر ایک نیا انداز جنم دیا۔ باوجود ان نت نئے تجربات اور ندرت و جدت کے آپ نے قدیم شعرا کی اتباع کو ہاتھ سے جانے بھی نہ دیا۔ عرب شعرا کی طرح آپ نے بھی محبوب کی منزل اور اس کے آثار و کھنڈرات کے ذکر کے ساتھ اپنے قصائد کا آغاز کیا۔ بلکہ اُن شعرا سے ایک قدم آگے بڑھ کر وہ اس موضوع کو مستقل صنف بنا دیتے ہیں۔ چنانچہ "**القصیدۃ الطللیۃ**" کے نام سے ان کا ایک قصیدہ ہے جو ابتدا تا انتہا منزلِ محبوب کے آثار کے ذکر پر مشتمل ہے۔

علامہ آزاد بلگرامی نے مختلف اصناف میں طبع آزمائی فرمائی لیکن نعت اور غزل ان کا بنیادی میدان ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی غزلیں بھی نعتیہ رنگ میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ جسے دیکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کی شاعری صرف نعتیہ شاعری سے عبارت ہے۔ اور یہی اُن کا اختصاصی وصف ہے جس کی رو سے بھی وہ خاقانی کے مقابلے میں ''حسان الہند'' جیسے مہتم بالشان لقب کے زیادہ مستحق قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناخوانی کی غیرت نے کبھی یہ گوارا نہیں کیا کہ کسی دنیادار کی مدح سرائی کریں۔ ان کی نظر میں نعت گوئی ہی اصل وظیفہ ہے اور نبیِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح نگاری کے بعد کسی کی مدح ایسا عیب ہے جو میری شاعری کو بھی عیب دار بنا دیتا ہے۔

حصلت بالمدح الکریم سعادۃً
ھٰذا اخص عبادۃ الشعراء

توصیف غیرك بعد مدحك مشبه
بیتا تضمن و صمة الاقواء

آپ نے اپنی نعتیہ شاعری میں حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کی پیروی اختیار کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔ اور انھیں اپنا استاذِ معنوی بھی قرار دیا ہے۔

نسبحتُ کابن زهیر بردمدحته
لقد غدا قلم الاستاذ منوالی

نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ مقدس کا ذکرِ جمیل اور تعریف وتوصیف دنیا کی تمام زبانوں میں کی جانے والی نعتیہ شاعری کا مشترک اسلوب ہے۔ خصوصاً عربی، فارسی اور اردو کا شاید ہی کوئی ایسا نعت گو شاعر ہو جس نے سبز گنبد اور سنہری جالیوں کو اپنی شاعری کا موضوع نہ بنایا ہو۔ علامہ آزاد بلگرامی نے بھی روضۂ اطہر کی تعریف وتوصیف کی اور جو پیرایۂ اظہار اپنایا اُس میں ایک خاص انفرادیت کا رنگ پایا جاتا ہے۔

روحی الفداء لروضة قدسیة
مملؤة بلطافة و صفاء
بلغ المغارب و لمشارق ضوئها
ترنو الیها الشمس کالهرباء
ما احسن القبر الذی فی حجره
خیر البریه سید البطحاء
طوبی لطیبة حیث ضم ضریحها
جسما تنسم فوق سبع سماء
ولها شبابیك باحسن صنعة
صادت قلوبا من اهیل ولاء

حسان الہند علامہ غلام علی آزاد جیسے عاشقِ مدینۃ الرسول ﷺ کے موئے قلم سے نکلی ہوئی

مدینۂ طیبہ کا یہ محبت آمیز اور عقیدت افروز وصف بھی نشانِ خاطر کریں۔

سوح المدینة ما اجل ترابها
تجد البصائر فیه فعل الاثمد
وغبارها المحسوس فوق هوائها
کحل الیقین لمقلة المتردد
نصب لمن ضل الطریق بسوحها
علم الهدیٰ من اضبع المتشهد
اشجارها قامت علیٰ ساق الهدیٰ
وظلالها ماویٰ الرجال السجد
املاك اطباق السمآء طیورها
وصفیرها ذکر الاله السرمد

علاوہ ازیں نبیِ کونین کائنات کے مرکزِ عقیدت بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت و بزرگی اور رفعت و بلندی کی کس قدر خوب صورت تصویر کشی کی ہے۔

سکن الملائك فی حوائط بیته
مثل الحمائم فی کوی الجدران
وقفوا کما تقف المشموع بسوحه
ودموعهم فی غایة الهملان
جلسوا علیٰ بسط الوقار تادبا
نسی الجناح طریقة الطیران

بہ قول ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی : درج بالا اشعار میں شاعر (حسان الہند علامہ غلام علی آزادؔ بلگرامی قدس سرہٗ) نے ملائکہ کی تین خیالی تصویریں بنائی ہیں : پہلی کبوتروں کی تصویر ہے جو نہایت سکون کی حالت میں دیوار کے روشن دانوں میں بیٹھے ہوئے ہیں، دوسری شمعوں کی تصویر ہے، جن سے حرارت کے سبب شفاف سائل موتیوں کی شکل میں لگا تار گر رہا ہے۔ اور تیسری تصویر میں فرشتوں کی جماعت ہے جو حالتِ خشوع و خضوع میں ایسی خموشی اور خود فراموشی کے ساتھ بیٹھی ہے، گویا ان کے پر طریقۂ پرواز بھول گئے ہوں۔

عرب دنیا کے مشہور ادیب ڈاکٹر شلقامی عربی رسالے الازہر میں علامہ آزاد کی شعری بصیرت و بصارت اور آپ کے فنّی علو کو اس طرح خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں:

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جس نے بھی بوصیری وغیرہ کے روضۂ انور کے وصف کو پڑھ رکھا ہے وہ پائے گا کہ آزاد کا روضہ زیادہ متحرک، زندگی سے زیادہ بھرپور، زیادہ معنویت کا حامل اور اپنے روحانی پس منظر کے اعتبار سے زیادہ غنی ہے۔

حسان الہند علامہ غلام علی آزاد بلگرامی علیہ الرحمہ نے اپنے نعتیہ قصائد میں سیرتِ طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ گوشوں کا بڑی کامیابی کے ساتھ احاطہ کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت و بعثت سے وصال تک کے احوال و واقعات کو دل نشین پیرایے میں نظم کیا ہے۔نعت کے شعری وفنی محاسن اور خوبیوں کا بھرپور لحاظ رکھتے ہوئے معجزات کا ذکر بھی کیا ہے۔علامہ آزاد نے نعت کو عقیدے وعقیدت کی ترجمانی کے ساتھ ساتھ شعریت اور ادبیت کے حُسن کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔آپ کا شاعرانہ تخیل اور فکری پرواز اس بلندی تک پہنچا ہوا دکھائی دیتا ہے کہ جہاں کسی شاعر یا نثر نگار کے طائرِ فکر و سخن کا گزر نہیں۔

علامہ غلام علی آزاد بلگرامی علیہ الرحمہ کی شخصیت کے مختلف گوشوں پر اس مضمون میں اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ ورنہ حضرت کی متنوع صفات ذاتِ والا مرتبت کے کارہائے نمایاں پر کئی ضخیم کتب بھی ناکافی ثابت ہوں گی۔ اللہ کریم جل شانہٗ سے دعا ہے کہ وہ ہماری اس کاوش کو شرفِ قبول بخشے۔ اور ہمیں علامہ آزاد کے فیوض سے مالا مال فرمائے۔(آمین)

○○○

کائناتِ نعت

(نعتیہ مجموعوں پر تبصرے)

لکھتا ہوں اسدؔ سوزشِ دل سے سخن گرم
تا رکھ نہ سکے کوئی مرے حرف پہ انگشت

غالبؔ دہلوی

حمد ربِ جلیل نعت رسول کریم

شاعر : ڈاکٹر جلال توقیر مبصر : ڈاکٹر رضوان انصاری

زیر مطالعہ تقدیسی شعر پر مبنی کتاب ''حمد رب جلیل نعت رسول کریم'' ڈاکٹر جلال توقیر کی سعی جمیلہ کا ثمرہ ہے۔ ڈاکٹر موصوف کا اصلی نام شیخ جلال الدین صدیقی ہے۔ ڈاکٹر توقیر صاحب کا تعلق نہایت مردم خیز مقام کوٹہ (راجستھان) سے ہے۔ آپ نے اردو و فارسی کی تعلیم اپنے تایا امام الدین سے حاصل کی۔ اس کے بعد جامعہ اردو علی گڑھ سے ادیب کامل کی سند حاصل کی، نیز اودے پور (راجستھان) سے M.B.B.S.D.C.H. کی ڈگری لی۔ فی الحال ملازمت سے سبکدوش ہوکر شعر گوئی میں بھی اپنا قیمتی وقت صرف فرماتے ہیں۔

کتاب حمد ربِ جلیل نعت رسول کریم میں 7 عدد حمد، 2 مناجات، 37 لغوت، 6 حمدیہ قطعات اور 2 مناقب شامل ہیں۔ اس حمدیہ اور نعتیہ کتاب کا تعارف عرض مصنف کے علاوہ اردو کی عظیم المرتبت شخصیتوں نے کرایا ہے۔ جن میں محترم ابرار کرتپوری، ڈاکٹر تابش مہدی اور معروف عالم اور محقق مولانا عبداللہ طارق نیز ڈاکٹر فراز حامدی صاحب وغیرہ خاص ہیں۔

ڈاکٹر توقیر نے عرضِ مصنف کے عنوان سے تقدیسی شعر کی اہمیت پر حضرت علامہ شیخ سعدی علیہ الرحمہ سے متعلق ایک واقعہ دربارِ خداوندی میں قبولیت پر تحریر کی ہے۔ راقم الحروف کو فارسی اور اردو کی اعلیٰ حصول تعلیم کے دوران درسی و غیر درسی کتابوں میں تاہنوز یہ واقعہ زیر مطالعہ نہیں آیا۔ مجھے واقعہ کی حقیقت پر شک نہیں کیونکہ اس کی نسبت اللہ کے رسول سے ہے۔ مگر اپنی بات کو درج کرنے سے قبل مستند حوالہ تلاش کر لینا چاہئے۔ اور کتاب میں سند و حوالہ درج کرنا لازمی ہے۔

جناب ابرار کرتپوری، ڈاکٹر تابش مہدی اور ڈاکٹر فراز حامدی اردو زبان و ادب کے نامور دانشور ہیں۔ ان کے علاوہ معروف عالم دین اسلام حضرت مولانا عبداللہ طارق کے بھی تاثرات شامل ہیں۔ مولانا موصوف نے نعت کے موضوع پر سیر حاصل تحریر پیش کی ہے۔ متذکرہ تمام اصحاب قلم نے ڈاکٹر جلال توقیر کے کلام کے محاسن پر روشنی ڈالی ہے۔ مگر کلام پر دوسرا پہلو زبان و بیان اور

اصل واقعہ جو ہے اس سے چشم پوشی کرتے ہوئے اصول تنقید کی خلاف وزری کی ہے۔ شاعری رب العالمین کی عطا کردہ ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ یہ وہبی ہوتی ہے کسبی نہیں۔ عربی و فارسی اور اردو کے کلاسیکل شعراء کا کلام شاہد ہے۔ متنبّی، فردوسی اور غالب کسی اعلیٰ دانشگاہ کے تعلیم یافتہ نہ تھے۔ مگر کلام میں وہی تازگی اور شعور و فکر کی آ گہی باقی ہے۔ خیر۔

ڈاکٹر جلال توقیر کی تقدیسی شعر و کلام پر مذکورہ مبنی کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ڈاکٹر موصوف کی شعری سفر کا دوسرا زینہ ہے۔ اس سے قبل ان کا پہلا شعری مجموعہ ''رہنمائے توقیر'' شائع ہو چکا ہے۔

''حمد رب جلیل نعت رسول کریم''' میں ڈاکٹر جلال توقیر نے اپنے قلبی واردات کا ذکر بہت ہی والہانہ فکر و شعور کے ساتھ کیا ہے۔ ان کا دل عشق رسول پاک سے سرشار نظر آتا ہے۔ وہ اپنی کیفیتِ اندروں کو بیان کرنے میں بڑی دانائی سے کام لیتے ہیں۔ ان کی زبان و بیان میں عمومیت ہے۔ مطالعہ وسیع نہ ہونے سے رفعتِ تخیل میں وہ روانی و تسلسل برقرار نہیں رہ پاتی ہے۔ جو کلام کو انفرادیت بخشتا ہے اور جس کی جانب خواجہ حالؔی (1837-1914ء) نے مقدمہ شعر و شاعری میں لکھا ہے۔ پھر بھی اس مجموعہ میں بہت سے ایسے اشعار مل جاتے ہیں، جو کتاب کی اہمیت و افادیت پر روشنی ڈالتے ہیں نیز ڈاکٹر جلال توقیر کے دلی جذبات اور عشق حقیقی کی ترجمانی کرتے ہیں۔ حمد سے متعلق شعر ملاحظہ ہوں:

رُخ ہواؤں کا کون بدلے ہے
یہ اشارے کہاں سے آئے ہیں
رحمت کو جوش آ ہی گیا دیکھ کر مجھے
عاصی تو ہے ضرور، مگر شرمسار ہے

مجھ سے ہوئیں خطائیں یکے بعد دیگرے
لیکن کمی نہ آئی تیرے التفات میں

ڈاکٹر صاحب کے تقدیسی مجموعہ میں جا بجا صنائع و بدائع کا برمحل استعمال ملتا ہے۔ بالخصوص تلمیح نے کلام میں چار چاند لگا دیئے ہیں معراج شریف کا واقعہ بڑے والہانہ انداز میں ملتا ہے۔

شعر ملاحظہ ہو:-

جبریل کی جس حد سے نہیں آگے رسائی
اس حد سے بھی آگے مرے آقا کا گذر ہے

لیکن معراج شریف کے واقعے کے حوالے سے ہی ڈاکٹر صاحب نے اپنے درج ذیل شعر میں ایک ایسی روایت کو اپنی فکر کا موضوع بنایا ہے جسے علمائے کرام نے باطل وموضوع قرار دیا ہے ملاحظہ ہو

نعلین پہنے کون گیا عرش پاک پر
یہ مرتبہ ہے آپ کا یہ شان یا رسول

مصرع اوّل میں مذکور روایت کے بارے میں جب مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا۔

سوال:- یہ صحیح ہے کی شبِ معراج مبارک جب حضور اقدس ﷺ عرش بریں پر پہنچے نعلین پاک اُتارنا چاہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وادی ایمن میں نعلین شریف اتارنے کا حکم تھا۔ فوراً ندا آئی اے حبیب تمہارے مع نعلین شریفین رونق افروز ہونے سے عرش کی زینت وعزت زیادہ ہوگی۔

ارشاد:- یہ روایت محض باطل وموضوع ہے۔ معارف رضا۔ دوازدہم ۱۹۹۲ء ادارہ تحقیقات امام احمد رضا۔ کراچی ص ۹۹

متذکرہ اشعار میں امید ورجا اور تصوف کے عنصر ملتے ہیں مگر ان ہی حمدیہ اشعار میں یہ شعر بھی ہے کہ:

تو شجر میں ہے تو حجر میں ہے ترا رنگ برگ وثمر میں ہے
تو محیط ارض و سماء پہ ہے بھلا کس میں تیرا نشاں نہیں

رب العالمین کے لئے لفظ ''محیط'' اور ''شجر وحجر'' میں ہونے کا استعمال سراسر غلط ہے اور اس کا شجر وحجر میں ہونا بھی غلط استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ لا انتہا اور غیر محیط ہے اسی طرح شجر وحجر میں

ہونا ذات الٰہی کو محدود کرنا ہوا۔ شجر و حجر میں اس کا جلوہ تو ضرور ہے مگر وہ خود نہیں۔

آیئے نعت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند روح پرور اور قلب و فکر و شعور کو پاکیزگی، طہارت اور بالیدگی عطا کرنے والے اشعار ملاحظہ کرلیں:

اللہ کا محبوب ہے وہ فخر بشر ہے
قدرت کے خزانے کا جو نایاب گہر ہے

واقعہ معراج پر یہ شعر توجہ کا طالب ہے:

جبریل کی جس حد سے نہیں آگے رسائی
اس حد سے بھی آگے مرے آقا کا گزر ہے

مدینۃ النبی دیکھنے کی تمنا دیکھئے:

نیند آئے نہ مجھے اور نہ جھپکیں پلکیں
مسجد نبوی سے جب گنبد خضریٰ دیکھوں

جو شفیع المذنبیں ہیں، وہ پیمبر آپ ہیں
جن کی مانے گا سفارش رب اکبر، آپ ہیں

آپ نے جب ذرا سا اشارہ کیا، چاند دو ٹکڑے ہوکر جدا ہوگیا
سنگریزوں نے بھی جس کا کلمہ پڑھا اور کوئی نہیں ہے حضور آپ ہیں

اسی شعری مجموعہ میں چند اشعار ایسے بھی مل رہے ہیں جن کا تعلق تخیل کے ماسوا نہیں شعر دیکھئے:

پھولوں میں چمن کے کوئی خوشبو نہیں ہوتی
گر ان میں محمد کا پسینہ نہیں ملتا
دامن مرے آقا کا پکڑ کیوں نہیں لیتے
گر تم کو خدا حضرت موسیٰ نہیں ملتا

متذکرہ شعر اول میں چمن کے پھولوں میں خوشبو کا حضور کے پسینہ سے تعلق ہونا غلط اور غیر مصدقہ ہے۔ پھولوں میں خوشبو کا وجود رب العالمین کی ذات اور شان اعلیٰ سے ہے۔ وہ جس پھول میں جیسی خوشبو چاہتا ہے۔ عطا فرماتا ہے۔ جب کہ شعر ثانی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدا تک رسائی کے لئے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑنے کے لئے ترغیب دینا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے شایان شان نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ہمارے نبی کا مقام ومرتبہ سب سے اعلیٰ ہے مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی تو نبی ہیں اور کلیم اللہ کے خطاب یافتہ ہیں۔

اور نبیوں کو تو ہوگی فکر خود کی حشر میں
اپنی امت کے لئے جو ہوں گے مضطرب آپ

تمام انبیاء کرام معصوم ہوتے ہیں۔ ان کو میدانِ حشر کے حساب وکتاب اور اعمال کے خیر و شر کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اس لئے حشر میں خود کی فکر چہ معنیٰ دارد؟

ہر سو پھیلی ہوئی آپ کی ہے ضیاء
ہیں یہ شمس و قمر آپ کے نقش پا

مصرعہ ثانی کا تعلق مصرعہ اولیٰ سے ربط نہیں رکھتا۔ نقش پا کو شمس وقمر سے تعلق بتانا یا مماثل قرار دینا سراسر غلط ہے۔

انبیاء کو رشک ہم پر آئے گا روزِ حساب
جب شفاعت امت عاصی کی فرمائیں گے آپ

انبیاء سابقہ کو موجودہ امت سے کمتر اظہار کرنا شرعی نقطۂ نظر سے گناہ ہے۔ اس قبیل کے مزید اشعار اس شعری مجموعہ میں ہیں۔ بہتر ہوتا کہ کتاب کی اشاعت سے قبل مولانا عبداللہ طارق صاحب سے نظر ثانی فرمانے کے لئے مجموعہ عنایت کردیتے۔

کتاب کی طباعت عمدہ ہے اور سرورق دیدہ زیب۔ قیمت بھی مناسب۔ میں ڈاکٹر جلال توقیر صاحب کو مبارکباد پیش کرنے کے ساتھ دعا گو ہوں کہ رب العالمین ان کی دلی آرزو یعنی مدینۃ النبی اور روضہ اقدس کی حاضری بار بار نصیب فرمائے۔ آمین

اردو کے ایک معروف شاعر کا یہ شعر قابلِ رشک ہے کہ:

اگر کچھ ہے تو سب یہ ہے تمنا آخری اپنی
کہ تم ساحل پہ ہوتے اور کشتی ڈوبتی اپنی

ڈاکٹر صاحب کی تمنا بھی نہایت خوب اور قابلِ رشک ہے:

دل میں ہے میرے ایک ہی ارمان یا رسول
نکلے تمہارے در پہ مری جان یا رسول

ooo

محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

شاعر : نذیر فتح پوری مبصر : ڈاکٹر رضوان انصاری

میرے مطالعہ کی میز پر تبصرہ کے لئے اردو کے نامور شاعر، نثر نگار اور ''اسباق'' کے معروف مدیر محترم نذیر فتح پوری کی تقدیسی شاعری (نعت) پر مبنی کتاب ''محمد نہ ہوتے......'' ہے۔ کتاب ہذا کی اہمیت، نعت گوئی کی افادیت اور فن نعت گوئی پر احسان دانش، ابوالمجاہد زاہد اور محمد ادریس رضوی کے مقالات نہایت پُر مغز ہیں۔ اس سے قبل موصوف کی 72 کتابیں مختلف موضوعات پر شائع ہو چکی ہیں۔

جناب نذیر فتح پوری کی زیر مطالعہ کتاب ''محمد نہ ہوتے تو......'' ان کے عشق رسول دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر مبنی ہے، جس کا اظہار آپ نے اپنے مافی الضمیر کو الفاظ کے سہارے فرمایا ہے۔ نعت گوئی اردو اصناف شعری میں سب سے زیادہ مشکل ہے مگر ایک سچے عاشقِ رسول کے لئے بہت آسان بھی ہے۔ شرط صرف عشق ہے۔ تطہیر قلب کے ساتھ اگر کوئی خوش فکر اپنے جذب اندروں کو شعر کا جامہ عطا کرتا ہے تو وہ نعت کا شعر کہلاتا ہے۔ اور یہی تخیل اور فکر شاعر اور قاری کو قلبی سکون عطا کرتا ہے۔

جناب نذیر فتح پوری کو نثر و نظم دونوں پر یکساں قدرت حاصل ہے انہیں زبان و بیان اور الفاظ کے در و بست پر کماحقہٗ دسترس ہے۔ چونکہ نعت گوئی ایک سچے عاشقِ رسول کا وطیرہ رہا ہے اور اس کا اظہار دنیا کی ہر زبان و ادب میں ہو رہا ہے اردو میں بدرجہ اولیٰ۔ نذیر فتح پوری نے بھی اپنے جذبات کا حقیقی اظہار تقدیسی شاعری میں کیا ہے۔ کلام میں روانی اور دلکشی خوب خوب ہے۔ دلی جذبات کا اظہار بہت والہانہ اور سرشاری کیفیت میں ملتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ہے دیوانہ مدینے کی جانب رواں
چہرہ پُرنور ہے اور قدم تیز ہے

دیارِ حبیب خدا کی وہ گلیاں
حقیقت میں فردوس کی کیاریاں ہیں

وہاں تک زمیں بوس ہوتے ہیں قدسی
جہاں تک مدینے کی پرچھائیاں ہیں

دیوانو! زمانے سے دامن بچا کر
مدینے کی جانب چلو والہانہ

محشر کی تمیز دھوپ سے بچنے کے واسطے
بے سایہ جس کی ذات ہے سایہ اسی کی ڈھونڈ

نذیرؔ فتح پوری نے تقدیسی شاعری کے بیشتر اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔ کتاب ''محمد نہ ہوتے تو......'' میں ان تمام اصناف میں کہے گئے اشعار شامل ہیں۔ مثلاً توشیحی نظم، حمد باری کر بیاں، توشیحی نظم، محمد کی بارگاہ میں، آزاد نظم، نعتیہ تضمین، گیت، قطعات نعتیہ ماہیے، نعتیہ دوہے، راجستھانی نعت، آزاد نعت، اور مناقب بحضور حسین رضی اللہ عنہ وغیرہ کے علاوہ بیشتر لغوت کی سرخی یا عنوان نعت پاک کے کسی مصرعہ کو بنایا گیا ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر کل 4 مناقب کہے ہیں۔ ان میں سادگی کے ساتھ جوش وجذبہ اور روانی ہے۔ الفاظ کے برمحل استعمال نے انگشتری میں نگینہ کا کام کیا ہے۔ شعر دیکھئے:

ثانی کوئی ہوا ہے نہ ہوگا حسین کا
اب تک زمیں پہ قرض ہے سجدہ حسین کا

میں ہار کر بھی نہ ہارا ہوا لگوں گا تجھے
یزید وقت! مجھے کربلا سے نسبت ہے

دیکھوں تو یہی دیکھوں
نورِ جسم کے
چہرے کی چھبی دیکھوں

............(6 ماہیے سے)

دین و دنیا کے ہر سفینے کو
وہی گرداب سے نکالے گا بحرِ وحدت کا جو شناور ہے
ہے وہی واقفِ رموزِ حیات
اور وہی زندگی کا مظہر ہے

............(آزاد نعت سے)

یوں تو کتاب میں موجود تمام نعتیہ کلام ایک سے بڑھ کر ایک ہیں جن پر اظہارِ خیال کرنا ممکن نہیں۔ آخر میں نعتیہ تضمین اور ''کیا پوچھتے ہو دوستو! کردارِ مصطفیٰ'' سے ایک ایک بند نذرِ قارئین ہے۔ ملاحظہ ہو:

عطا کی محمد نے دولت یقیں کی	محمد جو آئے تو ایمان آیا
محمد نے سمجھائی عظمت خدا کی	محمد جو آئے تو قرآن آیا
خدا کا نہ بندوں کو عرفان ہوتا	دعا کا دوا کا نہ سامان ہوتا

محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

یہ نعتیہ تضمین کل 11 بندوں پر مشتمل ہے جو مسدس کی شکل میں ہے۔
دوسری نعتیہ نظم سے بند ملاحظہ ہو:

چھوٹی سی اک چٹائی تھی ادنیٰ سا اک لباس
کالی سی ایک کملی تھی میرے نبی کے پاس
صبر و وفا کا ایسا نمونہ دکھا دیا
خود بھوکا رہ کے اوروں کو کھانا کھلا دیا
سب جانتے ہیں، ایسا تھا ایثارِ مصطفیٰ
کیا پوچھتے ہو دوستو! کردارِ مصطفیٰ

حاصل کلام یہ کہ پوری کتاب علم وحکمت اور عشق نبی کا گنجینہ ہے۔ کتاب کا سرورق، کاغذ معیاری ہے۔ قیمت مناسب ہے۔ باذوق حضرات کتاب خرید کر مطالعہ کریں۔ مکرمی نذیر فتح پوری مبارکباد کے مستحق ہیں۔

نوٹ: لفظ کملی ''تصغیر کمبل کی ہے)۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے حدائق بخشش کے کسی شعر میں کالی کملی کا استعمال نہیں فرمایا ہے۔ عصر حاضر کے نعت گو شعراء کرام براہ کرم احتراز فرمائیں۔ تفصیل کے لئے رجوع فرمائیں۔ ''بدر کامل'' از مولانا بدرالدین قادری۔

OOO

پیمانِ قلم

نعت نگار : مختار عاشقی جونپوری مبصر : ڈاکٹر رضوان انصاری

زیرِ نظر کتاب ''پیمانِ قلم'' مختار عاشقی جونپوری کی شعر و نغمہ پر مبنی تیسری تصنیف ہے۔ اس سے قبل ''گلشنِ اسلام'' 1968ء (نعت و منقبت کا مجموعہ) اور ''انداز بیاں اور'' 2007ء (نعت و غزلوں کا مجموعہ) مجموعہائے کلام شائع ہو چکے ہیں۔

مختار عاشقی جونبوری ایک کہنہ مشق شاعر ہیں۔ ان کی ولادت 25 مئی 1929ء کو جونپور میں ہوئی۔ تلاش معاش میں احمد آباد آ گئے اور یہیں ہو کے رہ گئے۔ اس وقت عمر کی 88 بہاریں دیکھ چکے ہیں۔ فی الحال علیل ہیں۔ یہ کتاب سلمان جونپوری جو موصوف کے پسر زادہ ہیں۔ نے مرتب کی ہے۔ ''پیمانِ قلم'' دو حصوں میں منقسم ہے۔ 1- تقدیسی شاعری۔ 2- بہاریہ شاعری۔ اس تبصرہ میں ان کی تقدیسی شاعری کو موضوع بنایا جا رہا ہے۔

پیمانِ قلم میں مختار عاشقی کی نعتیں، قطعات، منقبتیں اور قصائد شامل ہیں۔ گو کہ حمد صرف ایک ہے مگر بہت خوب ہے۔ کتاب میں طفیل انصاری۔ ایس. ایم. عباس۔ عارف برقی، شاطر انصاری، وفا جونپوری اور محمد عرفان جونبوری کے تعارفی نگارشات شامل ہیں۔ اگرچہ وفا جونپوری کا مضمون ''انداز بیاں اور'' پر مبنی ہے۔

جیسا کہ ماقبل تحریر کیا جا چکا ہے کہ مختار عاشقی صاحب ایک کہنہ مشق شاعر ہیں۔ اگرچہ انہوں نے شاعری کو اپنا ذریعہ معاش نہیں بنایا بلکہ تفریحِ طبع اور عشقِ حقیقی کو اپنی تقدیسی شاعری اور بہاریہ شاعری کے اظہار کے لئے فکرِ رواں کو موزوں کیا ہے۔ ان کو زبان و بیان پر مکمل قدرت حاصل ہے۔ قادر الکلامی نے حسنِ کلام کو دوبالا کر دیا ہے۔ قرآن و احادیث وغیرہ پر گہری نظر ہے۔ خدا اور اس کے محبوب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مابین فرق مراتب کا بخوبی علم ملتا ہے۔ کوئی شعر خلاف مراتب نہیں۔ وہ رب العالمین کی شان اور قدرت کاملہ کا اظہار بڑے والہانہ شعور و آگہی کے ساتھ کرتے ہیں۔ شعر ملاحظہ فرمائیں:

ذروں کو آبداری، تاروں کو روشنی دی
ہر شے میں دیکھتا ہوں حسن و جمال تیرا

قاصر ہوئی ہے یا رب عقل سلیم سب کی
ادراک سے ہے بالا اک اک کمال تیرا

مختار عاشقی کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ ان کی جودت طبع میں روانی ہے۔ عشق حقیقی کا جذبہ ہر نعتیہ شعر میں ملتا ہے۔ عشقِ رسول میں ان کا دل سرشار رہتا ہے۔ ان کا ہر ہر لمحہ شہر مصطفیٰ کی یاد میں گزرتا ہے۔ تقدیسی شاعری کے لئے جن لوازمات کی ضرورت ہے وہ ان میں بھر پور ہے۔ ان کے مجموعۂ کلام کے تقدیسی حصہ میں متعدد اشعار ایسے ہیں جن میں رِقّت ہے اور دل کی گہرائیوں کو چھو لیتے ہیں۔ کلام میں صنائع و بدائع کا بھی برمحل استعمال ملتا ہے۔ خاص طور سے تلمیحات نے حسن کلام میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ چند اشعار سے شاعر کے تخیل اور اس کے کلام سے لطف اندوز ہوں:

عشق نبی نے صاحبِ ایماں بنادیا
داغ جگر کو گلشنِ رضواں بنادیا

بیکسوں کا چارہ گر اور عاصیوں کا غم لئے
رحمۃ للعالمیں حق آشنا پیدا کیا

بخشوائیں گے اسے حشر میں محبوبِ خدا
جس کو سرکار کے روضے کی زیارت ہوگی
اثر اللہ اکبر دیکھئے لحن بلالی کا
فرشتوں کی طبیعت آسماں پر جھوم جاتی ہے

یہی تو کہتے ہیں الیاس و خضر بھی مختارؔ
زہے نصیب شہ بحر و بر کی آمد ہے

مختار عاشقی جونپوری کے شعری مجموعہ ''پیمانِ قلم'' کے تقدیسی جزو کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان کے کلام میں عشق رسول کا حقیقی جذبہ کارفرما ہے۔ ان کا کلام عطائی ہے۔ بیان میں انفرادیت ہے۔

کتاب کی طباعت اور کاغذ عمدہ ہے۔ قیمت بھی مناسب ہے۔ باذوق اہل ادب اور نعتیہ کلام سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کتاب خرید کر صاحبِ کتاب یعنی مختار عاشقی صاحب کی ہر وقت اعانت فرمائیں اور نعت پاک کے مطالعہ سے اپنی روحانی فکر کو سکون عطا کریں۔

ادارہ دبستانِ نعت ان کی صحت کے لئے دعا گو ہے۔

○○○

مجموعۂ حمد و نعت

شاعر : عبدالقادر عارفؔ　　مبصر : ڈاکٹر رضوان انصاری

زیرنظر ''مجموعۂ حمد و نعت'' عبدالقادر عارفؔ (کرناٹک) کا ہے۔ جسے انہوں نے اپنے 5 شعری مطبوعات میں شامل حمد و نعت و مناقب کو الگ سے کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔ عارف صاحب کی ولادت 5 ستمبر 1938ء میں ہوئی۔ 38 سال سرکاری ملازمت کرنے کے بعد نائب تحصیلدار کے عہدہ سے سبکدوش ہوئے۔ ان کا پہلا مجموعہ ''پھول اور کانٹے'' (شعری و نثری طنز مزاح) 2009ء میں شائع ہو کر منظر عام پر آیا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے ''نشاطِ سخن'' پیام عارف، صدائے انقلاب اور اصلاح المسلمین شعری مجموعہائے کلام شائع ہو کر عوام و خواص میں سند قبولیت حاصل کر چکے ہیں۔

مجموعۂ حمد و نعت میں کل 2 عدد حمد۔ 1 عدد مناجات 27 نعوت، 13 مناقب اور 2 قصائد شامل ہیں۔ مناقب شہیدانِ کربلا اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات پر مبنی ہیں جب کہ پہلا قصیدہ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرا سیدنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی شان میں ہے۔

عارفؔ صاحب نے گرچہ پوری زندگی سرکاری ملازمت میں گزاری مگر دل میں عشق رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شمع بھی روشن رہی۔ جو ایک مومن کی ایمان اور پہچان ہے۔ ان کا کلام روایتی ذہن و فکر پر مبنی نہیں بلکہ دل کی ترجمان ہے۔ شعر میں رقت اور سوز دروں کا فقدان ہونے سے آمد کا شعور جلوہ گر نہیں۔ اور نہ قاری کو تادیر اُن فضاؤں میں گم کر پاتا ہے۔ پھر بھی بعض اشعار عمدہ اور ایمان افروز ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

اس روضۂ اقدس پہ نظر جب سے پڑی ہے
ہر وقت تصور میں میرے روئے نبی ہے

جب وقت رخصتی ہو دیار حبیب سے
روضہ کو بار بار تو گردن گھما کے دیکھ

خلوت تو بس خدا کا اک اعجاز ہے مگر
لیکن نبی خدا کی ہیں جلوت کا آئینہ

منصور کی باتوں کو نہ سمجھا یہ زمانہ
یہ فیصلہ حق کا تھا سرِ دار ہوا ہے

نعت گوئی کے لئے تاریخ اسلام اور قرآن واحادیث کا وسیع مطالعہ درکار ہے۔ جس سے کلام میں تازگی اور حسن پیدا ہوتا ہے۔ عبدالقادر عارفؔ کے کلام میں اس کمی کا احساس ہوتا ہے۔

کتاب کی طباعت کاغذ عمدہ اور معیاری ہے۔ قیمت مناسب اور سرورق دیدہ زیب ہے۔ عارف صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں کہ اپنے لیے زادِ آخرت کے طور پر حمد و نعت کا مجموعہ اہل ایمان کے روبرو پیش کیا ہے۔ باذوق حضرات کتاب ہذا سے مستفیض ہوں۔

○○○

محبتوں کے چراغ

نعت نگار : قاری اخلاقؔ احمد فتح پوری مبصر : ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی

قاری اخلاقؔ احمد فتح پوری کا گل دستہ صفت نعتیہ مجموعہ اس وقت میرے مطالعے کی میز پر ہے۔ جو ایک سو ساٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ ابتدا میں حضرت سید نور الحسن نوابی عزیزی، محترم یاور وارثی عزیزی نوابی اور جناب سرور عزیزی نوابی کے دعائیہ کلمات، تاثرات اور تبصرے ہیں۔ ان تینوں تحریروں کے آئینے میں قاری اخلاقؔ کی نعت نگاری کے بنیادی پہلو نمایاں نظر آتے ہیں۔ اس مجموعہ کلام میں ایک حمد، ایک مناجات، چوالیس نعتیں اور چھتیس مناقب کل بیاسی کلام شامل ہیں۔ اس نعتیہ مجوعے میں سلام کی شدّت سے کمی محسوس ہو رہی ہے۔ اگر سلام بھی شامل کلام ہوتا تو یہ شعری گل دستہ تقدیسی شاعری کے تمام اصناف کو محیط ہوتا۔ منشورات کے بعد مجموعہ کلام کا آغاز مندرجہ ذیل ''حمد باری تعالیٰ'' سے شروع ہوتا ہے جس کے دو شعر نذر قارئین ہیں۔ ؎

جلوہ فرما ہے میرا خدا ہر طرف
اس کی بکھری ہوئی ہے ضیأ ہر طرف
یا خدا تیری حمد و ثنا کے طفیل
ہو گیا شہرہ اخلاقؔ کا ہر طرف

اور مجموعہ کلام کا اختتام حضرت صاحب سجادہ خانقاہ عالیہ ابوالعلائیہ، قاضی پور، کھا گا فتح پور کے مندرجہ ذیل تہنیتی منقبتی کلام پر ہوا ہے۔ ؎

وہ اوج وہ مقام عزیزالحسن کا ہے
ولیوں کے لب پہ نام عزیزالحسن کا ہے
جمشید ! تیرا جام مبارک رہے تجھے
ہاتھوں میں میرے جام عزیزالحسن کا ہے

قاری اخلاق فتح پوری صرف اسٹیج کے شاعر نہیں ہیں بلکہ ادب فن اور صنائع کا پاس و لحاظ رکھنے والے مقتدر سخنور ہیں۔ مگر اس مجموعہ میں قارئین کے ذوق کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے آسان بحروں، معروف ردیف و قوافی اور سہل و شستہ الفاظ و معانی کے ساتھ اپنے پاکیزہ خیالات کو شعر کا پیکر عطا کیا ہے جو براہِ راست ذہن و فکر کو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔ یہ مجموعہ عوام و خواص کے ساتھ نعت خواں حضرات کے لئے خصوصیت کے ساتھ گراں قدر تحفہ ہے۔ چھوٹی بحروں، آسان ترکیبوں اور شیریں لفظوں میں اعلیٰ فکر پیش کرنا یہ کمالِ فن کی علامت ہے۔ اس مجموعہ کے ہر کلام کی طرزِ ادا بول رہی ہے۔ نعت خواں خلوص و محبت سے ان اشعار کو گنگنا کر سامعین کے خوبیدہ جذبات کو بیدار کر سکتا ہے ملاحظہ ہوں۔

کاش مل جائے گھر مدینے میں
میں رہوں عمر بھر مدینے میں

چاند سورج سے الگ میں نے ضیاً مانگی ہے
یعنی خاکِ درِ محبوبِ خدا مانگی ہے

اُس کا سب کچھ ہو گیا جو ہو گیا سرکار کا
تاج داری بانٹتا ہے ہر گدا سرکار کا
پھر مدینے کی یاد آئی ہے
بزم دل پھر سے جگمگائی ہے

یا رب تمام خلق کی اُلفت نکال دے
سینے میں الفتِ شہِ ابرار ڈال دے
قصہ ہی جانفزا ہے معراج مصطفیٰ کا
ہر سمت تذکرہ ہے معراج مصطفیٰ کا

عالم کی ابتدا ہے محمد ﷺ کے نام سے
عالم کی انتہا ہے محمد ﷺ کے نام سے

نعت نگاری کا بنیادی عنصر عشقِ رسول ﷺ ہے اور یہی والہانہ محبت شاعر کو برانگیختہ کرتی ہے اور وہ سوزش باطن کی تسکین کے لئے اپنے جذبات کو شعر کے قالب میں ڈھالتا ہے۔ یہ عشق جتنا عمیق ہوگا کلام اُتنا ہی موثر ہوگا۔ یقیناً قاری اخلاق فتح پوری کے دل کا گوشہ گوشہ سرکار دوعالم علیہ السلام کی پاکیزہ محبت سے لبریز ہے اور ان یہ نعتیہ مجموعہ ''محبتوں کے چراغ'' میں عشق رسول ﷺ کی وہ روشنی ہے جو دل کے نہاں خانے کو بھی منوّر و مجلیٰ کرنے کی توانائی رکھتی ہے۔ ان کی شاعری میں عشق رسول کی سرمستی، عقیدہ وعقیدت کی ہم آہنگی، حُسنِ بیان کی چاشنی، روضۂ رسول پر پہنچنے کی تڑپ، حُسنِ طلب اور استغاثے کے نمونے ملتے ہیں ان کے یہاں دردِ دل اور دوائے دِل دونوں کے سامان موجود ہیں۔

اے طبیبو! علاج رہنے دو
ہے مرا چارہ گر مدینے میں

اپنے دیوانوں کے دل میں ان کا ہوتا ہے قیام
کیا عجب دل میں مرے تشریف لائیں مصطفیٰ
کر نہ دیں اس کو زمانے کی ہوائیں تاراج
کشت جاں کے لئے رحمت کی گھٹا مانگی ہے

کیا ہو گا ترا سوچ لے اے گردشِ دوراں
اب اور ستائے گی تو کہ دونگا نبی ﷺ سے
بے شک طبیب دیتے ہیں بیمار کو دوا
ملتی مگر شفا ہے محمد ﷺ کے نام سے
رنج وغم کے طوفاں میں کب کے بہ گئے ہوتے
تیری یاد کے سائے آج تک سنبھالے ہیں

سیلِ رنج و الم ہے زوروں پر
میرے آقا تیری دہائی ہے

لب سے کبھی کرتے نہیں ہم عرضِ تمنا
سرکار سمجھ لیتے ہیں آنکھوں کی نمی سے

قاری اخلاق فتح پوری کو نعت کہنے کا سلیقہ ہے وہ جذبات کی رو میں بہتے نہیں ہیں۔ اعتدال کا دامن تھامے رہتے ہیں ہاں انہوں نے مضامین میں تنوع پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی حالانکہ ان کو یہ ہنر بھی معلوم ہے جس کی غمازی مندرجہ ذیل اشعار سے ہوتی ہے۔

جیسے تم نے رکھ دیا اس طاق سے اس طاق پر
بس یوں ہی نہیں سورج بھی ہے ادنیٰ دیا سرکار کا

غلے میں اس کسان کی ہوتی ہیں برکتیں
جو کھیت بو رہا ہے محمد ﷺ کے نام سے
اے صبا مدینے سے اس کا ہم سفر لے آ
دل میں سج کے بیٹھی ہے آرزو مدینے کی

مدینہ منوّرہ خاکدانِ گیتی کا مرکزِ عقیدت ہے جہاں رحمت و نور اور برکت و سرور کی ہر آن پھوار پڑتی رہتی ہے۔ مدینہ منورّہ کو یہ شرف و اعزاز حاصل ہے کہ سرورِ کائنات ﷺ کا قدمِ ناز اس سرزمین پر پڑا ہی نہیں بلکہ اللہ کے حبیب بنفسِ نفیس چودہ سو برس سے اسی مقدس سرزمین میں آرام فرما ہیں اس پاک سرزمین کو سرورِ کونین ﷺ سے نسبت حاصل ہے اس لئے یہ بے پایاں عظمت و بزرگی کا مینارہ نور ہے۔

ہر دور کے شعرائے نعت نے اپنے کلام میں اس ارضِ پاک کو عقیدتوں کا خراج پیش کیا ہے۔ وہاں پہنچے کی تمنا ظاہر کی ہے اور اس مقدس سرزمین میں پیوند خاک ہونے کی آرزو کی ہے۔ ’’محبتوں کے چراغ‘‘ میں بھی نوع بنوع انداز میں مدینہ منوّرہ کو یاد کیا گیا ہے۔

چاروں سمتوں سے آکے ملتی ہے
خلد کی رہ گزر مدینے میں

آرزو ہے مری میں زندۂ جاید رہوں
اس لئے میں نے مدینے میں قضا مانگی ہے
مفلسی رلاتی ہے دیر تک مجھے اخلاقؔ
جب بھی کوئی کرتا ہے گفتگو مدینے کی

ٹھہر جا اجل دیکھ لینے دے طیبہ
ابھی زندگی مسکرائی نہیں ہے

لب پہ نامِ مصطفیٰ دل میں مدینہ چاہیئے
مومنو! اس طرح تم کو مرنا جینا چاہیئے
مدینے کے زروں میں ایسی چمک ہے
فلک کے ستارے بھی شرما رہے ہیں

سرکارِ دو عالم ﷺ کے لئے ''کملی والے'' کا لفظ عرصہ دراز سے اردو شاعری میں مستعمل ہے اور تلاش و تتبع کیا جائے تو قدیم و جدید شعرائ کے پچاسوں اشعار مل سکتے ہیں اس حوالے سے اربابِ نقد و نظر کے دو نظریئے ہیں۔(۱) کملی کمبل کی تصغیر ہے اس لئے سرکار علیہ السلام کے لئے مصغر کا استعمال ناروا ہے۔(۲) کملی مستقل لفظ ہے اس کی تصغیر کملیا ہے اس لئے سرکار کے لئے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

حسان الہند اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے رسول اکرم ﷺ کے لئے ''کملی والے'' کا لفظ نہ تو اپنی نثر میں استعمال کیا ہے اور نہ ہی اپنی شاعری میں۔ ماضی قریب کے دو مشہور عالمِ دین شارحِ بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ اور بدرِ ملت حضرت علامہ بدرالدین صاحب قادری علیہ الرحمہ نے سرکار کے لئے لفظ ''کملی والے'' کے استعمال پر سخت مواخذہ کیا ہے۔

''محبتوں کے چراغ'' میں شامل چوالیس نعتوں میں صرف اور صرف ایک نعت میں جو مثلث کی ہیئت میں ہے اس لفظ کو استعمال کیا گیا ہے۔

سینے سے غم زدوں کو اپنے لگانے والا
ہر غم میں ہر الم میں وہ کام آنے والا
لو آگیا ہماری قسمت جگانے والا
وہ کالی کملی والا

پورے نعتیہ مجموعے میں ہر تین مصرع پر اس کی تکرار ہے۔ مجموعۂ کلام کا ٹائٹل دیدہ زیب ورق دبیز کمپوزنگ خوبصورت اور طباعت معیاری ہے۔ اس نازک صنف کا یہی تقاضہ بھی ہے کہ اس کی طباعت اعلیٰ سے اعلیٰ ترین معیار پر کی جائے۔ میں اس کی حُسنِ طباعت پر قاری اخلاق فتح پوری کو مبارکباد پیش کرتا ہوں دعا ہے کہ ''محبتوں کے چراغ'' کی روشنی ہمیں دارین میں اُجالا بخشے۔ (آمین)۔

○○○

چراغِ حرا

نعت نگار : پروفیسر ڈاکٹر نازؔ قادری مبصر : ڈاکٹر سراج احمد قادری (مدیرِ مجلّہ)

پروفیسر نازؔ قادری اردو ادب کا وہ جانا پہچانا نام ہے جو علم و ادب کی دنیا میں کسی کے لئے بھی غیر مانوس نہیں۔ میں نے خود انکو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے میری ان سے ملاقات بہت تھوڑے وقت کی رہی مگر اتنے ہی وقت میں میں نے پایا کہ وہ بہت ہی مخلص، نیک دل اور سادہ لوح انسان ہیں۔ دوسروں کے ساتھ بھلائی اور ایثار کا جذبہ انکے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ چھوٹوں کے ساتھ وہ بہت ہی شفقت و محبّت سے پیش آتے ہیں۔ اگر میں یہ کہوں کہ انکے اندر یہ اوصاف نعت نبیٔ اکرم ﷺ کی رقم طرازی کے سبب ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ نعت پاک کا یہ اعجاز ہے کہ وہ انسان کو ایک جامع انسان بناتی ہے۔

پروفیسر نازؔ قادری کا نعتیہ مجموعہ ''چراغ حرا'' جو اس وقت میرے پیش نظر ہے۔ انہوں نے بڑی ہوش مندی اور دیدہ وری سے اس مجموٗ کو ''غار حرا'' سے منسوب کیا ہے یعنی اس کا نام ''چراغ حرا'' رکھا ہے۔ میں نے غار حرا کی بھی زیارت کی ہے، اور ''چراغ حرا'' کا مطالعہ بھی۔ اگر چہ غار حرا بہت چھوٹی سی جگہ کا نام ہے، مگر اس کی وسعت و ہمہ گیریت کا یہ عالم ہے کہ ''وسعت کونین میں سما نہ سکے''۔ یہی وہ مقام مقدس ہے جہاں پر اللہ کے پیارے رسول سرور انبیأ ﷺ جلوس فرما کر ربّ کریم سے لو لگا کر بنی نوع انساں کی فلاح و بہبود کا خاکہ تیار فرماتے تھے اور وہاں سے تشریف لانے کے بعد فروغ انسانیت اور فلاح امت میں جی جان سے جٹ جایا کرتے تھے۔ اگر گہرائی و گیرائی سے دیکھا جائے تو غار حرا کو رشد و ہدایت کا وہ مقام و مرتبہ حاصل ہے جہاں سے پوری کائنات میں اجالا پھیلا۔ غار حرا کی عظمت کے پیش نظر پروفیسر نازؔ قادری فرماتے ہیں۔

کوہ فاراں کی تجلّی سے ہے دنیا روشن
آج بھی حق کی صدا غار حرا دیتا ہے

غار حرا کے وہ ذرّات کتنے مقدس و پاکیزہ ہیں جن سے میرے آقا و مولیٰ روحی فدا جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کا جسم اطہر ایک عرصۂ دراز تک مس ہوتا رہا۔ آقا علیہم السلام کے جسم مقدس و مطہر کے مس ہونے کے بارے میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب'' میں تحریر فرماتے ہیں:-

> ''بعد اجماع تمام علمائ رحمۃ اللہ علیہم کے اُس مقام کو فضیلت دی ہے جو اعضاے شریفہ سید کائنات ﷺ کو موضع قبر شریف سے ملاے ہوے ہے تمام اجزاے زمین کے افضل ہے۔ یہاں تک کہ خانۂ کعبہ سے بھی اور بعض علماء نے تو یہاں تک کہا ہے کہ تمام سماوات حتیٰ کہ عرش سے بھی۔''

بات نسبت کی میں کر رہا تھا۔ ان ذرّات کو چوم کر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں نے جسم اطہر ﷺ کو بوسہ دیا ہے۔ عظیم نعت گو حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے اس شعر کی روشنی میں اس نسبت کو اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے آپ فرماتے ہیں۔ ؎

تجھ سے در ا، در سے سگ ،اور سگ سے ہے مجھ کو نسبت
میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈور تیرا

پروفیسر نازؔ قادری کا یہ نعتیہ مجموعہ ''چراغ حرا'' بظاہر ۱۹۲ ر صفحات پر مشتمل نعت نبی اکرم ﷺ کا مجموعہ اور ایک چھوٹی سی کتاب ہے۔ مگر باطنی طور پر یہ نعتیہ مجموعہ رشد و ہدایت کا وہ مینارۂ نور اور اجالوں کا وہ مرکز و منبع ہے جس کا ایک ایک حرف فلاح و بہبود کا سیل رواں ہے۔ اس نعتیہ مجموعے میں پروفیسر نازؔ قادری کے افکار و خیلات اور جذبۂ دروں کے وہ اسرار و رموز پنہاں ہیں جسکو انہوں نے محبت رسول ﷺ میں نہ جانے کتنے شب و روز تپ کر تیار کیا ہے، تب جا کر یہ نعتیہ مجموعہ ''چراغ حرا'' بنا۔

پروفیسر نازؔ قادری کے اس مجموعے کی شروعات حمد باری تعالیٰ سے ہوئی ہے، جیسا کہ مصنّفین و مولفین اور شعرائے کرام اپنی تخلیقات کی شروعات حمد باری تعالیٰ سے کرتے رہے ہیں پروفیسر نازؔ قادری نے بھی اسی روش پر کار بند رہ کر اپنے اس مجموعے کی شروعات حمد باری تعالیٰ سے کی ہے۔ اور اس کے بعد نعت نبی اکرم ﷺ کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ ان کی پہلی نعت پاک کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔ ؎

وہ سر عرش معلیٰ جو گیا رات کی رات
اس کے پرتو سے گل افشاں ہے یہ نغمات کی رات

بارش نور سے ہم تزکیۂ نفس کریں
آج کی رات ہے پاکیزہ خیالات کی رات
کر دیا اس نے عیاں آدم خاکی کا مقام
باعث رشک سحر ہے یہ ملاقات کی رات
دے دیا سرور کونین نے بخشش کا پیام
آج کی رات ہے تقدیس و مناجات کی رات
ناؔز بھی مدح سرا ہے سر دربار حضور
اللہ اللہ یہ تہذیب خیالات کی رات

نفس الامر میں اگر دیکھا جائے تو پروفیسر ناؔز قادری نے اپنی نعت گوئی کا آغاز قرآن پاک سے فرمایا ہے جو معیار نعت گوئی اور وصول نعت گوئی ہے۔ شب معراج کے واقعے کو آپ نے اپنی فکر وفن کا موضوع بنا کر امام احمد رضا کی زبان میں یہ اعلان فرمادیا۔

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

جس کی فکر وفن کا موضوع قرآن وحدیث ہو تو اس کی نعت گوئی یقیناً اعلیٰ معیار کی ہوگی۔ اصناف ادب میں نعتیہ شاعری کو ہی یہ شرف حاصل ہے کہ کسی بھی نعتیہ مجموعے کی تنقید وتبصرہ کرتے وقت مبصر یہ نہیں کہ سکتا کہ فلاں شعر بہت اچھا ہے یا فلاں شعر خراب ہے۔ جبکہ دوسری اصناف غزل، قصیدہ، مرثیہ، رباعی وغیرہ کی تنقید وتبصرہ کرتے وقت مبصر برجستہ کہ دیتے ہیں کی یہ شعر بہت اچھا ہے، یا یہ شعر معیار شاعری سے گرا ہوا ہے یا اس شعر میں اس طرح کا سقم پایا جاتا ہے۔ نعتیہ شاعری کی یہی وہ خوبی ہے جو دیگر اصناف سے اس کو ممتاز کرتی ہے۔ میرے اپنے خیال میں نعتیہ مجموعوں کا تنقیدی جائزہ لیتے وقت یا ان پر تبصرہ تحریر کرتے وقت نعت کے اشعار میں فرق امتیازی کی بنا پر ہی یہ حکم لگایا جاتا ہے کہ یہ شعر بہت عمدہ یا بہت اچھا ہے۔ یا اس شعر میں اگر یہ لفظ آجاتا تو اس کے معانی ومفاہیم میں ترفع پیدا ہوجاتا، نعت کے کسی بھی شعر کو ہم یک لخت مسترد نہیں کرتے بلکہ اس کے متعلق اپنا نقطۂ نظر پیش کرتے ہیں۔ لیکن جب کوئی شعر کفر وشرک کی ضد میں ہوتا ہے، یا خلاف شرع ہوتا ہے تو ہم برجستہ کہتے ہیں کہ یہ شعر ناجائز وحرام یا خلاف شرع ہے۔ اچھے اشعار کے بارے میں علامہ حسرت موہانی نے کہا تھا۔

شعر در اصل ہیں وہی حسرتؔ
سنتے ہی دل میں جو اتر جائیں

مگر میں اس حکم یا نظریے سے پوری طرح متفق نہیں ہوں اس لیے کہ بہت سے اشعار بہت عمدہ ہوتے ہیں مگر سننے کے بعد ان کی تفہیم میں تردد ہوتا ہے، اس لئے کہ ان میں تلمیحات یا استعارے کا استعمال ہوتا ہے ان کا سننے کے بعد دل میں اتر جانا کوئی ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ پروفیسر نازؔ قادری فرماتے ہیں۔ ؎

جو اس حقیقت سے آشنا ہیں وہ واقف سرّ آگہی ہیں
نبی کے رخ پر نقاب ہے یا تجلیّ حق حجاب میں ہے

شعرا ٔکے کلام کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ کبھی کبھی ایک شعر دوسرے شعر کی توضیح وتشریح ہوا کرتے ہیں۔ پروفیسر نازؔ قادری کے اس شعر کی توضیح وتشریح امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے درج ذیل شعر سے کی جاسکتی ہے آپ فرماتے ہیں۔ ؎

اٹھا دو پردہ دکھا دو چہرہ کہ نور باری حجاب میں ہے
زمانہ تاریک ہو رہا ہے کہ مہر کب سے نقاب میں ہے

شعرا کے دواوین اور مجموعہ کلام کے تبصروں کے درمیان کچھ منتخب اشعار پیش کئے جاتے ہیں جنکا مقصد صرف اتنا سا ہوتا ہے کہ اہل علم ودانش انہیں اشعار کی مدد سے شاعر کے فکر وفن کے معیار کا اندازہ لگالیں کہ اس سخنور کی سخن گوئی کا معیار کیا ہے؟ اور اگر مزید انہیں رغبت ہے تو وہ شاعر کے مجموعہ کلام یا دیوان کی طرف رجوع کرسکتے ہیں۔ میں نے بھی ''چراغ حرا'' کے مطالعے کے درمیان چند اشعار کی نشان دہی کی ہے، جو پیش خدمت ہیں جنکی مدد سے اہل فکر ودانش پروفیسر نازؔ قادری کی نعتیہ شاعری کا معیار متعین کرسکتے ہیں، اوراس سے محظوظ بھی ہوسکتے ہیں۔ ؎

میں قتیل ہجر رسول ہوں، مجھے زندگی کی طلب نہیں
مرے دل کو جس کی تلاش ہے وہ مۓ نشاط وصال ہے

خبر ہے قبر میں ہوگی زیارت روئے انور کی
نبی کے ہجر میں یہ زندگی کانٹوں کا بستر ہے

خدا توفیق دے تو زندگی رخت سفر باندھے
مدینے کی زیارت کو مچلتا قلب مضطر ہے

میں چاہے جہاں بھی رہوں احساس ہے مجھ کو
طیبہ ہو تصور میں تو آرام بہت ہے

مری زندگی میں ہے تیرگی ، مجھے بخش دے نئی زندگی
میں اسیر رنج و ملال ہوں مرے دل کو غم سے نجات دے
ترا ذکر، ذکر حبیب ہو، تری مدح مرا نصیب ہو
مجھے دن دے اپنے خیال کا ، مجھے اپنے قرب کی رات دے

جو آنکھ لا نہ سکی تاب حسن یوسف کی
وہ کیا ٹکے گی شہ دیں کے روے انور پر

پروفیسر نازؔ قادری جدید لب و لہجے کے شاعر ہیں۔ اپنی نعتیہ شاعری کے توسط سے جدید دنیا کو یا ترقی پسند شعرائ کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ صنف نعت کے اندر یہ وسعت و تنوع ہے کہ وہ مذہبی شاعری ہونے کے باوجود جدیدیت کی ایسی متحمل ہے کہ اس میں جدید رنگ و روپ میں اظہار خیال کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ وہ ایک مقام پر بڑے ہی لطیف انداز میں فرماتے ہیں۔ ؎

روح د ر روح بسی تیرے بدن کی خوشبو
مشک و عنبر سے بھی بڑھ کر تھا پسینہ تیرا

سامنے ہوتا ہے جب روضۂ محبوب خدا
جذ بۂ حسن طلب اور سوا ہوتا ہے

اور جب وہ حق کی آواز بلند کرتے ہیں ہیں تو ان کا انداز حق گوئی بہت ہی واضح اور حقانیت سے لبریز ہوتا ہے۔ وہ جوش و جذبے سے اس قدر سرشار ہوتے ہیں کہ گویا ان کا سراپا حقانیت میں ڈوبا ہوا ہے چنانچہ وہ ایک مقام پر فرماتے ہیں۔ ؎

جن سے جہان تیرہ میں ہے روشنی امن
بہتاں انہی پہ ظالمو دہشت گری کا ہے

ایسے میں ان کی یاد ہی درماں ہے درد کا
چاروں طرف سے سلسلہ نشتر زنی کا ہے

پروفیسر ناز قادری اردو کے ان نعت گوشعرأ میں ایک ہیں جن کے سبب فروغ نعت کا کا رواں آگے بڑھ رہا ہے۔آج صنف نعت انہی نعت گوشعرأ کی کاوشوں کی وجہ سے جدید شعرأ کی فکری توجہ کا مرکز بنی ہوئی ہے۔کل تک جو شاعر غزل اور نظم کے شاعر کہلوانے میں فخر محسوس کرتے تھے آج وہ نعت کے شاعر یا مدّاح رسول کہلوانے میں فخر و انبساط محسوس کر رہے ہیں۔ چنانچہ راجا رشید محمود (پاکستان) نعتیہ ادب کے حوالے سے جن کی بڑی خدمات ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ''عہد حاضر نعت کا دور ہے''شمأیم النعت .ڈاکٹر سراج احمد قادری.رضوی کتاب گھر دہلی صفحہ ۱۸۴۔

پروفیسر ناز قادری کا مذکورہ نعتیہ مجموعہ ''چراغ حرا'' میزان شریعت پہ نپا، تلا ہے۔لب و لہجے کا انوکھا پن، نیرنگئ خیال، طرز ادا کی انفرادیت کلام میں جا بجا چستی و برجستگی جلوہ فرما ہے اگر وہ اسی طرح متوجہ ہو کر نعت مصطفیٰ ﷺ کی رقم طرازی کرتے رہے تو یقیناً مستقبل قریب میں ان کی ذات ایک نعت گو اور ایک نعت شناس کی حیثیت سے عالمی سطح پر نمایاں انفرادیت کی حامل ہوگی اور اس کے سبب وہ کل میدان حشر میں سرخرو بھی ہوں گے اور شاد کام بھی انہوں نے سچ ہی کہا ہے۔ ؎

اعجاز نعت پاک ہے تہذیب فکر و فن
میرے لیے تو باعث توقیر بن گئی

○○○

زاویۂ نگاہ

ہائے وہ حسن کا انداز کہ جس وقت جگرؔ
عشق کے بھیس میں ہوتا ہے نمایاں کوئی

جگرؔ مرادآبادی

پروفیسر ابوسفیان اصلاحی (علی گڑھ)

شعاع امید۔ دبستان نعت

مجلّہ ''دبستان نعت'' کا پہلا شمارہ میرے ہاتھ میں ہے جو دراصل امید کی ایک تابندہ کرن ہے۔ اور یہ کرن وثوق کے ساتھ یہ پیغام دینا چاہتی ہے کہ اقدار سے محبت کرنے والے ابھی بھی موجود ہیں۔ اور اردو ایک تہذیب اور مضبوط ثقافت ہے جس کے اندر ذخائر کی ایک خوبصورت دنیا آباد ہے اور اس کا ایک خوبصورت ترین ذخیرہ نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اردو سے ناشنائی دراصل اسلام سے ناآشنائی ہے اور اردو تہذیب سے بے اعتنائی درحقیقت نعت رسول اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بے اعتنائی ہے۔ عربی زبان وادب کے طالب علم ہونے کے ناطے مجھے یہ کہنے کا استحقاق حاصل ہے کہ عہد حاضر کی اردو نعت گوئی کو عربی نعت گوئی پر سبقت حاصل ہے۔ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ڈاکٹر سراج احمد قادری کو لائق مبارک باد سمجھتا ہوں جنھوں نے اس مادیت کی رواروی میں اردو کے توسط سے شمع رسالت روشن کی ہے۔ اس نفسانفسی میں کوئی تو بے نفسی کا علم بردار ہے ہم رخ روشن کو سلام عقیدت پیش کرتے ہیں جس نے عزم کیا ہے کہ ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو عام کیا جائے۔ یہی اسوۂ رسول شب دیجور کا خاتم اور قاتل ہے۔ قادری صاحب نے اپنے اداریے میں یہ نکتہ اٹھایا ہے کہ والدین اپنے بچوں کو اسوۂ رسول کے جام سے سرشار وسیراب کریں تاکہ ان کی تعلیم وتربیت کا مناسب نظم ونسق ہوسکے۔ راقم الحروف اس تعلق سے ایک اور بات کہنے کا تمنائی ہے کہ ہمارا اصل اعتناء وارتکاز قرآن کریم پر ہو کیوں کہ اس کے بغیر اسوۂ رسول کی تفہیم ممکن ہی نہیں اور اسی طرح بغیر قرآن کے ایک معتبر نعتیہ کلام کا وجود میں آنا بعید از قیاس ہے۔ یہ کتاب الٰہی نعت رسول کا پہلا ماخذ ومصدر ہے۔ اسی لئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: کان خلقہ خلق القرآن یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر کا دوسرا نام تصویر قرآنی ہے۔ سیرت کے مصادر میں قرآن کریم کو

اساسی حیثیت حاصل ہے۔قرآن کریم ایسا معیار و محور ہے جو ذات اطہر ﷺ کے تئیں کج بیانیوں سے بچاتا ہے۔شعرائے کرام کے تجاوزات لامحدود ہیں اگر قرآن کریم پیش نظر ہو تو ان تجاوزات اور بے جا الحاقات سے بچا جا سکتا ہے۔قرآن کریم سرورِ کونین اور خود ان کے متبعین کا سب سے بڑا محافظ و مہیمن ہے۔اس بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں آپ ﷺ کی جامع و کامل تصویر کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکمل حلیہ پیش کر دیا ہے تو موضوع روایات کے کیا معنی؟ سراج قادری صاحب نے اپنے اداریے میں تحریر فرمایا کہ:-

''حدیث کے کلیئے کے مطابق فضائل و مناقب میں موضوع روایات کا بھی اعتبار ہے''

کیا قرآن کریم اور احادیث صحیحہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک کی تصویر کشی میں ناکافی ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل و مکارم احادیث میں موجود ہیں اس لئے ضعیف روایات سے آپ ﷺ کی تائید و توثیق کرنا نامناسب ہے۔ احادیث وضع کرنے والوں کے متعلق فرمان رسول ہے کہ "**مقعده فی النار**"اسی طرح ''فن نعت اور نعت گوئی'' میں یہ تأثر بھی دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ نعت کا مفہوم یہ بھی ہے کہ توصیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مبالغے سے کام لیا جائے۔ یہ زاویۂ نظر نعت رسول کے باب میں غیر مستحسن ہے۔بعض ناقدین نے شاعری کے باب میں مبالغے اور کذب بیانی کا جواز فراہم کیا ہے۔ بانیٔ بلاغت ارسطو نے بھی شاعری کی سطح پر کذب و افتراء کو مستحسن قرار دیا ہے۔جس کی قرآن کریم کی روشنی میں مولانا فراہی نے تردید کی ہے،آپ کی مشہور زمانہ کتاب "**جمهرة البلاغه** " بلاغت صحیحہ کی پیش کش میں درجۂ تفرد پر فائز ہے۔سورۃ الشعراء میں شعراء کی اس بے راہ روی کو ہدف تنقید بنایا گیا ہے۔خود سورۂ یٰسٓ میں "**وماعلمناه الشعر وماينبغى له** " کہہ کر وقار نبوت کی تشریح کی گئی ہے کہ شاعری اور ہوائی عمل کی تعبیر آپ ﷺ کے رتبے کے برعکس ہے۔گویا مبالغہ اور نبوت میں بعد مشرقین ہے پھر کیا جواز ہے کہ غیر مستحسن طور پر اللہ کے حبیب ﷺ کی تعبیر و تشہیر کی جائے۔قرآن کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی منزلت عالیہ کو' مقام محمود' کا نام دیا ہے۔اس لئے درخواست ہے کہ اس تقدس کو مبالغوں سے مرتبت کرنا اسلامی غیرت کے منافی ہے۔

قابل افتخار مدیر قادری صاحب سے درخواست ہے کہ پروف پر خاصی توجہ دی جائے

''آپ کے اداریہ میں حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شعر میں ''یستضاء'' کے بجائے ''یستظاء'' ہے۔ پرخوشی کی بات یہ ہے کہ صفحہ ۷۱ پر یہ شعر صحیح درج کیا گیا ہے۔ اسی طرح صفحہ ۷۰ پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شعر میں ''تنزی علیہ' جبکہ ''تترى علیہ'' ہے۔ یہی لفظ شوقی کے یہاں اس طرح آیا ہے۔

والآی تترى والخوارق جمة جبريل روّاح بها غدّاء۔

ایک مضمون ''غیر منقوط حمدیہ ونعتیہ شاعری کا اجمالی جائزہ'' کے عنوان سے تحریر کیا گیا ہے جسے علمی سطح پر سراہا جائے گا لیکن اسلامی رو سے اس طرح کی کاوشوں کو بنظر استحسان ہرگز نہیں دیکھا جائے گا اس میں تقدیس اللہ اور تعریف رسول سے زیادہ اپنی خودنمائی اور خودستائی ہے۔ مرتب اپنی علمی مرتبت اور فکری رفعت کا مظاہرہ کرنا چاہتا ہے۔ قرآن کریم تقوی، انکساری اور عجز کی بات کرتا ہے اور اسوۂ رسول فقر کا داعی ہے تو کیا اس آئینۂ انقیاد میں اس تبحر وتفاخر کی اجازت ہے۔ خاکسار نے ہادیٔ عالم اور سواطع الالہام پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے وضاحت کی ہے کہ یہ اسلوبِ تعلیٰ اور اظہارِ تجلی اسلامی مزاج سے میل نہیں کھاتا۔

اس شمارے کا قابل قدر مضمون ''علماء گھوسی کی نعت نگاری'' ہے اس مضمون کو مزید وقیع بنانے کے لئے ضروری ہے کہ مولانا عبدالحی لکھنوی کی ''نزہۃ الخواطر'' کا ضرور جائزہ لیا جائے اس میں بہت سی ایسی چیزیں مل سکتی ہیں جو مضمون کے لئے باعث افادیت ثابت ہوں گی۔ اس کے علاوہ عرفان عباسی کی ''شعراء اتر پردیش'' کی بھی اوراق گردانی کی جائے۔ اسی طرح علی جواد زیدی کی بعض تحریریں اس ضمن میں مفید ثابت ہوں گی اور مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کی ''تذکرہ علماء اعظم گڑھ'' کا مطالعہ بھی مضمون کو تقویت بخشے گا۔ ضرورت ہے کہ اسے مزید قابل قدر بنایا جائے۔ مضمون نگار لائق ستائش ہیں۔ آخر میں اسی قصبہ گھوسی کے معروف صاحب علم پروفیسر ظفر احمد صدیقی سے رابطہ کیا جائے کیوں کہ گھوسی کا علمی وادبی سرمایہ ان کی نظر میں ہے۔ آپ کی وساطت سے مآخذ تک رسائی ممکن ہوسکتی ہے۔

اس شمارۂ اول کی ایک خاص امتیازی شان یہ ہے کہ اس میں گوشۂ علامہ جامی ہے جو ایک علمی وفکری ارتقاء کا ضامن ہے، اس سے یہی متبادر ہے کہ ''دبستان نعت'' دانشوری اور تحقیق وتفتیش کا ترجمان ہے۔ اس حصے کا ایک نامور نام ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط کا ہے جن کی تحریریں علمی ریاضت اور تصنیفی دباغت ہے اس تحریری صلابت کی تعریف پروفیسر اسلوب احمد انصاری نے بھی

کی ہے۔ مجھے امید ہے کہ ڈاکٹر یحییٰ نشیط کی تحقیقی جلوہ فرمائیوں سے مجلّے کے صفحات چمکتے اور دمکتے رہیں گے۔ لیکن یہ بات یاد رہے کہ جامی ہوں یا کوئی اور اس سے بھی عظیم تر ان کے کلام کا تنقیدی تجزیہ کیا جائے اور میزان فیصل یعنی قرآن کی روشنی میں فیصلہ صادر کیا جائے۔ اسی لئے کہ اسے ''فصل الخطاب'' کا رتبہ حاصل ہے۔

یہاں ایک خاص پہلو کی طرف اشارہ ضروری ہے کہ بہت سے محققین اور صوفیۂ کرام کا خیال ہے کہ قرآن کریم کے بہت سے رموز اور بواطن ایسے ہیں جن تک رسائی صرف صوفیہ کرام کی ہی ممکن ہے۔ یہ عام طور سے کہا جاتا ہے لیکن یہاں تو زد نبوت پر آتی ہے کہ گویا قرآن کی بہت سی تہوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقف نہ تھے۔ جب کہ قرآن کریم ایک واضح کتاب ہے اس کی تمام تعلیمات دربار نبوت سے عام ہو چکی ہیں۔ اللہ نے خود آپ ﷺ کو شارح قرآن بنا کر مبعوث کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان میں نزول قرآن ہوا تا کہ اس کی تمام تر جامعیت واکملیت تمام انسانوں کے سامنے رکھ دیں۔ حجۃ الوداع کے موقعہ پر اس کا اعلان بھی کیا گیا اور خود اللہ نے آپ کی زبان سے اعلان کروایا کہ۔

الیو أکملت لکم دینکم	آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا
وأتممت علیکم نعمتی	اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمہارے لئے
ورضیت لکم الاسلام دینا۔	دین اسلام کو پسند کیا۔

قرآن کریم میں مختلف مقامات پر ایسی بیشمار آیات کریمہ ہیں جن سے یہی ترشح ہوتا ہے کہ قرآن کریم ایک کھلی ہوئی کتاب ہے۔ اس کے احکام، الفاظ اور معانی میں کوئی ایہام ہے اور نہ ہی کوئی ابہام، بالکل ابتداء ہی میں صراحت کر دی گئی کہ وہ تمام شکوک وشبہات سے پاک ہے۔ اللہ نے بڑی وضاحت سے فرمادیا کہ "**الرکتاب أحکمت اٰیتہ ثم فصلت من لدن حکیم خبیر**" یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ اس کی آیات محکم کی گئیں ہیں پھر صاف صاف بیان کی گئی ہیں۔

اس آیت کریمہ کی روشنی میں بڑے تیقن کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم ہر زاویئے سے مبرہن ہے۔ اسی لئے اسے "**البلاغ المبین**" کہا گیا ہے۔ مجلّہ دبستان نعت کے صفحہ ۵۵ پر صوفیہ کرام کے نعتیہ کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے بتایا گیا کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے باطنی پہلو کو اجاگر کیا۔ اس خیال سے بھی آپ کی ذات اکرم صلی اللہ علیہ وسلم متاثر ہوتی ہے۔ مختصر یہ کہنا ہے کہ بطونیت کا تعلق نہ قرآن کریم سے ہے اور نہ ہی صاحب قرآن سے۔ تصور علم باطن کا

قرآن کریم سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔

میرے عزیز دوست سید صبیح رحمانی بھی اس میں جلوہ افروز ہیں۔جنھوں نے دنیائے نعت کی علمی تزئین میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔نعت رنگ نے نعت گوئی کی جہتوں کی تصحیح میں کارہائے نمایاں انجام دئے اورنعت گوئی میں علامتی حیثیت اختیار کر گئے مدیر محترم نے آپ کی جس نعت کو اس میں شامل کیا ہے یہ قارئین ہند کے لیے ایک عظیم تحفہ ہے۔خاکسار کے اورادمیں یہ نعت شامل ہے۔ اسے پڑھتا ہوں ،گنگناتا ہوں تاکہ یہ جسم وجاں میں سرایت کر جائے۔ اس کے ہر ہر لفظ سے حب رسول کی خوشبوآتی ہے۔ جو رگ وپے میں گھس کر قرار جاں عطا کرتی ہے۔اوراڑکر یثرب میں گم ہوجانے کو جی چاہتا ہے۔کاش یہ بدنصیب!

حضور ایسا کوئی انتظام ہوجائے سلام کے لئے حاضر غلام ہوجائے

تجلیات سے بھرلوں میں اپنا کاسۂ جاں کبھی جوان کی گلی میں قیام ہوجائے

اسی قیام کے لئے علامہ اقبال زندگی بھر تڑپتے رہے۔لیکن یہ قیام ان کے حصے میں غیر مکتوب تھا۔علامہ اقبال کی اس تڑپ پر پروفیسر رفیع الدین ہاشمی نے ایک خوبصورت مقالہ تیار کیا ہے جو رسالہ کی شکل میں شائع ہو چکا ہے۔ضرورت ہے کہ من وعن اسے اس میں شائع کیا جائے۔علامہ اقبال کے حب رسول پر شاید ہی اتنی خوبصورت تحریر ترتیب دی گئی ہو۔قارئین دبستان نعت اسے پڑھ کر باغ باغ ہوجائیں گے۔انھیں کلمات پر اپنی بات ختم کرنا چاہوں گا اور ڈاکٹر سراج احمد قادری کے لئے حضور رب ذوالجلال دعا گوہوں کہ انھیں عزم صمیم عطافرمایا تاکہ ''دبستان نعت'' علوم ومعارف کی بنیاد پر دنیائے نعت کی تعمیر وتشکیل میں قابل ذکر فتوحات انجام دے سکے اور اس کی شناخت صرف علم ہو۔ اسلام نے ذکروفکر کی نشوونما میں ہراولی کردار ادا کیا ہے۔ اس کی سمت حنفیت ہوکیوں کہ اسلام دین حنیف ہے اور اللہ اپنے بندوں کو حنفاء بنانے کا خواست گار ہے۔آج ہمارے اہل اسلام فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔یہی فرقے ان کی پہچان ہیں جب کہ اسلام فرقوں کو مٹانے اور دلوں کو جوڑنے کے لئے آیا تھا۔ مجھے امید ہے کہ ''دبستان نعت'' قرآن کریم کے اس اصول کوقدم بہ قدم لے کر چلے گا۔ارشادربانی ہے:

واذکروا نعمت الله علیکم اذکنتم اعداء ا فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہٖ اخوانا"(آل عمران ۱۰۳/۲)

اوراپنے اوپر(نازل شدہ)اللہ کی نعمت کو یاد کرو، جب تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے پس اس نے تمہار یدلوں کوآپس میں جوڑ دیا،پس تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے۔

ڈاکٹر سراج احمد قادری نعت رسول کے ذریعہ ملت اسلامیہ کی شیرازہ بندی کریں گے، عالم اسلام لہولہان ہے۔ عرب ماویٰ وملجا کی تلاش میں دردر کی ٹھوکریں کھارہے ہیں۔ ان کی کشتیوں کو ساحل پر لنگر انداز ہونے سے روکا جارہا ہے۔ مسلمانوں کی حالت زار پر یہ آنکھیں اشک بار ہیں۔ شام اور یمن کے چیتھڑوں پر مغرب رقصاں ہے۔ فلسطینی معصوموں پر گولیاں داغ کر اسرائیل چراغاں کررہا ہے۔ بغداد اور لیبیا خاکستر ہوچکے ہیں اور اب ترکی کے امن وامان کو غارت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ کیا ہماری دیوبندیت، سلفیت، بریلویت اور تبلیغیت ملت بیضاء کو اس طوفان قلزم سے تحفظ فراہم کرسکتی ہے۔ ہندوستان کا قبلۂ اول مسلکیت سے محفوظ تھا لیکن اب یہ بھی اس مرض کا شکار ہے۔ اس کے ذمہ دار شیخ الجامعہ ضمیر الدین شاہ اور ان کی ٹیم ہے سرسید نے یہ ادارہ مسلمانوں کے دھڑوں کے اجتماع واتحاد کے لئے قائم کیا تھا تاکہ محمود وایاز کی مانند اس کی صفوں میں اتحاد ہو لیکن یہ اتحاد مختلف شکلوں میں پارہ پارہ ہورہا ہے۔ دیوبند، ندوہ، مدرسۃ الاصلاح اور بریلی شریف کے نام پر ''التصامن الاسلامی'' کے لئے سعی بسیار یقینی طور پر ناکام ونامراد ہوگی۔ اس شب دیجور میں ''دبستان نعت'' کا طلوع ہونا فال نیک ہے۔ احقر کاروان ''دبستان نعت'' کا ایک رکن لاغر ہے۔ لیکن لاغری کے باوجود اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہے گا کیوں کہ مجھے احساس زیاں ہے، یہی احساس زیاں سرفرازیوں کی ضمانت ہے۔

OOO

ڈاکٹر آفاق عالم صدیقی (کرناٹک)

’’دبستانِ نعت‘‘ ایک دستاویزی رسالہ

’’دبستانِ نعت‘‘ کا پہلا شمارہ میرے پیشِ نظر ہے اور میں حیران ہوں کہ ڈاکٹر سراج احمد قادری نے فیروز احمد سیفی کی نگرانی میں اتنا ضخیم خوب صورت اور دستاویزی اہمیت کا حامل شمارہ اتنے کم عرصے میں کیوں کر مرتب کر دیا۔ ظاہر ہے کہ کسی بھی رسالے کو اپنا معیار متعین کرنے میں اور قلم کاروں کا تعاون حاصل کرنے میں کافی وقت لگ جاتا ہے۔ سو’’دبستانِ نعت‘‘ کے اس پہلے شمارے کے تناظر میں کہا جا سکتا ہے کہ اس رسالے کے نگراں اور مدیر نے بہت محنت کی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ محنت کرنے والوں کی کبھی ہار نہیں ہوتی ہے اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ یہ رسالہ دور تک جائے گا اور دیر تک یاد کیا جائے گا۔ رسالہ کے مشمولات پر نظر کرنے سے احساس ہوتا ہے کہ مدیر موصوف نے رسالہ کو اسم با مسمیٰ بنانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس پہلے شمارے میں ہی صنف نعت سے متعلق بہت سارے قیمتی مضامین کو جمع کر دیا ہے۔ ان مضامین کے مطالعے کے بعد نعت گوئی کی تاریخ اور اس کی فنی خوبیوں اور اس کے اختصاصی پہلوؤں کا بہت حد تک علم ہو جاتا ہے۔

اتنی بات ہم سبھی لوگ جانتے ہیں کہ اردو زبان و ادب کے فروغ میں اولیائے کرام نے اہم رول ادا کیا تھا اس لیے ایک زمانے تک اردو شعر و ادب کا تعلق روحانیت سے بہت مضبوط تھا۔ اتنا مضبوط کہ جو لوگ مولوی، مولانا یا عالم اور فاضل ہوتے تھے وہی شاعر اور ادیب بھی ہوتے تھے اور وہی لوگ تفہیمِ شعر و ادب کے میدان میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ مگر بعد میں جب ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا اور انگریزی زبان، انگریزی تہذیب، اور نئے علوم و فنون کا چرچا عام ہوا تو اردو زبان و ادب میں بھی انقلابی تبدیلیاں ہوئیں پھر تو صورتِ حال اتنی خراب ہو گئی کہ ادب، علوم، تہذیب کا ڈھانچہ یکسر بدل گیا۔ نئے علوم کی فراوانی نئے لوگوں کے سر پر عبقریت اور امام کا

تاج رکھا اور قدیم علوم اور پرانی تہذیب سے جڑے ہوئے لوگ آہستہ آہستہ مدرسوں اور خانقاہوں تک محدود ہو کر رہ گئے۔ یعنی تہذیب کی بنیاد جو پہلے پیغمبر، پیر اور رِشی مُنی رکھتے تھے اور اس میں اصلاح کا کام ان کے پیروکار کرتے تھے ان کی جگہ نئی تعلیم کے حامل لوگوں نے لے لی۔ اور تہذیب و تمدن کی بنیاد رکھنے اور اسے نشو و نما سے ہم کنار کرنے کا فریضہ بھی وہی لوگ ادا کرنے لگے جو جدید تعلیم سے آراستہ تھے اس سماج، معاشرہ اور زبان و ادب سبھی کچھ دو حصوں میں بٹ گیا۔ ایک حصہ جدید تعلیمات کی روشنی میں آگے بڑھتا رہا اور دوسرا حصہ دن بدن سمٹتا چلا گیا اور بعد میں لوگوں نے اسے از کار رفتہ قرار دے دیا۔ اس طرح اردو زبان و ادب کے مزاج میں ہی نہیں اس کی سرشت میں بھی خرابی کی کئی صورتیں پیدا ہو گئیں۔ اس صورتَ حال پر قابو پانے کی کئی لوگوں نے کوششیں کیں۔ حالؔی، شبلؔی اور اقبالؔ اس کی روشن مثالیں ہیں۔ مگر وہ پورے اردو ادب کو نہیں بدل سکے۔ بعد کے لوگوں نے خود ان عبقری حضرات کو کنارے لگانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس طرح صالح ادب یا یوں کہیں کہ مذہب رنگ ادب بالکل نظر انداز کر دیا گیا۔ منقبت، حمد اور نعت جیسی اصنافِ شاعری کو لوگوں نے بے وقت کی راگنی سمجھ لیا اور انہیں بحیثیت ایک صنفِ ادب کے دیکھنے کہ محض مذہبی جذبے کی تسکین کا ساماں قرار دے دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے نہ تو کبھی نعت گو شعراؑ کو اپنے خصوصی مطالعے کا موضوع بنایا، نہ سیرت منظوم کرنے والے شعراؑ پر توجہ کی۔ چند ایک لوگوں نے جامعاتی تحقیق کے لیے ان اصناف کا انتخاب تو کیا مگر ان میں سے بیشتر لوگ ایسے تھے جو کسی بھی طرح صرف سند حاصل کرنا چاہتے تھے اس لیے ان کی تحقیق اور تجزیے سے کوئی مثبت نتیجہ نہیں نکل سکا۔ اب اس تناظر اور پسِ منظر میں اگر ''دبستانِ نعت'' فن نعت گوئی کی روایت کو استحکام بخشنے کی راہ پر گامزن ہے تو اسے بہر حال وقت کی ضرورت قرار دیا جا سکتا ہے۔ یوں بھی آج ساری دنیا میں جس نوعیت کا تہذیبی تصادم جاری ہے اس میں ہر تہذیب کا پروردہ اپنی جڑوں کی طرف لوٹنے پر آمادہ نظر آ رہا ہے۔ اپنی جڑوں کی طرف لوٹنا یا اپنی جڑوں سے جڑے رہنا بہت مبارک بات ہے۔ بشرطیکہ یہ فرار کی صورت نہ ہو۔

''دبستانِ نعت'' میں شامل کئی مضامین کافی معلوماتی ہیں۔ ڈاکٹر سید شاہ حسین احمد اپنے مضمون میں نعت کو ایک منفرد شعری صنف کی حیثیت سے متعارف کرانے کی کوشش کرتے ہوئے بہت سے ایسے پہلوؤں سے آگاہ کرتے ہیں جن پر بہت کم گفتگو ہوئی ہے۔ مگر وہ مستحکم انداز میں نعت کو ایک منفرد صنفِ شاعری ثابت کرنے میں پوری طرح کامیاب نہیں ہوئے ہیں۔ اور یہ کام اتنا آسان ہے بھی

نہیں۔ کیوں کو صنفِ نعت کی شعریات طے کرنا اس کے سیاق کی وضاحت کرنا بہ حیثیت ایک منفرد شعری صنف کے اس کے تمام فنی لوازمات پر روشنی ڈالنا ایک مختصر مضمون میں ممکن بھی نہیں ہے۔ اس کے باوجود اس مضمون کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔

یہ بات واقعی قابلِ غور ہے کہ جن لوگوں نے محض نعت گوئی کے لیے اپنی جان لگا دی آخر ان کی خدمات کا اعتراف کیوں نہیں کیا جاتا ہے؟ کیا اس لیے نعتیہ شاعری کو تنقید کا موضوع نہیں بنایا جاتا ہے کہ اسے مذہبی جذبات کو ٹھیس لگے گی؟ یا یہ کہ نعتیہ شاعری کی تنقید کا کوئی پیمانہ ابھی تک وضع نہیں کیا جا سکا ہے؟ یہ ایک اجتماعی مسئلہ ہے۔ ہم صرف یہ کہکر سرخ رو نہیں ہو سکتے کہ لوگ نعتیہ شاعری کے مطالعے میں دلچسپی نہیں لیتے ہیں؟ یا یہ کہ لوگ نعت گو شعرأ کو قابلِ اعتنا نہیں سمجھتے ہیں؟

نعتیہ شاعری کے حوالے سے اس طرح کے مضامین بھی لکھوانے کی ضرورت ہے مثلاً ''نعتیہ شاعری کا اردو زبان وادب پر اثر'' ''اردو نعتیہ شاعری کا ہندوستان کی دوسری زبانوں کے ادب پر اثر'' ''اردو زبان وادب کو نعتیہ شاعری کی دین'' ''نعتیہ اور حمدیہ شاعری ایک تقابلی مطالعہ'' ''حمدیہ شاعری کی اتنی قلت اور نعتیہ شاعری کی اتنی بہتات کیوں؟ ظاہر ہے کہ اس طرح کے سیکڑوں عناوین قائم کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن محض عناوین قائم کرنے سے تو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

ڈاکٹر سید خسرو حسینی کا مضمون بھی کافی معلوماتی ہے۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم اردو کی دوسری اصناف کے بارے میں اتنا کچھ جانتے ہیں کہ ان پر لکھا ہوا شاید ہی کوئی مضمون معلوماتی اور تازہ محسوس ہوتا ہے۔ مگر نعتیہ شاعری کے آغاز وارتقأ کے بارے میں ہم اتنا کم جانتے ہیں کہ اس پر سنجیدگی سے لکھا ہوا تاریخی نوعیت کا ہر مضمون نیا معلوم ہوتا ہے۔ ''دبستانِ نعت'' کی اشاعت کا غالباً ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ نعتیہ شاعری پر کھل کر گفتگو ہو۔ نعتیہ شاعری کی تفہیم اور تجزیے میں لوگ اپنی دلچسپی کا مظاہرہ کریں۔ اور جن لوگوں نے نعتیہ شاعری کے سرمائے میں اضافہ کیا ہے ان کی خدمات کا اعتراف ادبی پیمانے کی روشنی میں کی جائے۔ مجھے شک ہے کہ ''دبستانِ نعت'' سے ان مقاصد کا حصول ممکن ہو سکے گا۔ کیوں کہ مذہب اور عقیدے کی آڑ لے کر لوگ جذباتیت کو ہوا دینے لگتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو خلوص سے نعتیہ شاعری کی تنقید و تفہیم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں بہت جلد گھبرا کر توبہ کر لیتے ہیں۔ یا پھر ہوتا یہ ہے کہ کسی کی نعتیہ شاعری کے بارے میں کچھ لکھنا ہوتا ہے تو لوگ آنکھ بند کر کے چند توصیفی جملے لکھ دیتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نعتیہ شاعری کے مطالعے کی راہیں روشن نہیں ہو پاتی ہیں۔

صابر سنبھلی اور عزیز احسن صاحب کے مضامین بھی لائقِ مطالعہ ہیں۔ شخصی مضامین میں منیر احمد ملک، قاضی محمد رفیق فائز، ڈاکٹر فہیم احمد صدیقی، فیروز احمد سیفی، ڈاکٹر یحییٰ نشیط وغیرہ کے مضامین لائقِ مطالعہ ہیں۔ طاہر سلطانی صاحب کا مضمون دلچسپ اور معلومات میں اضافہ کرنے ولا ہے، ان کا طرزِ تحریر بھی دلکش ہے۔ ایمان داری کی بات یہ ہے کہ میں رسالے کے تمام مضامین نہیں پڑھ پایا ہوں۔ ممکن ہے کہ جو مضامین پڑھنے سے رہ گئے ہیں وہ پڑھے ہوئے مضامین سے بھی عمدہ ہوں لیکن جس حد تک رسالے کے مشمولات دیکھ سکا ہوں اس سے واضح ہے کہ آپ نے مضامین کا بھی بہت عمدہ انتخاب کیا ہے۔

نعت کے کئی اشعار بے حد پسند آئے۔ اگر تمام اشعار نقل کروں تو اور بھی کئی صفحات سیاہ ہو جائیں گے۔ دوسری زبانوں کی نعتوں اور نعتیہ اشعار کا اردو میں ترجمہ دے کر آپ نے بہت اچھا کام کیا۔ نئی نسل کو تو فارسی اتنی کم آتی ہے کہ نہ آنے کے برابر ہے۔ اب تو مدرسوں میں بھی فارسی کی تعلیم پر توجہ نہیں دی جاتی ہے۔ ایسی صورت میں اپنے ادب کی جڑوں کی شناخت آسان نہیں ہے۔ خاص طور سے وہ ادب جس کا رشتہ مذہبِ اسلام سے مضبوط تر ہے اور وہ اصنافِ ادب جنکی جڑیں عربی اور فارسی ادب میں گہری اتری ہوئی ہیں ان کی تفہیم تو اور بھی مشکل ہے اللہ کرے آپ کے حوصلے بلند رہیں۔ اور آپ ''دبستانِ نعت'' پابندیِ وقت کے ساتھ نکالتے رہیں۔

○○○

ڈاکٹر اشفاق انجم (مالیگاؤں)

’’دبستانِ نعت‘‘ (شمارہ نمبر۱) کا تنقیدی جائزہ

محترم ڈاکٹر سراج قادری صاحب!!

’’دبستانِ نعت‘‘ کا پہلا شمارہ موصول ہوا، اس کرم گستری کا شکریہ!!

رسالہ غالباً بڑی عجلت میں ترتیب دیا گیا ہے جس کی بنا پر بعض کمزور تخلیقات بھی شامل ہو گئی ہیں۔ کمپوزنگ کی تو بیشمار خامیاں ہیں۔ جگہ جگہ نظر کو ٹھوکر لگتی ہے۔ ایک جگہ تو ایسا معلوم ہوا کہ سانس ہی اکھڑ جائے گی۔ ملاحظہ فرمایئے صفحہ نمبر ۸۵،

"اِنّا اعطینیٰ کل کوثرط"۔۔ (انّا آعطینك الکوثرؓ)

اگر ’’اغلاط نامہ‘‘ تحریر کروں تو کئی صفحات درکار ہوں گے۔ حضور! یہ نعتیہ رسالہ ہے اسلئے پروف پر توجہ بہت ضروری ہے۔ بات چل نکلی ہے تو ملاحظہ فرمایئے۔

صفحہ نمبر ۲۴، پیراگراف ’’وہ معین ہیں۔۔۔ سطر ۱۴ - ۱۸ تا صفحہ نمبر ۲۸۔ سطر ۱۲ تا ۱۴، پیراگراف ’’یہ فن ہر زبان۔۔۔ صفحہ نمبر ۳۰، سطر ۱۱ تا ۲۳ پر درج ہے۔ صفحہ نمبر ۲۸، پیراگراف ’’فن شعر (Art of Poetry)، صفحہ نمبر ۲۸۔ سطر ۱ تا ۱۹، صفحہ نمبر ۳۰، سطر ۲۴ - ۲۵ تا صفحہ نمبر ۳۱، سطر ۱ تا ۱۸ پر دہرایا گیا ہے۔ اسی طور پر صفحہ نمبر ۱۹۹، سطر ۷ تا ۲۵، پیراگراف ’’تمام خصوصی مہمان۔۔۔‘‘ صفحہ نمبر ۲۰۰ پر سطر ۱۲ تا ۲۴، دوبارہ کمپوز ہو گیا ہے۔ صفحہ نمبر ۲۰۴، سطر ۲۲ تا ۲۵۔ صفحہ نمبر ۲۰۵، سطر ۱ تا ۱۲ کی پوری عبارت، صفحہ نمبر ۲۰۶ کی سطر ۱۳ تا ۲۵ سے لیکر صفحہ ۲۰۷، سطر ۱-۲ پر ہو بہو درج ہے۔

قادری صاحب! میں نے اپنی تحریروں میں کئی جگہ لکھا ہے اور مجلسوں میں بھی یہ بات کہی ہے کہ:

’’اکثر غلط اشعار بہت جلد مقبول ہو جاتے ہیں، مثلاً آپ کا پیش کردہ شعر

اے خدا اجر کے اعلان سے پہلے سن لے
مجھ کو جنت سے سوا سایۂ دیوار اُن کا

(احمد ندیم قاسمی، صفحہ ۱۱)

آپ نے اس شعر کی قباحت پر غور نہیں فرمایا، اوّل تو شعر میں خدا کو چیلنج کیا جا رہا ہے یا پھر خدا سے تاکیداً کہا جا رہا ہے کہ اپنے فیصلے سے پہلے میرا عندیہ سن لے۔ اگر اس کے خلاف ہوا تو میں تیرا فیصلہ ماننے والا نہیں!! دوسرے یہ کہ حشر اسی وقت برپا ہوگا جب ساری کائنات فنا ہو جائے گی تب قاسمی صاحب ''ان کا سایۂ دیوار'' کہاں سے لائیں گے؟ تیسرے یہ کہ شاعر کو جنت کی خواہش نہیں۔ اِلّا ماشاءاللہ!!

اِدھر کئی رسائل میں تنویر پھول صاحب (نیویارک) کی نعت وحمد نظروں سے گزریں اور پہلا تاثر یہ پیدا ہوا کہ پھول صاحب بحر کے ارکان پر الفاظ فٹ کر کے شعر بنا لیتے ہیں۔ زبان وبیان کی صحت اور فصاحت وبلاغت پر ان کی نگاہ نہیں رہتی۔ ان کی حمد صفحہ ۱۹ پر ''رحمٰن دنیا'' اور ''آخرت میں رحیم'' کا مطلب کیا ہوا؟ اور ردیف ''کرم ہی کرم'' کے ساتھ جب ''تو'' لگا ہوا ہے تو پھر میرے خیال میں کرم کی بجائے ''کریم'' کا محل ہے۔ اسی طرح ''تجھ سے ہے آسرا'' بھی غلط زبان ہے۔ ''تجھ سے آس'' یا پھر ''تیرا آسرا'' کہتے ہیں۔ ''مائیں ستّر محبت میں ہیں تجھ سے کم'' میں بھی تعقید ہے۔ مطلب ستّر محبت میں مائیں کم ہیں؟ نیز ہمارے یہاں ماں کی محبت کی جگہ ''ممتا'' مستعمل ہے جو ماں کے تعلق سے محبت کا زیادہ صحیح مفہوم دیتا ہے۔

طاہر سلطانی صاحب کی حمد کا مطلع بھی بڑا عجیب ہے۔ اولیٰ مصرعے میں آپ فرما رہے ہیں کہ، دل میں رب کی محبت کے سوا کچھ بھی نہ رہے اور ثانی میں فرماتے ہیں ''اور کیا چاہئے سرکار کی چاہت کے سوا''۔ یہ تو متضاد باتیں ہیں!!

ایک بات پر مجھے مزید حیرت ہوتی ہے کہ اکثر شعرأ ایسے الفاظ کی بھی جمع بنا لیتے ہیں جن کی جمع ہے ہی نہیں۔ مثلاً پانی سے پانیوں۔ دھوپ سے دھوپوں اور طاہر سلطانی صاحب کی الفت سے الفتیں!! ان کا پانچواں شعر تو غضب کا ہے، وہ مولا سے سیّد عالم ﷺ کی شفاعت طلب کر رہے ہیں!؟ کیا مولا بخشنے کی قدرت نہیں رکھتا!؟

کچھ نہیں مانگتا مولا ترا بندہ تجھ سے = حشر میں سیّد عالم کی شفاعت کے سوا ص۲۰

صفحہ ۲۲ پر احمد ندیم قاسمی کے دو شعر درج ہیں اور میری نگاہ میں دونوں ہی غلط ہیں۔

فن کی تخلیق کے لمحوں میں تصور اس کا = روشنی میرے خیالوں میں ملا دیتا ہے

شعر سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ حمد کا شعر ہے یا نعت کا؟ دوسرے ''فن کی'' حشو قبیح ہے اس کے بغیر بھی مصرعہ مکمل ہے یعنی ''تخلیق کے لمحوں میں تصور ان کا'' تیسرے روشنی خیالوں میں بھر دیتا

ہے درست ہوگا نہ کہ 'ملا دیتا'۔ نیز میرے خیال میں 'فن'، تخلیق نہیں کیا جاتا۔

میرے نقاد کو شاید ابھی معلوم نہیں = میرا ایماں ہے مکمل میرا ایماں تو ہے

شعر دولخت ہے، 'نقاد' بھی بے محل ہے یہاں 'منکر' جیسے کسی لفظ کی ضرورت تھی!! یہاں بھی وہی کیفیت ہے کہ شعر حمد یہ ہے نعتیہ؟ حمد یہ ہے تو ٹھیک ہے اور اگر نعتیہ ہے تو محل نظر ہے!!

ڈاکٹر سیّد حسین احمد (پٹنہ) اہل تصوف میں مقدس ہستی ہیں اور اہل ادب میں محترم! لیکن قابل احترام ہستیوں سے اختلاف کی گنجائش بہرحال موجود ہے۔

سیّد صاحب کے اس خیال سے میں متفق نہیں ہوں کہ:

'نعت کا کوئی فارم مخصوص نہیں اسلئے اسے صنف سخن کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔'

اس تعلق سے آپ نے مرثیے کی مثال دی ہے اور فرمایا ہے کہ سودا نے مرثیے کا فارم مسدس مقرر کیا ہے۔ یہاں سوال یہ اُٹھتا ہے کہ۔

سودا سے قبل چودہ سو سال پہلے تک جس کلام کو مرثیہ کہا گیا ہے وہ کیا ہے؟ اور میر انیس و مرزا دبیر کے بعد مسدس کا فارم مرثیے کیلئے کتنا استعمال ہوا؟ اور کیا مسدس کے فارم میں کہا جانے والا کلام ہی مرثیہ کہلائے گا اور دوسری ہیئت میں کہا جانے والا کلام مرثیے میں شمار نہیں ہوگا؟؟ جیسے کہ رباعی، اس کے طے شدہ مخصوص اوزان ہیں اور یہ اس کی ایجاد سے ہی اس کے لئے مخصوص اور لازمی قرار دیئے گئے ہیں۔ اگر کوئی تخلیق ان طے شدہ اوزان پر پوری نہیں اترتی تو وہ رباعی نہیں قطعہ کہلائے گی!! جبکہ مسدس کی ہیئت میں نہ ہونے کے باوجود اپنے موضوع کے اعتبار سے مرثیہ، مرثیہ ہی کہلائے گا۔

بعینہ صورتِ حال نعت کی ہے یعنی اگر مرثیہ کو اپنے موضوع کے اعتبار سے صنف کہا جارہا ہے تو پھر نعت بھی اپنے موضوع کے اعتبار سے صنف کیوں نہیں کہی جاسکتی؟؟

محترم جناب ڈاکٹر سیّد خسرو حسینی (گلبرگہ شریف)، ڈاکٹر عزیز احسن، فیروز احمد سیفی کے مضامین عمدہ ہیں بقیہ تخلیقات BA اور MA کلاسیس کی نوٹس معلوم ہوتی ہیں۔

ڈاکٹر صابر سنبھلی ان دنوں بڑے عجیب و غریب مضامین تحریر کررہے ہیں، وہ جس کی مدح و تعریف کرتے ہیں، اس کی تضحیک و تنقیص بھی کرجاتے ہیں۔ مثلاً حدائقِ بخشش کا یہ شعر پیش کرکے وہ رقم طراز ہیں۔

تیرے بے دام کے بندے ہیں رئیسانِ عجم تیرے بے دام کے بندی ہیں ہزارانِ عرب

''بے دام اور بے دام'' میں صنعت ہے جو بہت پہلے سے استعمال ہوتی آئی ہے۔ اس صنعت کے استعمال پر شاعر (اعلیٰ حضرت) کی بہت زیادہ تحسین نہیں کی جاسکتی''۔ (ص-۵۸)

''میں یہ نہیں کہتا کہ حضرت موصوف دنیا کے بہت بڑے نعت گو ہیں۔ یہ دعویٰ بھی نہیں ہے کہ اردو میں ان سے بہتر نعت گو کوئی نہیں ہوا؟ لیکن بڑی بات یہ ہے کہ ان کی نعت گوئی بارگاہِ رسالت میں مقبول ہوئی اوران کو حج وزیارت کیلئے طلب فرمایا گیا۔'' (ص ۱۹۸)

''لیکن اس خبر کی تصدیق یا عدم تصدیق اِس ہیچ مداں کو نہیں ہوئی۔'' (ص ۱۹۸)

اس کے بعد صابر صاحب اس تعلق سے ایک واقعہ مفصل بیان کرتے ہیں اور پھر اس پر اس طرح پانی پھیر دیتے ہیں:

''یہ ایک عقیدت مند کی تحریر ہے۔ اسلئے اس میں۔ ؎

بڑھا بھی دیتے ہیں کچھ زیبِ داستاں کیلئے

(ص ۲۰۱)

صابر صاحب صفحہ نمبر ۱۹۳ پر لکھتے ہیں:

''میں پہلے کسی مضمون میں لکھ چکا ہوں کہ اب شافع یوم النشور کو 'تو'، تیرا، تجھ کو' جیسے القاب سے مخاطب نہیں کرنا چاہئے۔''

ایسی ہی بات ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی نے بھی اپنے تعلق سے ایک جگہ لکھی ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ راقم الحروف نے اپنے نعتیہ مجموعہ کلام ''صلوا علیہ وآلہٖ'' (۲۰۰۱ء) کے پیش لفظ میں تحریر کیا تھا کہ:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو 'تو، تیرا، تجھ کو' جیسے القاب سے مخاطب کرنا میرے نزدیک بے ادبی ہی نہیں بلکہ گستاخی ہے۔''

جس پر صابر صاحب نے اپنے نعتیہ دیوان کے صفحہ نمبر ۱۶ پر تحریر فرمایا:

''یہ بات بہت دنوں سے میرے ذہن میں تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو، تیرا سے مخاطب نہیں کرنا چاہئے لیکن اس تعلق سے مالیگاؤں، مہاراشٹر کے ڈاکٹر اشفاق انجم صاحب نے پہل کر دی۔''

کسی کی تحریر ہی نہیں کوئی قول بھی اپنے نام سے بیان کرنا ادبی بددیانتی وخیانت میں شمار ہوتا ہے۔

کرشن کمار طورؔ پر فہیم احمد صدیقی کا مضمون اچھا ہے، غیر مسلم نعت گو شعرائ پر آج کل بہت کام ہو رہا ہے۔ ہونا بھی چاہئے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت اللعالمین ہیں، لیکن مضمون نگاروں کو اس امر کا خیال رکھنا چاہئے کہ ''عقیدہ اور عقیدت'' میں بہت فرق ہے۔ غیر مسلم تو جس سے متاثر ہو جائیں اس کی پوجا ارچنا شروع کر دیتے ہیں، اب یہی دیکھئے کہ ''شرڈی کے سائیں بابا'' ایک مسلم فقیر تھے، برسوں میرے شہر مالیگاؤں میں رہے، انکے دیکھنے والوں میں بزرگ استاد شاعر حضرت احسنؔ مرحوم تھے اور جب کبھی بات نکلتی تو فرماتے تھے کہ:

''سائیں بابا مسلم فقراء میں سے تھے۔ نام عبدالرحمٰن تھا اور غوث ماسٹر کے اعزأ میں سے تھے جن کے وارثین آج بھی یٰسین میاں کے تکیئے میں رہائش پذیر ہیں۔''

خیر۔ آمدم برسرِ مطلب کہ غیر مسلم شعرأ کے نعتیہ کلام پر ضرور لکھا جائے لیکن اچھی طرح دیکھ لیا جائے کہ کہیں کوئی شعر خلافِ شرع یا اسوۂ حسنہ کے متضاد تو نہیں ہے مثلاً کرشن کمار طورؔ کے یہ اشعار۔

دیکھنا ہے کہ حاجت روا کون ہے　　وہ نہیں ہیں تو مشکل کشا کون ہے! ص۸۰

ہے ان کے ہاتھوں میں کنجی مرے مقدر کی　　مجھے تو ملتا ہے سب کچھ سدا محمد ﷺ سے ص۸۰

وہی ہے جس نے بخشی ہے ضیا لفظوں کو قرآن کے　　وہی ہے نورِ علمِ آسمانی بانٹنے والا ص۸۱

رنگِ نارِ خلیل ہیں آپ ﷺ　　حسن ربِّ جلیل ہیں آپ ﷺ ص۸۱

ان اشعار کی قباحت اتنی واضح ہے کہ اس پر کچھ تفصیل سے لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

مرحومہ صغریٰ عالم پر فیروز احمد سیفی صاحب کا مضمون بہت عمدہ ہے۔ میرے خیال میں اگر سیفی صاحب صغریٰ عالم کا یہ شعر درج نہ کرتے تو بہتر ہوتا،

مسجدِ توحید کے محراب درمحراب میں　　شمع احمد سے ہو وابستگی یا مصطفٰے ص۸۹

محراب مونث لفظ ہے نیز شاعرہ ''مصطفٰے'' سے ''شمع احمد'' سے وابستگی چاہتی ہے، اس صورت میں ''احمد'' اور ''مصطفٰے'' دو الگ الگ شخصیتیں ہو جاتی ہیں۔

قادری صاحب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو احمد ندیم قاسمی سے کوئی خاص لگاؤ ہے جس کی بنا پر ان کے اشعار کئی جگہ پیش کئے ہیں۔ صفحہ ۹۴ پر اس شعر کے تعلق سے آپ کیا فرماتے ہیں۔

وہ مری عقل میں ہے، وہ مرے وجدان میں ہے
مری دنیا بھی وہی ہے مرا عقبٰی بھی وہی

میرے خیال میں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس نہ پہلے کسی کی عقل میں سمائی تھی نہ آج سما سکتی ہے اور نہ ہی آئندہ!! اگر کوئی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عقل میں ہیں یعنی وہ انہیں کما حقہٗ جان چکا ہے تو میں اسے ماننے کیلئے قطعی تیار نہیں ہوں! کیا آپ!!؟

محسن اعظم محسن ملیح آبادی (کراچی) نے اپنے مضمون ''طاہر سلطانی کے مجموعۂ کلام ''نعت روشنی'' کا تنقیدی مطالعہ میں'' طاہر صاحب کے کئی عیب دار اشعار پیش کئے ہیں۔ ان کا تفصیلی ذکر طوالت کا باعث ہوگا، لیکن اس دوہے پر ضرور کچھ کہنا چاہوں گا۔

کرپا ہو بھگوان کی مجھ پر، میں سندر ہو جاؤں
مالا جپوں میں ہر دم ان کی یادوں میں کھو جاؤں

بھگوان، ''اللہ'' کا مترادف کسی صورت نہیں ہوگا، کیونکہ بھگوان میں رام، کرشن، شنکر جیسے ۳۶ کوٹی دیوتا شامل ہیں، اس صورت میں شاعر میری دانست میں لاعلمی یا غیر شعوری طور پر شرک کا مرتکب ہو گیا ہے۔ اسے چاہئے کہ توبہ کرے اور ایسے دوہے کو اپنے ذخیرے سے نکال پھینکے۔ اس کے علاوہ جس زبان پر ہمیں عبور نہ ہو اس میں خامہ فرسائی نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ ''سندر'' ہندی لفظ ہے اس کا تعلق ظاہری حسن یعنی شکل صورت سے ہے۔

طاہر سلطانی (کراچی) کا مضمون ''غیر منقوطہ حمدیہ ونعتیہ شاعری'' اچھی کوشش ہے، طاہر صاحب نے محنت بھی کافی کی ہے۔ لیکن مجھے ان سے شکایت ہے کہ انہوں نے بھی عیب دار اشعار بطورِ نمونہ درج کئے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔

کر دے وہ مٹی کو گوہر گر اُٹھے　اس کے در سے رحم و احساں کی گھٹا　ص ۱۵۶

کنکر تو گوہر ہو سکتا ہے مگر مٹی!؟

کلامِ مہر و ولا لا الہ الا اللہ　حسام ملک الہ، لا الہ الا اللہ　ص ۱۵۷

''ولا'' کا قافیہ ''الہ'' ہرگز نہیں ہو سکتا۔

ہو کے اللہ کے محمود و حامد مگر　دہر کے دردِ دل کی دوا آ گئے　ص ۱۵۷

اللہ کا ''ہ'' تقطیع سے ساقط ہے جس کی بنا پر ''اَلّا'' پڑھا جاتا ہے جو سراسر غلط ہے۔

ملک مولیٰ کے دُلہا، عجم کے ولی　حامل حال صلی علیٰ آ گئے　ص ۱۵۷

ثانی مصرعے کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آیا!؟

دل کو مرے ملے درِ احمد کھلا ہوا　ہر لمحہ محوِ درس محمد ﷺ رہا کروں　ص ۱۶۴

''محوِ درسِ محمدؐ'' کا ''درِ احمد کھلا ہونے'' سے کیا تعلق ہے اور اگر یہ ''درس'' بمعنی ''درشن'' ہے تو ترکیب غلط ہے۔

لکھوں میں مدحتِ آقا خیالوں کو وضو دے کر
پکڑتا ہوں قلم کو اپنے ہاتھوں میں عقیدت سے

ص ۱۵۶

''وضو دیا''، نہیں ''کیا'' جاتا ہے۔ غسل دیا جاتا ہے وہ بھی مُردے کو!

مولانا سعید اعجاز کامٹوی کا شعر ہے۔

کون کہتا ہے کہ مرقد میں اندھیرا ہوگا
وہ جو ہونگے تو اجالا ہی اجالا ہوگا

ص ۳۰۸

کیا ''وہ''، یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک شاعر کی قبر میں تشریف فرما رہیں گے؟

ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی سے درخواست ہے کہ وہ دبستانِ نعت میں شامل حضرت سیّد شاہ حسین احمد کے مضمون کے آخری تین پیراگراف پڑھ لیں تو انکے سامنے کئی آفاق روشن ہو جائیں گے۔

ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی نے ''علمائے گھوسی کی نعت نگاری'' پر بہت مفصل مقالہ تحریر فرمایا ہے لیکن انہوں نے بھی بہت سارے غلط اور قابلِ اعتراض اشعار مثال میں پیش کئے ہیں۔ مثلاً یہ ایک مصرعہ۔

''کروں پاشویہ اے آقا تمہارے دیدۂ تر سے'' (ص ۲۳۱)

پاشویہ ایک یونانی طریقِ علاج ہے جس میں جڑی بوٹیوں کو پانی میں جوش دے کر پیڑو سے نیچے تک پانی بہایا جاتا ہے۔ جسے عام زبان میں ''تریرا دینا'' کہتے ہیں۔ اب اسے کیا کہیں کہ شاعر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس آنسوؤں سے اپنے پیڑو کا پاشویہ کرنا چاہتا ہے!

مبارک قاسمی وہ ناخدائی کو ترے آئے
تو کیا کھٹکا ہے اب مجھ کو مخالف بادِ صرصر کا

(ص ۲۲۶)

''ترے'' کی بجائے ''مری'' کا محل ہے۔ ناخدائی دریا اور سمندر میں ہوتی ہے اور بادِ صرصر ریگستان میں چلتی ہے!!

ہے خریدار گنہ رحمت کا تاجر جس جگہ
عاصیو! وہ مصطفیٰ بازار تھوڑی دور ہے

(ص۲۲۸)

مطلب مدینہ شریف ’’مصطفیٰ بازار‘‘ ہے جہاں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم دوکان کھولے بیٹھے ہیں اور گناہ خرید رہے ہیں!!

محمد سا حسیں دیکھا نہ ایسی دل بری دیکھی
خدا نے مصطفیٰ میں اپنی خود جلوہ گری دیکھی

(ص۲۳۲)

وہی ’’احد اور احمد‘‘ کے ’’میم‘‘ والا معاملہ یہاں بھی ہے اللہ شاعر کی مغفرت فرمائے۔

جبیں ہو جھکی میری کعبے کی جانب مرے دل کا قبلہ نبی کا حرم ہو ص۲۴۷

یہ کیا ہے، منافقت یا شرک!؟

میرے آنسو کہہ رہے ہیں آج دل کی ساری بات
سامنے ہے آپ کے روضے کی جالی یا رسول

(ص۲۶۱)

دل کی بات ’’جالی‘‘ سے کہہ رہے ہیں یا ’’رسول‘‘ سے؟

اس خاک پہ مَلتے ہیں جبیں چاندستارے چنتا ہے گلِ باغِ ارم خارِ مدینہ ص۲۶۹

کیا واقعی چاندستارے مدینے کی خاک پر جبیں ملتے ہیں؟ نیز ’’باغِ ارم‘‘ تو شداد کی جنت تھی پھر مدینے کے خار ارم میں کیسے پہنچیں گے!؟ حجاج کرام سے سنتا ہوں کہ مدینے میں ’’خار‘‘ تو کجا ’’دھول مٹی‘‘ تک نہیں ہے۔ اس صورت میں خارِ مدینہ‘‘ کی کوئی نئی تاویل تلاش کرنی چاہئے!

پھرے نہ ان کی گلی میں اگر تو کچھ نہ کیا
طواف خانۂ کعبہ ہزار بار کریں

(ص۲۷۲)

اللّٰھم احفظنا!

حضرت عبدالرحمٰن جامؔی پر خصوصی گوشہ شائع کر کے آپ نے بڑا اہم کام کیا ہے۔ اس میں تنویر پھول، سیّد یحییٰ نشیط اور ڈاکٹر رضوان انصاری کے مضامین شامل ہیں۔

قادریؔ صاحب ! آپ مدیر ہیں اسلئے آپ کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ آپ موصول شدہ مضامین کو بغور دیکھیں، اگر ان میں کوئی قابلِ اعتراض بات ہو تو صاحب مضمون سے رابطہ کر کے اس کی طرف متوجہ کریں اور اگر یہ نہ ہو سکے تو آپ اپنی مقراض کا استعمال کریں۔ شائع شدہ مضامین میں کچھ اختلافات ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

☆ ''وہ (جامیؔ) ۱۴۱۴ء میں پیدا ہوئے۔ ۸۷/سال کی عمر میں نومبر ۱۴۹۲ء میں وفات پائی۔'' تنویر پھول، ص ۲۷۸

☆ ''وہ (جامیؔ) ۱۴۱۴ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۴۹۵ء میں دنیا سے رخصت ہوگئے۔'' یحییٰ نشیطؔ، (ص ۲۸۲)

☆ ''جامیؔ اس دنیائے فانی میں ۸۱/سال زندہ رہے۔ چنانچہ آپ کا وصال ۱۸/ محرم ۸۹۸ھ مطابق ۹/نومبر ۱۴۹۲ء میں ہوا۔'' رضوان انصاری، (ص ۲۹۰)

اب ذرا اِن بیانات کا تجزیہ کیجئے اور ان کے تضادات ملاحظہ فرمائیے۔

۱) تنویر پھول کے مطابق جامی ۸۷/برس زندہ رہے یعنی ان کی ولادت ۱۴۱۴ء اور وفات ۱۴۹۲ء (۸۹۸ھ) میں ہوئی۔

۲) یحییٰ نشیط کے مطابق جامیؔ ۸۱/ برس زندہ رہے یعنی ان کی ولادت ۱۴۱۴ء اور وفات ۱۴۹۲ء (۹۰۲ھ) میں ہوئی۔

۳) رضوان انصاری کے مطابق جامیؔ ۸۱/ برس زندہ رہے یعنی ان کی وفات ۱۴۹۲ء (۸۹۸ھ) سے سنہ ولادت ۱۴۱۴ء کی بجائے ۱۴۱۱ء نکلتا ہے۔ اس کے علاوہ رضوان انصاری صاحب نے لوحِ مزار جامیؔ پر کندہ قطعہ پیش کیا ہے جس سے تاریخ نکلتی ہے۔

جامیؔ کہ بود مائلِ جنت مقیم گشت
فی روضۃٌ مخارۃٌ ارضُھا السّماء
کلکِ قضا نوشت رواں بردرِ بہشت
تاریخۂ ومن دخلہ کان آمن
----۸۹۸ھ----

اس قطعہ میں دو قباحتیں ہیں، اوّل تو ''سما'' کا قافیہ ''آمن'' غلط ہونے کے علاوہ بحر بھی درست نہیں ہے۔ اسے ''آمنا'' ہونا چاہئے اور آیت قرانی میں بھی ''آمنا'' ہی ہے۔ اس صورت

میں آیت ”ومن دخلہ کان آمنا“ کے اعداد ۸۹۸ کی بجائے ۸۹۹ نکلتے ہیں۔ یہاں ۸۹۸ حاصل کرنے کیلئے ”آمنا“ کا آخری ”ا“ ساقط کر دیا گیا۔ یہ تو کچھ مناسب نہیں ہوا!! اس صورتِ حال میں لوح مزار کو مصدقہ مانتے ہوئے جامؔی کی وفات کا سنہ ۸۹۹ھ ہی تسلیم کرنا چاہئے۔ کیونکہ مادّے کے اخراج میں کسی صنعت یعنی زبر وبیّنات یا تدخلہ وتخرجہ کا کہیں بھی کسی صورت سے اظہار نہیں ہوتا۔

حضرت جامؔی کے اشعار کے بیشتر تراجم بھی غلط ہوئے ہیں۔ مترجمین نے یا تو اشعار کے سمجھنے میں غلطی کی ہے یا پھر وہ زبان فارسی کا صحیح مذاق نہیں رکھتے یا پھر مترجمین نے اپنے مزاج اور مسلک کے مطابق آزاد اور من چاہا ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

وصلی اللہ علیٰ نورٍ کز و شد نورہا پیدا
زمین ازحب او ساکن فلک در عشقِ اُو شیدا

(ص ۲۴۸)

ترجمہ: اور اللہ کی رحمت ہو اس نور پر جس سے (تمام) نور پیدا ہوئے، زمین اس کی محبت میں ساکن (زلزلے سے محفوظ) اور آسمان اس کے عشق میں شیدا ہے۔

”پیدا“ کے معنی مترجم نے ”پیدائش“ لئے ہیں۔ جبکہ یہاں ”ظاہر“ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ نیز زلزلے تو آج بھی آرہے ہیں؟ میری دانست میں شعر کا مطلب یہ ہوگا:

”اللہ کی رحمت ہو اس نور پر جس کے صدقے میں ہر نور کا ظہور ہوا۔ اور زمین جو آپ کے انتظار میں مضطرب تھی، آپ ﷺ کی آمد پر پرسکون ہوگئی۔“

محمد ، احمد و محمود وے را خالقش بستود
کز و شد بود ہر موجود ، ازو شد دیدہا بینا

(ص ۲۷۸)

ترجمہ: آپ ﷺ کے خالق نے آپ ﷺ کی مدح محمد صلی اللہ علیہ وسلم، احمد صلی اللہ علیہ وسلم اور محمود کہہ کر کی ہے، ہر موجود شئے سے جو فائدہ اور نفع حاصل ہو رہا ہے وہ آپ ﷺ ہی کے صدقے میں ہے۔ اور چشم بصیرت کی بینائی بھی آپ ہی کے طفیل ہے۔

شعر میں تو ”فائدہ اور نفع“ کا کہیں ذکر ہی نہیں ہے!؟ شعر کا مطلب تو یہ ہے،

"آپ کے خالق نے محمد، احمد اور محمود کہہ کر آپ کی تعریف و توصیف کی ہے۔ ہر موجود کا وجود آپ ﷺ سے ہے اور آپ سے آنکھوں کو (وہ) نور اور بینائی ملتی ہے۔" (جس سے حق کا دیدار ہوتا ہے۔)

دو چشم نرگسینش را کہ مازاغ البصر خوانند
دو زلفِ عنبرینش را کہ واللیل اذا یغشیٰ

(ص ۲۷۹)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو نرگسی آنکھیں ہمیں "مازاغ البصر" پڑھنے کو کہتی ہیں اور دو عنبریں زلفوں کا کہنا ہے کہ ہم "**واللیل اذا یغشیٰ**" پڑھیں۔

بہت غلط ترجمہ ہوا ہے۔ مترجم نے "خوانند" کو "پڑھنے" کے معنوں میں لیا ہے جبکہ محاورۃً خوانند کا مطلب "کہتے یا سمجھتے ہیں" ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نرگسی آنکھیں جن کے تعلق سے مازاغ البصر کہا گیا ہے اور جن کی زلفوں کو واللیل اذا یغشیٰ سے تعبیر کیا گیا ہے۔"

خیّام کی رباعی ملاحظہ فرمایئے۔

قرآں کہ بہیں کلام خوانند اورا	قرآں کہ جسے بہترین کلام کہتے ہیں
گہ گاہ نہ بردوام خوانند اورا	(جسے/جسکو) کبھی کبھی پڑھتے ہیں مستقل نہیں
در خطِّ پیالہ آیتے روشن ہست	خطِ پیالہ میں ایک آیت روشن ہے
کاندر ہمہ جا مدام خوانند اورا	جس میں ہم اسے مدام (ہمیشہ) پڑھتے ہیں

رباعی کے پہلے مصرعے میں "خوانند" کا مطلب "جانتے" ہیں، سمجھتے ہیں یا کہتے ہیں" ہے دوسرے اور چوتھے مصرعے میں "پڑھتے ہیں" ہوگا۔ اسی طرح دوسرے مصرے میں "اورا" کا مطلب "اسے اس کو" نہیں بلکہ جسے/جس کو ہوگا اور چوتھے مصرعے کے "اورا" کا مطلب "اسے/اس کی" ہوگا۔

رباعی کا مطلب یہ ہوا:

"قرآن کہ جسے بہترین کلام سمجھا/کہا جاتا ہے (لیکن) اسے بھی (لوگ) کبھی کبھار ہی پڑھتے ہیں۔ (جبکہ) خطّ پیالہ میں ایک روشن آیت ہے جسے ہم ہمیشہ پڑھتے ہیں۔"

به بر اِیں جانِ مشتاقم به آں جا فدائے روضۂ خیر البشر کن

ترجمہ: میری جان اس بات کی مشتاق ہے کہ وہ خیر البشر کے روضے پر فدا ہو جائے۔

شعر کا ترجمہ یوں ہوگا۔

''(اے نسیم) میری جانِ مشتاق کو اس جگہ لے جا اور روضۂ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا کر دے۔''

صفحہ ۲۸۷ پر کمپوزر نے رباعی ''شاہ ہست'' کو چھ مصرعوں میں کمپوز کر دیا ہے۔

شاہ است حسین بادشاہ است حسین

دیں است حسین دیں پناہ است حسین

سرداد نہ داد (دست) در دست یزید حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

اس رباعی کے تعلق سے ۲۵۔۳۰ سال قبل ایک قدیم رسالے میں حاجی الحرمین حضرت سیّد تجمل جلالپوری (خلیفہ حضرت سیّد بشیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، دیوہ شریف) کا بہت تفصیلی مضمون نظر سے گزرا تھا جس میں حضرت نے اس رباعی کے تعلق سے تحریر فرمایا تھا کہ:

''یہ رباعی کسی غالی شیعہ کی ہے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کی نہیں ہے۔ حسین دین نہیں ہیں اور نہ ہی لا الہ کی بنیاد حسین ہیں اور اگر چوتھے مصرعے کا تجزیہ کریں تو یہ معنیٰ بھی نکلتے ہیں کہ ''حقیقت میں 'لا الہ' یعنی کوئی معبود نہیں کی بنیاد حسین ہیں یعنی اللہ کا کوئی وجود نہیں ہے!!؟''

مشہور و معتبر محقق پروفیسر محمد ابراہیم ڈار صاحب کی تحقیق کے مطابق جو ''دیوان'' خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے وہ خواجہ صاحب کا نہیں ہے۔ اس تعلق سے وہ لکھتے ہیں:

''غلط انتساب کی ایک بیّن مثال حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کا دیوان ہے۔ شیرانی صاحب نے اپنی تحقیقات کا آغاز کیا اور آخر تلاش و جستجو کے بعد انہیں ایک ایسے مصنف کا سراغ مل گیا جسے اس دیوان کا حقیقی مالک تسلیم کیا جا سکے۔ یہ مصنف مُلّا معین واعظ فراہی ہیں، جنھیں مولانا جامؔی کے ہم عصر ہونے کا شرف حاصل ہے۔''[1]

تجمل صاحب کا مطلب تھا کہ ایسی رباعی جس سے وجود الہٰ کی نفی ہوتی ہو خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب کرنا بڑی زیادتی ہوگی۔

اس رباعی کے تعلق سے ایک روایت اور ملاحظہ فرمائیے جس کے راوی بلاغتؔ قریشی امروہوی ہیں:۔

''ہم ایک ایسی رباعی سناتے ہیں جو شیعوں کے بزرگ مرزا جان محمد قدسیؔ مرحوم نے فرمائی ہے۔اس رباعی کا طغریٰ لکھنؤ کے حسین آباد امام باڑہ میں آویزاں ہے۔''۲

ان شواہد سے اتنا تو محقق ہو چکا ہے کہ یہ رباعی سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی سنجری غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی نہیں ہے۔

لا یمکن الثنا کما کان حقہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر ص ۲۸۷

مضمون نگار نے اسے شیخ سعدیؔ کا شعر بتایا ہے جبکہ گلستان بوستاں میں یہ کہیں موجود نہیں ہے۔بعض لوگ اسے حضرت جامیؔ کا شعر بتلاتے ہیں لیکن انکے یہاں بھی نہیں ملتا، ہاں ''تذکرہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ میں یہ قطعہ کی صورت میں ان ہی کے نام سے یوں درج ہے۔

یا صاحب الجمال و یا سیّد البشر من وجھك المنیر لقد نوّر القمر
لا یمکن الثناُ کما کان حقه بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اس کی تحقیق بہت ضروری ہے کہ یہ شعر شیخ سعدیؔ کا ہے، جامیؔ کا ہے یا پھر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا!! یا اگر چوتھے مصرعے کی شاہ صاحب نے تضمین کی ہے تو یہ چوتھا مصرع کس کا ہے؟

ڈاکٹر رضوان انصاری صاحب نے درج ذیل شعر بھی حضرت جامیؔ کے نام کر دیا ہے؟

ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب ہنوز نامِ تو گفتن کمال بے ادبی ست

یہ تحریف شدہ شعر ہے جو خواجہ ہمام تبریزی رحمۃ اللہ عدلیہ کا ہے ان کی نعت کے اشعار ملاحظہ فرمائیے، صفحہ ۲۹۹ سے ۳۴۴ تک حضرت جامیؔ کے فارسی اشعار مع ترجمہ درج ہیں جن میں بیشتر تراجم غلط ہوئے ہیں۔ان میں سے جو زیادہ غلط ہیں ان کا جائزہ پیش خدمت ہے۔

شعر

چو سوئے من گزر آری من مسکیں ز ناداری
فدائے نقش نعلینت کنم جاں یا رسول اللہ

(ص۲۹۹)

ترجمہ: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر میرا نصیب بیدار ہو جائے اور آپ مجھ نادار مسکین کی طرف تشریف لے آئیں، میرے پاس تو کوئی شئے ایسی نہیں ہے کہ جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پیش کرسکوں، مگر ہاں جس مقام پر آپ کے نعلینِ پاک کا نشان پڑے گا میں خود اس پر اپنی جان مشتاق نثار کردوں گا۔

شعر کے خط کشیدہ حصوں پر غور فرمائیے گا!؟

راقم - اگر میری جانب آپ کا گزر ہو تو یارسول اللہ میں مسکین بہ سببِ ناداری و بے سروسامانی آپ کے نقش قدم پر اپنی جان قربان کردوں گا۔

شعر

زکر دۂ خویش حیرانم سیہ شد روز عصیانم
پشیمانم پشیمانم پشیماں یارسول اللہ

(ص۲۹۹)

ترجمہ: جو کچھ میں نے کیا ہے اس پر سخت پریشان ہوں۔ گناہوں کے باعث میرا چہرہ سیاہ ہو گیا ہے۔ یارسول اللہ میں بے حد شرمندہ ہوں، میں نہایت ہی شرمندہ ہوں، میں از حد شرمندہ ہوں۔

راقم - یارسول اللہ اپنے کیے پر گھبرا رہا ہوں، گناہوں کی وجہ سے میرے دن سیاہ ہو گئے ہیں۔ میں اپنے آپ سے پشیمان و شرمندہ ہوں۔

شعر بر روئے زدہ کفِ خجالت با جودِ کفِ تو بحر موّاج (ص۳۰۱)

ترجمہ- یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے جود وسخا والے ہاتھوں کو دیکھ کر ٹھاٹھیں مارنے والے سمندر نے شرمندہ ہوکر اپنے چہرے کو چھپالیا ہے۔

راقم - یارسول اللہ آپ ﷺ کے کفِ جود وسخا (ہتھیلی) کو دیکھ کر سمندر نے خجالت سے اپنا چہرہ کف (جھاگ) میں چھپالیا ہے۔

شعر میں کف (ہتھیلی) - کف (جھاگ) میں تجنیس تام کی خوبی پائی جاتی ہے۔

شعر

مطلع صبح صفاست روئے محمد ﷺ
منبع احسان و لطف خوئے محمد ﷺ

(ص۳۰۸)

ترجمہ- حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور بزرگی کے ظہور کا اولین مقام ہے اور آپ کے شمائل (خو وخصلت) کرم واحسان کے منبع ہیں۔

راقم- چہرۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پاک و روشن صبح کا مطلع ہے اور آپ کا اسوۂ حسنہ احسان و لطف کا منبع ہے۔

شعر

لی حبیبٌ ، قرشیٌ ، مدنیٌ ، عربیٌ
که بود دَرد و غمش مایۂ شادی و خوشی

(ص۳۳۳)

ترجمہ- میرا محبوب قرشی، مدنی، اور عربی ہے، وہ اس قدر جاذبِ نظر اور دلنشین ہے کہ اس کا درد وغم ہزار ہا خوشی وشادمانی کا سرمایہ ہے۔

راقم- (شعر میں "عربی" پر تنوین نہیں چاہئے۔) میرا دوست قرشی، مدنی و عربی ہے کہ جس کا درد وغم بھی خوشی وشادمانی سے کم نہیں ہے۔

شعر

جامؔی ارباب و فاجز رہ عشقش نروند
سرمبادت گر ازیں راہ قدم باز کشی

(ص۳۳۴)

ترجمہ- اے جامؔی سچے عاشق اس محبوب کے عشق میں اضافے کے سوا دوسرا راستہ اختیار نہیں کرتے، خدانخواستہ اگر اس راستے سے قدم پیچھے ہٹے تو پھر موت ہی بہتر ہے۔

راقم- جامؔی اہل وفا راہِ عشق کے سوا کسی اور راستے پر نہیں چلتے، اگر تو اس راستے میں سر نہیں دے سکتا تو پھر اس راہ پر قدم مت رکھ۔

"گلہائے عقیدت" کے تحت درج تخلیقات میں بھی کافی اسقام پائے جاتے ہیں۔ مثلاً

خیال فرما کہ چشم عالم تری ہی جانب لگی ہوئی ہے
نگاہ فرما کہ ساری امت کی میٹھی چاہیں ترس رہی ہیں

(ص۳۴۷)

آج کل اکثر شعراء زبان کو بگاڑنے کا کام بڑی تندہی سے کر رہے ہیں۔ شعر میں "میٹھی

چاہیں‘‘ کا کیا جواز ہے؟ اوّل تو ’’چاہ‘‘ کی جمع ہی نہیں ہوسکتی ، نیز کھٹی میٹھی ، اچھی بری چاہ کہنا کہاں تک درست ہے؟

کہ جن کے خوف سے بت گر پڑے بے اختیاری میں
شیاطیں اس طرح بھاگے کہ جیسے ابرہہ کی فوج بھاگی تھی

(ص ۳۴۸)

کیابت اپنے اختیار سے کھڑے تھے؟

بوئے درِ محبوب تری راہ ہوں تکتا ویرانۂ دل میرا بسانے کیلئے آ ص ۳۵۳

’’بُو‘‘ سے ویرانۂ دل مہکایا’’جاتا ہے‘‘بسایانہیں جاتا؟

اے کاش کسی رات چمک جائے مقدر پیغام ملے نعت سنانے کیلئے آ ص ۳۵۳

’’رات‘‘ ہی میں کیوں؟ دن میں کیوں نہیں!؟’’رات‘‘ حشو ہےاس کے بغیر بھی معنی مکمل ہیں۔کسی رات کی بجائے کسی وقت بھی کہا جاسکتا تھا۔

جب پہنچے قمر گنبد خضریٰ کے جلو میں
اے پیک اجل وعدہ نبھانے کیلئے آ

(ص ۳۴۵)

کیاواقعی پیک اجل نے ایسا کوئی ’’وعدہ‘‘ کیا تھا؟

مری معصیت ہے عروج پر تری رحمتیں ہیں کمال پر
نہ مرے گناہ کی انتہا نہ ترے کرم کا شمار ہے

(ص ۳۵۵)

شعراء میں یہ ایک عجیب بدعت پھیلتی جارہی ہے کہ اپنے گناہوں کا کھل کر اعتراف کررہے ہیں اوراس پر رحمتِ حق پر حق بھی جتارہے ہیں۔اگر ایسے سارے گنہگار بخش دیئے جائیں گےتو پھر عبادت وریاضت کی ضرورت ہی کہاں رہ جاتی ہے؟ لوگ بلاوجہ خوف وہراس میں مبتلا ہیں۔نمازیں،عبادت و تلاوت سب ترک کردیں اوراپنے انجام کورحمت الٰہی وشفاعتِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر چھوڑ دیں کہ اللہ بہرحال رحیم ہےاور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گنہگارانِ امت کی بخشش کاٹھیکہ لےرکھا ہے۔

نعت حبیب لکھنے کی دل میں ہے اک لگن
اس شغل میں ہی بس رہوں ہر وقت اب مگن

(ص ۳۵۷)

مطلع میں ایطائے کا عیب ہے، یا پھر قافیہ ہی غلط ہے، ''ل گن، م گن، اک اور اب بھی'' غیر ضروری یعنی حشو ہیں۔

صد شکر ہے اجازت مدح نبی ﷺ مجھے
ورنہ کہاں یہ منھ اور کہاں محبوب ذوالمنن

(ص ۳۵۷)

کس سے اجازت ملی ہے؟ ثانی مصرع بحر سے خارج ہے۔

پھر ہم کو بلائیں گے سرکار مدینے میں
نہ جانے دعاؤں میں کب اپنی اثر ہوگا

(ص ۳۶۱)

''پھر'' کے معنی ''دوبارہ'' کے بھی ہوتے ہیں، یعنی شاعر ایک بار پہلے بھی مدینہ ہو آیا ہے؟ ادھو مہاجن بسمل کے تعلق سے تو یہ ممکن نہیں ہے۔ پھر کا دوسرا مطلب ''بعد ازاں، اُسکے بعد اور تب'' بھی ہے۔ اگر ان معنوں میں لیں تو ''نہ جانے'' کا ٹکڑا غیر ضروری ہو جاتا ہے۔ اگر ''پھر'' کی بجائے ''کب'' رکھ دیں تو یہ سارے شکوک ختم ہو جاتے ہیں۔ نہ کی بجائے بحر میں ''نا'' آتا ہے۔

بند کر کے نگاہوں کو جائے گا جو طیبہ کو
چوکھٹ پہ محمد کی پھر اہلِ نظر ہوگا

(ص ۳۶۱)

بند کا ''د'' ساقط الوزن ہے۔ آنکھیں کھولی اور بند کی جاتی ہیں ''نگاہیں'' نہیں!

ہو جائے گی محشر میں بسمل کی شفاعت بھی
سنت کا وہ دنیا میں حقدار اگر ہوگا

(ص ۳۶۱)

شفاعت کیلئے صرف محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافی نہیں اس کے لئے ''لا الہٰ الاّ اللہ'' بھی لازمی ہے۔ شعر میں ''حقدار'' بے معنی ہے۔

حضرت منیر اعظمی کی ''رحیقِ بیخودی''، رحیق مدہوشی ہوگئی ہے۔ صفحہ ۳۶۲ تا ۳۶۴ پر موصوف جگہ جگہ لڑکھڑا گئے ہیں، ملاحظہ ہو:

''ادھر کب نافۂ گل نے شمیم بال و پر بدلی''۔ ''نگاہ صبح بدلا، زلفِ کافورِ سحر بدلی''۔ خلیل اللہ

کی مقبولِ یزدان دعائیں ہیں‘‘۔’’بشر ہی ہے بشر معلوم ہے قدرت عناصر کی‘‘۔’’کوئی گل پیرہن یوں ضوفگن ہے کالی کملی میں‘‘۔’’کوئی اپنی اداؤں پرنہیں بے وجہ نازش میں‘‘۔’’زبانِ ناتواں سنتا ہوں بے تاثیر ہوتی ہے‘‘۔’’پڑا ہے میکدہ میں ساقیا اب خم کا خم خالی‘‘۔نگاہوں میں مری طیبہ کا عرض وطول ہو جاتا‘‘۔

خط کشیدہ الفاظ کا اگر منیرا عظمی یا کوئی قاری شرح و وضاحت فرمائے تو شکر گذار رہوں گا۔

علیم صبا نویدی صاحب کم و بیش نصف صدی سے تخلیقی میدان میں قلم کی جولانیاں دکھلا رہے ہیں لیکن اورادھر کچھ برسوں سے یہ اسپ کچھ بے لگام سا ہو گیا ہے۔اور بے تعین سمتوں میں مسلسل دوڑ رہا ہے۔یعنی ہر صنفِ ادب (ملکی غیر ملکی) پر منہ مار رہا ہے۔نتیجتاً تخلیق تو ہو رہی ہے لیکن غیر معیاری کیونکہ وہ اصناف کی ہیئت

پر زیادہ زور دے رہے ہیں اور موضوعات و مضامین سے صرفِ نظر کر رہے ہیں۔مثلاً صفحہ ۳۶۹ تا ۳۷۰۔

۱) کالی کملی کے اندر	۲) زخم خوردہ شاعر	۳) پوچھلو زمیں سے	۴) آؤ سو جائیں
راز ہیں پوشدہ	لہو سے تربہ تر الفاظ	آسماں بتائے گا	چپکے سے آقا کے
کون ومکاں کے	آپؐ کی نذر	میرے اندر کون ہیں	آغوشِ تصور میں

۱) اس سہ سطری نثری نظم کو انہوں نے نعت کہا ہے جبکہ میری نظر میں یہ نعت نہیں ہے۔’’کالی کملی‘‘ کی ’’مدح‘‘ ہے اور معذرت کے ساتھ عرض کروں گا کہ کالی کملی کی فضیلت صرف اسلئے ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوشِ مبارک کی زینت تھی۔اس سے علیٰحدہ وہ صرف سیاہ کپڑے کا ایک ٹکڑا ہے اور بس!!اس سے کون ومکاں کے اسرار و رموز کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

۲) ایسی شاعری اور لہو سے تربہ تر الفاظ حضور ﷺ کی نذر کرنے سے بہتر تھا کہ صرف ایک بار درود شریف ہی پڑھ لیتے۔

۳) کسی کو اتنی فرصت نہیں ہے کہ زمین و آسمان سے پوچھے کہ علیم صبا نویدی کے اندر کون ہے؟ پھر زمین سے پوچھنے پر آسماں کیسے بتائے گا کہ میرے اندر کون ہیں؟ اس کی بجائے ’’کون کون ہیں‘‘ کا محل ہے۔یا پھر ’’کون ہے‘‘۔

۴) اگر کسی کو آقا کا آغوشِ تصور میسر ہو جائے اور وہ سو جائے تو میری نظر میں اس سے بڑا بدنصیب کوئی نہیں!!

اس کی چوکھٹ پہ کب بھلا مہرو ماہ کی حاضری نہیں ہے
جو نقشِ پا کی رہینِ منت نہیں ہے وہ روشنی نہیں ہے
(ص ۳۷۱)

کیا شاعر صاحب بتا سکتے ہیں کہ ''مہرو ماہ'' کس طرح نبی کی چوکھٹ پر حاضری دیتے ہیں؟ میں نے تو دیکھا ہے کہ ہمارے شہر کی مسجدوں اور مکانات کے اوپر سے بھی مہر و ماہ شب و روز گزرتے ہیں!؟؟

مبین منوّر صاحب نے شاید ابھی ابھی شاعری شروع کی ہے اور غالباً کسی استاد شاعر کے آگے زانوئے تلمّذ بھی تہہ نہیں کیا ہے۔

کون ہے جو ہمیں جنت کا پتہ دیتا ہے = ساری امت کو جہنم سے بچا دیتا ہے

''بچا دیتا ہے'' میں زبان اور زمانے دونوں کا عیب ہے۔ ابھی تو حشر قائم ہی نہیں ہوا تو پھر ''بچا دیتا'' کا سوال کہاں سے اٹھتا ہے؟

جن کے صدقے میں ہر اک شئے کو بنایا رب نے
بھوکا رہ کر بھی وہ اوروں کو کھلا دیتا ہے

ص ۳۷۴

یہاں بھی وہی عیب ہے ''کھلا دیتا ہے'' کی بجائے ''کھلا دیتا تھا'' کا محل ہے۔

وہ ہمارا ہے نبی دنیا کو بتلا دو مبیں = دین دیتا ہے نیا کفر مٹا دیتا ہے ص ۳۷۴

دنیا کو ''دون'' پڑھیں تو بحر درست ہوتی ہے۔ نیز حضور ﷺ نے ''نیا دین'' نہیں دیا تھا۔ یہ تو وہی دین ہے جو آدم علیہ السلام سے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک سبھی انبیاء لے کر آئے تھے۔

قادری صاحب! تخلیقات کا انتخاب تعلقات اور مروّت پر نہ کیجئے ورنہ رسالے کا معیار متاثر ہوگا۔

قافلہ سوئے مدینہ جو رواں ہوتا ہے
شوق ہر گام پہ کچھ اور جواں ہوتا ہے

ص ۳۷۵

مطلع میں ایطأ کا عیب ہے ''رواں۔ جواں'' بقیہ قوافی زباں۔ گماں وغیرہ ہیں۔

سہارا مل گیا بے تابیوں کو = ترے آنے سے راحت آ گئی ہے ص ۳۸۲

راحت آتی نہیں، ملتی ہے۔

ہوکے امّی لقب زمانے میں = منبعِ علم جامعات ہیں آپ ص۳۸۵

''ہوکے'' کی بجائے ''ہوتے ہوئے'' کا محل ہے۔ ''منبع علم جامعات'' یعنی ''یونیورسٹیوں کے علم/علوم!؟

دینا ہے تو مدینہ زیارت کا دے شرف = تو ہی ہمارا رب ہے بڑا ذوالجلال ہے ص۳۸۷

زیارتِ مدینہ یا مدینے کی زیارت ہونا چاہئے۔ ''بڑا'' حشو ہے۔ ذوالجلال کے ساتھ چھوٹا بڑا لکھنا غلط ہے۔

شبِ قدر کی برکتیں رات لائی سعادت حضوری کے سجدوں کی پائی
عجب بیخودی ہے عجب کیف و لذت یہ وارفتگی ہے عطائے مدینہ

ص۳۸۸

''شبِ قدر کی رات'' روغنِ آملہ کا تیل!؟

مدینہ کی جانب دیوانے چلے ہیں = انہیں حال دل سب سنانے چلے ہیں ص۳۸۹

''سب'' حشو ہے، شعر یوں ہونا تھا۔

مدینے کی جانب دِوانے چلے ہیں = انہیں حال دل کا سنانے چلے ہیں

واہ کیا شانِ محمد ہے کہ خود خالق نے = اپنی خوشنودی کو بھی ان کی رضا مانگی ص۳۹۰

یہ شعر میں مفتیانِ شرع کے حوالے کرتا ہوں۔

خاک طیبہ ہی ہر اک مرض کا شافی ہے علاج
میں نے بھی شادؔ فقط خاکِ شفاء مانگی ہے

ص۳۹۰

لفظ ''مَرَض'' نہیں ''مَرْض'' ہے۔

مدینے میں محمد کے مداوا درد و غم کا ہے = کرم کی ہو نظر دریدہ میں دامان لایا ہوں ص۳۹۲

شعر دولخت ہے۔ لفظ ''دریدہ'' کو ''درّیدہ'' نظم کیا گیا ہے۔ اسی طرح ''دامان'' کا ''ن'' بھی غیر فصیح ہے۔

جاپ درودوں کی مالا پھر دیکھ مزہ کیا آئے = یہ ہے ایسا منتر کہ تیرا بیڑہ پار لگائے ص۳۹۴

کیا ''درود'' منتر، طلسم/افسوں/جادو کے بول ہیں؟ درود کی جمع درودوں بھی غلط ہے۔

قادری صاحب! تبصرہ کافی طویل ہو گیا ہے لیکن میرے خیال میں اس میں کوئی غیر ضروری

بات نہیں آنے پائی ہے۔ میں اپنے تعلق سے اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ حمد و نعت میں معمولی سی لغزش بھی مجھ سے برداشت نہیں ہوتی، اسی بنا پر کبھی کبھی میرا لہجہ سخت ہو جاتا ہے لیکن میں حتی الامکان کوشش کرتا ہوں کہ کسی کی تضحیک و تذلیل نہ ہونے پائے۔

میری درخواست ہے کہ ایک مجلس ادارت تشکیل دی جائے جس میں نظم و نثر کے ماہرین شامل ہوں اور موصولہ تخلیقات پر تنقیدی نگاہ سے غور و خوض کرنے کے بعد انہیں اشاعت کیلئے منتخب کیا جائے۔

رسالے کے اصول و ضوابط ترتیب دیجئے اور قلم کاروں سے درخواست کیجئے کہ اپنی تخلیقات انہیں اصول و ضوابط کے تحت پیش کریں جن میں سنّت و شریعت کا پاس و لحاظ نہایت ضروری ہے۔ دیگر یہ کہ نعتیہ اشعار میں واقعات وغیرہ کی تحقیق ضروری ہے کہ یہ واقع بھی ہوئے ہیں یا نہیں!! آجکل بعض شعراء ہر محیر العقول واقعے کو بلا تحقیق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے کے طور پر پیش کر دیتے ہیں، تیسرے زبان و فن پر بھی تخلیقات جانچی جانی چاہئیں۔

مجھے یقین ہے کہ آپ میری معروضات پر ضرور توجہ فرمائیں گے۔

حوالے :

۱؎ : مقالاتِ محمد ابراہیم ڈار۔ ناشر انجمن اسلام ریسرچ انسٹی ٹیوٹ۔ ممبئی۔ ۲۰۱۴ء۔ صفحہ ۸۹-۹۰

۲؎ : ضمیمہ ''تصویر یار''۔ بمبئی۔ اپریل ۱۹۱۷ء۔ صفحہ نمبر ۵

○○○

علامہ ڈاکٹر محمد شہزاد مجددی (لاہور)

’’دبستانِ نعت پر ایک نظر‘‘

الحمد للہ منشی الخلق من عدم
ثم الصلوٰۃ علی المختار فی القدم

عصر حاضر نعتیہ ادب کے حوالے سے تاریخی اور تجدیدی مراحل طے کرتے ہوئے ایک ایسے موڑ پر آ پہنچا ہے جہاں نعت گوئی کی روایت اپنی تمام تر معنوی خوبیوں کے ساتھ نمایاں ہو رہی ہے۔ آج نعت محض جذبہ عقیدت و محبت سے آگے نکل کر اپنی تمام تر تکوینی و تشریعی جہات کے ساتھ حسن اظہار کے اعلیٰ ترین مراتب طے کر رہی ہے۔ نعتیہ تنقید و تحقیق کے باب میں جہت نما اور Trendstter مجلّہ ’’نعت رنگ‘‘ سے شروع ہونے والی ادبی فکری اور انتقادی تحریک آج ’’دبستانِ نعت‘‘ ششماہی تک آ پہنچی ہے۔ خلیل آباد ضلع سنت کبیر نگر (ہند) سے شائع ہونے والے اس جریدے کے مدیر مکرم، معروف محقق ڈاکٹر سراج احمد قادری اور سرپرست پروفیسر ڈاکٹر سید حسین احمد (سجادہ نشین خانقاہ حضرت دیوان شاہ ارزانی، پٹنہ، بہار) ہیں۔ معاونین میں ایک طرف سید صبیح الدین صبیح رحمانی کا نام ہے تو دوسری طرف قاضی اسد ثنائی (حیدر آباد، ہند) کا اسم گرامی مسطور ہے جبکہ ڈاکٹر عبد القادر غیاث الدین فاروقی (نیویارک) بھی اس سلک درر میں جگمگا رہے ہیں گویا نعتیہ ادب کی ابعاد ثلاثہ کا حسین امتزاج اس فہرست اسمأ میں جلوہ افروز ہے۔

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

صاحب نعت و منعوت اعظم ﷺ کی شان رحمۃ للعالمینی کا عکس اس وسیع تر تناظر سے نمایاں ہے وہاں نعت کی آفاقیت بھی پاک و ہند سے ریاست ہائے متحدہ امریکہ تک پھیلی ہوئی اس نعت شناسی کی کہکشاں سے جھلک رہی ہے۔

’’دبستانِ نعت‘‘ کی صورت میں خدمت نعت کا یہ سفر ابھی ابتدائی مراحل میں ہے۔ چنانچہ ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں کے مصداق بہت سفر باقی ہے امید ہے مدیر محترم اپنے رفقأ کار کے ساتھ اس

سفرِ سراپا ظفر کے تمام کٹھن مگر ایمان افروز مراحل بخیر وخوبی طے کرنے میں کامیاب وکامران رہیں گے۔

مدیرِ محترم نے مندرجات کا تعارف بطریق احسن پیش کر دیا ہے لہٰذا اس تفصیل میں جائے بغیر میلاد اکبر کے حوالے سے صفحہ ۱۵ پر موجود عبارت محلِ نظر محسوس ہوئی لکھتے ہیں۔

''میلاد اکبر میں اگرچہ موضوع روایات بھی شامل ہیں مگر فضائل ومناقب میں موضوع روایات موثر ہیں۔ حدیث کے کلیے کے مطابق فضائل و مناقب میں موضوع روایات کا بھی اعتبار ہے''۔(دبستانِ نعت ص ۱۵)

یاد رہے موضوع روایت کا مطلب ہے ایسی جعلی اور من گڑھت حدیث جسے غلط طور پر مخبر صادق اور اصدق الصادقین ﷺ کی ذاتِ گرامی سے منسوب کر دیا گیا ہو اس حوالے سے احادیثِ صحیحہ اور متواترہ میں سخت وعیدیں آئی ہیں متفق علیہ حدیث ہے، کہ جس نے میری طرف ایسی بات قصداً منسوب کی جو میں نے نہیں کہا اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لیا۔ ایسے ہی حدیث سُنی سُنائی بات کو آگے پہنچا دینے والے کو جھوٹا اور گنہگار کہا گیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے راقم کے مضامین مطبوعہ ''نعت رنگ'' شمارہ ۲۰۔۲۳

صفحہ ۶۹ پر محترم ساجد امروہوی کا مضمون ''نعت رسول مقبول ﷺ اور اس کا ارتقاٗ'' شائع ہوا ہے۔ اندازِ تحریر کی شستگی اور احسن شعری انتخاب کے ساتھ صفحہ ۷۱ پر یہ عبارت رجوع اور توبہ کی متقاضی ہے۔ لکھتے ہیں۔

''آخر میں ایک شعر جو فخرِ موجودات حضور سرورِ کائنات ﷺ کی زبان مبارک سے صادر ہوا ضرور نذرِ قارئین کروں گا۔ اصل میں یہ شعر نہیں ہے بلکہ حضور ﷺ کی زبان سے دو جملے غیر ارادی طور سے جنگ خندق میں خندق کھودنے کے دوران نکلے ہوں گے کیوں کہ سبھی صحابہ جو خندق کھود رہے تھے اپنا حوصلہ اور جوش بڑھانے کے لیے رجزیہ اشعار پڑھتے جا رہے تھے۔ آقائے مکرم ﷺ بھی اپنے حصے کی خندق کھودنے میں مصروف تھے اس وقت مندرجہ ذیل جملے اُنکی زبانِ مبارک سے نکلے جو ایک مطلع کے دو مصرعے بنتے ہیں۔

انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب

گزارش ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ خندق (احزاب) کا نہیں بلکہ غزوہ حنین ۸ھ کا ہے۔ حضرت مخدوم محمد ہاشم سندھی اپنی کتاب ''بذل القوۃ فی حوادث السنی النبوۃ (مترجم) میں رقم طراز ہیں۔

''غزوہ حنین میں مشرکین بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلمان مال غنیمت اکٹھا کرنے میں

مشغول ہوئے تو ان میں سے بعض مسلمانوں نے اپنی کثرت پر فخر کرنا شروع کر دیا مشرکین نے پلٹ کر حملہ کر دیا اور مسلمان اپنی کثرت پر فخر کے باعث ہزیمت اٹھانے لگے اور صحابۂ کرام رسول اللہ ﷺ کے ارد گرد بکھر گئے۔ ان حالات میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی سواری کو کفار کی طرف بڑھانا شروع کیا اور آپ کی زبان مبارک پر یہ رجز جاری تھا۔

انا النبی لا کذب　　انا ابن عبد المطلب

(صحیح بخاری : کتاب المغازی : من قاد دابة غیرة فی الحرب رقم:۲۸۶۴)

غزوۂ خندق کے موقع پر پڑھے جانے والے اشعار اس سے مختلف تھے جو صحابہ کرام علیہ الرضوان نے بھی ساتھ مل کر پڑھے تھے۔

جناب محسنؔ ملیح آبادی کی تحریر میں صفحہ ۱۴۴ پر موجود شعر

سرورِ دیں کا اگر سامنے کردار رہے
مہکا مہکا ہوا پھر اپنا گلزار رہے

جو شاید کسی نعت کا مطلع ہے اس میں دونوں مصرعوں کا باہمی ربط سمجھ میں نہیں آیا شعر نظر ثانی کا محتاج ہے۔

چمنستان نقشبندیہ کے گل سرسبد حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامؔی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی، فکری اور ادبی کمالات کے حوالے سے گوشۂ خاص بھی اس دبستانِ نعت کا ایک لائق تحسین خاصہ ہے اگرچہ اس میں عاشقان جامؔی کی سیرابی کے لیے تحریری مواد کے جام بقدر طلب موجود نہیں تھے لیکن بہرحال بقول مولانا جامؔی:

بہر یک گل زحمت صد خار می باید کشید

علالت کے باعث اختصار سے کام لے رہا ہوں، امید ہے یہ سلسلۂ خیر و برکت جاری و ساری رہے گا اور وابستگان نعت ''دبستانِ نعت'' سے مستفید ہوتے رہیں گے۔ برادرِ مکرم جناب فیروز احمد سیفی جیسے متحرک اور مخلص لوگ جس گلشن ادب کی آبیاری فرما رہے ہوں یقیناً وہ چمن ہمیشہ بہار کی طرح لہلہا تا رہتا ہے۔

○○○

پروفیسر فاروق احمد صدیقی (مظفر پور)

دبستان نعت (شمارہ جنوری تا جون 2016ء)

پر ایک طائرانہ نظر

مکرمی سلام وتحیت!

ششماہی ''دبستان نعت'' شمارہ جنوری تا جون 2016ء سرمہ بینش بنا۔ آپ نے بڑی محنت، محبت، خلوص اور خوش دلی سے یہ ضخیم شمارہ ترتیب دیا ہے۔ مبارکباد۔

آپ نے یہ اچھا کیا ہے کہ شروع کے صفحات کو تین حمدیہ کلام سے مزین کیا ہے۔ جناب تنویر پھولؔ، طاہر سلطانی اور ابرارؔ کرت پوری کے تقریباً تمام حمدیہ اشعار فکر بلند اور فن لطیف کے آئینہ دار ہیں۔ تینوں حضرات کو تہہ دل سے ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں۔

''گنجینۂ نقد ونظر'' کے تحت پہلا مضمون ڈاکٹر شاہ حسین احمد صاحب کا ہے۔ انہوں نے اپنے مضمون میں نعت کی صنفی حیثیت کو زیر بحث لاتے ہوئے یہ فیصلہ ارقام فرمایا ہے کہ چونکہ نعت کی کوئی خاص ہیئت متعین نہیں ہے۔ اسلئے اس کو صنف کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ یہ تصوف کی طرح موضوعِ کلام تو ہے، صنف سخن نہیں۔ میرا معروضہ ہے کہ عربی، فارسی اور اردو میں جتنی بھی مروجہ اصناف سخن ہیں وہ آسمان سے نازل نہیں ہوئی ہیں۔ شعر وادب سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب علم وفن نے ہی ان کی درجہ بندی کی ہے اور ان کی مخصوص ہیئتیں مقرر کی ہیں۔ ان کی محدود نگاہی کی انتہا تو یہ کہ قصائد کے ناپاک دفتر تک کو بھی انہوں نے صنف سخن کا مرتبہ دے دیا۔ یہی نہیں ریختی، واسوخت، خمریات اور شہر آشوب جیسی شاعری کو بھی اصناف سخن کے دائرے میں رکھا ہے۔ مگر حمدیہ اور نعتیہ شاعری کو شعوری طور پر اصناف کا درجہ دینے سے احتراز کیا گیا۔ اس کو ان کی چشمِ فراست کی نابصیری کے علاوہ اور کیا نام دیا جائے۔ نعت جو اردو شعر وادب کے وجود میں آنے

کے پہلے سے عربی اور فارسی میں موجود ہے۔ اس کو صنف سخن قرار دیتے ہوئے زبانِ قلم لڑکھڑا جائے۔ مگر مغرب سے مستعار ہائیکو، سانیٹ اور نظم معرا وغیرہ کو جدید شعری اصناف کے طور پر قبول کرلیا جائے۔ اس کو احساس کمتری، بے حسی اور کج فکری کے علاوہ کس جذبہ پر محمول کیا جائے حالانکہ نعت کو سخن تو سب مانتے ہیں صرف صنف کا سابقہ لگانے میں تردد اور تامل ہے یاللعجب!

میرا وجدان یہ کہتا ہے کہ نعت میں چونکہ رحمۃ للعالمین کی مدح وثنا ہوتی ہے اسلئے فارسی اور اردو کی تمام مروجہ اصنافِ سخن نے زبان حال سے بارگاہِ رب العالمین میں یہ استغاثہ پیش کیا کہ یہ اعزاز واکرام انہیں بھی حاصل ہو، دعا مستجاب ہوئی اس طرح تمام مروجہ اصنافِ شاعری نے مدح سید المرسلین کے لئے اپنی اپنی آغوش محبت وا کردی۔ اسی لئے یہ غزل، قصیدہ، مثنوی، رباعی، قطعہ، مثلث، مخمس اور مُسدّس وغیرہ کی ہیئتوں میں لکھی جانے لگی۔ اس طرح یہ ایک ممتاز ومحترم صنف سخن کے مقام ومرتبہ تک پہنچ گئی اور اب بلاتکلف تمام اہلِ علم وادب اس کو ایک اہم صنف سخن کی حیثیت سے لکھتے پڑھتے اور بولتے ہیں۔

مسئلہ زیر بحث کا ایک افسوس ناک پہلو یہ بھی ہے کہ مرثیہ جس میں ممدوح کائنات اور محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسۂ محترم حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اعوان وانصار کی المناک شہادت کا بیان ہوتا ہے۔ اس کی ہیئت اور اجزائے ترکیبی طے کئے جائیں۔ مگر نعت جس میں خود امام عالی مقام کے جدّ کریم حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وستائش ہوتی ہے۔ اس کے اجزائے فن اور عناصر ترکیبی کی تشکیل سے تغافل اور تجاہل برتا جائے۔ اور یہ امر محتاج وضاحت نہیں کہ حضرت امام حسین کی زندگی کی تمام بہاریں نانا جان سے انتساب کی بدولت ہی ہیں۔

مقصود نگارش یہ ہے کہ بعض اہلِ علم سے یقیناً یہ تسامح ہوا ہے کہ اصناف سخن کی درجہ بندی میں ان اصناف سخن کو جن کا ذکر سطور بالا میں کیا گیا ہے صنف کا مرتبہ بخشا۔ اگرچہ ان کی ہیئت متعین نہ ہو اور نعت جیسی صنف اطہر کو صنف سخن کہنے کے لئے ہیئت کے تعین کی بنیاد ڈھونڈھیں۔ نامناسب نہیں ہوگا اگر اس سلسلے میں اردو کے مشہور شاعر وناقد جناب ناوک حمزہ پوری کی یہ قیمتی رائے بھی نقل کر دی جائے۔

> ''ہر چند کہ نعت عربی، فارسی اور اردو نیز دیگر زبانوں میں تقریباً ڈیڑھ ہزار برسوں سے کہی جارہی ہے۔ لیکن بعض کوتاہ نظر ناقدین کے نزدیک یہ اب بھی صنف سخن کا درجہ نہیں پاسکی۔ ان کے بقول وجہ صرف اتنی سی ہے کہ نعت کی کوئی متعین ہیئت

نہیں۔ان کج فہموں کی سمجھ میں اتنی سی بات نہیں آتی کہ صنفی شناخت کے لئے صرف ہیئت واحد معیار نہیں بلکہ موضوع بھی بہت اہم رول ادا کرتا ہے اور موضوعی اہمیت کے لحاظ سے نعت وہ مہتمم بالشان صنف ہے کہ دوسری صنف اس کے پاسنگ کے برابر بھی نہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مرحوم نے بجا فرمایا:

''وہ فارسی اور اردو شاعری کا مطالعہ اگر عام ڈگر سے ہٹ کر انصاف اور حقیقت پسندی کے ساتھ کیا جائے تو سب سے زیادہ مؤثر اور سب سے زیادہ بھرپور صنف نعت قرار پائے گی۔تنوع اور مقدار و معیار ہر اعتبار سے نمایاں اور ممتاز۔(اردو شاعری میں نعت گوئی)۔(فنکار مصنفہ ناوک حمزہ پوری 56/57)

حقیقت یہ ہے کہ اصناف سخن کے تعین کی دو الگ الگ بنیادیں ہیں۔ ہیئت اور موضوع ناچیز کا موقف یہ ہے کہ نعت پاک جیسی صنف سخن کسی ہیئت کے چوکھٹے میں بند نہیں ہے۔

اس شمارے کا دوسرا مضمون ڈاکٹر خسرو حسینی کا ہے۔انہوں نے فن نعت اور نعت گوئی کے عنوان پر بہت تفصیل سے لکھا ہے۔تحریر بہت معلوماتی اور بصیرت افروز ہے۔معروف و مستند اہل علم و قلم ڈاکٹر صابر سنبھلی نے حدائق بخشش کے صنائع بدائع کو موضوع بنایا ہے۔ یہ ان کی دلچسپی کا خاص میدان ہے۔اس لئے انہوں نے اپنے موضوع کا حق ادا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ڈاکٹر عزیز احسن کو بہت پہلے سے ''نعتِ رنگ'' کراچی کے حوالے سے جانتا ہوں۔خوب لکھتے ہیں وہ واقعی فنا فی النعت ہیں۔ڈاکٹر فہیم احمد صدیقی نے شری کرشن کمار طور کی نعتیہ شاعری کا عمدہ تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے۔مگر ان کے نام کے پہلے لفظ ''حضرت'' اچھا نہیں لگا۔ یہ لفظ ایک اہل ایمان کو ہی زیب دیتا ہے۔ جناب فیروز احمد سیفی نے ڈاکٹر صغریٰ عالم کی نعتیہ شاعری کو بہت سلیقے سے متعارف کرایا ہے۔انہوں نے شاعرہ کے کلام سے وافر مقدار میں حوالے دے کر اپنے نقطۂ نظر کو مدلل کیا ہے۔ اندازِ بیان بھی بہت سلیس، شائستہ اور پاکیزہ ہے۔منیر احمد ملک (اسلام آباد) کا مقالہ ''حرف آرزو'' بھی بہت گرانقدر ہے۔ انہوں نے اپنے مقالہ میں ایک ایسا خوبصورت شعر بھی نقل کیا ہے جو یقیناً روح ایمان سے معمور ہے۔

نبی کا عشق، خدا کی اطاعت کامل
یہ دیں کی اصل ہے، باقی تمام افسانہ

قاضی رفیق فائز فتح پوری کا مقالہ ''ناعت پر فیضانِ منعوت'' بیحد اہم ،فکر انگیز اور چشم کشا ہے۔

انہوں نے حدیث پاک لولاک لما سے بڑی عالمانہ اور محققانہ بحث کی ہے۔ بار بار پڑھنے کے لائق ہے۔ بات لمبی ہوتی جارہی ہے۔ اس لئے دیگر مضامین و مشملات سے صرفِ نظر کرتا ہوں۔

مگر ''گوشۂ علامہ جامی'' کے تحت ڈاکٹر یحییٰ نشیط کا مضمون ''مولانا جامی کی نعت نگاری جانبِ توجہ'' ہے۔ موصوف کے ایک معروف قلمکار ہونے میں شبہ نہیں۔ وہ ''نعت رنگ'' کراچی میں بھی تواتر کے ساتھ لکھتے رہے ہیں۔ مگر زیرنظر مضمون کی تمہید میں وہ کچھ ایسی باتیں لکھ گئے ہیں جو یقیناً خوش عقیدگی کی مظہر نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر ان کا یہ ارشاد:

> ''......اسی طرزِ فکر کی وجہ سے اردو فارسی نعتیہ شاعری میں میم کا گونگھٹ، احمد بے میم، مسئلہ امتناع النظر، مدینہ کا پیا، کملی والا، دیدار خداوندی سے مشرف، شہزادہ لولاک آقا و مولا، بگڑی بنانے والا، ذاتِ اوّل و آخر، ظاہر و باطن، عالم العنت، وغیرہ تراکیب کو اوصاف نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں شمار کرلیا گیا ہے۔ بعض عقیدت کا یہ غلو حدود شریعہ کو پھلانگ جاتی ہے اور عقیدے کے مبالغہ میں شانِ اُلوہیت میں استخفاف کا پہلو نکل آتا ہے'' (صفحہ ۲۸۲)

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان سطور کے لکھتے وقت ڈاکٹر صاحب کا ذہن و قلم صحرائے توہّب کی سیر کررہا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ ان کے دینی معتقدات کیا ہیں۔ انہوں نے جن جن الفاظ و تراکیب پر اعتراضات جڑے ہیں اور شانِ رسالت میں ان کے استعمال کو ممنوع بلکہ موہم الی الشرک قرار دیا ہے۔ ان کے انطباقات اطلاقات ہر دور میں علمائے حق اور محبان رسول کی تحریروں اور تقریروں میں ہوتے رہے ہیں۔ مفصل بحث کا یہ موقع نہیں۔ صرف ایک مثال پر بات ختم کرتا ہوں۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو آج تک کسی ذمہ دار عالم اور اہل قلم نے ''عالم الغیب'' نہیں کہا۔ ہاں ''عالم غیب'' ضرور کہا ہے۔ لفظ غیب پر الف لام کے داخل کرنے اور نہ کرنے سے معنوی سطح پر کتنا بڑا افرق پیدا ہوجاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کسی مستند عالم سے رجوع کر کے اطمینان حاصل کرسکتے ہیں۔ بصورت دیگر یہ راقم الحروف حاضر ہے۔ انہوں نے بحث کے دائرے کو پھیلا دیا ہے۔ ان کی فہرست میں شامل تمام الفاظ و تراکیب کا شرعی جواز و جواب موجود ہے۔ مسئلہ ''امتناع النظیر'' پر علامہ فضل حق خیرآبادی کی شاہکار کتاب ''امتناع النظیر'' لا جواب ہے۔ اور حدیث لولاک لما کی صحت کے تعلق سے اسی شمارے میں خاصہ مواد موجود ہے۔ رجوع کیا جاسکتا ہے۔ ایسے لوگوں کی تربیت کے لئے جن کو بات بات میں شرک کا آزر نظر آتا ہے۔ سیدی اعلیٰ حضرت بریلوی نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب
اس برے مذہب پہ لعنت کیجیے

''گوشہ جامی میں'' ہی ڈاکٹر رضوان انصاری نے اپنے مضمون ''حضرت عبدالرحمٰن جامی ایک نادرروزگار شخصیت'' کی تمہید میں حضرت خواجہ غریب نواز سے منسوب یہ رباعی نقل کی ہے۔ے

شاہ است حسین بادشاہ است حسین
دین است حسین دیں پناہ است حسین
سرداد و نہ داد دست در دست یزید
حقّا کہ بنائے لا الہ است حسین

اطلاعاً عرض ہے کہ یہ رباعی حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی نہیں ہے۔ مشہور محقق پروفیسر حنیف نقوی کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں:

فارسی کی یہ رباعی بہت مشہور ہے اور خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب کی جاتی ہے۔ پروفیسر مسعود حسن رضوی نے روح انیسؔ کے مقدمے میں اس رباعی کو ''امام حسین کے عظیم الشان کارنامے پر مذہبی زبان میں خواجہ معین الدین اجمیری کا مختصر اور جامع ''تبصرہ'' قرار دیا ہے، لیکن درحقیقت یہ رباعی خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ہم نام شاعر معین کاشانی کی طبع زاد ہے۔''

(حنیف نقوی کی ابتدائی تحریریں: مصنفہ ڈاکٹر شمس بدایونی، ص:169)

زیر نظر شمارہ کا شعری حصہ بھی بہت خوب ہے۔ ڈاکٹر نذیر فتح پوری (پونہ) کی نعتیہ تضمین میں اقبال کے ساقی نامہ جیسی سلاست اور روانی ہے، بہت خوب ہے۔ مگر ان کا یہ شعر محل نظر ہے۔ے

خدا نے یہ قرآن میں کہہ دیا ہے
یہ دنیا بنی ہے انہیں کی دولت

خدائے پاک نے قرآن میں یہ بات کہاں کہی ہے؟ ڈاکٹر صاحب اس کی نشاندہی فرمائیں تو میرے علم میں بھی قیمتی اضافہ ہوگا۔ محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا، یہ قرآن نہیں ہے۔ **لــو لاك لما خلقت الافلاك** کا خلاصہ ہے اس سلسلے میں مزید وضاحت کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

○○○

ڈاکٹر سید شمیم گوہر مصباحی (الہ آباد)

دبستان نعت کا پہلا شمارہ

محبِّ گرامی جناب ڈاکٹر سراج احمد قادری
مدیر ''ششماہی دبستان نعت''، خلیل آباد سنت کبیر نگر

چار سو صفحات پر مشتمل ''ششماہی دبستان نعت'' کا اولین شمارہ دستیاب ہوا دیکھتے ہی دل جھوم گیا یاد آوری کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آپ کے دبستان نعت نے دنیائے نعت کے عظیم مجاہد و شاعر اور دیدہ ور قلمکار جناب سید صبیح رحمانی کی یاد تازہ کر دی جنہوں نے ''نعت رنگ کراچی'' کی ادارتی فوقیت اور بے لوث کثرت خدمات کی روشنی میں ساری دنیا کے مسلمانوں کو حیرت میں ڈال دیا جس کا ہر ضخیم شمارہ ایک نورانی دستاویز اور تاریخی شاہکار ہوتا ہے۔ بیشتر ممتاز و نامور اور پختہ کار اصحاب قلم کی مبارک جماعت کے تحقیقی و علمی کارنامے اور تنقیدی و تجزیاتی امانتیں، ''صفحات نعت رنگ'' پر لولو و مرجان کی طرح تابندہ و مجلّی ہیں۔ دبستان نعت کا اجرا بھی بڑے حوصلے اور جرأت مندانہ پیش قدمی کا اظہار ہے، امت مرحومہ کے دل کی دھڑکن اور اسیران مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے آفاقی جذبات کا آئینہ دار ہے۔ اتنے وسیع پیمانے اور اتنے عظیم حوصلے کے سائے میں اس نوعیت کے معیاری مجلّے کا اہتمام کرنا آپ کی بے لوث نعت نوازی کی ضمانت ہے، اگر آپ اس اشاعتی تسلسل کو برقرار رکھ سکے تو تاریخ آپ کو اپنی قربت سے ضرور نوازتی رہے گی، عشق رسالت مآب کی آنچ میں تپتے ہوئے آپ کے اس خدماتی اثاثے کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں اور عمر درازی کی دعا مانگتا ہوں۔

یہ حقیقت سب جانتے ہیں کہ عہد رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لیکر تا ہنوز بیشتر زبانوں میں نعتیہ شعر و ادب کا سمندر بہہ رہا ہے، ہر دور میں خاصان خدا کا محبوب مشغلہ رہا ہے، بالخصوص عربی و فارسی اور اردو زبانوں میں اس کے وسیع گنجینوں کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ صرف اردو میں ہزارہا ہزار کتابیں اور مجموعے لگاتار منظر عام پر آتے رہے اور قیامت تک

آتے رہیں گے۔ ورفعنا لک ذکرک کا فریضہ نعتیہ شاعری نے ہمیشہ نبھایا ہے۔اتنی عظمتوں اور سرفرازیوں کے باوجود ادبی دنیا کے بعض افراد نعتیہ شاعری پر طنز کرتے اور اس کے مراتب پر حملہ کرنے سے باز نہیں آتے، اس کی وسعت پذیری پر پردہ ڈالنے کی برابر کوشش کرتے رہتے ہیں، اسی نعت بیزاری اور ہجو دنوازی کا نتیجہ ہے کہ ادبی دنیا کی بیشتر سرگرمیاں تقویٰ وطہارت، احتیاط واجتناب اور مسائل وفتاویٰ سے ہمیشہ دور رہی، نہ جانے کتنے ہندو شعراء ہر دور میں نہ صرف نعتیہ شعر وادب کا احترام کرتے رہے بلکہ بطور خاص طبع آزمائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نعتیہ شاعری کا کثیر سرمایہ پیش کر دیا جبکہ اسی ادبی پلیٹ فارم کے بے شمار مسلم شاعروں کو ایک نعت کہنے کی توفیق نہ ہوئی اور نہ ہی اس کے بے پناہ فکر وفن اور صنائع و بدائع کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنے کا جذبہ بیدار رہوا۔ نذرانۂ محبت نہ پیش کرنے کا مطلب یہ تو نہیں کہ اس آفاقی اور جبروتی شاعری کی شان میں باغیانہ حملہ کیا جائے۔ادبی پلیٹ فارم سے یہ آواز برابر بلند ہوتی رہی ہے کہ نعت کوئی صنف نہیں کہ اس کے پاس کوئی ہیئت نہیں۔ لاعلمی کے سبب یہ رخنہ طرازی اگرچہ تنگیٔ ذہن کی مجروح علامت ہے جو غیروں کے لئے تفریح کا سامان مہیا کرسکتا ہے تاہم مجھ پر لازم ہے کہ اسے تفریحی عناصر کی تردید میں کار خیر کی کچھ سعادت حاصل کر لی جائے۔

اگر صنف نعت ہیئت سے وابستہ نہیں تو کیا اس کے دامن میں عظمت وانفرادیت اور بے شمار صنائع و بدائع کا خزانہ بھی نہیں، اس کی آغوش میں فضیلتوں کے پھول بھی نہیں، عظمت کی معرفت ہیئت سے نہیں تجزیۂ فکر وفن سے حاصل ہوتی ہے۔ موضوع ومواد اور فکری بلاغتیں کسی ہیئت کی محتاج نہیں ہوتیں۔ ہر بڑی شاعری کو اس کے موضوع اور تخئیلی بالیدگی کی روشنی میں پرکھا جاتا ہے ہیئت کی بنیاد پر نہیں۔ جس مبارک شاعری کو صحابۂ کرام، تابعین کرام، اولیائے کرام اور بیشمار اقطاب وغوث نے کلیجے سے لگا کر رکھا ہوا اور فکر وفن کی نئی نئی آنچ میں تپایا ہوا اس کے لئے کسی مخصوص تلاش ہیئت کی کبھی ضرورت نہیں محسوس کی گئی اور نہ ہی اس کی وسعتیں کسی ہیئتی خول میں مقید رہنے کی مستحق ہیں، اس کے لئے ہر دروازہ کو کھلا رکھا جاتا ہے تاکہ اس نعتیہ شاعری کا عروج وارتقاء کبھی تنگیٔ داماں کا احساس نہ کرنے پائے تبھی تو اس بے ہیئت والی شاعری کے دم سے ہر صنف سخن کی دنیا آباد ہے۔ زمانہ گزر گیا ادبی پلیٹ فارم سے قصیدہ، مرثیہ، مثنوی، شہر آشوب، بارہ ماسہ دوہا، مسدس، مخمس، رباعی اور قطع وغیرہ کا جنازہ نکل کر رہ گیا، یہ صنعتیں اپنے

شاعروں کو ترس گئیں، غزل کے سوا اساتذۂ کرام کی تمام روایتوں اور تمام امانتوں کو غارت کر ڈالا، وہ نعتیہ شاعری جو تمام اصناف شعروادب پر ہمیشہ جاری رہی اس کا احسان ہے کہ وہ اپنی وظیفہ خوانی اور پر خلوص طبع آزمائی کے سلسلے کو جاری رکھتے ہوئے ہر صنف کو زندگی عطا کرتی رہی حتیٰ کہ ہائکو اور سانیٹ میں بھی بیسوں مجموعے پیش کر دیئے ورنہ ادبی دنیا کی ساری کارکردگی کب کا دم توڑ چکی ہے۔ صنف نعت کی بابت عدم ہیئت کی بات کرنے والے افراد اپنے تخئیلی برتاؤ کے سہارے مذکورہ اصناف سخن کے حق میں کون سا کردار نبھا رہے ہیں۔ صنفیں محض ادب وادیب کے تذکرۂ خدمات سے زندہ نہیں رہتیں۔ ان کے لئے لگاتار تخئیلی سفر اور پر خلوص جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔

واضح ہو کہ شاعروں کی بابت قانونی ہیئت کا دائرہ شروع ہی سے بہت محدود رہا ہے ہیئت مثنوی جس کے دونوں مصرعے مقفیٰ ہوتے ہیں اور ہیئت قصیدہ جس کے ہر دوسرے مصرعے میں قافیہ ہوتا ہے اس کے علاوہ تیسری ہیئت کا کوئی نام ونشان نہیں۔ قصیدہ ومثنوی کا ہیئتی نظام قوافی کی روشنی میں اس طور پر وضع کیا گیا کہ کوئی بھی شاعری اس کی قانونی گرفت سے الگ نہیں رہ سکتی، اس کی وضع داری ہر صنف پر موضوع کی کفالت کرتی ہے، مرثیہ، شہر آشوب، بارہ ماسہ، غزل، مسدس، مخمس، رباعی اور قطع وغیرہا اپنے اپنے مصاریعی تنظیم و ترتیب کے آئینے میں قصیدہ ومثنوی کی ہیئت کے تابع ہوتے ہیں، یہ مختلف مصاریعی تنظیم، تعین صنف سخن کی وضاحت تو کرتی ہے مگر ہیئتی شناخت وقانون سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ہر شاعری خواہ وہ جس بھی صنف سے وابستہ ہو اس کے دونوں مصرعے ہیئت قصیدہ ومثنوی سے بے تعلق نہیں رہ سکتے۔ شاعری کا سفر اوزان وبحور اور موضوعات کی بنیاد پر جاری رہتا ہے وابستگیٔ ہیئت کی بنیاد پر نہیں۔ ایسا نہیں کہ قصیدہ ومثنوی کا نام پہلے رکھ دیا گیا اور ان کے اصول بعد میں وضع کئے گئے ہوں اگر ایسے کسی بھی ضابطہ وقانون کی علامت موجود ہوتی تو آج ہر شاعری کے لئے ہیئتوں کا دریا بہہ رہا ہوتا۔ غزل کی بھی کوئی ہیئت نہیں یہ بھی قانون قصیدہ پر موقوف ہے ،غزل مسلسل کو قصیدے ہی کا ایک شعبہ کہا جاتا ہے۔ بعد میں جب اس کے مابعد اشعار، ماقبل اشعار کے فکری وتخئیلی تناظر سے الگ کر دیئے گئے تو غزل کی منفرد صنفی حیثیت تسلیم کر لی گئی۔ یہی قاعدہ مثنوی میں بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ خیال وفکر کے سلسلۂ مربوط کو حذف کر دیجئے۔ دائرۂ مثنوی میں رہتے ہوئے بھی کلام کسی دوسرے صنف سے وابستہ ہو جائے گا۔ شاعری کا

آخری درجہ یہ بھی ہے کہ قافیہ و ردیف کا اہتمام کئے بغیر محض اوزان و بحور کے سہارے خیالات کی بندش کی جائے، اس تجربے کو کسی صنف کے زمرے میں تو شامل نہیں کیا جا سکتا تاہم شاعری کہلانے کی ضرور مستحق ہے۔

بعض ایسے افراد جن کے پاس عقیدت و محبت کا کوئی پیمانہ نہیں، جنہیں سر جھکانے کا شعور نہیں اور جو مصلحت نواز عقیدوں کی راہیں بدلتے رہتے ہیں وہ صنف نعت سے کیسے ہمدردی کر سکتے ہیں، انہیں نعت جیسی مقدس شاعری میں کوئی خوبی تو نظر نہیں آئی ہیئت و اجزائے ترکیبی کی کمی ضرور دکھائی دے گی، اجزائے ترکیبی کا عنوان ہی غلط ہے، اسکا عنوان ''اجزائے مطلوبہ'' ہونا چاہئے تھا کہ شاعر جس بھی حسن خیر کا طالب ہو بیان کرے۔ حیرت کی بات ہے کہ سوداؔ و ذوقؔ کے قصیدوں اور میر حسنؔ و شوقؔ کی مثنویوں میں اجزائے ترکیبی تو نظر آ گئے مگر چار حصوں پر مشتمل حضرت حفیظ جالندھری کی مثنوی، شاہنامہ اسلام کی وسیع ترین اجزائے ترکیبی کی کوئی خبر نہیں۔ صنف نعت کے آئینے میں عہد دیرینہ سے لیکر اب تک قصیدوں اور مثنویوں کی ہزاروں شمعیں روشن کی جا چکی ہیں، بالخصوص غلام امام شہیدؔ، کرامت علی شہیدیؔ، کافیؔ مرادآبادی، لطف بریلوی، محسنؔ کاکوری، امیرؔ مینائی، شاہ رضاؔ بریلوی، حسنؔ بریلوی، جمیلؔ بریلوی اور کیف ٹونکوی وغیرہم کے علاوہ سیکڑوں شعرائے نعت نے جم کر اجزائے ترکیبی کا اہتمام کیا ہے (تفصیل کیلئے دیکھئے خاکسار کی کتاب صنف نعت اور شعرائے نعت) میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موضوع پر شروع ہی سے شاعری کی جاتی رہی ہے، مولودی مجموعوں کا کثیر تعداد میں پتہ چلتا ہے جس میں تخلیق نور نبی، ولادت رسول، بعثت رسول، محبت رسول، جمال و کمال، اخلاق حسنہ، اسوۂ مبارکہ، معجزات و غزوات، علم غیب، معجزۂ معراج، اور ازواج مطہرات کے علاوہ قرآن و احادیث کی روشنی میں بے شمار احکام و فضائل اور کردار و عمل کا ذکر موجود ہے۔ اب اگر ایسے افراد، موضوع نعت میں میر حسن کے اجزائے ترکیبی چاہتے ہیں تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے البتہ مرثیے کے اجزائے ترکیبی کے بعض گوشے نعت سے ضرور ہم آہنگ ہوتے رہتے ہیں۔

دبستان نعت کا بیشتر حصہ انتہائی تحقیقی و تاریخی و علمی ہے، عظمت رسول اور فضائل رسالت کے آئینے میں ایک بار پھر یہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ نعتیہ شاعری کتنی وسیع و بلند ہو سکتی ہے جسکے تناظر میں بعض مضامین کے تحقیقی جوہر نے خوب جلوے بکھیرے۔ نعتیہ شاعری کی فوقیت و فضیلت کا سایہ ہر شاعر کے سر پر ہوتا ہے، عقیدت و محبت کی تجلّیوں میں ڈوبا رہتا ہے، ہر شاعر

قرآن واحادیث اوراحکام وفرائض کے حوالوں کی روشنی میں شاعری نہیں کرتا بلکہ اس کا جذبۂ والہانہ اور دیوانگیٔ عشق خود بخود کسی نہ کسی حقیقی گوشے سے وابستہ ہو جاتی ہے، خراج عقیدت اور نذرانۂ محبت کی خوشبوؤں میں ہر شاعر اس یقین وایمان کے ساتھ شاعری کرتا ہے کہ آپ ہی (صلی اللہ علیہ وسلم) سب سے زیادہ عزت وعظمت والے ہیں، آپ ہی سب سے زیادہ جمال و کمال والے ہیں، آپ ہی دانائے غیوب اور معجزات والے ہیں، آپ ہی صاحب قرآن اور خاتم المرسلین ہیں، آپ ہی رحم وکرم اور شفاعت عطا فرمانے والے ہیں، آپ ہی آقا وملجا اور معراج والے ہیں، آپ ہی احادیث وسنن کی دولت تقسیم کرنے والے ہیں، اسی نورانی پس منظر میں لکھا ہوا قاضی محمد رفیق فائز فتح پوری کا مقالہ ''ناعت پر فیضان منعوت'' (یعنی شاعر نعت پر فیضان نعتیہ) معلوماتی نمونہ ہے۔ اردو شاعری میں جس قدر کثرت کے ساتھ صنائع و بدائع اور اوزان وبحور کا استعمال نعتیہ شاعری میں ہوتا رہا ہے ان کی مثالیں اور حوالے کسی بھی غیر نعتیہ شاعری میں نہیں مل سکتے۔ گویا جتنی مقدس ومبارک یہ شاعری ہے اسی تقدس مآبی کے سائے میں جملہ ندرتوں سے وابستہ بھی ہوتی رہی۔ صنعت غیر منقوطہ کا بھی کثیر خزانہ صرف صنف نعت ہی میں تلاش کیا جا سکتا ہے، اس سلسلہ میں جناب طاہر سلطانی (کراچی) نے اپنی خصوصی سرگرمیوں کی روشنی میں متعدد شاعروں کے غیر منقوطہ شاعری کے بیشتر حوالے جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ صنعت غیر منقوطہ میں اس خاکسار کے بھی تین اشعار ملاحظہ کر لیں۔

سارے درد و الم سے دور رہا
مدح سرور سے ہر سرور رہا
مدح مولیٰ سے دل مرا مہکے
ہر گھڑی دل الم سے دور رہا
درد دل کو سکوں ملے مالک
درد دل کی دوا کہاں گم ہے

''نعتیہ شاعری کا تاریخی پس منظر'' کے عنوان علیم صبا نویدی کے مضمون کا آغاز بہت عمدہ ہے مگر مضمون مزید جس تحقیقی عمل کا متقاضی تھا اختصار وقلت کے سبب تشنہ رہ گیا۔ ''گوشۂ جامی'' نے دبستان نعت کے معیار و وقار میں نمایاں اضافہ کیا ہے۔ صوفیانہ، عارفانہ، اور نعتیہ شعرائے

فارسی کی صف میں حضرت جامؔی کی حیثیت واہمیت تابندہ وروشن ہے،ان کے تعلق سے سارے ہی مضامین لائق تحسین ہیں بالخصوص ڈاکٹر رضوان انصاری (لکھنؤ) احوال حیات کے ساتھ حضرت جامی کے تقریباً ۲۹ رنعتیہ کلام کا حوالہ مع ترجمہ پیش کر کے کارِ خیر انجام دیا ہے۔دیگر شعرائے نعت کی طرح قدیمی معمول کے تحت محفل سماع میں حضرت جامی کے مندرشہ ذیل کلام پابندی سے پڑھے جاتے ہیں اور بعض حضرات پر وجد وکیف بھی طاری ہوتا ہے۔

ز رحمت یک نظر بر حال زارم یا رسول اللہ
غریبم بے نوایم خاک سارم یا رسول اللہ
یا شافع روز جزا پرساں توئی پرساں توئی
رشک ملک نور خدا انساں توئی انساں توئی

نسیما جانب شہ بطحا گزر کن
ز احوالم محمد را خبر کن

علمائے گھوسی کی نعت نگاری کا ذکر آپنے پہلے ہی شمارے میں کر کے فرصت پالی بہت اچھا کیا۔جناب ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی کومبارکباد پیش کرتا ہوں۔ششماہی دبستان نعت کے پہلے ہی شمارے کے بعد پورا سال گزرگیا،اللہ مدد فرمائے۔اورآپ حضرات کے حوصلوں پر خیر وبرکت کی برسات کرے آمین۔

○○○

پروفیسر ڈاکٹر محمد سعداللہ (مہاراشٹرا)

دبستانِ نعت: ایک تاثر

ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اس کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سب سے اعلیٰ افضل و اکبر ہے۔ اور اس کے بعد رسول اکرم ﷺ افضل البشر کا درجہ ہے۔ آنحضرت کی فضیلت و عظمت کا یہی ثبوت ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وجہ تخلیقِ کائنات فرمایا ہے (**لو لاك لما خلقت الافلاك**) آپ ﷺ کو رحمۃ للعالمین فرمایا ہے (**وما ارسلناك الّا رحمة للعالمين**) اور یہ فرمایا کہ اللہ اور فرشتے آپ ﷺ پہ صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ بھی آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجیں (**انّ الله و ملا ئكته يصلون على النبى يا ايها الّذين آمنوا صلوا عليه و سلموا تسليما**)

حضرت محمد ﷺ نے دنیا میں اللہ کا آخری پیغام قرآن مجید کی شکل میں پہنچایا اور دینِ اسلام پھیلایا۔ آپ ہمارے نبی ہیں اس لئے ہر مسلمان کو آپ ﷺ سے محبت و عقیدت فطری امر ہے۔ جس کا اظہار وہ اپنے اعمال و افعال و اقوال کے ذریعے کرتا رہتا ہے۔ اہلِ دانش و بینش نے احادیث مرتب کر کے، آپ کی سیرت مبارک تحریر کر کے آپ ﷺ کی تعلیمات کی تصریح و تفسیر کر کے، اور شعرائے نے آپ ﷺ کی شان میں نعتیں کہ کر اس فریضہ کو انجام دیا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی شان میں کہی گئی نظم حمد کہلاتی ہے اسی طرح رسول اکرم ﷺ کی شان میں کہی گئی نظم کو نعت کہا جاتا ہے۔ اسلامی زبانوں عربی، فارسی، ترکی، اردو وغیرہ میں نعت گوئی ہمیشہ مروّج و مقبول رہی ہے۔ اس کا آغاز عربی میں ہوا وہاں سے یہ فارسی میں مروّج ہوئی۔ اردو کے گجری و دکنی دور۔ آخری مغلوں کے عہد کے دہلوی و لکھنوئی دور۔ برطانوی عہد کے جدید شاعری کے دور اور آزادی کے بعد ہندو پاک کی شاعری میں نعت گوئی مروّج و مقبول رہی ہے اور بے شمار شعرائے نے نعت کہ کر رسول اکرم ﷺ کی شان میں اظہار خیال کیا ہے۔ اردو چونکہ ہندوستان کے تمام مذہبی

طبقات کے افراد کی لکھنے پڑھنے بولنے کی مشترکہ زبان ہے۔اس لئے اس کی شاعری اور نعت گوئی میں بھی مسلموں کے ساتھ غیر مسلم شعرأ کی تخلیقات ملتی ہیں۔

اردو میں نعت ایک زندہ مشہور ومقبول مروّج صنفِ سخن ہے اور اس کا بے حد وسیع و بسیط وسیع فراہم سرمایہ مہیّا ہو گیا ہے۔ساتھ ہی محققین و نقادانِ ادب نے اس صنف کی تحقیق وتنقید کے کارنامے انجام دئے ہیں۔اس سلسلے میں ناگپور کے ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق اور محمد اسماعیل آزاد فتح پوری کے مقالات اور نور احمد میرٹھی مرحوم کی کتاب غیر مسلم شعرأ کی نعت گوئی قابلِ ذکر ہیں۔ راقم کو ناگپور۔امراوتی جل گاؤں وغیرہ جامعات کی اردو تحقیق کی رہنمائی کے سلسلے میں مختلف ادبی موضوعات کے مطالعہ کا موقع ملا اوران میں نعت گوئی کے سرمایہ۔ارتقأ اور خصوصیات قدر و قیمت واہمیت سے بھی تھوڑی بہت واقفیت ہوگئی۔اور جب مکرمی جناب ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب اور جناب فیروز احمد سیفی صاحب (نیویارک) کی عنایت سے مجلّہ ’’دبستانِ نعت‘‘ کی ایک جلد موصول ہوئی تو اس صنف کے مطالعے وجائزے کا احیأ سا ہوگیا۔راقم کے نزدیک صنف نعت پر یہ ایک بسیط و بلند معیار ادبی معلوماتی تالیف ہے۔اس سے نہ صرف نعت ریسرچ سینٹر، خلیل آباد کے سرپرست جناب پروفیسر ڈاکٹر سید حسین احمد صاحب۔نگراں جناب فیروز احمد سیفی، نیویارک اور مدیر جناب ڈاکٹر سراج احمد قادری کی حضور اکرم ﷺ سے محبت وعقیدت کا اظہار ہوتا ہے۔ بلکہ ان کی بہترین ادبی صلاحیتوں اور ذوق وشوق کا بھی ثبوت مہیّا ہوتا ہے۔ بنظرِ انصاف دیکھا جائے تو یہ اردو نعت کے فکر وفن وسرمایہ پہ معلومات کا بیش بہا خزینہ معلوم ہوتا ہے۔ کتاب کے موضوعات پر نظر ڈالنے سے اس کے متنوع مشمولات کی نوعیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

تحمید وتقدیس کے باب میں تین شعرأ کی حمد باری تعالیٰ پیش کی گئی ہے جو جذبات عبودیت سے پُر ہیں۔گنجینہ نقد ونظر میں فنِ نعت گوئی صنفِ نعت کا فکری وفنی تعارف ہے۔اس کے ارتقأ پر نظر ڈالی گئی ہے۔عربی فارسی اردو زبانوں میں اس صنف کے فروغ کو بیان کیا گیا ہے۔

رحمتِ بیکراں میں ایک غیر مسلم نعت گو شاعر جناب کرشن کمار طور کی نعت گوئی کا جائزہ ہے۔ اور ایک معلوماتی مضمون ڈاکٹر صغریٰ عالم صاحبہ کی نعت گوئی پر ہے جو جناب فیروز احمد سیفی کے زورِ قلم کا ثمر ہے۔

صنفِ نعت کے مختلف پہلوؤں پر مقالات کے باب میں نظر ڈالی گئی ہے۔مختلف موضوعاتِ نعت۔خصوصیات نعت۔ کچھ شعرأ کی نعت گوئی وغیرہ پر فاضل مقالہ نگاروں نے بیش بہا

معلومات فراہم کی ہیں۔

فارسی کے مشہور شاعر۔ مثنوی نگار اور نعت گو مولانا عبدالرحمٰن جامیؔ رحمۃ اللہ علیہ کی نعت گوئی پر تین مقالات اور ان کی فارسی نعت کا ترجمہ ایک خاصے کی چیز ہے۔ اردو والوں کے لئے یہ ایک نعمتِ غیر مترقبہ کی حیثیت کی چیز ہے۔

گلہائے عقیدت۔ مختلف شعراً کے ہدیۂ نعت پر مشتمل ہے۔ یہ نعتیں رسول اکرم ﷺ کی محبت وعقیدت میں ڈوبی ہوئی ہیں۔

اس طرح یہ پوری تالیف صنفِ نعت گوئی۔ اس کی نوعیت حیثیت خصوصیات۔ قدر و قیمت، اہمیت، فکر وفن وغیرہ کی معلومات کا ایک منفرد و بیش بہا خزینہ بن گیا ہے۔ اس کے مرتبین نے ستائش وصلہ کی تمنا و پروا کئے بغیر محض عشق وعقیدتِ رسول ﷺ کے جذبہ سے سرشار ہو کر یہ کارنامہ انجام دیا ہے اس لئے بمصداق "**من یحب الرسول یحب الله**" (جو رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتا ہے اللہ سے محبت کرتا ہے۔) یہ تمام حضرات رسول اکرم ﷺ کے ساتھ اللہ کی محبت کے بھی یقیناً حقدار ہو گئے ہیں۔ جزاک اللہ۔

○○○

متینؔ عمادی (پٹنہ)

جریدہ ’’دبستانِ نعت‘‘ پر ایک نظر

’’دبستانِ نعت‘‘ حمد و نعت کا ششماہی تحقیقی جریدہ ہے جو خلیل آباد، یو۔ پی سے شائع ہوا ہے اور ۴۰۰ر صفحات پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر سید حسین احمد۔ سجادہ نشین دیوان شاہ ارزانی، پٹنہ اس کے سر پرست ہیں۔ معاونین میں سید صبیح الدین صبیحؔ رحمانی، کراچی۔ پاکستان ڈاکٹر عبد القادر غیاث الدین فاروقی (نیو یارک) اور قاضی اسد ثنائی۔ حیدر آباد اور نگراں فیروز احمد سیفی ہیں جو نیو یارک میں رہتے ہیں۔ مدیر میں ڈاکٹر سراج احمد قادری کا نام ہے۔

ایک دن مجھے امریکہ سے فون آیا بات کرنے والے فیروز احمد سیفی تھے جو اس جریدے کے نگراں ہیں ان سے رابطے کا سلسلہ یوں بنا کہ میرا ایک تبصرہ جس کا عنوان تھا مدینہ منورہ سے آنے والی کتب شائع شدہ پندار ان کی نگاہوں سے گزرا شاید مصنف کتاب نے اس تبصرے کو ان کے پاس بھیج دیا تھا۔ تبصرہ پڑھ کر سیفی صاحب نے میرے تبصرے کی تعریف کی اور انہیں اس کا اندازہ ہوا کہ میں بھی شاعر ہوں۔ انہوں نے بہت شستہ و مودبانہ الفاظ میں مجھ سے باتیں شروع کیں۔ اور کہا کہ آپ بزرگوں کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپکا رشتہ بہت مستحکم ہے۔ میرے لیے دعائیں فرمائیے۔ مجھے ندامت کا احساس ہوا کہ ایں خاک را چہ نسبت بہ عالم پاک۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ وہ نعت انسٹی ٹیوٹ قائم کئے ہوئے ہیں آپ نعت لکھتے ہیں یا آپ کے بزرگوں کی نعتیں ہیں تو مجھے بھیجے ان کی گفتگو میں ایسی اپنائیت اور چاشنی تھی کہ میں حیرت زدہ ہو گیا۔ سوچنے لگا کہ امریکہ میں بھی ایسے افراد موجود ہیں جو حُبّ رسول ﷺ سے اس قدر سرشار ہیں کہ نعت انسٹی ٹیوٹ قائم کئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ بہت جلد نعت کا ایک جریدہ منظر عام پر آنے والا ہے۔ آپ کی نعت اُس میں شامل کرونگا میں نے ان کی خواہش کی تکمیل میں کئی نعتیں اور حمد اُنکی خدمت میں بھیج دیں۔ کئی ماہ انتظار کے بعد ایک جریدہ ’’دبستانِ نعت‘‘ کے نام سے موصول ہوا۔

اس جریدہ کو دیکھ کر بے انتہا خوشی ہوئی۔ سیفی صاحب کا نام نگراں کی حیثیت سے دیکھ کر سمجھ میں آیا کہ سیفی صاحب نے اسی جریدے کی طرف اشارہ کیا تھا اور اس میں میری بھی نعت شامل تھی۔

مدیر جریدہ سراج احمد قادری کی کاوشیں سراہنے کی لائق ہیں۔ اس میں کئی ابواب قائم کئے ہیں۔ ان ابواب سے پہلے مدیر نے نعتیہ جریدہ نکالنے کی غرض وغایت بیان کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ’’مجلّہ پیش کرنے کا مقصد حمد ونعت کے فروغ وارتقاً کے حوالے سے ادبا، شعرأ اور محققین کی کاوشوں کو اہلِ علم سے روشناس کرانا ہے۔‘‘ نعتیں اور حمدیں بے شمار لکھی گئی ہیں لیکن یا تو وہ شعرأ کی بیاض تک محفوظ ہیں یا الماریوں کی زینت ہیں۔ مدیر کی مستحسن کوشش ہے کہ عوام کے سامنے اسے منصہ شہود پر لایا جائے اور اس کی جوت سے لوگوں کے دلوں کو جگمگایا جائے۔ لوگ اس عظیم فن کی طرف متوجہ ہوں۔ بہت سے شعرأ ایسے ہیں جنہوں نے اپنی زندگی حمد ونعت کے لیے وقف کردی لیکن وہ عوام الناس کی نگاہوں سے دور ہیں۔ مدیر کا یہ فرمانا ہے کہ دوسری اصنافِ سخن سے نعت کا سرمایہ زیادہ نظر آتا ہے۔ انہوں نے محبتِ رسول ﷺ کے پاکیزہ نقوش وجذبہ کو پیش کرتے ہوئے مشہور شعرأ کے چند اردو نعتیہ اشعار بھی پیش کئے ہیں۔ ان کے پیش کئے ہوئے نعتیہ اشعار کو میں نقل کررہا ہوں۔ آپ دیکھیں کہ بزرگ شعرأ نے کس انداز میں اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے۔

حضور دہر میں آسودگی نہیں ملتی
تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی

علامہ اقبالؔ

کریم اپنے کرم کا صدقہ لئیم بے قدر کو نہ شرما
تو اور رضا سے حساب لینا رضا بھی کوئی حساب میں ہے

حضرت رضاؔ بریلوی

اک رند ہے اور مدحتِ سلطانِ مدینہ
ہاں کوئی نظر رحمتِ سلطانِ مدینہ

جگرؔ مرادآبادی

ہاں ساقیِ کوثر سے صبا عرض یہ کرنا
اک رند سیہ مست بہت یاد کرے ہے

نفیسؔ لاہوری

غمِ رسول فروزاں ہو جس کے سینے میں
وہ ظلمتوں سے گزرتے ہیں روشنی کی طرح

احسان دانش

جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اس مجلّے میں مدیر نے کئی ابواب قائم کئے ہیں۔اب میں ان ابواب کی طرف نگاہ ڈالتا ہوں۔ پہلا باب تحمید وتقدیس ہے۔اس میں تین حمد شامل کی ہے۔ اور یہ لکھا ہے کہ حمد ونعت کا باہمی رشتہ توحید کے مانند ہے۔جس طرح کلمۂ توحید لا الہ الاّ اللہ محمد رسول اللہ ﷺ کے کسی جز کو علاحدہ نہیں کیا جا سکتا ہے اسی طرح حمد ونعت کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا ہے۔اس مجلّے کی پہلی حمد تنویر احمد پھولؔ (نیویارک) کی ہے جن کا تعلق ہندوستان سے ہے لیکن ایک عرصہ سے وہ نیویارک میں رہ رہے ہیں اور اپنی مصروف ترین زندگی کے باوجود حمد ونعت سے شغف رکھتے ہیں اس طرف مائل ہو کر پُر اثر حمد کہتے ہیں۔بطور نمونہ ان کی حمد کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے۔

تو ہے رحمانِ دنیا بقولِ نبی ﷺ سب پہ تیری عطا تو کرم ہی کرم
آخرت میں رحیم اہلِ ایماں پہ تو کون دے گا جزا تو کرم ہی کرم
خوانِ یغما ترا ہے بچھا ارض پر، اپنی مخلوق کا تو ہی رزّاق ہے
منکروں کو بھی دنیا میں ہے دے رہا ، یہ تحمل ترا، تو کرم ہی کرم
عالم الغیب بے شک تری ذات ہے ،تو ہے نعم الوکیل اور غفار بھی
ہم گناہوں کا ہیں بار سر پر لئے ،تجھ سے ہے آسرا تو کرم ہی کرم
تو نے بے مثل قران ہم کو دیا ، ہر ورق میں ہے نورِ ہدایت بھرا
تیرا احسان ہے بعثتِ مصطفیٰ ﷺ تو نے خود ہے کہا، تو کرم ہی کرم

دوسری حمد طاہرؔ سلطانی کی ہے جن کا تعلق پاکستان سے ہے۔طاہرؔ سلطانی نے حمد ونعت کے حوالے سے جو خدمت انجام دیا ہے وہ قابلِ ستائش ہے۔آپ کراچی سے حمد ونعت کا ایک ماہنامہ ''ارمغانِ نعت'' نکالتے ہیں اور حمد ونعت ٹرسٹ قائم کیا ہے۔اس عظیم خدمت کے ذریعہ انہوں نے اپنی شناخت بنائی ہے۔ان کی حمد کے بھی تین اشعار ملاحظہ ہوں۔

دل میں کچھ بھی نہ رہے رب کی محبت کے سوا
اور کیا چاہئے سرکار ﷺ کی چاہت کے سوا

رب کی رسی کو پکڑ، ورنہ بکھر جائے گا
ہاتھ آئے گا نہیں کچھ بھی ندامت کے سوا
کچھ نہیں مانگتا مولا! ترا بندہ تجھ سے
حشر میں سیّدِ عالم کی شفاعت کے سوا

تیسری حمد ابرارؔ کرت پوری کی ہے جو سرزمین دہلی میں قیام فرما ہیں اور حمد و نعت نگاری میں مشغول ہیں۔ان کے یہاں بھی جذبات اور وارفتگی کا اندازہ لگایئے۔

صاحبِ لطف جود و عنایت سخا ربّنا ربّنا آفریں آفریں
تو نے بندوں کو اعزازِ ایماں دیا ربّنا ربّنا آفریں آفریں
دین فطرت کی انساں نے پائی ضیا،گمرہوں کو ملی منزلِ ارتقا
سرورِ دیں سا بخشا گیا رہ نما ،ربّنا ربّنا آفریں آفریں
زندگیٔ بشر زندگی ہوگئی ،ہر طرف دہر میں روشنی ہوگئی
تو نے بخشی کتابِ مبیں کی ضیا ربّنا ربّنا آفریں آفریں

مجلّے کے دوسرے باب کا عنوان ’’گنجینۂ نقد و نظر‘‘ ہے اس میں پانچ مقالے قابلِ مطالعہ ہیں۔میں ان مقالوں کی تفصیل میں نہیں جاونگا۔کیوں نکہ مضمون کی طوالت سے گریز مقصود ہے۔

تیسرے باب کا عنوان ’’رحمتِ بیکراں‘‘ ہے۔اس باب میں دو مقالے ہیں ایک مقالہ نعت گو غیر مسلم شاعر کرشن کمار طورؔ پر ہے جس کو فہیم احمد صدیقی نے تحریر کیا ہے۔دوسرا مقالہ فیروز احمد سیفی کا ہے جس کا عنوان ہے ’’ڈاکٹر صغریٰ عالم ایک خوش فکر نعت گو شاعرہ‘‘ مدیرِ مجلّہ کا بیان ہے کہ ہم نے نظریہ رکھا ہے کہ نعت گو غیر مسلم شعرا اور خواتین کو بھی نعت گوئی میں ان کا جائز مقام دیا جائے۔فیروز احمد سیفی نے صغریٰ عالم کی نعت گوئی کو پیش کرتے ہوئے بڑی عمدہ بات کہی ہے۔ ان کے جملے ملاحظہ کیجیے۔

قدرتِ الٰہی کا نظام کچھ ایسا ہے کہ محبت انسان کا محور و منبع ہے۔اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس وہ ذات ہے جو محبت کا خالق ہے۔پھر عظیم ترین ہستی نیّرِ اعظم ﷺ جن سے خود اس ذاتِ مقدس نے محبت کا حکم صادر فرمایا ہے اور یہی درس دیا ہے کہ یہی صراطِ مستقیم ہے اور خود نبی کی تعریف وتوصیف کو اپنی زبانِ مبارک سے یوں ارشاد کررہا ہے۔**وما ارسلنٰك الّا رحمة للعالمين**۔ مگر اس کج فہمی کو کیا کہیے کہ کچھ ایسے بھی ہیں جو حضور ﷺ کو صرف ایک بشر ماننے پر

مُصر ہیں۔ جبکہ غالبؔ جیسا بادہ نوش شاعر بھی ہوش کے ساتھ کہتا ہے۔

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کہ آں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است

اس مفہوم سے ملتا ہوا اس ناچیز کا بھی ایک شعر دیکھئے۔

نعت گو سب سے بڑا تو ہے مری کیا ہستی
سب تو قراں کے اشارے ہیں وہاں پر یا رب

متینؔ عمادی

جیسا کہ پہلے لکھ چکا ہوں کہ تیسرا باب ''رحمتِ بیکراں'' کے عنوان سے ہے جس میں دو مقالے ہیں پہلا مقالہ غیر مسلم نعت گو شاعر کرشن کمار طورؔ پر ہے ان کے بھی چند اشعار حمد و نعت کے ملاحظہ کے لائق ہیں۔ حمد کے یہ اشعار دیکھئے۔

آجائے کہیں جان مری جان میں مولا
اک حمد لکھوں میں بھی تری شان میں مولا

کرشن کمار طورؔ بھی جگن ناتھ آزادؔ کی طرح مستند نعت گو شاعر ہیں۔ اُنکا ایک مجموعہ نعت ۲۰۰۰ء میں ''چشمِ نم'' کے عنوان سے منظر عام پر آچکا ہے۔ جس میں ۳۵ ر حمد اور پچاس کے قریب نعت و سلام ہیں۔ ایک دو شعر حمد کے اور بھی دیکھئے۔

وہی ہے ہم کو عشقِ غیر فانی باٹنے والا
وہی ہے وعدۂ جنّت فشانی باٹنے ولا
وہی ہے جس نے بخشی ہے ضیأ لفظوں کو قرآن کے
وہی ہے نور علمِ آسمانی بانٹنے ولا

اب اُن کا نعتیہ شعر بھی نقل کر رہا ہوں۔

بیاں نقطہ قرآں محمد ﷺ
چراغِ خانۂ ایماں محمد ﷺ
مرتب اُن سے ہوتی ہے محبت
مثالِ رحمتِ یزداں محمد ﷺ

دوسرا مقالہ جو ڈاکٹر صغریٰ عالم کے نعتیہ شعری مزاج پر ہے ان کا بھی ایک شعر بطور

نمونہ دیکھئے۔

میں نہ لکھ پاؤنگی توصیفِ محمد صغریٰ
اتنا آسان نہیں توصیفِ پیمبر لکھنا

جریدے کا چوتھا باب ''مقالاتِ نعت'' ہے اس باب میں چودہ مقالات ہیں۔ سبھی اپنی الگ نوعیت رکھتے ہیں۔ ان سبھی مقالات پر تنقیدی نگاہ ڈالنا اور انکو احاطہ تحریر میں لانا آسان نہیں ہے۔ میں یہاں صرف ان کے نام گنوا رہا ہوں۔ ان مقالات کے عنوانات یہ ہیں۔

حرفِ آرزو، ناعت پر فیضانِ منعوت، انسان کامل ﷺ کا ذکرِ خیر، مظفر وارثی کا حمدیہ آہنگ، طاہر سلطانی کے نعتیہ کلام (نعت روشنی) کا تنقیدی جائزہ، غیر منقوط حمدیہ و نعتیہ شاعری کا اجمالی جائزہ، حمدِ الٰہ جلّ جلالہ و مدحِ رسول ﷺ، میلادِ اکبر ایک مطالعہ، نعتیہ شاعری کا تاریخی پسِ منظر، مقبولِ بارگاہِ رسالت نعت گو شاعر حضرت رؤف امروہوی، اعجاز کامیٹھوی کی نعتیہ شاعری، علماً گھوسی کی نعت نگاری، مولانا فروغ اعظمی اور ان کی نعتیہ شاعری، نثار کریمی ایک قادرالکلام نعت گو شاعر، ان مقالات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مدیر موصوف نے سعیِ بلیغ سے کام لیا ہے۔ اور نعتیہ و حمدیہ شاعری پر اچھا مواد فراہم کیا ہے۔

اس جریدے کا پانچواں باب گوشۂ جامیؔ کے عنوان سے ہے جس میں حضرت جامیؔ پر چار مضامین ہیں۔ ان مقالات میں جامیؔ سے متعلق اچھے خاصے تذکرے ہیں۔ ان کی مشہور فارسی نعتوں کا اردو ترجمہ بھی ہے۔ جامیؔ وہ شاعر تھے جو ہر وقت محبت رسول ﷺ میں ڈوبے رہتے تھے ان کے کلام میں جو تاثیر ہے وہ کم شاعروں کے کلام کا خاصہ ہے۔ ان کا متصوفانہ رنگ دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔ جامیؔ کے حالات سے متعلق میں نے کسی کتاب میں پڑھا تھا یا کسی سے واقعہ سن رکھا تھا یہاں ضمناً تحریر کر رہا ہوں۔ جو دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ کہ جامیؔ جب بھی روضۂ رسول ﷺ پر حاضری کی خواہش لے کر روانہ ہوتے بادشاہِ وقت کو حضور ﷺ سے حکم ملتا کہ جامیؔ آ رہا ہے اس کو لوٹا دو۔ اس طرح حاضری کے بغیر لوٹا دیئے جاتے۔ آخر ایک بار بادشاہِ وقت نے ہمت کر کے پوچھ لیا کہ حضور! وہ اتنا ذوق وشوق سے آتا ہے اور آپ لوٹا دیتے ہیں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا تم نہیں جانتے ہو وہ میرا عاشق ہے اگر آ جائے گا تو مجھے قبر سے نکل کر اُس کا استقبال کرنا ہوگا۔ اور میں قبر سے نکل جاؤنگا تو دنیا میں تہلکہ مچ جائے گا۔ اس واقعے سے اندازہ لگایئے کہ جامیؔ کا کیا مقام تھا۔ مدیر نے اس جریدے کو جامیؔ سے منسوب بھی کیا ہے۔ تنویر احمد پھولؔ نیویارک نے جامیؔ کی چند مشہور نعتیں

پیش کی ہیں اور اُنکا اردو ترجمہ بھی لکھا ہے ان کی پیش کردہ نعتوں کے چند اشعار مع ترجمہ دیکھئے۔

دو چشمِ نرگسینس را کہ ما زاغ البصر خواند
دو زلفِ عنبرینش را کہ والیّل اذا یغشیٰ

ترجمہ! حضور ﷺ کی دو نرگسی آنکھیں مجھے مازاغ البصر پڑھنے کو کہتی ہیں۔ اور دو عنبریں زلفوں کا کہنا ہے کہ ہم والیّل اذ یغشیٰ پڑھیں۔

ز سرّ سینہ اش جامیؔ الم نشرح لک بر خواں
ز معراجش چہ می پرسی کہ سُبحان الذی اسریٰ

ترجمہ! اے جامیؔ تو حضور ﷺ کے سینہ اطہر کے راز کے بارے میں الم نشرح پڑھ لے اور ان کی معراج کی شان کیا پوچھنا **سُبحان الذی اسریٰ** سے ظاہر ہے۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جامیؔ کے اشعار میں عقیدت کے جو پہلو ہیں وہ بڑی کیفیت رکھتے ہیں۔ اُن کا یہ شعر بھی بہت مشہور ہوا ہے۔

ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب
ہنوز نامِ تو گفتن کمالِ بے ادبیست

اب گوشۂ جامیؔ کے علاوہ اس جریدے کے چند مقالے ایسے ہیں جن پر نگاہِ شوق ٹھہر جاتی ہے جیسے ایک مقالہ ہے۔ ''مظفرؔ وارثی کا حمدیہ آہنگ'' اس کے قلم کار ڈاکٹر عزیز احسن ہیں۔ حمدیہ شاعری وہ ہے جس میں ربّ ذوالجلال کی حمد و ثنا کا اظہار ہوتا ہے۔ ایک بندہ اپنے خالق کی جتنی بھی تعریف کرے، جتنی بھی ثنا کرے کم ہے۔ وہ کرم و فضل کا ایسا بہتا دھارا ہے جس کو توصیف کی زبان دینا مشکل ہے۔ بہترے شعرا حیرت و استعجاب میں ڈوب جاتے ہیں۔ دیکھئے خسروؔ کس انداز سے فرماتے ہیں۔

ما یم تحیر و خموشی ہمہ آفاق بگفتگو یت

اور خدا بھی فرما رہا ہے تم میری کن کن نشانیوں کے منکر بنو گے۔ شاعر اپنی بساط بھر کوشش کرتا ہے کہ شاید اُسکا ایک شعر بھی مقبولِ بارگاہ ہو جائے اور نجات کا ذریعہ بن جائے۔ مظفرؔ وارثی کا حمدیہ آہنگ بڑا دلکش ہے۔ انہوں نے اپنے تحت الشعور کو مسجد قرار دیتے ہوئے کس خوبی سے کہا ہے۔

مسجد الفاظ میں بھی دے رہا ہوں میں اذاں
میرا فن ، میرا ہُنر، میرا ادب تیرے لیے

اس مضمون میں انکے بہت سے اچھوتے اور دلکش حمدیہ اشعار بھی ہیں۔ مگر میں ان کے چند اشعار پیش کر کے اپنی تنقیدی نگاہ کو سمیٹ رہا ہوں، آپ ان کے اشعار سے لطف اندوز ہوں۔

زمینِ تیرہ کے منھ سے لگا دیا کس نے
مہ و نجوم بھرا آسماں کا پیالہ

میں ان اشعار کو پڑھکر خود عجیب کیفیت میں ڈوب گیا ہوں۔ جی چاہتا ہے کہ ان کے چند شعر اور بھی آپ کے گوشِ گزار کر دوں۔ وحدت الوجود کے مسئلہ کو بڑی خوبی سے مظفؔر وارثی نے اپنے اشعار میں ڈھال لیا ہے۔

خدا ہے ایک مگر ایک کی بھی حد میں نہیں
اکائی اس کی کسی زمرہ ٔ عدد میں نہیں

مظفؔر وارثی کی حمدیہ شاعری میں جو تنوع اور ہنر مندی کے پہلو ہیں وہ بے شمار اور قابلِ دید ہیں۔ چند اشعا اور پیش کر کے اپنی بات کو ختم کرر ہا ہوں ان اشعار کو دیکھئے اور جھوم جائے۔

دنیائے رنگیں کی دلہن جاتے لمحوں کی ڈولی میں
شبنم کی ابرق پھولوں پر موتی دریا کی جھولی میں
یہ کس کی مینا کاری ہے ! کون ایسی خوبیوں والا ہے؟
بندو اللہ تعالیٰ ہے

دوسرا مقالہ جس نے میری دید کو اپنی طرف کھینچا ہے وہ ہے طاؔہر سلطانی کے نعتیہ کلام ''نعت روشنی'' کا تنقیدی مطالعہ ہے۔ اس مقالے میں طاؔہر سلطانی کی نعتیہ شاعری پر روشنی ڈالی گئی ہے اور مقالہ نگار نے یہ بتانے کہ کوشش کی ہے کہ طاؔہر سلطانی نے سرکار دو عالم ﷺ کی عملی زندگی کو ماحصل بنانے پر زور دیا ہے اور یہ بتایا کہ سرکار دو عالم ﷺ کا اسوہ ہی ایک مومن کی اصلی زندگی ہے۔ بطور نمونہ ان کے چند اشعار دیکھئے۔

سرورِ دیں کا اگر سامنے کردار رہے
مہکا مہکا ہوا پھر اپنا بھی کردار رہے
آپ کی نسبت سے ہم کو روشنی مل جائے گی
آپ کے علم و عمل سے آگہی مل جائے گی

جو غلام سید ابرار دل سے بن گیا
اس کو رحمت سے مزّین زندگی مل جائے گی

اس جریدے کے اہم مقالوں میں غیر منقوط حمدیہ ونعتیہ شاعری پر یہ بہت اہم مقالہ ہے۔ اس کو طاہر سلطانی نے بڑی محنت سے لکھا ہے۔ غیر منقوط کلام وہ بھی حمد و نعت میں مشکل امر ہے۔ اکبر بادشاہ کے دربار میں رہنے والے فیضی نے ''سواطع الالہام'' نام کی غیر منقوط تفسیر قرآن لکھ کر دنیا میں اپنا نام روشن کیا گرچہ وہ تفسیر مکمل نہیں ہے پھر بھی اُنکا یہ کارنامہ شہرت کا سبب بنا۔ اسی طرح کچھ اور خوش نصیب افراد نے غیر منقوط سیرت لکھنے کی کوشش کی ہے جن میں ایک نام ولی رازی کا ہے۔ غیر منقوط حمد و نعت لکھنے والے شعرأ خال خال ہیں لیکن مقالہ نگار طاہر سلطانی نے اپنی تحقیق سے دس غیر منقوط کلام لکھنے والے شعرأ کے نام لیئے۔ یہاں میں ان شعرأ کی جھلکیاں ہی پیش کر رہا ہوں۔ مقالہ نگار نے یہ بات بھی لکھی ہے کہ یوں تو بیسوں غیر منقوط حمدیہ ونعتیہ اشعار لکھنے والے شعرأ ہیں لیکن انہوں نے صرف انہیں شعرأ کو لیا ہے جن کا کلام زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آ چکا ہے۔ اس غیر منقوط کلام میں انہوں نے پہلا نام سیّد محمد امین عالی شاہ کا لیا ہے ان کے دو غیر منقوط مجموعے منظرِ عام پر آئے ہیں۔ انہوں نے عربی زبان میں بھی غیر منقوط کلام پیش کئے ہیں۔ اس مجموعہ کا نام ''محمد رسول اللہ'' ﷺ رکھا ہے اور اردو میں غیر منقوط کلام کے مجموعہ کا نام ''محمد ہی محمد'' ﷺ رکھا ہے۔ عربی مجموعہ میں ۳۳ منظومات ہیں جن میں ۱۲ حمدیں ہیں، اکیّس نعتیں ہیں۔ نعت و حمد سے پہلے نثری طور پر آغاز کلام بھی کیا جو غیر منقوط ہے۔ میں اس کی سطریں نہیں پیش کر کے شاعری کی صلاحیت واضح کر رہا ہوں ملاحظہ کیجئے:-

''کروڑوں حمد ہوں سارے عالم کے مالک و مولا اور حاکمِ اعلیٰ کے لیئے کہ اس کی امداد و عطا سے سرکار دو عالم سرورِ اولادِ آدم صلی اللہ علیٰ زوجہ واٰلہٖ وسلم کے سارے مدح سراوں سے اوّل اس لاعلم اور معمولی آدمی کو اس رسالہ کی لکھائی کا حوصلہ ہوا کہ اس کا ہر کلمہ اور مصرع اردوئے معرّا ہے مسطور اور مہر ولائے رسول سے معمور ہے۔''

اب ان کے غیر منقوط کلام کا کچھ نمونہ دیکھئے۔

ہادئ راہ مولیٰ الوریٰ آ گئے
سارے عالم کے صدرالعلیٰ آ گئے

ہو کے اللہ کے محمود حامد مگر
دہر کے دردِ دل کی دوا آ گئے
مرسلوں کے امام و حسام الہ
سرورِ کُل، دلِ دوسرا آ گئے

اب ان کے حمدیہ اشعار بھی ملاحظہ کیجئے۔

صدائے دورِ عطا لا الہ الا اللہ طوائے راہ ہُدیٰ لا الہ الا اللہ
وہی ہے عالمِ امکاں کا مالک و مولیٰ دوائے دردِ ولا لا الہ الا اللہ
اسی کے در کا سہارا ہے سارے عالم کو رسل کا ورد ہوا لا الہ الا اللہ

مقالہ نگار نے دوسرے شاعر راغبؔ مرادآبادی کو فہرست میں رکھا ہے۔ راغبؔ مرادآبادی نے ''مدحِ رسول'' ﷺ کے نام سے اپنا غیر منقوط نعتیہ کلام ۱۹۷۹ء میں مرتب کر لیا تھا لیکن ان کے مجموعہ کی اشاعت ۱۹۹۳ء میں ہوئی۔ یہ مجموعہ ۱۷۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ ان کے چند اشعار بطور نمونہ ملاحظہ کیجئے۔

محمد کو داد مدّعا لکھ
دو عالم کا سہارا آسرا لکھ
محمد راکع و حماد مولا
اٹھا کلک اور رودادِ حرا لکھ

تیسرے شاعر حضرت شاعرؔ لکھنوی ہیں۔ ان کا شمار ممتاز صاحب طرز نعت گو شعرأ میں ہوتا ہے۔ ان کا مجموعہ نعت غیر منقوط ''روحِ الہام'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس میں حمد و نعت اور قطعات و رباعیات شامل ہیں۔ اس کی اشاعت کا موقع ۲۰۱۱ء میں ہوا اگر چہ ۱۹۷۶۔۷۷ء میں مرتب ہو چکا تھا۔ شاعر کا انتقال ۱۹۸۹ء میں ہوا ہے۔ مقالہ نگار نے یہ لکھا ہے کہ غیر منقوط کلام کے وصف میں وہ سب کو پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ میکانکی پابندی کے باوجود ان کا کلام بوجھل ادق اور بے روح نہیں ہے۔ بلکہ ان کی شگفتگی اور بے ساختگی قابلِ دید ہے۔ گویا یہ فنی جمالیات کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ میں یہاں قاری کی ضیافت طبع کے لئے ان کی صرف ایک غیر منقوط رباعی پیش کر رہا ہوں۔

ہر گرد سے روح و دل کو سادہ کر لو
ہر لمحہ درودوں کا اعادہ کر لو

مائل ہو کوئی وسوسۂ دہر اگر
سرکار کی مدح کا ارادہ کر لو

شاعر کے مجموعہ نعت وحمد میں ۶۳ رقطعات ہیں۔ یہ تعداد رسول خدا ﷺ کی حیاتِ مبارکہ سے منسوب ہے۔ فاضل مقالہ نگار نے چوتھے غیر منقوط نعت گوشعرائیں لطیفؔ اثر کا نام لیا ہے۔ ان کے دو غیر منقوط حمد ونعت کے مجموعے ہیں۔ پہلا غیر منقوط مجموعہ ''سرکار دوعالم'' نام سے ہے۔ اور غیر منقوط حمد یہ کا نام اہم ہے۔ ان کے بھی دو تین حمد یہ اور نعتیہ اشعار دیکھئے۔

حمد اللہ کی لکھ رہا ہوں
لمحہ لمحہ اسی کا ہو گیا ہوں
مالکِ دو سرا مدد کر دے
ہر رحم و ہر کرم کی حد کر دے
دل سے اٹھے صدائے اللہ ھو
دل کو گہورۂ احد کر دے
اللہ کے رسول کا کلمہ ادا کروں
اور عام دل کے واسطے راہ ہدیٰ کروں
دل کو مرے ملے درِ احمد کھلا ہوا
ہر لمحہ محو درسِ محمد رہا کروں

مقالہ نگار نے پانچویں شاعر تابش الوریٰ کو پیش کیا ہے۔ ان کے غیر منقوط مجموعہ نعت کا نام ''سرکارِ دوعالم'' ہے۔ یہ مجموعہ ۱۰۶ ر صفحات پر مشتمل ہے ان کے بھی چند اشعار دیکھئے۔

مالک الملک ہے وہ ملک ہے سارا اسکا
آسماں اسکا سمک اسکا ہے صحرا اس کا
لہر در لہر رواں اس کا کرم اس کی عطا
ساحل اس کا ہے ہوا اس کی ہے دھارا اسکا
میرے اللہ مرا ولولہ اعلیٰ کر دے
میرا ہر کام محمد کے حوالہ کر دے

چھٹے شاعر قریشیؔ کو مقالہ نگار سامنے لایا ہے اور ان کے کئی غیر منقوط اشعار کو اپنے مقالے

میں لکھا ہے۔ان میں سے ایک دو شعر آپ بھی سماعت کیجئے۔ ؎

محمد ﷺ سا کوئی ہے طٰہٰ دکھا دو
کسی کا محمد ﷺ سا اسوہ دکھا دو
محمد ﷺ کے کلمے سا کلمہ ہے کس کا
محمد ﷺ سا اک حلم ولا دکھا دو

چونکہ میرا تبصرہ بہت طویل ہو گیا ہے اور چار سو صفحات کی کتاب پر مکمل تبصرہ معنی رکھتا ہے اس لیے تمام شاعر کے نمونہ کلام کو پیش نہ کر کے صرف ان کے نام پر اکتفا کر رہا ہوں۔اس مقالے کے ساتویں شاعر صادقؔ بستوی ہیں ان کی کتاب کا نام ''ہادی عالم'' ہے۔جس میں نثری غیر منقوط تحریر کے ساتھ کچھ غیر منقوط اشعار بھی ہیں۔آٹھویں شاعر ظفرؔ ہاشمی قادری ہیں۔ ان کے مجموعہ کا نام ''معلمِ عالم'' ہے۔جو ۹۹ ر غیر منقوط نعتوں پر مشتمل ہے۔مقالہ نگار نے نواں نام قدرت اللہ بیگ راؔو ملیح آبادی کا لیا ہے۔راؔو ملیح آبادی کہنہ مشق شاعروں میں تھے۔ ان کا سنِ ولادت ۱۸۳۷ء ہے۔ان کا بڑا کارنامہ غیر منقوط فارسی مثنوی ہے جس کا نام ''مطالع المحامد'' ہے۔اس میں چار ہزار تین سو چھپن اشعار ہیں۔اس میں ایک قصیدۂ نعتیہ بھی ہے۔جوشؔ ملیح آبادی نے اپنی کتاب ''یادوں کی بارات'' میں حضرت راؔو کا ذکر خیر کیا ہے۔ آخر میں دسویں شاعر کی حیثیت سے مقالہ نگار نے محسنؔ ملیح آبادی کا نام لیا ہے یہ زود گو اور قادر الکلام شاعر ہیں ان کے کچھ اشعار بطور نمونہ پیش ہیں۔جس سے ان کی علمی صلاحیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، ملاحظہ ہو۔ ؎

ہے اللہ کا ہمسر کہاں اللہ اللہ
وہی ہے ہر اک سے کلاں اللہ اللہ

حمدیہ اشعار:-

کہاں آئے گا وہ سر دل کسی کے
کہ وہ ہے ورائے گماں اللہ اللہ

نعتیہ اشعار:۔

علم و عمل کی آگہی صلِ علیٰ محمد ﷺ
علم ہے اس کا سرمدی صلِ علیٰ محمد ﷺ

سارے رسولوں کا امام اس کی عطا دوام
اللہ رے اس کی سروری صلِ علیٰ محمد ﷺ

یہ مقالہ بہت عمدہ مقالوں میں ہے اور تحقیقی مقالہ ہے۔ اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ صنعتِ عاطلہ میں جن شعرأ نے کلام لکھے وہ قابلِ مبارک ہیں ''دبستانِ نعت'' کا آخری باب کا عنوان '' گلہائے عقیدت'' ہے۔ جس میں ۴۳ رشعرأ کی ایک مکمل نعت پیش کی گئی ہے۔ جس میں علیم صبا نویدی کی سہ سطری شاعری بھی ہے اس کے علاوہ ایک شاعر کا نعتیہ دوہا بھی ہے۔ چہار دراک یعنی (Foure in one) کے عنوان سے ایک قابلِ دید نعت بھی ہے۔ مجلّے کے آخر میں مدیر نے اور فیروز احمد سیفی نے اہلِ علم و ادب سے گذارش کی ہے کہ اپنا معیاری کلام اور مضامین بھیجیں تاکہ مجلّہ کو عمدہ سے عمدہ بنایا جائے۔ میں ڈاکٹر سراج احمد قادری اور فیروز احمد سیفی کو دل کی گہرایوں سے مبارک باد پیش کرتے ہوئے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کے عمل کو قبول کرے اور ان کے درجات بلند کرے آمین۔

○○○

اقبالؔ اعظمی (یوپی)

''دبستان نعت پر ایک عمیق نظر''

محترم جناب ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب
ایڈیٹر ''دبستانِ نعت''
خلیل آباد، سنت کبیر نگر

سلام مسنون

امید کہ آپ بخیر ہوں گے۔ آپ کے تحقیقی مقالے ''نعتیہ روایت کا عروج وارتقاء'' کے توسط سے میں آپ کو کئی برسوں سے جانتا ہوں۔ آپ کی ادارت میں نکلنے والے نعتیہ جریدے ''دبستانِ نعت'' کا پہلا شمارہ جنوری تا جون ۲۰۱۶ء ہمارے بھتیجے مولانا وصال احمد اعظمی صاحب کے بدست موصول ہوا۔ مکمل طور پر تو نہیں مگر کہیں کہیں سے اس کا مطالعہ کیا۔ آپ اس جریدے کے ذریعہ گمنام اور ایسے نعت گو شعرأ کو متعارف کرانا چاہتے ہیں جن پر اہلِ قلم نے یا تو اب تک قلم ہی نہیں اٹھایا اور قلم اٹھایا بھی تو ان پر بہت کم لکھا گیا۔ آپ کا یہ جذبہ قابلِ تحسین ہے۔

پہلے ہی شمارے میں آپ اپنے مقصد میں بہت حد تک کامیاب نظر آتے ہیں کیوں کہ آپ نے اس میں کئی اہلِ علم قلم کاروں اور شعرأ کو متعارف کرایا ان سے اکثر لوگ ناواقف ہیں۔ یہاں تک کہ میرے ہی قصبے گھوسی کے ۳۷ نعت گو علماً کی فہرست جناب مولانا ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی صاحب نے پیش کی ان میں سے کئی ایسے نام ہیں جنہیں میں بحیثیت شاعر نہیں جانتا تھا۔

مجموعی طور پر تمام مضامین معلوماتی اور قابلِ ستائش ہیں۔ اگر چہ اس شمارے میں کہیں کہیں کتابت کی غلطیاں پائی جا رہی ہیں مگر جریدے کی اہمیت پر ان کا اثر پڑنے کا امکان کم ہے۔ اس کے علاوہ کچھ دیگر خامیاں بھی در آئی ہیں۔ چند کا ذکر یہاں کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔

''اسلام کے اساطیر الاوّلین کا مثالی کردار پیش کر سکتے ہیں۔ (ص ۱۴)

اساطیر ! عربی، مونث، اسطارہ اور اسطورہ کی جمع، قصے کہانیاں۔

اساطیر الاوّلین ! اگلے لوگوں کے قصے کہانیاں (فیروز اللغات جلد کلاں)

اساطین ! عربی، مذکر، اسطوانہ کی جمع، بہت سے ستون (فیروز الغات)

لہٰذہ ''اساطیر الاوّلین'' کی بجائے ''اساطین امت'' ہونا چاہیئے۔

''ماضی کے دریچوں کو جھانک کر دیکھتے ہیں'' (ص۹) ''کو'' کی بجائے ''سے'' ہونا چاہیئے۔

''بالکل کلمۂ توحید کے مانند ہے۔'' (ص۱۱) ''کے'' کی بجائے ''کی'' ہونا چاہیۓ۔

نعتیہ نظم (ص۳۵۴) یہ نظم بحرِ متقارب فعولن۔فعولن۔فعولن۔فعولن پر کہی گئی ہے۔

گل ہائے مدحت کے گجرے صبا اپنے آنچل میں اس در کی مٹی کا غازہ چھپاتی رہے گی۔لیکن پہلے مصرع میں فعلن فعولن فعولن ہے اور بقیہ تمام مصرعوں میں فعولن فعولن فعولن ہے۔

تقطیع ! گُل ہائے مدحت کِ گجرے

فعلن فعولن فعولن

صبا اپ نِ آچل م اس درکِ مٹی کَ غازہ چھپاتی رہے گی

فعولن فعولن فعولن فعولن فعولن فعولن

''اگر سنجیدگی سے غور وخوض کیا جائے تو حمد و نعت سے زیادہ سچی شاعری کسی اور بھی صنف نے اہلِ علم وادب کو دیا ہی نہیں'' (ص۱۰)

''دیا'' کی بجائے ''دی'' ہونا چاہیۓ۔

ولادت مصطفوی ﷺ (ابوالخیر کشفی) (ص۳۴۸)

یہ نعت بحرِ ہجز مثمن سالم پر ہے۔یعنی ایک مصرع میں مفاعیلن چار بار آئے گا۔جبکہ اس نعت کے ایک مصرع میں مفاعیلن تین بار اور ایک مصرع میں پانچ بار آیا ہے۔بقیہ مصرعوں میں چار چار بار مفاعیلن آیا ہے۔ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) نگاہِ کفر وظلمت ہوگئی اندھی

تقطیع ! نگاہِ کف رُظلمت ہوگئی اندھی

مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

شیاطیں اس طرح بھاگۓ کہ جیسے ابرہہ کی فوج بھاگی تھی

تقطیع ! شیاطی اس طرح بھاگے کِ جیسے اب رہہ کی فوج بھاگی تھی

مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

مقبول وہ بندہ جو بندہ ہے خدا کا (چندر بھان خیال،ص ۳۶۰)

اس میں بندہ کے بعد ’’ہے‘‘لفظ چھوٹ گیا ہے۔

اس کو یوں پڑھئے!

مقبول وہ بندہ ہے جو بندہ ہے خدا کا

ادھومہا جن بسمؔل (ص ۳۶۱)

(۱) آنسو کا ہر اک قطرہ پھر مثلِ گوہر ہوگا۔ کتابت میں ’’گہر‘‘ کی جگہ ’’گوہر‘‘ چھپ گیا ہے۔اس کو یوں پڑھئے!

آنسو کا ہر اک قطرہ پھر مثلِ گہر ہوگا۔

(۲) بند کر کے نگاہوں کو جائے گا جو طیبہ
چوکھٹ پہ محمد کے پھر اہلِ نظر ہوگا

یہ نعت بحرِ ہزج اخرب مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن پر کہی گئی ہے۔

پہلا مصرع ساقط الوزن ہے۔طیبہ کے بعد لفظ ’’جو‘‘ ہونا چاہئے۔

دوسرے مصرع میں چوکھٹ کو بطورِ مذکر استعمال کیا گیا ہے، جبکہ چوکھٹ مؤنث ہے۔لہٰذا دوسرے مصرع میں ’’کے‘‘ کی بجائے ’’کی‘‘ ہونا چاہئے، دونوں مصرعوں کو یوں پڑھا جائے!

بند کر کے نگاہوں کو جائے گا جو طیبہ
چوکھٹ پہ محمد کی پھر اہلِ نظر ہوگا

تقطیع! بدکرک نگاہوکو جائے گ جُ طیبہ کو

مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن

’’یہ بات عام طور پر مانی جاتی تھی کہ شاعر کے کلام میں طلسماتی طاقت ہوتی ہے اور ان پر جنات قابو ہیں‘‘ (فنِ نعت اور نعت گوئی از ڈاکٹر خسرو حسینی،ص ۳۳)

’’قابو‘‘ کی بجائے ’’قابض‘‘ ہونا چاہئے۔

’’قرآن مجید کی بلیغ و فصیح بیانی نے عربوں کے فخر اور احساس برتری، جو ان کے شعر و سخن کی وجہ سے تھی‘‘ (ص ۳۴)

’’قرآن مجید کے فصیح و بلیغ طرزِ بیان نے‘‘ ہونا چاہئے۔

''اللہ تعالیٰ نے شاعر کو مجنوں ضرور کہا ہے۔''
وہ کون سی آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے شاعر کو مجنوں کہا ہے؟
''جن کے فعل وقول میں کوئی مناسبت نہیں۔'' (ص۳۴)
''جن کے قول وفعل'' ہونا چاہیئے۔
''یعنی سب سے بہتر شعر وہ ہے جو سب سے زیادہ جھوٹ کا حامی ہے'' (ص۳۴)
''حامی'' کی بجائے ''حامل'' ہونا چاہیئے۔
''حقیقت نگاری اور کردار آموزی وغیرہ وغیرہ داخل ہوکر شعر وسخن کو ایک مقصد عطا کیا۔'' (ص۳۵)
''آموزی'' کی بجائے ''سازی'' اور وغیرہ وغیرہ کے بعد ''نے'' ہونا چاہیئے۔
''ترجیح بند''۔ (ص۳۶) یہاں پر ''ترجیع بند'' ہونا چاہیئے۔
''الدائح النبویہ'' (ص۳۶)
''المدائح النبویہ'' ہونا چاہیئے۔
''سامنے آنے والے نئی ہیئتیں'' (ص۳۷) ''والے'' کی بجائے ''والی'' ہونا چاہیئے۔
''ہم یہاں پر'' (ص۳۸) ''پر زائد'' ہے۔
''فنِ شعر کے وہ سارے اصناف فنِ نعت میں کامیابی کے ساتھ آزمائے گئے ہیں۔'' (ص۴۳)
اصناف! صنف کی جمع، قسمیں (مونث) فیروز الغات۔ ''سارے'' کی بجائے ''ساری'' اور ''آزمائے گئے ہیں۔'' کی جگہ ''آزمائی گئی ہیں'' ہونا چاہیئے۔
''ترجیح بند'' (ص۴۳) ''ترجیع'' بند ہونا چاہیئے۔
''جنہوں نے نعتیں بھی کہی'' (ص۴۳) ''کہی'' کی بجائے ''کہیں'' ہونا چاہیئے۔
''جنہوں نے چند ہی نعت کہے ہیں۔'' (ص۴۳) ''کہے'' کی بجائے ''کہی'' ہونا چاہیئے۔
''ان کی شہرت زیادہ ان نعتوں کی وجہ ہوگی۔'' (ص۴۳) ''وجہ سے ہوئی۔'' ہونا چاہیئے۔
''تیسری جماعت کو سب سے زیادہ اہم اور قابلِ الذکر شعرأ سے توصیف کرتے ہیں۔'' (ص۴۴)
''سب سے زیادہ اہم اور قابلِ ذکر شعرأ کے اوصاف سے متصف کرتے ہیں۔'' ہونا چاہیئے۔
''جو شعرأ حفظ مراتب کا خیال نہ رکھتے ہوں وہ انتہائی ضلالت پر اتر آنے کے مترادف ہے۔'' (ص۵۱) ''جو شعرأ حفظِ مراتب کا خیال نہ رکھتے ہوں ان کا یہ عمل انتہائی ضلالت پر اتر آنے کے مترادف ہے۔'' ہونا چاہیئے۔

''اعتراضات جذبۂ ظاہری کو نمایاں کرتی ہیں'' (ص ۵۱) ''کرتی'' کی بجائے ''کرتے'' ہونا چاہیئے۔

''جو بھی احساسات اور جذبات شعر کے ذریعہ نمودار ہوں گے ان کو صرف ادبی سطح پر پڑھا جائے گا بلکہ وہ عوام تک پہنچیں گی۔'' (ص ۵۲)

''صرف'' کی بجائے ''نہ صرف'' اور ''گی'' کی بجائے ''گے'' ہونا چاہیئے۔

''عربی میں جمع مذکر حاضر کی ضمیر انتم واحد مذکر کی جگہ شاید ہی استعمال ہوا کرتا ہے۔'' (ص ۵۳)

''کرتا'' کی بجائے ''کرتی'' ہونا چاہیئے۔

''جہاں نعت شریف لکھا جارہا ہے۔'' (ص ۵۴) نعت (مونث) مدح، تعریف (فیروز الغات)

''لکھا جارہا ہے'' کی بجائے ''لکھی جارہی ہے'' ہونا چاہیئے۔

''لحن کی وجہ کوئی کمی بیشی نہ ہونے پائے'' (ص ۵۴) ''لحن کی وجہ سے'' ہونا چاہیئے۔

''جس کی وجہ سامعین کے توجہ کی یکسوئی میں فرق پڑ جائے۔'' (ص ۵۴)

توجہ:۔ (مونث) رغبت، خیال، مہربانی (فیروز الغات) ''جس کی وجہ سے سامعین کی توجہ'' ہونا چاہیئے۔

''نعت خواں کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ الفاظ کو صحیح رکھے اور غلط نہ پڑھیں۔'' (ص ۵۴)

''پڑھیں'' کی بجائے ''پڑھے'' ہونا چاہیئے۔

''سامعین نعت پر بھی اوپر بیان کی ہوئی شرائط لازم آتے ہیں۔'' (ص ۵۴)

شرائط:۔ (مذکر، مونث) شرط کی جمع (فیروز الغات)

بطور مذکر:۔ اوپر بیان کئے ہوئے شرائط لازم آتے ہیں۔ ہوگا۔

بطور مونث! اوپر بیان کی ہوئی شرائط لازم آتی ہیں۔ ہوگا۔

''صوفیہ کرام نے نہ صرف فن شعری میں بلکہ فن نثر میں بھی نعت کہی ہے۔'' (ص ۵۵)

''صوفیہ'' کی بجائے ''صوفیا'' اور شعری کی بجائے ''شعر'' ہونا چاہیئے۔

''ان کی تصانیف میں جا بجا نعتیہ اشعار بھی درج ہیں جو خود کی کہی ہوئی ہیں۔'' (ص ۵۵)

''کہی ہوئی'' کی بجائے ''کہے ہوئے'' ہونا چاہیئے۔

''صوفیہ کرام کا کلام'' (ص ۵۵) ''صوفیائے'' ہونا چاہیئے۔

حافظ شیرازی کے اشعار (ص ۵۵)

(۱) اے خسر وخوباں نظری سوئے گدا کن
رحمی بمن سوختہ بے سرو پا کن

اس شعر میں دوسرا مصرع بحر سے خارج ہے۔ یہ دونوں اشعار بحر ہزج اخرب مقصور محزوف بروزن مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن پر کہے گئے ہیں۔

''نظری'' اور ''رحمی'' کو ''نظرے'' اور ''رحمے'' لکھنا چاہئے۔

دوسرا مصرع:۔ ''رحمے بمن سوختہ جاں بے سرو پا کن'' ہونا چاہے۔

تقطیع:۔ اے خسرِ وِخوبان نظرے سوئے گدا کن
مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن
رحمے ب منے شوخ تَ جا بے سَ رُ پا کن

(۲) دارد دل درویش تمنائے نگاہے
زاں چشمِ سیہ مست بیک غم زدہ روا کن

(درویش کا دل ایک نگاہ کی تمنا رکھتا ہے۔ اس مست اور کالی چشم کی ایک ادا سے حاجت روائی کر دینا)

دوسرا مصرع بحر سے خارج ہے۔ ''غم زدہ روا کن'' کا ترجمہ ''حاجت روائی کر دینا'' کیا گیا ہے۔ حاجت کے لئے اس میں کوئی لفظ نہیں آیا۔ غمزدہ بمعنی ''غم کا مارا ہوا'' ہوتا ہے نہ کہ ''حاجت'' پھر یہ بھی نہیں معلوم کہ کس کی ''حاجت روائی کر دینا۔''

یہ شعر یوں ہونا چاہئے۔؎

دارد دلِ درویش تمنائے نگاہے
زاں چشمِ سیہ مست بیک غمزدہ را کن

(درویش کا دل تیری ایک نگاہ کا تمنائی ہے۔ اپنی کالی مست آنکھوں سے غم کے مارے پر ایک نظر کر۔)

تقطیع:۔ زا چشم سیہ مست بیک غمزدرا کن
مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن

''عربی کے بھی نعتیں۔'' (ص ۵۵) ''کے'' کی بجائے ''کی'' ہونا چاہئے۔

''لطیف اثر صاحب پر اللہ جلّ شاہ کی ایک خصوصی عنایت ہے۔''(ص ۱۶۴۔از طاہرؔ سلطانی)

''جلّ شاہ'' کی بجائے ''جلّ شانہ'' ہونا چاہئے۔

سن ستتر میں مدینے مجھ کو بلوایا گیا اس طریقے کہ دنیا آج تک حیران ہے

(شاعر رؤفؔ امروہوی، مقالہ نگار ڈاکٹر صابرؔ سنبھلی ص ۱۹۸) کتابت میں ''طریقے'' کے بعد ''سے'' لفظ چھوٹ گیا ہے۔

''آپ کے عقیدت مندوں کا'' (ڈاکٹر صابر سنبھلی ص ۲۰۱) ''کے'' کی بجائے ''کی'' چھپ گیا ہے۔

استاد شاعر جناب یعقوب اعظمی صاحب کی رحلت پر آپ نے رباعیات میں خراج تحسین پیش کیا تھا۔

دنیائے فکر و فن کا وہ یعقوب اعظمی کردار کا بلند طبیعت صاف تھا

علمِ عروض میں نہ تھا اس کا کوئی جواب ہر صاحبِ کمال کو یہ اعتراف تھا

(نثار کریمی ایک قادر الکلام شاعر از وصال اعظمی ص ۲۷۴، ۲۷۳)

عزیزم مولانا وصال احمد اعظمی صاحب کو اس میں سہو ہو گیا ہے۔ میرے برادرِ مکرم جناب نثار کریم صاحب مرحوم نے یہ اشعار قطعہ کی ہیئت میں کہے ہیں۔ اس مضمون میں آپ کے تین قطعات پیش کئے گئے ہیں جو بحر مضارع مکفوف محذوف بروزن مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن پر کہے گئے ہیں۔

رباعی:۔ رباعی میں چار مصرعے ہوتے ہیں۔ تیسرے مصرع کے علاوہ بقیہ مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ رباعی بحر ہزج مثمن کے زحافات پر کہی جاتی ہے۔ رباعی کے چوبیس (۲۴) اوزان مقرر ہیں۔ بارہ (۱۲) اخرب اور بارہ (۱۲) اخرم کے۔ ان کے علاوہ کسی بھی وزن پر کہے گئے چار مصرعے رباعی میں شمار نہیں ہوتے۔ انہیں قطعہ کہتے ہیں۔

اخرب کے اوزان کی مثال: (۱) مفعول مفاعلن مفاعیل فعول

(۲) مفعول مفاعیل مفاعیل فعول

اخرم کے اوزان کی مثال:

(۱) مفعولن مفاعلن مفاعیل فعول

(۲) مفعولن مفعول مفاعیل فعول

''غالب نے اسے غزل ہی رہنے دیا ہے۔'' (ڈاکٹر سید حسین احمد شاہ، پٹنہ ص ۲۵)

غزل:۔ (مونث) عورت سے باتیں کرنا، نظم کی ایک صنف (فیروز اللغات) غزل مؤنث ہے۔لہٰذا ''دیا'' کی بجائے ''دی'' ہونا چاہئے۔

''درج بالا حمدیہ اشعار یہ ثابت کرتے ہیں کہ کرشن کمار طوؔر کا دل ایمان کی روشنی اپنے آپ میں رکھتا ہے۔'' (از ڈاکٹر فہیم احمد صدیقی ص ۷۹/۸۰)

کسی غیر مسلم شاعر کا حمدیہ یا نعتیہ کلام اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ اس کا دل ''ایمان کی روشنی اپنے آپ میں رکھتا ہے۔'' جب تک کہ وہ صدق دل سے ایمان نہ لائے۔

''حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا'' (۸۱/۸۲) ادب کا تقاضہ ہے کہ امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہا جائے۔

''ان کے حق میں سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نعت کہنے کی سعادت سے نوازا ہے۔اس سے بڑھ کر کوئی انعام نہیں ہوسکتا ہے۔'' (ص ۸۳)

نعت گوئی مومن کے لئے سعادت ہے، غیر مسلم کے لئے نہیں۔

ڈاکٹر فہیم احمد صدیقی صاحب فن نعت کے پہلے نقاد ہیں جنہوں نے ایک غیر مسلم کے نام کے پہلے لفظ ''حضرت'' لکھا ہے۔یعنی ''حضرت کرشن کمار طور'' دبستان نعت کے مدیر اور تمام اہلِ قلم مبارکباد کے مستحق ہیں کہ ان حضرات کا یہ عمل صحرا میں پھول کھلانے کے مترادف ہے۔

اخلاص اور خیر خواہی کے جذبے کے تحت یہ مراسلہ لکھا گیا ہے، کسی کی دل آزاری کے لئے نہیں۔اگر کسی بھائی کو اس سے تکلیف پہنچے تو مجھے معاف فرمادیں گے۔

○○○

ڈاکٹر سید منیر محی الدین قادری (آندھرا پردیش)

’’دبستانِ نعت‘‘ کے تحقیقی وتنقیدی مقالات ومضامین پر ایک تنقیدی نظر

’’کیا نعت صنفِ سخن ہے؟‘‘

ڈاکٹر سید شاہ حسین احمد صاحب اپنے مضمون ’’کیا نعت صنف سخن ہے؟‘‘ میں جو بحث کی ہے وہ باعتبار فن کے سنی اور سمجھی جاسکتی ہے۔ وہ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ’’ابھی تک اس کا فارم مقرر ہوا ہے اور نہ اجزائے ترکیبی‘‘، پھر ترتیب وار انہوں نے مرثیہ، رباعی، غزل اور مثنوی کے ہیئت کو بیان کرتے ہوئے ’’نعت‘‘ کے لیے ایک مخصوص ہیئت اور اجزائے ترکیبی کی فکر کو ظاہر کیا ہے۔

راقم الحروف کے خیال میں کسی بھی صنف سخن کو مقررہ اصول وضوابط کے حدود میں قید کر کے بنائے گئے اجزائے ترکیبی کے خطوط میں جاری ہونے کا نام ’’صنف سخن‘‘ ہے۔ جو کہ فن کے اعتبار سے فنی اصول وضوابط کے تابع رہتے ہیں۔ ان تمام اصناف سخن کے مقررہ اصول وضوابط سے ہٹ کر ’’نعت‘‘ کے فن کو مقرر کرنے کا خیال نہ ہی ماہرانِ فن کو پیدا ہوا اور نہ ہی پیدا ہونے کی امید کی جاسکتی ہے۔ کیوں کہ ’’نعت‘‘ وہ صنف سخن ہے جس کو مقررہ حدود میں قید کرنا یا اس کے لئے کوئی اصول وضوابط کا طے کرنا عام انسانوں کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس طرح ’’نعتِ پاک‘‘ کو صنفِ سخن جیسے حدود میں قید کرنا اس کی شان کے خلاف ہے۔

جس طرح خدا کی ذات کو محدود کرنا اس کی شان کے خلاف ہے اسی طرح پیارے نبی آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان میں تعریف وتوصیف کے لئے کسی زبان کا بھی سہارا لینا اور کسی بھی بحر واوزان میں عقیدت ومحبت اور ادب واحترام کے خیال کو سمونے کے لئے حدود مقرر کرنا بھی

آپ ﷺ کی شان کے خلاف ہے۔ جس طرح خدا کی ذات لامحدود ہے اسی طرح لباسِ بشریت میں پیارے نبی ﷺ کی ذات بابرکت بھی لامحدود ہے۔ خدائے تعالیٰ آج تک اور انشا اللہ قیامت تک ہر ماہرِ علمِ عروض وفن کو یہ اختیار نہیں دئے گا کہ وہ ''نعت پاک'' جیسے مقدس صنفِ سخن کے لئے کوئی فنی حدود مقرر کرے۔ بلکہ یہ وہ فن ہے جس کے لئے کوئی حد مقرر نہیں کی جاسکتی۔ نعت پاک کو ہر صنفِ سخن میں لایا جا سکتا ہے یہ تو نعت گو شعرا پر منحصر ہے۔ وہ اپنے پاکیزہ و مقدس خیالات کی ترسیل کے لئے کسی بھی صنف سخن کو اپنا سکتے ہیں۔ اور یہ مقدس عمل مشیت خداوندی اور توفیقِ الٰہی پر منحصر ہے۔ نہ کہ بندوں کے اختیار پر انحصار کیا جاسکتا ہے۔

پیارے نبی آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ والا برکات کی شایان شان کے خلاف ہے کہ نعت پاک کو صنف سخن کے محدود پیمانے میں نہ صرف ناپا جاسکتا ہے بلکہ اس کے تصور سے ہی بے ادبی کی جھلک نمایاں ہونے لگتی ہے۔

ہم نعت پاک کے سلسلہ کو مختلف اوزان و بحور میں لا سکتے ہیں اس کے لئے نعت گو شعرا پر کوئی پابندی نہیں لگائی جا سکتی ہے اور نہ ہی اس مقدس فن کے لئے کوئی فنی حدود مقرر کئے جاسکتے ہیں۔

فاضل مقالہ نگار ڈاکٹر سید شاہ حسین احمد صاحب نے آگے لکھا ہے کہ'' جہاں تک رسول اللہ ﷺ کے سراپا کا تعلق ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کا سوال ہے، اس طرف شعرائے اردو نے توجہ کم دی ہے۔''

شاید فاضل مقالہ نگار کی نگاہوں سے مذکورہ موضوعات پر مبنی نعتیہ اشعار نہیں گذر رہے ہوں گے۔ ہمارے والد بزرگ وار حضرت سید شاہ غوث محی الدین چشتی قادری المعروف بہ نہالؔ مخدومی علیہ الرحمہ نے اپنی نعتیہ شاعری میں آپ ﷺ کے اخلاق اور آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر اشعار کہنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ میں چاہوں گا کہ'' کلام نہال'' کا وہ ضرور مطالعہ کریں تو یہ تشنگی شاید دور ہو جائے۔ اس طرح بہت سے ایسے شعرا بھی ہیں جنہوں نے مذکورہ موضوعات پر اپنی نعتیہ شاعری میں تذکرہ کیا ہے۔ آگے چل کر آپ نے لکھا ہے کہ۔

> ''اور بھی نعتیہ مجموعے میری نگاہ سے گزرے ہیں جن میں اس طرح کا اعلان موجود ہے۔ نعت لکھنے والوں کو یہ سمجھنا چاہئے کہ نعت صرف توشۂ آخرت نہیں بلکہ ادب بھی ہے اسے پرکھنے اور اس کی ادبی قدر و قیمت متعین کرنے کا ناقد کو پورا پورا اختیار ہے۔''

مذکورہ تحریر میں جو باتیں بتائی گئی ہیں وہ حقیقت پر مبنی ہیں۔ واقعی نعت صرف توشۂ آخرت نہیں بلکہ ادب بھی ہے۔ میرے خیال میں اردو ادب میں اس وقت نکھار آئے گا اور جولانی پیدا ہوگی جبکہ نعت پاک کے صنف کو اردو ادب میں شامل کیا جائے گا۔ اردو ادب کو جلا بخشنے کا اگر کوئی واحد ذریعہ ہے تو وہ ''نعت شریف'' ہے۔ نعت پاک بھی ادب کے سرِ فہرست دائرہ میں شامل ہے اور وہ بھی ادبی پارہ کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نعت پاک ادبِ عالیہ کا ایک بلند و بالا حصہ ہے۔ اس صنف میں ادبی چاشنی کے سرور و انبساط کے علاوہ ادب و احترام عشق و محبت کے جملہ لوازمات برسرِ پیکار نظر آتے ہیں۔

اردو کے کسی بھی تنقید نگار کو باعتبار فن کے پرکھنے کا پورا پورا اختیار ہے جبکہ وہ ادب و احترام کے دائرہ میں رہ کر اس مقدس ادب کی قدر و قیمت متعین کرے۔ راقم الحروف کو اس اہم مقصد کی تکمیل کے لئے توفیقِ الٰہی اور تاجدار مدینہ ﷺ کے نظرِ کرم کا صلہ ملا کہ وہ ''دبستانِ نعت'' کے ہر ایک تحقیقی مضمون پر اظہارِ خیال کی نہ صرف جسارت کی بلکہ حدود و اصول وضوابط کو ''نعت پاک'' سے مستثنیٰ کروانے کے خیال کو ظاہر کیا۔ ''نعتِ پاک'' بلاشک وشبہ ادبِ عالیہ کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ ''نعتِ پاک'' بیشک ادب بھی ہے۔ اور وہ زمرۂ ادب میں سرِ فہرست شامل ہے اور یہ وہ ادبی صنف ہے جس کے لئے کوئی فنی حدود مقرر کیا جا سکتا ہے بلکہ یہ وہ ادبی صنف ہے جو ہر صنفِ سخن میں کہی جا سکتی ہے۔ اب رہی بات اس کی ادبی قدر و قیمت متعین کرنے کی ناقد کو پورا پورا اختیار ہے۔ وہ صرف اوزان و بحور کی پابندی اور الفاظ کے استعمال کے طور وطریقہ کو پرکھا اور جانچا جا سکتا ہے۔

''فن نعت اور نعت گوئی''

ڈاکٹر خسرو حسینی نے تفصیل کے ساتھ فن نعت کے لغوی اور اصطلاحی معنوں کو بڑے عمدہ پیرائے میں پیش کیا ہے۔ آپ کا مضمون معلومات کا ایک خزانہ ہے۔ جو لوگ ''نعت پاک'' کو صنف کی حیثیت سے دیکھنا چاہتے ہیں ساری تفصیلات انہیں اس مضمون میں مل جائے گی۔

راقم الحروف کے خیال میں یہ مضمون ماہرانِ علم وفن کے لیے خضرِ راہ کا کام دئے گا۔ میں ڈاکٹر خسرو حسینی صاحب کو مبارک باد دیتا ہوں کہ انہوں نے تشنگانِ علم وفن کو صنفِ نعت کے ضمن میں ایک معلومات افزا بیش بہا علمی خزانہ بہم پہنچایا ہے۔ میں چاہوں گا کہ ہر ایک ماہر علم وفن اس مضمون سے استفادہ ضرور کرے۔ تحقیقی پیرائے میں یہ مضمون قابلِ غور وفکر کا سامان لئے ہر ایک

قاری کو مطمئن کر جاتا ہے۔

نعتِ نبی ﷺ کے سلسلہ میں ڈاکٹر خسرو صاحب نے مختلف زبانوں عربی، فارسی اور اردو پر تفصیل کے ساتھ جائزہ لیا ہے۔ تحقیقی اور تنقیدی آرا کی جھلکیاں پورے آب وتاب کے ساتھ ان کے مضمون میں دکھائی دیتی ہیں۔ ''دبستانِ نعت'' شمارہ کے لیے یہ مضمون بڑی اہمیت کا حامل نظر آتا ہے۔ خدا کرے ایسے مضامین بار بار چھپتے رہیں۔

''حدائق بخشش کے صنائع بدائع پر اک اور نظر''

ڈاکٹر صابر سنبھلی کا لکھا ہوا مضمون ''حدائق بخشش کے صنائع بدائع پر اک اور نظر'' میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ کے شاعرانہ خوبیوں پر بحث کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ۔

''میرا خیال ہے کہ فنی پہلو پر فکری پہلو کی نسبت کم توجہ دی گئی ہے'' صفحہ ۵۷

مذکورہ تحریر کے ذریعہ وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ کے کلام میں موجود فنی پہلوؤں کو یہ اجاگر کر رہے ہیں جبکہ ان سے پہلے تنقید نگاروں نے اس طرف توجہ نہ دی ہے۔ اس کے ثبوت میں انہوں نے تقریباً چھ اشعار کی تشریح بھی کی ہے جو اپنی جگہ اہمیت رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب نے عنوان کا جو انتخاب کیا ہے۔ ایک عام قاری کو سمجھنے میں بڑی مشکل ہوتی ہے کہ ''حدائق بخشش'' کیا یہ کسی شاعر کا نام ہے یا کسی مجموعہ کلام کا؟ بڑی مشکل کے بعد قاری کو پورا مضمون پڑھنے کے بعد معلوم ہونے لگتا ہے کہ یہ مجموعہ کلام کا نام ہے۔ اگر مضمون نگار صاحب پہلے ہی قوسین میں اس کی وضاحت کرتے تو بہتر ہوتا۔ یا حضرت رضا بریلوی کے مجموعہ کلام یا حضرت رضا بریلوی کی تصنیف ''صنائع بدائع پر اک نظر'' اس طرح کا عنوان انتخاب کیا جاتا تو قاری کو عنوان کے سمجھنے میں آسانی ہو جاتی۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ ہوسکتا ہے کہ شمال کے رہنے والے ان کی تصانیف کے نام اچھی طرح جانتے ہوں گے۔ مگر جنوب کے قاری ان کی تصانیف سے ناواقف ہیں۔ امید کہ آئندہ کے مقالوں میں اس بات کی جانب توجہ دی جائے گی۔

''نعت اور ہماری شعری روایات''

ڈاکٹر عزیز احسن (کراچی) کا تحقیقی مضمون ''نعت اور ہماری شعری روایات'' تقریباً سات صفحات پر مبنی بڑا ہی فکر انگیز دکھائی دیتا ہے۔ انہوں نے اپنے مقالہ کے ذریعہ قاری کو اس بات کی

طرف اشارہ کیا ہے کہ نعت نبی ﷺ کے لئے گوخاص ہیئت یا کوئی خاص صنف سخن مخصوص نہیں ہے۔شاعر جس صنفِ سخن میں مہارت رکھتا ہو وہ نعتیہ اشعار کہہ سکتا ہے۔اس ضمن میں انہوں نے عربی اور فارسی شعرأ کے علاوہ اردو زبان کے شعرأ پر بھی ایک تحقیقی جائزہ لیا ہے۔ان کے مضمون سے ثابت ہوتا ہے کہ ''نعت شریف'' کے مخصوص صنف کو ہر صنفِ سخن میں لایا جا سکتا ہے۔جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے کہ ''حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب تو نعت لکھنے کے لئے غزل اور قصیدہ کا ''پیٹرن (Pattern) ہی سامنے رکھا لیکن محسنؔ کاکوروی نے غزل قصیدہ اور مثنوی میں اپنے فن کے وہ جوہر دکھائے کہ انہیں نعت گوئی کا فن شناس شاعر تسلیم کیا گیا۔ پھر حالیؔ نے اپنی مسدس میں نعتیہ اشعار اس دردمندی سے لکھے کہ عوام وخواص کے دلوں پر یہ نقش ہو گئے۔

(دبستانِ نعت صفحہ ٦٥)

ڈاکٹر عزیز احسن صاحب کے مذکورہ اقتباس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نعت شریف، غزل، قصیدہ، مثنوی اور مسدس میں لکھی جا چکی ہے۔صرف اتنا ہی نہیں بلکہ انہوں نے ہندو پاک کے مختلف شعرأ کی وہ فہرست پیش کی ہے جنہوں نے مختلف اصنافِ سخن میں نعت شریف کو لکھنے کی سعادت حاصل کی ہے اور وہ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ''پاکستان میں جب عہدِ ضیا الحق'' قائم ہوا تو سرکاری سطح پر نعت خواں حضرات کی پزیرائی ہونے لگی تو مزید شعرأ اس مقدس صنف کی طرف راغب ہوئے اور سلسلہ پوری تیزی کے ساتھ آج تک رواں دواں دکھائی دیتا ہے۔انہوں نے چند شعرأ کی فہرست کا ذکر کیا ہے۔وہ آگے لکھتے ہیں۔

> ''کیوں کہ ان شعرأ نے تسلسل کے ساتھ قدیم و جدید شعری اسالیب کے امتزاج سے نعتیں کہی ہیں۔ جدید شعری اسالیب میں نعتیہ ادب تخلیق کرنے والے شعرأ میں عبدالعزیز خالدؔ، عارف عبدالمتین، احمد ندیم قاسمی، ریاض مجید، ریاض حسین چودھری، سرشار صدیقی وغیرہم کے نام ہمیشہ درخشاں ستاروں کی طرح چمکتے رہیں گے۔'' (دبستانِ نعت۔صفحہ ٦٧)

ڈاکٹر عزیز احسن صاحب کی تحقیق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قدیم وجدید چاہے ان کا تعلق ہندوستان سے ہو یا کستان سے ہر ایک شاعر نے مختلف اصنافِ سخن میں نعتیہ ادب کو تخلیق کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔راقم الحروف نے اس سے پہلے کے تحقیقی مضمون اور تبصرہ میں اس بات کا ذکر کر چکا ہے کہ ''نعتیہ ادب کے لئے کوئی خاص صنفِ سخن مخصوص نہیں بلکہ وہ ہر صنفِ

سخن میں تخلیق کیا جا سکتا ہے۔

اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ نہ تو ہم نعتیہ ادب کے لئے کوئی خاص صنفِ سخن مخصوص کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس مقدس صنفِ ادب کے لے مخصوص صنفِ سخن مقرر کیا گیا ہے۔ اس طرح ''نعت'' کے لیے کوئی بھی صنف سخن مقرر کرنے سے اس کا دائرہ ادب محدود ہو جاتا ہے۔ حالانکہ یہ صنف ادب محدود نہیں بلکہ لامحدود ہے۔

ہم تمام شعراء کو اس بات کا اختیار ہے کہ ہم جس صنفِ سخن میں کیوں نہ ہو اپنی عقیدت و محبت کے پھول کو بارگاہِ نبوی ﷺ میں نہایت ہی ادب و احترم کے ساتھ نچھاور کر سکتے ہیں۔ اس کو نہ کوئی روک سکتا ہے اور اس کے لیے نہ کوئی حدود مقرر کر سکتا ہے۔ راقم الحروف کے خیال میں شاعر کو پوری آزادی ہے کہ وہ دائرہ ادب میں رہ کر مختلف اصناف میں اپنی نعتیہ شاعری کو تخلیق کر سکتا ہے۔ اس طرح نعتیہ ادب کے لئے صنفِ حدود مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ اگر کیا جائے تو بے ادبی کا سبب بن سکتا ہے اس سے ہر ایک شاعر کو بچنا چاہیئے۔

''نعتِ رسول ﷺ اور اس کی ارتقاء''

جناب ساجد امروہوی اپنے مضمون ''نعتِ رسول ﷺ اور اس کی ارتقاً'' میں اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ ''نعت'' کے لئے کوئی صنفِ سخن مخصوص نہیں۔ وہ آگے لکھتے ہیں۔

''نعت کے اس معنی میں نثر اور نظم کی کوئی تخصیص نہیں'' (دبستانِ نعت صفحہ ٦٩)

فاضل مقالہ نگار نے اس مضمون کے ذریعہ عربی، فارسی اور اردو زبان کے شعرائے کرام کا مستند حوالوں کے ساتھ شعراء کا ایک ایک شعر پیش کر کے قارئین کی معلومات میں اضافہ کیا۔ خدا ان کے قلم کو مزید تقویت بخشے۔ آمین۔

ساجد صاحب کا یہ مضمون ہماری معلومات میں اضافہ ہی اضافہ کرتا جا رہا ہے۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ نے ہمارے پیارے نبی ﷺ کے عم محترم حضرت ابو طالب سے منسوب عربی شعر پیش کر کے واقعی ''فن نعت'' کے ابتدائی منازل کا پتہ ہمیں بتایا ہے جو کہ عام قاری ان باتوں سے ناواقف ہے۔ اس کے بعد انہوں نے نعت کا قدیم ترین ماخذ ''تبع حمیری'' کے اشعار کو ایک ایسے معتبر حوالہ سے پیش کیا ہے جس کا نام تفسیر ابن کثیر جلد ۴ کے صفحہ ۱۴۶ پر مرقوم ہے۔ حوالے دیے گئے اشعار سے ایک عام قاری اب تک لاعلم تھا جس کو انہوں نے بڑی خوبی کے ساتھ تحقیقی پیرائے میں پیش کیا ہے۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت بی بی

فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشعار پیش کر کے تحقیق کا حق ادا کیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے فارسی زبان میں کہے گئے نعتیہ اشعار کو بھی ترتیب وار پیش کیا ہے جیسا کہ حضرت شیخ سعدی، حضرت حافظ شیرازی، مولانا جامی، خاقانی کے علاوہ حضرت محی الدین جیلانی علیہ الرحمہ عرفی شیرازی اور قدسی ایرانی کے اشعار وغیرہ۔ اس کے بعد انہوں نے اردو زبان کے شعرا میں علی الترتیب حضرت نظام الدین اولیاء علیہ الرحمہ، حضرت امیر خسرو علیہ الرحمہ، اسداللہ غالب اور سرسید احمد خاں کے فارسی اشعار کو لکھا ہے۔

راقم الحروف کو یہ بات اچھی لگی کہ انہوں ے سرسید احمد خاں کا نعتیہ شعر ڈھونڈھ نکالا جو کہ عام قاری کی نظروں سے اب تک نہیں گزرا۔ لہٰذا قابلِ مبارک باد ہیں ساجد امروہوی صاحب انہوں نے سرسید احمد خاں کا حسب ذیل شعر پیش کیا۔

ز جبرئیل امیں قرآں بہ پیغام ِ نمی خواہم
ہمہ گفتار معشوق است قرآنے کہ من دارم

اس طرح اردو شعرا کی تحقیق بھی بڑے عمدہ پیرائے میں کی ہے جس میں تاریخی شواہد کی تفصیلات دیکھنے کو ملتی ہیں۔ آپ نے ایک ایسے شاعر کی نشان دہی کی جنہوں نے نعت گوئی کے سلسلہ کو تاحیات جاری رکھا جن کا نام ہے کرامت علی شہیدی۔ شاید قارئین کے لئے یہ ایک نئی دریافت ہوگی۔ امیر مینائی ایک ایسے باکمال شاعر ہیں جنہوں نے ایک نعتیہ دیوان ''محامد خاتم النبین'' اپنی یادگار چھوڑا ہے۔ میرے خیال میں یہ دیوان دیگر نعت گو شعرا کے لیے خضرِ راہ کا کام دئے گا۔ مجھے امید ہے کہ مستقبل میں اس طرح کے کئی دیوان معرضِ وجود میں آئیں گے۔ جدید نعت گو شعرا کی انہوں نے جو فہرست بیان کی ہے وہ بھی معلومات کا ایک ذخیرہ دکھائی دیتی ہے۔ میرے خیال میں شمالی ہندوستان کے یہ شعرا ہیں اگر جنوبی ہند کے چند شعرا کو بھی اس میں شامل کیا جاتا تو بہتر ہوتا۔ اس کے علاوہ مختلف شعرا کے ایک ایک شعر کو پیش کر کے قارئین کے دلوں میں جذبہ عشق رسول ﷺ کو بڑھا دیا۔ مضمون کے آخری حصے میں آپ نے ایک ایسی حقیقت کو بیان کیا ہے کہ جو عشقِ رسول ﷺ کی زندہ مثال ہے جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے کہ۔

''اصل میں دلوں کو تڑپا دینے والے اشعار کہے نہیں جاتے ہو جاتے ہیں'' بڑا معنی خیز جملہ ہے جو کہ حقیقتِ حال پر مبنی ہے۔ میری دعا ہے کہ اس طرح کے مضامین اگلے شماروں میں آتے

رہیں۔ عاشقانِ رسول ﷺ کو سامانِ عشق مہیا کرتے رہیں۔ آمین۔

ڈاکٹر فہیم احمد صدیقی کا مضمون:

''حاضر کے بلند قامت غیر مسلم نعت گو شاعر حضرت کرشن کمار طورؔ''

مذکورہ عنوان کی روشنی میں اگر مضمون دیکھا جائے تو درمیانی حصہ میں ایک جھول نظر آتا ہے، وہ ان کی غزل گوئی کے محاسن پر بات کی ہے اگر اس بات کو مضمون سے نکال دیا ہوتا تو مضمون کے ساتھ انصاف ضرور ہوتا۔ بات نعت گوئی کی ہو رہی ہے درمیان میں غزل گوئی کو لایا گیا جو کہ مضمون آفرینی کی راہ میں حائل ہو گیا ہے۔

فاضل مقالہ نگار نے ان کی حمدیہ اور نعتیہ شاعری کو ان کے ہی اشعار سے ان کے اندر وحدانیت و رسالت پناہ ﷺ سے بے حد عقیدت و محبت کے اظہار کا ذریعہ بنا۔ یہ ساری باتیں اپنی جگہ آپ اہمیت کی حامل تو نظر آتی ہیں۔ لیکن اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود وہ بنیادی طور پر طورؔ صاحب نعمت ایمان سے محروم رہ گئے ہیں۔ کاش وہ اگر دولتِ ایمان سے مالا مال ہو جاتے تو میرے خیال میں ان کی نعتیہ شاعری سرِ فہرست رکھی جا سکتی۔ اور پیارے نبی آقا ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں مقبولیت کا درجہ رکھتی۔ اور آپ کے نام کے ساتھ فاضل مقالہ نگار نے جو لفظ ''حضرت'' استعمال کیا ہے۔ وہ بھی اسم بامسمیٰ ہو جاتا۔ کاش اگر ایسا ہوتا۔ ورنہ لفظ ''حضرت'' کا استعمال راقم کے خیال میں غلط اور غیر مناسب ہے۔ یہ وہ مقدس لفظ ہے جو صرف پیغمبر حضرات جیسی بلند مقام شخصیات اور عام مسلمانوں میں جو بھی مقام عرفان الٰہی یا عشق نبوی ﷺ سے مالا مال ہوتے ہیں۔ ان کے لئے ہی استعمال کیا جائے تو مناسب ہوگا۔ آخر میں یہ عرض کرتا چلوں کہ طورؔ صاحب کی نعتیہ اور حمدیہ شاعری قابلِ قبول و لائق تحسین ہے۔ صرف ادبی محاسن کے ضمن میں اور خیال آفرینی کی بلندی میں جو کہ عقیدت و محبت کی قوتِ پرواز رکھتی ہیں۔ راقم کی دعا ہے خدا طور صاحب کو ایمان کی دولت سے مالا مال کر دے آمین ثم آمین۔

فاضل مقالہ نگار ڈاکٹر فہیم احد صدیقی صاحب نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ انہیں مختلف اکاڈمیوں سے انعامات بھی دئے گئے ہیں۔ خوشی کی بات ہے۔ لیکن راقم کے خیال میں انہیں اکادمیوں سے انعامات تو مل چکے کاش وہ ایمان کی دولت سے مالا مال ہو جاتے تو خدا کے ایوارڈ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سرفراز ہو جاتے۔

''ڈاکٹر صغریٰ عالم ایک خوش فکر نعت گو شاعرہ''

جناب فیروز احمد سیفی صاحب (نیویارک) کا یہ مضمون فن ''نعت گوئی'' کے ضمن میں ایک نئی دریافت کی حیثیت رکھتا ہے۔ تحقیق اس کو کہتے ہیں جو بات عام قاری کی معلومات سے باہر ہو۔ اس بات کو قاری کی معلومات کے لئے مختص کی جائے تو وہ اہمیت کی حامل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا سیفی صاحب نے اپنے مضمون کے ذریعہ تحقیق کے اصول پر پابند ہوتے ہوئے انہوں نے حق تحقیق کو مذکورہ مضمون کے ذریعہ ادا کیا ہے۔ وہ قابل مبارک باد ہیں۔ میں یہ کہوں گا کہ ان کے اس مضمون سے ''نعت گو'' شعرا کی فہرست میں بالخصوص شاعرات کی فہرست میں اضافہ ہوا۔

صغریٰ عالم صاحبہ کا نام جنوبی ہند کی ''نعت گو'' شاعرات میں ایک نئی دریافت کا درجہ رکھتا ہے۔ ''نعتیہ شاعری'' ہر کوئی شاعر نہیں کر سکتا جبکہ اسکے قلب و ذہن بلکہ اس کے پورے وجود پر عشق نبی ﷺ کا مبارک و مسعود جذبہ غالب نہ ہو۔ آپ کی شاعری کو پڑھنے کے بعد دل یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ تو عاشقہ ہے جو اپنے رسول ﷺ سے ہر درجہ عقیدت و محبت رکھتی ہے ان کے اشعار قاری کو عاشق رسول ﷺ بنانے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ راقم نے حسب ذیل اشعار میں یہ کیفیت دیکھی ہے وہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

با وضو رہتی ہیں ہر دم مری آنکھیں دونوں
تیرے دیدار کا کیا اور سلیقہ ہوگا

میں نہ لکھ پاونگی توصیف محمد ﷺ صغریٰ
اتنا آسان نہیں توصیف پیمبر ﷺ لکھنا

ان کے صدقے میں لُٹا دوں یہ مری عمر رواں
ہیں مری روح، مری جان، رسول عربی ﷺ

میرے خیال میں خوابوں میں روضہ اطہر
سراغ اپنا خدا نے یوں دیا ہے مجھے

اس طرح کے بہت سے اشعار ہیں جو ان کے جذبات حقیقی کی ترجمانی کرتے ہیں۔ میں نے ان کے آخری شعر میں ان کے خاتمہ بالخیر ہونے کے جذبہ کو دیکھا ہے خدا ضرور ان کا خاتمہ بالخیر کیا ہوگا۔ میری دعا ہے کہ وہ جوار رحمت خداوندی میں رسالت پناہ ﷺ کی قربت کی دولت سے مالا مال ہو جائیں۔ آمین اس مضمون کے صفحہ ۸۵ پر لفظ ''رحمۃ العالمین'' لکھا ہوا ہے شاید کتابت کی غلطی ہوئی ہوگی اس کی اسطرح تصحیح کرنی چاہیئے۔ ''رحمۃ اللعالمین'' اسی طرح "انّا اعطینا" کی بجائے اعطینی لکھا ہوا ہے یہ بھی کتابت یا ٹائپنگ کی غلطی ہوگی۔ اصلاح کر لی جائے۔

صفحہ ۸۴ پر مقالہ نگار موصوف نے لکھا ہے کہ ''پھر وہ عظیم ترین نیّر اعظم ﷺ جن سے خود اس ذات مقدس نے محبت کی اور اپنے بندوں کو اس ذاتِ ستودہ صفات رسول اکرم ﷺ سے محبت کرنے کا حکم صادر فرما کر یہ درس دیا ہے کہ یہی ''صراط مستقیم'' ہے۔ راقم کے خیال میں ''صرط مستقیم'' کی بجائے ''معراج انسانی'' ہے لکھ دیا جاتا تو بہتر ہوتا۔ دوسرا وہ جملہ صفحہ ۸۵ پر لکھا ہوا ''بشرطیکہ نعت گو بارگاہ مصطفیٰ ﷺ کی لازوال عظمتوں، لطافتوں اور دل آویزیوں سے حتی الامکان آشنا اور اپنے موضوع کی نزاکتوں کا'' ادب شناس ہو۔

مذکورہ جملہ میں ''ادب شناس'' ہو کی بجائے ''واقف ہو'' لکھا جاتا تو بہتر ہوتا۔ میرا اپنا خیال ہے شاید پسند آئے۔ مذکورہ مقالہ تحقیقی اعتبار سے قابلِ قبول و لائقِ ستائش ہے۔ خدا کرے اس طرح کے اور مضامین فاضل مقالہ نگار لکھتے رہیں۔ اصل میں یہی تحقیق ہے۔ اس طرح کے مضامین قارئین کی معلومات میں اضافے کا سبب بنیں گے۔

''حرفِ آرزو''

منیر احمد ملک (اسلام آباد) کا مضمون ''حرفِ آرزو'' اپنے عنوان کی معنویت میں اسم بامسمّٰی نظر آتا ہے۔ صاحب موصوف کو پیارے نبی ﷺ سے حد درجہ عقیدت و محبت ہے جس کی جھلکیاں ان کے مقالے کے ہر ایک لفظ سے عیاں ہوتی نظر آتی ہیں۔ انہوں نے جو زبان اختیار کی ہے وہ مقفّیٰ و مسجع انداز تحریر کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ یہاں تو دو باتیں ذہن نشیں ہونی چاہیئے۔ پہلی بات ادبی نقطۂ نظر سے مقفّیٰ و مسجّع طرز تحریر کو موجودہ دور میں اتنی اہمیت نہیں دی جاتی جتنی کہ آسان و سہل زبان میں بات کو سمجھا یا جائے ''یہ تو رہی ادب جدید کی بات'' دوسری اہم بات یہ ہے کہ منیر صاحب کی تحریروں میں ہر ایک نقطہ سے عقیدت و محبت کی وہ خوشبو جو مشک و عنبر سے کم نہیں قاری کے ذہن و قلب کو معطر کرتی چلی آرہی ہے عقیدت کی وہ اُٹھان جس میں ادب و عقیدت کو

ملحوظ رکھا گیا ہے ہمیں دیکھنے کو ملتی ہے ''اردوادب'' کے حلقہ میں شاید ان کا انداز تحریر قابلِ قبول ہو نہ ہو لیکن بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں ضرور قبولیت کا درجہ حاصل کرے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عقیدت کی زبان کچھ اور ہے ادب کی زبان کچھ اور۔ منیر صاحب نے واقعی مقالے کے شروع میں اس بات کا اعتراف بھی کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

''میں نہ تو سخن ور ہوں کہ شوخیِ گفتار سے آپ کے شعلہ نفس کو گرما سکوں اور نہ ہی قلم کار کہ لفظوں کے خزف ریزوں سے ہیرے تراش سکوں۔'' (دبستانِ نعت، صفحہ ۹۵)

منیر صاحب نے واقعی اپنی تحریروں میں اس بات کا اعتراف بھی کیا ہے کہ وہ جو کچھ لکھ رہے ہیں یا لکھ چکے ہیں ان کی تحریروں کے پیچھے ان کی ذاتی کاوشیں اور فنی کمال کی حُسن کاری نہیں ہے بلکہ ان کی تحریروں کی تخلیق محض اللہ تعالیٰ کے خاص فضل وکرم اور پیارے نبی ﷺ کا نذر کرم ہے ورنہ وہ کچھ بھی نہیں۔ حسب ذیل تحریر میں ہم اِس صداقت کو بخوبی دیکھ سکتے ہیں، ملاحظہ کیجئے۔

''تحریر کے ابرِ ریشم میں حُسن تربیت کا فقدان اور الفاظ کی کم مائیگی شاید زبان حال سے پکارتی نظر آئے تو اسے میری تقصیر سمجھئے گا اور اگر کسی لفظ کا حُسن کسی خیال کی ندرت آپ کی نگاہ جمال بن کر دل کے تاروں کو چھولے اور محبوبِ انس و جاں ﷺ کی محبت کی دھنک ستاروں کی طرح پلکوں پہ اتر آئے تو یہ میرا کمال نگارش نہیں بلکہ احسان خداوندی اور آقائے دو جہاں ﷺ کی نذرِ کرم کا صدقہ ہوگا۔'' (دبستان نعت، صفحہ ۹۶)

ادبی تحقیق میں تحریروں کا اصول یہ ہے کہ جو بھی بات آپ بیان کریں اس کا حوالہ ضرور دیا کریں۔ کیوں کہ جو بات حوالے کے ذریعہ کہی جاتی ہے وہ اصولِ تحقیق کے عین مطابق ہوتی ہے۔ بغیر حوالے کے جو بات کہی جاتی ہے وہ ادبی نقطہ نظر سے معیوب سمجھی جاتی ہے۔ میری مراد منیر صاحب نے اپنے مقالہ میں جو تحریری انداز اختیار کیا وہ بہت ہی ادبی حُسن و جمال سے مزیّن ضرور ہے لیکن تحقیقی اصول وضوابط کی روشنی میں غیر مستند ہیں کیوں کہ انہوں نے جو اشعار پیش کیئے ہیں اس کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ قاری کو اشعار پڑھ کر اس کا ذہن اُلجھن میں پڑ جاتا ہے کہ یہ اشعار خود منیر صاحب کے ہیں یا کسی اور کے؟ یہ سلسلہ صفحہ ۹۵ سے صفحہ ۱۰۷ تک کا ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے صفحہ ۱۰۸ میں جو اشعار لکھے ہیں با قاعدہ طور پر حوالہ دیا ہے۔ مثلاً مولانا ظفر علی خاں ،شورش کاشمیری، ریاض حسین چودھری، علامہ اقبالؔ وغیرہ۔

منیر صاحب کا یہ طویل مقالہ جو تقریباً بیس صفحات پر مشتمل ہے۔آپ نے مقالہ بہت ہی اچھا تحریر فرمایا ہے۔معلومات افزا اور قابل قرآت ہے۔آخر میں آپ حوالہ جات دیے ہوتے تو اس مقالے میں اور بھی حُسن وخوبی پیدا ہوتی ، امید کہ فاضل مقالہ نگار ضرور اس جانب توجہ فرمائیں گے۔اور جو بھی ناچیز نے اپنے خیالات کا اظہار تنقیدی وتحقیقی پیرائے میں کیا ہے اس طرف آپ التفات فرمائیں گے۔بحثیت مجموعی آپ اپنے مضمون کے ذریعہ قاری کے اندر جوش وجذبات کا ایک خوبصورت پیکر لیے متاثر کر جاتے ہیں۔امید کہ صاحبِ مقالہ نگار میرے دئے ہوئے مشوروں پر عمل پیرا ہو کر اگلے مقالوں کو اور بھی خوبصورت بنائیں گے۔بس اسی امید کے ساتھ اپنی تحریر کو ختم کرتا ہوں۔

''ناعت پر فیضانِ منعوت''

قاضی محمد رفیق فائز فتح پوری کا یہ مضمون ''ناعت پر فیضانِ منعوت'' جو کہ تقریباً تیرہ صفحات پر مشتمل ہے۔تحقیقی اعتبار سے دیکھا جائے تو اس مضمون کو فقہی دلائل پر مبنی مستند اور مدلل قرار دیا جا سکتا ہے۔آپ نے جو بات کہی ہے وہ اصول فقہ کی روشنی میں راست اور درست قرار دی جاسکتی ہے۔اس کے علاوہ آپ نے احادیثِ نبوی ﷺ کی روشنی میں مستند حوالوں سے بات کہی ہے۔ تحقیق میں مستند حوالوں کی بڑی اہمیت ہے۔وہ مضمون جو بغیر مستند حوالوں کے لکھا جاتا ہے، اصول تحقیق کی روشنی میں نا قابلِ قبول قرار دیا جاتا ہے۔

''نعت'' شریف کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے مضمون کی شروعات ہی بڑے ہی خوبصورت انداز میں کی ہے۔وہ لکھتے ہیں:

> ''نعت جیسے عبادتی موضوع پر خامہ فرسائی کرنے کی سعادت حاصل کرنے کی کوشش بھی عبادت کے زمرے میں ہی آتی ہے۔''
>
> (''دبستان نعت''۔صفحہ ۱۱۵)

آپ نے ایک اہم اور پتے کی بات یہ کہی کہ نعت شریف کی اساس کلمہ طیبہ پر رکھی گئی ہے وہ لکھتے ہیں۔

> ''اس کی اساس وبنیاد خود کلمہ طیبہ ہے جو دو جزوں پر مشتمل ہے'' صفحہ ۱۱۵

فقہی نقطہ نظر سے بھی آپ نے یہ ثابت کیا ہے کہ:

> ''تو جب کلمہ طیبہ کے جز اوّل پر اجر وثواب مرتب ہوگا تو جز ثانی پر کیوں

نہیں۔'' (''دبستان نعت''۔صفحہ ۱۱۶)

''نعت'' پاک وہ صنفِ سخن ہے جس کے لئے نہ تو نظم کی قید لگائی جاسکتی ہے اور نہ ہی نثر کی بلکہ ''نعت پاک'' نظم ونثر کے مختلف اصناف میں کہی جاسکتی ہے اس مقدس صنف کو مقید کیا نہیں جا سکتا کیوں کہ وہ لامحدود صنفِ سخن ہے۔''

قاضی محمد رفیق صاحب نے اسی بات کی تصدیق اس طرح کی ہے:

''اردو ادب میں ''نعت'' کو مقید ومحصور کیا گیا ہے۔ ورنہ تو ''نعت'' کے معنی خوبیاں، اور اوصاف وخصائل بیان کرنا ہے۔اس میں (نظم) ونثر کی کوئی قید نہیں۔''

آگے چل کر آپ نے کلمہ طیبہ کے معنوی پسِ منظر میں حمد باری تعالیٰ کے ساتھ نعت نبی ﷺ کا بھی ذکر کرتے ہوئے حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک شعر نقل کیا ہے جو کہ قابلِ غور ہے وہ لکھتے ہیں:۔

''اور جب حمدِ باری تعالیٰ پر عبادت کا اطلاق ہوتا ہے تو نعت نبی ﷺ کا انکار کیونکر کیا جاسکتا ہے۔ جو بقول حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ضم اله اسم النبی باسمه ان قال فی الخمیس الموذن اشهد.

''یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کا نام اپنے نام کے ساتھ ایسا ملایا ہے کہ جس کی گواہی موذن پانچ وقت اذان میں دیتا ہے۔تو جو کام خود اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اور نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا ہو اس کے عبادت ہونے سے کیسے انکار کیا جاسکتا ہے۔''

صاحب مضمون نگار نے یہ ثابت کیا ہے کہ سب سے پہلے زمین پر حضرت آدم علیہ السلام نے حضور اکرم ﷺ کے وسیلۂ مبارکہ سے آپ کی شان میں نعت شریف کے الفاظ کا سہارا لیتے ہوئے خدا سے اپنے گناہوں کی معافی چاہی وہ نعتیہ الفاظ جس کا وسیلہ لے کر آپ نے اپنی مغفرت طلب کی وہ یہ ہیں۔ " **بحق محمد الا غفرت لِی** " اس طرح آپ نے مختلف احادیث کے ذریعہ آپ کی شفاعت کبریٰ کے دلائل کو بھی پیش کیا ہے۔ بہر حال مجموعی طور پر آپ کا یہ مضمون نہ صرف قابلِ قبول ہے بلکہ قابلِ تقلید بھی کہا جاسکتا ہے۔

''ناعت پر فیضانِ منعوت'' میں کتابت کی بہت جگہ غلطیاں ہوگئی ہیں انہیں درست کرلیا جائے تو مناسب ہوگا جن کی تفصیلات حسب ذیل بیان کی جارہی ہیں:۔

۱۔''ترمزی شریف'' صحیح لفظ ''ترمذی سریف'' صفحہ ۱۲۴

۲۔''حضرت ابوحریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ''''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحیح ہے۔صفحہ ۱۲۴

۳۔''بحق محمد الاغفرت لی''''الاغفرت لی'' صحیح ہے۔صفحہ ۱۲۶

آخر میں یہ عرض کرتا چلوں کہ مضمون ''ناعت پر فیضانِ منعوت'' کا آخری حصہ موضوع سے ہٹا ہوا دکھائی دیتا ہے کیوں کہ آپ ناعت ومنعوت کی بات کے بجائے شفاعت کبریٰ کا ذکر مفصل طور پر کیا ہے جس سے موضوع کا کوئی تعلق نہیں۔اس جانب توجہ کرلیں تو مناسب ہوگا۔

''انسانِ کامل ﷺ کا ذکرِ خیر''

سید اقبال حیدر (ہیوسٹن) کا مضمون ''انسان کامل ﷺ کا ذکرِ خیر'' چار ذیلی عنوانات کے ساتھ شائع ہوا ہے۔انہوں نے ''علامہ ماوردی کے مضمون'' سے استفادہ کرکے جن چار ذیلی عنوانات کو ''ابجد'' کی ترتیب کے ساتھ لکھا ہے۔اس میں ان کی طرف سے کوئی تحقیقی یا تنقیدی پہلو دکھائی نہیں دیتا۔مضمون نگار کو چاہیئے تھا کہ وہ اپنی طرف سے کوئی تحقیقی پہلو اور تنقیدی آرأ کو شامل کرلیا ہوتا تو یہ مضمون تحقیقی نقطۂ نظر سے قارئین کو متاثر کرجاتا۔

میرا مشورہ ہے کہ مضمون نگار سید اقبال حیدر صاحب مزید مطالعہ کرکے تحقیقی وتنقیدی پہلوؤں سے اگلے مضمون کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کریں گے۔علامہ کا جو نام انہوں نے لکھا ہے شاید کتابت کی غلطی سے نام میں تبدیلی ہوئی ہوگی۔اصلاح کرلیں۔

''مظفر وارثی کا حمد یہ آہنگ''

ڈاکٹر عزیز احسن (کراچی) کا مضمون ''مظفر وارثی کا حمد یہ آہنگ'' تحقیقی اعتبار سے دیکھا جائے تو اس میں بہت سی معلومات کو یک جا کردیا گیا ہے جس کی وجہ سے ایک عام قاری کو معلومات میں اضافہ ہونے لگا ہے۔انہوں نے اسلوبیات پر کھل کر بحث کی ہے۔جیسا کہ انہوں نے ''ما فیہ واسلوب''، ''طیف''، مجرد خیال کو تجسیمی بنانا، تمثال آفرینی اور کالمک ویژن وغیرہ کو مثالوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔

ڈاکٹر عزیز صاحب! اپنے مقالہ میں دونوں اجزا کا بھرپور استعمال کیا ہے جس سے مقالہ میں ایک ادبی نکھار دیکھنے کو ملتا ہے۔دونوں اجزا سے مراد تحقیق وتنقید ہے۔ایک کامیاب ادیب کی نشانی یہ ہے کہ وہ برموقع برمحل ان کیفیات کو بیان کرکے جیسا کہ انہوں نے اشعار کے اسلوبیاتی

اور معنوی پیکر میں سمو دیا ہے۔راقم الحروف کے خیال میں آپ کے مقالہ میں تحقیقی وتنقیدی دونوں پہلو واضح نظر آتی ہیں۔یہی بات ایک تجربہ کار محقق اور نقاد میں ہوا کرتی ہے۔اسی اعتدال پسندی کی وجہ سے فن کا حقیقی مرتبہ قاری کے سامنے کھل کر آتا ہے۔ایک کامیاب نقاد و محقق تحقیق وتنقید کے اصول وضوابط کا پابند نظر آتا ہے یہ کیفیت ہمیں ڈاکٹر عزیز احسن کے مقالہ میں دکھائی دیتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اشعار کی تشریح اس کے معنوی پس منظر میں وضاحتی پیرائے میں پیش کی ہے۔جس سے نہ صرف شاعر بلکہ ناقد کے بصیرت افروز انداز بیاں کا بخوبی اظہار دکھائی دیتا ہے۔مظفر وارثی کی حمدیہ شاعری کا انہوں نے بغائر مطالعہ کیا۔اشعار میں چھپے معنوی پیکر کو وضاحتی انداز بیان کے ساتھ پیش کیا ہے۔جس کے لیے میں فاضل مقالہ نگار ڈاکٹر عزیز احسن صاحب کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔اور امید کرتا ہوں کہ اپنے آئندہ لکھے جانے والے نعتیہ ادب پر مشتمل مقالہ میں بھی اسی کیفیت کو برقرار رکھیں گے۔آمین۔

بحیثیت مجموعی آپ کا مقالہ تمام فنی نقائص سے پاک دکھائی دیتا ہے۔(راقم احروف)

مظفر وارثی کے اشعار کی تشریح کرتے ہوئے انہوں نے ایک جگہ لفظ ''صحیفہ عقیدت'' لکھا ہے وہ مناسب نہیں کیوں کہ یہ لفظ آسمانی کتابوں کے نزول کے لیے مختص ہے جو کہ پیغمبرانِ اسلام پر نازل ہوئے۔بجائے لفظ ''صحیفہ عقیدت'' کے ''گلہائے عقیدت''،یا کتابِ عقیدت لکھ دیتے تو مناسب تھا۔اس طرف ڈاکٹر صاحب توجہ دیں۔(راقم الحروف)

''لسان الحسان طاہر سلطانی کے نعتیہ کلام ''نعت روشنی'' کا تنقیدی جائزہ''

جناب محسن اعظم محسن ملیح آبادی (کراچی) کا مضمون ''لسان الحسّان طاہر سلطانی کے نعتیہ کلام ''نعت روشنی'' کا تنقیدی جائزہ پڑھنے کے بعد راقم کو اس بات کا واضح اندازہ ہوا کہ آپ نے جو طرزِ ادا اشعار کی تشریح کے لیے اپنایا ہے وہ طوالت لیے ہوئے ہے۔اشعار کی تشریح اگرچہ انتہائی عقیدت ومحبت کے پیرایہ میں کی گئی ہے۔بات کو اس طرح پیش کرنا چاہیے کہ قاری کو طوالت کا احساس نہ ہو اور نہ ہی مقفع مسجع الفاظوں میں چھپے معنوی پیکر کی تراشی کی جائے بلکہ اشعار کی وضاحت فصیح وبلیغ پیرائے میں کی جائے۔

جو زبان فصاحت و بلاغت کے لئے استعمال کی جاتی ہے وہ قاری کے سمجھنے میں آسانی ہو اور اس کے دل پر اثر کرے۔جہاں تک تنقیدی اصول وضوابط کا تعلق ہے وہاں زبان کو اس طرح استعمال کی جائے جس سے قاری کے سمجھنے میں آسانی ہو مترادف الفاظ یا مختلف لفظیات

کے ذریعے معنی کی یکائی ظاہر کرنا قاری کو مشکلات میں ڈال دیتا ہے یہ الگ بات ہے کہ اس زبان سے ایک ادیب ضرور محظوظ ہوسکتا ہے عام قاری نہیں۔ ایک کامیاب ادیب کے پیشِ نظر وہی زبان ملحوظ رہتی ہے جو افہام و تفہیم کی راہ میں ممد و معاون ثابت ہو۔ اسی زبان کے ذریعہ ادیب قاری کو اپنی بات سمجھانے میں کامیاب و کامران نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ ایسے الفاظ کا استعمال کرتا ہے جو معنی کی ترسیل میں موثر ثابت ہوا ہے۔ جن میں تفہیم کی لذت کے ساتھ تاثیر کی حلاوت قاری کو متلذّذ کر جائے۔

اب رہی بات طاؔہر سلطانی صاحب کے ان اشعار کی جن کے ہر ایک لفظ سے لذتِ تفہیم کی جھنکار کے ساتھ ساتھ حلاوت کی چاشنی دیر پا اثر چھوڑ جاتی ہے۔ عقیدت و محبت سے بھرے جذبات کی لے میں ڈوبے ہر ایک شعر میں عشق و محبت کی حرارت ایمان و یقین کو استحکام بخشتی جا رہی ہے۔ واقعی طاؔہر سلطانی صاحب کے ہر ایک شعر میں احساسات و جذبات کا ایک حقیقی پیکر دیکھنے کو ملتا ہے۔ محسن ملیح آبادی اگر آسان اور موثر زبان کو استعمال کرتے تو قاری کے سمجھنے میں اور شاعر کے سمجھاتے ہوئے معنوی پیکر میں ہم آہنگی پیدا ہوسکتی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی زبان صرف ادیبوں کے لیے ہے ایک عام قاری کی سمجھ سے باہر نظر آتی ہے۔ امید کہ اس جانب توجہ دی جائے گی (راقم الحروف)

''ان کی نعت رسمی نہیں'' (دبستانِ نعت، صفحہ ۱۴۳)

محسن صاحب نے لکھا ہے کہ ان کی نعتیں رسمی نہیں۔ جہاں تک نعت نبی ﷺ کا مقام و مرتبہ ہے وہاں لفظ رسمی کا استعمال کرنا بے ادبی کے زمرہ میں داخل ہوتا ہے۔ نعت شریف نعوذ باللہ رسمی نہیں ہوا کرتی بلکہ وہ توتوحید کے ہر دو جز کے معنوی پسِ منظر میں رسالت مآب ﷺ کے مجسم سراپا، مجسم اوصافِ حمیدہ، رحمۃ للعالمینی کے ہر ایک حُسنِ ادا، ہر ایک حسن معاملہ کی تصویر کشی سے متعلق ہوتی ہے۔ اس مقدس صنف میں ''رسمی'' کا لفظ استعمال کرنا میرے خیال میں غیر مناسب لفظ دکھائی دیتا ہے۔ ہاں ہوسکتا ہے کہ بعض غیر مسلم حضرات نے جو نعت شریف لکھی ہیں اُن کو صنفِ ادب کے تحت نعتِ رسمی میں استعمال کیا گیا ہو۔ غیر مسلم شعرأ سے ہٹ کر جتنے بھی مسلم شعرأ اپنی عقیدت و محبت کا اظہار ''صنف نعت'' سے کیا کرتے ہیں اُن کے لیے ''رسمی نعتیں'' کہنا غیر مناسب و ادب کے خلاف ہے۔ اُن کا یہ جملہ میری سمجھ میں نہیں آیا '' کچھ اشعار ایسے بھی ہیں جن میں نسبت رسول مصور ملتی ہے'' معنوی اعتبار سے یہ جملہ جھول پیدا کرتا دکھائی دیتا ہے۔ اس جملہ کو

اس طرح لکھا جاتا تو بہت ہی بہتر ہوتا وہ یوں ہے '' کچھ اشعار ایسے بھی ہیں جن میں نسبتِ رسول کی تصویر کشی ہمیں بخوبی دیکھنے کو ملتی ہے'' معنوی پس منظر میں یہ جملہ بہت ہی خوب نظر آتا ہے۔

وہ آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

''ان کے طرزِ اظہار میں سلیقۂ شاعرانہ ہے'' یہ جملہ بھی کھٹکتا ہوا نظر آتا ہے بجائے اس کے سلیقۂ عقیدت مندی دکھائی دیتی ہے'' لکھ دیتے تو بہت ہی اچھا ہوتا۔ان کی تحریر میں عربی تراکیب کے جملے دیکھنے کو ملتے ہیں۔عصرِ حاضر میں بھی بعض قاری ایسے بھی ہیں جن کو عربی زبان پر عبور حاصل نہیں ہے ایک عام قاری کو عربی تراکیب کے جملے پڑھ کر سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے۔ جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے۔

بالاستیعاب پڑھا ہے۔سریع التاثیری (دبستان نعت،ص:۱۴۵)

''نعت شریف'' کے الفاظ خود حد درجہ تازگی کا احساس دلاتے ہیں۔جن کی کیفیات کو ہم الفاظ کے ذریعہ بیان نہیں کر سکتے محسوس ضرور کر سکتے ہیں۔اس سلسلہ میں محسن صاحب کا یہ جملہ ''جن سے ان کی نعتوں میں تازگی کا احساس ہوتا ہے۔'' غیر مناسب دکھائی دیتا ہے۔

(دبستان نعت،۔صفحہ ۱۵۰)

یہ جملہ بھی غیر مناسب دکھائی دیتا ہے وہ لکھتے ہیں۔''اُس کی شاعری اس منطقہ میں پہنچ جاتی ہے جہاں لفظ سانس لیتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔'' لفظ منطقہ کو ایک عام قاری سمجھ نہیں سکتا۔ اشعار کی شرح میں اس طرح کے مشکل الفاظوں کو نہ استعمال کریں تو وہ ادبی پیرائے میں خوب نکھر کر قاری کے سامنے آسکتے ہیں۔اس جانب توجہ کی جائے۔(راقم الحروف)

بحیثیت مجموعی آپ کے مضمون کو پڑھنے کے بعد جو اشعار آپ نے طاہر سلطانی صاحب کے پیش کئے ہیں ہر ایک شعر میں عشق ومحبت اور عقیدت مندی کے ملے جلے حقیقی جذبات ہمیں دیکھنے کو ملتے ہیں کوئی بھی شعر اپنی شعریت اور عقیدت ومحبت کے علاوہ ادب واحترام سے جدا دکھائی نہیں دیتا۔ان کے اشعار کو پڑھنے کے بعد ذہن بار بار کہتا ہے کہ پھر سے پڑھو پھر سے پڑھو اور پڑھتے رہو یوں ہی زندگی گذر جائے آمین۔

حمدِ اللہ جلّ جلالہ و مدحِ رسول اللہ ﷺ

(غیر منقوط حمدیہ و نعتیہ شاعری کا اجمالی جائزہ)

مذکورہ مضمون طاہر سلطانی (کراچی) صاحب کا لکھا ہوا پڑھ کر حیرت کی انتہا نہ رہی۔

انہوں نے مختلف شعرائ کے وہ مجموعہ ہائے کلام جو کہ غیر منقوطہ ہیں ہر ایک کا اجمالی جائزہ لیا ہے۔ غیر منقوطہ کلام جس کو ''صنعتِ عاطلہ'' کہتے ہیں۔ بڑا ہی مشکل فن ہے۔ لیکن خدائے تعالیٰ جس کو اپنے فضل وکرم سے عطا فرمائے وہ بڑے خوش نصیب شعرائ ہوتے ہیں بالخصوص ''نعت پاک'' جیسی صنفِ سخن میں طبع آزمائی کا مقام آئے۔

طاؔہر سلطانی صاحب نے بڑے سلیقہ کے ساتھ نہایت عمدہ پیرائے میں بغیر کسی طوالت کی بات کو سمجھاتے ہوئے ہر ایک شاعر کا نہ صرف تعارف کروایا ہے بلکہ اشعار کی تشریح بھی کی ہے۔ فیضؔی ،حفیظؔ جالندھری، مولانا رازی ، سید محمد امین علی شاہ نقوی ، راغبؔ مرادآبادی، لطیف اثؔر ، تابشؔ الوری ، یوسف طاہر قریشی ، صادق علی صادقؔ بستوی، محسنؔ اعظم محسن ملیح آبادی ، مولوی قدرت اللہ بیگ مراد ملیح آبادی وغیرہ کی غیر منقوطہ مجموعہ کلام کا تبصرہ بڑے ہی عمدہ پیرائے میں کیا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے ہر ایک شاعر کا انتخابی کلام بھی بطور نمونہ پیش کیا ہے۔ آپ کے مبسوط مقالہ پڑھنے کے بعد ایک عام قاری کو اس بات کا احساس ہونے لگتا ہے کہ ہمارے شعرائ نے اپنی خداداد صلاحیتوں کے پیشِ نظر غیر منقوط کلام کو معلومات میں اضافہ کیا۔

اگرچہ کہ طاؔہر سلطانی صاحب کا مضمون طویل ہونے کے باوجود پر کیف دکھائی دیتا ہے۔ بعض جگہ انہوں نے اپنی بات کو سمجھانے میں غیر ضروری طوالت کو اختیار کیا ہے۔

''میلادِ اکبر ایک مطالعہ''

ڈاکٹر نذیر فتح پوری کا مقالہ ''میلادِ اکبر ایک مطالعہ'' مختصر ہونے کے باوجود قاری کی معلومات میں اضافہ کا سبب بنا ہوا ہے۔ قاری کو جن باتوں کا علم نہیں تھا ڈاکٹر نذیر صاحب نے بڑے ہی سلیقہ کے ساتھ بات کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

''میلادِ اکبر'' کی اہمیت وافادیت کو انہوں نے رسالہ کے کئی اشاعت کو سبب ٹھہرایا ہے۔ واقعی یہ بات قابلِ قبول ہے کہ جو تصنیف عوام میں زیادہ مقبول ہونے لگتی ہے اس کے ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ لے لئے جاتے ہیں۔ اس طرح طابع وناشر مزید ایڈیشن شائع کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ مرے خیال میں اس کتاب کی سب سے بڑی مقبولیت اشعار میں موجود نغمگی وسلاست کے علاوہ عقیدت ومحبت کے ملے جلے جذبات قاری کے قلب وذہن کو متاثر کر جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ قاری ان اشعار کو کئی مرتبہ پڑھنے کے بعد محسوس کرنے لگتا ہے۔

راقم الحروف کو خواجہ محمد اکبر وارثی کے وہ اشعار پسند آئے جس میں اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ اپنے پیارے محبوب کو لوریاں دے کر سلایا کرتی تھیں۔

یہ حلیمہ کہ رہی تھی میرے گلِ عذار سو جا
ترے جاگنے کے صدقے مری جانِ زار سو جا
بنی سعد کا قبیلہ ہوا باغ باغ تجھ سے
مرا دودھ پینے والے گل نو بہار سو جا
مرا دل ہو تجھ پہ واری مری جاں تجھ پہ صدقے
مرے نورِ عین سو جا مرے شیر خوار سو جا

''میلاد اکبر'' کے نہ صرف نعتیہ اشعار بلکہ درود شریف سے متعلق اشعار بھی قابل دکھائی دیتے ہیں۔ جن کو حسب ذیل پیش کئے جا رہے ہیں:

ہر درد کی دوا ہے صلی علیٰ محمد ﷺ
تعویذِ ہر بلا ہے صلی علیٰ محمد ﷺ
جو درد لا دوا ہو گھول کر پلا دو
کیا نسخۂ شفا ہے صلی علیٰ محمد ﷺ
اس کی نجات ہوگی رحمت بھی ساتھ ہوگی
جو پڑھ کے مر گیا ہے صلی علیٰ محمد ﷺ

میرے خیال میں ''میلاد اکبر'' نہ صرف ہندو پاک بلکہ دنیا کے ہر خطہ میں شائع ہو کر پڑھا جانا چاہیے۔ تا کہ عاشقانِ رسول ﷺ کے قلوب میں گرمیِ محبت زیادہ سے زیادہ بڑھتی جائے۔ ان ممالک میں عشق رسول ﷺ کے مقابلے مادیت پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔

بحیثیت مجموعی یہ مقالہ بہت ہی پر اثر دکھائی دیتا ہے۔

''نعتیہ شاعری کا تاریخی پسِ منظر''

علیم صبا نویدی نے اپنے مضمون ''نعتیہ شاعری کا تاریخی پسِ منظر'' میں عنوان کے ساتھ انصاف نہیں کیا ہے عنوان کا تقاضہ یہ ہے کہ نعتیہ کے سلسلہ کی شاعری میں عرب ممالک کے علاوہ دیگر ممالک کے ''نعت گو'' شعراً کا تذکرہ کیا جانا چاہیے تھا۔ حالاں کہ ایسا نہیں ہوا اس کے ساتھ ساتھ شاعری کا آغاز وارتقائ پر سیر حاصل بحث نہیں کی گئی ہے۔ صاحب موصوف نے عربی اشعار پر

اکتفا کرتے ہوئے نہ تو فارسی شعرأ کا تعارف کروایا ہے اور نہ ہی اردو شاعری کے چند مشہور و معروف شعرأ کا تعارف ان کی شاعری کے حوالہ سے کیا ہے۔

بحیثیت مجموعی علیم صبا نویدی کا یہ بہت ہی مختصر مضمون اپنے موضوع کے ساتھ انصاف کرنے سے قاصر رہا۔ علیم صبا نویدی کو چاہئے تھا کہ بات کو مختصر ہی سہی تینوں زبانوں کے شعرأ کا ایک مختصر تعارف ان کے اشعار کے حوالے سے کرتے تو بہت ہی بہتر ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ قاری اس اچنبھے میں پڑ جاتا ہے کہ صرف عربی کے اشعار ہی کو وہ تاریخی پس منظر سمجھنے لگتا ہے۔ تحقیقی رو سے یہ تذکرہ غیر مستند دکھائی دیتا ہے۔

تحقیقی نقطۂ نظر سے علیم صبا نویدی کا مضمون ''تحقیق طلب'' ہے۔ اس مضمون میں ''نعتِ پاک'' کے صنف کا آغاز کیا ہے سمجھایا نہیں گیا ہے۔ امید کہ صاحبِ مقالہ نگار اپنے آئندہ مضامین میں اصولِ تحقیق وتنقید'' کا ضرور خیال رکھیں گے۔

''مقبول بارگاہِ رسالت نعت گو شاعر حضرت رؔوف امروہوی مرحوم''

ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب کا مضمون ''مقبول بارگاہِ رسالت نعت گو شاعر حضرت رؔوف امروہوی مرحوم'' ایک تعارفی مضمون ہے۔ رؔوف امروہوی صاحب کے جن ''مجموعہائے نعت'' کا انہوں نے ذکر کیا ہے۔ وہاں تاریخِ اشاعت کا ذکر نہیں کیا ہے شاید انہیں تاریخ دستیاب نہ ہوئی ہوگی۔ رؔوف صاحب کی جانب سے ایک طویل مدّت تک نعتیہ محافل کا انعقاد کیا جانا واقعی ایک عاشقِ رسول ﷺ کی اظہارِ عقیدت ومحبت کا نمونہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ آپ کا یہ عمل ہر عاشقِ رسول ﷺ کو نہ صرف مسرور کر جاتا ہے بلکہ ان کے اندر جذبۂ ایثار وقربانی کو بڑھانے کا سبب بن جاتا ہے۔ ان کی قربانیوں کو دیکھ کر ہر عاشقِ رسول ﷺ کے دل میں تا حیات اپنی قربانیوں کو پیش کرنے کا جذبہ پیدا ہونے لگتا ہے۔

''مقبول بارگاہِ رسالت ﷺ'' کا ہونا ایک سچے عاشقِ رسول ﷺ کے ہونے کی دلیل ہے۔ خدا کرے یہ شرف ہر عاشقِ رسول ﷺ کو نصیب ہو آمین۔

جہاں تک تحقیق وتنقید کا معاملہ ہے اس سلسلہ میں جناب ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب نے ایک سطحی طور پر تحقیق کے سلسلہ کو جاری رکھا۔ ان کی تحقیق میں نہ گہرائی ہے اور نہ ہی گیرائی پائی جاتی ہے صرف معروضانہ شکل ابھر کر سامنے آتی ہے۔ تحقیق کا دوسرا رُخ یہ ہے کہ اشعار کی تشریح کی جائے۔ انہوں نے ایسا نہیں کئے۔ اگر اشعار کی تشریح کی جاتی تو بہتر ہوتا۔

ڈاکٹر موصوف سے میری گذارش ہے کہ جب کبھی وہ مضمون لکھیں تحقیق و تنقید دونوں پہلوؤں کو اجاگر کر کے قارئین کے لیے دلچسپی کا سامان مہیا کریں۔ تا کہ تشنگی کا سبب بن نہ جائے۔

''مولانا سعید اعجاز کامٹوی کے رُخِ حیات کی جھلکیاں اور سعادت افروز نعتیہ وسلامیہ شاعری''

ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی صاحب کا ''مضمون'' باعتبار انتخابِ مضمون کے بہت ہی طوالت لئے ہوئے نظر آتا ہے۔ عنوان اس طرح انتخاب کیا جانا چاہیے یا عنوان کو اس طرح بنایا جانا چاہیے کہ قاری کو اس کے پڑھنے میں یا سمجھنے میں آسانی ہو اور قاری حالت تذبذب میں نہ پڑ جائے۔ مثال کے طور پر آپ نے مولانا سعید اعجاز صاحب کے ''رُخِ حیات کی جھلکیاں'' لکھ کر قاری کو حیرت میں ڈال دیا ہے کہ رُخِ حیات کی جھلکیاں آخر کس کی ہیں؟

راقم الحروف کے خیال میں عنوان اس طرح انتخاب کیا۔ ''مولانا اعجاز کی نعتیہ وسلامیہ شاعری'' اور اسی طرح عنوان کی وضاحت کرنے سے پہلے ضمناً شاعر کی حیات پر ایک اختصاریہ، پیش کرتے ہوئے اصل موضوع پر کھُل کر بحث کی جاتی تو مناسب ہوتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا آئندہ اس بات کی طرف صاحب مقالہ نگار توجہ فرمایں گے۔

مضمون کی شروعات شاعر کے حالاتِ زندگی اور شعری تخلیقات کو وضاحت کے ساتھ کی گئی۔ اس کے بعد نفس مضمون نعتیہ وسلامیہ شاعری پر کھُل کر بحث کی گئی ہے۔ جو کہ تقریباً تیرہ صفحات پر موجود ہے۔ مولانا اعجاز کامٹوی صاحب کی شاعری ان کی شخصیت کی آئینہ دار دکھائی دیتی ہے۔ جس طرح انہوں نے ''صنفِ نعت پاک'' کو اپنی زندگی کا موضوع بنایا ہے بالکل اسی طرح انہوں نے ہر ایک شعر کے ہر ایک لفظ میں اپنی حقیقی محبت کا اظہار کیا ہے جس میں اخلاص بھی ہے، محبت بھی ہے تمنّا بھی ہے، اور یہاں تک کہ اپنے آپ کو قربان کر دینے کا پاکیزہ جذبہ بھی کارفرما دکھائی دیتا ہے۔ یہ واقعی ایک سچے عاشقِ رسول ﷺ کی حقیقی تمنا ہے جو انہیں اس مقام پر لے جاتی ہے جہاں وہ جانا چاہتے تھے۔

نکلی ہے روح ذکرِ جمالِ نبی کے ساتھ
ہم گوشۂ لحد میں چلے روشنی کے ساتھ

راقم الحروف کے خیال میں مولانا اعجاز کامٹوی صاحب کے دل سے نکلی ہوئی صدا ان کے اشعار میں ایک صدائے گونج لے کر نکلتی ہے۔ ہر عاشقِ رسول ﷺ کے دل ودماغ کو گرماتی چلی جاتی ہے۔ صاحب مضمون نگار نے تشریح بڑے ہی عمدہ پیرائے میں کی ہے۔ لیکن راقم کے خیال میں ان کا ہر ایک شعر وضاحت کا ایک سمندر چاہتا ہے جو اسی کا ہی حق ہے۔ میں صاحب مقالہ نگار ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی صاحب کو مبارک باد پیش کرتا ہوں ان کے مقالہ لکھنے پر ان کے انتخاب مضمون پر ان کے انتخابِ شاعری پر خدا کرے ہر ایک شاعر کے اندر کا یہ پاکیزہ جذبہ پیدا ہو آمین۔

''علمائے گھوسی کی نعت نگاری''

ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی صاحب کا لکھا ہوا مضمون ''علمائے گھوسی کی نعت نگاری'' تقریباً چھتیس صفحات پر مشتمل ہے۔ غالباً اس رسالے میں موجود تمام مضامین میں یہی ایک طویل مضمون ہے۔ کیوں کہ آپ نے جن شعرأ کا تعارف کروایا ہے وہ خود طوالت چاہتا ہے۔ آپ کا مضمون طویل ہونے کے باوجود معلومات کا ایک خزانہ دکھائی دیتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے گھوسی کے علم وادب کے تعارف پر ایک سیر حاصل نوٹ لکھا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اصولِ تحقیق کی پابندی کرتے ہوئے مستند حوالوں کی بھی نشاندہی کی ہے۔ اصول تحقیق کی روشنی میں یہ بات مستند سمجھی جاتی ہے۔ ان کا اسلوب بیان معروضی ہے جن میں بات کو بڑے سلیقے کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔ انہوں نے ۳۷رگھوسی کے نعت گوشعرأ کا تذکرہ کیا ہے اور ساتھ ہی علی الترتیب ۱۶رمشہور ومعروف نعت گوشعرأ کا تذکرہ مختصر حالات زندگی کے ساتھ ان کی ادبی خدمات کی بھی وضاحت کی آپ کا یہ مقالہ قاری کی معلومات میں اضافہ کا سبب دکھائی دیتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے شعرأ کی تاریخِ ولادت اور وفات کو بھی وضاحت کے ساتھ لکھا ہے یہ ایک کامیاب محقق کی علامت ہے۔

وہ شعرأ کرام جن کا تذکرہ آپ نے کیا ہے حسبِ ذیل ان کے نام پیش کئے جارہے ہیں۔

۱۔ علامہ اویس برکاتی ۲۔ علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی ۳۔ قاری محمد عثمان اعظمی ۴۔ مولانا محمد رمضان مسلم ۵۔ مولانا غلام ربّانی فائق ۶۔ مولانا اکرام الحق اکرام نقشبندی ۷۔ علامہ بدر القادری بدر ۸۔ مولانا ڈاکٹر شکیل احمد شکیل ۹۔ مولانا سیف الدین سیف انصاری ۱۰۔ مولانا فدأ المصطفیٰ فدأ ۱۱۔ مولانا فروغ احمد فروغ اعظمی ۱۲۔ مولانا مظفر الدین سحر اعظمی ۱۳، مولانا وصال احمد وصال ۱۴۔ ڈاکٹر شکیل احمد شکیل اعظمی۔

شعرا کے تعارفی عبارت میں جو زبان استعمال کی گئی ہے وہاں اکثر عربی الفاظ کو استعمال کیا گیا ہے جس کی وجہ سے ایک عام قاری کے سمجھنے میں رُکاوٹ کا سبب بن سکتا ہے۔ اردو ادب کے قاری کو دلچسپی کا فقدان نظر آتا ہے۔ اردو ادب میں اگرچہ عربی اور فارسی الفاظ زیادہ پائے جاتے ہیں اس کے باوجود جو تراکیب ہمارے مقالہ نگاروں میں بالخصوص ہمارے علمائے کرام کی تحریروں میں عربی تراکیب کثرت کے ساتھ استعمال کرجاتی ہے جس کی وجہ سے اردو ادب میں ایک جھول سارہ جاتا ہے جو کہ ادب کو خوب سے خوب تر بنانے میں روکاوٹ کا سبب بن جاتا ہے۔ جیسا کہ اویؔس برکاتی کے تعارف میں آپ نے لکھا ہے:-

''بریلی جاکر مدرسہ منظر اسلام میں داخل ہونے کے بعدہ صدر الشریعہ کی معیت میں دارالخیر اجمیر شریف جامعہ عثمانیہ میں پہنچے۔'' صفحہ ۲۲۳

آگے لکھتے ہیں:۔

''شیخ العلماء جامع فضائل والکمالات شخصیت کے مالک تھے۔'' صفحہ ۲۲۴

اشعار کا جو تعارف آپ نے کروایا ہے وہ عبارت حسب ذیل پیش کی جاتی ہے:۔

''عشق رسول ﷺ سے معمور، حبِّ رسالت سے بھر پور اور فصاحت و بلاغت سے تر بتر مندرجہ ذیل نعت ملاحظہ کریں۔''

مذکورہ عبارت میں ''حبّ رسالت سے بھر پور اور فصاحت و بلاغت سے تر بتر'' یہ جملہ صحیح نہیں ہے۔ شروع ہی میں آپ ''عشقِ رسول ﷺ سے معمور'' لکھ دیا ہے کافی ہے۔ ''حُبّ رسالت سے بھر پور'' ضروری نہیں ہے وضاحت ہو چکی ہے۔ ''فصاحت و بلاغت سے تر بتر'' یہ جملہ بھی صحیح نہیں ہے۔

جملہ اس طرح سے ہونا چاہئے:۔

''فصاحت و بلاغت کا ایک خوش نما گل دستہ دکھائی دیتا ہے۔

یا

فصاحت و بلاغت سے بھر پور خوش نما کلام دیکھنے کو ملتا ہے'' وغیرہ

راقم الحروف کو علامہ اویؔس برکاتی کے یہ اشعار بہت ہی دل کو مسرور کر گئے۔ ؎

کبھی دیوانگی میں قیس مجھ سے بڑھ نہیں سکتا
وہ دیوانہ ہے لیلیٰ کا میں دیوانہ ہوں پیمبر کا

سکندر سے کہو آبِ بقا سے کچھ نہیں کم ہے
وہ آنسو جو نکلتا ہے ہمارے دیدۂ تر کا

آپ نے علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی کے تعارف میں لکھا ہے:۔

''علم کے دھنی مصنف تھے جن کے قلم سے موسمِ رحمت، معمولات الابرار'' جیسی کتابوں کا آپ نے جو تذکرہ کیا ہے ایک عام قاری کو سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ عبارت ہے یا کتابوں کے نام۔ اس طرح عبارت لکھنی چاہیے جس سے کہ قاری کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ یہ تحریر بھی ادب کے خلاف ہے۔(دبستان نعت، صفحہ ۲۲۶۔۲۲۷)

علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی کے اشعار میرے دل کو منوّر کر گئے۔ ؎

نہ پوچھ اعظمی منزل سر بلندی
مرا سر ہے محبوب کا آستاں ہے

ہے خریدار گنہ رحمت کا تاجر جس جگہ
عاصیو!وہ مصطفیٰ بازار تھوڑی دور ہے

عشق و مستی میں قدم آگے بڑھا کر دیکھ لو
گنبد خضریٰ کا وہ مینار تھوڑی دور ہے

دشت طیبہ ہے یہاں چل سر کے بل اے اعظمی
مصطفیٰ ﷺ کا جنتی دربار تھوڑی دور ہے

علامہ عبدالمصطفیٰ ماجد نے اپنے اشعار میں ایک عاشق رسول ﷺ کے دلی کیفیت کا اظہار بڑی خوبی کے ساتھ کیا ہے:

فرقت کوئے نبی ﷺ میں یہ ہوا حال مرا
آہ بھی دل سے مرے سینہ فگار آتی ہے

گلشنِ زندگی ہوا بار آوار
زخم دل لے کے مدینے سے بہار آئی ہے

آہ دل گیر کا مرکز ہے ترا پاک دیار
لوٹ کے عرش سے سوئے مزار آئی ہے

قاری محمد عثمان اعظمی کے تعلق سے آپ نے لکھا ہے:۔

''رسم زمانہ کے مطابق ابتدائی تعلیم قصبہ کے مکتب میں حاصل کی'' رسم زمانہ جملہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ ''روایتی اعتبار'' سے آپ کی ابتدائی تعلیم لکھا جانا درست ہے۔ یہ اصلاح ادبی ہے۔ ادبی اعتبار سے دیکھا جائے تو ''رسمِ زمانہ'' صحیح نہیں۔ آپ نے کتابوں کا تعارف بھی غیر ادبی طرزِ تحریر کے ساتھ کیا ہے۔

جیسا کہ آپ نے صفحہ ۲۳۱ میں لکھا ہے۔

''نظم خیال حرم'' نغمہ رسول'' نغمہ مجاز اور منظوم سیرت النبی ﷺ آپ کی منظوم تصانیف ہیں۔
قلمی یادگار غیر ادبی جملہ ہے۔ اصلاح کرلیں۔

قاری محمد عثمان صاحب کے وہ نعتیہ اشعار جو ہمارے قلب وذہن کو منور کرتے ہیں حسب ذیل پیش کئے جارہے ہیں ملاحظہ کیجئے! جو کہ راقم الحروف کو بہت پسند آئے۔

محمد ﷺ سا حسیں دیکھا نہ ایسی دل بری دیکھی
خدا نے مصطفیٰ ﷺ میں اپنی خود جلوہ گری دیکھی

وہ آئے سامنے تو بت بھی سجدے میں چلے آئے
خدا شاہد ہے دنیا نے نہ ایسی رہبری دیکھی

صحن عالم میں یہ کیسی چمن آرائی ہے
صبح دم بادِ صبا پیغام یہ کیا لائی ہے

بلبلوں کی ہے زبانوں پہ ترانہ کس کا
پھول ہنستے ہوئے سنتے ہیں ترانہ کس کا

مسکراتی ہوئی کلیوں کا نہ عالم پوچھو
راز ہے راز کوئی جس کو اسی دم پوچھو

مولانا محمد رمضان مسلّم کے تعارف میں آپ نے لکھا ہے:۔

''فن طب پر بھی دسترس رکھتے تھے۔'' (صفحہ ۲۳۴)

یہ جملہ صحیح نہیں ادبی اعتبار سے۔ جملہ اس طرح ہونا چاہیے تھا۔ وہ فن پرطب کے بھی ماہر تھے۔

یا

یا انہیں فن طب پر کامل مہارت تھی۔ وغیرہ۔ ادبی جملہ کہلاتا ہے۔

مولانا غلام ربانی فائق کے تعارف میں آپ نے لکھا ہے کہ۔

''سالانہ جلسۂ دستار بندی میں آپ کو تاجِ فضیلت سے سرفراز کیا گیا۔''

(صفحہ ۲۳۶)

یہ جملہ ادبی اعتبار سے صحیح نہیں۔ تاجِ فضیلت سے نوازا گیا۔ تاجِ فضیلت سے سرفراز ترکیب صحیح نہیں ہے۔

پھر آپ نے لکھا ہے۔

''فراغت کے بعد تاحینِ حیات درس و تدریس کی بافیض خدمات انجام دیئے۔'' (صفحہ ۲۳۶)

جملہ اس طرح ہونا چاہیے۔

تاحینِ حیات کے بجائے تاحیات کافی ہے۔

درس وتدریس کی بافیض خدمات کی ضرورت نہیں بلکہ درس وتدریس کی خدمات کو انجام دیا کافی ہے۔ درس وتدریس میں خود فیض پہنچانے کے معنی چھپے ہوئے ہیں اس میں بافیض لکھنے کی ضرورت نہیں۔ آپ نے ان کی تصانیف کا ذکر جملہ میں کر دیا۔ تصانیف کا ذکر شروع میں کر دیتے تو مناسب تھا۔ تصانیف کا لفظ نہیں لکھا بلکہ ترجمہ کی بات کہی ہے۔ یہ جملہ لکھا جانا چاہیے جو کہ قاری کے سمجھنے میں آسانی ہو۔ آپ نے لکھا ہے سیال قلم کے مالک تھے۔ یہ جملہ غیر ادبی ہے۔ ان کے

قلم میں زبان کی روانی دیکھنے کو ملتی ہے۔ وغیرہ لکھتے تو بہتر ہوتا اس طرح ان کی تحریر میں اکثر جگہ طویل عربی ترکیبات پائی جاتی ہیں جو کہ قاری کو پڑھنے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان کی تحریر کو پڑھنے کے بعد مجھے ایک شعر یاد آ گیا۔ شعر یہ ہے۔ ؎

جو بات سمجھ آ جائے فصاحت اس کو کہتے ہیں
جو بات دل پر اثر کر جائے بلاغت اس کو کہتے ہیں

آپ کی تحریروں میں فصاحت و بلاغت دونوں کا فقدان نظر آتا ہے۔ بات ایسی کی جاتی جو کہ ادبی پیرائے میں ہو۔ ادبی پیرایہ اسے کہتے ہیں جن میں فصاحت و بلاغت کی ملی جلی کیفیت ہو۔ یعنی بات ادبی پیرائے میں کہی گئی ہو جو کہ سمجھ میں بھی آئے اور دل پر اثر بھی کرے۔ اس بات کی جانب ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی صاحب کو راغب ہونا چاہیے۔ (راقم الحروف)

مولانا اکرام الحق اکرؔام کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

''مولانا تصوف آشنا طبیعت رکھتے تھے'' صفحہ ۲۳۸

یہ جملہ بھی غیر ادبی ہے۔ ادبی اس طرح ہونا چاہیے۔

''مولانا تصوف کے پیچیدہ مسائل سے آشنا تھے۔''

عربی تراکیب کو اس طرح استعمال کیا ہے۔

سلیم الطبع، منکسر المزاج، وسیع النظر وغیرہ۔

علامہ بدر القادری کے تعلق سے لکھتے ہیں:۔

''علامہ بدر القادری کی شخصیت کئی جہت رکھتی ہے۔'' یہ جملہ غیر ادبی ہے۔

ادبی جملہ اس طرح ہونا چاہئے۔

علامہ بدر القادری کی شخصیت میں مختلف خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ وہ کئی خوبیوں کے مالک تھے وغیرہ۔ مناسب جملے ہیں۔ (راقم الحروف)

علامہ بدر القادری کی شاعری کے تعلق سے لکھتے ہیں:۔

''علامہ بدر القادری، حمد، نعت، نظم، غزل، قطعہ مناجات اور سہرا ان تمام اصناف پر ''استادانہ طبع آزمائی کی ہے''۔

اُستادانہ طبع آزمائی کی ہے۔ یہ جملہ غیر ادبی ہے۔ ادبی جملہ اس طرح ہونا چاہئے۔ ان تمام اصناف پر آپ کو قدرت حاصل تھی۔ وغیرہ (راقم الحروف)

علامہ بدرالقادری کے یہ اشعار میرے دل کو چھو گئے۔ ؎

پڑھو حمد نعتِ نبی ﷺ گنگناؤ
حضور ﷺ آگئے ہیں حضور آ گئے ہیں
دلوں کو لٹاؤ نگاہیں بچھاؤ
حضور ﷺ آگئے ہیں حضور آ گئے ہیں

ڈاکٹر شکیل اعظمی کے تعارف میں لکھتے ہیں:-

''ڈاکٹر شکیل اعظمی ایک استاد شاعر ہیں جن کو شاعری پر عبور حاصل ہے'' یہ جملہ غیر ادبی ہے۔

ادبی جملہ اس طرح ہونا چاہئے۔

''ڈاکٹر شکیل اعظمی کو فن عروض و بلاغت پر عبور حاصل ہے وہ ایک کہنہ مشق شاعر ہیں۔ یہ جملہ مناسب ہے (راقم الحروف)

وہ اشعار جو میرے دل کو متاثر کر گئے انہیں حسبِ ذیل پیش کیا جا رہا ہے۔ ؎

ارباب ذوق سُن لیں ادب کا مقام ہے
اب میرے لب پہ مدحت ِ خیر الانام ہے

وہ جس کے فیض سے اب تک شامِ جاں معطر ہے
وہ خوشبوئے بدن ہے نکہتِ زلف پیمبر ہے

زیارت شہر طیبہ کی نہ بوسہ ارض اقدس کا
ابھی میں کیسے سمجھوں اوج پر میرا مقدر ہے

مولانا سیف الدین سیف انصاری کے تعارف میں لکھتے ہیں:-

''غزل کی ہیئت میں انہوں نے کئی نعتیں کہی ہیں جو فن کی کسوٹی پر بھی پورا اترتی ہیں۔ ان کے ذخیرۂ نعت میں سے ایک کلام بطور نمونہ نذرِ قارئین ہے۔'' (صفحہ ۲۴۳)

''غزل کی ہیئت میں انہوں نے کئی نعتیں کہی ہیں۔ یہ جملہ کافی ہے اسی میں فن کی بات پوری ہوگئی ہے۔'' پھر جملہ ''جو فن کی کسوٹی پر بھی پوری اترتی ہے۔'' غیر ادبی جملہ ہے۔

پھر اس کے بعد آپ نے لکھا ہے۔

''ان کے ذخیرۂ نعت میں سے ایک کلام بطور نمونہ نذرِ قارئین ہے۔'' اس کے بجائے آپ لکھتے ان کے کلام میں سے ایک بطور نمونہ نذرِ قارئین ہے، کافی تھا۔ راقم الحروف۔

مولانا سیف الدین صاحب کی نعت کے چند اشعار راقم الحروف کو بہت متاثر کر گئے وہ حسبِ ذیل پیش کئے جا رہے ہیں ملاحظہ کیجئے۔

ترے پیغام حق افزا سے ہمیشہ دم بدم
گلشنِ ہستی کا ہر پودا لہکتا جائے ہے

ترا رستہ امن عالم صلحِ عالم کا امیں
جس نے چھوڑا اس روش کو وہ بھٹکتا جائے ہے

ان کی زلفیں ہیں کہ ہے مشک تتار بے مثال
جس طرف وہ چل دئے کوچہ مہکتا جائے ہے

کہکشاں بن جائے اس عارضِ پر نور پر
نرگسی آنکھوں سے جو آنسو چھلکتا جائے ہے

قافلے والو بتاؤ کیا مدینہ آگیا
کیوں دلِ مضطر مرا اتنا مچلتا جائے ہے

وہ مجسم نور ہیں نورانیت سے ان کی سیفؔ
گوشۂ تاریک دل میرا چمکتا جائے ہے

مولانا فداؔ المصطفیٰ فداؔ کے تعلق سے لکھتے ہیں:۔

''علامہ قادری صاحب اعلیٰ درجہ کے مدرس ہیں جن کو افہام وتفہیم کا گراں قدر ملکہ حاصل ہے۔'' صفحہ ۲۴۵

یہ ایک غیر ادبی جملہ ہے۔ حالانکہ اس جملہ میں افہام وتفہیم کا ملکہ حاصل ہے۔ کافی تھا لفظ ''گرانقدر''
یہاں بے جا و بے محل دکھائی دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے ادبیت کھو بیٹھا ہے۔ راقم الحروف۔
راقم الحروف کو فداؔ صاحب کے حسبِ ذیل اشعار متاثر کر گئے۔

ہر دِل میں یاد تیری ہر لب پہ نام تیرا
اے رحمتِ دو عالم ہے ذکرِ عام تیرا
شمس و قمر ستارے سب میں تری چمک ہے
بیلا گلاب جوہی سب میں تری مہک ہے
ہر جز و کل میں جلوہ خیر الانام تیرا
سارے جہاں سے ظلمت کافور ہو گئی ہے

مولانا فروغ احمد فروغؔ کے تعلق سے لکھا ہے:۔

''ان کی نعتوں میں وفورِ عشق، سوزِ باطن درحبیب کی تڑپ اور شوقِ زیارت کے جلوے ملتے ہیں۔'' صفحہ ۲۴۷

مذکورہ جملہ میں سوزِ باطن درحبیب کی تڑپ ''میں درِحبیب'' کے الفاظ غیر ادبی ہیں۔ جملہ یہی کافی تھا۔ سوزِ باطن کی تڑپ، (راقم الحروف)
اس طرح ایک دو جگہ کیفیت پائی جاتی ہے۔ اس طرف ڈاکٹر صاحب خیال کریں تو مناسب ہوگا۔
راقم الحروف کو مولانا فروغ صاحب کی نعت کے چند اشعار بے حد متاثر کر گئے جنہیں حسبِ ذیل پیش کیا جا رہا ہے ملاحظہ کیجئے۔

جبیں ہو جھکی میری کعبہ کی جانب
مرے دل کا قبلہ نبی کا حرم ہو

مدینہ پہنچ کر میں واپس نہ آؤں
جنازہ مرا خاکِ طیبہ میں ضم ہو
مرا عشق لے جائے گا مجھ کو طیبہ
اگر چہ مری راہ میں پیچ و خم ہو

ہند بھیجیں گر تو پھر میری لحد کے واسطے
اپنے قدموں میں جگہ رکھیں خالی یا رسول ﷺ

مولانا ظفر الدین سحر صاحب کے نعتیہ اشعار راقم الحروف کے دل کو گرما گئے۔ جنہیں حسب ذیل پیش کئے جا رہے ہیں۔

دولتِ دنیا نہیں ہے غم نہیں
تیرے کہلائیں یہ عزت کم نہیں

دل نہیں جس میں نہ تیری یاد ہو
سر نہیں جو تیرے در پہ خم نہیں

☆

اپنی قسمت کو یوں جگاتے ہیں
نعتِ شاہِ امم سناتے ہیں

لب کے بوسے فرشتے لیتے ہیں
جب گُہر نعت کے لُٹاتے ہیں

یا نبی اذنِ حاضری دیجئے
ہجر میں اشکِ خوں بہاتے ہیں

ہم تصور میں ان کے کوچے میں
روز جاتے ہیں روز آتے ہیں

مولانا وصال احمد کے اشعار راقم کو متاثر کر گئے انہیں حسبِ ذیل پیش کیا جا رہا ہے۔

خواب میں جس نے بھی دیکھا ہے جمالِ مصطفیٰ
کامراں و اللہ اس کی زندگانی ہو گئی

ناز کر اے خاکِ پاکِ ارض طیبہ ناز کر
آئے جب سرکار ہر سو شادمانی ہو گئی

اپنی قبروں میں ہیں زندہ جاں نثارانِ نبی
ان کی ذاتِ پاک کی نقلِ مکانی ہوگئی

مقالہ نگار ڈاکٹر شکیل، احمد شکیل صاحب اپنے تعلق سے لکھتے ہیں:۔

''ان کا نعتیہ مجموعہ ''فانوسِ حجاز'' ترتیب وتہذیب کی منزل سے گذر کر طباعت کی منزل میں ہے۔'' صفحہ ۲۵۳

مذکورہ جملہ میں یہ الفاظ ''ترتیب وتہذیب'' غیر ادبی جملہ ہے یہاں یہ لکھنا چاہئے۔ ''ترتیب و تدوین یا ترتیب وتزین'' کی منزل سے گذر کر طباعت کی منزل میں ہے۔ ٹھیک ہے۔ (راقم الحروف)

مولانا فروغ اعظمی اور ان کی نعتیہ شاعری

مولانا نورالہدیٰ صاحب نے اپنے مقالہ ''مولانا فروغ اعظمی اور ان کی نعتیہ شاعری'' میں جو تعارفی انداز اختیار کیا ہے وہ تو عربی طرزِ تحریر کا نمونہ دکھائی دیتا ہے۔ شاعر کے نام کی وضاحت صرف اس کے نام کے ساتھ کر دینی چاہئے عربی اسلوبِ تحریر کی طرح فروغ احمد اعظمی ابن ممتاز احمد قادری ابن قمرالدین اشرفی وغیرہ کا ایک ساتھ لکھ دینا اردو ادب کے طرزِ تحریر کے خلاف ہے۔ اردو ادب میں شاعر کا اگر آپ تعارف کروانا چاہتے ہیں تو پہلے شاعر کا پورا نام پھر اس کے بعد اس کا تخلص اور عرف عام میں اگر اسے کسی مخصوص نام کے ساتھ بلایا جاتا ہے تو اس کی بھی وضاحت کرنے کے بعد شاعر کے باپ کا نام لکھ دیا جاتا ہے ایک ساتھ ایک ہی جملہ میں شاعر کا نام، باپ کا نام، دادا کا نام نہیں لکھا جاتا اصولِ ادب کے خلاف ہے۔ اس طرف مولانا نورالہدیٰ صاحب کو دھیان دینا چاہئے۔ آگے آپ نے لکھا ہے۔

''مولانا اعظمی دورِ طالب علمی ہی سے قلم وقرطاس سے جُڑ گئے تھے۔''

(دبستان نعت، صفحہ ۲۵۶)

مذکورہ جملہ غیر ادبی ہے۔ ادبی جملہ اس طرح ہونا چاہئے کہ قاری کو بات سمجھ میں بھی آجائے اور ادبی کیفیت کی نکھار بھی جملہ میں پایا جائے۔ یہ دونوں باتیں مذکورہ جملہ میں دکھائی نہیں دیتی ہیں۔ دور طالب علمی نہیں بلکہ دورانِ طالب علمی صحیح جملہ ہے۔ اس طرح کی بہت سی

باتیں آپ کے مقالہ میں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ان باتوں سے ادیب کو بچنا چاہیئے۔اس طرح تحریر کا اسلوب اختیار کیا جائے جس کے ذریعہ زبان میں آسانی اور معانی میں ادبی نکھار خود بخود نکھرنے لگے۔اسی کو ادبی تحریر کہتے ہیں۔(راقم الحروف)

مولانا نورالہدیٰ صاحب نے عربی الفاظ کے بوجھ کو اردو زبان پر اس طرح ڈال دیا کہ زبان اپنی توانائی اور خوبی کو عربی الفاظ کے بوجھ کے نیچے دب کر رہ گئی ہے۔مثال کے طور پر انہوں نے لکھا ہے۔

> ''ضرع عقیدت'' صفحہ ۲۵۷ قارئین کو محظوظ، مستفیض اور مستنیر کرتی ہیں وغیرہ۔(صفحہ ۲۶۴)
>
> جملوں کی ساخت میں بھی وہ پیچیدہ تراکیب استعمال کرتے ہیں۔مثلاً ان کے شعری اجمال میں تہدار تفصیلیں ہیں۔صفحہ ۲۶۴

زبان کو اس طرح استعمال کرنی چاہیئے۔جس سے کہ قاری کو معنوی افہام و تفہیم میں دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔آپ کے مقالہ کو پڑھنے کے بعد قاری کو معنوی افہام و تفہیم میں دشواریاں زیادہ سے زیادہ دیکھنے کو ملتی ہیں۔وہ آئندہ مقالہ لکھیں تو اس بات کا ضرور خیال رکھیں۔

''نثار کریمی ایک قادرالکلام شاعر''

مولانا وصال احمد اعظمی صاحب کا لکھا ہوا مقالہ '' نثار کریمی ایک قادر الکلام شاعر'' ''دبستانِ نعت'' کے معیار پر پورا نہیں اترتا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ''دبستانِ نعت'' مدیر ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب نے حُسن ترتیب کے ساتھ ان تمام مقالوں کو شائع کیا جو کہ موضوع کے اعتبار سے موضوع کے ساتھ انصاف کرتے نظر آتے ہیں۔اس کے برخلاف وہ آخر میں ہی سہی مذکورہ مضمون کو شائع کرنے پر اس لئے مجبور ہوئے کہ نثار کریمی صاحب کی شاعری میں ''نعت پاک'' جیسی مقدس صنفِ سخن بھی شامل ہے۔خود نثار کریمی صاحب نے اپنی شاعری سے متعلق اس بات کا اظہار کیا ہے کہ میری اپنی کہی ہوئی شاعری میں میری زندگی کا مقصد وہ صنفِ سخن ہے جس کو نعت گوئی کہتے ہیں۔یہی صنفِ سخن میری زندگی کا واحد مقصد ہے دیگر اصناف کے شائع ہونے یا نہ ہونے کی انہیں ذرا برابر بھی فکر نہیں تھی وہ چاہتے تھے کہ اپنی حیات ہی میں ''نعتیہ مجموعہ'' شائع ہو جائے اس بات کا اظہار کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں۔

''شعر و شاعری کے میدان میں تقریباً چالیس سال سے سرگرم ہوں حالات سازگار ہوتے تو غزلوں ،نظموں کے کئی مجموعے بہت پہلے منظرِ عام پر آ چکے ہوتے۔غزلوں کے دو مجموعے نظم کا ایک مجموعہ مرتب کر چکا ہوں چھپے یا نہ چھپے اس کی مجھے فکر نہیں۔نعتیہ مجموعہ جسے میں حاصلِ زندگی سمجھتا ہوں آج آپ کے ہاتھوں میں ہے میں مطمئن ہوں اس میدان میں ذکر رسول ﷺ کے حوالہ سے پہچانا جاؤں بہت بڑی سعادت اور خوش نصیبی سمجھتا ہوں۔'' (دبستانِ نعت،صفحہ ۲۶۶)

مولانا وصال احمد صاحب اپنے والد بزرگ وار کی خواہش و تمنّا کے خلاف ایک ایسا موضوع انتخاب کیا جو ان کی خود قادر الکلامی پر بات کی ہے حالانکہ ہونا یہ چاہئے تھا کہ جناب نثآر کریمی صاحب کی نعتیہ شاعری پر اپنا مقالہ لکھ کر'' دبستانِ نعت'' میں شائع کرواتے تو بات بڑی ہی خوب ہوتی جس سے موضوع کے ساتھ انصاف بھی ہوتا اور مرحوم نثار کریمی صاحب کی روح بھی خوش ہوتی۔مگر ایسا نہ ہوا۔مولانا موصوف نثآر کریمی صاحب کی نعتیہ شاعری کو موضوع بنا کر صرف نعتیہ شاعری پر کھل کر بحث کرتے ،صنف نعت پاک کے ہر ایک پہلو پر وضاحت کے ساتھ ان کے فن پر بات کرتے۔ راقم الحروف نے آپ کو پورے مقالہ کو پڑھا جس میں آپ نے نثآر کریمی صاحب کے مجموعہ کلام ''سَیلِ نور'' پر تبصرہ کرتے ہوئے ان کی وہ نعتیں جو سالانہ طرحی مشاعروں میں پڑھا تھا اس پر بھی اپنے خیال کا ظہار کرتے تو بہتر ہوتا مگر ایسا نہ ہوا۔آئندہ مولانا اس بات پر دھیان دیں کہ رسالہ کس عنوان کے ساتھ شائع ہو رہا ہے،اس رسالے کو کس صنفِ سخن کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے۔مضمون نگار سے کس بات کی خواہش کی گئی ہے ان تمام باتوں پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

'' نثآر کریمی صاحب ایک قادر الکلام شاعر'' یہ ایک ایسا عنوان ہے جو کہ عام رسالوں یا پرچوں میں شائع کیا جا سکتا ہے۔'' دبستانِ نعت'' کے لئے یہ موضوع مناسب نہیں ہاں اگر نثآر احمد کریمی صاحب کی نعتیہ شاعری کو موضوع بنایا جاتا تو یہ مضمون'' دبستانِ نعت'' کے لئے بہت ہی بہتر ہوتا۔ اس کے باوجود مدیر'' دبستان نعت'' ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب نے'' دبستانِ نعت'' کی فہرست میں آپ کے مضمون کو اس لئے شامل اشاعت کیا ہے کہ اس مقالہ میں شاعر کے نعتیہ مجموعہ پر بحث کی گئی ہے۔

تنقیدی اعتبار سے اصولِ تنقید کی روشنی میں موضوع کے اعتبار سے یہ مقالہ'' دبستانِ نعت''

کے قابل نہیں ہے۔ مولانا موصوف صاحبِ مقالہ آئندہ مقالہ لکھتے وقت موضوع کے صحیح انتخاب کا ضرور خیال رکھیں۔

''آفتابِ آسمانِ نعت مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی کی دو مشہور نعتیں''

''دبستانِ نعت'' کے آخری حصے کو فارسی زبان کی شاعری کے لئے مختص کیا گیا ہے۔ فارسی زبان میں بلند مقام رکھنے والے شاعر مولانا جامی علیہ الرحمہ کی شاعری سے نہ صرف آغاز کیا بلکہ آپ کی شاعری سے متعلق لکھے جانے والے مقالوں کو بھی ترتیب وار پیش کیا گیا ہے۔

مولانا جامؔی علیہ الرحمہ کی دو فارسی زبان میں لکھی گئی نعتوں کو اردو ترجمہ کے ساتھ جناب تنویر پھولؔ صاحب نے شرح کی ہے۔ قارئین کی معلومات میں اضافے کا سبب دکھائی دیتا ہے۔

راقم الحروف کو مولانا جامؔی علیہ الرحمہ کی نعتوں کو پڑھنے کے بعد اُن کا طرزِ تخیل نہ صرف مسرور کر گیا بلکہ حرارتِ عشق کی لو کو بڑھاتا گیا۔ واقعی مولانا جامؔی رحمۃ اللہ علیہ کے طرزِ تکلم میں ایک حقیقی عاشق کے وارداتِ قلب کی کیفیت دیکھنے کو ملتی ہے۔ بالخصوص آپ کا حسبِ ذیل شعر مقام محمد ﷺ کی صحیح ترجمانی کرتے ہوئے دکھائی دیتا ہے وہ شعر یہ ہے۔

و صلی اللہ علیٰ نور کز و شد نورہا پیدا
زمیں از حُبّ او ساکن فلک در عشقِ او شیدا

جناب تنور پھولؔ صاحب نے دوسرے شعر کی تشریح کرتے ہوئے اردو میں جو شعر لکھا ہے کیا وہ ان کا خود کہا ہوا ہے یا کسی دوسرے شاعر کا وضاحت نہیں ملتی۔ یہاں شرح کرتے وقت شاعر کا نام یا خود کا لکھا ہوا شعر لکھنا ضروری ہے۔

مولانا جامؔی نے چھٹے شعر میں قرآن پاک کی آیت کے جو الفاظ "مَا زَاغَ الْبَصرُ" "وَ الّیلِ اِذَ یَغشیٰ" کو شعر میں بہتر طریقے سے لایا ہے جس میں شعری حُسن میں دوبالگی پائی جاتی ہے۔ لیکن تنویر پھول صاحب نے ان دو آیت کے الفاظ کا اردو ترجمہ قوسین میں کر دئے ہوتے تو ایک عام قاری کی سمجھ میں بہت آسانی ہوتی مگر ایسا نہیں کیا۔ ساتویں شعر میں بھی یہی بات دکھائی دیتی ہے۔ اس طرح دوسری نعت شریف کے صرف چار اشعار شرح کے ساتھ پیش کیا ہے۔ میں تنویر پھولؔ صاحب سے خواہش کروں گا کہ وہ شرح کرتے وقت پہلے دونوں نعتوں کو نمبر دیکر بتا دیتے پہلی نمبر والی نعت اور دوسرے نمبر والی نعت۔ اس کے بعد شرح کرتے۔ آپ نے دوسری نعت کے چوتھے شعر کی شرح کرنے کے بعد آخر یہ لکھا ''ایک نعت گو شاعر شارعلی اجاگر کرنے

والے اس فارسی نعت کا منظوم اردو ترجمہ اس طرح کیا ہے۔‘‘ (دبستان نعت، صفحہ ۲۸۰)

نثار علی کیا شاعر کا نام ہے؟ اُجاگر کرنے کا جملہ یہاں میل نہیں کھاتا۔ اس بات کی یہاں اصلاح ہونی چاہئے۔ ’راقم الحروف)

’’مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کی نعت گوئی‘‘

ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط صاحب کا لکھا ہوا مقالہ ’’مولانا جامؔی کی نعت نگاری‘‘ پڑھنے کے بعد بعض اہم نکات راقم الحروف کے سامنے آئے ہیں۔ جن میں فنی خامیاں بھی ہیں اور تشریحی خوبیاں بھی دیکھنے کو ملتی ہیں۔ جملوں کی ساخت میں بعض جگہ خامیاں دکھائی دیتی ہیں۔ جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے:۔

’’فارسی میں محار باتی شاعری کو بڑا فروغ حاصل ہوا‘‘ (دبستان نعت، صفحہ ۲۸۱)

راقم کو ’’محار باتی‘‘ شاعری کسے کہتے ہیں سمجھ میں نہیں آیا اور رہی دوسری بات دوسری جگہ ’’ان کے اندرون کو سنوارنے کے جتن کئے‘‘ (دبستان نعت، صفحہ ۲۸۱)

لفظِ اندرون کے بجائے باطن کا لفظ استعمال کرتے تو بہتر ہوتا کیوں کہ یہ لفظ ادبی جملہ کے بنانے میں کامیاب ہوتا ہے۔ لفظ اندرون غیر ادبی لفظ ہے۔

وہ آگے لکھتے ہیں:۔

’’اس طرز فکر کی وجہ سے اردو، فارسی کی نعتیہ شاعری میں ’’میم کا گھونگھٹ‘‘، ’’احمدِ بے میم‘‘ مسئلہ امتناع النظیر‘‘ ’’مدینے کا پیا‘‘ ’’کملی والا‘‘ ’’دیدار خداوندی سے مشرف‘‘ ’’شہزادۂ لولاک‘‘، ’’آقا و مولیٰ‘‘، ’’بگڑی بنانے والا‘‘، ’’ذاتِ اوّل و آخر‘‘، ’’ظاہر و باطن‘‘، ’’عالم الغیب‘‘ وغیرہ کی تراکیب کو اوصاف نبی ﷺ میں شمار کرلیا گیا ہے۔‘‘ صفحہ ۲۸۲

لفظِ ’’میم کا گھونگھٹ‘‘، ’’احمدِ بے میم‘‘، مسئلہ امتناع النظیر‘‘ یہ تینوں الفاظ حضور پاک ﷺ کے اوصاف کے معنی میں نہیں آتے بلکہ یہ الفاظ تصوف کے مسائل کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ علم تصوف میں لفظِ میم کے معنوی پسِ منظر میں ایک دوسرے میں یعنی ’’احد‘‘ اور ’’احمد‘‘ میں تعریف کی باریکیوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اہلِ تصوف کے یہاں لفظِ ’’میم‘‘ بظاہر لکھا جاتا ہے جیسا کہ لفظِ ’’احمد‘‘ میں لفظِ ’’میم‘‘ ہے۔ حقیقت میں وہ ایک پردے کی شکل اختیار کر گیا ہے ورنہ لفظِ میم کے پردے کو ہٹا دیا جائے تو وہ ’’احد‘‘ ہو جائے گا۔ یہ علم تصوف کی اصطلاحات ہیں

یہاں ادبی طرزِ تحریر سے کوئی واسطہ نہیں۔ معنوی پسِ منظر کے لحاظ سے دیکھا جائے تو فاضل مقالہ نگار ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط صاحب کا مغالطہ ہے۔ مذکورہ تینوں الفاظ کا تعلق، اصطلاحات تصوف سے ہے۔ اوصافِ نبوی ﷺ کے معنی سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ البتہ باقی کے الفاظ اسی ضمن میں آجاتے ہیں۔ اس بات کی جانب ڈاکٹر صاحب اپنی توجہ مبذول کرلیں تو مناسب ہوگا۔

مقالہ نگار نے خود اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ مولانا جامیؔ علم وعرفان کے مدارج طے کئے وغیرہ۔ ظاہری بات ہے کہ مولانا کو علم تصوف سے کتنا لگاؤ ہے اور علم وعرفان کے کس منزل کو پہنچ چکے ہیں۔ اور راہِ سلوک میں اُن کا مقام ومرتبہ کیا ہے یہ ساری باتیں اہلِ تصوف کی شاعری میں دیکھنے کو ملتی ہیں جن کا مقام، مقامِ ولایت سے سرفراز ہوتا دیکھنے کو ملتا ہے۔

آپ نے آگے لکھا ہے:۔

"حضوری کی تمنائے بے تاب والے مضامین کی افراط ہے۔" (دبستان نعت، صفحہ ۲۸۲)

معنی اور ترکیب کے لحاظ سے یہ جملہ غیر ادبی ہے۔ وہ اس لئے کہ نہ تو معنی سمجھ میں آتا ہے اور نہ ہی ایک دوسرے میں معنوی ترتیب پائی جاتی ہے جو کہ ادب کا خاصہ ہے۔

ایک اور جگہ لکھا ہے:۔

"انہوں نے اپنی تخلیقات میں جہاں نعت گوئی کو جگہ دی ہے۔" صفحہ ۲۸۲

یہ جملہ غیر ادبی بھی ہے اور بے ادبی کا حامل بھی ہے۔ غیر ادبی اس لئے کہ معنوی تسلسل سے خالی ہے، اور بے ادبی کا حامل اس لئے کہ "نعت گوئی" یہ تو خدا کی طرف سے بندہ کو دیا جانے والا بہت ہی بڑا اشرف ہے جس کی فضیلت ناچیز بندوں کی زبانی بیان نہیں کی جاسکتی۔ یہاں "جگہ دینا کیا معنی رکھتا ہے۔ یہ بے ادب جملہ ہے"

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"نعت کے ان اشعار میں جامیؔ نے حضرت محمد ﷺ کی حقیقت مرتبہ اور وجود روحانی کو تمام امکانی مراتب پر مقدم مانا ہے۔"

جملہ میں حقیقت مرتبہ صحیح نہیں حقیقی مرتبہ ہے۔

شاید کتابت کی سہو ہوئی ہوگی۔

اس کے بعد آپ نے تین اشعار فارسی کی نعتیہ شاعری کے لکھ کر جو شرح کی ہے تین یا چار

سطور میں شرح مکمل ہوگئی ہے۔ باقی شرح جو کی ہے تقریباً دوصفحات پر مشتمل ہے۔تشریح کردہ عبارت تعلق رکھنے والے اشعار کونہیں لکھا ہے جو کہ یہ ایک غیر ذمہ دارزنہ حرکت ہے تحقیق میں اس طرح کے عمل کو''غیر مستند حوالہ تحریر'' کہتے ہیں۔

آپ نے صفحہ ۲۸۵ پر تحریر کیا ہے کہ:۔

''مولانا جامیؔ کی مشہور تصنیف ''یوسف زلیخا'' بھی ہے۔ یہ مثنوی صوفیائے کرام کے نزدیک تصوف کا گُلِ سرسبد بھی مانی جاتی ہے۔'' صفحہ ۲۸۵

راقم الحروف کے خیال میں یہ ایک ایسی تحریر ہے جس میں نفس موضوع سے متعلق بات نہیں ہے بلکہ موضوع سے ہٹ کر بات کہی گئی ہے۔ انہیں چاہئے تھا کہ مولانا جامیؔ کے نعتیہ مضامین سے متعلق بات کو آگے بڑھاتے۔ البتہ مقالہ کے آخر میں آپ نے چند منتخب اشعار پیش کرکے مقالہ کو ختم کیا ہے۔ یہی سلسلہ شروع سے آخر تک ایک ہی موضوع کی لڑی میں پُر جاتا تو ایک خوبصورت موتی کہلاتا۔ صاحب مقالہ نگار اپنے آئندہ لکھے جانے والے مقالوں میں اصول تحقیق کی جانب توجہ دی جائے تو بہتر ہوتا۔

''حضرت عبدالرحمٰن جامیؔ نادر روزگار شخصیت''

ڈاکٹر رضوان انصاری صاحب کا لکھا ہوا مضمون ''حضرت عبدالرحمٰن جامیؔ نادر روزگار شخصیت'' حضرت جامیؔ کے تصوفانہ کلام اوران کے اندر چھپی عرفانی کیفیت کے اظہار کو بڑے عمدہ پیرایہ میں بیان کیا ہے۔اس کے علاوہ تصوف کے اصطلاحات پر بھی تفصیل کے ساتھ کھل کر بحث کی ہے جو کہ قارئین کے لئے ایک معلومات کا خزانہ فراہم کرجاتا ہے۔ راقم الحروف کے خیال میں اگر ڈاکٹر رضوان صاحب اپنے عنوان کو تبدیل کرتے ہوئے صرف ان کی نعتیہ شاعری پر بات کرتے اور نئے نئے گوشوں کو جوانہوں نے اپنے مقالہ میں لانے کی کوشش کی ہے۔ اگر نعتیہ شاعری کے ضمن میں بیان کرتے تو بہت ہی مناسب ہوتا۔ ''حضرت جامیؔ کی نعتیہ شاعری'' کو عنوانات بنانا مناسب تھا۔ کیوں گوشۂ جامیؔ ہی سہی گوشۂ جامی میں نعتیہ شاعری کا اظہار ضروری ہے۔ تصوف اور عرفان کا عنوان'' دبستان نعت'' کے لئے مناسب نہیں ہے۔ ہاں اگر آپ ''صنفِ نعت'' کے ضمن میں تصوفانہ کلام میں موجود نعتیہ اشعار کی نشان دہی کرکے اس کی تشریح کرتے تو بہت ہی بہتر ہوتا۔

نعتیہ شاعری کے عنوان میں تصوفانہ کلام میں موجود نعتیہ اشعار بڑی اہمیت کے حامل نظر آتے ہیں۔ کیوں کہ اسرار و رموز کی باتوں میں اظہارِ عقیدت ومحبت کی باتوں کو بر موقع بر محل استعمال کرنا یہ واقعی فنی تکنیک ہے جو شاعر اپنے اوپر غلبہ کی کیفیت کو اعتدال پسند رویّے میں پیش کرتا ہے۔ تاکہ قاری بات کی باریک بینی سے واقف ہو جائے۔ تصوف کی بعض باتیں راز و نیاز میں رکھی جاتی ہیں ان باتوں کو کھلم کھلا قارئین کے سامنے پیش نہیں کیا جاتا جس کے لئے ایک مخصوص طبقہ مختص ہے جو ان باتوں کو معنوی گیرائی و گہرائی کو نہ صرف محسوس کر سکتا ہے۔ بلکہ اس سے محظوظ بھی ہوتا ہے۔ عام قاری ان باتوں سے نہ واقف ہونے کی وجہ سے ظاہری معنی، مطلب ہی سے فرحت ومسرت کی کیفیت کو اپنے دامنِ شوق میں لئے حقیقتِ حال سے واقف ہونے کا ذریعہ بھی بن سکتا ہے۔ بحثیت مجموعی آپ کا مقالہ بڑا ہی پُرمغز اور پُراثر دکھائی دیتا ہے۔ تصوف کی باتوں کو انہوں نے بڑے ہی گہرائی کے ساتھ ایک معنوی پیکر میں واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور قاری کو تصوف کے تعلق سے معلومات بہم پہنچائی ہے۔ میں مبارک باد دیتا ہوں ڈاکٹر رضوان انصاری صاحب کو ان کے کامیاب مقالہ پر اور ساتھ ساتھ یہ مشورہ دیتا ہوں کہ اگلے مقالہ کا عنوان نعتیہ شاعری پر ہوگا اور اس عنوان کے تحت قارئین کو ایک بھرپور معلومات افزأ مقالہ عنایت فرمائیں گے۔ (راقم الحروف)

''ایک تبصراتی خط مدیر'' دبستانِ نعت'' کے نام''

مدیر ڈاکٹر سراج احمد قادری کی ادارت میں ایک شاندار معلومات افزأ نعتیہ فنِ شاعری سے متعلق مختلف آرأ، مختلف اندازِ تحریر کے ساتھ مضامین کا مجموعہ تصنیف کو چار چاند لگا دینے میں کامیاب نظر آتا ہے۔ راقم الحروف کو'' دبستانِ نعت'' تصنیف کے نگراں کار جناب فیروز احمد سیفی صاحب نے نیو یارک سے فون کر کے ایک بڑے ہی اہم کام کے لیے خواہش ظاہر کی جس کو میں نے تہِ دل سے قبول کیا۔ میں جناب فیروز صاحب کا بہت ہی ممنون ومشکور ہوں کہ انہوں نے مجھے پیارے نبی آں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے مقدس ''صنفِ نعت'' پر تبصرہ کرنے کا موقع عنایت فرمایا۔ ساتھ ہی ساتھ جملہ مقالہ نگاروں کی تحریروں پر اپنی رائے لکھنے کا شرف عطا کیا۔ میں اپنے آپ کو بڑا خوش نصیب سمجھتا ہوں کہ ایک مقدس صنف ''صنفِ نعت'' پر اپنے خیالات ونظریات کی کسوٹی پر بات کرنے کا ذریعہ عنایت کیا۔ اس بہترین رسالہ کے اجرأ سے دو اہم باتوں کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ پہلا نعت گو شعرأ کی فنی اعتبار سے ان کی بہتر طور پر رہنمائی کی جارہی ہے۔ دوسرا

فائدہ دور جدید اور مستقبل کے افراد کو ان کی خود ساختہ غلط عقائد کی بڑے ہی عمدہ پیرایہ میں بیخ کنی کرانے کا ذریعہ دکھائی دیتا ہے۔

میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر گزار ہوں کہ اس نے چند ایسی شخصیتوں کو قبول فرمایا جو کہ ہندوستان میں ''فنِ نعت'' پر ایک تحقیقی ادارہ قائم کر کے اس کے ذریعہ ایک رسالہ بعنوان'' دبستان نعت'' جاری کیا۔ اس مقدس کام کو بڑے پیمانے پر پاکستان میں کیا جا رہا ہے۔لیکن ہندوستان میں جناب فیروز احمد سیفی صاحب اور ان کے رفقائے کار نے بڑے ہی عزم و حوصلہ کے ساتھ اس کی بنیاد ڈالی ہے۔خدا کرے کہ یہ کام دوسرے ممالک سے بھی زیادہ ہندوستان بھر میں ہوتا رہے اور مستقبل میں اس کی روشن امکانات سامنے آتے رہیں۔آمین ثم آمین۔

میں نے تمام مقالوں کو ترتیب وار پڑھنے کے بعد اپنی آراؤنظریات کو بیان کیا ہے۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ میں نے وعدہ کے مطابق اپنے تبصراتی مضمون کے مجموعہ کو ارسال کر رہا ہوں۔

○○○

خان حسنین عاقب (مہاراشٹرا)

’’دبستانِ نعت‘‘ پر چند سطریں

اردو زبان کا شعری ادب اتنا ضخیم ہے کہ اگر اسے ڈیجیٹل طور پر جمع کرنے کی کوشش کی جائے تو شائد ہزاروں ٹی۔ بی۔ یعنی ٹیٹرا بائٹ ڈاٹا درکار ہوگا۔ اردو ادب کی ایک اہم قسم ہے تقدیسی ادب جس میں حمد، نعت اور منقبت وغیرہ کا شمار ہوتا ہے۔ تقدیسی ادب میں بھی تخصیص کے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ کے سیرت نگاری اور آپ کے تئیں امتیوں کی عقیدت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جو شعری ادب تخلیق کیا جاتا ہے، اسے نعتیہ ادب کہا جاتا ہے۔ اردو میں شعری ادب تو بہت شائع ہوتا ہے اور یار لوگ جو اردو زبان و ادب کا ذرا بھی درک رکھتے ہوں، ہر موضوع پر بے تکان لکھتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ نہایت بے کار سی اصناف تک ایجاد کر لی جاتی ہیں اور ان اصناف کو منوانے اور تسلیم کروانے کے لئے رسائل کے صفحات کے صفحات سیاہ کئے جاتے ہیں۔ لیکن نعت جیسی اہم اور بلیغ صنفِ شاعری پر کوئی مستقل رسالہ اب تک نہیں تھا۔ کافی عرصہ قبل پاکستان سے جناب سید صبیح الدین رحمانی صاحب نے نعت رنگ نامی مستقل رسالہ جاری کیا جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے اختراعی اور موضوع کے اعتبار سے نہایت وقیع ہے۔ لیکن ہمارے وطنِ عزیز سے اس سمت کوئی پیش رفت اب تک نہیں ہوئی تھی۔ خوشا وہ وقت بھی آیا اور کچھ دیوانے، ذاتی سود و زیاں کے تفکرات سے پرے، محبت و عقیدتِ محمد ﷺ سے لبریز ہو کر ایک رسالے یعنی ’دبستانِ نعت‘ کا اجراء کر بیٹھے۔ اللہ ان کی مساعی کو قبولیت عطا فرمائے۔ آمین۔ مجھے شیخ ابراہیم ذوقؔ کی یاد آرہی ہے جنہوں نے کہا تھا۔

ہُوا حمدِ خُدا میں دل جو مصروفِ رَقم میرا
الف الحمدِ رب العالمیں کا ہے قلم میرا
رہے نامِ محمد ﷺ لب پہ یارب اول و آخر
اُلٹ جائے بوقتِ نزع جب سینے میں دَم میرا

محبت اہلِ بیتِ مصطفیٰ ﷺ کی نورِ برحق ہے
کہ روشن ہوگیا دل مثلِ قندیلِ حرم میرا

دبستانِ نعت نامی اس رسالے کے مدیر ہیں جناب ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب۔ سراج احمد قادری صاحب سے ہمیشہ فون پر گفتگو ہوتی رہتی ہے۔ نہایت سلیقہ منداور سعادت مند، با اخلاق اور منکسر مزاج شخص ہیں۔ دراصل دبستانِ نعت اور سراج احمد قادری صاحب کا تعارف مجھ سے فیروز احمد سیفی صاحب (مقیم نیویارک، امریکہ) نے کروایا تھا۔ ان کے دورۂ ہند کے درمیان انہیں کسی نے میری کتاب 'خامہ سجدہ ریز' کا نسخہ دیا تھا جو میری حمد و نعت کا مجموعہ ہے۔ موصوف نے بڑی تفصیل سے اس کتاب کا مطالعہ کیا اور امریکہ جا کر وہاں سے مجھ سے رابطہ کیا اور دبستانِ نعت اور قادری صاحب کے بارے میں تفصیل بتائی۔ فیروز احمد سیفی صاحب دبستانِ نعت کے نگراں کار ہیں۔ اس رسالے کو پروفیسر ڈاکٹر سید حسین احمد صاحب (سجادہ نشین خانقاہِ حضرت دیوان شاہ ارزانی، پٹنہ، بہار) کی سرپرستی حاصل ہے۔ اس رسالے کے معاونین میں ایک تو نعت رنگ (کراچی) کے مدیر جناب سید صبیح الدین رحمانی ہیں، ان کے علاوہ ڈاکٹر عبدالقادر غیاث الدین فاروقی صاحب (نیویارک، امریکہ) ہیں اور پھر ہندوستان ہی سے ہمارے دوست جناب قاضی اسد ثنائی صاحب (حیدرآباد، بھارت) ہیں جو ادب کا نہایت اعلیٰ ذوق رکھتے ہیں اور اردو ادب کے مختلف موضوعات پر کانفرنسیس اور سیمینارس منعقد کرواتے رہتے ہیں۔ غرض کافی فعال شخص ہیں۔

خیر، میرے پاس دبستانِ نعت کا جو شمارہ پہنچا، وہ جنوری تا جون ۲۰۱۶ء کا شمارہ ہے۔ معلنہ طور پر یہ رسالہ ششماہی ہے لیکن اس رسالے کی ضخامت کچھ مہینوں سے کچھ زیادہ ہی کی کمی پوری کر دیتی ہے۔ یعنی یہ رسالہ ۴۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس درجہ ضخیم شمارے کی ادارت اور پھر اس کی اشاعت کے تمام تر انتظامی و معاشی مراحل کو طے کر پانا آسان نہیں ہے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

لیکن مدیرِ محترم اور ان کے سرپرستوں اور معاونین کی ان کاوشوں کے لئے مجھے حافظؔ کا یہ شعر زیادہ مناسب لگتا ہے کہ

تو و طوبیٰ، و ما و قامتِ یار
فکرِ ہر کس بہ قدرِ ہمتِ اوست

آیئے، اس ضخیم شمارے کے مشمولات پر کچھ بات ہوجائے۔ عمومی طور پر رسائل شعری

تخلیقات سے اتنے لبریز ہوتے ہیں کہ الامین الحفیظ۔ رسالہ، رسالہ نہ ہو کر کسی شعری صنف کا انتخاب لگنے لگتا ہے۔ اور پھر نعت گوئی پر کوئی مستقل رسالہ جاری کرنا اولاً تو نہایت مشکل ہے، جس کو توفیق مل جائے، وہ کامیاب لیکن اس کے لئے مواد کہاں سے جمع کیا جائے؟ اس لئے کہ ہمارے سہل پسند حضرات اس متبرک صنفِ سخن پر خامہ فرسائی کرنے سے کتراتے ہیں کیونکہ نعتیہ شعری ادب کے علاوہ شعبۂ نعت میں نقد ونظر اور تحقیق کا کوئی ذخیرہ موجود نہیں ہے یعنی اگر کسی کو اس سمت سفر کرنا ہے تو اسے اپنے سنگِ میل بھی خود بنانے ہوں گے، راستے بھی خود طے کرنے ہوں گے اور زادِ راہ کا انتظام بھی خود ہی کرنا ہوگا۔ بھائی صبیح رحمانی نے یہ مشکل کام کیا ہے اور ان سے جُڑے لوگ شعبۂ نعت میں نئے زاویوں کی تلاش کرتے رہتے ہیں۔ برادر سراج احمد قادری نے ملکِ عزیز میں یہی کام انجام دیا ہے۔ اس ضخیم شمارے میں ۲۹۷ صفحات مکمل طور پر تنقیدی اور تحقیقی مضامین کے لئے مختص ہیں۔ درمیان میں کہیں بھی کوئی شعری تخلیق نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مدیرِ محترم اور ان کے سرپرستوں اور معاونین کو نعت نگاری کے تئیں نہایت مخلص اور کُل وقتی قلمکاروں کا تعاون حاصل ہے۔ اس شمارے کی تخصیص مولانا عبدالرحمٰن جامؔی خصوصی گوشے کی اشاعت ہے جس میں مولانا جامؔی پر تنویر پھولؔ کا مضمون ’مولانا جامؔی کی دو مشہور نعتیں‘، مشہور محقق اور ماہرِ لسانیات ومترجم جناب ڈاکٹر سید یحییٰ نشیطؔ صاحب کا مضمون ’مولانا جامؔی کی نعت نگاری‘ ڈاکٹر رضوان انصاری کا مضمون ’حضرت عبدالرحمٰن جامؔی، نادرِ روزگار شخصیت‘ اور ڈاکٹر نور احمد ربانی کی پیش کش ’مولانا عبدالرحمٰن جامؔی کا فارسی نعتیہ کلام کا اردو ترجمہ‘ خاصے کی چیز ہے۔ پچاس صفحات پر مشتمل یہ گوشہ اہمیت اور افادیت کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہے۔ مولانا جامؔی عالمی نعتیہ ادب کے سرخیلوں میں شمار ہوتے ہیں۔ محبانِ محمد ﷺ کی فہرست میں ان کا نام صفحۂ اول پر نمایاں ہے۔ اگر شخصی مضامین کی بات کریں تو ہمیں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خانصاحب بریلوی (ڈاکٹر صابر سنبھلی)، مظفر وارثی (ڈاکٹر عزیز احسن)، ڈاکٹر صغریٰ عالم (فیروز احمد سیفی)، جناب طاہر سلطانی (محسن اعظم محسن ملیح آبادی)، رؤف امروہوی (ڈاکٹر صابر سنبھلی)، اعجاز کامٹھوی (ڈاکٹر مشاہد رضوی)، مولانا فروغ اعظمی (مولانا نور الہدیٰ مصباحی)، نثار کریمی (مولانا وصال احمد اعظمی) جیسے نعت گو شعراء کی شخصیت کا سیر حاصل تعارف اور ان کے فنِ نعت گوئی کا کماحقہٗ جائزہ ملتا ہے۔ خصوصی طور پر اردو کے ایک اہم اور بزرگ اور بلند قامت شاعر جناب کرشن کمار طور کی نعت گوئی پر بھی ایک علاحدہ مضمون شامل ہے جس سے فنِ نعتِ

نبی علیہ السلام پر صرف مسلمانوں کا اجارہ نہ ہونے کی حقیقت پر روشنی پڑتی ہے۔

اردو نعتیہ ادب میں تنقیدی و تحقیق کے نئے دریچے وا کرنا ایک ایسا کارنامہ ہے جسے انجام دینے کی سکت بہت کم لوگوں میں ہے۔ کچھ لوگ جو یہ کام انجام دینے کی اہلیت رکھتے ہیں، یا تو یہ کام ان کی ترجیحی فہرست میں شامل نہیں ہے یا پھر انہیں توفیقِ الٰہی نصیب نہیں ہوئی۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ ان کا قلم اس سمت رواں ہو جائے تاکہ فنِ نعت گوئی میں تنقید و تحقیق پر کام کی رفتار بڑھ جائے۔ اس شمارے میں فنِ نعت گوئی پر تنقیدی و تحقیق مضامین کی کہکشاں دکھائی دیتی ہے۔ کیا نعت صنفِ سخن ہے؟ اس موضوع پر جناب ڈاکٹر سید حسین احمد نے سیر حاصل بحث کی ہے۔ یہ ابتداء ہی سے ایک تحقیق طلب موضوع رہا ہے کہ کیا نعت کو ایک علاحدہ صنفِ سُخن تسلیم کیا جائے؟ اس بات سے اتفاق یا اختلاف ثانوی حیثیت رکھتا ہے لیکن بنیادی بات یہ ہے کہ اس موضوع پر گفتگو رفتار پکڑ رہی ہے۔ فنِ نعت اور نعت گوئی (ڈاکٹر سید خسرو حسینی صاحب) نعت اور ہماری شعری روایت (ڈاکٹر عزیز احسن) نعتِ رسولِ مقبول علیہ السلام اور اس کا ارتقاء (ساجد حسین ساجد امروہوی) ناعت پر فیضانِ منعوت (قاضی محمد رفیق فائزؔ فتح پوری) انسانِ کامل علیہ السلام کا ذکرِ خیر (سید اقبال حیدر) نعتیہ شاعری کا تاریخی پس منظر (علیم صبا نویدی) ایسے مضامین ہیں جن کے مطالعے کے بعد فنِ نعت گوئی کے تعلق سے ہمارے بہت سے اشکالات کے تشفی بخش جواب ملتے ہیں۔

کچھ مضامین جن کے مطالعے سے فنِ نعت گوئی کی کچھ لسانی اور تحقیقی جہتوں کے باب وا ہوتے ہیں، وہ ہیں حدائقِ بخشش کے صنائع بدائع پر ایک اور نظر (ڈاکٹر صابر سنبھلی) حرفِ آرزو (منیر احمد ملک) غیر منقوط حمدیہ و نعتیہ شاعری کا اجمالی جائزہ (طاہر سلطانی) میلادِ اکبر ایک مطالعہ (ڈاکٹر نذیر فتح پوری) علمائے گھوسی کی نعت نگاری۔ بعد ازاں یعنی سب سے آخر میں صفحہ ۳۴۶ سے صفحہ ۴۰۰ تک، کُل ۵۴ صفحات پر نعتیہ شعری تخلیقات ہیں۔ کتاب عمدہ کاغذ، بہترین روشنائی، خوبصورت سرورق سے مزین ہے۔ مدیرِ محترم کی تمام تر محنت یقیناً ہماری تحسین کی متقاضی ہے۔ اللہ، اس کتاب کو مدیرِ مکرم، سرپرست موصوف، نگرانِ اعلیٰ اور دیگر معاونین کی نجاتِ اخروی کا ذریعہ بنادے۔ آمین۔

امید تو قوی ہے کہ یہ سلسلہ ایک نہ ختم ہونے والے سلسلے میں تبدیل ہو جائے گا کیونکہ یہ کام کسی دنیاوی لالچ یا غرض کے پیشِ نظر نہیں کیا گیا ہے بلکہ محبتِ رسول علیہ السلام ہی اس کام میں مقدم رہی ہے۔

○○○

فہیم بسمل (شاہ جہاں پور)

دبستانِ نعت: ایک مطالعہ

دبستانِ نعت کا اوّل شمارہ ڈاکٹر سراج احمد کی ادارت اور فیروز احمد سیفی کی نگرانی میں اشاعت کی منزل سے گزر کر منظر عام پر آیا ہے۔ جو حمد و نعت کی شعری و نثری تخلیقات کا ایک ایسا گلدستہ ہے جس کا ورق ورق ایمان پرور خوشبوؤں کا مخزن ہے۔ یا یوں کہیے کہ ایمان افروز خوشبوئیں بکھیر رہا ہے۔ مضامین لکھنے والے قلم کاروں نے اسلامیات سے متعلق اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے جہاں خالقِ کائنات کی حمد بیان کی ہے وہیں سرکارِ دو عالم ﷺ کی نعت بھی جذبۂ ایمانی کے ساتھ بیان کی ہے۔ جذبے کی شدت ملاحظہ فرمائیں۔ ؎

ساری تعریفیں اگر سو ہیں خدا کے واسطے
ایک کم سو ہیں محمد مصطفیٰ کے واسطے

نثار امروہوی

مضامین کے عنوانات، مذکورہ شمارے کی حمد و نعت کی اہمیت پر روشنی ڈالنے کے لیے بھی کافی ہیں مثلاً ''کیا نعت صنفِ سخن ہے''، ''فنِ نعت اور نعت گوئی''، ''حدائق بخشش کے صنائع بدائع پر ایک نظر''، ''نعت ہماری شعری روایت''، ''نعتِ رسولِ مقبول ﷺ اور اس کا ارتقا'' یہ مضامین دبستانِ نعت میں گنجینۂ نقد و نظر کے عنوان کے تناظر میں شائع کیے گئے ہیں۔ جو اپنے عنوان کے علمی وقار کو بلند رکھتے ہیں جس کا اظہار ڈاکٹر سراج احمد قادری نے اپنے اداریہ میں بہت ہی عمدگی کے ساتھ کیا ہے اور دبستانِ نعت کو سجانے کے مقصد پر بھرپور روشنی ڈالی ہے۔ مثلاً اداریہ کا ابتدائی حصہ ملاحظہ فرمائیں:

''مجلّہ دبستانِ نعت'' ششماہی کا پہلا شمارہ آپ کے پیش نظر ہے۔ دبستانِ نعت کا یہ گراں مایہ تحفہ پیش کرتے ہوئے ہمیں دلی مسرت کا احساس ہو رہا ہے۔ اس مجلّے کو پیش کرنے کا ہمارا مقصد حمد و نعت کے فروغ و ارتقا کے حوالے سے ادبا و شعرا

اور محققین کی ان کاوشوں سے اہلِ علم کو روشناس کرانا ہے جو اب تک ناقدینِ ادب کی نگاہِ توجہ سے محروم رہی ہیں۔ آج بھی اُردو زبان و ادب کا گراں قدر سرمایہ مخطوطات کی شکل میں یونیورسٹیز اور دیگر کتب خانوں میں محفوظ ہے۔ انھیں مخطوطات میں نعتیہ ادب کے گل سرسبد شعرائے کرام کے مسودے اور بیاضیں بھی ہیں جن کو اب تک اہلِ علم کے درمیان متعارف نہیں کرایا جا سکا۔ ہماری کوشش ہے کہ ان تک رسائی کر کے منصۂ شہود پر لا کر اہلِ علم و فن کے درمیان متعارف کرایا جائے۔ جس سے نعت کی عظمت کی جیوتی دلوں کو جگمگا دے۔ اور وہ اس عظیم فن کی جانب متوجہ ہو سکیں۔''

اداریہ کے یہ نقرئی الفاظ دبستانِ نعت کی اشاعت کے مقصد کو پوری طرح عیاں کر دیتے ہیں جس سے محسوس ہوتا ہے کہ دبستانِ نعت، حمد و نعت کے تخلیقی حوالے سے ایک مشن کی صورت میں کام کرے گا اور شعرا کو حمد و نعت کی تخلیق پر مائل کرے گا۔ ڈاکٹر سراج احمد قادری نے جیسا کہ اداریہ میں تحریر کیا ہے کہ وہ دبستانِ نعت کو وسیلہ بنا کر ایسے مسودات کو بھی منظرِ عام پر لائیں گے جو آج تک اشاعت کے لمس سے محروم ہیں۔ اگر خدا کے فضل سے ڈاکٹر سراج احمد قادری کا یہ خواب تعبیر کی منزل میں قدم رکھنے میں کامیاب ہو گیا تو اسلامی شعریات کے گلشن پر یقیناً نئی بہار چھا جائے گی۔ کیونکہ اسلامی شعریات کے تعلق سے جتنا کام پرانے شعرا و ادبا نے کیا ہے اس کے مقابلے میں نئے فنکاروں کا کام تو نظر ہی نہیں آتا ہے۔ مجھے اُمید ہی نہیں یقین ہے کہ انشاء اللہ دبستانِ نعت کے اجرا کے ساتھ اس منظر میں کچھ تبدیلی ہوتی ہوئی نظر آنے لگے گی اور نئے لکھنے والوں کے دلوں کو اسلامی شعریات کے تخلیقی نور سے آباد کر دے۔ مذکورہ شمارے کے اداریے کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ چار سو صفات پر پھیلے ہوئے شمارے کا تذکرہ صرف نو صفحات میں اس خوبی کے ساتھ کیا ہے کہ کوئی بھی ادبی اہم منظر اس کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوا ہے۔ جسے اداریے کے ان الفاظ میں محسوس کیا جا سکتا ہے۔'' چنانچہ مشہور صوفی شاعر اور عاشقِ رسول حضرت عبدالرحمٰن نور الدین جامؔی رحمتہ اللہ کے درج ذیل شعر پر ایک عمیق نظر ڈال کر دیکھیں کہ خود سپردگی کی کیا کیفیات ہیں۔ دنیا کا کوئی ذی شعور انسان اس کی صداقت پر انگشت نمائی نہیں کر سکتا ہے۔

جامؔی اگر یافتے قبولِ غلامیّت
غاشیہ بردوش در عنان تو بودے

دبستانِ نعت کے اشاعتی مقصد کو نظر میں رکھتے ہوئے علامہ جامی کے گوشے کو بھی دبستانِ نعت میں ترتیب دیا گیا ہے۔ جس میں ان کے تخلیق کردہ حمد و نعت کے بے مثل نمونوں کو بہت ہی

اہتمام کے ساتھ شائع کیا گیا ہے اور رسولِ اکرم سے ان کی محبتوں کو مضامین کے پھولوں کی شکل میں اس طرح پرویا گیا ہے کہ ان کا حرف حرف توحید کی خوشبو سے مہک گیا ہے۔ جس میں تنویر پھولؔ نے علامہ جامیؔ کی نعتوں کے حوالے سے گفتگو کی ہے۔ ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط نے علامہ کی نعت نگاری کا جائزہ پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر رضوان انصاری نے ان کی شخصیت اور سیرت پر بہت ہی صادق انداز میں بصیرت افروز روشنی ڈالی ہے۔ جو اس دور کے لوگوں کے لیے زندگی کا بہترین سبق کے مترادف ہے اور ڈاکٹر نور احمد ربّانی نے علامہ جامی کے فارسی نعتیہ کلام کا اُردو ترجمہ کیا ہے۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ مذکورہ مضامین اور ان کے کلام نے گوشے کو خاصے کی چیز بنادیا ہے۔

دبستانِ نعت میں غیر مسلم شعرا کی بھرپور نمائندگی کے طور پر ڈاکٹر فہیم احمد صدیقی نے کرشن کمار طورؔ کی حمد و نعت کے تعلق سے جو گفتگو کے چراغ روشن کیے ہیں ان کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس شعری کائنات کے حوالوں میں غیر مسلم شعرا کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے علاوہ مدیر نے مذکورہ شمارے کی انفرادیت کو شاہ کار بنانے کے لیے قلم کاروں کو عنوانات دے کر جو مضامین لکھوائے ہیں انھوں نے بھی دبستانِ حمد و نعت کو اہم بنادیا ہے۔ مثلاً ڈاکٹر نذیرؔ فتح پوری نے ''میلادِ اکبر'' کے وجود کی اہمیت پر اصرار کر کے گزرے ہوئے وقتوں کی میلاد خوانی کی یادوں کو ایک بار پھر سے تازہ کر دیا ہے۔

شعرا کی فہرست طویل ضرور ہے لیکن سب نے ہی اپنے قلم کے جوہر بہ حسن و خوبی دکھائے ہیں اور حمد و نعت کے باب کو اپنے ایمانی جذبوں کے نور سے اس طرح منور کیا ہے کہ دلوں کی سیاہیاں مطالعہ کے دوران منھ چھپانے کے لیے جائے اماں ڈھونڈتی نظر آتی ہیں اور آنکھیں اپنے شفاف آنسوؤں سے دلوں کے منظروں کو پھر سے جگمگا دیتی ہیں اس لیے دبستانِ نعت کو ہر گھر میں ہونا چاہیے۔

کیا ہی اچھا ہوتا ہے کہ اس میں اسلامیات سے متعلق اہم کتابوں کے اشتہارات دیے جاتے اور نئے حمد و نعت کے مجموعات پر تبصرے بھی شائع کیے جاتے۔ چونکہ یہ سفر کا آغاز ہے اس لیے مجھے قوی اُمید ہے کہ آیندہ تمام گوشوں پر کام کیا جائے گا کیونکہ اس کے حوالے سے حمد و نعت کا تخلیقی سلسلہ دراز ہوتا ہی رہے گا بہر حال ڈاکٹر سراج احمد قادری اور محترم فیروز احمد سیفی نے دبستانِ نعت کو اسلامی شعریات اور ذکر روایات و حکایات سے اس طرح سجا سنوار کر پیش کیا ہے کہ اُردو والے دعائیں کر رہے ہیں کہ خدا اس مجلّے کو رہتی دنیا تک قائم رکھنا کیونکہ یہ تیرا اور تیرے محبوب کا قصیدہ خواں ہے۔ (آمین)

آخر میں چند پسندیدہ نعتیہ اشعار کے ساتھ اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

حضورِ شہِ بحرو بر جانے والے
لیے جا ہماری نظر جانے والے

زائرِ حرم حمیدؔ صدیقی

حضور ایسا کوئی انتظام ہو جائے
سلام کے لیے حاضر غلام ہو جائے

سیّد صبیحؔ رحمانی

صفت ان کی حامدِؔ بے نوا جو بیاں کرے بھی تو کیا کرے
کوئی آج تک نہ سمجھ سکا جو نبی کا عزو وقار ہے

حامدؔ امروہوی

توفیق تیری فکر میں شامل نہ ہو اگر
میری ہے کیا بساط ہی جو کھل سکے دہن

ولی اللہ ولیؔ عظیم آبادی

یہ زمین و زماں یہ مکین و مکاں یہ مہ و مہر انجم ہیں جن کے لیے
اُس نبی کی ولادت کے موقع پہ ہم کیوں نہ اپنے گھروں میں جلائیں دیے

اجملؔ سلطان پوری

یقینِ کامل ہے شرطِ اول خلوصِ دل سے پکار دیکھو
اگر ہوں مشکل کشا نبی تو کوئی بھی مشکل بڑی نہیں ہے

قاضی اسدؔ ثنائی

آپ کا نام ہے بس وجہِ سکونِ بیمار
آپ کا ذکر ہی بس راحتِ جاں ہوتا ہے

اسرار رازیؔ

درودِ پاک کا یہ مشغلہ بھی خوب کام آیا
کہ دنیا خیر و برکت کی ہمارے گھر چلی آئی

ربابؔ رشیدی

کیوں لب پہ سوال آئے مرے بخیہ گری کا
سرکار ہیں مینار وسیع النظری کا

قاسم حبیبی

مشغول جب سے نعتِ شہِ انبیا میں ہوں
محسوس ہو رہا ہے جوارِ خدا میں ہوں

ڈاکٹر تابش مہدی

مرے احساس پر وہ چھا گئی ہے
مدینے کی فضا یاد آ گئی ہے

فراز فتح پوری

عظمت مرے حضور کی دیکھو کہ کیا ہیں آپ
بعد از خدا بزرگ ہیں اور مصطفیٰ ہیں آپ

نثار احمد راہی فتحپوری

ہو کے اُمی لقب زمانے میں
منبع علمِ جامعات ہیں آپ

○○○

مفتی توفیق احسن برکاتی (ممبئی)

دبستان نعت: ایک جائزہ

صنف نعت یک موضوع رہتے ہوئے بھی حد درجہ متنوع، ہمہ رنگ، مشکل تر اور بہتر صنف سخن ہے جو شعر کی تمام ہیئتوں میں پیش کی جاسکتی ہے۔ اس کا موضوع اگر چہ ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے لیکن اس ایک ذات میں اتنے بلند ترین اوصاف وکمالات جمع ہیں کہ کما حقہ ان سب کا احاطہ ناممکن امر ہے۔ یہی ہمہ جہتی صنف نعت کو ہمہ رنگ بنادیتی ہے اور اس سے تحقیق، تنقید، تدوین، تذکرہ اور تجزیہ جیسی کئی اصناف نثر متعلق ہوجاتی ہیں۔ امام نعت گویاں امام احمد رضا قادری قدس سرہ حد درجہ ثنا خوانی اور نعت گوئی کے باوصف یہ کہتے نظر آتے ہیں:

اے رضاؔ خود صاحبِ قرآن ہے مداحِ حضور
تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی

نعت گوئی کا یہ سلسلہ عہد رسالت تک دراز نظر آتا ہے جس کا سراغ حضور اکرم ﷺ کے چچا ابو طالب کے ان اشعار میں پوشیدہ ہے جو آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایام طفلی میں کہے گئے تھے، جس کا ایک مشہور شعر یہ ہے:

وابیض یستسقی الغمام بوجهه
ثمال الیتمیٰ، عصمة للارامل

خود ممدوح کائنات محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شعر کو استحسان کی نگاہ سے ملاحظہ فرمایا ہے۔ صحیح البخاری کتاب الاستسقاء میں کئی احادیث میں یہ شعر موجود ہے- سیرت ابن ہشام میں ابو طالب کا یہ پورا کلام شامل کیا گیا ہے- مختلف اوقات میں جماعت صحابہ کے عربی شعرا بشمول حسان بن ثابت، کعب بن مالک، عبداللہ بن رواحہ وغیرہم نے جس شان وشوکت سے ذاتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نعتیہ شاعری کا حصہ بنایا اس کی ایک مستقل تاریخ ہے۔ گویا نعت نگاری سنتِ

صحابہ ہوئی، نعت گوئی کا یہ سلسلہ عہد صحابہ سے آج تک دراز ہے اور قیامت تک منقطع ہونے والا نہیں ہے۔ مشکل رہتے ہوئے بھی ہر دردمند ایمان والا اس سلسلۃ الذہب سے خود کو جوڑنا باعثِ فخر سمجھتا ہے اور خوب خوب کہنے کے بعد یہ کہہ کر قلم روک لیتا ہے:

لا یمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

عربی نعت نگاری کا رنگ شیخ سعدیؔ اور علامہ جامیؔ وغیرہ پر چڑھا تو فارسی زبان مالا مال ہوئی اور فارسی سے اردو زبان کو یہ حسن و جمال میسر آیا تو زبانِ اردو میں کہی گئی نعتیں دلوں میں محبتوں کا قندیل روشن کرنے لگیں۔ برصغیر ہندو پاک کے علاوہ اردو کی نئی بستیوں میں رہائش پذیر شعرا بھی اس کے حسن پر فریفتہ ہوئے اور اب اتنی مقدار میں نعتیہ نغمات کہے جانے لگے کہ ہر سال سیکڑوں کی تعداد میں نعتیہ مجموعے شائع ہو رہے ہیں اور محافل میں ان کا زور قائم ہے۔

نعت گوئی کے ساتھ تنقید نعت اور تفہیم نعت کی اہمیت بھی فزوں تر ہو جاتی ہے کیوں کہ اس کے بغیر اچھی نعت کہی ہی نہیں جاسکتی۔ چوں کہ نعت میں وہی مضامین برتے جاسکتے ہیں جو شانِ رسالت سے ہم آہنگ ہوں، بے جا مبالغہ آرائی یا تقصیر شان پر مبنی خیال کی یہاں بالکل ہی گنجائش نہیں ہے۔ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں ذات محمدی، عظمتِ رسول، شمائل وخصائل نبوی، سیرت کے مہتم بالشان کارنامے، نبوی معجزات، نبوی کمالات، اختیارات نبوت اور اعلیٰ ترین اوصاف ہی نعت میں منظوم کیے جاسکتے ہیں اور وہ بھی مکمل حدود کی رعایت کے ساتھ۔ ایسی مبالغہ آمیزی کہ شرک وتوحید سے ہم رشتہ ہو جائے نعت میں کسی طرح گوارا نہیں کی جاسکتی اور ایسی تقصیر کہ ذاتِ رسول عام سی دکھائی دینے لگے یہ بھی ناقابل برداشت ٹھہرے گی۔ اس لیے تنقید نعت کی اہمیت مسلم ہو جاتی ہے۔ نعت کی تاریخ، نعت گو شعرا کے تذکرے، نعتوں کا انتخاب، تدوین، نعت شناسی اور بھی بہت کچھ دبستان نعت میں سمائے ہوئے ہیں اور یہ سب وقتاً فوقتاً منظر عام پر آتے رہتے ہیں۔

ہندستان کے بالمقابل پاکستان میں نعت شناسی اور تفہیم نعت کا یہ سلسلہ طویل عرصے سے جاری ہے جس میں چند ممتاز محققینِ نعت کی ادبی کاوشیں کافی پذیرائی حاصل کر چکی ہیں۔ نور احمد میرٹھی، راجہ رشید محمود، طاہر سلطانی، ابوالخیر کشفی، عبدالحکیم اختر شاہ جہان پوری، صبیح رحمانی، عزیز احسن وغیرہ پاکستانی محققین کا نام اس وقت ذہن میں آرہا ہے اور ہندستانی محققین میں سید شمیم

گوہر، طلحہ رضوی برق، صابر سنبھلی، فاروق احمد صدیقی، ابوسفیان اصلاحی، ڈاکٹر یحییٰ نشیط، سراج احمد بستوی، حلیم حاذق، شرر مصباحی، امجد رضا امجد، مشاہد رضوی اور غلام ربانی فدا کا نام لیا جا سکتا ہے جو نعت نگار بھی ہیں اور ناقدینِ نعت بھی۔ پاکستان میں تو ایک زمانے سے باقاعدہ حمد و نعت کے مستقل رسائل شائع ہو رہے ہیں جن میں نعت رنگ، سفیر نعت، حمد و نعت، فروغِ نعت وغیرہ جرائد کو خصوصی مقام و شہرت حاصل ہے۔ ہندستان میں صرف موضوع نعت و حمد کو اجالتے جرائد نہ کے برابر ہیں۔ مولانا غلام ربانی فدا کرناٹک سے ششماہی جہان نعت نکالتے ہیں اور اب سنت کبیر نگر۔ یو پی سے ڈاکٹر سراج احمد قادری کی ادارت میں ''دبستان نعت'' کا آغاز ہو رہا ہے البتہ نعتیہ شاعری کے آغاز و ارتقا پر انڈیا میں کچھ کتابیں ضرور طبع ہوئی ہیں مگر وہ انفرادی کوششیں ہیں یا یونیورسٹی میں پیش کیے گیے پی، ایچ، ڈی اور ایم فل کے مقالات جنھیں بعد میں کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔ ایسے میں شش ماہی ''دبستان نعت'' کی اشاعت یک گونہ طمانیت بخشتی ہے جو پروفیسر سید حسین احمد سجادہ نشیں خانقاہ دیوان شاہ ارزانی، پٹنہ کی سرپرستی اور فیروز احمد سیفی۔ نیو یارک کی نگرانی میں شائع ہوا ہے۔

''دبستان نعت'' حمد و نعت پر مشتمل ایک تحقیقی و تنقیدی جریدہ ہے جس کا پہلا شمارہ جنوری تا جون ۲۰۱۶ء چار سو صفحات کو محیط اس وقت راقم کے پیش نگاہ ہے۔ نعت و حمد کے موضوع پر تحقیقی، تاریخی و تنقیدی و تجزیاتی مقالات کے ساتھ عاشق رسول حضرت علامہ جامؔی علیہ الرحمہ کا ایک مختصر گوشہ بھی شامل ہے اور اس جریدے کا انتساب بھی انھیں کے نام ہے۔ مدیر جریدہ ڈاکٹر سراج احمد قادری خود ایک ممتاز ناقد و محقق ہیں۔ ان کے تحقیقی و تنقیدی مضامین ہند و پاک کے مؤقر جرائد میں جگہ پا رہے ہیں۔ نعت رنگ کراچی میں انھوں نے مستقل لکھا ہے۔ امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری پر تحقیقی مقالہ لکھ کر پی، ایچ، ڈی کی سند پائی ہے اس لیے تحقیقی و تنقیدی نعت ان کے مزاج کا حصہ بن چکی ہے۔ ''دبستان نعت'' کا اجرا اسی مزاج کا پرداختہ ہے۔ اداریہ کے علاوہ یہ جریدہ چھ مستقل کالموں سے سجا ہوا ہے اور اس کا ساتواں حصہ ''گوشۂ علامہ جامؔی'' ہے۔ ادارتی تحریر میں ڈاکٹر سراج احمد قادری نے اس مجلّے کے اجرا کی وجوہات پر روشنی ڈالی ہے جس میں ان کا دردِ دل اور جذبۂ پرخلوص صاف دکھائی دیتا ہے۔ لکھتے ہیں:

''اس مجلّے کو پیش کرنے کا ہمارا بنیادی مقصد حمد و نعت کے فروغ و ارتقا کے حوالے سے ادبا، شعرا اور محققین کی ان کاوشوں سے اہل علم کو روشناس کرانا ہے جو اب

تک ناقدین ادب کی نگاہ شوق سے محروم رہی ہیں۔آج بھی اردو زبان و ادب کا گراں قدر سرمایہ مخطوطات کی شکل میں یونیورسٹیز اور دیگر کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔انھیں مخطوطات میں نعتیہ ادب کے گل سر سبد شعراے کرام کے مسودے اور بیاضیں بھی ہیں جن کو اب تک اہل علم کے درمیان متعارف نہیں کرایا جا سکا۔ہماری کوشش ہے کہ ان تک رسائی کر کے منصۂ شہود پر لا کر اہل علم و فن کے درمیان متعارف کرایا جائے جس سے کہ نعت کی عظمت کی جیوتی ان کے دلوں کو جگمگا سکے اور وہ اس عظیم فن کی جانب متوجہ ہو سکیں۔'' (ص ۹)

آگے انھوں نے اور بھی قیمتی تاریخی حقائق پیش کیے ہیں جن کا تعلق نعت، تحقیقِ نعت اور تنقیدِ نعت سے ہے اور پھر موجودہ اربابِ تنقید کو دعوت فکر دی ہے۔ابواب کا تعارف اور ان میں شامل اہم مقالات کا مختصر جائزہ بھی شاملِ اداریہ ہے جس کی وجہ سے پورے جریدے کا اجمالی خاکہ ذہن میں بیٹھ جاتا ہے۔ابواب یہ ہیں:

''تحمید و تقدیس، گنجینۂ نقد و نظر، رحمتِ بیکراں، مقالات، گوشہ علامہ جامی، گلہاے عقیدت، پیام مدحت۔''

تحمید و تقدیس اور گلہاے عقیدت میں نعتیہ و حمدیہ نغمات کو جگہ دی گئی ہے اور پیام مدحت میں اہل علم کے مکاتیب رکھے گئے ہیں، بقیہ ابواب میں مضامین و مقالات درج ہیں۔گنجینۂ نقد و نظر میں پانچ مضامین ہیں: کیا نعت صنف سخن ہے؟ (ڈاکٹر سید حسین احمد)، فن نعت اور نعت گوئی (ڈاکٹر سید خسرو حسینی)، حدائق بخشش کے صنائع بدائع پر ایک اور نظر (ڈاکٹر صابر سنبھلی)، نعت اور ہماری شعری روایت (ڈاکٹر عزیز احسن) نعت رسول مقبول اور اس کا ارتقا (ساجد حسین امروہوی)۔

ڈاکٹر سید حسین احمد کا موقف جو ان کے مضمون کے مطالعے سے سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ نعت صنف سخن نہیں بن سکتی کیوں کہ نہ اس کی ہیئت اور فارم متعین ہے نہ اجزائے ترکیبی۔جس طرح غزل، قصیدہ، مرثیہ، مثنوی اور رباعی کا فارم مقرر ہے اور اس کے اجزاے ترکیبی بھی متعین ہیں، اصناف کی مختلف مثالوں سے اپنی بات کو موثق کرتے ہوے اخیر میں رقم طراز ہیں: ''جس طرح اردو اور فارسی شاعری کا بڑا حصہ صوفیانہ اشعار پر مشتمل ہے لیکن اسے صنف سخن کا درجہ حاصل نہیں، ٹھیک اسی طرح نعتیہ شاعری مضامین سخن میں سے تو ہے لیکن صنف سخن نہیں۔'' (ص:۲۲)

یہ سچ ہے کہ اسلاف ادب نے نعت کو صنف کا درجہ نہیں دیا ہے لیکن بعد کے ناقدین و محققین ادب نے اسے مستقل صنف کا درجہ دیا ہے اور اس پر بحثیں کی ہیں اس لیے یہ موقف مکالمے اور نئی بحث کا آغاز کر سکتا ہے۔

ڈاکٹر سید خسرو حسینی کا مقالہ ''فن نعت اور نعت گوئی'' اپنے موضوع پر ایک جامع اور معلومات افزا مقالہ ہے اور تیس صفحات پر مشتمل ہے۔ مقالہ نگار نے اسے دو حصوں میں تقسیم کر کے پیش کیا ہے۔ حصہ اول میں فن ادب، فن شعرائے عہد جاہلیت اور شعرائے اسلام اور شعر پر اپنی تحقیقات لکھی ہیں اور حصہ دوم میں نعت کے لفظی اور اصطلاحی معنی و مفہوم، احکام نعت، موضوع نعت، مضامین نعت، احکام نعت گو، اور نعت گوئی کے لوازمات و مقتضیات زیر بحث آئے ہیں۔ نعت گوئی میں حفظ مراتب کا لحاظ رکھنا از حد ضروری ہے۔ ساتھ ہی طریقۂ خطاب و انتخابِ الفاظ میں حسن و ضبط اور پاکیزگی لازم ہے۔ حفظ مراتب کے ذیل میں مقالہ نگار نے ایک جگہ ممتاز حسن کا یہ قول نقل کیا ہے:

> ''خدا اور بندے کا فرق اسلام کے بنیادی تصورات میں سے ہے، رسول کی بشریت پر قرآن نے اور خود رسول نے بار بار زور دیا ہے۔ **قل انما انا بشر مثلکم** اور **ما عرفناك حق معرفتك** اس پر شاہد ہیں۔'' مقالہ نگار نے ممتاز حسن کے قول پر یہ کمینٹ کیا ہے: ''بشر مثلکم پر تو بہت کچھ کہا جا سکتا ہے، یہاں ہم صرف اتنا کہیں گے کہ کسی بھی چیز کی مثل اصل (محمد) جیسی نہیں ہو سکتی، اصل اور مثل میں نمایاں فرق ہے۔'' (ص:۵۱)

یہاں رک کر تبصرہ نگار یہ کہنا چاہتا ہے کہ عام طور پر ناقدین نعت " **قل انما انا بشر مثلکم** " کو اتنا ہی بیان کرتے ہیں اور ''یوحیٰ الیّ'' اسی سے بالکل متصل حصے کو چھوڑ دیتے ہیں، حالاں کہ ضابطے کے تحت مکمل آیت پیش کرنی چاہیے جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت کو " **یوحیٰ الیّ** " کے حقائق سے آراستہ کر کے نمایاں کیا گیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس استدلال کی روشنی میں ناقدین کے مخاطب وہ لوگ کم ہی ہوتے ہیں جو رسول کی بشریت کے منکر ہیں اور میری معلومات کی حد تک اس وقت دنیا میں شاید ہی کوئی ہو جو ''بشریت مصطفیٰ'' کا انکار کرتا ہو پھر ایسے کسی گروہ کو مخاطب کیسے بنایا جا سکتا ہے؟ تیسری بات یہ کہ ممتاز حسن کی تحریر کا یہ

جملہ ثبوت وشواہد کا متقاضی ہے: ''رسول کی بشریت پہ قرآن نے اور خود رسول نے بار بار زور دیا ہے۔'' تبصرہ نگار سوال کرتا ہے کتنی بار قرآن میں اور کتنی بار رسول نے اس پر زور دیا ہے؟۔ ''بار بار'' کی بار بار تکرار سے یہ ناقد کیا نتیجہ نکالنا چاہ رہے ہیں؟ ہم جانتے ہیں کہ خدا، خدا ہے اور رسول، رسول ہیں اور دونوں ذاتوں میں حفظ مراتب کا خیال رکھنا ایمانی تقاضا ہے لیکن اس کے ثبوت کے لیے: "قل انما انا بشر مثلکم" ("یوحیٰ الی" سے صرفِ نظر کر کے) جیسی آیت ہی پیش کرنا لازم ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ہم بشریت مصطفیٰ کو اپنی تمام تر بصیرت و بصارت کے باوجود کما حقہ سمجھ نہیں سکتے۔ نبوت و رسالت کے بقیہ اوصاف و امتیازات مصطفیٰ کی وضاحتوں کی روشنی میں بھی تو حفظ مراتب کا عقدہ حل کیا جا سکتا ہے۔ جہاں خدا اور بندے کا فرق اسلام کے بنیادی تصورات میں سے ہے وہیں رسول اور امتی کا فرق بھی اسلامی حقیقت ہے، اس پر بھی غور کرنا ہمارا ایمانی و ادبی فریضہ ہے۔

ڈاکٹر صابر سنبھلی نے امام نعت گویاں امام احمد رضا قادری کی نعت گوئی پر مستقل مضامین تحریر کیے ہیں۔ زیر نظر مضمون حدائق بخشش کے صنائع و بدائع پر ایک اور نظر، ایک الگ جہت سے روشنی ڈالتا ہے، اس کا تعلق فنی خوبیوں کی نشان دہی اور امام احمد رضا کی قادر الکلامی سے ہے جو بلاغت کے کئی ابعاد روشن کرتا ہے۔ ڈاکٹر عزیز احسن پاکستان کے محققین نعت میں نمایاں مقام رکھتے ہیں، تحقیق و تنقیدِ نعت پر قیمتی مقالات کے ساتھ مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں۔ نعت اور ہماری شعری روایت پر یہ مختصر مضمون ایک جائزہ ہے جس میں تحقیق کا پہلو کم اور تجزیے کا پہلو زیادہ ہے۔ اسی باب میں مرزا ساجد حسین امروہوی کا مضمون نعت رسول مقبول اور اس کی ارتقا کے عنوان سے شامل کیا گیا ہے جس میں نعت گوئی کی تاریخ مختلف ادوار کی وضاحت کے ساتھ مع مثال پیش کی گئی ہے۔ اشعار کا انتخاب بھی خوب ہے۔

باب سوم رحمت بیکراں میں شامل دونوں مضامین ''عصر حاضر کے بلند قامت غیر مسلم نعت گو شاعر حضرت کرشن کمار طورؔ'' (ڈاکٹر فہیم احمد صدیقی) اور ''ڈاکٹر صغریٰ عالم ایک خوش فکر نعت گو شاعرہ'' (فیروز احمد سیفی) باب چہارم کے مقالات میں شامل کیے جا سکتے ہیں۔ یہ دونوں مضامین الگ باب میں کیوں آ گئے؟ مرتب نے اس کی کوئی وضاحت نہیں کی ہے۔ پہلے مضمون کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ مرتب کے الفاظ میں: ''میگزین کا نصب العین غیر مسلم نعت گو شعرا، خواتین نعت گو شعرا کی نمائندگی کو ترجیح دے کر اردو ادب میں ان کا جائز مقام و

مرتبہ دلانا بھی ہے''۔(ص۱۳)اس لیے ایک علاحدہ باب متعین کر دیا گیا ہے لیکن دوسرے مضمون پر سوال کھڑا ہوسکتا ہے۔

اس جریدے کا ایک اہم باب ''مقالات نعت'' ہے جس میں مختصر اور طویل تیرہ مضامین و مقالات شامل ہیں، عنوانات یہ ہیں:

حرف آرزو (منیر احمد ملک)، ناعت پر فیضان منعوت (قاضی محمد رفیق فائز فتح پوری)، انسان کامل ﷺ کا ذکر خیر (سید اقبال حیدر)، مظفر وارثی کا حمدیہ آہنگ (ڈاکٹر عزیز احسن)، طاہر سلطانی کے نعتیہ کلام نعت روشنی کا تنقیدی مطالعہ (محسن اعظم ملیح آبادی)، غیر منقوط حمدیہ و نعتیہ شاعری کا اجمالی جائزہ (طاہر سلطانی)، میلاد اکبر: ایک مطالعہ (ڈاکٹر نذیر فتح پوری)، نعتیہ شاعری کا تاریخی پس منظر (علیم صبا نویدی)، مقبول بارگاہ رسالت نعت گو شاعر رؤف امروہوی (صابر سنبھلی)، اعجاز کامٹوی کی نعتیہ شاعری (ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی)، علماے گھوسی کی نعت نگاری (ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی)، مولانا فروغ احمد اعظمی اور ان کی نعتیہ شاعری (مولانا نور الہدیٰ مصباحی) اور نثار کریمی ایک قادر الکلام شاعر (مولانا وصال احمد اعظمی)۔

چند کو چھوڑ کر بقیہ مضامین نئی بحثوں پر مشتمل ہیں اور انھیں مقالات نعت میں شامل رہنے کا حق ہے۔ علیم صبا نویدی تحقیق و تنقید اور شعر و شاعری کا بڑا نام ہے مگر ان کا مضمون نعتیہ شاعری کا تاریخی پس منظر کافی ہلکا پھلکا دکھائی دیتا ہے اور اس کا موضوع باب دوم سے میل کھاتا ہے۔ منیر احمد ملک، عزیز احسن، طاہر سلطانی، صابر سنبھلی، مشاہد رضوی، شکیل اعظمی، نور الہدیٰ مصباحی اور وصال اعظمی کے مقالات میں تحقیق کے ساتھ تجزیے اور تنقید کا پہلو موجود ہے جن میں طاہر سلطانی کا ''غیر منقوط حمدیہ و نعتیہ شاعری کا اجمالی جائزہ'' اور شکیل احمد اعظمی کا ''علماے گھوسی کی نعت نگاری'' کافی مبسوط اور تاریخی حقائق کا ترجمان ہے۔ ڈاکٹر صابر سنبھلی نے ممتاز نعت گو شاعر محترم رؤف امروہوی پر مشاہداتی و مطالعاتی گفتگو کی ہے اور ان کی نعتیہ شاعری کے امتیازات گنوائے ہیں۔ رؤف امروہوی اپنے دولت کدے پر ہفتہ وار نعت خوانی کی بزم منعقد کرتے تھے، بعد نماز جمعہ یہ محفل جمتی تھی، آپ سرکاری اسکول میں مدرس تھے، حافظ قرآن تھے، جگر مرادآبادی سے شرف تلمذ رکھتے تھے، ہفتہ وار منعقد ہونے والی بزم نعت خوانی کے تمام اخراجات وہ خود ادا کرتے تھے اور جب سے نعت خوانی کا یہ ہفتہ وار پروگرام شروع ہوا تھا کسی مجبوری یا

ناگریز وجہ سے اس کا ایک بھی پروگرام ناغہ نہیں ہوا۔ رؤفؔ امروہوی کے شعری مجموعے ’’گل رنگ تخیل‘‘ میں شامل پروفیسر نثار احمد فاروقی کے پیش لفظ سے پتہ چلتا ہے: ’’اس باون سال میں اندازہ ہے کہ دو ہزار چھ سو باون نشستیں اس کی ہو چکی ہوں گی۔‘‘ (ص:۱۰)

یہ بہت بڑی سعادت ہے جو کم لوگوں کے حصہ میں آتی ہے۔ اسی وجہ سے مقالہ نگار نے ’’مقبول بارگاہ رسالت نعت گو شاعر حضرت رؤفؔ امروہوی مرحوم‘‘ کے عنوان سے یہ مقالہ تحریر کیا ہے۔ حضرت رؤفؔ امروہوی کے تین شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ گل رنگ تخیل کے علاوہ لخلخۂ محامد اور کوثر رحمت، لخلخۂ محامد اور کوثر رحمت تقدیسی شاعری پر مشتمل ہیں اور اول الذکر مجازی کلام ہے۔ لخلخۂ محامد کے مطالعے کے وقت ڈاکٹر صابرؔ سنبھلی کے نہاں خانے میں رؤفؔ امروہوی کے درج ذیل شعر کا خیال محفوظ ہو گیا تھا:

رؤفؔ ان کی غلامی میں بس اتنی فکر ہے مجھ کو
کہیں وہ یہ نہ کہہ دیں ہم تجھے آزاد کرتے ہیں

مقالہ نگار جب اپنا نعتیہ دیوان ’’دیوان صابرؔ‘‘ مکمل کر رہے تھے تو ایک شعر یہ بھی تحریر کیا تھا اور وہ دیوان نعت میں شامل بھی ہے:

با ادب ہیں حاضرِ در ہم غلامانِ حضور
جو بھی چاہیں دیں مگر درکار آزادی نہیں

مقالہ نگار ڈاکٹر صابرؔ سنبھلی لکھتے ہیں: ’’اگر چہ اب تک کسی نے نہ تو ٹوکا ہے اور نہ اعتراض کیا ہے مگر میں خود اعتراف کرتا ہوں کہ یہ مضمون اصل میں رؤفؔ صاحب کا ہی ہے جس نے ایک مدت بعد میرے شعر کا روپ لے لیا، ورنہ میرے ذہن کی رسائی شاید یہاں تک نہ ہوتی۔‘‘ (ص:۱۹٦) اس اعترافِ نارسائی اور شرمندگی کے بعد لکھتے ہیں کہ میں ’’دیوان صابرؔ‘‘ کی دوسری اشاعت میں اپنے اس شعر کو خارج کر دوں گا اور جس کے پاس یہ دیوان ہے وہ اس شعر کو قلم زد کر دیں۔‘‘

یہ بہت بڑی بات ہے جو صابرؔ سنبھلی جیسے کمیاب حق گویوں اور معترفین کے قلم سے نکلی ہے ورنہ ارباب شعر وہ گل کھلاتے ہیں کہ ’’توارد‘‘ کیا، ’’سرقہ‘‘ بھی سر پیٹتا رہ جاتا ہے۔

’’گوشہ جامیؔ‘‘ میں معروف نعت گو شاعر تنویر پھولؔ امریکہ کا مضمون ’’علامہ جامیؔ کی دو مشہور نعتیں‘‘، ڈاکٹر یحییٰ نشیط پونے کا ’’مولانا جامیؔ کی نعت نگاری‘‘ اور ڈاکٹر رضوان انصاری کا ’’

حضرت عبدالرحمٰن جامؔی: نادر روزگار شخصیت‘‘ شامل کیا گیا ہے۔اسی گوشہ کا ایک اہم حصہ علامہ جامؔی کے فارسی نعتیہ کلام کا اردو ترجمہ بھی ہے جسے ڈاکٹر نور احمد ربانی کی کتاب ’’کشف العرفان‘‘ سے اخذ کیا گیا ہے۔ یہ کل اکتیس نعتیہ کلام ہیں اور سب انتخاب ہیں۔ڈاکٹر یحییٰ نشیط اور ڈاکٹر رضوان انصاری کا مقالہ حاصل گوشہ ہے جس کے مطالعے سے علامہ جامؔی کی نعتیہ شاعری اور ان کی علمی و قلمی خدمات کے مختلف گوشے سامنے آتے ہیں۔ ناقدین نعت کا عام رویہ ہے کہ جب وہ گزشتہ صدی یا موجودہ نعت گو شعرا کے نعتیہ سرمائے کا تنقیدی جائزہ لیتے ہیں تو استمداد، استعانت، شفاعت طلبی، اختیاری حقائق اور مراسم اہل سنت کے مضامین وخیال کی موجودگی کو غلط نگاہ سے دیکھتے ہیں اور یک رخی تنقید کر کے قلم کو زخمی کر ڈالتے ہیں۔ بسا اوقات الزام کفر و شرک یا شائبہ کفر تک پہنچ جاتے ہیں لیکن ان کا یہی رویہ اس وقت تحسین آمیز ہو جاتا ہے جب اسی طرز کا مضمون وخیال اسلاف شعرا کی شاعری میں انھیں دکھائی دیتا ہے۔ علامہ عبدالرحمٰن جامؔی علیہ الرحمہ کا سن ۱۴۱۴ء اور سن وفات ۱۴۹۵ء ہے ہجری اعتبار سے ۸۱۷ھ میں ولادت اور ۸۹۸ھ میں وفات ہوئی گویا آپ نویں صدی ہجری اور پندرہویں صدی عیسوی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر یحییٰ نشیط نعتیہ شاعری کے لوازمات پر گفتگو میں احتیاطی تدابیر کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں:

> ’’بعض اوقات عقیدت کا یہ غلو حدود شرعیہ کو پھلانگ جاتا ہے اور عقیدت کے مبالغے میں شان الوہیت میں استخفاف کا پہلو نکل آتا ہے اسی لیے اکثر عقیدت مندان رسول اور صوفی شعرا نے حبّ رسول کے اظہار کے لیے اپنے نعتیہ کلام میں احتیاط برتی۔ جامؔی کا شمار ایسے ہی محتاط شعرا کے سلاسل میں ہوتا ہے۔‘‘ (ص:۲۸۲)

عقیدت میں غلو اور عقیدت میں مبالغہ کی چند مثالیں بیان بھی کی ہیں۔ ان میں مسئلہ امتناع النظر، آقا و مولیٰ، بگڑی بنانے والے، ذات اول و آخر، ظاہر و باطن، دیدار خداوندی سے مشرف، عالم غیب جیسے تراکیب کو نمایاں کیا ہے اور لکھا ہے کہ ’’انھیں یا ان جیسی تراکیب کو اوصاف نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں شمار کر لیا گیا ہے۔‘‘ لیکن علامہ جامؔی کی نعتیہ شاعری کا تجزیہ کرتے وقت کئی مقام ایسے ضرور آئے ہوں گے جہاں ڈاکٹر یحییٰ نشیط کو اپنا یہ احتیاطی بیان بار بار یاد آیا ہوگا مگر تحسین آمیز روشنائی میں قلم کو ڈبو کر وہ اسے جامؔی کے فکر وفن کا کمال کہتے ہیں چاہے وہ مضمون وخیال وہی ہو جس کا اوپر انھوں نے تذکرہ کیا ہے، آخر اس دورنگی کی وجہ کیا ہے؟ یہی نا کہ یہاں معاملہ علامہ جامؔی کا ہے جن کا شمار محتاط شعرا کے سلاسل میں ہوتا ہے۔ یقین نہ آئے تو

ڈاکٹر یحییٰ نشیط کے یہ جملے پڑھ لیں:

''جامی نے ایک نعت گنہ گاروں کی شفاعت طلبی میں رقم کی ہے۔اس میں تضرع والحاح اوج پر دکھائی دیتا ہے۔شاعر کی بے بسی ، بے کسی کے احساس میں اضطراب و بے قراری کی جھلک نمایاں ہے۔ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے استمداد اور شفاعت کی امید میں تڑپ بھی شامل ہے اور اسی اضطراری کیفیت کے ساتھ کہتے ہیں۔'' (ص:۲۸۴)

''یارسول اللہ جیسی ترکیب کی مخالفت مین زمین وآسمان ایک کردینے والے ناقدین علامہ جامی کے اس کلام کے متعلق کیا فتویٰ دیں گے جس کے ہر آخری مصرع میں یہ ترکیب موجود ہے؟

تنم فرسودہ جاں پارہ ز ہجراں یا رسول اللہ
دلم پر درد آوارہ ز عصیاں یا رسول اللہ!

یہ پورا کلام نقل کرنے بعد ڈاکٹر یحییٰ نشیط لکھتے ہیں:

''مذکورہ بالا نعتیہ اشعار میں جامی کا تضرع، فراق ، شوق ، حضوری، دل رنجوری، بے بسی، خوف گناہ اور شفاعت کی آس تمام کیفیات جمع ہوگئی ہیں۔حبّ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان اشعار میں جھلک پڑتا ہے، یقیناً جامی کی نعتیہ شاعری کبھی بھی صرف نظر کا شکار نہ ہوگی اور حبّ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شمع دوسروں کو بھی روشن کرتی رہے گی۔'' (ص:۲۸٦)

ڈاکٹر رضوان انصاری کے مقالے میں علامہ جامی کی شخصیت، سوانحی پہلو، علمی وقلمی خدمات کو فوکس کیا گیا ہے اور مثالوں کی روشنی میں ان کے افکار زیر بحث لائے گئے ہیں اور ان کا مختصر جائزہ لیا گیا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ علامہ عبدالرحمٰن جامی کی بلند پایہ ذات اور ان کی متصوفانہ وعاشقانہ شاعری عہد آفرین فکریات رکھتی ہے اور اس کے معنوی ابعاد میں فکروفن کی لاتعداد جہتیں پوشیدہ ہیں۔ضرورت ہے کہ انھیں نکال کر اہل علم تک پہنچایا جائے اور ان پر تحقیق وتنقید کی جائے۔ان کی فارسی شاعری زبان وادب کا قیمتی سرمایہ ہے اور ان کے افکار وخیالات تصوف و عشق کا بیش بہا خزانہ ہیں جس کی چمک دمک آج بھی باقی ہے اور دل ودماغ کو روشن کر رہی ہے۔''گوشہ جامی'' گوکہ مختصر ہے مگر یہ دونوں مضامین تشنہ ہی سہی ،فرض کفایہ ادا کر رہے ہیں۔

شش ماہی ''دبستان نعت'' کا یہ پہلا شمارہ ،لگتا ہے کافی عجلت میں ترتیب دیا گیا ہے اس

لیے پروف کی خامیاں قدم قدم پر اختلاج کا سبب بنتی ہیں۔ چند جگہوں پر قرآنی آیات بالکل غلط کمپوز ہوئی ہیں جسے کسی طرح روا نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ جب نعتیہ شاعری ادب کا حصہ ہے تو اس کے باطنی حقائق کے ساتھ ظاہری لباس بھی نکھرا ستھرا ہونا چاہیے اور نعت پر جو مضامین و مقالات تحریر کیے جائیں ان میں ادبی زبان اور قواعد انشا و املا کی رعایت بھی ضروری ہے ورنہ اس کے تقدس کو زک پہنچے گی۔ ''دبستان نعت'' کے کچھ حصوں میں یہ غفلت دکھائی دیتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ آئندہ شماروں میں ان گزارشات پر دھیان دیا جائے گا۔ اخیر میں ''دبستان نعت'' کی پوری ٹیم اور جملہ مقالہ نگاران و شعرا کو مبارک باد پیش کرتے ہیں کہ ان کی اجتماعی کوششوں سے یہ چشمہ علم و ادب ہم جیسے تشنہ علموں کی سیرابی کا سامان کر رہا ہے اور شائقین نعت سے گزارش ہے کہ وہ اس جریدے کو خرید کر اپنی یادداشت کا حصہ بنالیں اور اپنی لائبریری میں محفوظ کر لیں۔

مدیر سے رابطہ: 09415875761

○○○

طاہر حسین طاؔہر سلطانی (کراچی)

دبستانِ نعت پر ایک نظر

جناب ڈاکٹر سراج احمد بستوی صاحب
محترم فیروز احمد سیفی صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

امید ہے آپ خیر و عافیت سے ہوں گے۔ آپ حضرات کی عقیدت و محبت اور خلوص کا آئینہ ''دبستانِ نعت'' (ششماہی) موصول ہوا۔ دل کے آنگن میں، سبحان اللہ سبحان اللہ کی صدائیں گونجنے لگیں۔ آپ دونوں صاحبان اور اس شمارے میں لکھنے والے تمام ہی اہل علم و قلم کے لیے قلب کے ہر گوشے سے دعائے خیر کے کلمات زبان پر آ گئے۔ اللہ عز و جل، حضور پرنور آنحضرت ﷺ کے طفیل آپ کی سعی کو قبول و منظور فرمائے۔ (آمین)

''دبستانِ نعت'' کے پہلے شمارے کے مشمولات کو دیکھنے کے بعد یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ آپ نے اُردو نعتیہ ادب کو ایک یادگار و شاندار اور معیاری رسالہ ''دبستانِ نعت'' کی شکل میں دیا ہے جو وابستگانِ نعت کے لیے بہارِ جاں فزا ثابت ہوگا۔ تحمید و تقدیس کے باب میں ربِّ ذوالجلال کی بارگاہ میں ترانہ حمد سے آغاز، جناب تنویر پھولؔ، جناب ابراؔر کرت پوری اور راقم الحروف کے حمدیہ کلام سے کیا گیا ہے۔ گوشۂ گنجینۂ نقد و نظر، ڈاکٹر سید حسین احمد کا مضمون ''کیا نعت صنفِ سخن ہے'' میں تشنگی محسوس ہوتی ہے۔۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حمد و نعت لکھنا، پڑھنا اور سماعت کرنا باعثِ سعادت و برکت ہے۔ تمام اصنافِ سخن حمد و نعت کے آگے ہاتھ جوڑے محوِ التجا ہیں کہ آپ ہمارے سر کا تاج ہیں۔ دوسرا مضمون، ڈاکٹر سید خسرو حسینی کا ''فن نعت اور نعت گوئی' دبستانِ نعت کی زینت بنا ہے۔ جسے حصہ اوّل قرار دیا گیا ہے۔ دوسرے حصے کے مطالعے کے بعد (انشاء اللہ) بھرپور تبصرہ کیا جائے گا۔ تیسرا مضمون ڈاکٹر صابر سنبھلی نے تحریر فرمایا

ہے ''حدائقِ بخشش کے صنائع بدائع پر ایک اور نظر'' محدثِ بریلوی شاہ احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے مختصر مگر خوبصورت مضمون ہے امام اہلسنت شاہ احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری پر بہت زیادہ لکھا گیا، مزید یہ سلسلہ جاری ہے، راقم الحروف کو بھی یہ سعادت حاصل ہو چکی ہے کہ 2005ء میں ''جہانِ حمد'' (کتابی سلسلہ۔کراچی) کا عاشق رسول امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نمبر میں شائع کیا۔جس کے صفحات 544 ہیں۔اس کتاب نما رسالے کی شہرِ حمد و نعت کراچی میں دو اہم تقریب تعارف منعقد ہوئیں، پہلی تقریب ڈاکٹر فرمان فتح پوری مرحوم کی صدارت میں آرٹس کونسل کراچی میں منعقد ہوئی، مہمانِ خصوصی پروفیسر سحر انصاری تھے دیگر مقررین میں ادیب رائے پوری مرحوم، بابا صوفی معین الدین چشتی ظہوری، صوفی الحاج محمد کمال میاں جمیلی سلطانی وغیرہ شامل تھے۔ظہوری، صوفی الحاج محمد کمال میاں جمیلی سلطانی وغیرہ شامل تھے۔دربارِ سلطانی کی جانب سے فقیر پُر تقصیر کی تاج پوشی غیر اعلانیہ طور پر کی گئی، جس کی مجھے خبر نہیں تھی۔

دوسری تقریب شہرِ قائد کی سب سے بڑی جامع میمن مسجد، بولٹن مارکیٹ میں حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں بریلوی کی صدارت میں ''اہلسنّت کانفرنس'' کے انعقاد کے موقع پر عاشق رسول ﷺ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نمبر کی خصوصی اشاعت کی تقریب تعارف بدست مبارک مفتی اعظم ہند علامہ محمد اختر رضا خاں بریلوی ہوئی جو راقم کے لیے نہ صرف یہ کہ ایک بڑی سعادت تھی بلکہ ایک بڑا اعزاز بھی۔راقم کا مضمون ''اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری میں مناقب'' دبستانِ نعت کے لیے حاضر ہے۔ اگر مناسب سمجھیں تو ''دبستانِ نعت'' کا مولانا احمد رضا حمد و نعت نمبر کی اشاعت کا اہتمام ضرور کریں۔

''نعت اور ہماری شعری روایت'' مختصر مگر اچھا مضمون ہے، اسے تحریر کیا ہے ڈاکٹر عزیز احسن نے۔مرزا ساجد حسین امروہوی نے ''نعت رسول ﷺ اور اس کی ارتقاء'' کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''دلوں کو تڑپا دینے والے اشعار کہے نہیں جاتے ہو جاتے ہیں''۔ غیر مسلم نعت گو شاعر، کرشن کمار طور کی نعتیہ شاعری کا جائزہ لیا ہے۔ڈاکٹر فہیم احمد صدیقی نے مجموعہ نعت ''چشمۂ چشم'' کے شاعر کرشن کمار طور فرماتے ہیں، میری حمدیں اور نعتیں اس بات کی عین گواہ ہیں کہ میرا باطن ربُّ العزت کے حکم سے روشن ہے۔طور کے حمدیہ و نعتیہ کلام سے یہ بات ثابت بھی ہو رہی ہے، مگر؟ دعا ہے کہ وہ کلمۂ طیبہ کے فیضان سے فیضیاب ہوں (آمین)۔

فہیم صدیقی نے چھ صفحات پر مشتمل مضمون کے ذریعے طور کا تعارف سلیقے سے کرایا ہے۔ ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بھارت میں حمدیہ و نعتیہ مجموعے تواتر سے شایع ہو رہے ہیں۔

بدقسمتی سے ان کی آمد پاکستان، بالخصوص شہرِ حمد و نعت کراچی میں نہیں ہو پاتی، ضرورت اس امر کی ہے کہ مصنّفین، ناشر حضرات اور کم از کم جو ادارے اور رسائل و جرائد حمد و نعت کے فروغ کے لیے کام کررہے ہیں، انہیں اپنی کتابیں ضرور ارسال فرمائیں۔

فیروز احمد سیفی ایک مطاہر قلب کے مالک ہیں، عاجزی ان کا سرمایہ ہے۔ فروغِ حمد و نعت کے لیے دامے درمے سخنے قدمے پیش پیش رہتے ہیں۔ آپ کا مضمون ''ڈاکٹر صغریٰ عالم ایک خوش فکر نعت گو شاعرہ'' دبستانِ نعت کی زینت بنا ہے۔ ہم شکر گزار ہیں سیفی صاحب کے کہ اُنھوں نے ایک صوم وصلوٰۃ کی پابند نعت گو شاعرہ سے متعارف کرایا۔ ''حرفِ آرزو'' منیر احمد ملک نے عقیدت ومودت اور علم وادب کی خوشبوؤں سے سجایا ہے۔ ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر''۔

سرورِ دیں ﷺ کی محبت کے سوا کچھ نہ خدا را مانگو، یہی تو زندگی کا اصل مقصد ہے، اندازِ بیاں دلکش ہے۔ ''دبستانِ نعت'' میں صفحہ ۱۱۵ پر مضمون ''ناعت پر فیضان منعوت'' شامل کیا گیا ہے، اس کے مصنف قاضی محمد رفیق فائزؔ فتح پوری ہیں۔ مضمون کی بنیادی باتیں اوّل: فیضان نعت، دوم: حدیث قدسی، اے محبوب اگر آپ کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو میں یہ دنیا ہی پیدا نہ کرتا۔ مگر دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے۔ سید اقبال حیدر ممتاز شاعر و ادیب کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ آپ کے مضمون کا عنوان ''انسانِ کامل ﷺ کا ذکرِ خیر'' ہے۔ آپ ﷺ کے کمال اخلاقِ کریمانہ کا بیان اور آپ کے بلند اقوال کا تذکرہ ''سبحان اللہ.....''۔

مظفؔر وارثی کا حمدیہ آہنگ، ڈاکٹر عزیز احسن نے مذکورہ مضمون تحریر کیا ہے۔ مظفر وارثی مرحوم، حمدیہ و نعتیہ شاعری کے حوالے سے کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ آپ کا حمدیہ مجموعہ ''الحمد'' پاکستان میں شایع ہونے والے مجموعہ ہائے حمد میں دوسرے نمبر پر آتا ہے، پہلے نمبر پر عبد السلام طور کا مجموعہ حمد ''پتھر میں آگ'' ہے۔ جو ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا۔ مظفر وارثی کی حمدیہ شاعری پر ایک مضمون، اقبال عالم نے تحریر کیا تھا جو ''جہانِ حمد'' میں شایع کرنے کی سعادت راقم کو ہوئی۔ مظفر وارثی پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور مزید لکھا جائے گا۔ عزیز احسن لکھتے ہیں ''مظفؔر وارثی کی شاعری میں مترنم بحروں، صوتی مناسبتوں، لفظیاتی نغمگی کے التزام اور معنوی بوقلمونی سے ایک صحیفۂ عقیدت بھی وجود میں آیا ہے اور رنگارنگ فنی نگار خانہ بھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مظفؔر وارثی کا نام دنیائے حمد و نعت میں ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔

راقم الحروف کے نعتیہ مجموعہ ''نعت روشنی'' کا تنقیدی مطالعہ کیا ہے محسن اعظم محسنؔ ملیح آبادی نے، مضمون گیارہ صفحات پر مشتمل ہے، اگر وقت ملے تو آپ بھی مطالعہ کیجئے گا۔ مذکورہ مجموعہ نعت

سے پہلے راقم الحروف کے مجموعہ ہائے نعت ''مدینے کی مہک''، ''نعت میری زندگی''، ''ہر سانس پکارے صلِ علیٰ''، مجموعہ ہائے حمد ''حمد میری بندگی''، ''حمد کردگار'' جہانِ حمد پبلی کیشنز، حمد و نعت ریسرچ سینٹر اور ادارۂ چمنستانِ حمد و نعت کے زیر اہتمام شہر حمد و نعت کراچی سے شایع ہو چکے ہیں، ان مجموعوں کے علاوہ دس سے زائد نثری کتب بھی شامل ہیں۔

''حمد الہ جل جلالہ و مدحت رسول ﷺ'' (غیر منقوطہ حمدیہ و نعتیہ شاعری کا اجمالی جائزہ ہے)

راقم الحروف کا مذکورہ مقالہ صفحہ 154 تا 179 پر محیط ہے۔ یہ تحقیقی مقالہ حمدیہ و نعتیہ ادب میں اوّلین کوشش ہے۔ جو ہمیں غیر منقوطہ حمدیہ و نعتیہ شاعری کے بارے میں اچھی خاصی معلومات فراہم کرتا ہے۔ مضمون بالا کے مطالعے کے بعد شعراء کرام میں غیر منقوطہ حمدیہ و نعتیہ شاعری کا ذوق و شوق پیدا ہوا ہے۔

''میلادِ اکبر ایک مطالعہ'' مضمون نگار ڈاکٹر نذیر فتح پوری ''میلادا کبر'' اور اس کے مصنف خواجہ محمد اکبر وارثی میرٹھی کی نثر و نظم کے حوالے سے جو حقائق بیان کیے ہیں اور جس اثر پذیری کا ذکر فرمایا ہے۔ اس میں ذرّہ برابر بھی شک کی گنجائش نہیں، حق تو یہی ہے کہ ''میلادا کبر'' کے پاک و ہند سے بیسیوں ایڈیشن شایع ہو چکے۔ خود میرے حمد و نعت ریسرچ سینٹر میں تین پبلشرز کے طبع شدہ ''میلادا کبر'' موجود ہیں۔ راقم الحروف نوعمری سے نعت خوانی اور صلوٰۃ و سلام پڑھنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ سلام تو بہت لکھے گئے، خود راقم نے ایک کتاب بنام ''سلام'' مرتب کر کے شایع کی جس میں کم و بیش ڈیڑھ سو شعراء کا سلامیہ کلام شامل ہے، مگر راقم بچپن سے دو سلام ''یا نبی سلام علیک'' اور ''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام''، اوّل خواجہ اکبر وارثی، دوم اعلیٰ حضرت عظیم البرکت شاہ احمد رضا خاں محدث بریلوی کا کلام ہے، پڑھنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ عالمِ اسلام میں بسنے والے غلامانِ رسول ﷺ مذکورہ سلاموں کو حد درجہ پسند کرتے ہیں اور عشاقانِ رسول اکرم ﷺ انتہائی والہانہ انداز میں کیف و سرور اور وجدانی کیفیت کے ساتھ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں مذکورہ صلوٰۃ و سلام پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ ڈاکٹر نذیر فتح پوری نے بجا فرمایا ہے ''میلادا کبر محض منظوم نعتیہ کلام کا نسخہ نہیں ہے بلکہ اس میں نثری قصیدے کے گل بوٹے بھی مصنف کے زورِ قلم کا نتیجہ ہیں''۔ جیسا کہ کتاب کے عنوان سے ظاہر ہے ''میلادِ اکبر''، یعنی حضور پرنور آنحضرت ﷺ کی ولادت کا صاف و شفاف اور عام فہم زبان میں بیان، نثری قصیدے کا یہ ابتدائی حصہ انشاء پردازی کا بہترین نمونہ ہے۔ فصاحت اور بلاغت کے باوجود ایک

عام مسلمان کی سمجھ میں بھی بات آسانی سے آجاتی ہے۔ یہ مقفی، مسجیٰ اور رواں دواں نثر منظوم توصیف نامے سے بھی زیادہ پراثر ہے۔مثلاً ''بے یاروں کا یار، بے مددگاروں کا مددگار، بے وسیلوں کا وسیلہ، بے بھروسوں کا بھروسہ، بے بسوں کا بس، بے کسوں کا کس، ٹوٹے دلوں کا سہارا اور اللہ کا پیارا'' سبحان اللہ۔ مصنف کے قلم نے کیسے موتی رولے ہیں، کیسے بول بولے ہیں، یہ تحریر پڑھتے وقت یوں لگتا ہے جیسے کسی نے منہ میں مصری کی ڈلی رکھ دی ہو''۔خواجہ محمد اکبر وارثی عالم باعمل اور عاشق رسول ﷺ تھے۔یہی وجہ ہے کہ آپ کے نعتیہ کلام کو آج بھی اسی طرح پسند کیا جاتا ہے جس طرح ماضی میں پسند کیا جاتا تھا۔اللہ کریم ان کے درجات بلند فرمائے۔(آمین)۔

''نعتیہ شاعری کا تاریخی پس منظر'' علیم صبا نویدی نے ایک بڑے موضوع کو انتہائی مختصر انداز میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔مقبول بارگاہِ رسالت نعت گو شاعر حضرت رؤف امروہوی مرحوم ......کی نعتیہ شاعری، ڈاکٹر صابر سنبھلی کی نظر میں۔ زیر نظر مضمون کو پڑھ کر حضرت رؤف امروہوی کے حالات زندگی معلوم ہوئے۔ بارگاہِ رسالت ﷺ میں ان کے بلاوے کا تذکرہ پڑھ کر مجھے عاشق رسول ﷺ حضرت بہزاد لکھنوی یاد آ گئے کہ ان کا بلاوا بھی اسی طرح آیا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کی ڈیوٹی لگائی کہ ہمارے عقیدت مند بہزاد لکھنوی کو ہمارے دربار میں بھیجا جائے۔ بہرکیف عاشق رسول ﷺ زندگی کا اصل سرمایہ ہے۔کیوں کہ

عشقِ نبی ﷺ ہو دل میں تو ضُو بار ہے حیات
دولت اگر نہیں یہ تو بے کار ہے حیات
(طاہر سلطانی)

عاشقِ رسول بہزاد لکھنوی 1957ء کو حرمین شریفین روانہ ہوئے اور عاشق رسول رؤف امروہوی 1978ء کو۔ شکریہ، ڈاکٹر صابر سنبھلی، ڈاکٹر سراج احمد بستوی، آپ نے عاشق رسول رؤف امروہوی کا تعارف ہم پاکستانیوں سے کرایا۔ ہم نے ''جہانِ حمد'' کا بہزاد لکھنوی حمد و نعت نمبر نومبر 2001ء میں شائع کیا، یہ خصوصی اشاعت 208 صفحات پر مشتمل ہے۔ جناب احمد حسین سیفی ابن رؤف امروہوی اگر سطور بالا پڑھیں تو اپنے والد محترم کے مجموعہ ہائے کلام راقم الحروف کے پتے پر ضرور ارسال فرمائیں، راقم آپ کا شکر گزار رہے گا۔

''علمائے گھوسی کی نعت نگاری'' ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی کا یہ مضمون گھوسی کے نام ور علمائے کرام و نعت گویان کے بارے اور ان کی نعت گوئی کے حوالے سے خاصی معلومات فراہم کرتا ہے۔گھوسی کے

نعت گویان کی ایک فہرست ڈاکٹر شکیل کے مطابق ۳۷ نعت نگار علماء کے اسمائے گرامی موجود ہیں۔
تذکرہ نعت گویانِ گھوسی (علماء کرام) کا آغاز، علامہ غلام جیلانی اویس برکاتی کے تعارف سے کیا گیا ہے۔ علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی، علامہ عبدالمصطفیٰ ماجد ازہری کے باب میں ڈاکٹر شکیل رقمطراز ہیں کہ حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی کے قابل فخر فرزند تھے۔ آپ کی ولادت ۱۳۳۴ھ میں محلّہ کریم الدین پور گھوسی میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے مدرسے میں حاصل کی۔ والد محترم کے ساتھ اجمیر شریف چلے گئے، ابتدائی عربی، فارسی سے متوسطات تک تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۳۲ء میں بریلی شریف جا کر شمس بازغہ اور امور عامہ کی تکمیل کی۔ ۱۹۳۲ء ہی میں جامعہ ازہر مصر میں آپ نے داخلہ لیا، چار برس جامعہ ازہر کے معتبر علماء کرام سے اسلامیات اور ادبیات کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۵۸ء سے دارالعلوم امجدیہ کراچی میں زندگی کے آخری ایام تک خدمات انجام دی''۔
دارالعلوم امجدیہ میں عرس اعلیٰ حضرت کے موقع پر طرحی نعتیہ مشاعرے کا انعقاد ہوا کرتا تھا۔ مسند صدارت پر آپ رونق افروز ہوتے، کراچی کے نامور نعت گو شعراء کرام شریک ہوتے، راقم الحروف کو بھی کئی مرتبہ، طرحی مشاعرے میں اپنا طرحی کلام سنانے کی سعادت حاصل ہوئی، مصرع طرح: اعلیٰ حضرت کی نعت سے دیا جاتا تھا۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ ازہری صاحب کے انتقال کے بعد نعتیہ طرحی مشاعرے کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔ راقم نے دارالعلوم امجدیہ کی انتظامیہ کی توجہ اس جانب مبذول کرائی، مگر نتیجہ صفر؟۔ علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری جب قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے تو راقم کے بڑے بھائی زاہد حسین قادری (سابق کونسلر لیاقت آباد کراچی) اور راقم نے قبلہ ازہری صاحب، شاہ فرید الحق صاحب، محمد عثمان خاں نوری وغیرہ کے اعزاز میں ''انجمن غلامانِ غوث الاعظم'' اور ادارۂ چمنستانِ حمد و نعت'' کے زیر اہتمام شاندار و یادگار تقریب کا انعقاد کیا تھا۔ ازہری صاحب کے علاوہ ڈاکٹر شکیل کے مضمون کی زینت بننے والے شعراء کرام میں علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی، مولانا قاری محمد عثمان اعظمی، مولانا محمد رمضان، مولانا غلام ربانی فائق، مولانا اکرام الحق اکرام نقشبندی، علامہ بدر زالقادری بدر وغیرہ شامل ہیں۔ ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی کا مذکورہ مضمون تحقیقی مضمون ہے جو ہمیں علمائے گھوسی کی نعت نگاری اور ان کی حیات کے بارے میں جان کاری دیتا ہے۔
''نثار کریمی ایک قادرالکلام شاعر'' نثار کریمی کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے مولانا وصال احمد اعظمی نے نثار کریمی کے حالات زندگی اور ان کی نعتیہ شاعری بالخصوص ان کے طرحی نعتیہ کلام کو مضمون کی زینت بنایا ہے۔ نثار کے کلام میں عقیدت و محبت کے ساتھ ساتھ سیرتِ مصطفیٰ ﷺ

کے مختلف پہلو نمایاں ہیں۔ان کی لکھی ہوئی ایک طرحی نعت کا مطلع و مقطع ملاحظہ ہو۔

خواہش نہیں کہ سارے جہاں کی خوشی ملے
بس ہے یہ آرزو کہ رضائے نبی ﷺ ملے
تو عندلیب باغ مدینہ ہے اے نثؔار
وہ گیت گا کہ رُوح کو بالیدگی ملے

اس بحر میں میری ایک حمد کا مطلع اور مقطع آپ کے ذوقِ حمد کی نذر۔

خواہش مجھے کہاں ہے کہ شمس و قمر ملے
تا عمر تیری حمد لکھوں وہ ہنر ملے
حمد و ثنا کی روز سجائے یہ محفلیں
طاہؔر کو اے کریم کوئی ایسا گھر ملے

نثؔار کریمی کا نعتیہ مجموعہ پاکستان بالخصوص شہر حمد و نعت کراچی میں نایاب ہے۔نثؔار کریمی کے فرزند سے بتوسط جناب سراج احمد بستوی درخواست ہے کہ دو کاپی حمد و نعت ریسرچ سینٹر اور ''جہانِ حمد'' میں تبصرے کے لیے ضرور بھیجیں۔دعا ہے کہ اللہ عزوجل نثؔار کریمی کے درجات بلند فرمائے۔(آمین)

فارسی کے نعت گو شعراء کرام میں عاشقانِ رسول ﷺ کی فہرست میں ایک نمایاں نام مولانا نورالدین جامؔی کا لیا جاتا ہے۔اسی طرح اُردو نعت گویان میں عشاقانِ رسول ﷺ کے بیسیوں نام لیے جاسکتے ہیں۔ان ناموں میں امام اہلسنّت مجدد دین وملت شاہ احمد رضا خاں محدث بریلوی کا نام سرفہرست ہے۔''دبستانِ نعت'' میں ڈاکٹر سراج احمد قادری نے ایک گوشہ عاشق رسول مولانا جامؔی کے لیے مختص کیا ہے۔ممتاز شاعر و ادیب تنویر پھولؔ نے مولانا کی دو نعتوں کی تفسیر بیان کی ہے۔''مولانا جامؔی کی نعت نگاری'' یہ مضمون ڈاکٹر یحیٰی نشیط کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے، جس سے قاری کو خاصی معلومات حاصل ہو جاتی ہے۔''مولانا عبدالرحمٰن جامؔی نادرِ روزگار شخصیت'' یہ تحریر ڈاکٹر رضوان انصاری کی فکر کا آئینہ ہے۔رضوان انصاری رقمطراز ہیں کہ''آپ کا اسم گرامی عبدالرحمٰن، لقب نورالدین، 22رشعبان 817ھ مطابق 7رنومبر 1414ء کو بوقت عشاء پیدا ہوئے۔والد نظام الدین احمد بن محمد الدمشقی تھے جو نہایت عابد و متقی تھے۔ابتدائی تعلیم اپنی جائے ولادت میں حاصل کی۔پھر فقہ، حدیث اور تفسیر وغیرہ علوم و فنون کی اعلیٰ تعلیم کے لیے ہرات، مشہد اور بغداد جیسے مراکز علوم کا سفر کیا۔وقت کے عظیم المرتبت روحانی دنیا کے بزرگ صوفی شیخ سعدی کاشغری کے

حلقۂ ارادت میں داخل ہوگئے۔ شیخ موصوف نے اپنے مرید اور روحانی بیٹے کی ایسی تربیت فرمائی کہ مولانا جامیؔ علیہ الرحمۃ اپنے پیر طریقت کے پردہ فرمانے کے بعد ان کے سجادہ نشیں ہوئے۔ ۸۱ برس کی زندگی میں علم وادب کی خدمت اور عرفانی خدمات میں بسر کی۔ ان کی پوری زندگی تین ادوار میں تقسیم کی جاسکتی ہے۔ دورِ اوّل: علوم وفنون کا زمانہ۔ دورِ دوم: تصانیف وتالیفات پر مشتمل رہا۔ دورِ سوم: یہ دور آپ کی زندگی کا سب سے اہم اور انقلاب آفریں رہا ہے۔ آپ نے سلسلۂ نقشبندیہ خواجہ سید بہاء الدین عمر بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے عرفانی اور روحانی فیوض و برکات سے مستفیض ہونے کا شرف حاصل کیا۔ آپ کا وصال ۸؍محرم ۸۹۸ھ مطابق ۹؍نومبر ۱۴۹۲ء بروز جمعہ بمقام ہرات ہوا اور اپنے استاد پیر طریقت اور خسر مولانا سعد الدین کاشغری کے مزار شریف کے پہلو میں خواب سرمدی میں آرام فرما ہیں۔ اللہ کریم حضور پرنور آنحضرت ﷺ کے صدقے میں آپ کے درجات بلند فرما کر آپ کی لحد کو منور ومعطر فرمائے۔ (آمین) المختصر یہ کہ ڈاکٹر رضوان انصاری کی تحریر ایک عاشق رسول ﷺ کے بارے میں اچھی خاصی معلومات فراہم کرتی ہے۔ صفحہ 299 تا 344 تک مولانا جامیؔ کا فارسی نعتیہ کلام اُردو ترجمے کے ساتھ اپنی جلوہ سامانیوں کے ساتھ صفحۂ قرطاس پر جگمگا رہا ہے۔ صفحہ 354 تا 396 تک ''گلہائے عقیدت'' کے عنوان سے مختلف شعراء کرام کا نعتیہ کلام شایع کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر سراج احمد قادری بستوی کا انتخاب قابل تعریف ہے۔

آخر میں تین خطوط، مرزا ساجد حسین ساجد امروہوی، ڈاکٹر صابر سنبھلی اور ڈاکٹر رضوان انصاری کے ''دبستانِ نعت'' کے زینت بنے ہیں۔ مجموعی طور پر مدیر ڈاکٹر سراج احمد قادری اور نگراں فیروز احمد سیفی کی یہ کوشش وکاوش قابل تحسین وستائش ہے۔

دعا ہے کہ اللہ کریم آقائے نامدار تاجدار انبیاء ﷺ کے طفیل ہر دو حضرات کی سعی کو قبول و منظور فرما کر، انہیں اس کا اجرِ عظیم عطا فرمائے اور ''دبستانِ نعت'' کو ترقی وسرفرازی عطا فرمائے۔ (آمین) آخر میں ڈاکٹر سراج احمد قادری بستوی کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ اپنے مضامین و کلام سے ضرور مستفیض فرمائیں۔ آپ نے اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری پر پی ایچ ڈی کیا ہے، آپ اپنے اس مقالے کو قسط وار بھی شایع کریں تو نوازش ہوگی۔

ازراہِ کرم ''گوشہ نعت نگار'' کا سلسلہ جاری رکھیے گا۔

ooo

حلیم صابر (کلکتہ)

حمدیہ ونعتیہ ادب پر امتیازی خصوصیت کا حامل
''دبستانِ نعت''

آغازِ اسلام سے لے کر اب تک چودہ سو سے زائد عرصے پر محیط حمدیہ ونعتیہ ادب کا گراں قدر سرمایہ جو شعرائے متقدمین کی عربی وفارسی نعت گوئی کے حوالے سے موجود ہے اُس میں اردو حمد ونعت نے مزید اضافہ کیا وہ ایسی ایمان افروز شاعری پر مشتمل ہے جس کی مثال دیگر مذاہب کے پیشواؤں کی شان میں لکھے گئے قصائد پیش نہ کر سکے۔ لہٰذا شاعری کی تاریخ اس کا اعتراف کرتی ہے کہ اسلامی عقیدے کی رو سے حمدیہ ونعتیہ جیسی پاکیزہ صنف سخن پر طبع آزمائی کرنے والوں نے دینی شعائر کے تحت اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے جس کی حیثیت لامحدود ہے لیکن اس کے باوجود نعتیہ ادب پر بھر پور توجہ صرف نہیں کی گئی جس کے سبب نعتیہ شاعری کے بہت سارے گوشے چشمِ عالم سے اب تک اوجھل رہے اور اردو کے محققین اور ناقدین اس کے تعلق سے ناواقفیت کے دائرے میں گھرے رہے۔

خدا کا شکر ہے کہ چند بندگانِ خدا جن کا شمار اہلِ دانش میں ہوتا ہے انہوں نے اس جانب اپنی توجہ صرف کی اور پچھلے پانچ سو برسوں سے آج تک کے نعتیہ کلام کا جائزہ لیا اور نعتیہ ادب کی ترویج وتوسیع اور فروغ کے لئے حمد ونعت پر مشتمل تحقیقی وتنقیدی جریدہ ''دبستانِ نعت'' ششماہی کا اجراء بڑی شان وشوکت کے ساتھ اتر پردیش کے شہر خلیل آباد سے کیا، جس کا پہلا شمارہ جو چار سو صفحات پر محیط ہے مجھے اُس کے مدیر محترم ڈاکٹر سراج احمد قادری نے ایک ادب نواز اور مخلص انسان جناب فیروز احمد سیفی نیو یارک، امریکہ کے حوالے سے تحفتاً ارسال فرمایا ہے۔ جس کا مطالعہ میرے حق میں یقیناً مفید ثابت ہوگا۔ ابھی میں نے سرسری طور پر اُس کا مطالعہ کیا ہے جس

پر اپنی مختصر رائے قلم بند کررہا ہوں۔

اس سے پہلے کہ میں ''دبستانِ نعت'' پر خامہ فرسائی کروں یہ چاہتا ہوں کہ اس عالمی جریدے کے سرپرست پروفیسر ڈاکٹر سید حسین احمد، سجادہ نشین خانقاہ حضرت دیوان شاہ ارزانی، پٹنہ، بہار، اس کے نگراں فیروز احمد سیفی، نیویارک، امریکہ اور مدیرِ باوقار ڈاکٹر سراج احمد قادری کے علاوہ اس کے عالمی معاونین سید صبیح الدین صبیح رحمانی (کراچی)، ڈاکٹر عبد القادر غیاث الدین فاروقی (نیویارک) اور قاضی اسد ثنائی، حیدرآباد کو تہ دل سے مبارک باد پیش کروں جن کی محنت شاقہ کے نتیجے میں یہ جریدہ ملّت اسلامیہ کے بہی خواہوں تک پہنچ پایا اور زینت نگاہ بن کر ان کی عقیدتِ قلبی کو تسکین بخشنے کا سبب ثابت ہوا۔

''دبستانِ نعت'' کے مدیرِ اعلیٰ اپنے اداریہ میں رقم طراز ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

''اس مجلّے کو پیش کرنے کا ہمارا بنیادی مقصد حمد ونعت کے فروغ وارتقأ کے حوالے سے ادبا، شعرأ اور محققین کی ان کاوشوں سے اہلِ علم کو روشناس کرانا ہے جو اب تک ناقدینِ ادب کی توجہ سے محروم رہی ہیں۔ آج بھی اردو ادب کا گراں قدر سرمایہ مخطوطات کی شکل میں یونیورسٹیز اور دیگر کتب خانوں میں محفوظ ہے۔ انہیں مخطوطات میں نعتیہ ادب کے گلِ سرسبد شعرائے کرام کے مسودے اور بیاضیں بھی ہیں جن کو اب تک اہلِ علم کے درمیان متعارف نہیں کرایا جاسکا۔''

نعتیہ ادب کے حوالے سے ''دبستانِ نعت'' کی پیش کش ایک مستحسن قدم ہے جس سے نعتِ پاک کی افادیت پر بھرپور روشنی پڑے گی اور ایمان ویقین کی ضوفشانی عقیدتمندوں کے دلوں کو منوّر کرے گی۔

اس جریدے میں نعت گو شعرأ کے حوالے سے صرف مسلم شعرأ کے تذکرے شامل نہیں کئے گئے بلکہ غیر مسلم شعرأ جنہوں نے سرورِ دو عالم ﷺ کی شان میں نعتوں کے نذرانے پیش کئے ہیں ان کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور نمونۂ نعت بھی شامل ہے۔ جس سے کتاب کی اہمیت میں اضافہ ہوا ہے۔ مثال کے طور پر جہاں عالمی شہرت یافتہ شاعروں کے تذکرے نعت گوئی کے حوالے سے قلم بند کئے گئے ہیں وہیں غیر معروف شعرأ پر بھی مضامین شامل کئے گئے ہیں اور ان کی نعتیں بھی شامل کی گئی ہیں جس سے نعتیہ شاعری کے بہت سارے ایسے گوشے بھی سامنے آئے۔ جو اب تک پردۂ خفا میں تھے۔

''دبستانِ نعت'' میں شامل سارے مضامین بے حد معلوماتی ہیں جن کے مطالعے سے ذہن و دل نورِ ایماں جگمگا اٹھے ہیں۔ ڈاکٹر خسرو حسینی نے ''فنِ نعت اور نعت گوئی'' کے تعلق سے ۳۰ر

صفحات پر مشتمل جو مضمون پیش کیا وہ ہر نعت گو شاعر کے لئے رہنُما ثابت ہوسکتا ہے اگر اُس پر عمل کیا جائے۔ڈاکٹر عزیز احسن (کراچی) نے ''نعت اور ہماری شعری روایت'' کے عنوان سے لفظ ''ہماری'' کی وسعتوں کو بیان کرتے ہوئے عرب و عجم کیا اسلامی معاشروں کی شعری روایت سے گزر کر اردو کی اقلیم نعت تک رسائی حاصل کی ہے۔مرزا ساجد حُسین ساجد امروہوی نے نعت اور اس کی ارتقاً پر خامہ فرسائی کی ہے ڈاکٹر فہیم احمد کا مضمون شہرۂ آفاق غیر مسلم شاعر کرشن کمار طور کی نعتیہ شاعری کے تعلق سے معلوماتی ہے۔طور کا نعتیہ مجموعہ ''چشمہ چشم'' ۲۰۰۰ء میں شائع ہوا تھا۔ فیروز احمد سیفی (نیویارک) نے سرزمین گل برگہ شریف سے تعلق رکھنے والی بلبل باغ رسالت ڈاکٹر صغریٰ عالم جو شعبۂ درس و تدریس سے وابستہ تھیں کا ذکر حمدیہ و نعتیہ شاعری کے حوالے سے کر کے عظیم شاعرہ کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

شاعری کی ایک صنف غیر منقوطہ شاعری ہے جس کو برتنے والے شاید دو چار فیصد ملیں گے۔طاہر سلطانی (کراچی) نے غیر منقوطہ حمدیہ و نعتیہ شاعری کا جائزہ لیا ہے اور مولانا ولی رازی جن کا غیر منقوطہ نعتیہ مجموعہ ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا ان پر اپنی رائے کا اظہار احسن انداز میں کیا ہے۔ ڈاکٹر نذیر فتح پوری (پونہ) نے خواجہ محمد اکبر وارثی کی کتاب ''میلادِ اکبر'' کے حوالے سے مضمون سپرد قلم کیا ہے اور اکبر وارثی کی دولوری بھی شامل کر دی ہے جو بزبان حلیمہ سعدیہ انہوں نے پیش کی ہے۔میلادِ اکبر کے کئی ایڈیشن دہلی سے شائع ہو چکے ہیں۔بی بی حلیمہ کی زبان میں جولوری نبی کریم ﷺ کے تعلق سے ہے اس میں گیارہ اشعار ہیں تین اشعار جو مضمون نگار نے کوڈ کئے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

یہ حلیمہ کہ رہی ہے میرے گل عذار سو جا
ترے جاگنے کے صدقے مری جانِ زار سو جا
بنی سعد کا قبیلہ ہوا باغ باغ تجھ سے
مرا دودھ پینے والے نو گلِ بہار سو جا
مرا دل ہو تجھ پہ واری مری جان تجھ پہ صدقے
مرے نورِ عین سو جا مرے شیر خوار سو جا

نعتیہ شاعری کا تاریخی پسِ منظر علیم صبا نویدی (چنئی) نے مختصر طور پر مگر جامع انداز میں پیش کیا ہے۔جس میں عربی نعتوں کے حوالے سے حضور اکرم ﷺ کی ارفع و اعلیٰ صفات اور

خصوصیات کا عکس پاکیزہ واضح طور پر ظاہر ہوتا ہے۔

پندرہویں صدی کے صوفی شاعر نورالدین عبدالرحمٰن جامیؔ جن کی وفات ۱۴۹۲ء میں ہوئی۔ فارسی شاعری میں ایک مقام رکھتے تھے۔ ان کے تعلق سے تنویر پھولؔ (نیویارک)، ڈاکٹر سید یحیٰ نشیط اور ڈاکٹر رضوان انصاری کے مضامین بھی اس میں شامل ہیں جن سے جامیؔ کی نعتیہ شاعری کے اسرار کھلتے ہیں۔ جنہوں نے کہیں صرف فارسی تو کہیں فارسی و عربی کی آمیزش سے ہر ایک مصرع تیاّر کیا ہے جس کا مطالعہ ایمان افروز ہونے کے علاوہ لطف سے خالی نہیں ہے۔'' وہ شعر ملاحظہ فرمائیں جس کا ہر مصرع آدھا فارسی اور آدھا عربی ہے''۔

دو چشمِ نرگسینش را ما زاغ البصر خوانند
دو زلف عنبرینش را کہ والّیل اذا یغشیٰ
ز سرّ سینہ اش جامیؔ الم نشرح لک بر خواں
ز معراجش چہ می پرسی کہ سبحان الّذی اسریٰ

اس کے علاوہ بہت سے مشہور و معروف اہلِ قلم نے حمدیہ و نعتیہ شاعری سے متعلق مضامین قلم بند کئے ہیں جو اس جریدے کی افادیت میں اضافہ کرتے ہیں اور ان کے مطالعے سے معلومات میں بھی اضافہ ہوتا ہے'' دبستانِ نعت'' کا سلسلۂ اشاعت آئندہ بھی جاری رہے اس کے لئے بھی کوشش کرنی چاہیے اور زیادہ سے زیادہ قارئین کو اس سے متعارف کرایا جائے تا کہ نعتیہ ادب کے حوالے سے مزید ایسے گوشے ان کے سامنے آئیں جو نظروں سے اب تک اوجھل ہیں۔

مدیر کا رابطہ نمبر 9415875761

(اخبار مشرق۔ کلکتہ مورخہ ۱۵؍ستمبر ۲۰۱۶ء)

○○○

گل ہائے عقیدت

نہ میری نعت کی محتاج ذات ہے تیری
نہ تیری مدح ہے ممکن مرے خیالوں سے

احمد فراز

ﷺ

میں بیت اللہ سے مسعود تحفہ لے کے آیا ہوں
غلاف کعبہ ٔ اقدس کا ٹکرا لے کے آیا ہوں

خدا کی راہ کا یثرب سے سودا لے کے آیا ہوں
حقیقت میں طریقت کا یہ تمغہ لے کے آیا ہوں

ہے اب پیشِ نگاہِ شوق ہر دم شانِ رحمت کی
بتاؤں کیا کہ اس سرکار سے کیا لے کے آیا ہوں

سماتا ہی نہیں نظروں میں میری طور کا منظر
کسی کا دل کے آئینے میں جلوہ لے کے آیا ہوں

شرف حاصل ہوا دربار احمد میں رسائی کا
میں بیمار محبت تھا مداوا لے کے آیا ہوں

میرے سینے میں عکس گنبد خضریٰ منوّر ہے
میں گویا کعبہ ٔ دل میں مدینہ لے کے آیا ہوں

شفاعت کا بھروسہ نقدِ رحمت ہاتھ آیا ہے
مدینہ اور مکہ سے خزانہ لے کے آیا ہوں

جو مانگا حق سے وہ پایا رسول اللہ کے در سے
کہوں کیا حضرت واعظ میں کیا کیا لے کے آیا ہوں

گیا تھا سوئے کعبہ ساز آہنگِ جنوں لے کے
مدینہ سے عجب پُر کیف نغمہ لے کے آیا ہوں

نہایت سخت تھی مسعودؔ عصیاں کی گراں باری
مگر حضرت سے بخشش کا سہارا لے کے آیا ہوں

سید مسعود حسن مسعودؔ
پ ۱۸۸۵ء و ۱۹۷۲ء

صلی اللہ علیہ وسلم

تضمینِ دل پذیر بر کلام نصیرؔ

اپنی پلکوں پہ ستارے سے ٹکائے ہوئے ہیں
ہم دیا عشق رسالت کا جلائے ہوئے ہیں
گنبد سبز تصور میں بسائے ہوئے ہیں
لَو مدینے کی تجلی سے لگائے ہوئے ہیں

دل کو ہم مطلع انوار بنائے ہوئے ہیں
اپنی سوئی ہوئی تقدیر جگائے ہوئے ہیں
ان کی چوکھٹ پہ کھڑے ہاتھ اُٹھائے ہوئے ہیں
بات بگڑی ہوئی ہر ایک بنائے ہوئے ہیں

کشتیاں اپنی کنارے سے لگائے ہوئے ہیں
کیا وہ ڈوبیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ترائے ہوئے ہیں
ان کے دیدار سے ہٹ کر کوئی ارمان نہ تھا
سیرِ محشر کی طرف بھی کوئی رجحان نہ تھا

پھر ملائک سے بھی ایسا کوئی پیمان نہ تھا
قبر کی نیند سے اُٹھنا کوئی آسان نہ تھا
ہم تو محشر میں انہیں دیکھنے آئے ہوئے ہیں
اس ادب گاہ میں آرام سے چل تیز نہ دوڑ

منطق و فلسفہ و جہل سے منہ خیر سے موڑ
فرقہ وارنہ خیالات کے اصنام کو توڑ
حاضر و ناظر و نور و بشر و غیب کو چھوڑ
شکر کر وہ ترے عیبوں کو چھپائے ہوئے ہیں

بعد سرکار وہ دونوں ہیں بزرگ و برتر
ساتھ رہتے تھے جو سرکار کے سایہ بن کر
جز رسولوں کے بھلا کوئی ہے ان سے بہتر
نام آتے ہی ابوبکر و عمر کا لب پر
تو بگڑتا ہے وہ پہلو میں سلائے ہوئے ہیں

اپنا دیدار کرا گنبد خضریٰ کے مکیں
در پہ حاضر ہیں گنبد خضریٰ کے مکیں
آن کی آن ہی آ گنبد خضریٰ کے مکیں
اک جھلک آج دکھا گنبد خضریٰ کے مکیں
کچھ بھی ہیں دور سے دیدار کو آئے ہوئے ہیں

فرش کو عرش بنا گنبد خضریٰ کے مکیں
طور کو وجد میں لا گنبد خضریٰ کے مکیں
پردۂ میم ہٹا گنبد خضریٰ گنبد خضریٰ کے مکیں
اک جھلک آج دکھا گنبد خضریٰ کے مکیں
کچھ بھی ہیں دور سے دیدار کو آئے ہوئے ہیں

فیض جب مسند محمود کا جاری ہو نصیرؔ
ہر گنہ گار پہ اک کیف سا طاری ہو نصیرؔ
لب پہ شہزادؔ کے مصرع یہی جاری ہو نصیرؔ
کیوں نہ پلڑا تیرے اعمال کا بھاری ہو نصیرؔ
اب تو سرکار بھی میزان پہ آئے ہوئے ہیں

علامہ ڈاکٹر شہزادؔ مجددی (لاہور)

ﷺ

پہلے ہر سانس مشک بو کرنا
پھر مدینے کی جستجو کرنا

عشق احمد میں چاک ہے سینہ
کفر ہے حاجتِ رفو کرنا

میرے چہرے پہ خاکِ طیبہ ہے
مجھ حوروں کے رو برو کرنا

اے صبا کوچۂ رسول میں ہوں
مجھ کو پامال چار سو کرنا

کلمۂ طیبہ ہے جن کے نام
اے زباں ان کی گفتگو کرنا

آج ان کے حضور ہے پیشی
اے خدا آج سرخرو کرنا

حسن سیرت کا ذکر ہے آقا
مجھ کچھ اور خوب رو کرنا

ان کے قدموں کی دھول ہو جانا
ان کی ٹھوکر سے پھر نموکرنا

یہ سلیقہ ہے رحمت آقا
سر نہیں دل کو قبلہ رو کرنا

پروفیسر سید ابوالحسنات حقیؔ (کان پور)

صلی اللہ علیہ وسلم

علم کے شہر کی خدمت ہے زباں پر یارب
مجھ لائی مری تقدیر کہاں پر یا رب

بن کے درویش کھڑا ہوں میں وہاں پر یارب
سر جھکاتے ہیں فرشتے بھی جہاں پر یارب

تو نے مبعوث کیا مرے نبی کو جس دم
لرزہ طاری ہوا سب قلبِ بتاں پر یارب

وہ زمیں کتنی مقدس ہے زمانے بھر میں
بھیجتا ہے تو سلام اپنا جہاں پر یا رب

نعت گو سب سے بڑا تو ہے مری کیا ہستی
سب تو قرآں کے ارشاد ہیں وہاں پر یارب

وہ ہی وہ اکمل انساں کہ نہیں ثانی کوئی
ان کی تختی ہے لگی دل کے مکاں پر یارب

مجھ کو دکھلا دے تو سرکار کا نوری چہرہ
عشق کی آگ ہے اس قلب طپاں پر یارب

موت آئے تو رہے پاس درودوں کی ضیاء
نام اُس ذات کا ہو وِردِ زباں پر یا رب

نفس جبرئیل کو آداب سکھایا کس نے
سو رہا تھا، رہا تھا ترا محبوب جہاں پر یارب

روشنی لفظوں میں گوندھوں یہی خواہش ہے متینؔ
خوش ہوں آقا بھی مرے حُسنِ بیاں پر یا رب

متینؔ عمادی (پٹنہ)

ﷺ

نعتیہ سہ غزلہ

(ورقِ اوّل)

حبّذا! قِسمت سے مجھ کو ایسا آقا مِل گیا
میں نے اُس سے جب بھی مانگا، جو بھی مانگا مِل گیا
ہر کوئی حیران ہے اِس پر ، مجھے کیا مِل گیا
نعلِ پاک مصطفیٰ ﷺ کا ایک ذرہ مِل گیا
مصطفیٰ ﷺ کے در پہ سائل کیا کہے حیران ہے
جتنی رکھتا تھا طلب، اُس سے زیادہ مِل گیا
کیسے پا سکتا ہے کوئی تھاہ اُس کے فضل کا
اُن کے بحرِ بے کراں سے جس کو قطرہ مِل گیا
سخت بے چینی میں دی اُن صدا تو یوں لگا
راہیِ تشنہ دہن کو جیسے دریا مِل گیا
اُس کی آقائی پہ صابرؔ دو جہاں قربان ہے
آمنہ کے لال جیسا جِس کو آقا مِل گیا

(ورقِ دوم)

چارہ گر حیران ہے، اللہ ! یہ کیا ہو گیا
ذکر طیبہ کر دیا، بیمار اچھا ہوگیا

پَست ہو کر رہ گئے گِردابِ غم کے حوصلے
شاہِ طیبہ کے کرم سے پار بیڑا ہوگیا
اب طبیبوں کی دواؤں کی مجھے حاجت نہیں
خاکِ طیبہ سے ہی ہر دُکھ کا مُداوا ہوگیا
روضۂ اطہر کو سجدہ ہوش میں ممکن نہ تھا
بے خودی میں دوستو! کعبے کا دھوکا ہوگیا
غازۂ رُخسار جِس نے خاکِ طیبہ کو کیا
ماہِ طیبہ سے مُنوّر اُس کا چہرہ ہوگیا
ہو گئی آباد جس کے دِل میں یادِ مصطفیٰ ﷺ
مومنو کا قبلۂ جاں دِل اُس کا ہوگیا
اب فرشتوں کی زبانوں پر بھی اُس کا نام ہے
جب سے صابرؔ مصطفیٰ کا نام لیوا ہوگیا

ورقِ سیوم

مصطفیٰ ﷺ کے پائے اقدس پر جو شیدا ہوگیا
اُس کی بخشش کا سہارا اُن کا تلوا ہوگیا
تلخ کامی کے سبب تھا زیست میں زہرابِ غم
اُن کی رحمت ہوگئی، زہراب میٹھا ہوگیا
اُس کے طوفاں سے نکلنے کی کوئی صورت نہ تھی
آپ نے ٹھوکر لگا دی ، پار بیڑا ہوگیا

المدد ! کفّار عالم در پئے آزار ہیں
یا رسول اللہ ! اب دشوار جینا ہوگیا
ہے روایت معتبر جب دھوپ میں نکلے حضور
چھا گیا سورج پہ بادل اور سایہ ہوگیا
جو مسلماں ہو گیا قسمت سے پابندِ درود
اور، عمدہ، اور بہتر ، اور اچھّا ہوگیا
حشر کے دِن دھوپ سے بھڑکا تھا صاؔبر جب بدن
دید اُن کی ہو گئی ، ٹھنڈا کلیجہ ہوگیا

ڈاکٹر صابرؔ سنبھلی (یو پی)

ﷺ

عزم لازم ہے نئے عہدِ وفا سے پہلے
اُسوۂ پاک میں ڈھل جاؤں فنا سے پہلے

رنگ اپناؤں محمد ﷺ کی غلامی کے سبھی
رب کی حاصل ہو رِضا مجھ کو قضا سے پہلے

میں نے سمجھا ہے کہ ہے کیا یہ جہاد اور قتال
دعوتِ دین ضروری ہے وَغا سے پہلے

دین لفظوں سے عمل تک جو نہ ہو نور فشاں
پھر تو وہ موت ہے انساں کی، فنا سے پہلے

نہ تو دنیا تھی نہ تھا دیں ہی میسر ہم کو
بالیقیں سرورِ عالم ﷺ کی عطا سے پہلے

کاش میں خود درِ سرکار ﷺ پہ حاضر ہو جاؤں
نالۂ شوق سے معمور صبا سے پہلے

اِتّبَاعِ نبوی میرے عمل سے جھلکے
ان کے دربار میں اظہارِ وفا سے پہلے

کاش احساسِ ندامت کی بھی بارش برسے
مدحتِ شاہ ﷺ میں لفظوں کی گھٹا سے پہلے

نعت سچائی کی ضامن ہو بہر طور عزیزؔ
قلب میں داخلۂ شوقِ جزا سے پہلے

ڈاکٹر عزیزؔ احسن (کراچی)

ﷺ

خیال، نعت کی چوکھٹ پہ سر بہ خم آیا
کمالِ سدرۂ فن تک مرا قلم آیا

کُھلے ہیں دشت تِمنامیں مشک بو نافے
حریم جاں میں کوئی آہوئے حرم آیا

افق خیال کے قوسِ قزح میں ڈوب گئے
زمینِ فکر پہ اک موجۂ ارم آیا

سخن میں اخضری رنگت وفور پانے لگی
ہر ایک لفظ پئے نعت تازہ دم آیا

چراغ بر سرِ مژگاں جلا لیے میں نے
خوشا، سلیقۂ تزئین شامِ غم آیا

یہ ذوق نَعت قلم کو کہاں میسر تھا
صریرِ خامہ جبریل سے بہم آیا

زمینِ شعر کو زرخیزیاں عطا کرنے
عرب سے ابر اٹھ کر سوئے عجم آیا

نہال جان سے پھوٹی گداز کی کونپل
مچل کے آنکھ کے صحرا میں یک یم آیا

پھرا ہوں کاسۂ جاں لے کے در بدر شاکرؔ
زرِ مراد یہیں سے مگر بہم آیا

سید شاکرؔ القادری (اٹک۔ پاکستان)

ﷺ

چشمِ حیراں میں جلوے سمیٹے لوگ محفل سجانے لگے ہیں
آمدِ مصطفیٰ کا ہے موسم، سارے منظر سہانے لگے ہیں

دل ابھی سے ہے ان کا منور سر ابھی سے جھکانے لگے ہیں
جن کا جن کا بُلاوا ہے آیا، وہ مدینے کو جانے لگے ہیں

ماہِ اول ربیع صبح صادق، روز دوشنبہ، تاریخ بارہ
ہر طرف ہے درودوں کی خوشبو، برکتوں کے خزانے لگے ہیں

فرش سے عرش تک کا سفر تھا، میرے آقا کا یہ معجزہ تھا
ایک لمحہ کا تھا کارنامہ، عقل سمجھی زمانے لگے ہیں

ساری دنیا تو گھوما ہوں آقا ہائے قسمت مدینہ نہ دیکھا
اب یہ سارے سفر بن کے طعنے دل پہ خنجر چلانے لگے ہیں

میرے آقا مدینے کے والی، نخلِ رحمت کے پھولوں کی ڈالی
مجھ کو قدموں پہ اپنے بلالیں حوصلے ڈگمگانے لگے ہیں

فاطمی جا کے دیکھو مدینہ، نور ہی نور تم کو دکھے گا
سبز گنبد کے سائے میں جاکر لوگ جنت بھلانے لگے ہیں

پروفیسر علی احمد فاطمی (الہ آباد)

صلی اللہ علیہ وسلم

دعا کبھی نہیں مانگی سو مانگ لیں اللہ
کہ درد ہو تو ہم آنسو بہا سکیں اللہ

ہمارے نقشِ کفِ پا ہی سدّ راہ بنے
لہو غبار اُڑاتا ہے کیا کریں اللہ

وہ ایک زخم کہ ہستی جسے کہیں ، نہ بھرا
تری عطا ہے ، کسے اتّہام دیں اللہ

نفَس نفَس ہے یقین و فنا کی آویزش
قدم قدم پہ خدا ہیں کسے کہیں اللہ

الجھ گیا میرے دامن سے خار زارِ خودی
پھسل گئیں مرے ہاتھوں سے راحتیں اللہ

یہاں تو لوگ سدا نیکیاں بھُناتے ہیں
کبھی گناہ کی توفیق دے انہیں اللہ

ہر ایک شئے میں مظفرؔ خدا نظر آیا
اگر چہ ہم ہیں خود اپنی تلاش میں اللہ

پروفیسر مظفرؔ حنفی (نئی دہلی)

ﷺ

دوہا نعت

(۱۳۔۱۱۔۲۴ ماتراؤں)

آپ ﷺ خدا کا نور ہیں عالم کے سردار	مجھ پر بھی کیجیے کرم خادم ہوں سرکار
آپ ﷺ کی آمد جب ہوئی دنیا میں سرکار	معبودوں کے سر جھکے ٹوٹ گئے زنّار

طوفاں سے ٹکرا گیا کر کے بسم اللہ
اُمّت میں تھا آپ ﷺ کی ہو گیا بیڑا پار

تیز ہوا میں ہاتھ سے چھوٹ گئی پتوار	ایک سہارا آپ ﷺ کا کر دو بیڑا پار
شرمندہ ہو جائے گی اندھیاروں کی بھیڑ	سیرت کی تنویر سے بھر دیجے افکار

ابو بکر فاروق ہوں یا کہ علی عثمان
کُندن جیسا کر دیا آپ نے ہر کردار

قدم قدم پر دھوپ ہے تھکے تھکے ہیں پاؤں	کاش ہو سر پر آپ کی ﷺ کملی سایہ دار
جب میں کوثر کی طرف پیاسا مارا جاؤں	ایک نظر ہو جائے بس شفقت کی سرکار

وِرد د رودِ پاک کا جب بھی کیا فرازؔ
خوشبو کے احساس سے ذہن ہوا بیدار

ڈاکٹر فرازؔ حامدی (جے پور)

صلی اللہ علیہ وسلم

اُنگلی پہ جن کی گھوم رہے ہیں یہ شش جہات
وہ بوریہ نشیں ہیں شہنشاہِ کائنات

دن ان کے رخ کا عکس تو ہے عکسِ زُلف رات
اور سارے عطر اُن کے پسینے کی ہیں زکات

بر حالِ زار من، بفگن بہرِ پنجتن
اک چشم التفات بس اک چشمِ التفات

اُن کی مثال ان کی نظیر ان کا ہم شبیہ
ممکن نہیں ملے کوئی تا حدِ ممکنات

مل جائے اُن کا در تو یہ فوراً برس پڑے
ٹھہری ہوئی پلکوں پہ اشکوں کی اک برات

محو کرم وہ رہتے ہیں ہر لمحہ ہر گھڑی
درکار کب ہیں اُن کو کرم کے محرکات

ہم چاہتے ہیں بس وہی محو کرم رہیں
ہم سے بھی تو ہیں اُن کو بہت سی توقعات

وہ چاہتے ہیں اُن کے طریقے پہ ہم چلیں
ہم کو عزیز رہتی ہیں بس اپنی خواہشات

لب ہائے گلفشانِ نبی جب کریں کلام
سُنیے بگوش ہوش تو ہر بات میں ہے بات

ساجد برائے حفظِ شریعت اُٹھیں قدم
دیں کے نہ کام آئے تو کس کام کی حیات

(ساجد امروہوی اوپی)

ﷺ

ہے خدا وندی کرم نامِ نبی
دور کر دیتا ہے غم نامِ نبی

ہم فقیروں کی ہے سلطانی عجب
تاج و دستار و درم نامِ نبی

وردِ جاں، وردِ نفس، وردِ نگہ
وردِ قرطاس و قلم نامِ نبی

نام سارے انبیاء کے محترم
محترم سے محترم نامِ نبی

جب سے آنکھیں با سلیقہ ہو گئیں
لکھ رہی ہیں یم بہ یم نامِ نبی

ہو گئی روشن بصیرت کی نگاہ
اہلِ دل کا جامِ جم نامِ نبی

صدقے جاؤں اے نفس کے زیر و بم
سُن رہا ہوں دم بہ دم نامِ نبی

عمر بھر کرتے رہے کاغذ سیاہ
حاصلِ لوح و قلم نامِ نبی

زیبِ جاں کیجئے نظیرؔ اس نام کو
ہے غریبوں کا بھرم نامِ نبی

پروفیسر ڈاکٹر واحد نظیرؔ (نئی دہلی)

ﷺ

اُمتی ہوں آپ ﷺ کا حضرت محمد مصطفیٰ
ہو کرم روزِ جزا، حضرت محمد مصطفیٰ

دوپہر، صبح و مسا بعد از خدا
ذکر بس ہو آپ ﷺ کا، حضرت محمد مصطفیٰ

کب زمین و آسماں نے آپ سا دیکھا کوئی
تاج دار انبیاً ، حضرت محمد مصطفیٰ

جہل کی ظلمات میں شمعِ ہدایت آپ ﷺ ہیں
آپ ﷺ ہی ہیں رہنما حضرت محمد مصطفیٰ

دردمندی، مہر و شفقت کی فضا ہے آپ ﷺ سے
آپ ﷺ ہر دُکھ کی دوا، حضرت محمد مصطفیٰ

آپ ﷺ سے نظمِ اخوت نے جِلا پائی یہاں
فرقِ این و آں مٹا، حضرت محمد مصطفیٰ

آپ ﷺ ہی کے نام سے روشن ہے محرابِ دعا
بعد حمدِ کبریا ، حضرت محمد مصطفیٰ

آپ ہی کی سُنتوں پر ہم رہیں قائم سدا
ہے یہی رب سے دعاً ، حضرت محمد مصطفیٰ

ہو کرم کی بارشیں اور رحمتیں ہم پر مدام
ہے خدا سے التجا ، حضرت محمد مصطفیٰ

روضہ اطہر کے ہوں میں رو برو، یہ دیکھنا
کیا نصیبا ہے مرا ، حضرت محمد مصطفیٰ

موت آئے اور ہو وِردِ زباں کلمے کے بعد
ربّنا اِغفر لنا ، حضرت محمد مصطفیٰ

اسلم مرزا (اورنگ آباد)

صلی اللہ علیہ وسلم

تخلیق کائنات ہے قدرت کا آئینہ
ہر شئے ہے کائینات کی فطرت کا آئینہ

اِسلام کیا ہے حق و صداقت کا آئینہ
ایمان کیا ہے حُسنِ اطاعت کا آئینہ

بعثت نبی کی ہے مرے رحمت کا آئینہ
قران کیا ہے آپ کی سیرت کا آئینہ

جب کفر کے اندھیروں میں حق جلوہ گر ہوا
اک لخت پاش ہو گیا ظُلمت کا آئینہ

معراج مصطفیٰ کی فضیلت بھی دیکھئے
بخشا خدا نے آپ کو عظمت کا آئینہ

سرکار کا وہ روضہ و طیبہ کی سر زمیں
زیرِ فلک ہے گوشۂ جنّت کا آئینہ

اُمی تھے آپ اور فصاحت غلام تھی
قبضے میں آپ کے تھا بلاغت کا آئینہ

توصیف نعت گوئی کے پردہ میں کیا کریں
گوہر کلام پاک ہے مدحت کا آئینہ

گوہر تری کیروی (کرناٹک)

ﷺ

اک مسافر ہے وہ
جس کی راہوں میں کانٹے بچھائے گئے
کوششیں رات دن
راہِ حق سے ہٹانے کی ہوتی رہیں
کان جن کے
سماعت سے محروم تھے
ان کو قدموں کی آہٹ سنائی نہ دی
جن کی آنکھوں میں
ذوقِ بصیرت نہ تھا
ان کو نقشِ قدم کا نشاں نہ ملا

وہ تھا ثابت قدم، صرف چلتا رہا

اس مسافر نے رکھے جہاں بھی قدم
وہ جگہ سجدہ گاہوں سے افضل ہوئی
جس گلی سے بھی گزرا وہ مردِ خدا

اس گلی کی فضائیں معطر ہوئیں

اس کی چاہت ہوئی
اس کو ڈھونڈا گیا
دل کے نزدیک قدموں کی آہٹ لگی
تو نگاہوں نے حیرت سے دیکھا کیا
اس کے نقشِ قدم!
شاہراہوں میں تبدیل ہونے لگے
شاہراہوں کا اک سلسلہ ہو گیا
ساری دنیا میں اک جال سا بچھ گیا

ڈاکٹر ایس۔ یم۔ عقیل (شیموگہ)

ﷺ

فضائیں عطر آ گیں ہیں مہک کیسی فضا میں ہے
کہ یہ تاثیر اُس نامِ محمد مجتبیٰ میں ہے
قدم ہیں ناتواں لیکن میں سو سو بار گذرا ہوں
نہ جانے کیا کشش اُس کوچۂ خیرالورا میں ہے
میں ایک ایسا ہوں پروانہ جو جل کر بھی نہیں مِٹتا
یہ قوّت کیسی اُس شمع محمد مصطفیٰ ﷺ میں ہے
کروڑوں ماہ و انجم ہیں فقط اک شمس سے روشن
یہ کیسا سحر اَن مِٹ جو محمد ﷺ کی ضیاء میں ہے
امانت کے، دیانت کے نہ آیا بال شیشہ میں
امیں جن کا لقب مشہور سارے انبیاء میں ہے
یہ کیسا عشق ہے جس پر ہمیشہ ناز ہے مجھ کو
فنا ہوں گر تو میرا مستقر دارِ بقا میں ہے
حقیقت میں وہی ہیں پیکرِ انسانیت مشتاقؔ
"مکمل آدمیت بس حبیبِ کبریا میں ہے"

مشتاقؔ سعید (میسور)

ﷺ

جب ان کے نام پہ جلتا چراغ ہاتھ میں تھا
میں کیسے بھولتی رستہ، چراغ ہاتھ میں تھا

شبِ سیاہ مجھے بھی ڈرا رہی تھی مگر
لبوں پہ نام تھا اُن کا چراغ ہاتھ میں تھا

نہ زادِ راہ تھا کوئی نہ وش گمانی تھی
بس ایک حرفِ دعاً کا چراغ ہاتھ میں تھا

کوئی بھی آندھی کبھی ڈگمگا سکی نہ مجھے
اُجالا دِل میں نہاں تھا، چراغ ہاتھ میں تھا

سفر کے وقت مرے ساتھ میرے آنسو تھے
اور ایک اُن کی رضا کا چراغ ہاتھ میں تھا

ہوائے دہر نے کوشش تو کی بہت راحتؔ
نہ بجھ سکا کبھی ایسا چراغ ہاتھ میں تھا

حمیرا راحتؔ (کراچی)

ﷺ

ہو کیوں کر بیاں مجھ سے نعت محمد ﷺ
ہے بے مثل دنیا میں ذاتِ محمد ﷺ

ہوا ہے کوئی اور نہ ہوگا کوئی پھر
محمد ﷺ کا ثانی نہ اُن سا پیمبر

نہیں ہے جہاں میں مثال محمد ﷺ
عجب تھا جلال و جمال محمد ﷺ

نبی ﷺ تو بہت آئے دنیا میں لیکن
تھی اصلاح بس اک قوم کی ان سے ممکن

زمانے کو تھا انتظار محمد ﷺ
کہ افضل و اکمل تھا کار محمد ﷺ

ترستی تھی انسانیت راہبر کو
تڑپتی تھی نسوانیت چارہ گر کو

مسیحائے نسواں نبی ﷺ بن کے آئے
غریبوں کے حق میں غنی بن کے آئے

وہ ماحیِ شرک و ستم بن کے آئے
وہ رافعِ رنج و الم بن کے آئے

زمانے کو تھا انتظارِ محمد ﷺ
کہ خوب اور بہتر تھا کارِ محمد ﷺ

سید لطف اللہ راحلؔ بخاری (میسور)

ﷺ

ترے نام ہی کے صدقے ، ترے لطف کے سہارے
مرے دل میں ضو فشاں ہیں تری یاد کے ستارے
ہیں نگاہِ حق نگر کے بڑے پُر اثر اشارے
کہ بدل دیے ہیں یکسر مری زندگی کے دھارے
وہی کام آئے میرے زہے بخت روزِ محشر
تری یاد میں جو لمحے کبھی میں نے تھے گزارے
مرے والدین قرباں شہِ دیں کی ہر ادا پر
کہ خدا نے خوب ان کے خد و خال ہیں نکھارے
لیے بے شمار عصیاں ہو ا ان کے در پہ حاضر
تو بس ایک ہی گھڑی میں ہوئے جل کے راکھ سارے
نگہِ حبیب ﷺ رب کا ملا جس گھڑی سہارا
دلِ زار کا سفینہ اُسی دم لگا کنارے
کسی امتی کی بگڑی جو کہیں نہ بن سکے تو
درِ مصطفیٰ ﷺ پہ جاکر وہ نصیب کو سنوارے
دلِ خفتہ کی سیاہی تبھی دور ہوگی مقصودؔ
کہ مکین ہوں گے اس میں مرے رب کے جب دُلارے

پروفیسر ڈاکٹر مقصود احمد مقصودؔ (بڑودہ)

صلی اللہ علیہ وسلم

بدل جائے گی صورت میرے گھر کی
اگر آمد ہوئی خیر البشر کی

تمنّا ہنس پڑی شمس و قمر کی
نقابِ چہرۂ آقا جو سر کی

زیارت ہو اگر خیر البشر کی
قسم کھائیں ملک میری نظر کی

نبی کے نام پر نقطہ نہیں جب
تو پھر کیوں بحث یہ نور وبشر کی

نہیں ہے ان کے در سے ربط جن کا
وہی کھائیں گے ٹھوکر در بدر کی

مرے سرکار کی ہے آمد آمد
چمک اب دیکھئے روئے سحر کی

ارادہ ہوگا جب شہرِ نبی کا
مثالی ہوگی نوعیت سفر کی

محمد مصطفیٰ لکھا ہو جس پر
مثالیں دے زمانہ اس کھڈر کی

خیالِ سرورِ دیں تو بہت ہے
نہیں ہم کو ضرورت ہم سفر کی

نبی کا نام روشن ہے لبوں پر
اسے حاجت نہیں تیغ و سپر کی

نہ کیوں دل سے لگا لوں یاد ان کی
کمائی ہے یہی تو عمر بھر کی

معطر ہو گیا وجدان میرا
ہوئی حاصل جو خوشبو ان کے در کی

چمکتا نوؔر بھی مہتاب جیسا
جو ہوتا خاک تیری رہ گزر کی

سید محمد نورالحسن نوؔر فتح پوری (یوپی)

ﷺ

روضے پہ اپنے مجھ کو بلا لیجے حضور ﷺ
بے آسرا ہوں اپنا بنا لیجے حضور ﷺ
حسرت میں زندگی نہ کبھی ختم ہو کہیں
ہوں دور اپنے پاس بلا لیجے حضور ﷺ
شمع ہدایت آپ ہیں نور جہاں ہیں آپ
دنیا کی ظلمتوں سے بچا لیجے حضور ﷺ
شیطاں کے وسوسوں سے بچا لیجے مجھے
دامن میں رحمتوں کی چھپا لیجے حضور ﷺ
پستی میں ہوں گرا ہوا عیش و نشاط کی
مجھ کو بڑھا کے ہاتھ اُٹھا لیجے حضور ﷺ
طیبہ میں ہو بسر مری باقی تمام عمر
خدمت میں اب جرّی کو لگا لیجے حضور ﷺ

ڈاکٹر جعفر جرّی (کریم نگر)

صلی اللہ علیہ وسلم

سوئے ہوئے عالم میں بھی بے دار ہیں آنکھیں
اس ہادی برحق کی طلبگار ہیں آنکھیں

آئیں گے نظر کیا مجھے انوار محمد
باطل کے اندھیروں میں گرفتار ہیں آنکھیں

جو دیکھ نہیں سکتی ہیں انوار مدینہ
تو جان لو چہرے پہ گنہگار ہیں آنکھیں

پڑھتی ہیں ادب سے یہ سدا نام محمد
تعمیر صداقت میں مددگار ہیں آنکھیں

اک عرصہ ہوا ہے درِ سرکار کو دیکھے
محسوس یہ ہوتا ہے کہ بیمار ہیں آنکھیں

سوغات انھیں مل گئی مولیٰ کے کرم کی
حج پہ جو گئے ان کی چمکدار ہیں آکھیں

صدیق و عمر ہوں کہ عثمان غنی ہوں
آقا کے لئے سب کی وفادار ہیں آنکھیں

تلک راج پارسؔ (جبل پور)

صلی اللہ علیہ وسلم

مجھے یہ مال و زر کیا تختِ دارا و سکندر کیا
شہِ بطحا کا ادنیٰ امّتی ہوں اُس سے بڑھ کر کیا

عزیز از جان ہیں کانٹے بھی طیبہ کی ببلوں کے
مرے نزدیک جنّت کی کوئی شاخِ گُلِ تر کیا

مقامات شہِ لولاک کی رفعت کا اندازہ
لگا پائیں گے جبرئیل امیں کے بازوئے پر کیا

مرے آقا کا فیضانِ کرم سب کے لئے یکساں
نگاہِ رحمت، عالم میں کم تر اور بر تر کیا

جسے مل جائے سایہ رحمت عالم کے دامن کا
تو پھر اُس کے لئے ہے گرمیِ میدانِ محشر کیا

حرم کی شام اور صبحِ مدینہ جس نے دیکھی ہو
بہارِ خلد کا اس کی نظر میں کوئی منظر کیا

شفیع روزِ محشر کا ہے دامن جس کے ہاتھوں میں
ہے اس کے واسطے دونوں جہاں میں اس سے بہتر کیا

کھجوروں کی چٹائی مرکزِ درسِ ہدایت تھی
حریر و پُرنیاں کا پُر تکلف نرم بستر کیا

عجب اک سلسلہ تھا نور کا مشرق سے مغرب تک
عرب کی سرزمیں کیا آمنہ کا صرف اک گھر کیا

شرف ان کی غلامی کا میسر ہو جسے فاخرؔ
نگاہوں میں پھر اس کی سطوتِ کسریٰ و قیصر کا

فاخرؔ جلال پوری (یوپی)

صلی اللہ علیہ وسلم

آنکھوں میں میرے دِل میں مدینے کی فضا ہے
جس شہر کو دیکھا نہیں وہ دل میں بسا ہے

جو روح کو سرشار کیئے رہتی ہے ہر دم
جنّت سے نہیں کم وہ مدینے کی ہوا ہے

جس نام کی خوشبو سے معطر ہے دوعالم
وہ نام مرے دِل کے نگینے میں لکھا ہے

اللہ اُسے بخشے گا جنّت کی فضائیں
اخلاص سے جس شخص نے بھی سجدہ کیا ہے

اللہ کی نظروں میں پسندیدہ ہے وہ کام
والّیل کی ساعت میں جو مصروفِ دعاً ہے

ہیں جس سے خفا آپ وہ ہے راندہٗ درگاہ
راضی ہیں نبی جس سے بس اُس کا خدا ہے

جو اخلاص سے پڑھتا ہے ظفؔر کلمۂ طیب
قسمت میں اسی شخص کے رحمت کی گھٹا ہے

ظفؔر اقبال فتح پوری (یوپی)

ﷺ

سورج رخِ صبح صادق پر کرنوں سے محمد ﷺ لکھتا ہے
اور مالکِ گلشن دل پہ مرے پھولوں سے محمد ﷺ لکھتا ہے

یوں نامِ نبی ﷺ کی عظمت کا احساس کرانے مالکِ کُل
وہ فہم بشر سے بالا تر لفظوں سے محمد ﷺ لکھتا ہے

جب بے خبری سے پوچھے ہم نے تخلیق ہوئے ہیں کیوں عالم
اک نور صفا کے ماتھے پر جذبوں سے محمد ﷺ لکھتا ہے

وہ مردِ مجاہد خون سے جو تاریخِ جہاں رنگین کرے
وہ حق کے لئے جاں دیتا ہے زخموں سے محمد ﷺ لکھتا ہے

عرفان کی موجیں اُٹھتی ہیں گرداب سمجھ کے پیتے ہیں
جب دل کا سمندر ہستی میں لہروں سے محمد ﷺ لکھتا ہے

اُسکو تو نظر آتا ہے وہی اک نام فضائے عالم پر
جو دل میں انہیں رکھتا ہے سدا آنکھوں سے محمد ﷺ لکھتا ہے

محسوس سہیلؔ میں کرتا ہوں یہ یادِ نبی میں راتوں کو
اقصائے فلک پر دستِ حسیں تاروں سے محمد ﷺ لکھتا ہے

سہیلؔ کاکوروی (یوپی)

ﷺ

ہزار دل ہزار جان سے ہمیں قبول وہ
وہ اوّلینِ کائنات آخری رسول ﷺ وہ

تضاد قول و فعل کا محال اس کی ذات پر
وہ ضابطہ بہ ضابطہ اصول در اصول وہ

بلند قامتی میں وہ پرے مری نگاہ سے
زمیں پر آسماں کا وسیلۂ نزول وہ

نفاذ کفر ہر طرف ورودِ جہل چار سو
بَلا کے خار زار میں کِھلا تھا بن کے پھول وہ

مری خوشی بھی کیا اگر نہ رو پڑوں یہ سوچ کر
مری خوشی کے واسطے سدا رہا ملول وہ

غلام مرتضیٰ راہیؔ فتح پوری (یوپی)

ﷺ

حبیبی محمد ﷺ نبی تہامی، زہے عزّ و جاہِ رسولِ ﷺ گرامی
تیری بزم میں اے شہِ ﷺ ذوالکرامی
ملک ہیں پیامی بشر ہیں سلامی
سراجِ مبیں ہے وہ ماہِ تمامی زہے عزّ وجاہِ رسولِ گرامی
شفیعِ امم ﷺ، شافعِ روز محشر ﷺ
وہ فخرِ بشر ﷺ، زیبِ محراب و منبر
حبیبِ خدا ﷺ شاہدِ ذوالکرامی، زہے عزّ وجاہِ رسولِ گرامی
وہ شاہِ رسل ﷺ، خسرو عرش مسند
وہ محمود ﷺ و حامد محمد و احمد
خدا سے جسے نازش ہم کلامی، زہے عزّ وجاہِ رسولِ گرامی
رسول معظم ﷺ، نبیٔ مکرّم ﷺ
شِفائے مریضاں تیرا اسمِ اعظم
تیرے نام سے ہے میری شادکامی، زہے عزّ وجاہِ رسولِ گرامی
اے نورِ مجسّم، نبیٔ مکمّل
حقیقت میں شاہوں کے رتبے سے افضل
ہے نایابؔ کو تیرے در کی غلامی، زہے عزّ وجاہِ رسولِ گرامی

سیدہ نیلوفر نایابؔ عاقل شاہی (میسور)

صلی اللہ علیہ وسلم

ملی ہے ایک اشارے پہ جس کے ، کنکریوں کو بھی گویائی
اُس اُمّی پہ ختم ہوئی ہے ، سب حکمت اور دانائی
معراج کی شب ہو مبارک ، سدرہ کا سفر ہو مبارک
سُوئے عرش چلی جو سواری تو تھی وجد میں ساری خدائی
صدّیق و عمر بھی شیدا عثمان و علی بھی واری
ہے ستاروں کے جھرمٹ میں ،اُس چاند کی جلوہ نمائی
میری عمر کا اک اک لمحہ ، سو جان سے تم پر قرباں
میری خاک بھی کام آ جائے، ہو اتنی کرم فرمائی
ترا ذکر ہی شام و سحر ہو، تیری یاد میں عمر بسر ہو
ترے نور سے جگمگ ہے جگ ، تیرے نور سے ہے رعنائی
میری حمد و ثنا بھی بے شک ، تیرے نام بغیر ادھوری
میں حبابؔ بھلا کیا مٹّی ، اور نور کی لکّھوں بڑائی

ڈاکٹر حبیب راحت حبابؔ کھنڈوا (ایم پی)

ﷺ

مدحت خیرالبشر ﷺ سب کے مقدر میں کہاں
یہ سعادت، یہ ہنر سب کے مقدر میں کہاں

ہادیٔ جنّ و بشر، محبوب داور کے سوا
میہمانی عرش پر سب کے مقدر میں کہاں

جو مقدس شہر مسکن ہے رسول اللہ کا
اس کی گلیوں سے گزر سب کے مقدر میں کہاں

پہلوئے سرکار ﷺ میں سوئے ہیں صدّیق و عمر
یہ سکون معتبر سب کے مقدر میں کہاں

جس دعا کے فیض سے ایمان لے آئے عمر
وہ دعا اور وہ اثر سب کے مقدر میں کہاں

حضرت عثماں کو ذوالنورین جس نے کر دیا
وہ عنایت کی نظر سب کے مقدر میں کہاں

آج بھی تاریخ ہجرت کہہ رہی ہے اے شفیعؔ
بستر خیرالبشر ﷺ سب کے مقدر میں کہاں

ڈاکٹر محمد شفیع (سیتاپور)

صلی اللہ علیہ وسلم

ہر سمت موجزن ہے جو فیضانِ مصطفےٰ
احسانِ مصطفےٰ ہے یہ احسانِ مصطفےٰ

دنیا سنور گئی مرا عقبیٰ سنور گیا
ہاتھوں میں آگیا مرے دامانِ مصطفےٰ

فرما دیا کہ اُمّتِ عاصی کی مغفرت
پوچھا خدا نے جب کبھی ارمانِ مصطفےٰ

اے آفتابِ حشر ترا غم نہیں ہمیں
ہم اُمّتی ہیں سایہ نشینانِ مصطفےٰ

حالانکہ یورشیں تو بہت ہیں خزاؤں کی
لیکن مہک رہا ہے گلستانِ مصطفےٰ

کترا کے ان سے گردشِ دوراں گزر گئی
جو بھی ہوئے ہیں نغمہ سرایانِ مصطفےٰ

حائل تھے درمیاں جو حجابات اُٹھ گئے
یہ عظمتِ رسول ہے یہ شانِ مصطفےٰ

ہم جن کو آسمانی صحیفہ کہیں مجیبؔ
مدّاحِ مصطفےٰ ہیں ثنا خوانِ مصطفےٰ

ڈاکٹر مجیب شہزرؔ (علی گڈھ)

صلی اللہ علیہ وسلم

اعلان جس کا کر رہا، قرآن ہے کہ بس
کونین کے امام کی وہ شان ہے کہ بس
دیکھیں جو مسکرا کے تو مردے بھی جی اُٹھیں
اللہ کے حبیب کی مسکان ہے کہ بس
ٹکڑے کیا قمر ، کبھی چشمے اُبل پڑے
وہ انگلیاں ،کہ معجزوں کی کان ہے کہ بس
عرصہ بہت طویل تھا معراج کا مگر
سمٹا تھا وقت ایسے کہ ، اک آن ہے کہ بس
روزے ، نماز، کم سہی بخشش کے واسطے
حب رسول پر میرا ایمان ہے کہ بس
کونین کے ہیں شاہ مگر زیست کے لیے
کچھ مختصر ترین سا سامان ہے کہ بس
اپنا کے دیکھ لیجئے خود ان کے دین کو
اتنا نفیس، سادہ ، اور آسان ہے کہ بس
یوں تو بہت عمل ہیں جو مسنون ہیں مگر
نعت نبی وہ منّت رحمان ہے کہ بس
فآئزؔ کو نعت کہنے کی توفیق بخش دی
اتنا بڑا یہ آپ کا احسان ہے کہ بس

قاری، قاضی محمد رفیق فآئزؔ فتح پوری (راجستھان)

صلی اللہ علیہ وسلم

نورِ حق، محبوبِ یزداں، شاہِ خوباں پر سلام
رحمتِ دنیا شفیعِ حشر ساماں پر سلام

انتساب و افتتاح نوعِ انساں پر سلام
شجرۂ آدم کے رکنِ خاص خاصاں پر سلام

پاکبازی سے مرصّع شاہِ طفلاں پر سلام
با حیا و باادب بوئے گل افشاں پر سلام

آمنہ کے لعل، تقدیرِ حلیمہ پر درود
رشکِ محبوبیتِ لعلِ بدخشاں پر سلام

خوش خرام و التجا رفتار پیکر پر درود
خندہ لب، روشن جبیں، رخسارِ تاباں پر سلام

ابنِ عبداللہ پر، درِ یتیمی پر درود
خوابِ عبد المطلب تعبیرِ شاداں پر سلام

کلمۂ ایمان میں رب کے مقرب پر درود
مستقلِ تسبیح خواں، مرغوب سبحاں پر سلام

محورِ تنویر و تشکیلِ ہدایت پر درود
داعیٔ تصحیح نیت، حفظِ ایماں پر سلام

ربِ کن کے مقصد خلقت پناہی پر درود
شہسوارِ عالم تدبیر و امکاں پر سلام

خلوتِ غارِ حرا، گوشہ نشینی پر درود
رحمۃ اللعالمینی ابرِ باراں پر سلام

عفو فرمائے خطا و رحم پرور پر درود
تائبِ بے ارتکابِ جرم وعصیاں پر سلام

گالیاں سن کر دعائیں دینے والے پر درود
سنگ باری میں بھی صابر، غم گریزاں پر سلام

رازدارِ رب، شناسائے مشیت پر درود
حاملِ فیضانِ حق، رحمت بداماں پر سلام

مخبر صادق، امینِ دینِ فطرت پر درود
رہبر اصلاحِ احوالِ پریشاں پر سلام

سامع روح الامیں مغموم و مضطر پر درود
امیِّ مطلق نبی ﷺ تلمیذِ رحماں پر سلام

خاتمِ اعجاز و اعزازِ رسالت پر درود
عالمِ امکاں پہ رب کے لطف واحساں پر سلام

صاحبِ اموال و احوال خدیجہ پر درود
زید بن حارث کے مخدوم ونگہباں پر سلام

مرگِ ابراہیم سے نمناک آنکھوں پر درود
اور دعائے مغفرت کے ساز وساماں پر سلام

یارِ غار حضرتِ صدیق اکبر پر درود
قاسمِ برکاتِ ذو النورین عثماں پر سلام

نازشِ جہد عمر فاروقِ اعظم پر درود
فاتحِ خیبر کے مقصود دل و جاں پر سلام

جاں نثار و ناز بردار حمیرا پر درود
امہات المومنیں کے بخت تاباں پر سلام

محوِ ذکر و فکر خوشبوئے توکل پر درود
شانِ تقویٰ وطہارت جانِ ایماں پر سلام

قدسیوں کے خیر مقدم میں فلک رو پر درود
راکبِ برّاق معراجِ نگاراں پر سلام

کبریا کی میزبانی کے مکلّف پر درود
حلقۂ معمور کے مخصوص مہماں پر سلام

رب ارحم امتی، فرمانے والے پر درود
روبروئے رب ،تشہد کے سخن داں پر سلام

فیض یابِ صحبت ربِ دو عالم پر درود
کہکشاں در کہکشاں نورِ فروزاں پر سلام

سورۂ اسرا کے سیّاح مکرم پر درود
سورۂ کوثر میں مخفی عہد و پیماں پر سلام

اک چٹائی پر فروکش شاہِ عالم پر درود
اور بنامِ خاک ساری ظرف ذیشاں پر سلام

عیش وعشرت، طرزِ شاہانہ کے منکر پر درود
اختیاری فاقہ فرمائی کے سلطاں پر سلام

جاں نثارئ صحابہ کی عقیدت پر درود
صاحبِ دل بستگئ جاں نثاراں پر سلام

مقصد و احکامِ قراں کے شناسا پر درود
چلتی پھرتی با عمل تفسیرِ قراں پر سلام

حکمت و دانائِ حق کے معلم پر درود
حضرت حسان کے اشعار خواہاں پر سلام

واقفِ شبِ قدر کے علم تعین پر درود
اور مشیت کے علم بردارِ نسیاں پر سلام

دینِ ابرہیم کی تزئین اکمل پر درود
شارحِ حج، اعتصام عید قرباں پر سلام

فکر مند نیک اعمال و عوامل پر درود
درد مند و خوش پناہ دردمنداں پر سلام

فہم اور ادراک سے مشتق خموشی پر درود
انقلابِ حق کے تند و تیز طوفاں پر سلام

محسنِ انسانیت پر امن پیکر پر درود
بہر باطل عازمِ شمشیر برّاں پر سلام

سرِ وحدت پر، سراپائے رسالت پر درود
شرک و بدعت کے یقینی دشمنِ جاں پر سلام

حضرت عباس و حمزہ کے بھتیجہ پر درود
بے سہاروں کے لیے ازغیب پرساں پر سلام

لاڈلے حسنین کے محبوب نانا پر درود
فاطمہ زہرا کے بابائے بہاراں پر سلام

منبع عشقِ بلال شانِ حبشہ پر درود
مصدرِ حبِ صہیب و چاہِ سلیماں پر سلام

متقی اصحاب کے ماویٰ و محور پر درود
ضوفشاں تاروں کے مہتابِ درخشاں پر سلام

دس بشارت یافتہ روحوں کے ملجا پر درود
بدر کے میداں کی شان، مردِ میداں پر سلام

تین سو تیرہ کے آگاہِ عزیمت پر درود
اورعریش وعرش میں طے پائے فرماں پر سلام

عرصہ ٔطائف میں جاری خونِ اطہر پر درود
اور عنوانِ احد، تقدیسِ دنداں پر سلام

بو دجانہ کو عطا فرما نوازش پر درود
رازمخفی سے معریٰ تیغِ عریاں پر سلام

درگذر فرمائے وحشی کی متانت پر درود
مائلِ عفو و تحمل ابرِ نیساں پر سلام

فاتحِ مکہ کے اخلاص و مروت پر درود
شاہِ طیبہ کی عنایاتِ فروزاں پر سلام

حق کے پیرو، حق پناہی کے پیمبر پر درود — غیرتِ صد فاتحیں، رشکِ شہیداں پر سلام

درس فرمائے مساواتِ حقیقی پر درود — قاطع ہر اختلافِ نسل انساں پر سلام

عظمت وہّاب کی نایاب نعمت پر درود — رحمت توّاب کی خیراتِ ارزاں پر سلام

ظلمتِ جہلِ عرب سے جنگ فرما پر درود — دونوں عالم کے سراج نور افشاں پر سلام

اوّلیں حجت بہ عنوانِ عبادت پر درود — آخری پیغمبر ہر جن و انساں پر سلام

سورہ ٔ انّا فتحنَا کے مخاطب پر درود — سورۂ تبت یدیٰ کے رازِ پنہاں پر سلام

سختیوں کی آزمائش سے مشرف پر درود — آسمانی حکم کے مفہوم آساں پر سلام

حق گزارِ داورِ محشر کے سجدوں پر درود — غمگسار و شافعِ محشر کے احساں پر سلام

واقفِ استغناو یکسوئے توکل پر درود — عالمی امت کے استخلاص خواہاں پر سلام

ہر مسلماں کے عیار دین و دنیا پر درود — مہربان و دردمند ہر مسلماں پر سلام

امّتِ عاصی کے غم میں دیدہ ٔ نم پر درود — دریقینِ فضلِ مولیٰ روئے خنداں پر سلام

مدح خواں ہے جس کا خود رب اس محمد ﷺ پر درود — یعنی اللہ احد کے مرتبہ داں پر سلام

قادرِ مطلق کے سادہ لوح بندہ پر درود — بے نیازئ صمد کے ناز و نازاں پر سلام

سرورِ کونین، شاہِ ہر دو عالم پر درود — حضرت ختم الرسل سرتاج شاہاں پر سلام

تا قیامت رہنمائے دین و دنیا پر درود — از ازل تا بہ ابد تنویر یزداں پر سلام

آرزومند و رضائے جوئے الٰہی پر درود — بر سرِ محشر شفاعت مند ارماں پر سلام

آدمیت کی نمائندہ شرافت پر درود — ایک آقائے غلامانِ غلاماں پر سلام

مرحمت بخش وعطائے خوئے مسرت پر درود — چشمِ گریاں کے، ہجومِ غم کے درماں پر سلام

گنبد خضریٰ میں محوِ استراحت پر درود — ربِ کعبہ کے حبیب و جانِ جاناں پر سلام

قلب صافی کی مناجاتی دعاؤں پر درود — اذنِ شافی کی شفائے کل مریضاں پر سلام

ہر زمانہ کے نصابِ فیض یابی پر درود — میرے دورِ جبر کے بھی لطفِ دوراں پر سلام

میرے آقا، میرے مولیٰ، میرے سرور پر درود — میر ایماں و یقین و فیض وعرفاں پر سلام

ہے سحر خیز ابو ذاکر کے ہونٹوں پر درود — اور زبانِ شوق وصل وضعفِ ہجراں پر سلام

اظہار مسرت یزدانی ابو ذاکر مظہری (جے پور)

ستائش نامے

کوئی چٹکی سی کلیجے میں لیے جاتا ہے
ہم تِری یاد سے غافل نہیں ہونے پاتے

فانؔی بدایونی

سید صبیح رحمانی (کراچی)

مدیر ''نعت رنگ''

محترم ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

سلام مسنون

''دبستانِ نعت'' کا پہلا شمارہ موصول ہوا۔ مجھے مسلسل اسفار کے سبب اسے توجہ سے دیکھنے میں کچھ تاخیر ہوئی اور اسی لئے فوری طور رآپ کو رسید نہ دے سکا جس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ سب سے پہلے تو اس وقیع رسالے کے اجرا پر مبارک باد قبول فرمائیں۔ آپ اور فیروز احمد سیفی جس خلوص اور سنجیدگی سے ہندوستان میں نعت کے علمی و ادبی فروغ پر کمر بستہ ہوئے ہیں اس سے مجھے دلی خوشی کے ساتھ ساتھ اطمینانِ قلب بھی حاصل ہوا ہے میری بڑی خواہش رہی ہے کہ ہندوستان سے بھی کوئی ایسا جریدہ سامنے آئے جو ہند میں نعت کی تخلیقی رفتار اور معیار کے جائزے کے ساتھ تحقیقی اور تنقیدی نقوش کو بھی واضح کر سکے۔ غلام ربانی فدؔا کے رسالے ''جہانِ نعت'' نے سفر کا آغاز کیا مگر جاری نہ رہ سکا۔ اب ''دبستانِ نعت'' کے پہلے شمارے کو دیکھ کر اور اس کے مشمولات کو دیکھ کر امید ہو چلی ہے کہ انشااللہ یہ رسالہ ہماری آرزوؤں کی تکمیل کر سکے گا۔ آپ نے پہلے شمارے ہی میں ہند و پاک کے کئی اہلِ قلم کا تعاون حاصل کر لیا ہے جو خوش آیند ہے۔ رسالے کے اکثر مضامین علمی اور معلوماتی ہیں۔ مولانا جامؔی پر گوشہ اچھی کوشش ہے اس کا دائرہ وسیع کیجئے اور اس میں کلاسکی روایت کے شعرأ پر کام کروایئے۔ ہندوستان کے نعت گو شعرأ کے تعارف اور تذکروں پر توجہ دیجئے کہ ان کا تعارف ابھی پاکستان تک نہیں پہنچا یہی وجہ ہے کہ یہاں لکھے جانے والے تحقیقی و تنقیدی مقالات میں وہاں کے شعرأ کے حوالے کم کم ہی سامنے آپاتے ہیں۔

میں نے ''نعت رنگ'' میں اپنی سی کوشش کی ہے مگر فاصلوں اور رابطوں کے حجابات آڑے آتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود میں نے اپنی ہر کتاب اور ''نعت رنگ'' کے شماروں میں اس کا خیال رکھا ہے۔ اب آپ اس محاذ پر کام سنبھالیئے ہند کے صاحبِ اسلوب نعت نگاروں کا تعارف ''دبستانِ نعت'' کی اوّلین ترجیح ہونا چاہئے۔

وہاں کی جماعت میں اردو کے اساتذہ تک رسالے کو پہنچا کر ان سے قلمی تعاون حاصل کیجئے صرف نعت پر لکھنے والے اہلِ علم تک محدود مت رہیئے نئے لوگ تنقید و تحقیق کے نئے

امکانات لیکر آتے ہیں ان کو اس طرف راغب کرنا آسان کام نہیں ہوتا مگر یہی ایک مدیر کی کامیابی کا معیار ہے کہ اس نے اپنے رسالے کے لئے معاصر ادبی منظرنامے سے کتنا تعاون حاصل کیا۔

مجھے آپ کی صلاحیتوں اور محنت پر بھروسہ ہے، مجھے یقین ہے آپ ''دبستان نعت'' کو ترقی کی اعلیٰ منازل تک ضرور لے جائیں گے، میری دعائیں اور تعاون ہمیشہ آپ کے ساتھ ہے۔

محمد ابرار حنیف مغل (لاہور)

مدیر ''کاروان نعت''

جناب فیروز احمد سیفی کی طرف سے ارسال کردہ ششماہی ''دبستانِ نعت'' انڈیا، علی بھائی کے ذریعہ موصول ہوا۔ مدیر ڈاکٹر سراج احمد قادری کی زیرِ ادارت یہ خوبصورت اور معیاری پرچہ دیکھ کر خوشی ہوئی۔ چارصد صفحات پر مشتمل یہ نقشِ اوّل اپنے آنے والے شماروں کے اعلیٰ معیار کی پیشین گوئی کررہا ہے۔

نعت جیسی صنف کو ادبی دنیا میں منوانے کے لیے ایسے تحقیقی وتنقیدی کاموں کی از حد ضرورت ہے جو نہ صرف ادبی دنیا بلکہ موجودہ دور میں پیدا ہونے والے بے ادبوں کی تربیت کا ساماں بھی کر سکے۔ امامِ عاشقاں علامہ عبدالرحمٰن نورالدین جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام سے منسوب یہ کاوش حمد ربّ کریم جلّ شانہ کی خوشبوؤں سے شروع ہوتی ہے جس میں تنویر پھولؔ، طاہر سلطانی اور ابرار کرت پوری جیسے کہنہ مشق بارگاہِ اُلوہیت میں حاضری کی سعادت حاصل کررہے ہیں۔

ڈاکٹر سید شاہ حسین احمد (پٹنہ۔انڈیا) نعت کی صنف کو اردو ادب میں بڑے احسن انداز میں پیش کررہے ہیں۔ فن نعت پر ڈاکٹر سید خسرو حُسینی (گل برگہ شریف) جدید انداز میں گفتگو کررہے ہیں مگر صفحہ نمبر ۲۸ تا ۳۱ پرنٹنگ کی غلطی کی نظر ہوگیا ہے۔ جس پر توجہ کی ضرورت ہے۔

حدائق بخشش کے صنائع بدائع پر ڈاکٹر صابر سنبھلی (یو۔پی) امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی علمیت کو خراج تحسین پیش کررہے ہیں۔ نعت اور ہماری شعری روایت ''پر نامور محقق و نقاد جناب ڈاکٹر عزیز احسن (کراچی) ہمیں اپنے تجزیہ سے نواز رہے ہیں۔ ''ارتقائے نعت'' پر یو۔پی سے مرزا ساجد حسین ساجد امروہوی سیدِ ہر دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دورِ مبارک کے شعرأ سے لیکر آج کے دور کے اہلِ سخن کا ایک نقشہ پیش کررہے ہیں۔

اسی طرح ڈاکٹر فہیم احمد صدیقی (ناندیڑ)، فیروز احمد سیفی (نیویارک) منیر احمد ملک، قاضی

محمد رفیق فائزؔ فتح پوری، سید اقبال حیدر (ہیوسٹن)، محسن اعظم محسنؔ ملیح آبادی، طاہرؔ سلطانی، ڈاکٹر نذیر فتح پوری (پونہ)، علیم صبا نویدی (مدراس)، مولانا نورالہدیٰ مصباحی (یو۔ پی) ڈاکٹر محمد مشاہد رضوی (مالیگاؤں) ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی (یو۔ پی)، مولانا وصال احمد اعظمی (یو۔ پی) تنویرؔ پھول، ڈاکٹر یحیٰ نشیط (مہاراشٹر) اور ڈاکٹر رضوان انصاری (لکھنؤ) جیسی نابغۂ روزگار شخصیات نعت، نعت گو اور عاشقانِ رسول کریم ﷺ کی بارگاہ میں ہدیۂ عقیدت کے پھول پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ کلام مولانا عبدالرحمٰن جامیؔ رحمۃ اللہ علیہ بہت ہی خاصے کی چیز ہے۔ نیز بہت ہی معزز احباب ذی وقار نے اپنی زندگی کا اثاثۂ آخرت سرکار ابد قرار ﷺ کو پیش کیا ہے۔

اس شمارے میں یہ بھی ایک خوبی ہے کہ حضور پرنور نبی اکرم ﷺ کے اسم گرامی کے ساتھ درودِ پاک کا خیال رکھنے کی کوشش بھی کی گئی ہے۔ اختصار کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے میں جناب فیروز احمد سیفی اور ڈاکٹر سراج احمد قادری کو دلی مابرک باد پیش کرتا ہوں، ''اللہ کرے تلاش یار کی پیاس اور زیادہ'' شکریہ۔

سعید رحمانی۔ کٹک (اڑیشا)

مدیر اعلیٰ ''ادبی محاذ''

۴؍اگست ۲۰۱۶ء

برادرِ محترم ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہٗ

ششماہی ''دبستانِ نعت'' کا اولین شمارہ باصرہ نواز ہوا۔ اس عنایت کے لیے شکر گزار ہوں۔ تقدیسی شاعری بالخصوص نعتیہ شاعری کے فروغ کے لیے آپ نے یہ مستحسن قدم اٹھایا ہے جس کے لیے آپ بجا طور پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔ اس اولین شمارے کے مشمولات کو دیکھتے ہوئے مجھے پوری امید ہے کہ آپ کی یہ کاوش نہ صرف بارآور ہوگی بلکہ ہندوستان میں یہ رسالہ ''نعت رنگ'' کا نعم البدل سمجھا جائے گا۔ سبھی مضامین بصیرت افروز اور چشم کشا ہیں جن کے مطالعہ سے نعتِ پاک کی نہ صرف مختلف جہتیں روشن ہوئی ہیں بلکہ مختلف نعت گو شعرا کے فکر و فن سے بھی آشنا ہونے کا موقع ملا ہے۔ مجموعی طور پر یہ رسالہ اپنے صوری حسن اور معنوی جمال سے آراستہ ہے۔ میری دعا ہے کہ دبستانِ نعت کا حلقہ وسیع سے وسیع تر ہو اور اللہ تعالیٰ اسے بقائے دوام عطا فرمائے۔ آمین

نعتیہ شاعری پر دو مضامین اور اپنی چند نعتِ پاک ارسالِ خدمت ہیں۔اگر آپ کو پسند آجائیں تو اگلے شمارے کی زینت بنا کر موقعِ تشکر عطا فرمائیں۔

ڈاکٹر آفاق فاخری (جلال پور۔یوپی)

۲۲راگست ۲۰۱۶ء

برادر محترم ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

السلام علیکم

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

''دبستانِ نعت'' کا شمارہ جنوری تا جون ۲۰۱۶ء کا باصرہ نواز ہوا،شکریہ۔محترم فیروز احمد سیفی صاحب (نیویارک) سے فون پر گفتگو ہوئی موصوف نے تفصیل کے ساتھ صرف نعت پر اپنے منصوبے سے آگاہ کیا بے پناہ مسرت ہوئی باری تعالیٰ جزائے خیر دے۔

اس شمارے میں ''تحمید و تقدیس'' باعثِ برکت ہے ''گنجینۂ نقد و نظر'' کے جملہ مشمولات گراں قدر اور پُر از معلومات ہیں۔مقالات کے تحت سبھی مضامین وقیع اور معیاری ہیں کس کس کا ذکر کیا جائے''گوشہ علامہ جامؔی'' نے گویا اس شمارے کے معیار و میزان میں اضافہ کیا ہے۔'' گُلہائے عقیدت'' سبحان اللہ۔ماشااللہ۔

مجموعی طور پر یہ شمارہ ایک وقیع دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے یہ سب ''دبستانِ نعت'' کے نگراں اور معاونین حضرات کی دعاؤں کا ثمرہ ہے۔محترم فیروز احمد سیفی (نیویارک) کے حسبِ ارشاد اپنا شعری مجموعہ ''والفجر'' چند مضامین اور دو نعت برائے اشاعت آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں۔امید ہے کہ آپ رسید سے مطلع فرمائیں گے۔

پروفیسر ڈاکٹر مناظر عاشقؔ ہرگانوی (بھاگل پور)

محترم سراج احمد قادری صاحب

سلام مسنون

ڈاکٹر نذیؔر فتح پوری صاحب نے ''دبستانِ نعت'' کا پہلا شمارہ رجسٹرڈ ڈاک سے بھیجا ہے جو آپ نے مجھے بھجوانے کے لیے انہیں دیا تھا۔

سات حصے پر مشتمل چار سو صفحے کا شمارہ پا کر میں جتنا خوش ہوں اتنا ہی حیران بھی ہوں، میرے خیال میں ہندوستان کا یہ پہلا رسالہ ہے جس کا عام شمارہ اتنی ضخامت میں شائع ہوا ہے۔ آپکو جتنی مبارک باددوں کم ہے کہ اردو کے مرکز سے ہٹ کر غیر معروف ادبی جگہ سے اتنا معیاری رسالہ نکالا ہے۔ اس کی لمبی عمر کے لیے دعا گو ہوں۔ فراست سے بھر پور جود و سخا کے جو دروازے آپ نے وا کیئے ہیں اس کا صلہ یہاں اور وہاں دونوں جگہ ملے گا فلاحِ دارین کی اس روشنی میں آپ موضوعِ گفتگو رہیں گے اس کا یقین ہے۔ اس شمارے پر تبصرہ ''رنگ و بو'' حیدر آباد کے اپنے کالم ''میرا مطالعہ'' میں دے رہا ہوں۔

دو ایک تخلیق منسلک کر رہا ہوں، اور کتابیں بھی بھیج رہا ہوں۔ ''ہر سانس محمد ﷺ پڑھتی ہے'' پر جتنے مضامین آئے ہیں انہیں کتابی شکل میں ڈاکٹر امام اعظم (ڈائریکٹر مانو، کلکتہ اور مدیر ''تمثیلِ نو'' دربھنگہ) ترتیب دے رہے ہیں۔ اکتوبر میں یہ کتاب ہر حال میں آجائے گی۔ آپ یا آپ کے احباب دو چار صفحہ بھی لکھ دیں تو کتاب میں شامل کر کے خوشی ہوگی۔

میرا تعاون ملتا رہے گا۔

امید ہے نغمہ بار ہوں گے۔

ڈاکٹر شائر اللہ خاں (رام پور)

یکم ستمبر ۲۰۱۶ء

محترم! سلام مسنون

آپ کے مرسلہ تحقیقی مجلّہ ''دبستانِ نعت'' کی دو کاپیاں موصول ہوئیں، میں شکر گزار ہوں کہ آپ نے اس عاجز کو ایسے بابرکت مواد سے نوازا۔ کراچی سے شائع ہونے والے ''نعت رنگ'' جریدہ سے تو میں واقف تھا لیکن ہندوستان میں نعت رنگ سے بہتر مواد پیش کر کے آپ نے بڑی ہمت کی اور عزیزی ڈاکٹر سید حسین احمد صاحب کی سر پرستی میں اور محترم فیروز احمد سیفی صاحب کی نگرانی میں بہترین تحقیقی مواد سے مملو دبستان نعتِ جیسا رسالہ جاری کیا۔ میری جانب سے مبارک باد قبول فرمائیں۔

اس شمارہ میں تحمید و تقدیس کے تحت حمدوں کا انتخاب قابلِ ستائش ہے، گُل ہائے عقیدت کے تحت مشمولہ نعتوں کا معیار بھی بہت بلند ہے۔ ان نعتوں میں شعرأ کرام نے نہایت عقیدت و

الفت کے ساتھ بارگاہ نبیِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم میں نذرانے پیش کیے ہیں۔مجلّہ میں شامل ''گوشۂ علامہ جامیؔ'' انفرادی حیثیت رکھتا ہے اس میں جناب تنویر پھولؔ نے حضرت جامیؔ علیہ الرحمۃ کی دونعتوں کی بہترین اردو ترجمانی کی ہے۔

آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ رام پور کی دو مشہور علمی شخصیات مولانا عبدالہادی خاں کاوشؔ اور مولانا ڈاکٹر انوارحسن خاں فرقانی نے اکابر فارسی شعرأ کی متعدد نعتوں کا اردو ترجمہ کیا ہے جسے ہم نے ماہنامہ ضیائے وجیہ، رام پور میں موقع بموقع شائع کیا ہے۔

فن نعت گوئی پر دبستانِ نعت میں آپ نے جو مقالات شامل کئے ہیں وہ نہایت مفید مطلب ہیں نعت گوشعرأ کے علم وفن کا جائزہ ان مقالات میں خوب لیا گیا ہے اسی طرح بعض نعتیہ مجموعوں کا تجزیاتی مطالعہ بھی خاصہ کی چیز ہے۔ ربّ کریم دبستانِ نعت کو حوادثِ دہر کے جھونکوں سے محفوظ ومامون رکھے۔

اس خط کے ہمراہ ماہنامہ ضیاء وجیہ کے جنوری تا جولائی ۲۰۱۶ء کے شمارے ارسال کر رہا ہوں قبول فرمائیں، مطالعہ فرمائیں اور اپنے تاثرات سے نوازیں تاکہ ہمیں اپنی ٹوٹی پھوٹی محنت کا اندازہ ہوسکے۔ امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ کارلائقہ سے یاد فرمائیں۔

ڈاکٹر حبیب راحت حبابؔ ۔ کھنڈوا (ایم پی)

مورخہ ۱۱ر ستمبر ۲۰۱۶ء

محترم ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

السلام علیکم

''دبستانِ نعت'' جنوری تا جون ۲۰۱۶ء نظر نوز ہوا، اِس بیش بہا اور نادرو نایاب تحفہ کی حصول یابی پر ہدیۂ سپاس پیش کرنے کے لئے سوائے جزاک اللہ خیرہ کہنے کے، نہ الفاظ ہیں نہ سکت! سبھی مشمولات فنّ نعت اور آدابِ نعت گوئی کا سلیقہ عطا کرتے ہیں۔ بالخصوص مولانا جامیؔ علیہ الرحمہ پر شامل مقالات روح کی تسکین کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ محترم فیروز احمد سیفی صاحب نے فون پر رسالہ کے تعلّق سے بتایا تھا۔ موصوف کا دل جذبۂ حُبِّ نبی ﷺ سے سرشار ہے، جو اُنکی کسی نیکی کے عوض رب تعالیٰ نے اُنہیں بخشا ہے۔ موصوف انڈیا تشریف لائیں تو ناچیز کا سلام عرض کریں۔

جب اُن کا فون آیا تھا میری بات ہوئی تھی۔ آپ کو اور جملہ احباب کو بھی سلام عرض کرتا ہوں۔ خدا کرے آپ مع الخیر ہوں۔

اپنی دو غیر مطبوعہ نعت پاک ''دبستانِ نعت'' کے لئے اس مکتوب کے ساتھ ہی منسلک کر جواب کا منتظر ہوں۔

ڈاکٹر عزیز احسن (کراچی)

مکرمی و محترمی ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب!

السلام علیکم!

''دبستانِ نعت'' کا پہلا شمارہ نظر نواز ہوا۔ بہت سی تحریریں اور نظم و نثر کی نگارشات دیکھ کر خوشی ہوئی۔ بعض مواقع پر احساس ہوا کہ دوستیاں یا .P.R نباہنے کے لیے، کمزور کلام کے تخلیق کاروں کو بھی قادرالکلام شعرا کی صف میں شامل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

آپ کا مقصد حمد و نعت کا فروغ ہے تو اس بات کا خاص خیال رکھنا ضروری ہے کہ کمزور کلام شائع نہ کیا جائے۔ کسی بھی مضمون میں کمزور کلام کی تعریف ہو تو اسے شاملِ اشاعت کرتے ہوئے کمزور کلام کو حذف کر دینے میں کوئی حرج نہیں۔ بہت سارے مضامین ستائشِ باہمی کی تحریک پر لکھے جاتے اور رسائل کو بھجوا دیئے جاتے ہیں۔ ان میں بھی بحیثیت مدیر آپ کی ذمہ داری ہے کہ انتخاب فرمائیں۔ تحریروں کو قابلِ اشاعت یا نا قابلِ اشاعت قرار دینا آپ کا صوابدیدی اختیار ہے۔ اس اختیار کا عملی مظاہرہ بھی ہونا ضروری ہے۔ عام شاعری میں عروضی ،لسانی اور شعری کمزوریاں دیکھ کر اسے رد کرنے کا رجحان ہماری ذمہ دارانہ صحافتی روایت کا حصہ رہا ہے۔ نعت میں ایسا کیوں نہ ہو؟

ڈاکٹر سید شاہ حسین احمد نے کیا خوبصورت بات کہی ہے:

''نعت لکھنے والوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ نعت صرف توشہء آخرت نہیں بلکہ ادب بھی ہے۔ اسے پرکھنے اور اس کی ادبی قدر و قیمت متعین کرنے کا ناقد کو پورا پورا اختیار ہے۔ اس پر نعت گو کو چیں بہ جبیں نہیں ہونا چاہیے'' (ص 26)۔ نعت کے فن پر ڈاکٹر سید خسرو حسینی نے بڑی پُر مغز تحریر پیش کی ہے۔ نعتیہ ادب سے منسلک شعرا، ادبا، ناقدین اور محققین کے لیے اس مضمون میں انتہائی اہم فکری تغذیہ (Food For Thought) ہے۔ ڈاکٹر صابر سنبھلی نے

''حدائقِ بخشش کے صنائع بدائع پر ایک نظر'' کے عنوان سے اچھا لکھا ہے لیکن جدید شعری فضا میں قدیم پیمانوں سے ناپ کر کسی کے فن کو جانچتے رہنے سے بہتر ہے کہ جدید تنقیدی اصولوں کو بروئے کار لاتے ہوئے مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو از سرِ نو زیر مطالعہ لایا جائے۔ صنائع بدائع کے علاوہ ان کے متن کی فکری جہتوں کو اجاگر کیا جائے۔ضروری نہیں کہ مسلسل ایک ہی ڈگر پر چلتے ہوئے ان کی شاعری کے محاسن گنائے جائیں۔ بہر حال ڈاکٹر صابر سنبھلی نے اپنے موٗقف کو بالکل علمی انداز میں پیش کر کے استدلال کو مضبوط بنایا ہے۔ڈاکٹر فہیم احمد صدیقی نے کرشن کمار طور کا اچھا تعارف پیش کیا ہے۔طور کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اچھا شعر بھی کہتے ہیں اور نعت کے مافیہ (Content) کو نباہنا بھی جانتے ہیں۔لیکن مضمون میں شامل

بعض اشعار میں کمپوزنگ کی کچھ اغلاط کے باعث مصاریع کے اوزان پر حرف آ رہا ہے۔ کلامِ شاعر بڑی احتیاط سے نقل ہونا چاہیے۔مثلاً مجھے ان مصرعوں میں کوئی لفظ چُھوٹا ہوا محسوس ہو رہا ہے......ع جہاں میں کچھ نہیں ماوراء محمد ﷺ سے ......ع سجے گی تو بزمِ عطا محمد ﷺ سے ''بانٹنے والا'' کی ردیف میں پوری نعت لائقِ تحسین ہے۔ فیروز احمد سیفی صاحب نے ڈاکٹر صغریٰ عالم کا تعارف کروایا ہے۔ ان کی شاعری اچھی ہے لیکن کہیں کہیں عروضی اسقام محسوس ہوتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کمپوزنگ کی اغلاط ہوں۔طاہر سلطانی نے لطیف اثر کو قادرالکلام شاعر کے طور پر متعارف کروایا ہے لیکن ان کے کلام میں عروضی معاملات بہت زیادہ سقیم ہیں۔مثلاً

مالکِ دوسرا مدد کردے
ہر رحم ہر کرم کی حد کردے

دوسرے مصرعے میں حائے حطی متحرک ہوگئی ہے حالاں کہ ساکن ہے۔اس لیے مصرع ناموزوں ہوگیا۔

صلِ علیٰ کا ورد امر ہو گھڑی گھڑی
سرکار ہوں ہمارے اور سرکار کے ہوں ہم

دوسرا مصرع خارج از بحر ہے۔

حرم کی راہ آئی اللہ اللہ
صدا ہوگئی عام صلِ علیٰ کی

پہلا مصرع بے وزن ہے۔

اسی طرح صفحہ نمبر 163 پر جو حمد ہے اس میں ''مالک الملک'' عربی تلفظ کے ساتھ پڑھنے میں دقت ہوتی ہے اور مصرعے بے وزن لگتے ہیں۔ اس مضمون میں تابش الوری کا کلام بڑا جاندار ہے۔ حمد لاجواب ہے:

مالک الملک ہے وہ ملک ہے سارا اس کا
آسماں اس کا، سمک اس کی ہے صحرا اس کا
لہر در لہر رواں اس کا کرم اس کی عطا
ساحل اس کا ہے، ہوا اس کی ہے دھارا اس کا

بعض مضامین میں عصرِ حاضر کے شعرا کے لیے مبالغہ آمیز خطابات دیکھ کر مجھے احساس ہوا کہ نقدِ سخن کی آبرو نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہوئی جاتی ہے۔

بہر حال آپ کی پیش کش لائقِ تحسین ہے۔ امید ہے اگلے شماروں میں اشعار کی صحت کے ساتھ کمپوزنگ کا خاص خیال رکھا جائے گا۔ جس قدر میں پڑھ سکا اسی قدر گفتگو کی ہے۔ سارا لوازمہ دیکھنے کے لیے وقت چاہیے اور مجھے، دوسرے مطالعات میں مصروف ہونے کے باعث ، یہ شمارہ، بالاستیعاب پڑھنے کی فرصت میسر نہیں ہے۔

تنویر پھولؔ (نیویارک)

محترم المقام سراج احمد قادری صاحب!

السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ

برادرم فیروز احمد سیفی صاحب کی عنایت سے ششماہی ''دبستانِ نعت'' کا پہلا شمارہ نظر نواز ہُوا جسے پا کر بے حد مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے، آمین

پہلا شمارہ ہی اتنا خوب صورت ہے کہ دل سے بے ساختہ سبحان اللہ اور واہ! واہ! کی صدا بلند ہوئی۔ ان شاء اللہ یہ جریدہ مستقبل میں مزید ترقی کرے گا کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ''نقاش نقشِ ثانی بہتر کشد ز اوّل''۔ ایک گزارش ہے کہ کمپوزنگ پر مزید توجہ دی جائے تو بہتر ہوگا۔ صفحہ نمبر ۵ پر فہرست میں راقم الحروف کی حمد کے مصرع میں ''سب پہ تیری عطا، تو کرم ہی کرم'' میں ''تو'' کمپوز ہونے سے رہ گیا جس کی وجہ سے وزن متاثر ہو رہا ہے۔ یہ بھی محسوس ہُوا کہ شاید ''کھڑا زبر'' کمپوز نہیں ہو رہا ہے کیونکہ ''رحمٰن'' اور ''مصطفٰے'' ﷺ میں یہ موجو نہیں ہے۔ میرے

کمپیوٹر میں ''شفٹ'' دبا کر اگر حرف ''آئی'' پر کلک کیا جائے تو ''کھڑا زبر'' ٹائپ ہو جاتا ہے، یہ طریقہ آزما کر دیکھئے۔فہرست کا عنوان ''نور و نکہت'' بہت پسند آیا، داد اور مبارک باد قبول کیجئے۔

صفحہ نمبر ۱۳ پر سطر نمبر ۶ میں ''پی ایچ۔ڈی'' درست کمپوز نہیں ہُوا ہے۔''پی'' کے بعد بھی ''ڈیش'' لگا دینے سے لوگ ازراہ تفنن اسے ''پھرا ہُوا دماغ'' کہتے ہیں۔اسی صفحے پر سطر نمبر ۱۳ میں ''اور'' کا ''الف'' رہ گیا ہے۔صفحہ نمبر ۳۵۷ پر ولی صاحب کی نعت شریف کے چوتھے شعر کے مصرع ثانی میں غالباً ''اور'' زیادہ کمپوز ہو گیا ہے جس کی وجہ سے وزن قائم نہیں رہا، درست مصرع اِس طرح ہوگا: ''ورنہ کہاں یہ منہ، کہاں محبوبِ ذوالمنن'' ﷺ۔

صفحہ نمبر ۳۴۹ پر راقم الحروف کی نعت کا نواں مصرع درست کمپوز نہیں ہُوا جس کی وجہ سے اِس کا وزن متاثر ہو رہا ہے۔درست مصرع یہ ہے:

''سورہءطٰہٰ کے ہے آغاز میں حق کا خطاب''۔ اِس میں ''ہے'' کمپوز نہیں ہُوا ہے۔ یہ مثالیں دینے کا مقصد ''تنقید برائے تنقیص'' ہرگز نہیں ہے، یہ کمپوزنگ میں مزید احتیاط کی گزارش ہے ویسے یہ بھی حقیقت ہے کہ کوشش کرنے کے باوجود کچھ نہ کچھ غلطیاں ضرور رہ جاتی ہیں۔مجموعی طور پر مضامین نثر و نظم کا انتخاب اور آپ کی یہ مبارک پیشکش لائق صد تحسین و ستائش ہے جس پر آپ دلی مبارک باد کے مستحق ہیں۔

سیفی بھائی کے ارشاد کے مطابق ''نعت میں بچوں اور ادبِ اطفال کا حصہ'' کے زیرِ عنوان ایک مقالہ اور حمد و نعت منسلک ہیں۔تمام احباب کو سلام کہئے اور ہمیشہ دعاؤں میں یاد رکھئے۔والسلام

غفران اشرفی (گیا)

محترم مدیرِ اعلیٰ دبستانِ نعت

تسلیمات

بڑی کاوش و محبت کا آئینہ دار ''دبستانِ نعت'' قابلِ تحسین و ستائش ہے۔اس دور میں نعت کے اشعار کو تبصروں کے ساتھ شائع کرنا ایک سنگ میل سے کم نہیں ہے۔ایک ضخیم چار سو صفحات پر مشتمل اپنے مشمولات کے ساتھ ہندوستان میں یہ رسالہ جلوہ گر ہوا ہے۔یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ بے مثال قلم کاروں کی تخلیقات سے آراستہ یہ ''دبستانِ نعت'' فخرِ ہندوستان کہا جائے تو کم ہوگا۔

دوسرے ملکوں میں اس ضمن میں بہت کام ہوئے ہیں مگر ہمارا ملک بھی اس میں کم نہیں

ثابت ہوا ہے۔حضور سرورکونین ﷺ کی نگاہِ کرم ہے کہ آج حبّ رسول ﷺ کے جذبات نت نئے انداز میں مفکرین پیش کرتے رہے رہے ہیں۔

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل
اس شہر کے خو گر کو پھر وسعتِ سحرا دے

علامہ اقبالؔ

تو بے حساب بخش کہ ہیں بے حساب جرم
دیتا ہوں واسطہ تجھے شاہِ حجاز کا

علامہ حسنؔ رضا خاں بریلوی

چو بازوئے شفاعت را کشائی
مکن محروم جامیؔ را درآں دم یا رسول اللہ

علامہ جامیؔ رحمۃ اللہ علیہ

تیری رہ گزر سے آگے کوئی راستہ نہیں ہے
ترے نقش پا سے افضل کوئی نقش پا نہیں ہے

متینؔ عمادی

ظلمتیں رخصت ہوئیں باطل کا سر نیچا ہوا
واقعی نورِ نبی سے گھر کے گھر روشن ہوئے

مجتبیٰؔ مہر (بہار)

مدیرِ اعلیٰ نے اس مجلّے کو بہت سے ابواب سے آراستہ کیا ہے جیسے تحمید و تقدیس، گنجینۂ نقد ونظر، رحمتِ بیکراں، مقالات، گوشۂ علامہ جامیؔ، گلہائے عقیدت، پیامِ مدحت۔ دنیا کے ہر ملک کے لوگوں کی نعتیں اس میں محفوظ ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتنی محبت حضور پُر نور سرورِ کونین ﷺ سے ساری دنیا کے لوگوں کو ہے۔ یہ بھی قابلِ ذکر امر ہے کہ حضور نے معراج کے وقت اپنی امت کو یاد کیا اور وقتِ رُخصت بھی امت کو یاد کیا۔ کاش آج ہم بھی کچھ محبت و جاں فشانی آپ کے لیے رکھتے۔ قاری کے لیے یہ بہت دل چسپ کتاب ہے۔ اور اردو ادب کا بہترین سرمایہ ہے پڑھنے والوں کو ایمان کی تازگی کا احساس دلاتا ہے۔ دعاً ہے کہ اس سلسلے

کو آپکا ادارہ آگے بڑھتا رہے۔

ایں امانت چند روزہ نزد ما ست
در حقیقت مالک ہر شیئے خدا است

ڈاکٹر رضوان انصاری (سیتاپور)

محبِ گرامی قادری صاحب

السلام علیکم

اردو کی نعتیہ شاعری (تقدیسی شاعری) پر تحقیقی و تنقیدی مقالے کے لیے مزید وقت درکار ہے۔ کتابوں تک رسائی اور مواد اخذ کرنے میں وقت کی کمی بھی درمیان میں حایل ہے اس لیے ''دبستانِ نعت'' میں شمولیت کی خاطر حمدیہ شاعری کے حوالے سے مقالہ حاضر کر رہا ہوں جو غیر مطبوعہ ہے یقین ہے پسند آئے گا۔ فی الحال ''ذکرِ خلیل و ذبیح'' علیہا السلام نامی کتاب مرتب کرنے اور شائع کرانے میں مصروف ہوں اس لیے تاخیر ہوئی۔ تقدیسی نثر و نظم پر تبصرہ بھی شائع ہو تو شاید مفید ہو، غور فرمائے گا۔

امید ہے مزاج بخیر ہو گا۔

متین عمادی (پٹنہ)

۶/ستمبر ۲۰۱۶ء

محترمی و مکرمی

سلام و نیاز

آپ سے ٹیلی فون پر باتیں ہوئیں ''دبستانِ نعت'' کا جریدہ نظر نواز ہوا۔ آپ کی کاوشیں قابلِ ستائش ہیں۔ آپ نے اچھی محنت کی ہے اور اس کو عمدہ سے عمدہ بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اللہ اور رسول آپ کی محنتوں کو قبولیت کا شرف بخشے (آمین) ایک چیز جو کھٹکی وہ کمپوزنگ کی غلطی ہے۔ خاص کر میری نعت کے اشعار میں فاش غلطیاں رہ گئی ہیں۔ میری نعت کا شعر یوں تھا۔

تری نعت گنگنا ہے عبادتوں میں شامل تری گفتگو سے بڑھ کر کوئی مشغلہ نہیں ہے

قافیہ مشغلہ کی جگہ معاملہ ہو گیا ہے اور گنگنانا کی جگہ گنگنتا ہو گیا ہے۔ مقطع میں بھی ایک لفظ

''شامل'' جوڑ دیا ہے جس کی ضرورت نہیں تھی۔

مصرعہ یوں ہے۔

ہے متین ان کی مدحت میں شریک خود خدا بھی

بہر کیف کمپوزنگ کی غلطی ہے موزوں شعر ناموزوں ہو جاتا ہے اس لیے اس پر دھیان دینے کی ضرورت ہے۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ دوسرا شمارہ بھی اشاعت کی منزل میں ہے۔ دونئی نعتیں کہی ہیں فی الحال ابھی ایک ہی نعت بھیج رہا ہوں کوشش کر رہا ہوں کہ نعت پر ایک مضمون لکھوں۔ مضمون مرتب ہو گیا تو بھیج دونگا۔

امید ہے آپ بخیر ہوں گے۔ دعا کیجیے صحت برقرار رہے۔ گٹھیا اور ہارٹ دونوں مرض کا شکار ہوں اللہ کا شکر ہے کہ لکھنے پڑھنے کے کچھ لائق ہوں۔ اپنی نئی کتاب ''گلشن عقیدت'' روانہ کر رہا ہوں ملنے پر مطلع کریں گے۔ آپ کی کاوش کا مداح

ڈاکٹر وحید انجم (گلبر گہ)

محترم ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے کہ آپ بخیر ہوں۔

آپ کی فرمائش پر ایک مضمون ''گل برگہ میں نعت گوئی آزادی کے بعد'' ارسال کر رہا ہوں۔ ناسازیٔ طبیعت کے باعث مضمون جلد بھجوا نہ سکا۔ ''دبستانِ نعت'' واقعی دستاویزی حیثیت کا حامل ہے۔ اداریہ انتہائی متاثر کن ہے۔ مختلف عنوانات کے تحت جو مضامین لکھوائے گئے ہیں وہ نہ صرف قابلِ مطالعہ ہیں بلکہ پُر مغز ہیں۔ کئی مضامین قارئین کے لیے کارآمد اور مفید ہیں جس سے جذبۂ ایمان تازہ ہو جاتا ہے اور آپ کی مدیرانہ صلاحیت بھی جا بجا جھلکتی ہے۔ بہر حال ''دبستانِ نعت'' کی اہمیت اور افادیت مسلم ہے۔ خدا کرے اس کا سلسلہ جاری رہے۔

محترم آپ کی خدمت میں ایک نعت شریف بھی پیش ہے۔

گر قبول افتد زہے عزو شرف

مدہوش بلگرامی (یوپی)

محترم ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب
السلام علیکم

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا۔
''دبستانِ نعت'' کا تازہ ترین اوّلین شمارہ موصول ہوا۔ پڑھکر جی خوش ہوا۔ ماشااللہ آپ نے بڑی محنت کی ہے اس شمارے کو سجانے میں۔ تخلیقات کا انتخاب بھی خوب سے خوب تر ہے۔ ہر اعتبار سے دلچسپ اور معلوماتی مضامین کا گل دستہ آپ نے تیار کیا ہے۔
بے شک ''دبستانِ نعت'' نعتیہ شعروادب کی دنیا میں ایک منفرد مجلّہ ثابت ہوگا۔ انشاءاللہ آپ کی خوں ریزی رائگاں نہیں جائے گی۔
ایک عدد حمد اور ایک عدد نعتِ رسول ﷺ ارسال خدمت ہے۔ امید ہے آپ پسند فرمائیں گے اور ''دبستانِ نعت'' کے قریبی شمارے میں شامل کرلیں گے۔
آپ کی خیریت اور تازہ شمارے کا منتظر ہوں۔

نثاراختر انصاری (ناگپور)

عالی جناب سراج احمد قادری صاحب
مدیر ششماہی ''دبستان نعت''

سلام وآداب
وکیل نجیب صاحب کے ہاتھوں حضرت ڈاکٹر سید رفیع الدین قادری صاحب کے لیے ''دبستان نعت'' کا پہلا شمارہ ملا۔ جو کل شام حضرت کی خدمت میں پیش کردیا گیا ہے۔ حضرت آپ کو سلام کہتے ہیں اور اس خلوص کے لیے شکرگزار ہیں۔ ''دبستانِ نعت'' خوب مقبول ہو۔ ایسی دعا ہے۔
حضرت برِّصغیر میں نعت گوئی پر تحقیق کام کرنے والے پہلے محقق ہیں ۱۹۵۴ء میں ناگپور یونیورسٹی نے اس مقالے کے لیے انہیں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری سے نوازا تھا۔ عمر کا ۹۸ / رواں سال ہونے سے وہ اب لکھنے پڑھنے سے پرہیز کرتے ہیں۔ ان کے سب سے چھوٹے فرزند سید حبیب الحسن قادری ان کا تحریری کام دیکھتے ہیں۔ پتہ اس طرح ہے۔

Dr, syed Rafiuddin Quadri
Qadri Enclave, Near Salfiah Masjid ,
Ahbab Colony Area.NAGPUR-440013
سید حبیب الحسن قادری کا موبائل نمبر 09665636653
میں حضرت پر اب تک سات آٹھ آرٹیکل تحریر کر چکا ہوں۔ ان کی نعت گوئی پر ایک آرٹیکل ''دبستان نعت'' کے لیے روانہ کر دونگا۔

آپ شمارے کی دو تین کاپی اور روانہ کر دیں میرے پتے پر! ایک میرے لیے، ایک مولانا سعید کامٹوی کے فرزند کے لیے، جن پر آرٹیکل شائع ہوا ہے۔ ایک کاپی حکومت مہاراشٹر کی اردو ساہتیہ اکادمی کے لیے، تاکہ وہ اس رسالہ کی ہمیشہ دو کاپی خریدے۔

دعاؤں میں یاد رکھیں۔ میرا پتہ اس طرح ہے۔

نثار اختر انصاری (ناگپور)

۳۱/ اگست ۲۰۱۶ء

عالی جناب ڈاکٹر سراج احمد قادری

السلام علیکم

''دبستانِ نعت'' کی تین کاپی ملی بے حد شکریہ! ایک کاپی کامٹی جا کر مولانا اعجاز کامٹوی صاحب (مرحوم) کے فرزند کو پیش کرنا ہے۔ اللہ کرے ''دبستان نعت'' ششماہی خوب ترقی کرے اور اس کے سالانہ خریداروں کی تعداد میں اضافہ ہو۔

حضرت ڈاکٹر سید رفیع الدین قادری صاحب آپ کو سلام عرض کرتے ہیں۔ ان کی دعا ہے کہ یہ رسالہ آگے بڑھے۔ اللہ آپکو نیک مقاصد میں کامیابی سے نوازے۔ دعاؤں میں یاد رکھیں!

اسلم مرزا (اورنگ آباد)

۲۹/ اکتوبر ۲۰۱۶ء

گرامی قدر ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے آپ خیر و عافیت سے ہوں گے۔

وعدہ کی تکمیل میں تاخیر کے لیے معذرت خواہ ہوں۔

''دبستانِ نعت'' ۱۱راگست ۲۰۱۶ء کو پہنچا تھا اور فون پر دو مرتبہ آپ سے طویل گفتگو رہی۔ گذشتہ مہینہ جناب فیروز احمد سیفی صاحب اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ مجھ ناچیز کے دفتر تشریف لائے تھے اور ان سے بھی ''دبستان نعت'' کے شاندار اجرا اور دیگر امور پر سیر حاصل گفتگو رہی۔ نہایت خلیق اور مخلص نظر آئے۔ میں بہت متأثر ہوا۔

حسب وعدہ اودھی زبان میں لکھا ہوا مائل صاحب کا ''حمزہ کانڈ'' ''دبستان نعت'' میں اشاعت کے لیے حاضر ہے۔ ابنِ فرید کا تعارف بھی شامل ہے یہ دونوں ایک ساتھ چھپ جائیں تو بہتر ہوگا۔ حمزہ کانڈ کی کتابت اور پروف ریڈنگ پر خصوصی توجہ دینی ہوگی۔ اودھی زبان کی لفظیات اہلِ اردو کے لیے نامانوس ہیں۔

آپ کی فرمائش پر میں اپنی ایک نعت کی زیراکس ''دبستانِ نعت'' میں اشاعت کے لیے روانہ کررہا ہوں۔ اس وقت یہی اکلوتی نعت میرے پاس ہے۔ پسند آئے تو شاملِ اشاعت کیجئے۔ آپ کے مجلّہ کی کامیابی کے لیے دعا گو ہوں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر سے آپ حضرات کو نوازے۔

ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی (علی گڑھ)

۱۰رمحرم الحرام ۱۴۳۷ھ/۱۲راکتوبر ۲۰۱۶ء

مکرمی! سلام مسنون

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

''دبستان نعت'' کا پہلا شمارہ نظر نواز ہوا۔ صوری و معنوی خوبیوں سے مزین، دیدہ زیب۔ سبحان اللہ، ماشا اللہ۔

حمد و نعت سے شغف عطیۂ الٰہی ہے جو بڑے خوش نصیبوں کو حاصل ہوتا ہے۔ فیروز احمد سیفی صاحب مقیم نیویارک اُن خوش قسمت افراد میں سے ایک ہیں جنہیں اِس عطیۂ الٰہی سے وافر حصّہ ملا ہے۔ اُس کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ وہ نہ صرف حمد و نعت کے چاہنے والوں میں سے ہیں بلکہ ان کی ترویج و اشاعت کے لئے غیر معمولی انداز سے کوساں بھی ہیں اور اس کے لئے بڑے سے بڑا ایثار کرنے کے لئے آمادہ بھی۔

پاکستان سے تو ایک ایسا مجلّہ ''نعت رنگ'' نکل رہا تھا جو حمد و نعت کی نشر و اشاعت میں کوشاں

ہے۔سیفی صاحب نے ہندوستان میں ایک ایسے مجلّے کا خواب دیکھا اور اُسے کرناٹک سے ''جہانِ نعت'' کے نام سے غلام ربّانی صاحب فدا کی ادارت میں ششماہی مجلّہ کی صورت میں جاری کرایا جس کے کئی شمارے منصۂ شہود پر آئے۔اُن میں سے شمارہ نمبر ۹ میں میرا مقالہ بعنوان ''بقا امروہوی کی نعت گوئی'' اور ایک عریضہ بھی شائع ہوا تھا۔سیفی صاحب کے ارشاد پر میں نے دو اور مقالات ارسال کئے تھے لیکن یہ شمارہ ہی غالباً آخری شمارہ ثابت ہوا، اور یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔

مگر جواں ہمّت، پُر عزم اور بلند حوصلہ سیفی صاحب نے ہمّت نہیں ہاری اور ڈاکٹر سراج احمد قادری کی ادارت میں ''دبستانِ نعت'' کے نام سے دوسرا ششماہی جریدہ جو ضخیم (چار سو صفحات پر مشتمل) بھی ہے اور وقیع بھی جاری کرایا۔امیّد ہے اللہ کی رحمت اور مدد اُن کے شاملِ حال رہے گی اور اُن کا ذوق پروان چڑھتا رہے گا۔**اللھمّ زِد فَزِد۔**

''دبستانِ نعت'' ڈاکٹر سراج احمد قادری نے بڑی محنت اور فنّی خوبیوں کے ساتھ مرتّب کیا ہے۔نگراں اور مرتّب دونوں ہی حضرات انتہائی شکریئے اور مبارکباد کے مستحق ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کی کاوش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔آمین۔

یہ پہلا شمارہ ''گوشۂ جامؔی'' کا حامل ہے۔مولانا نورالدین جامؔی فارسی کے بلند پایہ ادیب و شاعر خصوصاً نعت گو ہوئے ہیں جنکی قلب کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی نعتیں عشق رسول ﷺ سے حصہ پائے ہوئے افراد کے لئے فردوس گوش اور جنّت نگاہ ہوئیں۔قوّالوں کے ذریعہ بھی اُنکا نعتیہ کلام اہلِ ذوق کی سماعتوں کو محظوظ کرتا ہے۔مولانا جامؔی کی شاعری پر کئی وقیع مضامین کے ساتھ جامؔی کے کلام اور اس کے اردو ترجمے نے اس گوشہ کو قابلِ قدر بنا دیا ہے۔

مجلّے کی ابتدا تین بہترین ''حمد'' سے ہوئی ہے جو ہند و پاک کے ساتھ یو۔ایس۔اے کی بھی نمائندہ ہیں۔نعت اور نعت گو شعرأ پر اکیس بھرپور مقالات ہیں۔اکتالس نعت گو شعرأ کی خوبصورت نعتوں کی شمولیت نے مجلّے کے حُسن میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔آخر میں تین خطوط بھی ہیں۔صفحہ ۳۷۷ پر شائع افسؔر امروہوی کی نعت ہے۔اُس کے نیچے صرف افسؔر امروہوی (یو۔پی) شائع ہوا ہے اگر اُن کا پورا نام مرزا افسر حسن بیگ افسؔر امروہوی شائع ہوتا تو دوسرے شعر کا مفہوم واضح ہوتا ''افسر نہ کہا جائے، مرزا نہ کہا جائے۔''

افسوس ۳۱/مارچ ۲۰۱۶ء کو انھوں نے ۷۴/سال کی عمر میں داعی اجل کو لبّیک کہا اور اپنی حمد و نعت کا صلہ لینے اس دنیا سے کوچ کر گئے۔**اِناّ لِلّٰہ و اِناّ اِلیہِ راجِعُون۔**

اُن کی حمد ونعت ومناقب پر مشتمل کلام ''سرمایہ'' کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔اس میں اس سرمایہ دار پر میرا بھی ایک مقالہ ہے جو'' دبستانِ نعت'' کے قارئین کی ضیافتِ طبع کے لئے پیشِ خدمت ہے'' دبستانِ نعت'' کے دوسرے شمارے میں اسے شامل کر کے افسر امروہوی کو خراجِ تحسین پیش کیجئے۔

بحیثیت مجموعی'' دبستانِ نعت''ایک تاریخی اور قابلِ تحسین مجلّہ ہے جس کے لئے نگراں اور مدیر دونوں کی خدمت میں سلام عقیدت ومحبت بھی اور مبارک باد بھی قلب وروح کی گہرائیوں کے ساتھ فقط۔

والسلام مع الکرام

اظہر عنایتی ،ایڈوکیٹ (رامپور)

اظہر نواز سراج احمد قادری

سلام ونیاز

آپ کی خواہش کے احترام میں'' دبستانِ نعت'' کے لیے دو نعتیں ارسال کر رہا ہوں۔مل جائیں تو مجھے فون پر مطلع کرنے کی زحمت ضرور کریں۔

اللہ کرے آپ مع الخیر ہوں۔

شارق عدیل (مارہرہ)

قابلِ قدر واحترام محترم ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

سلام واکرام

محترم ابرارکرت پوری صاحب سے آپ کا پتہ فراہم ہوا ہے۔سو کچھ تخلیقات ارسال کر رہا ہوں ، دیکھ لیجئے اگر آپ کے کام کی نکل آئیں تو رکھ لیجئے گا۔میں نے بہت ساری اصناف میں حمد ونعت کے نمونے اربابِ فکرونظر کے سامنے رکھے ہیں۔آپ کو ابھی دو چار تخلیقات ہی بھیج رہا ہوں پرچہ آنے پر مزید تخلیقات روانہ کردونگا۔اور حمد ونعت کے تعلق سے میرے مضامین کا مجموعہ زیر ترتیب ہے شائع ہونے پر روانہ کرونگا۔'' دیوناگری'' کا مجموعہ اس لیے روانہ کر رہا ہوں کہ اردو کے دونوں مجموعے اب ختم ہو چکے ہیں۔

زیادہ خیریت

کرشن کمار طورؔ (ہماچل پردیش)

پیارے سراج قادری

''دبستانِ نعت'' کا جنوری تا جون ۲۰۱۶ء کا شمارہ مجھے دستیاب ہوا۔ میں اس محبت کے لیے تمہارا شکر گزار ہوں۔ تم نے اس میں میرے حمد و نعت کے مجموعہ ''چشمۂ چشم'' پر ڈاکٹر فہیم احمد صدیقی کا مضمون شاملِ اشاعت کیا ہے جس کے لئے میں تمھارا شکر گزار ہوں اور ڈاکٹر صدیقی کا بھی۔ ڈاکٹر صدیقی کا فون نمبر یا پھر ایڈریس میرے پاس موجود نہیں ہے ورنہ میں ان سے براہِ راست رابطہ قائم کر کے اپنی خوشنودی اور احسان مندی کا ذکر کرتا کہ انہوں نے میری کتاب کو اپنے مقالہ کے لئے چنا اور سرفراز فرمایا۔ بہر کیف۔

اب آؤ رسالے کے مندرجات پر کچھ باتیں ہو جائیں۔ رسالہ میں سب سے وقیع حصہ گنجینۂ نقد و نظر ہے جس کے تحت تم نے فنِ نعت اور نعت گوئی پر مضامین کو ترتیب دیا ہے۔ اس حصے میں چار مضامین نعت کے حوالے سے ہیں اور ایک مضمون جو کہ ڈاکٹر صابر سنبھلیؔ نے تحریر کیا ہے رضاؔ بریلوی کی شاعری کی محاکمت کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مضمون بقیہ چار مضامین سے میل نہیں کھاتا اور اسے مقالات کے گوشہ میں رکھا جانا احسن ہوتا، اسی طرح علیم صبا نویدی کا مضمون نعتیہ شاعری کا تاریخی پسِ منظر مقالات کے گوشہ سے نکال کر گنجینۂ نقد و نظر میں اور مقالات کے ساتھ منسلک کرنا بہتر ہوتا اسی طرح یہ گوشہ بے حد وقیع اور خوبیوں سے مالا مال ہو جاتا۔

اس مجلّہ میں مجھے تمہارا اداریہ خاص طور پر پسند خاطر رہا۔ تم نے جس طرح رسالہ کے ہر گوشہ اور مندرجات پر روشنی ڈالی ہے وہ تمہاری بلاغت کی دلیل ہے۔ یہ سلسلہ آئندہ شماروں میں بھی قائم رکھا جائے گا یہ میری آرزو بھی ہے اور تحسین بھی۔ گلہائے عقیدت کے تحت تم نے جن ناموں کو یکجا کیا ہے وہ ادب کی سلطنت میں بے حد روشن ہیں۔ مجھے امید ہے ان سب حضرات کی محبتیں تمھیں ارزاں ہوں گی اور بقیہ شماروں کی شان بڑھائیں گی۔

میں اپنی غزلوں کی حالیہ کتاب طورِ طلسم، حمد و نعت کا مجموعہ چشمۂ چشم اور میری ادارت میں شائع ہونے والا رسالہ سرسبز کے دو شمارے تمہارے شعری، ادبی اور تنقیدی فکر کی نذر کرتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ تم ان سے خاطر خواہ محظوظ ہو گے۔

خدا سے دعا ہے کہ وہ تمھیں اپنی عافیت میں رکھے۔

ڈاکٹر صابر سنبھلی (یو پی)

۳۰؍نومبر ۲۰۱۶ء

مدیر محترم ششماہی دبستانِ نعت، خلیل آباد
السلام علیکم

جسمانی اور ذہنی دونوں حیثیتوں سے قابلِ رحم ہوں۔ دعا کا خواستگار ہوں۔ روزمرہ کی گفتگو میں عام طور سے استعمال ہونے والے بعض الفاظ سنتا ہوں تو سوچتا رہ جاتا ہوں کہ یہ کیا ہے۔ قائل سے پوچھنے کی ہمت نہیں ہوتی جس لفظ کو زندگی میں بے شمار بار استعمال کیا ہو اُس کو کسی سے پوچھوں تو شرم معلوم ہوتی ہے۔

گھٹنوں اور ٹانگوں سے معذور ہوں تو کوئی بات نہیں زندگی بھر لو بلڈ پریشر کا مریض رہا، اس لیے ذراسی کمزوری بھی معذور بنا دیتی ہے۔ کچھ لکھنے بیٹھتا ہوں تو کچھ کے کچھ لکھ جاتا ہوں۔ بہت احتیاط سے کام لیتا ہوں مگر پھر بھی میری تحریر میں آپ جا بجا وہائٹنر کا استعمال پائیں گے۔

اب پہلی جیسی بات تو رہی نہیں ہے اس لیے اشاعت کی غرض سے لکھنے سے ڈرتا ہوں۔ جگہ جگہ غلطیاں ہوں گی تو کوئی کیوں بخش دے گا۔

دیوان اکبر وارثی پر اپنے تاثرات لکھ کر بھیج رہا ہوں۔ جہاں کہیں اغلاط نظر آئیں درست فرمالیں۔ ایک نعتیہ سہ غزلہ بھی ہے۔ قابلِ اشاعت سمجھیں تو نواز دیں۔ ایک مضمون اعلیٰ حضرت اور مولانا حسن رضا سے متعلق بھی ہے۔ انڈیا کے لیے تو یہ غیر مطبوعہ ہے۔ پاکستان میں نعت رنگ میں چھپ چکا ہے۔ اگر کسی وجہ سے شائع کرنا نہ چاہیں تو اتنی درخواست ہے کہ کسی نہایت محفوظ ذریعے سے واپس فرما دیں۔ ممنون ہوں گا۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بہ عافیت ہوگا۔

مضمون اوریجنل ہی بھیج رہا وہا ہوں۔

انور سلیم (حیدر آباد)

۹؍دسمبر ۲۰۱۶ء

محترمی و مکرمی ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب
السلام علیکم

اوّل تو میں آپ کو مبارک باد دینا چاہتا ہوں کہ جریدہ ’’دبستانِ نعت‘‘ جاری کرنے پر، خالص

مذہبی جریدہ اور ایسا ضخیم! کافی محنت کا کام ہے اور ضخامت یوں ہی نہیں بلکہ معلومات کا سمندر ہے۔

برادرم اسد ثنائی نے جب یہ میرے حوالے کیا تبھی لگا کہ یہ کوئی نایاب شئے ہے۔ اور جب اس نورانی محفل میں خود کو شامل پایا تو دل کا عالم ہی عجب تھا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کا یہ جریدہ کامیابی کی منزلیں طے کرتا ہوا آگے ہی آگے بڑھتا جائے۔ آمین

آئندہ شمارے کیلئے میں نے آپ کے ای۔میل پر نعتیہ ماہئے بھیجے ہیں، امید کہ مل گئے ہوں گے۔

قاری محمد رفیق قاضی فائزؔ فتح پوری (راجستھان)

رمضان شریف کی ساعتِ سعید میں ایمان افروز اور روح پرور مجلّہ ''دبستانِ نعت'' اپنی آب وتاب، حشمت وتمکنت کے ساتھ بدست ہوکر نظر نواز ہوا۔ شکریہ وجزاک اللہ۔

رسالے کی خوبصورتی، زینت وآرائش توقع سے کہیں بڑھکر ہے۔ زرِ کثیر اس کی اشاعت پر خرچ ہوا ہوگا اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرمائے آمین۔

رسالے کا سرِ ورق اور پسِ ورق ہلکے سبز رنگ پر دودھیا سفید منقش تحریر میں۔ رسالے اور مدیر کا نام یوں لگتا ہے جیسے بادلوں سے چاند جھانک رہا ہو۔ ناموں کے ساتھ چھوٹے چھوٹے نکتوں سے مینا کاری نے جگہ پُر کرتے ہوئے ناموں کو مزید رونق افزا بنادیا۔ مگر رسالے کے نام کے بائیں کونے کے نیچے وہ نکتے وغیرہ دے کر پورا بریکٹ بھر دیا جاتا تو اور خوبصورت لگتا۔ اسی طرح سرِ ورق کے نیچے جلی خط میں رسالے کا نام لکھا وہ مکمل نظر آتا تو اور خوبصورت ہوتا جو سرِ ورق کی کشک کرتے وقت آدھا گھٹ گیا ہے۔ رسالے میں مشمولہ تمام نثری ونظمی مضامین وحمد ونعت مجلّہ واسمِ مجلّہ کے شایانِ شان ایمان افروز وروح پرور ہیں۔ بلکہ بعض حمد ونعت اور نثری مضامین تو ایسے ہیں کہ فقط ان کے عنوان پڑھتے ہی فرطِ عقیدت سے آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔ بعض مضامین مختصر ہونے کے باوجود نہایت موثر ہیں۔ جیسے ڈاکٹر سید حسین احمد صاحب کا مضمون ''کیا نعت صنفِ سخن ہے؟'' یہ مضمون ہمارے لئے لمحۂ فکر یہ ہے کہ امّت میں بڑے بڑے شاعر، علماء حضرات اور ماہر عروضیات مل کر بھی خاص نعت کے لئے کوئی عروضی ضابطہ قائم نہ کر سکے۔ جبکہ نعت سے فروتر اصناف کے لئے ضابطے طے کئے گئے ہیں۔

ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب نے ''حدائق بخشش کے صنائع و بدائع پر ایک اور نظر'' میں

فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی فنِ شاعری میں بھی برتری اور نکتہ رسی کا واضح ثبوت پیش کیا ہے۔
حالانکہ فاضلِ بریلوی نے جس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اس کا حق ادا کیا ہے اور ان کا یہ شعر۔

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلم جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دئے ہیں

شاعرانہ تعلّی نہیں بلکہ اظہارِ حقیقت ہے اور مجلّہ ''دبستانِ نعت'' کا جو مقصود و غایت لوگوں کے دلوں میں حبّ رسول ﷺ کی شمع فروزاں کرنا ہے۔ فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ اس کے امام ہیں۔
ڈاکٹر نذیر فتح پوری صاحب نے ''میلا داکبر ایک مطالعہ'' مختصر مضمون لکھ کر مصنف میلادِ اکبر خواجہ محمد اکبر وارثی کو نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے، یہ نذرانہ نہ صرف ڈاکٹر نذیر صاحب کی طرف سے ہے بلکہ تمام میلا دخواں حضرات کے دل کی آواز ہے۔ ایسا مضمون لکھنا صاحبِ قلم اور قادرالکلام شاعر و ادیب ڈاکٹر نذیر صاحب فتح پوری کا ہی حصہ ہے۔

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

محمد نظام الدین نوری (بستی)

۷ جنوری ۲۰۱۷ء

محبّ گرامی قدر ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

سلام وتسلیمات

آپ کے ششماہی مجلّہ ''دبستانِ نعت'' کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا۔ رسالہ کا معیار، حسن ترتیب اور داخلی وخارجی خوبیوں نے ''نعت رنگ'' کی یاد تازہ کر دی آپ پورے ہندوستان کے شائقین نعت کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔ مجلّہ کی ضخامت اور ٹھوس مضامین کے پیش نظر ابھی اسے سالنامہ ہونا چاہئے تھا جب ارباب قلم کی ٹیم تیار ہو جاتی تو ششماہی، سہ ماہی یا ماہنامہ کی شکل اختیار کر لیتا مگر میں آپ کے بلند حوصلہ کی داد دیتا ہوں۔
میں نے بالاستیعاب مطالعہ کیا اور پورے مجلّہ میں قاضی محمد رفیق فائزؔ فتح پوری کے مضمون ''ناعت پر فیضان منعوت'' کو اولیت حاصل ہے یہ مضمون دل کی اتھاہ گہرائی سے لکھا گیا ہے اس لئے دل کے دروازہ پر دستک دیتا ہے۔ اس مجلّہ میں مذکورہ مضمون کو کلیدی مقام حاصل ہے۔ گوشۂ علامہ جامیؔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں دونوں مضامین کے علاوہ نعتیہ کلام کے بھی کیا کہنے۔

زرحمت یک نظر برحال زارم یا رسول اللہ ﷺ

غریبم بے نوایم خاکسارم یارسول اللہ ﷺ
دم آخر نمائی جلوۂ دیدار جامؔی را
زلطف تو ہمی امیدوارم یارسول اللہ ﷺ

ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی کا مضمون تحقیقی اور تاریخی نوعیت کا ہے ضرورت ہے کہ اسی طرح ہر علاقے کے نعت گوشعرأ کا تذکرہ تحریر میں لایا جائے تو نعتیہ ادب کی تاریخ میں وسعت بھی ہوگی اور نئے گوشے بھی سامنے آئیں گے۔ بہت سے ایسے شعرأ ہیں کہ زندگی بھر سرکار کی محبت وعقیدت میں نغمہ سرائی کرتے رہے مگر ان کے کلام محفوظ نہ رہ سکے اور انھوں نے دنیا کو خیر آباد بھی کہ دیا ہے۔

ڈاکٹر شکیل کی شاعری پر تبصرہ لگتا ہے یہ آپ کے قلم کا رہین منت ہے اگر ایسا ہے تو اشاریہ میں آپ کو اپنا نام یا ایڈیٹر لکھ دینا چاہئے تھا اس لئے کہ ڈاکٹر شکیل صاحب قبلہ خود اپنے بارے میں اپنے قلم سے ایسا نہیں لکھ سکتے تھے بہر کیف اس مجلّہ کی اشاعت پر مبارک باد پیش کرتا ہوں اور خوب سے خوب تر کی دعا کرتا ہوں۔ فقط والسلام

مرزا ساجد حسین ساؔجد امروہوی (یوپی)

۱۰؍جنوری ۲۰۱۷ء

محبِ مکرم جناب ڈاکٹر سراج احمد صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
ذاتِ ربّ کریم سے امید ہے کہ آپ کا مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

میں آپ سے بصد عجز معذرت خواہ ہوں کہ میں اپنا مقالہ مکمل نہ کر سکا۔ اس کی وجوہات میں سب سے پہلے میری علالت رہی۔ ہمارے علاقے میں وائرل بخار پھیلا تھا میں بھی اس کا شکار ہوا اور اس کے موذی اثرات تقریباً دو مہینے تک جاری رہے جن کے دوران میں لکھنے پڑھنے سے معذور رہا۔ اس کے علاوہ نومبر میں مجھے پنجاب یونیورسٹی، پٹیالہ کے سیمینار میں شرکت کرنا تھی وہاں کے لئے مقالہ لکھنے میں کافی وقت لگا۔ پھر نومبر میں ہی رام پور کے ایک طرحی نعتیہ محفل کے لئے نعت بھی کہنی تھی وہ تازہ نعت بھی آپکو ارسال کر رہا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی میں ایک کتاب ''نعت کے سات رنگ'' جو ڈاکٹر اجمل فاروق ندوی نے تصنیف کی ہے وہ بھی بھیج رہا ہوں۔ میں نے اُن سے اجازت لے لی ہے کہ ان کے مضامین میں سے کوئی سا مضمون بھی آپ اپنے مجلّے میں شامل کر سکتے ہیں۔ اس کتاب پر ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی کا غیر مطبوعہ تبصرہ بھی بھیج رہا ہوں

اور برادرِ گرامی پر لکھی گئی کتاب ''اِس پار سے اُس پار تک'' بھی ارسال ہے۔
پہلے مجلّے کی اشاعت پر میں آپکو صدق دِل سے مبارک باد پیش کرر ہا ہوں۔اس مجلّے کی شان کو بے مثال بنانے میں آپ کی سعی بلیغ اور اتنے بہت سے صاحبانِ قلم سے رابطہ قائم کرنا جو میری نظر میں کارِ محال تھا آپ نے اُسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔سارے ہی مضامین قابلِ داد ہیں۔منیر احمد ملک کا مقالہ ''حرفِ آرزو'' کا نثری حصہ آتشِ عشقِ رسول ﷺ کو بھڑ کانے والا ہے میں انہیں صد ہا مبارک باد پیش کرتا ہوں مگر انہوں نے جہاں اشعار نقل کئے ہیں اُن میں تقریباً چودہ پندرہ جگہ مصرعے وزن سے خارج ہیں اِس کی طرف میں اُن کی توجہ مبذول کرانا چاہونگا۔ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط صاحب کے مضمون ''مولانا جامؔی کی نعت نگاری''میں اُن کی نعت گوئی پر نہایت بلیغ انداز میں بحث کی ہے۔آپ نے مولانا جامؔی کی جو نعتیں نقل کی ہیں اُن میں پہلی نعت ''تنم فرسودہ۔۔۔زیب قرطاس کی ہے اُس کے مقطع میں دوسرے مصرعے کا قافیہ الگ ہو گیا ہے وہ اصل میں یوں ہے۔

مکن محروم جامؔی را درآں دم یا رسول اللہ

اسے تنقید بالکل نہ سمجھیں آپ کی اعلیٰ ظرفی سے مجھے امید ہے کہ آپ مجھے معاف فرمائینگے میں پھر ایک بار آپ کو تہِ دِل سے اس کی اشاعت پر مبارک باد پیش کرتا ہوں اور میرے مضمون اور نعت شریف کو شاملِ اشاعت کرنے پر ہدیۂ تشکر پیش کرتا ہوں۔آخر میں بارگاہِ رب العزت میں دعا گو ہوں کہ وہ آپ کی بلند حوصلگی میں اور آقائے نامدار ﷺ کے عشق کی تابانیوں میں اضافہ فرمائے (آمین)
سبھی متعلقین کو سلام و دعاء۔

سید محمد مفیض الدین قادری (شاہ جہاں پور)

۲۳/ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ

محترم المقام جناب ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب قبلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مضمون حاضر خدمت ہے ساتھ ہی حضرت والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مشہور تصنیف ''امن و شانتی'' برائے مطالعہ پیش ہے۔چند ہندی کتابچے بھی حاضر ہیں۔اپنے قیمتی تاثرات سے مطلع فرمائیں۔
ذاتی مصروفیات اس قدر ہیں کہ مضمون ارسال کرنے میں تاخیر ہوئی مُعاف فرمائیں۔امید ہے مزاج بخیر ہو گا تمام پرسان احوال کی خدمت میں سلام مسنون جوابی رسید سے مُطلع ضرور فرمائیں۔

مشتاق احمد نوری (پٹنہ)

۲۵؍فروری ۲۰۱۷ء

محترم المقام!

السلام علیکم

آج کی ڈاک سے مجلّہ ''دبستان نعت'' کی دو کاپیاں ملیں۔ جزاک اللہ

اس علمی عنایت کے لئے صمیم قلب سے شکریہ!

مجلّہ صوری اعتبار سے نہایت نفیس و عمدہ ہے اور مشمولات ''نور و نکہت'' کی فہرست پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے ہی اس کے معیار و وقار کا اندازہ ہونے لگتا ہے۔ یہ بڑی بات ہے کہ ایسے زمانے میں جبکہ نعتیہ شاعری کو باقاعدہ ادبی صنف ماننے میں ہی ایک طبقہ لیت و لعل سے کام لینا چاہتا ہے، آپ نے صحافت کی راہ سے اس صنف کی تازہ آبیاری کا مخلصانہ ذمہ اٹھایا ہے اور اپنی محنتوں سے سعادتیں سمیٹنے کے لئے پرعزم ہیں۔

دعا گو ہوں کہ خدائے پاک اپنے حبیب کے طفیل میں آپ کی کاوشوں کو دونوں جہان میں مقبول بنائے۔ یہ پڑھ کر مزید مسرت ہوئی کہ ''دبستان نعت'' کا آئندہ شمارہ بھی قریب الاشاعت ہے۔ یقین کامل ہے کہ اس کا ہر نقش ثانی بہتر سے بہتر ہوتا جائے گا اور تجزیات و تخلیقات دونوں اعتبار سے اہل نظر کے نزدیک استناد و اعتبار پائے گا۔ فی الوقت ان ہی چند کلمات کے ساتھ خدا حافظ!

ظفر اقبال ظفرؔ (فتح پور)

۲۴؍مارچ ۲۰۱۷

برادر محترم ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

السلام علیکم رحمۃ اللہ و برکاتہ

پہلی بار آپ کو چند سطریں تحریر کرنے کی مسرت حاصل کر رہا ہوں۔ نعت ریسرچ سنٹر کے تحت آپ لوگ صنف نعت کے سلسلے میں جو گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں لائق ستائش ہے۔ فیروز احمد سیفی صاحب دیار غیر سے اس کام کو انجام دینے میں خلوص و معاونت کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ وہ جذبہ قابلِ قدر اور مبارک باد ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعاً ہے کہ آپ لوگوں کو حوصلہ عطا

کرے اور کامیاب و کامراں کرے۔

اپنی نعت کے علاوہ اخترؔ کاظمی، شریفؔ فتح پوری اور انجنا کششؔ کی نعت ارسال کر رہا ہوں شامل کر کے ممنون فرمائیں۔ کان پور، جھانسی بھوپال، الہ آباد، لکھنؤ اور دیگر اضلاع سے میری معرفت نعتیں موصول ہوں گی توجہ فرمائیں۔ خدا کرے آپ مع متعلقین خیریت سے ہوں۔ سیفی صاحب سے رابطہ ہو تو میرا بہت بہت سلام عرض کریں متعلقین کو واجبات۔

مولانا عبدالعلیم اشرف مصباحی (نیپال)

محترم ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

ہدیۂ تسلیم

حمد و نعت پر مشتمل تحقیقی و تنقیدی و معیاری مجلّہ ''دبستانِ نعت'' جنوری تا جون ۲۰۱۶ء باصرہ نواز ہوا کرم نوازی پر صد شکریہ، سرورق نہایت دیدہ زیب اور پر کشش اندرون خانہ مضامین و مشمولات لائق تحسین ہیں ڈاکٹر صابرؔ سنبھلی صاحب کا مضمون ''حدائق بخشش کے صنائع بدائع پر ایک اور نظر'' ڈاکٹر شکیل اعظمی کا ''علمائے گھوسی کی نعت نگاری'' اور دیگر تمام مضامین تحقیقی و معلوماتی ہیں مولیٰ تعالیٰ سے دعا ہے کہ کوئی ایسا انتظام ہو جائے کہ جریدہ ششماہی سے ہر ماہی اور یہ دبستان سب کے لیے حسین گلستاں ہو جائے۔ آمین۔

پروفیسر فیروز احمد (جے پور)

مکرمی سراج احمد قادری صاحب!

دبستانؔ نعت کا شش ماہی شمارہ ملا۔ شکریہ

آپ کے اس اقدام کی خبر ابتداً جناب فیروز احمد سیفی (نیو یارک) کے ذریعہ مل چکی تھی۔ اب جو شمارہ منظر عام پر آیا تو معلوم ہوا کہ آپ نے واقعتاً ایک مثالی کارنامہ انجام دیا ہے۔ شمارہ جاذب نظر ہے اور نعت رسول عربی کی مختلف جہات کا احاطہ کرتا ہے۔ خدا کرے کہ آپ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوں۔

میں آپ کے اس خیال سے پوری طرح متفق ہوں کہ 'غیر مسلم نعت گو شعرا اور خواتین نعت گو شعرا کو ترجیح دے کر اردو ادب میں ان کے مقام و مرتبہ کا تعین کیا جائے'۔ ذرا دیکھیے ایک غیر

مسلم شاعر جناب چند بہاری لعل صبا جے پوری کیا کہتے ہیں:

کلیم اللہ آتے بھی تو کیوں آتے مدینے میں
انھیں کیا ہوش کھونے تھے دو بارہ یا رسول اللہ
خدا کے سامنے بھی مجھ سے پوچھو گے تو کہہ دونگا
تمہارا ہوں تمہارا ہوں تمہارا یا رسول اللہ

ایسا نعتیہ کلام کہنے والے اور بھی غر مسلم شاعر ہوں گے۔ امید ہے کہ اب ان سب کی پذیرائی آپ کے دبستان نعت کے ذریعہ ہو پائے گی۔

سیفی صاحب کی ایما پر جناب اظہار مسرت یزدانی سے میں نے درخواست کی تھی کہ وہ حضرت امیر حمزہ کی شان میں بھی کچھ ارشاد فرمائیں۔ مسرت صاحب راجستھان کے کہنہ مشق شاعروں میں ہیں۔ اسلامی ادبیات پر ان کی گہری نظر ہے۔ انھوں نے صنعت توشیح میں جو کچھ اور جس والہانہ انداز میں کہا ہے اسے بھیج رہا ہوں۔ ساتھ میں 'صلِ وسلّم' کے عنوان سے انھوں نے ایک سلام بھی عنایت فرمایا ہے۔ ایسا سلام کب کسی نے کہا ہوگا۔ اسے نعمت غیر مترقبہ سمجھنا چاہیے۔ قارئین دبستان نعت کے لیے اظہار مسرت یزدانی صاحب سے موصول یہ دونوں کلام اگر ممکن ہو تو کسی قریبی اشاعت میں شامل کر لیجیے گا۔

ڈاکٹر سید ایس۔ ایم عقیل (شیموگہ)

بتاریخ ۳۰/ مارچ ۲۰۱۷ء

محترمی و مکرمی ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب
مدیر ''دبستانِ نعت''، خلیل آباد (یوپی)

سلام نیاز

''دبستانِ نعت'' کی دو جلدیں دستیاب ہوئیں، شکریہ۔ مجلّہ ہر اعتبار سے جاذبِ نظر اور معلوماتی ہے۔ اس کے مطالعہ سے دنیا ہی نہیں بلکہ آخرت بھی سنور جاتی ہے۔ بہت ہی تحقیقی و تنقیدی مضامین یک جا کر کے کتاب کو مرتب کیا گیا ہے، جسے دیکھ کر اس کے پیچھے آپ احباب کی محنت شاقہ کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس کامیاب کوشش پر مبارک باد قبول کیجیے۔

حسب وعدہ دو عدد آزاد اور تین عدد پابند نعتیں ارسال کر رہا ہوں، توقع ہے کہ آپ کو پسند آئیں گی۔ تاخیر کے لیے معافی چاہتا ہوں۔

دبستان نعت کے عملے کی خدمت میں سلام عرض ہے۔

پروفیسر توقیر احمد خاں (نئی دہلی)

۲۸/اپریل ۲۰۱۷ء

محترم و مکرم جناب ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

مرسلہ مجلّہ ''دبستانِ نعت'' مع آپ کے مکتوب کے موصول ہوا جس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔ اس مجلّہ کے سلسلہ میں محترم جناب فیروز احمد سیفی صاحب (نیو یارک) کا فون آیا تھا اور انہوں نے تفصیلات سے آگاہ کیا تھا۔ یہ ارادہ نیکی کا ہے اور یہ امر اس لئے بھی باعثِ مسرت ہے کہ ایک عرصہ سے عدم توجہ کا شکار ہے۔ آپ حضرات نے اس کی طرف از سرِ نو توجہ فرمائی ہے یہ ایک نیک فال ہے۔ مجلّہ دیکھ کر اندازہ ہوا کہ حمد و نعت پر مشتمل تحقیقی، تنقیدی اور تخلیقی فن پاروں کو جمع کیا گیا ہے۔ مجلّہ کا یہ پہلا شمارہ شہنشاہِ نعت گویاں حضرت علامہ عبدالرحمٰن جامیؔ رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے منسوب کیا گیا ہے کہ یہ انہیں کا حق تھا۔ اس شمارہ میں جو تحقیقی و تنقیدی مضامین شامل ہیں وہ بجائے خود بہت عمدہ ہیں۔ اصل معاملہ معیار کو برقرار رکھنے کا ہے۔ مضامین معیاری اور موثر ہوں تا کہ اپنا اثر قائم کر سکیں۔ یہ ہماری یونیورسٹیز کا المیہ اور اہلِ علم کی بدبختی ہے کہ حمد اور نعت جیسی قدیم اور پُر مغز صنف کسی یونیورسٹی کے نصاب میں شاید ہی شامل ہو۔ نصاب ساز عملہ کو بھی اس طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ سرِ دست کوئی ایسا مضمون نہیں جو آپ کی خدمت میں اشاعت کے لئے بھیج سکوں۔ لیکن آئندہ انشا اللہ ضرور کوشش کروں گا دوسرا شمارہ جو اشاعت کے لئے تیار ہے چھپ جائے تو ضرور دیکھوں گا۔ خدا کرے آپ بخیر ہوں۔ سلسلہ جاری رہنا چاہئے تسلسل کامیابی کی علامت ہے۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

ڈاکٹر سیّد منیر محی الدین (آندھرا پردیش)

۲۵؍اپریل ۲۰۱۷ء

جناب ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

سلامِ عشق و نیاز!

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ دیگر کیفیت یہ کہ احقر کڈپہ کے نعت گو شعرائ میں بالخصوص ان کی نعتوں میں آل رسول ﷺ کے تذکرہ کی نشان دہی کرنا چاہا۔ اسی عنوان کے تحت تقریباً تین چار نعتوں کے مجموعے نظروں سے گزرے کسی میں بھی آل رسول ﷺ کا تذکرہ دکھائی نہ دیا۔ لہٰذا راقم نے ڈاکٹر راہی فدائی کے نعتوں کا مجموعہ ''ناعت و منعوت'' کا مطالعہ کیا تو اس میں تقریباً پانچ اشعار مل گئے جس کو بنیاد بنا کر راقم نے اپنے ایک شعر جس میں آل رسول ﷺ کی فضیلت بیان کی گئی ہے شامل کر کے ایک تحقیقی مضمون جس میں تنقیدی پہلو بھی شامل ہے جو کہ ''دبستانِ نعت'' کی زینت کو بڑھانے میں مدد دئے گا ارسال ہے۔ جسے اگلے کتابی شمارہ میں شامل کر کے ایک عدد تصنیف بطور ہدیہ ارسال فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

پروفیسر سید ابوالحسنات حقّی (کان پور)

۵؍مئی ۲۰۱۷ء

نحمدہٗ و نصلي علیٰ رسولہٖ الکریم

عزیزم سراج احمد سلمہٗ نے نعت کے تعلق سے جو کام شروع کیا ہے اُس کے لئے بڑے بڑے اداروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ پاکستان سے ''نعت رنگ'' کا اجرا ہوا تو ہم سمجھے کہ یہ وہ کام ہے جس کی جھلک اور پرتو کی تاب شاید ہی کوئی دوسرا لا سکے کہاں نبی اکرم ﷺ کے شیدائیوں کے ایک شان تقدس مآب کی آخری حد کا تعین ہی نہیں ہوا ہے ہندوستان میں جہاں اس طرح کے مواد کو یکجا کرنا وہم و گمان میں نہیں سما سکتا تھا ڈاکٹر سراج احمد سلمہ کے اس کو دیکھا اور اس کی مثالی تعبیر بھی خود ہی پیش کر دی۔ اس نعرۂ مستانہ کے ساتھ کہ۔ ؎

ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا؟

اور میں یوں نازاں ہوں کہ اس گوہر نایاب کو اللہ تعالیٰ نے میری جھولی میں کیوں ڈال دیا۔ یہ سوچتا ہوں کہ عشق نہیں محبت نبیٔ اکرم ﷺ کی جزا شاید اسی شکل میں عطا ہوتی ہوگی۔ سراج

سلمہٗ بنفسِ نفیس تشریف فرما ہوتے تو خود ان ہی کو اپنے محسوسات املا کرا دیتا کیوں کہ انہوں نے کسی ایسے شخص کو مجھ پر مسلط نہیں کیا جس سے میں خدمت لے سکتا۔ گلا کو ماسل ہائی کے مریض کے کام عشق و مزاولت آ گئی ورنہ یہ سطریں بھی کیسے لکھی جا سکتی تھیں۔

اللّٰھم زد فزد

ایک نعت بھیج رہا ہوں اور آپ کی آمد کا منتظر ہوں۔

ابوالحسنات

سراج میاں سلمہٗ

یہ بالکل تازہ نعت ہے اس کو پورے صفحے پر جگہ دینا تمہاری اقبال مندی کے لئے ہمیشہ دعا گو رہتا ہوں۔

رسید سے بذریعہ موبائیل فوراً مطلع کرنا

9919441240

ڈاکٹر آفاق عالم صدیقی (شیموگہ)

برادرم ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

السلام علیکم

امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے، ''دبستانِ نعت'' کے لیے ڈاکٹر حافظ کرناٹکی صاحب کا مضمون ''نعت کی لفظیات'' حاضر خدمت ہے۔ ڈاکٹر حافظ کرناٹکی کی نعتیہ کتاب ''شمع ہدیٰ'' پر اپنا بھی ایک مضمون بھیج رہا ہوں۔ دبستانِ نعت کے شمارہ سے متعلق اپنے تاثرات رجسٹری ڈاک سے کل ہی پوسٹ کر دیا ہے۔ ان شاءاللہ آئندہ کوئی تحقیقی مضمون بھیجوں گا۔ بھائی فیروز احمد سیفی سے میرا سلام سنائیے اور ممکن ہو تو رسید سے نوازیے۔

پروفیسر شریف حسین قاسمی (نئی دہلی)

۲۰ / مئی ۲۰۱۷ء

مکرمی! سلام مسنون

آپ نے مجھے ''دبستان نعت'' کا تازہ شمارہ ڈاک سے ارسال کیا ہے، ملا شکریہ

اس میں شامل مضامین اور نعتیں پسند آئیں۔ آپ نے جس ترتیب سے یہ مواد شائع کیا ہے وہ آپ کے حسن سلیقہ کا ترجمان ہے۔ ابھی تو یہ رسالہ غالباً آپ نے شائع کرنا شروع کیا ہے، تجربہ اس رسالہ کو ہر لحاظ سے ان شأ اللہ عروج پر پہنچا دے گا۔

میں فارسی کا طالب علم ہوں، آپ کو ضرور معلوم ہوگا کہ میرے اندازے کے مطابق شاید فارسی میں دوسری زبانوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ نعتیں کہی گئی ہیں۔ فارسی شاعری بنیادی طور پر مذہبی شاعری ہے۔ اس حقیقت کا اطلاق صرف فارسی شاعری ہی پر نہیں ہوتا بلکہ پورا مشرقی نظامِ زندگی ہی مذہبی ہے۔ دنیا کے اس حصے میں مذہبی اثرات نے ذہنوں کو نسبتاً زیادہ متاثر کیا ہے۔ فارسی کے ایسے شعرأ کی تعداد بہت کم ہے جنہوں نے مذہبی شاعری کو اپنی توجہ کا مرکز نہ بنایا ہو۔ حمد، نعت اور منقبت وغیرہ کا شمار ظاہر ہے مذہبی شاعری کے زمرے میں کیا جاتا ہے، یہ صحیح اور منطقی بھی ہے، مشکل ہی سے کوئی ایسا فارسی شاعر یا ادیب رہا ہوگا جس نے اپنا دیوان یا نثری کارنامہ حمد، سے شروع نہ کیا ہو، پھر نعت نہ کہی ہو اور بعض شعرأ نے منقبت لکھنا بھی ضروری سمجھا ہے۔ حمد و نعت و منقبت میں قصائد و غزلیات و فنی مثنویات نظم کی ہیں۔ چند شعرأ ایسے بھی ہیں جنہوں نے صرف مذہبی شاعری کو ہی اپنے فن کا محور قرار دیا ہے اور ان کے کلام پر مذہبی اور دینی عناصر نسبتاً زیادہ حاوی ہیں۔ سترہویں اٹھارہویں صدی کے ایک شاعر محمد محسن اصفہانی متخلص بہ تاثیر نے حضور اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ اور نعتِ پیمبر ﷺ پر مشتمل ''منہاج المعراج'' کے عنوان سے ایک مثنوی کہی ہے یہ اپنی نوعیت کی واحد مثنوی نہیں بل کہ اس قسم و نوعیت کی دیگر مثنویاں بھی عام طور پر فارسی شعرأ کی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔

یہ امر مسلم ہے کہ نعت کہنا نہایت مشکل فن ہے۔ اس سلسلے میں مجھے اکبر کے دور کے معروف شاعر عرفیؔ شیرازی کے یہ دو بیت ہمیشہ یاد آتے ہیں:

عرفیؔ مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحرا
آہستہ کہ رہ بردم تیغ است قدم را
ہشدار کہ نتواں بہ یک آہنگ سرودن
نعتِ شہِ کونین و مدیحِ کے و جم را

عرفیؔ جلدی نہ کرو، یہ نعت کہنے کا میدان ہے، جنگل و صحرا نہیں کہ کہیں بھی نکل جاؤ، جو چاہو کہو، آہستہ چلو، دھیان سے قدم اُٹھاؤ، منہ سنبھال کر بات کرو، نعت کہنا ایسا ہی ہے جیسے تلوار کی

دھار پر چلنا ہو، ذرا چوک ہوئی اور مارے گئے، دیکھو خیال رکھو، جس طرح دنیا کے فرمانرواؤں کے کاؤس وکجتید کی مدح کرتے ہو، شہ کونین کی مدح اس انداز پر نہیں کی جاسکتی، اس کے اپنے اصول ہیں، اس کی اپنی محدودیتیں ہیں، آپ کی سیرت مبارک معتبر ذرائع سے ہم تک پہنچی ہیں، اس تفصیل کا دھیان رکھو، اس میں کمی بیشی کی اجازت نہیں۔ ہاں اس تفصیل کو اپنے الفاظ وعبارت میں پیش کر سکتے ہو۔

یعنی ہمارے نعت گو شعرأ کو اس فن کی نزاکتوں کا احساس تھا۔ وہ جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی جو سیرت قرآن حکیم، احادیث شریف اور دیگر معتبر معاصر روایات میں محفوظ ہے، نعت کہتے وقت وہی شاعر کے مدّ نظر رہیں۔ شاعر کا حسن فن صرف یہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنی روایات کو زبان و بیان کے جملہ محاسن کام دلائے اور نعت میں گہرائی اور گیرائی کی صفات پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ میری نظر سے اردو میں ایسی تصانیف گزری ہیں جن میں نعت گوئی میں تساہل اور سیرت پیغمبر کی معتبر روایات سے انحراف کی شکایت کی گئی ہے اور یہ تو گناہ ہے۔

مجھے امید ہے کہ آپ بھی اپنے رسالہ کے مواد کے انتخاب میں ان نزاکتوں کو ملحوظ رکھیں گے اور آپ کا رسالہ نعت پیغمبر ﷺ کا صحیح ترجمان ثابت ہوگا۔

پروفیسر علی احمد فاطمی (الہ آباد)

برادرم!

آپ کا رسالہ ''دبستانِ نعت'' موصول ہوا۔

آپ نے اپنے اس رسالے کو محض نعت کے لیے وقف کر دیا ہے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی۔ صنفِ نعت کے ساتھ انصاف نہیں ہوا ہے یہ تو صحیح ہے لیکن اس کے کچھ تہذیبی اسباب بھی ہیں معاملہ جب بھی رسولِ اکرم ﷺ کا آجاتا ہے تو قلم و ذہن دونوں میں احترام وعقیدت کے ایسے معاملات آجاتے ہیں کہ تصور وتخیل پر لگام لگانا ہی پڑتا ہے اور شاعری تصور وتخیل کی بنیاد پر ہی آگے بڑھتی ہے۔ بہر حال پھر بھی عمدہ نعتیں کہی گئی ہیں ان پر فنی اور فکری گفتگو کرنے کی ضرورت ہے۔ میں شاعر تو نہیں لیکن الہ آباد میں کئی بڑے دائرے ہیں جہاں نعتیہ مشاعرے ہوا کرتے ہیں کبھی کبھار ان میں شرکت ہو جاتی ہے چند اشعار بھی ہو جاتے ہیں۔ دو نعتیں آپ کے رسالے کے لیے روانہ کر رہا ہوں۔

امید ہے کہ رسالے سے نوازتے رہیں گے۔

ڈاکٹر شمس بدایونی (بریلی)

۲۷؍جولائی ۲۰۱۷ء

برادر مکرم! سلام مسنون

دبستان نعت کا پہلا شمارہ موصول ہوا، نعتیہ ادب کی ترسیل و اشاعت میں یہ ایک اچھا قدم ہے۔ شمارے کی ضخامت اور اس کے مشمولات دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ آپ میں ادبی صحافت کی خاصی صلاحیت موجود ہے۔ مقالات کا تنوع، دیکھ کر یک گونہ خوشی ہوئی، مجھے امید ہے کہ آپ صبیح رحمانی صاحب کی طرح ہندوستان میں نعت نگاری کے فروغ میں قابل ذکر حصہ لیں گے اور اس سلسلے کی آپ کی خدمات کو قبول عام حاصل ہوگا۔

محمد علی صدیقی (علیگ) شیدؔا بستوی

۳۱؍جولائی ۲۰۱۷ء

گرامی قدر ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کی علمی وجاہت کا تو میں ایک عرصے سے قائل ہوں مختلف کتب و رسائل میں آپ کے مقالے اور تصانیف پڑھنے کا برابر موقع ملتا رہا ہے خصوصیت سے سرورِ کونین ﷺ کی شان بیان کرنے والوں کی قلم کے ذریعے پذیرائی آپ کا خاصہ ہے جس سے میں بہت متاثر ہوں اور جو آپ کی ادبی بلندی کی خصوصی شناخت ہے اور اس کو مزید وسعت دے کر آپ نے نیا شاہکار جریدہ ''دبستانِ نعت'' کا اجرا کیا ہے جس کا ہر صفحہ آپ کی رسول اکرم ﷺ سے محبت کا ثبوت ہے اس کے پہلے ہی شمارے کے تمام مضامین سرور کونین ﷺ سے عقیدت کی ضمانت ہیں۔

''دبستانِ نعت'' میں جناب ڈاکٹر عزیز احسن صاحب کے دو مضامین شامل ہیں۔ موصوف کا ان مضامین میں لب ولہجہ کافی بدلا ہوا ہے ورنہ یہ نعت نگاروں کا بخیہ ادھڑنے میں کوئی کور کسر نہیں چھوڑتے تھے۔ آخر تنقید کے ڈاکٹر جو ٹھہرے۔

آپ نے مجھ ہیچ مداں کو بھی اس کار ثواب میں شرکت کی دعوت دی تھی لیکن اس موقع سے میں فیض یاب ہونے میں ناکام رہا۔ مجھے حیرت اور خوشی بھی ہے کہ اتنے اعلیٰ پائے کے ادیب ہونے کے باوجود آپ کی سادگی، خوش اخلاقی اور خلوص قابلِ ستائش ہیں۔ آپ علامہ اقبال کے ذیل شعر کی ایک

مثال ہیں۔ اللہ ربّ العزت آپ کو مزید کامیابیوں سے نوازے۔ آمین۔

یقیں محکم عمل پیہم ، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مومن کی شمشیریں

پروفیسر ڈاکٹر محمد سعداللہ (مہاراشٹرا)

یکم اگست ۲۰۱۷ء

مکرمی و محترمی!

السلام علیکم

امید ہے بفضل خدا بخیر ہوں گے۔

کل آپ کی خدمت میں ایک پوسٹ کارڈ تحریر کر کے ارسال کیا تھا۔ آج آپ کی خدمت میں دو تحریریں بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک ارسال کر رہا ہوں ایک ''دبستانِ نعت'' پر تاثرات پر مشتمل ہے اور ایک میں ہمارے مہاراشٹر کے ایک مشہور مراٹھی شاعر سریش بھٹ آنجہانی کی ایک مراٹھی نعت کا منظوم ترجمہ ہے۔ یہ چیزیں میں نے عجلت میں قلم برداشتہ لکھی ہیں اس لئے استدعا ہے کہ ملاحظہ فرما کر سہو و خطا کو درست فرمانے کی زحمت گوارا فرمائیں۔ اگر پسند آئیں تو شاملِ مجلّہ آئندہ فرمالیجئے ورنہ کوئی شکوہ نہ ہوگا۔ متعلقین کی خدمت میں سلام و دعا۔

ڈاکٹر جعفر جری (کریم نگر)

برادرم ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

السلام وعلیکم رحمتہ اللہ و برکاتہ،

اُمید کہ مزاج عالی بخیر ہوگا۔ اس سے پہلے کہ مجلّہ پر کچھ گفتگو ہو یہاں کچھ وضاحت کرنا چاہوں گا۔ محترم فیروز احمد سیفی صاحب (نگران ''نعت ریسرچ انسٹی ٹیوٹ'') سے صرف ٹیلی فون پر ہی بات ہوتی رہی ہے، بہت ہی منکسر المزاج شخصیت کے مالک ہیں، اَزراہِ عنایت اُنھوں نے اِس ناچیز کا تعارف آپ سے کروایا۔

اور جب آپ کی اِدارت میں شائع ہونے والے مجلّہ کا پہلا شمارہ ''دبستانِ نعت'' (جنوری تا جون ۲۰۱۶ء) نظر نواز ہوا...... الحمدللہ چار سو صفحات پر مشتمل یہ خوبصورت شمارہ عاشقِ رسولؐ علامہ

عبدالرحمٰن نورالدین جامیؒ کے نام معنون ہے اور ساتھ میں بہت ہی مختصر لیکن جامع ''گوشۂ علامہ جامیؒ'' بھی ہے جو اَپنے قارئین کو حضور پرُنور محمد ﷺ سے لو بڑھاتا ہے۔ یہاں میں زیادہ تفصیل میں نہ جاتے ہوئے اِتنا ہی کہوں گا، علامہ جامیؒ کی کیفیت کا عالم دیکھیے، نثار علی نے فارسی سے منظوم ترجمہ کیا ہے، صرف ایک شعر ملاحظہ فرمائیں:

صبا! پھر جانبِ بطحا گزر کر	مرے اَحوال کی اُن کو خبر کر

دیگر عناوین میں ''تحمید و تقدیس، گنجینۂ نقد و نظر، رحمتِ بیکراں اور مقالوں کے علاوہ بارگاہِ حضوری میں گل ہائے عقیدت'' کے تحت آقا کریم ﷺ کے عاشقوں کا نذرانہ ایک کوزے میں سمویا گیا ہے۔

میں نے جب محترم فیروز احمد سیفی صاحب سے فون پر، اِس مجلّہ کی خوبی پر روشنی ڈالی اور کچھ اظہارِ خیال کیا تو کہنے لگے کہ ''ہم آقا کے اَدنیٰ غلام ہیں، کچھ کوشش کیے جا رہے ہیں۔'' قادری صاحب واقعی آپ تمام اَحباب کی سعی و جستجو کو دیکھ کر رشک ہوتا ہے۔ یہ مجلّہ نہ صرف برِصغیر بلکہ ساری دنیا میں اپنی ایک انفرادیت رکھتا ہے اور اِس مجلّہ کی خوبی یہ ہے کہ پڑھنے کے بعد قاری کی فکر و سوچ بدل جائے گی، ہم اُمتِ محمدی ہیں اِس بات کی سہی قدر معلوم ہوگی اور ہمارے دلوں میں ایک شمع عشقِ رسول ﷺ روشن ہونے لگے گی۔

ہماری دُعاء ہے اللہ رب العزت آپ تمام اَحباب کی اِن کاوشوں کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے......آمین۔

نعت ریسرچ سنٹر۔انڈیا کوموصول ہونے والی کتب

۱- اِس پار سے اُس پار تک حامدؔ امروہوی ۲۰۱۵ مرزا ساجد حُسین ساجدؔ امروہوی، محلّہ سدو، امروہہ جے۔پی۔نگر 244221 (یو۔پی)

۲- رازِ بخشش ساجدؔ امروہوی ۱۹۹۰ مرزا محمد زبیر ابن سیفی، محلّہ سدو، امروہہ- 244221 جے۔پی۔نگر (یو۔پی)

۳- گہرِ بخشش ساجدؔ امروہوی ۲۰۰۸ دفتر یادگارِ رؤف، محلّہ سدو، امروہہ- 244221 جے۔پی۔نگر (یو۔پی)

۴- محامد رب (حمدیہ دیوان) ڈاکٹر صابرؔ سنبھلی ۲۰۱۴ نفیس احمد بک سیلر، محلّہ رکن الدین سرائے سنبھل 244302 (یو۔پی)

۵- رباعیات کے چار دیوان ڈاکٹر صابرؔ سنبھلی ۲۰۱۵ نفیس احمد بک سیلر، محلّہ رکن الدین سرائے سنبھل 244302 (یو۔پی)

۶- دواوینِ رباعیات ڈاکٹر صابرؔ سنبھلی ۲۰۱۵ نفیس احمد بک سیلر، محلّہ رکن الدین سرائے سنبھل-244302 (یو۔پی)

۷- چراغ (مجموعۂ نعت) سید شاکر القادری نومبر ۲۰۱۶ اکادمی فروغِ نعت، اٹک۔ پاکستان

۸- نعت کہوں تو خوشبو آئے (نعتیہ مجموعہ) ابرارؔ کرت پوری ۲۰۱۶ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶

۹- **اِلّا ھُو** (انتخابِ محامد) ابرارؔ کرت پوری ۲۰۱۵ الحسنات سرسید احمد روڈ، دریا گنج، نئی دہلی

۱۰- گلشنِ عقیدت (حمد، نعت، سلام، مرثیہ، نوحہ منقبت) متینؔ عمادی ۲۰۱۶ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶

۱۱- دیوانِ افسر ناروی افسرؔ ناروی ۲۰۱۳ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶

۱۲- محراب (مجموعۂ نعت ومنقبت) یاور وارثی ۲۰۱۶ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶

۱۳- حدائق الریحان (منظوم اردو ترجمانی) ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی ۲۰۱۶ گوشۂ مطالعات فارسی، علی گڑھ

۱۴- پیمانِ قلم مختار عاشقی جونپوری ۲۰۱۴ محمد سلمان ممتاز احمد شیخ (سلمان جونپوری) احمد آباد۔ گجرات
۱۵- بابِ رحمت (نعتیہ مجموعہ) اسحاق انور ۲۰۱۶ اخبار اڑیسہ پبلی کیشنز۔ کٹک
۱۶- رحمتِ عالم (نعتیہ مجموعہ) حبیب سرور ۲۰۱۱ حبیب سرور نوابی، عزیزی، ابو العلائی، ناتھو پور۔ ہتھ گام۔ فتح پور (ہسوہ)
۱۷- چشمہ چشم (مجموعہ حمد، نعت، سلام) کرشن کمار طور ۲۰۱۰ سرسبز پبلی کیشنز، کنھیا روڈ، دھرم شالہ 176215 (ہماچل پردیش)
۱۸- طُورِ طلسم (غزلوں کا مجموعہ) کرشن کمار طور ۲۰۱۵ عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی ۶
۱۹- وہی اوّل وہی آخر (مجموعۂ نعت) محمد علی صدیقی شیدا بستوی ۲۰۱۶ محمد علی صدیقی، افتخار ہاؤس، نزد اسکاٹ پریس، گاندھی نگر، بستی
۲۰- ہزار آئینہ (مجموعہ حمد، نعت، منقبت وسلام) فیروز ناطق خسرو ۲۰۱۷ جہان حمد پبلی کیشنز، کراچی
۲۱- والفجر (مجموعہ نعت) ڈاکٹر آفاق فاخری ۲۰۱۵ ڈاکٹر آفاق فاخری، محلّہ قاضی پور، جلال پور، ضلع امبیڈکر نگر (یو۔پی)
۲۲- دربار مصطفیٰ ﷺ (حمدیہ و نعتیہ مجموعہ) سعید رحمانی ۲۰۱۷ اخبار اڑیسہ پبلی کیشنز۔ کٹک
۲۳- ہر سانس محمد ﷺ پڑھتی ہے پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی ۲۰۱۵ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶
۲۴- مناظر عاشق ہرگانوی کی ''ہر سانس محمد ﷺ پڑھتی ہے'' ڈاکٹر نذیر فتح پوری ۲۰۱۶ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶
۲۵- گنجِ شائگاں (کُلیاتِ قصائد) فلک شکوہ محمد علی مہکری آصف خانہ زاد ۲۰۱۶ الانصار پبلی کیشنز، ریاست نگر، حیدرآباد
۲۶- عیدِ منظر (مجموعہ حمد، نعت، منقبت) اسد ثنائی ۲۰۱۵ الانصار پبلی کیشنز، ریاست نگر، حیدرآباد
۲۷- خیر السّیر فی سیرۃ خیر البشر ولی اللہ عبدالسبحان۔ ولی عظیم آبادی ۱۴۳۵ھ مطابع الرشید المدینۃ المنورہ
۲۸- نوائے طیبہ (مجموعہ حمد و نعت ولی اللہ عبدالسبحان۔ ولی عظیم آبادی ۱۴۲۳ھ مکتبۃ الشیخ ۳/۴۴۵ بہادر آباد، کراچی
۲۹- اذکارِ مبین (نعتیہ و منقبتی مجموعہ) مبین منوّر ۲۰۱۲ مبین منوّر 702/1، آٹھواں مین، سیکنڈ بلاک، بنگلور

۳۰- وجہِ کُل ﷺ (حیات وسیرۃ النبی منظوم) منیر احمد جامؔی ۲۰۱۵ ائی مانیٹری اڈوائزری (آئی ایم اے) بنگلور
۳۱- سامانِ تسکین (مجموعہ حمد ومناجات ،نعت ومنقبت) شاہ حسین نہری ۲۰۱۲ نوائے دکن پبلی کیشنز،اورنگ آباد
۳۲- حمد ربّ جلیل جلّ جلالہٗ نعت رسول کریم ﷺ ڈاکٹر جلال توقیر اگست ۲۰۱۲ اسٹوڈیو ایکزالٹ، بنگلور، کرناٹک
۳۳- دکن دیس کی پیش روغزلیں اسلم مرزا اکتوبر ۲۰۱۶ الانصار پبلی کیشنز، ریاست نگر، حیدرآباد
۳۴- اردونعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ ڈاکٹر عزیز احسن مارچ ۲۰۱۳ نعت ریسرچ سینٹر، کراچی
۳۵- اردونعت کی شعری روایت صبیح رحمانی جون ۲۰۱۶ اکادمی بازیافت، کراچی
۳۶- کلام رضا فکری وفنی زاویے صبیح رحمانی ۲۰۱۷ نعت ریسرچ سینٹر، کراچی
۳۷- بدیع الرضا فی مدح المصطفیٰ ﷺ میرزا امجد رازؔی جنوری ۲۰۱۱ محی الدین ریسرچ سینٹر، محی الدین اسلامی یونیورسٹی، آزاد کشمیر
۳۸- مقالاتِ نعت اسد ثنائی جنوری ۲۰۱۴ الانصار پبلی کیشنز، ریاست نگر، حیدرآباد
۳۹- تفہیم وتجزیہ (تنقیدی مقالات کا مجموعہ) پروفیسر فاروق احمد صدیقی ۲۰۱۵ پروفیسر فاروق احمد صدیقی، مظفر پور (بہار)
۴۰- اردونعت کے سات رنگ شاہ اجمل فاروق ندوی ۲۰۱۶ مکتبہ الفاروق، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی
۴۱- اردو کے منتخب غیر مسلم نعت گوشعراٗ ڈاکٹر عقیلہ بیگم سید غوث ۲۰۰۳ پٹیل حفیظ الرحمٰن، امبا جوگائی، ضلع بیڑ (مہاراشٹرا)
۴۲- سفیرِ حمد ونعت طاہر سلطانی سے ملیے یاور مہدی ۲۰۱۴ سید حسن مہدی ریٹائرڈ سینئر ایگزیکٹیو، نیشنل بینک آف، پاکستان
۴۳- وفیات نعت گویان پاکستان ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ اگست ۲۰۱۵ نعت ریسرچ سینٹر، کراچی
۴۴- تکملے (دوسطری نثری نظمیں) علیم صبؔا نویدی ۲۰۱۶ ٹمل ناڈو اردو پبلی کیشنز، چنئی
۴۵- نقشِ علیم (علیم صبا نویدی کے شعری مجموعوں کا جائزہ) ۲۰۱۶ ٹمل ناڈو اردو پبلی کیشنز، چنئی

۴۶- جہانِ غزل علیم صبؔا نویدی ۲۰۱۶ ٹمل ناڈو اردو پبلی کیشنز، چنئی
۴۷- صبح ہونے والی ہے بس۔ عبدالمجید اسؔد ۲۰۱۶ ناز پبلی کیشنز 8/12 اولیأ اسٹریٹ، مونٹ روڈ، چنئی
۴۸- نواب والا جاہ حضرت العلام عبدالعلیم بحرالعلوم فرنگی محلی علیم صبا نویدی جنوری ۲۰۱۷ علیم صبا نویدی، مومنٹ روڈ، مدراس
۴۹- تقویمِ جاویدانی (ہجری اور عیسوی کی تطبیقات) ڈاکٹر جاویدہ حبیب جنوری ۲۰۱۷ ٹمل ناڈو اردو پبلی کیشنز، چنئی
۵۰- محبتوں کے چراغ (نعت ومنقبت کا مجموعہ) قاری اخلاق فتح پوری ۲۰۱۷ قاری اخلاق فتح پوری۔ منگرے موَ، ضلع فتح پور (یو۔پی)
۵۱- آتشِ گل (شعری مجموعہ) شیخ محمد الیاس انجم کلیمی نوابی ۲۰۱۷ آستانۂ عالیہ نوابیہ، قاضی پور شریف ضلع فتح پور ہسوہ (یو۔پی)
۵۲- حرفِ معتبر (شعری مجموعہ) محمد مجاہد سید مارچ ۲۰۰۲ تخلیقات، علی پلازہ، مزنگ روڈ، لاہور
۵۳- جہات (شعری مجموعہ) محمد مجاہد سید مئی ۲۰۱۰ ادبیات عالیہ اکادمی، نئی دہلی
۵۴- پسِ غبار (شعری مجموعہ) یاور وارثی ۲۰۱۵ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ٦
۵۵- وجدان (نعتیہ مجموعہ) یاور وارثی ۲۰۱۱ انجم السعید، رضوان عارف، ۸۸/۲۴۲، چمن گنج، کانپور
۵۶- قصائد جذب ڈاکٹر سید حسن عباس ۱۹۹۳ مرکز تحقیقات اردو فارسی، گوپال پور، باقر گنج، ضلع سیوان (بہار)
۵۷- فصیل (نظمیں) شارق عدیل ۲۰۱۱ اسلم حنیف فاونڈیشن، علی گڑھ
۵۸- دھنک شعری مجموعہ (ہندی) ۲۰۰۵ ادبی پبلی کیشنز، جے پور (راجستھان)
۵۹- نعت، مرثیہ اور عرفان (ایک علمیاتی بحث) حیات عامر عثمانی ۲۰۱٦ مکتبۂ جامعہ، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ
٦۰- ٹمل ناڈو میں اردو کی سمت ورفتار علیم صبؔا نویدی ۲۰۱۴ ٹمل ناڈو اردو پبلی کیشنز، چنئی
٦۱- مفتاحِ سخن ابرار کرت پوری ۲۰۱۰ مرکزِ علم ودانش، ۲/٦ ۷ اقدسیہ منزل ذاکر نگر، نئی دہلی
٦۲- خطبات محرم ڈاکٹر بشیر الحق قریشی ۲۰۱۰ ویلور اسلامک فاونڈیشن، 62 گاندھی روڈ، ویلور 632004 (ٹمل ناڈو)

۶۳- علیم صبا نویدی بہار کے دانشوروں کی نظر میں علی منیر ۲۰۱۶ روشان پرنٹرس، دہلی ۶

۶۴- حضرت قطب ویلور کے علمی وادبی کارنامے ڈاکٹر بشیر الحق قریشی ۲۰۱۲ ویلور اسلامک فاؤنڈیشن، 62 گاندھی روڈ، ویلور و 632004 (ٹمل ناڈو)

۶۵- کتبِ سابقہ میں سید المرسلین ﷺ سے متعلق بشارتیں ڈاکٹر مقصود احمد جنوری ۲۰۰۶ فلاحِ دارین ٹرسٹ، جامعہ نگر، نئی دہلی

۶۶- کلام ربانی کی منظوم ترجمانی ڈاکٹر مقصود احمد جولائی ۲۰۱۴ حضرت پیر محمد شاہ لائبریری اینڈ ریسرچ سینٹر، احمد آباد، گجرات

۶۷- علم حدیث کے فروغ میں علمائے گجرات کا حصہ ڈاکٹر مقصود احمد دسمبر ۲۰۱۳ حضرت پیر محمد شاہ لائبریری اینڈ ریسرچ سینٹر، احمد آباد، گجرات

۶۸- رسالہ معرفتِ عشق (محفلِ میلاد کے جواز میں) پروفیسر مقصود احمد جون ۲۰۱۶ ۲۰۳ رشفا کامپلیکس، تاندل جا روڈ، بڑودہ، گجرات

۶۹- رفاقت کی خوشبو (شعری مجموعہ) پروفیسر ڈاکٹر مقصود احمد فروری ۲۰۱۴ حضرت پیر محمد شاہ لائبریری اینڈ ریسرچ سینٹر، احمد آباد، گجرات

۷۰- مشاہیر خطوط کے حوالے سے (تنقیدی مضامین) ڈاکٹر رؤف خیر جولائی ۲۰۱۵ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶

۷۱- عزیز احمد قلم کار خوش قد ڈاکٹر رؤف خیر ۲۰۱۶ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶

۷۲- خیرِ کثیر (تنقیدی واصلاحی مضامین) ایلاف خیری ۲۰۱۷ دارالاشاعت مصطفائی، دہلی ۶

۷۳- کاروانِ نعت (نعت خوانی نمبر) محمد ابرار حنیف مغل فروری مارچ ۲۰۰۷ ادارہ کاروانِ نعت، اردو بازار، لاہور

۷۴- سہ ماہی مدحت مدیر سرور حسین نقشبندی مارچ تا مئی ۲۰۱۵ نعت فورم، لبرٹی مارکیٹ، گل برگ، لاہور

۷۵- گیسوئے اردو (دکنی ادب نمبر) مدیر اعلیٰ پروفیسر محمد عبد الحمید اکبر اپریل ۲۰۱۵ شعبۂ اُردو و فارسی، گل برگہ یونیورسٹی، گل برگہ

۷۶- عالم گیر ادب (شاہ حسین نہری فن اور شخصیت) مدیر عارف خورشید ۲۰۱۴ نوائے دکن پبلی کیشنز، رشید پورہ، اورنگ آباد

۷۷- کاروانِ ادب بھوپال (گولڈن جبلی شمارہ) جاوید یزدانی، کوثر صدیقی جنوری تا ستمبر ۲۰۱۶ کاروان ادب، A-79 گنوری روڈ، بھوپال

۷۸- ادراک۔ مدیر اعزازی پروفیسر سید حسن عباس اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۴ مرکز تحقیقاتِ فارسی اردو، گوپال پور، سیوان۔ بہار

۷۹- اولیائے اسلام (ڈائریکٹری) ڈاکٹر اشفاق انجم مارچ ۲۰۱۱ الہدیٰ پریس، مالیگاؤں

۸۰- فصیل بے چراغ (مجموعۂ کلام) ڈاکٹر اشفاق انجم ۲۰۰۵ ڈاکٹر اشفاق انجم 749 نیا پورہ، مالیگاؤں 423203

۸۱- آفتابِ عالم تاب ڈاکٹر اشفاق انجم ۲۰۱۵ مولانا غلام محمد وستانوی لائبریری، مدرسہ زینب اختر الیتمیٰ، درے گاؤں

۸۲- چراغِ معرفت ڈاکٹر اشفاق انجم ۲۰۱۷ صوفی علیم احمد صاحبِ سجادہ صوفی نورالہدیٰ ۸۷/ ہزار کھولی، مالیگاؤں

۸۳- پس نوشت (تنقیدی مضامین) ڈاکٹر اشفاق انجم ۲۰۱۲ الہدیٰ آفسیٹ پریس۔ مالیگاؤں

۸۴- نظام شاہی توپ ساز محمد بن حسن رومی خان اسلم مرزا جون ۲۰۱۳ نوائے دکن پبلی کیشنز، رشید پورہ، اورنگ آباد، دکن

۸۵- سلاطین دکن کے عہد میں شادی اسلم مرزا فروری ۲۰۱۶ نوائے دکن پبلی کیشنز، رشید پورہ، اورنگ آباد، دکن

۸۶- تنقیدی زاوئے پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی ۲۰۱۶ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶

۸۷- تمثیلِ نو مدیرہ ڈاکٹر زہرہ شمائل جولائی ۲۰۱۶ تا جون ۲۰۱۷ اردو ادبی سرکل محلّہ گنگوارہ پوسٹ سارا موہن، دربھنگہ

۸۸- مناظر عاشق ہرگانوی کی ادبی آبیاری ایڈوکیٹ صفی الرحمٰن راعین ۲۰۱۷ دارالاشاعت مصطفائی، دہلی ۶

۸۹- نیلم کی آواز (شعری مجموعہ) ڈاکٹر امام اعظم ۲۰۱۴ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶

۹۰- مناظر عاشق ہرگانوی کی نعت گوئی میں ندرتِ فن ڈاکٹر زہرہ شمائل ۲۰۱۷ دارالاشاعت مصطفائی، دہلی ۶

۹۱- مناظر عاشق ہرگانوی کی ''آنکھوں دیکھی) تجزیہ احمد معراج ۲۰۱۶ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶

۹۲- مناظر عاشق ہرگانوی کے افسانے اور تجزیے ڈاکٹر عرشِ منیر ۲۰۱۷ دار الاشاعت مصطفائی، دہلی ٦

۹۳- مناظر عاشق ہرگانوی کی افسانوی جہتیں عذرا مناظ ۲۰۱۷ دارالاشاعت مصطفائی، دہلی ٦

۹۴- ثنائے سرکار ہے وظیفہ توفیق احسن برکاتی اپریل ۲۰۱۷ رضا اسلامک فاؤنڈیشن، نیرول، نئی ممبئی

۹۵- ہفت روزہ ''تاج دار، ممبئی'' کا قران نمبر توفیق احسن برکاتی مارچ ۲۰۱۷ ادارہ معارف اسلامی ۱۲۲ر کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی

۹٦- سید العلماء شخص و عکس توفیق احسن برکاتی اگست ۲۰۱٦ رضا اسلامک فاونڈیشن، نیرول، نئی ممبئی

۹۷- علامہ قمر الزماں اعظمی احوال و آفکار نومبر ۲۰۱٦ مکتبہ طیبہ، ممبئی

۹۸- سید نظمی مارہروی شخصیت اور فن توفیق احسن برکاتی اگست ۲۰۱٦ مکتبہ امام اعظم، دہلی

۹۹- اسوہ رسول ﷺ مشتاق دربھنگوی ۲۰۱۴ اخبار مشرق پبلی کیشنز، 12 درگاہ روڈ، کلکتہ 17

۱۰۰- غزالان حرم (شاعرات کا حمدیہ انتخاب) مشتاق دربھنگوی ۲۰۱۳ اخبار مشرق پبلی کیشنز، 12 درگاہ روڈ، کلکتہ 17

۱۰۱- عندلیبان طیبہ (شاعرات کا نعتیہ انتخاب) مشتاق دربھنگوی ۲۰۱۳ اخبار مشرق پبلی کیشنز، 12 درگاہ روڈ، کلکتہ 17

۱۰۲- امن و شانتی الحاج سید معز الدین قادری مارچ ۲۰۰۹ بشیریہ لائبریری، آستانہ قادریہ، چندوسی، ضلع مراد آباد

۱۰۳- نغمۂ محمدی ﷺ سے نکلی ہوئی آبِ جو شاکر کنڈان ۲۰۱٦ مثال پبلشرز، رحیم سینٹر، پریس مارکیٹ، امین پور بازار، فیصل آباد

۱۰۴- پیارے محمد ﷺ (نعتیہ مجموعہ) زاہد محمود شمسؔ ۲۰۱۵ دھنک مطبوعات لاہور، ملتان

۱۰۵- محمد ﷺ محمد ﷺ (نعتیہ مجموعہ) زاہد فخری مئی ۲۰۰۱ خزینہ علم و ادب، الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

۱۰٦- تذکرہ مولانا جامیؔ رحمۃ اللہ علیہ طالب ہاشمی ۲۰۱۰ القمر انٹر پرائزز، غزنی اسٹریٹ، اردو بازار، لاہور

۱۰۷- محمد نہ ہوتے۔۔۔ (نعتیہ مجموعہ) ڈاکٹر نذیر فتح پور جون ۲۰۱٦ اسباق پبلی کیشنز۔ سنچے پارک، لوہ گاؤں روڈ، پونہ

۱۰۸- تتلیوں بھرا آسمان (غزلیات) ڈاکٹر نذیر فتح پوری ۲۰۱۲ اسباق پبلی کیشنز۔ سنچے پارک، لوہ گاؤں روڈ، پونہ

۱۰۹- اعتراف (ادبی مضامین) ڈاکٹر نذیر فتح پوری ۲۰۱۲ اسباق پبلی کیشنز۔ سنیجے پارک، لوہ گاؤں روڈ، پونہ
۱۱۰- اردو کا اثر راجستھانی بولیوں پر (تحقیق) ڈاکٹر نذیر فتح پوری فروری ۲۰۱۱ اسباق پبلی کیشنز۔ سنیجے پارک، لوہ گاؤں روڈ، پونہ
۱۱۱- مناظر صاحب! کتابیں ملیں ڈاکٹر نذیر فتح پوری ۲۰۱۴ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی
۱۱۲- میری شاعری میں جانور ڈاکٹر نذیر فتح پوری جنوری ۲۰۱۴ اسباق پبلی کیشنز۔ سنیجے پارک، لوہ گاؤں روڈ، پونہ
۱۱۳- تذکارِ فاروقی ملک محبوب الرسول قادری رضوی، سردار محمد اکرم بٹر ۲۰۱۵ مکتبۂ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور
۱۱۴- مطالعۂ امیر ڈاکٹر ابومحمد سحر ۲۰۰۸ مکتبۂ ادب ۳۹/ مالویہ نگر، بھوپال۔

Organwise Ghazlen

By Dr. Manazir Ashique Harganvi

2016 Educational Publishing House Delhi -6

Encomium To Holy Prophet

By Dr. Manazir Ashique Harganvi

2016 Educational Publishing House Delhi -6

۱۱۷- ہمارے بچے مترجم ومولفہ سید نوشاد بیگم محمود ۲۰۱۴ اسباق پبلی کیشنز۔ سنیجے پارک، لوہ گاؤں روڈ، پونہ
۱۱۸- پشاور کی کہانیاں پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی ۲۰۱۵ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی
۱۱۹- غزوۂ بدر اور اس کا پسِ منظر (ایک تحقیقی جائزہ) ڈاکٹر رضوان انصاری ۲۰۱۰ جامعہ فضل رحمانیہ، سدھولی، سیتاپور
۱۲۰- فیضان نورِ حرا ڈاکٹر رضوان انصاری ۲۰۱۵ محمد عمر خاں قادری، رضوی، نوری شاہ جہانپور
۱۲۱- دائرہ قادریہ ڈاکٹر ساحل شہسرامی ۲۰۱۱ سلطان شیر شاہ سوری پبلی کیشنز، شہسرام۔ بہار
۱۲۲- ہندوستان اور خواجہ غریب نواز مولانا قاری محمد میکائیل ضیائی ۲۰۱۰ المجاہد اکیڈمی، کانپور

ooo

1

M.A. URDU
POST-GRADUATE SEMESTER SYSTEM EXAM
(Proposed Out-Line/Format for Syllabus)
FOUR SEMESTERS POST-GRADUATE EXAMINATIONS
(DURATION WILL BE SIX MONTHS FOR EACH SEMESTER)

Semester - Ist
Paper - Ist (DASTAN)

Code No.	Name of the Paper	Units of Detail Syllabus		Marks	Total
101	داستان DASTAN	Unit - 1	داستان، فن اور روایت DASTAN-ART & TREDITION	20	100
		Unit - 2	انتخاب سب رس ناشر: یوپی اردو اکادمی۔ لکھنؤ INTEKHAB-SABRAS PUB.:UPURDUACADEMY LUCKNOW	20	
		Unit - 3	باغ و بہار (سیر پہلے اور دوسرے درویش تک) BAGH-O-BAHAR MIR AMMAN (SAIR PAHLE AUR DOOSRE DARWESH TAK)	20	
		Unit - 4	انتخاب فسانۂ عجائب ناشر: یوپی اردو اکادمی۔ لکھنؤ INTEKHAB-E-FASANA-E-AJAIB RAJJAB ALI BEG SAROOR Pub.:UP URDU ACADEMY LUCKNOW	20	
		Unit - 5	رانی کیتکی کی کہانی RANI KETKI KI KAHANI INSHA ALLAH KHAN INSHA	20	

Semester - Ist

Paper - IInd (QASIDA AUR NAAT)

Code No.	Name of the Paper	Units of Detail Syllabus		Marks	Total
102	قصیدہ اور نعت QASIDA AUR NAAT	Unit - 1	قصیدہ اور نعت فن اور روایت QASIDA AUR NAAT ART AND TRADITION	20	100
		Unit - 2	مرزا محمد رفیع سودا اٹھ گیا بہمن ودے کا چمنستاں سے عمل انتخابِ قصائد، ناشر: یوپی اردو اکادمی۔لکھنؤ MIRZA MOHD. RAFI SAUDA UTH GAYA BAHMAN-O-DAI KA CHAMANISTAN SE AMAL INTEKHAB-E-QASAED Pub.: UP URDU ACADEMY LKN.	20	
		Unit - 3	شیخ ابراہیم ذوق ساون میں دیا پھر مہ شوال دکھائی انتخابِ قصائد، ناشر: یوپی اردو اکادمی۔لکھنؤ SHAIKH IBRAHIM ZAUQ SAWAN MEN DIYA PHIR MAH-E-SHAWWAL DIKHAYEE INTEKHAB-E-QASAED Pub.: UP URDU ACADEMY LKN.	20	
		Unit - 4	محسن کاکوری سمت کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل انتخابِ قصائد، ناشر: یوپی اردو اکادمی۔لکھنؤ MOHSIN KAKORVI SAMT KASHI SE CHALA JANIB-E-MATHURA BADAL INTEKHAB-E-QASAED Pub.: UP URDU ACADEMY LKN.	20	
		Unit - 5	حضرت احمد رضا خاں بریلوی واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا حدائقِ بخشش۔از احمد رضا خاں بریلوی HAZRAT AHMAD RAZA KHAN BARELVI WAH KIYA JOOD-O-KARAM HAI SHAH-E- BATHA TERA HADAYEQ-E-BAKHSHISH	20	

3

Semester - Ist

Paper - IIIrd (MARSIA AUR MASNAVI)

Code No.	Name of the Paper	Units of Detail Syllabus		Marks	Total
103	مرثیہ اور مثنوی MARSIA AUR MASNAVI	Unit - 1	مرثیہ و مثنوی-فن اور روایت MARSIA-W-MASNAVI ART AND TRADITION	20	100
		Unit - 2	میر ببر علی انیس جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے (ابتدائی پچیس بند) انتخابِ مراثی-ناشر: یوپی اردو اکادمی لکھنؤ MIR BABBAR ALI ANIS JAB QATA KI MUSAFAT-E-SHAB AFTAB NE (IBTEDAI PACHIS BAND) BOOK: INTEKHAB-E-MARASI Pub.:UP URDU ACADEMY LKN.	20	
		Unit - 3	مرزا سلامت علی دبیر پیدا شعاعِ مہر کی مقراض جب ہوئی (ابتدائی پچیس بند) انتخابِ مراثی-ناشر: یوپی اردو اکادمی لکھنؤ MIRZA SALAMT ALI DABIR PAIDA SHUA-E-MEHR KI MIQRAZ JAB HUYEE (IBTEDAI PACHIS BAND) BOOK: INTEKHAB-E-MARASI Pub.:UP URDU ACADEMY LKN.	20	
		Unit - 4	میر حسن، سحر البیان-از انتخابِ منظومات حصہ دوم (مکمل) MIR HASAN SEHRUL BAYAN (MUKAMAL) BOOK: INTEKHAB-E-MANZOOMAT Vol. 2	20	
		Unit - 5	پنڈت دیا شنکر نسیم گلزارِ نسیم-از انتخابِ منظومات (حصہ دوم مکمل) PANDIT DAYA SHANKAR NASIM GULZAR-E-NASIM (MUKAMAL) INTEKHAB-E-MANZOOMAT(Vol.2) Pub.:UP URDU ACADEMY LKN.	20	

4

Semester - Ist

Paper - IVth (CLASICI GHAZAL)

Code No.	Name of the Paper	Units of Detail Syllabus		Marks	Total
104	کلاسیکی غزل CLASICI GHAZAL	Unit - 1	غزل-فن اور روایت GHAZAL-ART AND TRADITION	20	100
		Unit - 2	ولی دکنی از منتخب غزلیں-(ابتدائی دس غزلیں) ناشر: اترپردیش اردو اکادمی WALI DAKNI BOOK: MUNTAKHAB GHAZLEN (IBTEDAYI DAS GHAZLEN) Pub.:UP URDU ACADEMY LUK.	20	
		Unit - 3	میرتقی میرؔ از منتخب غزلیں-(ابتدائی دس غزلیں) MIR TAQI MIR BOOK: MUNTAKHAB GHAZLEN (IBTEDAYI DAS GHAZLEN)	20	
		Unit - 4	آتش از منتخب غزلیں-(ابتدائی دس غزلیں) AATISH BOOK: MUNTAKHAB GHAZLEN (IBTEDAYI DAS GHAZLEN)	20	
		Unit - 5	مرزا غالبؔ از منتخب غزلیں-(ابتدائی دس غزلیں) MIRZA GHALIB BOOK: MUNTAKHAB GHAZLEN (IBTEDAYI DAS GHAZLEN)	20	

5

Semester - Ist

Paper - Vth (FARSI AUR HINDI ADAB)

Code No.	Name of the Paper	Units of Detail Syllabus		Marks	Total
105	فارسی و ہندی ادب FARSI AND HINDI ADAB	Unit - 1	غزلیات خسرو (ابتدائی پانچ غزلیں) از نصاب فارسی GHAZALIYAT-E-KHUSRO (IBTEDAYI PANCH GHAZLEN) BOOK:NISAB FARSI	20	100
		Unit - 2	رباعیات سرمد (مکمل) از نصاب فارسی RUBAYIAT-E-SARMAD (MUKAMMAL) BOOK : NISAB FARSI	20	
		Unit - 3	منتخب از گلستانِ سعدی (ابتدائی پانچ حکایتیں) از نصاب فارسی MUNTAKHIB AZ GULISTAN-E-SAADI (IBTEDAYI PANCH HIKAYATEN) BOOK : NISAB FARSI	20	
		Unit - 4	ویر گاتھا کال، بھگتی کال، ریتی کال، چھایاواد از ہندی ادب کی تاریخ۔محمد حسن VEER GATHA KAL, BHAGTI KAL, RITI KAL, CHAYA WAD BOOK : HINDI ADAB KI TARIKH Prof. MD. HASAN	20	
		Unit - 5	پرتھوی راج راسو، تلسی داس، کبیر داس، نرالا اور مہادیوی ورما، از ہندی ادب کی تاریخ۔محمد حسن PIRTHAVI RAJ RASO, TULSI DAS, KABIR DAS, NIRALA AND MAHADEVI VERMA BOOK : HINDI ADAB KI TARIKH Prof. MD. HASAN	20	

Total Marks : 500

Abul Kalam Qasmi
Professor

Department of Urdu
Aligarh Muslim University, Aligarh
Phone : OFF. : 2703027-926 Ext. : 1632
e-mail : akqasmi@gmail.com

نعت گوئی ایک مقدس اور روحانی اسلوب اظہار ہی نہیں بلکہ اگر اس میں
تخلیقی صلاحیت کا بھرپور اظہار کیا جائے اور فنی سطح پر اسے ہنرمندیوں
کی پیش کش کا وسیلہ بنایا جائے تو نعت میں بھی دوسری اصناف
شاعری کی طرح شعریت اور فنی اقدار کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے —
سراج احمد قادری صاحب نہ صرف یہ کہ ایک عاشق رسول ہیں بلکہ
مذہب کی مبادیات سے بھی بخوبی واقف ہیں۔ اسی لئے ان کے
رسالے میں مجھے نہ عقیدے اور مسلک کے معاملے میں کوئی افراط و تفریط
دکھائی دیتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے دبستان نعت کے مشمولات
کا انداز ایک خاص سطح اور معیار کو پیش کرتا ہے ۔

دبستان نعت، کا گیٹ اپ، کمپوزنگ اور پیش کش
جس قدر دلکش ہے اس میں شامل شدہ تحریریں بھی اسی معیار
کی تصدیق و توثیق کرتی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ رسالہ بہت
جلد اپنے موضوع پر ایک مختلف اور منفرد ادبی اور مذہبی
جریدہ ہونے کا ثبوت فراہم کرتا رہے گا۔ اگر یہ کہا جائے
تو بالکل حق بجانب بات ہوگی کہ اس رسالے نے پہلے شمارے سے اپنی
رنگ شناخت قائم کرلی ہے۔ ان کلمات کے ساتھ میں دبستان نعت
کے لئے اپنی نیک خواہشات پیش کرتا ہوں۔

ابوالکلام قاسمی
۱۸ جنوری ۲۰۱۷

Residence : 'SAR-SUBZ', BADAR BAGH, JAIL ROAD, ALIGARH-202002
PH. : (0571) 2701504 Mobile : +91-9456241142 FAX : (0571) 2703027